"مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن ہیں اور تم اُنکی چولی ہو" (البقر)

ایڈیٹر۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا۔ جائنٹ ایڈیٹر۔ مسز محمد اکرام

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دل آویز مخزن

چندہ سالانہ مع محصولڈاک پانچ روپے (للعہ) + سستا ایڈیشن تین روپے (سےر) فی پرچہ ۸ر و ۴ر

فہرست مضامین

نقد و نظر

انیس نسواں کی اشاعت نئے سال کے آغاز سے شروع ہوتی ہی۔ جنوری سنہ ۱۹۳۹ء کا پرچہ کچھ عرصے پہلے شائع کر دیا ہی تاکہ جن صاحب کی خدمت میں پرچہ بامید پسندیدگی پہنچے وہ اپنی پسندیدگی کا اظہار بذریعہ ترسیل زر چندہ فرما سکیں۔ انیس نسواں کی مستقل ضخامت فی الحال ۶۴ صفحے ہوگی۔ مگر اس مرتبہ چند ضروری مضامین کی وجہ سے ۸ صفحے زائد بڑھانے پڑ گئے +

خواتین کانفرنس پنجاب کا اجلاس زیر صدارت لیڈی عبدالقادر صاحبہ لاہور میں بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ اس اجلاس کی کارروائی کی رپورٹ سے جو حال میں اخبارات میں شائع ہوئی ہے واضح ہوتا ہی کہ مفصلہ ذیل اہم تجاویز پاس ہوئی ہیں (۱) گورنمنٹ پنجاب پولیس کے ہر ایسے تھانہ میں عورتوں کی پولیس مقرر کرے جہاں کی زنانہ حوالات میں عورتیں شب بھر کے لئے زیر حراست رہیں اور جن عورتوں کے مقدمات زیر سماعتِ عدالت ہوں انکے ہمراہ بھی ایک عورت رہا کرے۔
(۲) دوسرا مطالبہ یہ ہی کہ محکمہ تعلیم خواتین کیلئے ٹریننگ کالج کافی تعداد میں قائم کرے اور میڈیکل کالجوں میں عورتیں آیندہ زیادہ تعداد میں لی جایا کریں۔ (۳) ایک تجویز یہ بھی کہ اس کانفرنس کی رائے میں آن شادیوں کی تعداد اب بہت بڑھتی جا رہی ہی جہاں ایک بیوی کی موجودگی میں شوہروں نے دوسری بیوی سے شادی کر لی۔ اسلئے کانفرنس نے یہ تجویز پاس کی ہی کہ خواتین ایسی شادیوں میں شرکت نہ کیا کریں اور ہر طرح سے کوشش کریں کہ اس قسم کی شادیوں کا انسداد ہو۔

تیسری تجویز کے متعلق ہم کو یہ واضح کرنیکی ضرورت ہی کہ کثرت ازدواج کا جو فلسفہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہی وہ بہت صحیح اور ناقابل ترمیم ہی بلکہ عملی طور پر دوسری قومیں بھی اس اصول پر کاربند ہونیکے لئے مائل نظر آتی ہیں۔ ہندو خواتین اپنی سوسائٹی کی اصلاح کے لئے جو کچھ بھی چاہیں تجویز کریں اور گورنمنٹ سے قانون پاس کرائیں لیکن مسلم خاتون کیلئے قرآن کے ضابطہ میں سب کچھ موجود ہی۔ دوسری قوموں کی خواتین اپنی آزادی کے لئے جسقدر بھی جدوجہد کریں بجا ہی مگر آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے اسلام نے مسلم خاتون کو وہ آزادی اور مساوات کے حقوق عطا فرما دیئے تھے جو آجتک دنیا کے کسی مذہب کی عورتوں کو نہیں ملے

انیس نسواں کے اسی رسالہ میں ان حقوق کا ذکر ہی مسلم خواتین ان کو غور سے پڑھیں سمجھیں اور ان پر عمل کریں۔ اللہ حد سے زیادہ بڑھنے والوں کو بھی پسند نہیں کرتا + اللہ لا یحب المعتدین

دھلی میں بھی آل انڈیا خواتین کانفرنس کا سالانہ تیرہواں اجلاس بڑے دن کی تعطیل میں ہونیوالا ہی۔ مسز آصف علی اسکی سیکرٹری ہیں ہم اسکے خلاف نہیں کہ مسلم خواتین اس میں شریک نہ ہوں لیکن انکو ہماں امر سے آگاہ کرنا انیس نسواں کا فرض ہی کہ وہ اپنی عدم واقفیت کیوجہ سے کسی ایسی تجویز کی تائید نہ کر بیٹھیں جس سے انکے مذہب کے احترام میں فرق آئے

کل من علیہا فان غازی مصطفےٰ کمال بھی چل بسے رہے نام اللہ کا۔ موت کا ذائقہ تو ہر شخص کو چکھنا ہے۔
غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی زندہ جاوید ہستی ایسی نہ تھی جسکی صف ماتم ہر مسلمان گھر میں نہ بچھے۔ افسوس تو یہ ہی کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اور بالخصوص مسلم خواتین نے انکی سوانح حیات کا غور سے مطالعہ نہیں کیا ہم انشاءاللہ آیندہ ماہ کے رسالہ میں انکی زندگی کے اہم واقعات پیش کرکے یہ بتائیں گے کہ انکی ترقی کا راز کیا تھا اور دنیا بھر کے مسلمانوں کیلئے مصطفےٰ کمال کیا یادگار چھوڑ گئے۔ اللہ ان کو غریق رحمت کرے اور مغفرت فرمائے۔ مرنیوالا اپنا فرض ادا کر گیا اور دنیا کو اپنا نمونہ دکھا کر رخصت ہو گیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو غازی مرحوم کی کوئی یادگار ضرور قائم کرنی چاہیئے

استنبول سے خبر آتی ہی کہ کمال مرحوم کا جنازہ جس وقت تدفین کے لئے دلما باغچی لیجایا گیا ایک لاکھ آدمی جنازے کے ہمراہ تھے۔ اس جم غفیر میں گیارہ آدمی تو کچلے گئے اور دو میں جاں بحق ہوئے اور بیشمار زخمی ہوئے اور ہزارہا عورتیں اور بچے بیہوش ہو ہو کر گر پڑے۔ ترک عورتیں اور لڑکیاں بھی ہزاروں کی تعداد میں شریک جنازہ تھیں مرثیہ پڑھتی جاتی تھیں اور اپنی زبان میں کہتی جاتی تھیں کہ ترک عورتوں پر اتاترک! تیرے بڑے احسان ہیں۔ تو نے ہمارا مرتبہ مردوں کے برابر کر دیا۔ اتاترک تیری یاد ہمارے اور ہماری نسلوں کے دلوں سے نہیں جا سکتی۔ ہم تجھ کو یاد کرتے کرتے تجھ سے جلد آملیں گی۔ ہم تیری یاد ہمیشہ اپنے بچوں کے دلوں میں تازہ رکھیں گی۔ تو نے مردہ قوم میں اسلام کی روح پھونک دی +

انیسِ نسواں کے مقاصد

خدمت نسواں کا ارادہ مدت سے میرے دل میں تھا۔ خدائے لایزال کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور انیس نسواں نے آج اشاعت کی صورت دیکھی۔

ورنہ یہ کس کو امید تھی کہ جو شخص فالج سے مفلوج ہو کر اور کاربنکل سے مجروح ہو کر تین سال تک بے حس و حرکت پڑا رہے وہ بھی اک دن اس قابل ہو جائے گا کہ خدمت نسواں کے لئے آج انیس نسواں جاری کر سکے۔ یہ محض اس قادر مطلق کا فضل اور احسان ہے کہ میری دعا شرفِ قبولیت سے سرفراز ہوئی۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ تعلیم نسواں کی ترقی جو آج کل نظر آرہی ہے ۱۹۰۸ء میں نہ تھی جب میں نے رسالہ عصمت دہلی سے جاری کیا تھا۔ مگر یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ نسوانی ترقی کی موجودہ روش کچھ پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھی جارہی یہ ترقی کے اصلی شاہراہ سے دور ہوتی جا رہی ہے۔

تہذیبِ مغرب آخر اپنا رنگ لائی جس کا ادنیٰ کرشمہ یہ نظر آرہا ہے کہ مذہب کی وقعت مسلمان خواتین کے دلوں سے اٹھتی جا رہی ہے، اسلامی شعار متروک ہوتا جا رہا ہے اور اسلامی روایات حقارت کی نگاہ سے دیکھی جا رہی ہیں۔

مسلم خواتین کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مغربی تہذیب کی کورانہ تقلید ان کے لئے کبھی باعث امتیاز و افتخار نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم نے اپنے مذہب اور قومیت کو پسِ پشت ڈال کر کوئی ترقی کی تو یہ قابلِ فخر ترقی نہ ہو گی۔ مغربی تہذیب قابل اعتماد چیز نہیں یہ خود گرگٹ کیطرح رنگ بدل رہی ہے۔ اسلامی تہذیب ساڑھے تیرہ سو سال سے ایک ہی رنگ پر قائم ہے

اس میں نہ آج تک کوئی فرق آیا اور نہ قیامت تک آئے۔ جب دنیا جہالت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی تو یہ فخر اسلام کی مشعل تہذیب ہی کو حاصل ہوا تھا کہ کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا"
خواجہ حالی رح فرما گئے ہیں

ہوا گو کہ پامال بستاں عرب کا　　مگر اک جہاں ہے غزل خواں عرب کا
ہرا کر گیا سب کو باراں عرب کا　　سپید و سیاہ پر ہے احساں عرب کا

وہ قومیں جو ہیں آج سرتاج سب کی
کنوڈی رہیں گی ہمیشہ عرب کی

اس میں شک نہیں کہ مذہب سے لاپرواہی مغربی تہذیب کی ایک امتیازی خصوصیت ہے - امریکہ اور یورپ میں تو لامذہبیت کا طوفان برپا ہے۔ مگر اسی یورپ کے مدبرین اب اس لامذہبیت سے بیزار ہو چکے ہیں اور پھر مذہب کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔

تین چار سال ہوئے اٹلی کے مشہور ڈکٹیٹر مسولینی نے مذہب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:- کہ سائنس کی موجودہ ترقیوں نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ سائنس کی یہ ترقی کہاں جا کر رُکے گی۔ غور سے دیکھا جائے تو سائنس جتنا آگے بڑھ رہی ہے اتنا ہی زیادہ خدا کے وجود کا ثبوت دنیا کو مل رہا ہے۔ اور سائنس کی ایجاد سے پتہ چلتا ہے کہ ضرور کوئی ایسی طاقت ہے جس نے دنیا کے ہر ذرّے میں وہ عجائبات پوشیدہ کر رکھے ہیں جن کو آج سائنس فخریہ ظاہر کر رہی ہے۔ صاحب بصیرت حضرات کے لئے جہاں سائنس خدا کی ہستی کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔ وہاں ایک دنیا کو تباہی اور گمراہی کی طرف بھی لے جا رہی ہے۔ اس تباہی سے بچنے کے لئے صرف ایک ہی رستہ ہے۔ جو خدا کی طرف لے جائے اسی کا نام مذہب ہے اور مذہب ہی دنیا میں ایک ایسی طاقت ہے۔ جو انسان کو ان گناہوں کے کرنے سے بھی روکتا ہے جن کے روکنے کے لئے سوسائٹی کوئی قانون وضع نہیں کر سکتی"!

گذشتہ جنوری میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سالانہ جلسے میں لارڈ لودین نے اپنی تقریر میں کہا تھا" کہ مذہب ہی انسان کا صحیح رہنما ہے.... ....اگر ہندوستان کو ان مصائب سے بچانا ہے جن میں اہل مغرب گھرے ہوئے ہیں۔ تو ہندوستان کے مذہبی لیڈروں کو اپنی توجہ اس طرف ابھی سے مبذول کردینی چاہیئے"

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہو جائے گا۔ کہ مغرب خود اپنی موجودہ تہذیب سے مطمئن نہیں اور اس لا مذہبیت سے بیزار ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ مادہ پرست اور لا مذہب یورپ اب حیران ہے کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ کیا مسلم خاتون اُس تہذیب کی تقلید کرنا چاہتی ہے۔ جسنے مذہب کو کھلونا اور ایک نمائشی چیز بنا رکھا ہے۔ کیا مسلم خاتون اُس معاشرت کو معراجِ ترقی سمجھنا چاہتی ہے جس نے بے غیرتی اور بے حیائی میں کمال پیدا کرلیا ہے۔ جس کے نزدیک حرام اور حلال میں کوئی تمیز نہیں رہی۔ کیا مسلم خاتون اس معاشرت کی نقال بننا چاہتی ہے۔ جو گھر کی دلآویزی اور خانگی مسرت برباد کرکے ہوٹلوں اور فلم گھروں کو آباد کر رہی ہے۔

کیا مسلم خاتون وہ معاشرت اختیار کرنا چاہتی ہے جو آئے دن نئے سے نیا حیا سوز لباس اختراع کرتی رہتی ہے۔ اور عورت کے جوہر نسائیت و شرافت کو غارت کر رہی ہے۔

مسلم خواتین اگر اپنے اسلامی شعار کو ترک کرکے مغربی تہذیب کی دلفریبیوں کے جال میں پھنس گئیں تو قوم کی بڑی بدنصیبی ہوگی۔ **انیس لنسواں** اس غرض سے جاری کیا گیا ہے کہ مسلم خواتین کو اپنے مذہب کی طرف متوجہ کرے اور ان کو نئی تہذیب کی زد سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ اس لئے انیس لنسواں کا مقصد اوّلین قرآن مجید کے مطالب اور معارف کی وضاحت ہوگا۔ اور پیرایہ ایسا آسان اور دلکش ہوگا جس سے خواتین کے دل میں شوقِ عمل کا جذبہ پیدا ہو۔

انیس لنسواں کے اجرا سے دوسرا مقصد اُن رسومِ مذموم کی تخریب کے لئے عملی تدابیر کا اختیار کرنا ہے جو مسلمانوں کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں اور مسلمانوں کا کسی طرح

پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ تہذیب مغرب کے جدید کرشمے جو وقتاً فوقتاً اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں وہ بھی ناظرات انیس نسواں کی ضیافت طبع کے لئے پیش ہوتے رہیں گے۔

رسالوں کی عام مروجہ تقطیع پر یہ اعتراض ہے کہ صنف نازک کے لئے موزوں نہیں۔ اور اس سے چھوٹی تقطیع اب کچھ دل پسند نہیں رہی۔ اس لئے ہم نے خیرالامور اوسطہا کے اصول اور اللہ تعالیٰ کی میانہ روی کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر موجودہ تقطیع کو ترجیح دی ہے۔

تصاویر کی زینت **انیس نسواں** جیسے رسالے کے لئے کچھ موزوں نہیں حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کو ہاتھ سے نہیں دیا گیا۔ رسالہ کو معنوی خوبیوں سے آراستہ کرنے میں ہم نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور نہ انشاء اللہ آیندہ اُٹھا رکھیں گے۔

السعی منی والاتمام من اللہ

محمد اکرام

پیغام عمل

کچھ مقصد لیکر آتا ہے اس دنیا میں جو آتا ہے
محروم عمل جو رہتا ہے وہ جی تے جی مرجاتا ہی
اس مزرع عالم کو سینچو تم جدوجہد کی بارش سے
جو بیج عمل کے بوتا ہے وہ پھل راحت کا پاتا ہی
رستے کی صعوبت سہ کر ہی منزل پہ پہنچنا ممکن ہی
آگاہ حقیقت غم ہے جو وہ لذت وعیش اُٹھاتا ہے
ہر ایک مصیبت دنیا میں پیغام خوشی کا لاتی ہے
گلشن میں خزاں کا آنا ہی امید بہار دلاتا ہے
دریا کی طرح جو چلتا ہے اور پھر چلتا ہی رہتا ہے
کہساروں کو میدانوں کو وہ خاطر میں کب لاتا ہے
ہر رات کے پچھلے پہرے میں کچھ دولت لٹتی ہوتی ہے
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے جو جاگتا ہو وہ پاتا ہے (جامعہ)

انیسِ نسواں کا خیر مقدم

اب تو یہ ایک متفقہ مسئلہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم ضروری ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ درسی کتابوں کے علاوہ اچھے رسالے اور اخبارات تعلیم کا ایک بڑا اور کارآمد ذریعہ ہیں۔ گو ملک میں کئی اُردو رسالے عورتوں کے لئے شائع ہو رہے ہیں اور مفید خدمات انجام دے رہے ہیں لیکن اور اچھے رسالوں کی ابھی گنجائش ہے۔ اس ضرورت کو محسوس کر کے میرے عزیز شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹر ایٹ لانے دہلی سے یہ نیا رسالہ "انیس نسواں" جاری کیا ہے۔ شیخ صاحب ایک مشاق ایڈیٹر ہیں۔ اس لئے بجا طور پر یہ توقع ہے کہ جس رسالہ کی ادارت کے وہ ذمہ دار ہوں گے اس کا معیار ادبی اعتبار سے بلند ہوگا۔ دہلی کا مشہور رسالہ عصمت جب پہلے شائع ہونا شروع ہوا تو شیخ صاحب ہی اس کے مدیر تھے اور مسز محمد اکرام صاحبہ ان کی اس کوشش میں شریک تھیں۔ بعد میں مولانا راشد الخیری مرحوم ان کے ساتھ رسالہ عصمت کی ادارت میں شریک ہوئے اور پھر وہ اس کے مدیر و مالک ہو گئے۔ کیونکہ شیخ صاحب کچھ عرصے کے لئے میدانِ ادب سے نکل کر دائرۂ وکالت میں چلے گئے تھے۔ مگر ادبیات میں ایک ایسی کشش ہے جو اپنے دلدادوں کو اپنی طرف بار بار کھینچتی ہے۔ چنانچہ شیخ محمد اکرام صاحب نے شغلِ وکالت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور اب پھر جرائد نگاری نے ان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے، اور خواتین کی مذہبی اور معاشرتی ترقی کی خدمت اُنھوں نے پھر اپنے ذمہ لی ہے۔ میں ان کو اس تجدیدِ شوق پر مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی سعی مشکور ہو اور وہ اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کریں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مغربیت کی تقلید کی اُس ناپسندیدہ رَو کو جو تعلیم یافتہ طبقہ میں پھیلتی جاتی ہے اور جس کے بعض مُضر اثرات جابجا محسوس ہو رہے ہیں۔ روکنے کی کوشش کریں اور اس بات پر زور دیں کہ جدید تعلیم سے پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہماری لڑکیوں

اور بہنوں کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ہمارے اپنے ملک کی جو اچھی خصلتیں یا عادتیں ہیں وہ کھوئی نہ جائیں اور ہماری روح میں مشرقی نورانیت باقی رہے

میرے خیال میں اِس مقصد کی اہمیت سے کسی سوچنے والے شخص کو انکار نہیں ہوگا کہ ہم سب اپنے ملک کی ترقّی چاہتے ہیں۔ مگر کسی مادّی ترقّی کو ایسے مہنگے داموں لینا نہیں چاہتے کہ اُس کے عوض میں دین اور ایمان سب کچھ دے بیٹھیں۔ بہت سے مشرقی ملکوں میں اسوقت یہ خیال پھیلتا جاتا ہے کہ مغرب کی ترقّی کا راز یہ ہے کہ وہ مذہب سے بے پرواہ ہے۔ آئندہ زندگی کے وجود سے منکر ہے۔ اور موجودہ زندگی میں مزے اُڑانے کو زندگی کا ماحصل سمجھتا ہے اور بہت سی اُن حدود اور قیود کو جو صدیوں کے تجربوں کا نچوڑ تھیں توڑتا جاتا ہے۔ اس خیال کے اثر سے مشرقی لوگ بھی چاہتے ہیں کہ وہ سب حدود کو توڑ دیں۔ مگر یہ طریق صریحًا غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مغرب پہلے ترقّی پر اِس لئے پہنچا کہ وہاں کے بڑے بڑے راہنما اور محقق اپنے آرام اور آسائش کو خلق خدا کی خدمت کے لئے ترک کرکے اپنے ملکوں کو ترقی دینے۔ اہل ملک کو اچھّا بنانے۔ اُن کے اخلاق کو سنوارنے اور مفید چیزیں ایجاد کرنے میں مدّتوں مصروف رہے۔ اب اگر وہاں بہت سے لوگ عیش پسند نظر آتے ہیں تو مشرقی لوگ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب وہ باوجود اپنی جدید طرزِ معاشرت کے متموّل اور طاقت ور ہیں تو مشرقی بھی ان کی وضع اختیار کرکے ترقی کر سکتے ہیں۔ مگر وہ اس بات کو نظر انداز کرتے ہیں کہ اہل مغرب کی جو دولت اور قوت ہے۔ وہ اُن کی قوم کے اُن بہتر اعمال کا نتیجہ ہے جن پر اُن کے وہ راہنما کاربند تھے جنہوں نے اُنہیں بامِ ترقّی پر پہنچا یا اب اگر اہلِ مغرب کوئی ٹیڑھی چال اختیار کریں گے تو وہ اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہے گی۔ لیکن اس اثر کے ظاہر ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مغرب میں دہریت کے باوجود ابھی بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو پابندِ مذہب ہیں اور ان کے علاوہ بہت سے اشخاص ہیں جن کی عملی زندگی مذہب اور اخلاق کے اعلیٰ معیار پر پوری اُترتی ہے۔ خواہ اُن کے عقائد مذہبی متزلزل یا ضعیف بھی ہو گئے ہوں

ایسے لوگوں کی خوبیاں ہی وہ قوت ہیں جو مغربی قوتوں کو اب تک سنبھالے ہوئے ہے۔

روحانیت کا قائم رکھنا ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ مگر مشرق میں اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ مشرق دنیا بھر کے لئے منبع روحانیت ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے مذاہب یہیں سے پیدا ہوئے۔ اور اب تک یہ روشنی یہیں سے ملتی ہے۔ جدید علوم نے اور خاص کر سائنس نے جو عجیب و غریب ایجادات کی ہیں اور ان سے جو آرام دنیا کو ملے ہیں ان کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ نظر انداز نہیں ہو سکتا کہ دہریت کی بدولت اب سائنس انسانوں اور انسانیت کو تباہ کرنے کا ذریعہ بن رہی ہے۔ اس بیماری کا جس میں مغربی دنیا اس وقت مبتلا ہے۔ ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ لوگ روحانیت کے قائل ہو جائیں اور یہ محسوس کریں کہ سائنس کا یہ استعمال روا نہیں۔ وہ قانون جو نیک و بد میں صحیح تمیز سکھاتا ہے وہ مذہب اور روحانیت پر ہی مبنی ہو سکتا ہے اور مجالس قانون ساز کے بس کا نہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا اب مذہب سے مستغنی ہو گئی ہے۔ انہیں معلوم رہے کہ یہ ایک عارضی رنگ ہے جس میں سے ہم اس دور میں گزر رہے ہیں اور جلد وہ وقت آنیوالا ہے کہ خود مغربی ممالک یہ محسوس کریں گے۔ کہ مذہب کی طرف پھر رجوع کرنا چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ مذہب کا اصلی اور صحیح مفہوم اہل مذاہب نے بھی بھلا رکھا ہے۔ لیکن دنیا دیکھے گی کہ اصلی مذہب کا خالص سونا آخر شبہ و شک کی کٹھالی میں سے نکھر کر چمکے گا اور دنیا قائل ہو جائیگی کہ مذہب کے بغیر کسی ملک یا قوم کے حقوق جابروں اور غاصبوں کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

اس احساس کو قائم رکھنے کی ضرورت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں ہے۔ مگر عورتوں کے لئے اور خاص کر مشرقی عورتوں کے لئے اس کی خاص اہمیت ہے۔ کیونکہ مشرقی عورت صحیح معنوں میں مرد کے لئے "محافظ فرشتہ" کا کام دیتی رہی ہے۔ اور اسکے اخلاق کی درستی کی ضامن رہی ہے۔ اگر خدانخواستہ اس کی اس صفت میں کمی آجائے گی تو کوئی دنیوی ترقی یا معاوضہ اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتی۔

اگر رسالہ "انیس نسواں" اپنے مضامین نثر میں اور اپنی نظموں میں اس اصول کو پیش نظر رکھے گا اور مختلف ممالک سے ایسی عورتوں کی مثالیں جمع کر کے اپنے ناظرین و ناظرات کی خدمت میں پیش کرے گا جو اس اصول پر کاربند ہیں اور یہ خیال اچھی طرح ذہن نشین کر دیگا کہ ہر ترقی اس شرط سے مشروط ہونی چاہیئے۔ کہ مشرقی اپنی مشرقیت کو نہ بھولیں اور مغرب سے وہی چیزیں لیں جو ان کے لئے مفید ہوں۔ تو وہ خواتینِ ہند کا سچا خادم بلکہ محسن ہوگا۔

عبدالقادر (از لندن)

شب برات

اے شب برات عمر ہے تیری بڑی　　میں سن و سال تیرے کہاں تک کروں شمار

ہے ہجرت رسولؐ کو یہ چودھویں صدی　　اور تو ہر ایک سال میں آتی ہے ایک بار

دیکھا ہے تو نے آنکھ سے اسلام کا عروج　　تجھ کو تو خوب یاد ہے تاریخِ روزگار

کرتا ہوں اک سوال مجھے تو جواب دے　　پہلے بھی تھا یہ فرقۂ اسلام کا شعار

کیا امتِ نبی کی یہی رسم و راہ تھی　　جو فی زماننا ہے مروّج بہر دیار

بول اُٹھ جو تو نے دیکھی ہو اگلے زمانہ میں　　حلوے کی چاٹ اور اناروں کی یہ بہار

ہے فرضِ عین آج پٹاخوں کا چھوڑنا　　یہ مشغلہ نہ ہووے تو بچے ہیں بے قرار

حلوا نہ کھائے جو وہ مسلمان ہی نہیں　　چھوڑے نہ جو انار وہ کاہے کا دیندار

سامان کوئی گھر میں میسر اگر نہ ہو　　حلوائی اور بنیئے سے لے آتے ہیں اُدھار

بھجوائیں دے کے فاتحہ مُردوں کیواسطے　　اسلام کا ہے اب تو اسی رسم پر مدار

بولی شب برات کہ میں کیا جواب دوں　　لوگوں کے سر پہ جب سے جہالت ہوئی سوار

اسلام کے طریق سے بس ہو کے منحرف　　کر بیٹھے ہیں مراسمِ بیہودہ اختیار

یہ قوم آج اہل جہاں کی نگاہ میں　　بد رسمیوں سے آپ ہے، اپنی ذلیل و خوار

اسلام میں پتہ بھی نہیں جن رسوم کا
اصلِ اصولِ دیں انہیں کرنے لگے شمار

مولوی اسمٰعیل میرٹھی مرحوم

بھولا ہُوا سبق

مسلم خاتون! انیس نسواں آج تجھ کو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کا سبق یاد کرانے کے لئے شائع ہوتا ہے۔

وہ سبق جو تجھ کو کتاب ہُدا نے پڑھایا تھا اور تو جس کو بھلا چکی ہے۔

وہی کتاب ہدا جس نے تجھ کو قعر پستی سے نکال کر عزت کے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔

وہی کتاب ھُدا جس نے تجھ کو وہ حقوق دلوائے تھے جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔

مسلم خاتون! اپنا وہی بھولا ہوا سبق یاد کر جس کو پڑھ کر تو مردوں کے دوش بدوش کھڑے ہونے کے قابل ہو گئی تھی۔

وہ سبق جس نے تیرے جوہر نسوائیت کو جِلا دیدی تھی۔ اور تو ترقی کے ہر میدان میں گامزن تھی۔

وہ سبق جو تو خود رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے مسجد میں جا کر سُنا کرتی تھی اور اس پر عمل کر کے تو اللہ کے رنگ میں رنگی گئی تھی۔

مسلم خاتون! وہ سبق جس نے تجھ کو دنیا کی مہذب ترین خاتون بنا دیا تھا۔

وہ سبق جس سے تو نے ہمیشہ مردوں کی گتھیاں سُلجھائیں۔

وہ سبق جس نے تجھ کو شمع اسلام کا پروانہ بنا دیا تھا۔

مسلم خاتون! وہ سبق یاد کر جس نے تجھ میں میدان جنگ میں سر بکف جانے کا ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ یاد کر تو زخمی مسلمانوں کی مرہم پٹی کر کے ان کو پھر جنگ میں جانے کے لئے تیار کر دیتی تھی۔ میدان جنگ میں پیاسوں کو پانی بھی تو پلاتی تھی۔

تو اسلام کی فوج کا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتی تھی اور شہید مسلمانوں کے لئے اپنے ہاتھ سے قبریں کھودتی تھی۔ اور ان کو سپرد خاک کرتی تھی۔

مسلم خاتون! تو اللہ کی راہ میں لڑنے والے مسلمان بہادروں کے سینوں پر اپنے ہاتھ سے ہتھیار لگاتی تھی اور خوش ہوتی تھی۔

جب لڑنے والے بہادر فتحیاب ہو کر اپنے گھر واپس آتے تھے تو تُو آگے بڑھ کر انکا بوجھ ہلکا کرتی تھی۔ تیرے گھر کی آرائش اُنہی ہتھیاروں کی نمائش تھی۔

تو رات کو گھروں میں چراغاں کرتی تھی اور خوشی کے گیت گاتی تھی۔

اور وہ بہادر اپنے گھروں میں محبت اور خلوص کا چمن لہلہاتا ہوا دیکھ کر اپنے سب دُکھ بھول جاتے تھے۔

مسلم خاتون! تو بزدل شوہر سے شادی کرنے میں عار سمجھتی تھی تیرا شوہر بننے کیلئے شجاعت میں ناموری کا وصف ہونا نہایت ضروری تھا۔

مسلم خاتون! کچھ تجھ کو یہ بھی یاد ہے کہ مائیں اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو یہ کہہ کر میدان جنگ میں بھیجا کرتی تھیں کہ اگر خدا کی راہ میں جان نہ دوگے تو قیامت میں دودھ نہ بخشیں گی بہنیں اپنے پیارے بھائیوں کو بڑے فخر سے اسلام پر قربان ہونے کے لئے بھیجتی تھیں۔ نئی نئی دلہنیں اپنی بیوگی کا خیال نہ کرتی تھیں اور اپنے دولہا جنگ میں بھیجدیتی تھیں اور کہدیا کرتی تھی کہ اگر لڑائی میں پیٹھ دکھائی تو ہمارے منہ نہیں دیکھو گے۔

مسلم خاتون! تُو ان ماؤں کی بیٹی ہے جن کی نسبت انگلستان کا مشہور مورخ گبن لکھتا ہے کہ "اس زمانے کی عورتوں کی عصمت وعفت دلیری وبہادری قابل تعریف ہے۔ یہ وہ عورتیں تھیں جو شمشیر زنی نیزہ بازی اور تیر اندازی میں بڑی ماہر تھیں یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک مواقع پر اپنی عصمت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں"

مسلم خاتون! اپنا وہی سبق پھر یاد کر جس نے تجھ میں وہ جرأت وحوصلہ پیدا کر دیا تھا کہ تو

امیر المومنین خلیفۂ وقت کے بھرے دربار میں کھڑے ہو کر تقریر کر سکتی تھی اور ہر معاملے میں دخل دینے کا حق رکھتی تھی۔ اور امیر مجبور ہوتا تھا کہ تیری ہر بات کا تسلی بخش جواب دے۔

مسلم خاتون! مردوں میں اب وہ جوہر نہیں رہا۔ وہ اپنا ست کھو چکے۔

مردوں میں ست والے تھے جو ست اپنا بیٹھے کب کے کھو
لے دے کے اے ستونتیو! دنیا میں ست اب تم سے ہو

تو ہی اسلامی روح مردوں میں پھر پھونک دے کہ اسلام پر پھر بہار آجائے۔

مسلم خاتون! تعلیم نے تجھ کو بیدار تو کر دیا ہے اب انگڑائیاں نہ لے۔ کروٹیں لینے کا وقت نہیں۔ اب اٹھ اور کتاب خدا کو ہاتھ میں لے اور اپنا بھولا ہوا سبق یاد کر۔ ادھر ادھر نہ بھٹک اور سیدھے رستے پر چلنے کے لئے خدا سے دعا مانگ وہ ہر دعا کو سنتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔

محمد اکرام

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمھیں قوموں کی عزت تم سے ہے

تم گھر کی ہو شہزادیاں شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے

تم ہو تو غربت ہے وطن تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس جینے کی حلاوت تم سے ہے

نیکی کی تم تصویر ہو عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں ایمان سلامت تم سے ہے

فطرت تمھاری ہے حیا طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا انسان عبارت تم سے ہے!

مردوں میں ست والے تھے جو ست اپنا بیٹھے کب کے کھو
دنیا میں اے ستونتیو! لے دے کے اب ست تم سے ہے

مونس ہو خاوندوں کی تم غمخوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب گھر بھر میں برکت تم سے ہے

حالیؔ

اسلامی خواتین

اللہ اللہ کیسی کیسی ہستیاں دُنیا سے اُٹھ گئیں جن کی نظیر پھر زمانے نہ دیکھی۔ اُن کے اٹھنے سے ایثار اور مروت کی رسم ہی جہاں سے اٹھ گئی مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں مرحوم جن کا نام دنیا میں ہمیشہ زندہ رہے گا خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اپنی ذات میں بڑی بڑی نادر خوبیاں رکھتے تھے۔

افضل الاشغال خدمت الناس' (یعنی خلق خدا کی خدمت بہترین مشغلہ ہے) آپ کا مقولہ تھا جس سے آپ کے خطوط کے کاغذ مزین ہوتے تھے۔ حکیم صاحب مرحوم مرتے مر گئے مگر خدمت خلق سے کبھی منہ نہ موڑا۔

مرحوم کی خوبیوں کی مرثیہ خوانی کا نہ یہ وقت ہے اور نہ یہاں گنجائش ہے ہم کو اتفاق سے مرحوم کا ایک بیش بہا اور قابلقدر مضمون آج سے تیس سال پہلے کا لکھا ہوا مل گیا جسکو ہم انیس نسواں کے پہلے نمبر میں تبرکاً شائع کرتے ہیں اور حکیم صاحب مرحوم کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ہم کو امید ہو کہ خواتین اسکو دلچسپی کیساتھ پڑھیں گی اور اسپر عمل کرنے کی کوشش کریں گی۔

"خوشی کی بات ہے کہ دو چار برس سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اپنی بہنوں کی تعلیم کا خیال پیدا ہوا ہے اور امید ہوتی ہے کہ اس مفید خیال کو روز بروز ترقی ہوتی جائے گی لیکن اس ضروری اسلامی عنصر کی تعلیم کے وقت ہمیں چند ضروری باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے جن سے غفلت کرنے کا نتیجہ اس سے زیادہ بدتر اور نقصان رساں ثابت ہو گا۔ جیسا کہ مسلمان بچوں کی

تعلیم کے وقت ان کی تربیت اور اخلاقی درستی کی طرف توجہ نہ کرنے سے ہوا تھا۔

ہمیں اب تجربہ ہوگیا ہے کہ ہمیں اپنے استاد (یورپ) سے کن کن چیزوں کا سبق لینا چاہیئے۔ہم نے یہ معلوم کرلیا ہے کہ ہمارے لئے یورپ کی معاشرت کی تقلید نقصان دینے والی ہے۔ہمیں یہ تجربہ ہوچکا ہے کہ جس نے اس سیلاب کی تیز رَو کا اپنے دست و بازو سے مقابلہ نہیں کیا وہ سلامتی کے کنارے پر نہیں پہنچا۔اگر ہم سمجھنے کے بعد بھی اس رو کا مقابلہ نہ کرینگے تو ایک بھنور سے اُبھر کر دوسرے بھنور میں اور ایک گڑھے سے نکل کر دوسرے گڑھے میں جا پڑیں گے۔

میرے خیال میں کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ کسی قوم کی تمام باتیں قابل تقلید ہیں بلکہ ہر ایک قوم میں بُری اور اچھی باتیں پائی جاتی ہیں۔اگر ہم کسی قوم کی کورانہ تقلید کریں گے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم اس کی بھلی اور بُری باتوں کو اختیار کریں حالانکہ کوئی دانشمند اس بات کو گوارا نہ کرے گا کہ دیدہ دانستہ بری باتوں کو اختیار کرے جسکا نقصان نہ تنہا اسے پہونچے گا بلکہ اس کی آئندہ نسلوں میں بھی بغیر سرایت کئے نہیں رہے گا۔

اس میں شک نہیں کرنا چاہیئے کہ اسلامی خواتین کی تعلیم ہمارے لئے خود ہماری تعلیم سے بہت زیادہ مفید ہے۔اگر ہماری بہنیں اسی غلط راستے پر چلیں جس راستے پر ہم ابتدا میں چلے تھے تو یقین کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کی اسلامی آبادی میں ایک ناگوار خلش پیدا ہوجائے گی اور صرف ایک اعتبار سے نہیں بلکہ کئی اعتبار سے قوم کو نقصان پہنچ جائے گا جس کی تلافی کرنی ہماری مجموعی طاقت سے باہر ہوگی۔

ہماری بہنوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے **اسلامی خیالات کو سب سے پہلے مضبوط کریں** اور **اسلامی شعار کو ہمیشہ محفوظ رکھیں**۔اُس کے بعد وہ جس قدر بھی تعلیم حاصل کریں ان کے لئے بہتر ہوگا۔انہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہر ایک قوم کے مجموعی حالات باہم ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔اگر ہم کسی قوم کی کوئی چیز اختیار کریں تو ہمیں اپنی بھی

چند چیزوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ کیونکہ ہمارے مجموعی حالات کے ساتھ یہ چیز جو ہم نے ایک اجنبی قوم سے لی ہے مناسب نہیں ہے۔ پس اس طرح سے ہم ایک چیز کو لے کر اور بھی چند چیزوں کے لئے مجبور رہوں گے۔

اگر یہ قوم دولت مند ہے اور اس کی معاشرت کی چیزوں میں سے ہم نے ایک چیز لی ہے اور اس ایک چیز کی وجہ سے ہم نے اور چند چیزیں بھی اختیار کرلی ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم روز بروز افلاس میں مبتلا ہوتے جائیں گے۔ اس نقصان کے علاوہ ہمیں یہ بڑا نقصان برداشت کرنا پڑے گا کہ ہم اپنی قومی شعاروں سے جن کی وجہ سے ہم حقیقت میں ایک قوم سمجھے جاتے ہیں علیحدہ ہوتے جائیں گے۔

اگر فرض کرو کہ ہماری ایک بہن نے صرف انگریزی لباس کی اوّل اوّل تقلید کی جسکی حقیقت میں انہیں کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تو انہیں اس لباس کے ساتھ گاؤتکیہ لگاکر بیٹھنا بھلا نہ معلوم ہوگا اور وہ خواہش کریں گی کہ انکی نشست کے لئے کرسیوں کوچوں کا انتظام ہو جب وہ نشست کے لئے کرسیوں کی عادی ہوں گی تو انہیں ناگوار ہوگا کہ وہ کھانا فرش پر بیٹھ کر کھائیں۔ اور اس طرح وہ رفتہ رفتہ کھانا میز پر کھانا شروع کریں گی اور ہاتھ کی امداد سے منہ موڑ کر چھری کانٹے کی محتاج ہو جائیں گی۔ غرض یہ سلسلہ اسی طرح سے بڑھتا جائے گا جس کی تفصیل کرنے کی یہاں زیادہ ضرورت نہیں ہے۔

اب خیال کرنا چاہیئے کہ اس بے فائدہ تقلید سے ہماری بہنوں کی مالی حالت پر کیا اثر پڑے گا اور ان کے مصارف کی زیادتی کے بوجھ کو انکے خاوند یا ان کے والدین جو خود اپنے بار سے عام طور پر بہت کم سبکدوش ہوتے ہیں کہاں تک برداشت کریں گے اور جبکہ ایسے سبق گھر کے بڑوں سے ان کے چھوٹے لیں گے تو اس کا اثر عام خاندان کے تموّل پر کیسا پڑیگا۔

میں اپنی ان بہنوں سے جو اس وقت تعلیم حاصل کر رہی ہیں یا حاصل کرنے کا خیال کر رہی ہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انہیں عادات و خصائل تمدّن اور معاشرت میں ایسا ہونا چاہیئے کہ

دوسرے ملک کی عورتیں انہیں دیکھ کر یہ کہہ سکیں کہ یہ ہندوستان کی مسلمان خاتونیں ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ انہیں یورپ کی بکار آمد اور مفید چیزوں کے لینے میں کبھی بخل اور تعصب نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ بہت خوشی کے ساتھ ان علوم اور صنعتوں کو جو ان کے لئے ضروری ہوں سیکھنا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا کریں گی تو میرے خیال میں وہ ترقی کی اصلی شاہ راہ پر لگ جائیں گی۔ اور ان برائیوں سے دور رہیں گی جن میں یورپ کی تعلیم یافتہ خواتین مبتلا ہیں۔ ہماری خواتین کو معلوم نہیں ہے کہ یورپ باوجود اس قدر تموّل کے عورتوں کے فضول مصارف سے کس قدر نالاں ہے۔

میں خواہش کرتا ہوں کہ ہندوستان میں جتنے اسلامی رسالے عورتوں کی اصلاح اور ترقی کے مقاصد لئے ہوئے نکلتے ہیں وہ سب اس ضروری مضمون پر بشرطیکہ میرے ہم آہنگ ہوں توجہ کریں اور ابھی سے خاص طور پر اس بات کا لحاظ رکھیں کہ ہماری خواتین کو ہر ایک اشاعت میں ایک دو مضمون ایسے پڑھنے کے لئے مل جایا کریں جو انہیں انکی ترقی کی شاہ راہ بتانے میں مدد دیں۔

اجمل

حیات جاوید

شاہ ہوں یا ہوں گدا محکوم ہوں یا حکمراں
وہ نہیں مرتے کبھی جیتی ہیں جنکی نیکیاں

جاگتا ہے ان کا تا روز قیامت نام نیک
گو کہ ہیں وہ بے خبر سوتے لحد کے درمیاں

یاں رہے جب تک رہے ایسے مرنجان ومرنج
غیر سمجھے ان کو اپنا اور دشمن مہرباں

اور چلے جس وقت دنیا سے گئے دنیا میں چھوڑ
خوبیوں کی اپنی بس ایک اک زباں پر داستاں

ان کا جینا کیسی نعمت ہو گی دنیا کے لئے
جن کا مرنا ان کے حق میں ہو حیات جاوداں

زندگی سے انکی ہرگز نیتیں بھرتی نہیں
پائیں گر بالفرض عمر نوح بھی آ کر یہاں

وقت رحلت یوں ترستی انکو رہجاتی ہے خلق
ایک بجلی سی چمک کر ہو گئی گویا نہاں

جنکی ایسی زندگی اور جن کی ایسی موت ہو
ان کا اٹھ جانا ہے۔ بدبختی کا دنیا کی نشاں

مسلمان عورت کا نصب العین

(از علامہ مولوی عبداللہ یوسف علی صاحب سی۔بی۔ای۔ ایم اے)

فی زمانہ اس امر کی بیحد ضرورت ہے کہ خالص مذہبی نقطۂ نظر اور شرعی قوانین و اصول کے ماتحت مکمل طور پر غور و خوض کیا جائے کہ اس موجودہ زمانۂ اصلاحات اور ترقی میں عورت کی کیا حیثیت ہے؟ اور اسکے حقوق کیا ہیں؟ اور جب یہ مسئلہ طے ہو جائے تو پھر اس کے مطابق عملدرآمد کیا جائے۔

یہ امر میرے لئے باعثِ مسرت ہے کہ اس سلسلہ میں "انیس نسواں" دہلی نے عوام الناس میں صحیح زاویۂ نظر پیدا کرنیکا عزم کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر مسلم خواتین کو ارتقائے ذہنی سے روک دیا گیا تو یقیناً مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑیگا۔ اسلئے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں دونوں کے نقطۂ نظر سے یہ امر بے حد ضروری ہے کہ جہانتک ممکن ہو سکے مسلم خواتین کو بہترین قسم کے زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا جائے چونکہ انکو نہ صرف آنیوالی نسلوں کو ہی ان کے فرائض منصبی کے لئے اس جدید ہندوستان کے لئے جو جدید آئین و اصلاحات کے ساتھ آنے والا ہے تیار کرنا ہے۔ بلکہ خود ان کو بھی دیگر اقوام کی خواتین کے دوش بدوش رہ کر اپنے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔ اور میں بوثوق کہہ سکتا ہوں کہ یہ نصب العین اس وقت تک مکمل طور پر نہیں حاصل ہو سکتا جب تک کہ مسلم خواتین کو ہمارے ملک میں ہمعصر اقوام کے دوش بدوش صحیح تعلیم و تنظیم کے ذریعہ سے ترقیات کے مواقع نہ دئے جائیں۔

خود مسلم خواتین کے لئے بھی میں یہ نصیحت کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان کو بھی جہاں اپنے حقوق کی حفاظت کرنا ضروری ہے وہاں اپنے بیٹوں۔ بیٹیوں۔ شوہروں بھائی

بہنوں۔ اور والدین کے لئے بھی ہر امکانی کوشش کرنا ضروری اور لازمی ہے اور یہ وہ صرف اسی وقت کر سکتی ہیں۔ جبکہ وہ ان کی ضروریات کو سمجھ سکتی ہوں یا ان محدود حالات میں رہ کر جن میں کہ وہ اس وقت ہیں ان کی ضروریات کو ملحوظ رکھ سکیں۔ دریں صورت کہ یہ مواقع محدود ہوں تو پھر ان کو جدید مواقع پیدا کرنے کی ضرورت ہو گی، بشرطیکہ ان میں روایات اسلامی اور اخلاقیات شرعیہ کی خلاف ورزی نہ ہو۔

خاتونِ ہند کا مقصدِ حیات

فخرِ مشرق۔ نازنینِ ہند۔ اے جانِ وطن　　پیکرِ ناموس و عزت۔ مظہرِ شانِ وطن

زندگانی تری عالم کے لیے درسِ حیا　　ہر عمل تیرا سراپا شرحِ ابوابِ وفا

زینتِ بزمِ فلک ہے انجمِ رخشاں اگر　　محفلِ مشرق ہے تیرے حسن سے تابندہ تر

مرد پر لگتے ہیں جب تیرِ جفائے آسماں　　دل کی کاشانے پہ جب گرتی ہیں غم کی بجلیاں

ہاں ستم سہتا ہو جب گردوں گرداں کے غریب　　ٹھوکریں کھاتا ہو جب سنگِ حوادث سے غریب

اک ادائے دلکشا سے محو ہو جاتے ہیں غم　　تیرے باعث سے ہیں گھر رشکِ گلستانِ ارم

شوقِ آرائش تجھے زیبا نہیں اے نازنیں　　غازۂ رنگِ تکلف تجھ پہ کچھ پھبتا نہیں

عفت و عصمت سے ہے تو قیرِ عالم میں تری　　پاکبازی سے ہے دیوی تو حریمِ قدس کی

قوم کی کایا پلٹ سکتی ہے تو اک آن میں　　کاش پیچھے رہ نہ جائے علم کے میدان میں

آج وہ اگلی اولوالعزمی تری نایاب ہے　　پھر زمانہ چاند بی بی کے لئے بیتاب ہے

خلق کی خدمت ہمیشہ چاہیئے تیرا شعار　　گتھیوں کو قوم کی سلجھا کے پھر گیسو سنوار

دیکھ بھٹکا کر نہ لے جائے ہوائے روزگار
ہاں سنبھل کر پاؤں رکھ ہے یہ وہ مشکل رہگذار

(از ہمایوں)　　پروفیسر خواجہ معین الدین

ہم جناب چودہری خوشی محمد صاحب ناظر فردوسی کے بے انتہا ممنون ہیں
کہ ہماری ہیہم التجاؤں پر توجہ فرما کر آپنے ذیل کی نظم اور مضمون خاص انیس نسواں
کے لئے تحریر کر کے ارسال فرمایا۔ چودہری صاحب ہمارے دیرینہ کرم فرما
اور محسن ہیں۔ رسالہ مخزن میں مخزن سبھا کا وجود آپ ہی کے دم سے تھا
ہماری یہ دلی دعا ہے کہ خدا ان کو تا دیر سلامت رکھے اور انیس نسواں کا
پودا جو انہوں نے آج اپنے ہاتھ سے لگایا ہے ان کے زیر سایہ پروان چڑھے
اور ان کا فیض رساں قلم اس کی ہمیشہ آبیاری کرتا رہے۔ (ایڈیٹر)

"افسوس ہے کہ علالتِ طبع اور صدعیب پیری کی وجہ سے میں ابتک
تعمیل ارشاد سے قاصر رہا۔ آپ کا بے پناہ تقاضا قلمی معاونت کا آپ کے
حسن ظن اور دیرینہ تعلقات کی وجہ سے ہے۔ ورنہ آپ اور آپکی رفیقۂ حیات
کسی قلمی امداد کے محتاج نہیں ع عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
آپ کے خاندان کی علمی اور ادبی خدمات کا طبقۂ نسواں ہمیشہ منت گزار
رہے گا۔ آپ کے مقاصد کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔"

عہد حاضر کے خیالات نے ملک کی معاشی اور تمدنی حالت میں اس قدر انقلاب پیدا
کر دیا ہے کہ عہدِ قدیم کے اکثر نظریئے تقویم پارینہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس عام بیداری کا جہاں
تک طبقہ نسواں سے تعلق ہے ہم کو خیر مقدم کہنا چاہیئے۔ یہ پیکار حیات اور سخت جدّ وجہد کا
زمانہ ہے۔ اور اب اپنی بہو بیٹیوں کو بسم اللہ کے گنبد میں محبوس رکھنے پر بیجا اصرار نکرنا چاہیئے
اور برادرانِ وطن کی خواتین کی علمی اور عملی ترقی سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیئے جو وزارت

کی ذمہ داریوں اور اعلیٰ مناصب کا بوجھ سر پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔ انیس نسواں کا اہم مقصد مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد حاضر کی مختلف نسوانی تحریکات کی اسلام اور قرآن کریم کی روشنی میں تنقید کی جائے۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ انہی اصول کی پابندی نے مشرق و مغرب میں اسلام کا علم بلند کرکے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ رسالے کے مقاصد کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ میں ہر موضوع کے متعلق خامہ فرسائی نہیں کرسکتا۔ جدید خیالات کے صرف ایک پہلو کے پیش نظر میں نے یہ مختصر نظم تحریر کی ہے۔

جو میاں بیوی کے باہمی تعلقات سے متعلق ہے۔ آزادیٔ خیال کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اکثر نسوانی مجالس اور صحائف میں مردوں کے مظالم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور یہ صحائف کی گرم بازاری کا موجب ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ بعض حالتوں میں مردوں کا سلوک قابل ملامت بھی ہوتا ہے۔ مگر عام طور پر اس قسم کا پروپیگنڈا بُرے نتائج پیدا کرتا ہے۔ فی زمانہ شائستہ مردوں میں نسوانیت کا وقار و احترام بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ اور تعلیم یافتہ مرد زندگی کی ہر مسرت میں اپنی رفیقۂ حیات کو شریک کرنا چاہتا ہے۔ مگر نوجوانوں کی طبائع پر آزادیٔ خیال نے ایک بہت مسموم اثر پیدا کردیا ہے۔ اور اکثر نوجوان سینما کے مناظر اور عاشقانہ شعر و غزل کے ناپاک دفتر سے متاثر ہوکر پریوں کی تلاش میں مصروف ہوجاتے ہیں اور شرافت ذاتی اور حسن سیرت کی قدر نہیں کرتے۔ حالانکہ حسن صورت چار دن کی چاندنی کے بعد زوال پذیر ہوجاتا ہے۔ اور حسن سیرت جاودانی مسرّتوں کا سرچشمہ ثابت ہوتا ہے۔ اختلاف مزاج لازمہ بشریت ہے۔ لیکن میاں بیوی اگر باہمی خلوص اور محبت کا عزم مصمم کرلیں تو وقتی اختلافات سے گھر کا مطلع مکدر نہیں ہوسکتا۔

اس مختصر سی نظم میں حسنِ سیرت کا ایک "سچا واقعہ" منظوم کیا گیا ہے۔ اور صرف نام و مقام تبدیل کئے گئے ہیں۔ ایسی اخلاقی نظم کے لئے شاعرانہ صنعت کاری موزوں نہیں، اس لئے بہت سادہ الفاظ میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

ایک شادی تھی مُراد آباد میں — شادمانی ہر دل ناشاد میں
دولہا دُلہن دونوں تھے عالی نسب — شہر والے انکے شیدائی تھے سب
خوبرو دولہا کہ اجمل نام تھا — حُسن میں شہزادۂ گلفام تھا
تھی دلہن شیریں زباں شیریں صفات — پاک دامن پاک سیرت پاک ذات
تھی سلیمُ الطبع سلمےٰ نام تھا — عقل میں یہ پختہ تھی وہ خام تھا
حسن کی لیکن وہ رعنائی نہ تھی — قامتِ اجمل کی زیبائی نہ تھی
صبحِ خنداں عارض اس گلفام کا — رُخ پہ دلہن کے دھندلکا شام کا
شوق تھا دولھا کو ہو دلہن مری — راجہ اِندر کے اکھاڑے کی پری
رونمائی میں جو رخ دیکھا مگر — رہگیا اجمل کلیجہ تھام کر
دیکھکر دلہن کو وہ گھبرا گیا — روئے روشن پر اندھیرا چھا گیا
دل سے رخصت اس کے چاہت ہوگئی — صورتِ سلمیٰ سے نفرت ہوگئی
خانداں میں اِن کے تھی رسمِ کہن — پالکی کو جانے لگتی جب دُلھن
مانعِ رفتار ہو جاتی حیا — اس کو دولہا دوش پر لیتا اُٹھا
سر پہ اجمل کے بھی اب ڈالا یہ بار — اس کے کاندھے پر ہوئی سلمیٰ سوار
وقتِ رخصت کا سماں تھا دردناک — چیختی روتی تھی دلہن سینہ چاک
طیش میں آکر یہ اجمل نے کہا — "چُپ رہ اے کم بخت" دم بھی لے ذرا"
مُسکراکر اک ادائے ناز سے — بولی دلہن دلفریب انداز سے
میں تو ہوں خوش بخت تو ہی بدنصیب — تو ہے مجھ سے دُور میں تیرے قریب
مجھ کو دولہا مل گیا یوسف جمال — خوش نصیبی کی مبارک ہو یہ فال
تجھ کو دولہن مجھ سی بدصورت ملی — تیرہ بختی کی علامت ہے یہی
سُن کے یہ نکتہ نوازی برمحل — دل کی دولہا کے گئی دُنیا بدل

غنچۂ خاطر اس کا کھل گیا　　دل سے دل سینہ سے سینہ مل گیا
کارگر دلہن کا افسوں ہوگیا　　اپنی لیلےٰ کا وہ مجنوں ہوگیا
یہ فسوں سازی فسانہ ہوگئی
عیش کا رنگیں ترانہ ہوگئی

ناظر فردوسی[1] (از کشمیر)

نوٹ [1] فردوسی کا اضافہ فردوسِ زمین کشمیر جنت نظیر کی نسبت سے کیا گیا ہے۔ نیز اس لئے کہ ایک درجن کے قریب حضرات ناظرین ملک میں موجود ہیں (ناظر فردوسی)

جو ڈگری لے کے اسکولوں سے ہندی لڑکیاں نکلیں
کہوں کیسی نیوفیشن میں رشک لیڈیاں نکلیں
مہذب ہوگئیں جس دم وہ تہذیب جدیدہ سے
تو کرتی اپنی ماں بہنوں پہ نکتہ چینیاں نکلیں
بزرگوں شوہروں کا کچھ لحاظ ان کو نہ پردے کا
دماغوں میں وہ اپنے بھر کے یہ آزادیاں نکلیں
تماشوں، تھیٹروں، فلموں کا ان کو شوق چسترایا
اِدھر پہنچی اُدھر پہنچی، یہاں نکلیں، وہاں نکلیں
کہیں کرکٹ، کہیں ہاکی، کہیں دوڑا اور کہیں پولو
غرض جس کھیل کو جی ان کا چاہا بیگماں نکلیں
نہ مذہب سے غرض مطلب نہ کچھ ارکان مذہب سے
مگر تقلید یورپ کے لئے سب نغمہ خواں نکلیں
نئی تعلیم کو پاکر بقول حضرت اکبرؔ
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں　　اکبر الہ آبادی

امومت اور علامہ اقبال رح

ہم جناب آغا شیر احمد خاں صاحب بی اے بی ٹی ایل ایل بی کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے ہماری خواہش پر ذیل کا مضمون بڑی محنت اور تلاش سے لکھکر انیس نسواں پر احسان فرمایا۔ افسوس ہے کہ پورا مضمون ہم بوجہ عدم گنجائش ایک ہی مرتبہ شائع نہ کر سکے مضمون کا باقی حصہ انشاء اللہ آئندہ ماہ دوسری قسط میں شائع ہوگا اس کے بعد آغا صاحب موصوف کا "تربیت نسل پر سر اقبال مرحوم" کے عنوان سے ایک سبق آموز مفید مضمون شائع ہوگا۔ آغا صاحب کی علم دوستی سے توقع ہے کہ انیس نسواں آئندہ بھی ان کی قلمی معاونت سے مستفیض ہوتا رہیگا۔

دور حاضرہ کی عورت جدید لباس میں ملبوس ہے۔ اس کی ساعد سیمین اور چاق پنڈلیاں عریاں نظر آتی ہیں۔ سر سے چادر سرک کر کمر پر آگئی ہے۔ اور کمر تک پھیلے ہوئے بال سمٹ کر سر کے گرد فقط ایک حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔ حجاب سے بے نیاز کوچہ و بازار، گوشۂ چمن میں دعوتِ نظارہ دے رہی ہے۔ مجالس اور کلب میں سامان زینت بنی ہوئی ہے۔ سٹیج پر دیکھی جاتی ہے۔ اور پردۂ فلم پر بھی۔ مدرسوں اور کالجوں میں لڑکوں کے ساتھ دوش بدوش بیٹھی ہوئی ہے۔ دفاتر اور دوکانوں میں بھی موجود ہے۔ نہ صرف یہی...... بلکہ وہ ہوائی جہاز پر بھی اُڑی جا رہی ہے۔ اور موٹر کو بھی ہوا کی تیزی کے ساتھ لئے جا رہی ہے۔ بعض جگہ تو یہ اب بزم کی عشرتوں سے نکلکر رزم گہہ کی صعوبتوں کی طرف آگئی ہے۔ اس کے دوش پر کبھی گیسوئے دراز بکھرے ہوئے ہوتے تھے۔ مگر اب وہ تلوار، اور بندوق سنبھالے ہوئے ہیں۔ دور حاضرہ کی عورت ہر جگہ۔ ہر مقام پر پہنچ رہی ہے، اور اپنے گھر کی چار دیواری سے

دُور جارہی ہے۔اس چار دیواری سے اب اِسے کچھ اُنس ومحبّت نہیں رہی۔اسکی گودنسل نو کی تربیت سے خالی ہوچکی ہے۔اپنی مقررہ شدہ حدود سے باہر چلی آئی ہے۔ اپنے مرکز سے دُور ہٹ گئی ہے۔ زندگی کی اس دوڑ دھوپ میں مرد کے دوش بدوش رہنے کی بجائے مرد سے چند قدم آگے بڑھ گئی ہے۔عورت مرد بن رہی ہے اور ہر مقام پر اسے دھکیل کر اسکی جگہ لے رہی ہے۔عورت کا یہ عمل نظام تمدن اور معاشرت کے لئے ایک رستخیز کا پیام ہے وہ شئے جو اپنے مرکز، اپنے دائرہ سے باہر چلی جائے۔وہ اپنی امتیازی خصوصیات اور اپنی فطری صفات کھو بیٹھتی ہے۔خالق نے ہرشے کے لئے ایک دائرہ عمل مقرر کر رکھا ہے اور اس شے کی قدر و منزلت اس وقت تک قائم ہے جب تک کہ وہ شے اپنے محدود دائرے میں کار فرما ہے۔جہاں وہ شے اپنے قالب سے باہر نکل آئی۔وہ اپنی اصلی ہیئت اور حقیقی جوہر کو ضائع کر دیتی ہے۔

عورت، کائنات کی پیشانی پر ایک حسین جھومر ہے۔بزم ہستی میں سوز و ساز اس وقت تک قائم ہے۔جب تک عورت میں نسائیت موجود ہے۔نسائیت عورت کی حقیقی رُوح ہے۔نسوانیت کا احترام اور اس کی حفاظت بقائے نسل انسانی کے لئے ناگزیر ہے۔ نسائیت کی روح سے خالی عورت اس پھول کی مانند ہے جس میں نہ رنگ ہو نہ بو۔ علامہ اقبال رح ہمیں اپنے کلام میں عورت کے اسی بلند جذبۂ نسوانیت اور امومت کے حفظ و احترام کی دعوت دیتا ہے۔ وہ عورت کو محض عورت کے لباس میں دیکھنا چاہتا ہے۔وہ عورت کو مرد بنتا دیکھکر ملول ہے۔وہ اس زمانہ کی "نازن" کو امومت کی صریح توہین جانتا ہے۔وہ پھول کے قافلۂ رنگ و بو کو لٹا ہوا دیکھ کر افسردہ اور غمگین ہے۔وہ کائنات کی پیشانی پر اس حسین جھومر کو بکھرا ہوا پاکر آزردہ دِل ہے وہ اس کی گود کو بچوں سے خالی دیکھکر نسل انسانی کے بقا اور نشو و نما کے لئے متفکر ہے۔کس لئے ؟ اس لئے کہ وہ حفظ و احترام امومت کو اصل اسلام سمجھتا ہے۔اس لئے وہ بیتاب ہے۔کہ عورت کی امومت اور نسوانیت قائم

رہے۔ اور دین فطرت کے اس بلند اصول کے خوشگوار نتائج سے کائنات کی گود اسی طرح بھری رہے۔ مدینہ اور نجف کی خاک جن آنکھوں کا سرمہ ہو، بھلا وہ آنکھیں کیونکر جلوہ ہائے دانش فرنگ سے خیرہ ہوسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کو دور حاضر کی عورت میں کوئی محبوبیت اور دلنوازی نظر نہیں آئی، اور وہ اسکی طرف آنکھ اُٹھاکر دیکھتا بھی نہیں وہ اس "زن" کو "نازن" کہتا ہے۔ اور اسکی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے :-

واں نہی آغوش نازک پیکرے — خانہ پرور دِ نگاہش محشرے
فکراو از تاب مغرب روشن است — ظاہرش زن باطنِ او نازن است

اس عورت کی عشوہ طرازیاں اور اس کی حدود ناآشنا آزادیاں ملتِ اسلامیہ کی بربادیوں کا سامان بن گئی ہیں :-

بندہائے ملتِ بیضا گسیخت — تا زچشمش عشوہ ہا حل کردہ ریخت
شوخ چشم و فتنہ زا آزادیش — از حیا نا آشنا آزادیش
علم او بارِ امومت بر نتافت — بر سرِ شامش یکے اختر نتافت

ملتِ اسلامیہ کا یہ بیدار دل اس مغرب زدہ عورت کو ملت کے دامن پر ایک سیاہ داغ سمجھتا ہے۔ اور اپنی تمنا کا اظہار فرماتا ہے کہ قوم کے چمن میں ایسے پھول پیدا ہی نہوں

ایں گُل از بستانِ ما نارُستہ بہ
داغش از دامانِ ملت شُستہ بہ

شاعر کے دل میں امُومت کے لئے عزت و احترام کے بے انتہا جذبات موجود ہیں وہ امُومت کو رحمت خداوندی سمجھتا ہے۔ اور دامنِ نبوت سے اس کی خاص وابستگی دیکھتا ہے اور اس کا احترام ان الفاظ میں کرتا ہے :-

نیک اگر بینی امومت رحمت است — زانکہ او را با نبوت نسبت است

وہ جانتا ہے کہ ماں کی گود میں اقوام کی سیرت بنتی اور بگڑتی ہے اسلئے وہ کہتا ہے :-

شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است سیرتِ اقوام را صورت گر است
از اُمومت پختہ تر تعمیرِ ما در خطِ سیمائے او تقدیرِ ما

ژرف نظر شاعر اسی پر اکتفا نہیں کرتا "امت" کے معانی کی عظمت کو اس طریق پر بیان کرتا ہے:-

ہست اگر فرہنگ تو معنی رسے حرفِ "امت" نکتہ ہا دارد بسے
گفت آں مقصودِ حرفِ کُن فکاں زیرِ پائے اُمّہات آمد جناں

تاجدارِ مدینہ (روحی فداہ) کی مشہور حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ جنّت ماں کے قدموں کے نیچے ہے اور یہیں وہ اسی جنّت کی طرف بُلاتا ہے۔ اگر ہمارے دلوں سے ماں کی عزت و احترام کم ہو جاتے تو ہماری کائنات زندگی تمام درہم اور برہم ہو جائے۔ علامہ اقبال نے اپنی والدہ محترمہ کی یاد میں جو مرثیہ لکھا ہے اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسکے دل میں اپنی والدہ کی محبّت اور عزت کے کسقدر طوفان موجزن تھے،

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار؟
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار؟
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہُوا
گھر میرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہُوا
دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبّت میری خدمت گر رہی
میں تیری خدمت کے قابل جب ہُوا تو چل بسی

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
(بانگ درا)

رموز بیخودی میں ایک مقام پر کہتا ہے :-

ملت از تکریمِ ارحام است وبس　　ورنہ کارِ زندگی خام است وبس

زندگی کے بھید اس دل پر ظاہر ہوتے ہیں جس دل میں نسوانیت کا احترام موجود ہو

از اُمومت گرم رفتارِ حیات　　از امومت کشف اسرارِ حیات
از اُمومت پیچ وتابِ جوئے ما　　موج وگرداب وحباب از جوئے ما

ایک کم نظر۔ کم زبان۔ سادہ دیہاتی لڑکی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

آں دُخِ[1] رستاق زادے[2] جاہلے　　پست بالائے لطرے بد گلے
نا تراشے پرورش نا دادۂ　　کم نگاہے کم زبانے سادۂ
دل ز آلامِ امومت کردہ خوں　　گردِ چشمش حلقہ ہائے نیل گوں
ملت ار گیرد ز آغوشش بدست　　یک مسلمانِ غیور و حق پرست
ہستیٔ ما محکم از آلام اوست　　صبح ما عالم فروز از شام اوست

سیم وزر نہیں بلکہ روشن دماغ۔ جفاکش اور چست وچالاک تندرست فرزند ہی قوم کی متاعِ عزیز ہیں۔ اور یہ دولت ریاض اُمہات کے خیاباں سے ہی پیدا ہوسکتی ہے اسی لئے شاعر ہمیں ماں کے قدموں میں زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتا ہے اور یادگار الفاظ میں ماں کی عظمت اس طرح بیان کرتا ہے :-

(نوٹ) [1] دخ۔ دختر [2] رستاق زادے۔ گنوار

قوم را سرمایہ اے صاحب نظر　　نیست از نقد و قماش و سیم و زر
مال او فرزندہائے تندرست　　تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست
حافظِ رمزِ اخوت مادراں
قوتِ قرآن و ملت مادراں　　رموزِ بیخودی

آغا شبیر احمد خاں

یہ پہلا سبق تھا کتابِ خدا کا　　کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دوسرا کا　　خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں
عمل جن کا ہے اس کلام متیں پر　　وہ سرسبز ہیں آج روئے زمین پر
تفوق ہے ان کو کہیں اور نہیں پر　　مدار آدمیت کا ہے اب انہیں پر
شریعت کے جو ہم نے پیمان توڑے
وہ لے جا کے سب اہل مغرب نے جوڑے
وہ ملک اور ملت پہ اپنی فدا ہیں　　سب آپس میں ایک ایک کے حاجت روا ہیں
اولو العلم ہیں ان میں یا اغنیا ہیں　　طلبگار بہبودِ خلق خدا ہیں
یہ تمغہ تھا گویا کہ حصہ انہیں کا
کہ حب الوطن ہے نشاں مومنیں کا
عروج ان کا تم جو عیاں دیکھتے ہو　　جہاں میں انہیں کامراں دیکھتے ہو
مطیع ان کا سارا جہاں دیکھتے ہو　　انہیں برتر از آسماں دیکھتے ہو
یہ ثمرے ہیں ان کی جوانمردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے　　حالی

تصویرِ بے حجابی

یوں تو میرے بہت سے قدیمی کرم فرماؤں نے انیس نسواں کے جاری کرنے کے لئے میری حوصلہ افزائی فرمائی مگر خاص کر جناب حکیم احمد شجاع صاحب بی اے میرے خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنکی تائید نے میری ہمت بندھانے میں خاص حصہ لیا۔ آپ نے رسالہ کے لئے نہ صرف اپنی ایک نظم ہی عنایت فرمائی بلکہ آئندہ کے لئے مستقل قلمی معاونت کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ یہ نظم شکریہ کے ساتھ درج کیجاتی ہے۔

لائے گی اس دن ہم پہ خرابی — یہ بے حجابی یہ بے نقابی
راہ گذر میں حسن آوارہ — آنکھ میں جلووں کی بے تابی
عارض سیمیں پر رنگ گلگوں — مینا میں جیسے رنگ ہو گلابی
گالوں پہ غازہ نینوں میں کاجل — سینے پہ آنچل وہ بھی گلابی
چال میں چلتی پھرتی قیامت — ڈھال میں طوفاں کی سیلابی
دختر ہندی! کس سے سیکھی؟ — یہ شوخ چشمی یہ بے حجابی
بادۂ مغرب کی ہے یہ مستی — ہائے تیری آنکھ شرابی
تجھ سے ہے بازار کی رونق — گھر پہ مسلّط خانہ خرابی
پتی پتا کوئی ساتھ نہیں ہے — یہ کچھ اچھی بات نہیں ہے
تو ہے وہی پتی ورتا ناری — جس کے رام ہوئے تھے پجاری
تو نے کبھی یہ بات بھی سوچی — بھارت ماتا ہے دکھیاری
تیرے پتی کی گاڑھی کمائی — کھا گئی تیری پتلی ساری
مے خانے آباد ہیں تجھ سے — ہند میں فاقے دکھ بیماری
شوہر بسمل بچے بے کل — تیرے لب پر خندہ جاری
عریانی کا نام آزادی — لاچاری سی ہے لاچاری
بیٹی! تجھ کو ماں بننا ہے — تو ہے ساکھ اور لاج ہماری

کس کو دکھاتی ہے تو جوبن
یہ تو تیری سنتاں ہو ساری

حکیم احمد شجاع

کتاب ہدا

شمع اسلام کے پروانے جب تک کتاب ہدا پر عمل کرتے رہے اللہ کا رنگ اُن پر غالب رہا۔ جب تک اسلام کے فدائی ایک خدا۔ ایک رسُول۔ ایک دین اور ایک کعبے کے پرستار رہے۔ اور سب مِل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑے رہے تو اسلام کا شیرازہ بکھرنے نہیں پایا۔

اسی جماعتی زندگی کا یہ اثر تھا کہ جہاں جاتے تھے اقبال ان کی یاوری کرتا تھا جس سرزمین میں جا نکلے بڑے بڑے سرکش شہنشاہوں نے سرِ نیاز جُھکا دیئے

یہ کامیابی محض اس لئے تھی کہ کتاب ہدا کی عظمت ان کے دلوں میں جم گئی تھی قرآن کو سرچشمۂ ہدایت سمجھتے تھے۔ جو کام بھی کرتے تھے قرآن کی حدود کے اندر رہ کر کرتے تھے۔ قرآن کی تعلیم اُن کی رگ رگ میں دوڑ گئی تھی۔ قرآن نے ان کے جسموں میں وہ رُوح پھونک دی تھی جس سے اُن میں خوداعتمادی اور قوت ارادی کے جوہر پیدا ہو گئے تھے۔ انہی قوتوں کے بل پر ان کو ناز تھا۔ ان کے مضبوط ارادوں میں کبھی کوئی چیز سدراہ نہ ہو سکتی تھی، ہر خارزار ان کے لئے گلزار بن جاتا تھا اور فتح و نصرت ان کے ہر قدم پر نثار ہوتی تھی۔

جب مسلمانوں نے قرآن پر عمل چھوڑا اور احکام خداوندی سے منہ موڑا اور جمہوریت کے اصول سے روگردانی کی تو خدا کا عتاب نازل ہو گیا۔ خدا کا قانون اٹل ہے۔

تخت و تاج چھنا۔ شان و شوکت گئی۔ جاہ و جلال مٹا۔ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے محض نام لیوا رہ گئے۔

وہی قرآن جس نے مسلمانوں کو دنیا کی سب قوموں سے زیادہ ممتاز کیا تھا جُوں کا توں ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ ساڑھے تیرہ سو برس سے اس میں ایک نقطہ کا فرق نہیں

آیا۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا کہ اسپر عمل کرنے والے مسلمان دین و دنیا میں کامیاب ہو کر اپنا نام زندہ کر گئے۔ اور ہم ہیں کہ قرآن کو زرق برق کے جز دانوں میں بند کر کے گلدستہ طاق بنائے بیٹھے ہیں۔

قرآن مجید تو وہ پاک اور بے نظیر کتاب ہے کہ جس کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ "قرآن حکمتوں سے بھرا ہوا خزانہ ہے۔

یوں تو اس کتاب کے اوصاف میں قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں مگر ہم ان میں سے چند آیتوں کا ترجمہ معہ حوالہ ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ مسلم خواتین کو علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے اور اسپر عمل کرنے کی کس قدر تاکید فرمائی ہے۔

(۱) اے رسول! لوگوں سے کہدو کہ یہ قرآن ہماری طرف سے اس لئے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم کو اور جس کو اس کی خبر پہونچے اس کو اپنے عذاب سے ڈرائیں (الانعام)

(۲) خدا کی ذات بڑی با برکت ذات ہے جس نے اپنے بندے محمدؐ پر قرآن اُتارا تاکہ تمام جہان کے لوگوں کو عذابِ خدا سے ڈرائے (الفرقان)

(۳) جن لوگوں کو ہم نے قرآن دیا ہے وہ اس کو پڑھتے رہتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ درصل وہی لوگ ایمان بھی لائے ہیں (جو سمجھکر پڑھتے ہیں اور اسپر عمل کرتے ہیں) (البقر)

(۴) بعض ان میں ان پڑھ ہیں جو منہ میں بڑ بڑانے کے سوا کتابِ الٰہی کا مطلب کچھ بھی نہیں سمجھتے (البقر)

(۵) اللہ تعالیٰ نے بہت ہی اچھا قرآن اتارا ہے جن لوگوں کے پاس قرآن جیسی نصیحت آئی اور انہوں نے اس کو نہ مانا وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ یہ تو بڑے پائے کی کتاب ہے۔ اور بڑے ہی مرتبے کی چیز ہے اور حکمت والی کتاب ہے۔ حٰم

(۶) اے پیغمبر! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حجت (بشارت) آچکی اور ہم تمہاری طرف جگمگاتا ہوا نورِ ہدایت یعنی قرآن بھیج چکے سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کا سہارا پکڑا تو اللہ بھی ان کو عنقریب اپنی رحمت کے سایہ اور فضل کی پناہ میں لے لیگا۔ اور اپنے حضور تک پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھا دے گا۔ (النسا)

(۷) یہ قرآن تو لوگوں کے لئے عقل و دانش کی باتوں کا مجموعہ ہے۔ (الدخان)

(۸) اے رسولؐ! ہمارے ان بندوں کو خوشخبری سنا دو جو ہمارے کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں اور اس کی اچھی اچھی باتوں پر عمل کرتے ہیں تو وہ یہی لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی ہے اور وہ عقل سلیم بھی رکھتے ہیں (الزمر)

(۹) کیا وہ شخص جس کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہو اور وہ اپنے خدا کی مشعلِ ہدایت یعنی قرآن سامنے رکھتا ہے۔ اور اس کی روشنی میں چلتا ہے کیا وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے جو کفر کی تاریکیوں میں پڑا ہے۔؟ (الزمر)

(۱۰) یہ قرآن تو تمام دنیا کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے (التکویر)

(۱۱) قرآن پر عمل کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو (العلق)

(۱۲) ہم نے قرآن کو لوگوں کے لئے نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔؟ (القمر)

(۱۳) قرآن تو سراسر نصیحت ہے جو چاہے اس کو سوچے سمجھے (عبس)

(۱۴) قرآن لوگوں کا رہنما ہے اس میں حق و باطل میں تمیز کرنے کے کھُلے کھُلے حکم ہیں۔ (البقر)

(۱۵) اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو۔ اللہ نے جو احسان تم پر کئے ہیں انکو یاد کرو۔ اور اس کا یہ احسان بھی یاد کرو کہ اس نے تم پر قرآن اُتارا اور عقل کی باتیں

اس میں بتائیں (البقر)

(۱۶) جن لوگوں کو عقل دی گئی ہے ان کے عقیدے میں تو یہ قرآن بس کھلی ہوئی آیتیں ہیں۔ (العنکبوت)

(۱۷) لے پیغمبر جس خدا نے تم پر قرآن کے احکام فرض کر دئے ہیں وہ ضرور تم کو اصل ٹھکانے سے لگا دے گا۔ (القصص)

(۱۸) ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سمجھانے کے لئے ہر طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ (الکہف)

(۱۹) بیشک یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو بہت سیدھا ہے (بنی اسرائیل)

(۲۰) لے رسول! یہ قرآن تو بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اُتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور جو عقل رکھتے ہیں ان کے مطالب سے نصیحت پکڑیں۔ (ص)

(۲۱) کیا یہ لوگ قرآن کے مطلب پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں۔ (محمدؐ)

مندرجۂ بالا آیتوں کے ترجمے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کتاب عمل ہے۔ اِس کا سُن لینا یا پڑھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس کی اس طرح تلاوت کرو۔ جس طرح تلاوت کا حق ہے یعنی جو کچھ پڑھ رہے ہو اس کو سوچ سمجھ کر پڑھو۔ مطلب پر غور کرو جو باتیں عمل کرنے کی ہیں ان پر عمل کرو اگر اللہ نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کی تعمیل کرنی چاہیئے اور جس بات کے کرنے سے منع کیا ہے اس سے باز رہنا خدا کے حکم کو ماننا ہے

آخر کی آیت میں خدا نے فرمایا ہے کہ مسلمانو! تم قرآن کے مضمون پر غور کیوں نہیں کرتے۔ کیا تمھارے دلوں پر تالے لگے ہیں یعنی کیا تم ایسے پتھر کے دل کے ہو کہ تمھارا دِل اللہ کے کلام کا اثر ہی قبول نہیں کرتا گویا تم اتنے سرکش اور نافرمان ہو کہ اللہ کے آگے سر

نہیں جھکاتے اور اس کے حکموں کو نہیں مانتے۔ سورۃ الحدید میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ "کیا مسلمانوں کے لئے ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا ہے کہ خدا کی یاد اور قرآن کی تلاوت کیلئے جو خدائے برحق کی طرف سے نازل ہوا ہے ان کے دل گداز ہوں اور ان لوگوں کی طرح سنگدل نہ ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی"۔ ان آیتوں کے پڑھنے کے بعد کون مسلمان بی بی ایسی ہوگی جو خدا کے آگے عاجزی سے سر نہ جھکا دے اور قرآن مجید پر عمل کرنا اپنا فرض عین نہ قرار دے۔

چنانچہ علامہ اقبال مرحوم بھی فرما گئے ہیں:۔

عمل سے عاقبت بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت سے نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اب دقت یہ ہے کہ عمل ہو تو کیونکر ہو۔ ہم قرآن کو سمجھتے ہی نہیں تو عمل کس چیز پر کریں گے۔ اگر خدا کی توفیق ہماری رفیق ہوئی تو ہمارا قصد ہے کہ مسلمان خواتین کے لئے قرآن مجید کے سب مطالب کی وضاحت نہایت آسان اور عام فہم اردو میں کریں اور ہر پارے کا مضمون الگ الگ پاکٹ ایڈیشن میں شائع کریں۔ اس تجویز سے مقصود یہ ہے کہ خواتین کے دل میں قرآن مجید پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو۔ اور دوسرا فائدہ یہ مدِ نظر ہے کہ غیر مذاہب کے لوگوں میں بھی قرآن مجید کے مطالب کی تبلیغ ہو۔ اللہ جسکو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔

محمد اکرام

مساوات:۔ بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں۔ صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں۔ عجز و خاکساری کرنیوالے مرد اور عجز و خاکساری کرنیوالی عورتیں خیرات کرنیوالے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں۔ روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اپنی عصمت کی حفاظت کرنیوالے مرد اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنیوالی عورتیں اور خدا کی یاد میں رہنے والے مرد اور خدا کی یاد میں رہنے والی عورتیں ان سب کے لئے بڑے بڑے اجر اور گناہوں سے معافی ہے (الاحزاب)

اسلام اور عورت

ہم خان بہادر علامہ ڈاکٹر نجم الدین احمد صاحب کے بیحد ممنون ہیں کہ انہوں نے
ہماری درخواست پر انیس نسواں کے لئے ذیل کا مضمون ارسال فرمایا۔
اسلام اور عورت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن علامہ موصوف نے جس
تحقیق اور تدقیق سے اس مضمون میں کام لیا ہے وہ بہت قابل داد ہے
غیر مذاہب کی خواتین اگر اس مضمون پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں تو انکو
مضمون کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ ہم یہ مضمون نہایت شکریہ
کے ساتھ شائع کرتے ہیں اور ہم کو امید ہے کہ آئندہ بھی انیس نسواں ڈاکٹر
صاحب کی قلمی معاونت سے محروم نہ رہے گا +

آج کل ہمارے ملک میں عورتوں کے قانونی حقوق معین کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔
اور ممالک مغربی میں بھی نسوانی مسئلہ پیچیدگی اختیار کر رہا ہے لیکن اسلام نے آج سے ساڑھے تیرہ
سو برس پیشتر جملہ نسوانی مسائل کا حل دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا اور عورتوں کے حقوق کا
صحیح تعین کر کے ایسی حدیں مقرر کر دی تھیں جنکو اگر ملحوظ رکھا جائے تو کسی پیچیدگی کا پیدا
ہونا ممکن نہیں۔ اور اسلام کے دیگر اصول کی طرح اس مسئلہ کا حل بھی مساوات کی بنیاد پر
قائم ہے۔ اس لئے مرد اور عورت کسی کو بھی وجہ شکایت پیدا نہیں ہو سکتی۔
آج کل بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی یہ مسئلہ مختلف تاثرات کی وجہ سے مرکز سے ذرا ہٹ گیا ہے
اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم قرآنی تعلیمات کی طرف پھر توجہ دلائیں۔
لیکن قبل اس کے کہ میں عورت کی حیثیت اور عورت کے حقوق کے بارے میں اسلامی
نظریہ پیش کروں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ روشنی اس مسئلے پر ڈالی جائے کہ اسلام سے پہلے

دنیا میں عورت کی کیا حیثیت تھی اور نیز جدید تمدن نے اس بارے میں کیا ترقی کی ہے۔

تاریخِ عالم پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ شروع ہی سے مردوں نے عورت کو مغلوب کرلیا تھا اور ایسا غلبہ پالیا تھا کہ عورت کسی طرح اُبھرنے کی جرأت نہ کرسکتی تھی جتنے معاشرت اور تمدن کے اصول بنے وہ سب مردوں کو غالب اور عورتوں کو مغلوب بنانیوالے تھے۔

رومن تمدن جس کا آج راگ گایا جاتا ہے اس کے متعلق ورجل کہتا ہے کہ "عورت کو متلوّن مزاج اور بدفطرت سمجھا جاتا تھا" یونانی تہذیب میں اپنے عروج کے زمانے میں بھی عورت کو قابلِ اعتماد نہ سمجھا جاتا تھا اور یونان کا مشہور فلاسفر سقراط کہتا ہے کہ عورت کو ایک دفعہ مرد کے برابر تسلیم کرلو پھر دیکھ لو کہ وہ کس طرح تمھارے سر چڑھتی ہے۔"

چین میں عورت کی حیثیت کا اندازہ کنفیوشس کے اس قول سے ہوتا ہے کہ عورت کا جو قدم آگے بڑھ جائے اسکو واپس لے آنا شاید قدرت کے بس میں بھی نہیں رہتا

بدھ مذہب میں عورت کو ایک گھناونی چیز سمجھکر اس سے الگ رہنے کی تلقین کی گئی تھی۔ اور ہندوستان میں بھی منو اور سوامی تلسی داس نے نہایت حقارت سے عورت کا ذکر کیا ہے

بنی اسرائیل میں یہ حالت تھی کہ مریمؑ کی والدہ نے منت مانی تھی کہ ان کے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا وہ اسے ہیکل مقدس میں بطور نذر پیش کردیں گی۔ مگر جب لڑکی پیدا ہوئی تو وہ بہت غمگین ہوئیں کہ اسے مقدس معبد میں کس طرح لے جائیں۔ خود عرب میں ظہورِ اسلام سے قبل عورت کی جو حالت تھی قرآن میں اس طرح بیان کی گئی ہے:-

ترجمہ "جب اُن میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تھی۔ تو اس کا چہرہ غم و غصہ سے کالا پڑجاتا تھا۔ اور اس خبر کو شرم کے مارے اپنی قوم سے چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔ اور وہ سوچتا تھا کہ اس ذلت کو برداشت کرے۔ یا اس لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑدے" (النحل)

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اکثر لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردیا جاتا تھا۔ اسی

طرح توریت کے ماننے والوں میں عورت ایک ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ جو دیگر جائداد کی طرح سے ورثہ میں تقسیم ہوتی تھی۔

لیکن سب سے زیادہ بدتر حالت عورت کی ہندوستان میں تھی جہاں منو شاستر کے رو سے عورت کو شودر کے درجے سے بھی کم رکھا گیا تھا اور وہ عقل و شعور کی تمام خوبیوں سے خالی سمجھی جاتی تھی۔

حتیٰ کہ اس کے مذہبی اعمال اور نیکیاں بھی مرد سے وابستہ تھیں۔ اور وراثت میں اسکے حقوق کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ عورت کی عبادت صرف اس قدر تھی۔ کہ وہ اپنے شوہر کی خدمت کرے۔ اسکے سوا اُسے مذہبی عبادت میں حصہ لینے کا کوئی حق نہ تھا۔ اور عورت کی نیکی کا سب سے بڑا درجہ یہ تھا کہ وہ شوہر کے پیر دھو کر..... پانی پیئے۔ چنانچہ آج بھی ہندو تمدن میں یہ چیز موجود ہے۔ اور اکثر قوموں میں شادی کے وقت یہ رسم ادا کی جاتی ہے یہی نہیں۔ بلکہ آج بھی ہندو عورت اپنے شوہر کا جھوٹا کھانا اپنے لئے باعثِ برکت سمجھتی ہے اور مرد جنس کا جب چھوٹا بچہ تک کھانا نہ کھا چکے۔ اس وقت تک بھوکی بیٹھی رہے گی۔ ہندوستان میں ہندو مذہب نے اس وقت تک عورت کو ملکیت کا حق نہیں دیا۔ ان کے مروجہ قانون وراثت کی رو سے عورت جو جائداد اپنے شوہر کی طرف سے یا کسی مرد کی طرف سے پائے اُس میں صرف حین حیاتی حق رکھتی ہے۔ نہ اسے رہن کر سکتی ہے نہ بیع۔ اور اسکی آمدنی سے گذارہ کرنے کے سوا کوئی حق حاصل نہیں۔ البتہ اب ہندو عورتوں میں اپنے حقوق کا احساس پیدا ہو رہا ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ ہندو عورت کو بھی ملکیت کے حقوق حاصل ہوں۔

اب ہم اس خطۂ دنیا پر نظر ڈالتے ہیں جو آج ترقی اور تمدن کا سب سے بڑا علم بردار ہے تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان۔ فرانس اور جرمنی کے قدیم قوانین وراثت میں عورت کا حصہ جائداد غیر منقولہ میں مُطلق نہ تھا اور اینگلوسیکسن زمانہ میں یعنی آج سے صرف

دو صدی پیشتر یہ محسوس کیا گیا تھا کہ کسی حد تک بعض قیود کے ساتھ جائداد میں عورت کو حصہ دینے کی ضرورت ہے۔ ابھی ڈیڑھ سو سال پیشتر تک انگلستان میں عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنی طرف سے کوئی معاہدہ کر سکے۔

مغربی تمدن عہد ملکہ ایلزبتھ میں اوج کمال و ترقی پر تھا اس عہد کا آئنہ دار مشہور زمانہ شیکسپیر عورت کے متعلق کہتا ہے کہ "عورت ایک نازک ترین شیطان ہے۔ جسے آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا"۔ اسی ملک کا ایک اور مشہور شاعر بائرن کہتا ہے "کہ عورت قدرت کا ایک خوبصورت ترین عیب ہے"۔

آج بھی مغرب میں باوجود اس قدر ترقی کے عورت شادی کے بعد اپنے تمام حقوق ملکیت کو کھو بیٹھتی ہے اور اپنا خاندانی نام تک باقی نہیں رکھ سکتی۔ بلکہ شوہر کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

غرضیکہ دور ماضی میں جو بندشیں عورتوں کے لئے رکھی گئی تھیں۔ اور جس طرح مرد اپنے غلبہ سے انہیں محکوم و مظلوم بنائے ہوئے تھے اس کا اثر آج تک موجود ہے اور مردوں کی مقرر کی ہوئی بندشیں جن کو توڑنے کی ضرورت کا احساس بھی کبھی ان میں پیدا نہ ہو سکا بعض نیک دل مصلحین نے جب کبھی تھوڑی بہت تبدیلی اِس صورت میں کی اور عورتوں کے حقوق کسی حد تک تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کی تو اس پست حال درماندہ عورت نے اس سے نفع نہ اُٹھایا اور اپنی بیڑیوں کو کاٹنے کی بجائے انہیں اور مضبوط کرتی رہی۔

بعینہٖ یہی صورت آج اُن پست حال اقوام کی نظر آرہی ہے جو اپنی پستی کو بلندی سے بدلنے کا خیال بھی دِل میں لاتے ہوئے ڈرتے ہیں اس لئے کہ صدیوں کی مظلومیت نے ان کے خودداری کے احساسات کو فنا کر دیا ہے اور پستی کے خیالات سے اس قدر خوگر ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے کو اس سے بہتر حال کا مستحق نہیں سمجھتے۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اس عالم گیر بدسلوکی کے مُقابلہ میں اسلام نے عورت

کے ساتھ کیا سلوک کیا اور کس طرح اس کی صدیوں کی بیڑیاں کاٹ کر پھینک دیں۔
اسلام کا سخت سے سخت دشمن بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ دنیا کے تمام مذاہب
میں اسلام ہی سب سے پہلا مذہب ہے۔ جس نے عورت کی حیثیت اور حقوق کا تعین کیا
اور انہیں مذہب۔ معاشرت۔ سیاست۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے دوش
بدوش لاکر کھڑا کر دیا۔ قرآن کی آیت کا ترجمہ ہے۔

ترجمہ:۔ مردوں کی طرح عورتوں کے بھی پسندیدہ حقوق ہیں (البقر)

یہ تاریخ عالم کا سب سے پہلا مژدہ ہے۔ جو جنس لطیف کو سُنایا گیا۔ اور قرآن
کی ایک اور آیت ہے۔

ترجمہ:۔ اور عورتوں کے لئے ان کا حصّہ ہے جو وہ کمائیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ عورت مرد کا چولی دامن کا ساتھ ہے یعنی مرد اور
عورت کے مساوی تعلقات کو مستحکم کر دیا۔ پھر اس کے بعد وراثت اور حقوق کا اس طرح
تعین کیا گیا کہ عورت کو اپنی ماں کی طرف سے اور اپنے باپ کی طرف سے اور اپنے شوہر
کی طرف سے ترکہ کا مستقل حق ملکیت دیا گیا۔ اور اس ملکیت پر کسی قسم کے قیود عائد نہیں
کئے گئے۔ افسوس ہے کہ پنجاب کے اور دیگر جگہ کے مسلمانوں نے اس اسلامی قانون[1] کو ٹھکرا
دیا ہے اور عورتوں کے حقوق کو پامال کر رکھا ہے۔ مگر مجھے امید ہے کہ وہ وقت قریب آنیوالا
ہے جبکہ عورتیں اپنے حقوق کو اسمبلی کے ذریعہ سے حاصل کر لیں گی۔

عورت کی حیثیت کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے۔ تو پیدائش سے لیکر
موت تک زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس میں اسے مرد سے کم درجہ کی حیثیت دی گئی ہو
سب سے پہلے پیدائش کے وقت جو لڑکی پیدا ہونے پر اظہار غم کیا جاتا تھا اسے اللہ
نے یہ ارشاد فرما کر دُور کیا۔ یھب لمن یشاء اناثا و یھب لمن یشاء الذکور[2]

---

[1] انشاء اللہ انیس نسواں کوشش کرے گا کہ اللہ کے احکام کو رواج پر ترجیح ہو۔ ایڈیٹر۔
[2] جنکو چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جنکو چاہتا ہے لڑکے عطا فرماتا ہے۔

اور پھر فرمایا حللناکم الذکورا وانا ثا

جس سے صاف صاف ظاہر کر دیا کہ پیدائش کے اعتبار سے لڑکے اور لڑکیاں دونوں یکساں ہیں۔ افسوس ہے کہ ہندوؤں کی تقلید میں مسلمانوں نے اس اسلامی نظریہ کی پرواہ نہیں کی۔ اور آج ہندوستانی مسلمان بھی لڑکیوں کی پیدائش پر اتنا خوش نہیں ہوتے جتنا لڑکوں کی پیدائش پر۔

اسی طرح وراثت اور ترکے میں جس طرح لڑکے کا حق مقرر کیا۔ اسی طرح لڑکی کا بھی باپ کی جائداد میں بیٹی کا حصہ جو کم رکھا اس کی تلافی شوہر کی جائداد سے حصہ دلا کر پوری کر دی۔ اور یوں بھی شوہر کو تمام اخراجات کا کفیل بنا دیا۔ باپ کی جائداد میں سے حصہ کی کمی کی تلافی ہو جاتی تھی۔

ڈاکٹر مولوی نجم الدین احمد جعفری

سنما اور علامہ اقبال مرحوم

وہی بت فروشی وہی بت گری ہے — یہ سنما ہے یا صنعتِ آذری ہے

وہ صنعت نہ تھی شیوۂ کافری تھا — یہ صنعت نہیں شیوۂ ساحری ہے

وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کہن کا — یہ تہذیبِ حاضر کی سوداگری ہے

وہ دنیا کی مٹی یہ دوزخ کی مٹی

وہ بت خانہ خاکی یہ خاکستری ہے

پیکارِ حیات

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر — چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم — مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے۔ پرواز ہے کام تیرا — ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

(اقبالؒ)

دنیا کی دولت اور قرآن

اکثر مسلم خواتین کو علم نہیں کہ قرآن میں کیا کیا عقل اور ہدایت کی باتیں بھری ہیں اس مضمون کا عنوان دیکھکر تعجب سے کہیں گی کہ! قرآن کو دنیا کی دولت سے کیا سروکار، لیکن حقیقت یہ ہے کہ خداوند کریم نے اپنی اس بے بہا کتاب میں دولت کی قدر کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور جن مختلف ذرائع سے دولت حاصل ہوتی ہے۔ ان کا ذکر بھی قرآن میں فرمادیا ہے۔

یہ مسلمانوں کی بدنصیبی ہے کہ وہ قرآن کے مطالب سے بیخبر ہیں اور ان تمام فوائد سے بھی محروم ہیں جو خدا نے مسلمانوں کے لئے اس کتاب میں ارشاد فرمائے ہیں۔

مسلمان خواتین کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کی تعلیم مسلمانوں کی دنیوی ترقی کے مانع نہیں۔ اگر دنیوی ترقی صرف دوسری قوموں کے لئے مخصوص ہوتی تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ دُعا مانگنے کے لئے ارشاد نہ فرماتا۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ یعنی اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے دنیا میں بھی بہتری کر اور آخرت میں بھی بہتری کر اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا (دنیا کا ذکر پہلے ہے)۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اسلام کے آنے سے پیشتر دنیا کا کوئی مذہب دنیا کی دولت کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھتا تھا۔ بلکہ دنیوی دولت سے نفرت دلائی جاتی تھی۔ اور دنیا کی دولت کی بُرائیاں بیان کی جاتی تھیں۔

مثال کے طور پر ہندوستان میں راجہ گوتم بدھ کی تعلیم کو لو۔ یہ راجہ خود اپنا راج پاٹ اور بیوی بچے چھوڑ کر فقیر ہو گیا تھا اور خدا کی تلاش جنگلوں میں کرتا پھرتا تھا۔ اور اپنے پیروں کو یہ تعلیم دیتا تھا کہ جوگی بنکر فقیری اختیار کروگے تو نروان یعنی روحانی ترقی حاصل کرسکوگے

ہندو مذہب بھی روحانی ترقی کے لئے سنیاس (ترک دنیا) ضروری سمجھتا تھا۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ رہبانیت کے بغیر خدا نہیں ملتا۔ اب تک رومن کیتھلک عیسائیوں میں کنواری لڑکیاں اسی مقصد کیلئے دنیا سے سب تعلقات منقطع کر کے ون یعنی راہبہ کی زندگی اختیار کر لیتی ہیں۔ متی انجیل میں لکھا ہے کہ اپنے لئے مال آسمان میں جمع رکھ جہاں کیڑا نہ چیونٹی اسکو خراب کرے اور نہ اس کو چور لے جائیں۔

انجیل میں ایک اور جگہ لکھا ہے کہ ایک دولت مند نے حضرت مسیح کے پاس رہنا اور خدائی بادشاہت میں داخل ہونا چاہا۔ اس کو حکم دیا گیا کہ تمام مال و اسباب دے ڈالو پھر میرے ساتھ رہو۔ گویا ایک مالدار شخص خدا کی بادشاہت میں داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے دوسرے مذاہب بھی ترک دنیا کی تعلیم دیتے تھے۔

لیکن سب سے پہلے قرآن نے ایک نئی اور انوکھی روش دکھائی اور بتایا کہ دینی اور دنیوی ترقی کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دین کیا ہے۔ دنیا میں خدا کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا۔ یہی دین ہے۔ خدا اور خدا کے رسول کے حکموں کی تعمیل ہی کا نام دین ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں زیادہ تر دنیا میں زندگی بسر کرنے کے قاعدے بتائے گئے ہیں۔ اگر ان قاعدوں کی پابندی کی جائے تو خدا بھی خوش ہوتا ہے اور اس کا رسول بھی'

خود بانئے اسلامؐ نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے کہ جو دنیا کو ترک بھی نہ کرے مگر دنیا میں اتنا بھی نہ الجھے کہ خدا سے غافل ہو جائے "

پیغمبر اسلام کے سوانح حیات ہمارے سامنے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اس یتیم امی نے ایک دنیا کو دکھا دیا کہ دنیا چھوڑنے کی چیز نہیں ہے۔ اور دنیا میں ترقی کرنے سے اسلام کی ترقی ہے۔ خود تاجر بن کر دکھا دیا اور تجارت میں ترقی کی راہیں کھول دیں۔ خود بلا سرمایہ تجارت میں کامیابی حاصل کر کے دنیا کو بتا دیا کہ ساکھ تجارت کی کلید ہے۔ اور یہاں تک فرمایا علیکم بالتجارۃ فان فیا تسعۃ اعشاء الرزق۔ یعنی مسلمانو تم پر تجارت فرض ہے کہ

اس کے دس حصّوں میں سے نو حصّے رزق کے ہیں"۔

ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھنے والے بیکار مسلمانوں سے فرمایا کہ الکاسب حبیب اللہ یعنی کسب کرنے یعنی دنیا میں ہاتھ سے کمائی کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ آپنے الامین اور الصدیق کے القاب دشمنوں سے حاصل کئے تھے۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ دشمن بھی اپنی امانتیں آنحضرتؐ کے پاس رکھ جایا کرتے تھے۔

اسی تعلیم کی پیروی کرنے والے صحابہ لاکھوں روپے کماتے تھے اور غریب محتاج مسلمانوں کی امداد کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور امام ابوحنیفہ بڑے بڑے مالدار ہو گذرے ہیں جو تجارت میں روپیہ پیدا کرتے تھے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرکے نیکیاں اور ثواب حاصل کرتے تھے۔

مولانا روم نے اپنی مشہور مثنوی میں دنیا کی نسبت قرآن کا مفہوم یوں بیان کیا ہے

چیست دنیا از خدا غافل بدن　　　نے قماش و نقرہ و فرزند زن

یعنی خدا سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے۔ فکر معاش روپیہ پیسہ اور بیوی بچوں کا نام دنیا نہیں بلکہ یہ خدا کے احکام کی عین تعمیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ اپنا ہاتھ اتنا نہ سکیڑو کہ گردن میں بندھا رہے نہ اس کو اتنا کھولو کہ ملامت کا شکار ہو جاؤ اور تنگدست اور پریشان حال ہو کر بیٹھ جاؤ (بنی اسرائیل) اسی سورۃ میں دوسری جگہ فرمایا ہے کہ دولت کو بیجا طریقے سے نہ اڑاؤ۔ کیونکہ بیجا طریقے سے اڑانے والے فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں۔ یہی مضمون سورۃ بقر کی ایک اور آیت میں ہے۔ جس کا ترجمہ ہے:۔ مسلمانو خدا کی راہ میں خرچ کرو لیکن اپنے ہاتھوں اپنے آپکو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یعنی خدا کی راہ میں خرچ تو کرو مگر نہ اس قدر کہ خود محتاج ہو جاؤ اور تمہارا محتاج ہونا تمہاری بربادی اور تباہی کا باعث ہو۔

مسلمان اگر ان ہدایتوں پر عمل کرتے تو مفلسی کے بھنور میں اسطرح نہ پھنس جاتے

کہ اب نکلنا ہی دشوار ہوگیا ہے۔

آج کل مسلم اور مفلس ہم معنی الفاظ ہیں۔ اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ افلاس میں مبتلا ہوئے مسلمانوں کو صدیاں گذر گئی ہیں۔ عام طور پر ایک مسلمان مفلسی میں پیدا ہوتا ہے افلاس کے سایہ میں اپنی زندگی کے دن بسر کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ رخصت کے وقت بعض اوقات گھر سے کفن بھی نصیب نہیں ہوتا۔ وہ بھی رشتہ دار قرض وام کر کے یا گھر کی کوئی چیز بیچ کر یا چندہ کر کے مردے کی تجہیز و تکفین کر دیتے ہیں۔

ترکہ میں ایک مفلس مسلمان اپنے وارثوں کے لئے کیا چھوڑ جاتا ہے افلاس کے بھرپور خزانوں کے سوا وہاں رکھا ہی کیا تھا۔ اتفاق سے اگر کچھ گھر کا سامان بچ گیا تو پس ماندگان نے وہ بھی بیچ باچ کر الگ کیا اور مرنے کے بعد کی رسموں کو بھی نبھا دیا۔ اسوقت تو خوب پلاؤ قورمے اُڑائے خواہ بعد میں بھیک کی نوبت آجائے۔ مگر یہ حالت کیوں ہوئی اسلئے کہ مسلمان قرآن نہ پڑھتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ دل کو تو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ دنیا اور دنیا کا مال و دولت کافروں کے لئے ہے مسلمانوں کو سب کچھ جنت میں مل جائے گا۔ بے شک جنہوں نے دنیا میں اللہ کے حکموں کو مانا ان کی دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی درست ہے۔ اگر دنیا کی دولت قابل قدر چیز نہ تھی تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد قرآن مجید میں کیوں ہوتا کہ "دولت ایسی چیز نہیں جسے بیدردی سے ضائع کیا جائے یہ ان بیوقوفوں کو نہ دو جو اس کی قدر نہیں جانتے۔ مسلمانو اللہ تعالیٰ نے دولت کو تمھارے قیام و قوت کا ذریعہ بنایا ہے" (النسا)

قرآن نے دولت کی بُرائی تو کیا اسے اعلیٰ درجہ کی نعمت قرار دیا ہے۔ اللہ کو اگر مسلمانوں کو دولت سے محروم رکھنا مقصود تھا تو پھر زکوٰۃ اور یتیموں کی پرورش، خیرات کی برکات اور قرض حسنہ کا دینا اور مقروضوں کے قرضے ادا کرنے کے لئے حکم نہ ہوتا۔

یہ نیکیاں بجز دولت کے تو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ حج جیسی نعمت کیونکر میسر آتی۔

خدا کی مخلوق کی خدمت کیونکر ہوتی۔

جب خدا کا صریح حکم ہے کہ کھاؤ اور پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو۔ کیونکہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے حکم کے ہوتے ہوئے جو مسلمان اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اس کے غضب سے ڈرتے ہیں۔ ان کی یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ اللہ کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد بھی فضول خرچی کو روا رکھیں۔ خدا اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ کھاؤ پیو نہیں۔ مگر فضول خرچی نہ کرو۔ اللّے تللّوں میں دولت نہ اڑاؤ۔ بیجا رسوم میں دولت ضائع نہ کرو۔ یہ ضائع کرنے کی چیز نہیں۔ نام اور نمائش کے لئے اپنے آپ کو تباہ نہ کرو۔ کہ اللہ کے ضروری احکام کی پیروی کے لئے تمہارے پاس کچھ نہ بچے۔ اور تم نیکیوں کے ثواب سے محروم ہو جاؤ۔ اور محتاج ہو کر دوسروں کے دستِ نگر بن جاؤ۔ اس مضمون کی دوسری قسط میں انشاء اللہ ہم بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دنیا کی دولت حاصل کرنے کے کون کون سے طریقے ارشاد فرمائے ہیں۔ اور دولت کے کن خزانوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے +

محمد اکرام

خدا کی قدرت کے کرشمے ۔ جو لوگ عقل رکھتے ہیں اور سوچتے سمجھتے ہیں انکے لئے بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے آنے اور جانے میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں یعنی مال تجارت سمندر میں لیکر چلتے ہیں اور بارش میں جسکو اللہ آسمان سے برساتا ہے جسکے ذریعہ سے افتادہ و ویراں زمین سرسبز و شاداب ہوتی ہے اور ہر قسم کے جانوروں میں جو اللہ نے تمام روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے ادہر سے اُدہر اور اُدھر سے ادھر چلانے میں اور بادلوں میں جو اسکے حکم سے آسمان اور زمین کے درمیان کھڑے رہتے ہیں اللہ کی قدرت کی بہتیری نشانیاں ہیں بشرطیکہ وہ اپنی سوچ سمجھ سے کام لیں۔ (البقر)

سورۃ النسا کے مطالب

اسلام سے پیشتر عرب کیا دنیا بھر میں عورت کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ کہیں بھی عزت کی نگاہ سے نہ دیکھی جاتی تھی۔ بلکہ مردوں کی بدسلوکیوں اور خود غرضیوں کا ہر جگہ شکار ہوتی تھی طرح طرح کے ظلم اس پر کئے جاتے تھے ہر شخص جتنی بیویوں سے چاہتا نکاح کر لیتا۔ اور جب چاہتا چھوڑ دیتا۔ عورتیں قرضوں میں گروی ہوتی تھی اور جانوروں سے بدتر سمجھی جاتی تھیں جاہلیت کے زمانہ میں تو عورتوں پر بہت تشدد ہوتا تھا۔ ان کے مہر تک ان کو نہ دئیے جاتے تھے۔ اگر لڑکی پیدا ہوتی تھی تو مرد زہر کے گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے، لڑکی کی تو کیا لڑکی کی ماں کی صورت تک نہ دیکھتے تھے۔ مائیں گود میں لڑکی لے کر اگر کہیں جاتیں تو نہایت ذلیل و حقیر سمجھی جاتی تھیں۔ اس ذلت سے بچنے کے لئے مائیں لڑکیوں کو اکثر شہر سے باہر زندہ پھینک آتیں یا زندہ گاڑ دیتی تھیں۔ عورت محض عورت ہونے کی وجہ سے کسی جائداد یا ترکہ کی مستحق نہ تھی۔

یتیم لڑکے یا لڑکیاں جو ماں کے آغوش اور باپ کے سائے سے محروم ہو جاتے تھے۔ ان کی حالت بہت قابل رحم تھی۔ ان کے سرپرست انکی مال و دولت طرح طرح کے حیلوں سے ہضم کر جاتے تھے اور جوان یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر کے ان کے مال بھی کھا جاتے تھے اور انکو لاوارث سمجھکر ان پر طرح طرح کے ظلم روا رکھتے تھے۔

غرض ان دونوں کمزور اور قابل رحم ہستیوں پر اس الرحم الراحمین

نے رحم فرمایا اور قرآن میں یہ سورۃ نازل فرمائی اور دنیا بھر کے لوگوں کو حکم دیا کہ
یتیموں اور عورتوں پر ظلم نہ کیا کریں۔ ان کو بھی اپنی طرح انسان سمجھیں۔ یہ بھی ہماری
مخلوق ہیں ان کمزور اور بے بسوں کی حالت رحم کے قابل ہے۔ ان کے حقوق
جو ہم نے مقرر کر دئے ہیں ان کو دئے جائیں اور ان کی حفاظت کی جائے۔

مسلمان خواتین کو اپنے حقوق سے باخبر کرنے کے لئے ہم ذیل میں اس سورۃ کے
مطالب کی تشریح اردو میں نمونے کے طور پر درج کرتے ہیں۔ ہمارا قصد ہے کہ ہم تمام
قرآن کے مطالب کی تشریح ایسے اردو میں کریں اور **انوار قرآن** کے نام سے علیحدہ
شائع کریں +

اے بنی نوع انسان تم ہماری نافرمانی نہ کرو اور ہماری مخلوق پر ظلم نہ کرو کمزور اور قابل
رحم مخلوق کی حق تلفی نہ کرو۔ تم ہمارے عذاب سے ڈرو۔ ہم ہی تمھارے پروردگار ہیں جس نے
تم کو ایک شخص واحد سے پیدا کیا۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور ہماری نگاہ میں سب برابر ہو۔
ہم ہی نے آدم کی بیوی کو بھی پیدا کیا۔ پھر ہم نے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ اسی طرح
ہم نے نسل انسانی کا سلسلہ جہان میں پھیلا دیا۔

کیا تم اس خدا کے عذاب سے نہیں ڈرتے کہ جس کا نام لیکر تم اپنے بیسیوں کام نکالتے
رہتے ہو اور اس کا واسطہ دیکر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور جب نہایت بے بس
اور مجبور ہوتے ہو تو اسی کو پکارتے ہو۔ یہ ہمارا ارشاد ہے کہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے
قطع تعلق نہ کرو۔ اور اپنے عزیز و اقربا کے ساتھ احسان اور حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ضرورت
کے وقت ایک دوسرے کے کام آؤ۔ اگر محتاج ہوں تو ان کی مدد کرو۔ یہ یاد رکھو کہ تمھارا
پروردگار تمھیں ہر جگہ اور ہر حال میں دیکھتا ہے۔ تم اس کی نگرانی میں ہو۔ وہ برابر دیکھ رہا
ہے کہ تم عمل نیک کر رہے ہو یا برے۔

یتیم بچے جن کے ماں باپ نہیں ہیں بہت قابل رحم ہیں۔ ان کے ماں باپ جو

مال اُن کے لئے چھوڑ گئے ہیں وہ انکی امانت ہے ان کے حوالے کر دو۔ تمھارے لئے ان کا مال حرام ہے۔ تم حلال کے بدلے حرام مال نہ کھاؤ۔ کہیں یتیم کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جانا۔ یتیم کا مال کھانا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ یتیم ہر اعتبار سے تمھارے رحم اور حسن سلوک کا مستحق ہے اگر یتیم لڑکیاں تمھاری نگرانی اور سرپرستی میں ہوں اور ان کی شادی کرنیکی ضرورت ہو تو تم کو بہت احتیاط کرنی چاہیے۔ اگر تم ان کے حقوق پوری طرح ادا نہ کرسکو اور تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم ان کے حق میں ہر طرح سے انصاف نہ کرسکو گے تو تم ان سے نکاح نہ کرو۔ دنیا میں اور بہتیری عورتیں ہیں جن سے تمھاری طبیعت چاہے جائز طور پر نکاح کر سکتے ہو۔ تم اگر چاہو تو ایک دو تین چار تک سے نکاح کر سکتے ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ تمکو سب کے ساتھ عدل و انصاف کرنا ہو گا۔ یہ احتیاط لازمی ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ اسلئے تم کو اگر اندیشہ ہو کہ کسی ایک کے حق میں بھی انصاف نہ کرسکو گے تو ایک کیساتھ بھی نکاح کرو۔ اگر ایک کا بھی حق ادا نہ کرسکو تو تمہارے لئے وہ لونڈیاں حلال ہیں جو تمہاری ملکیت ہوں۔ یہ قرین مصلحت ہے اور یہ خلاف انصاف بھی ہے کہ تم ایک ہی کی طرف جھک پڑو،

قدیم رواج کی پیروی اب چھوڑ دو کہ عورتوں کے مہر انکے والدین وصول کر لیتے تھے اور عورتیں اپنے مہر سے محروم رہ جاتی تھیں۔ مہر عورتوں کا حق ہے ان کو خوش دلی اور خندہ پیشانی سے ادا کرو پھر اگر وہ اپنی مرضی سے اپنے مہر سے کچھ تم کو معاف کر دیں تو اسمیں کچھ ہرج نہیں شوق سے کھاؤ۔

دولت ان بیوقوفوں کو نہ دو جنکو دولت کی قدر نہیں مال و دولت ضائع کرنے کی چیز نہیں اسکو اللہ تعالیٰ نے تمھارے .... لئے معاش کا ذریعہ اور قوت کا سہارا بنایا ہے ہاں تم یتیموں کے مال میں سے ان کے کھانے پینے میں اور کپڑوں پر خرچ کرو تو مضائقہ نہیں۔ یتیموں کے ساتھ نہایت نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔ اور ان کو کسی کاروبار میں لگائے رکھو اور انکی دیکھ بھال کرتے رہو یہانتک کہ وہ شادی کی عمر کو پہونچ جائیں۔ اگر وہ اپنے کاروبار میں تم کو ہوشیار اور سمجھدار نظر آئیں تو یتیموں کا مال اور سامان جو کچھ تمھارے پاس انکی امانت ہے انکے حوالے کر دو

لہ اسی سورۃ میں پھر ارشاد ہے کہ تم ان کے حق میں انصاف نہ کرسکو گے۔

اپنی سرپرستی کے دوران میں یتیموں کے مال کی پوری حفاظت کرتے رہو اور اس خیال سے کہ وہ بالغ ہو جائیں گے تو ان کا مال ان کو واپس کرنا پڑے گا تم انکی بلوغت سے پہلے انکا مال جلدی جلدی فضول خرچیوں میں نہ اُڑا دو۔ یتیموں کا سرپرست اگر آسودہ حال اور صاحب توفیق ہو تو اس مال میں سے کچھ بھی اپنے اوپر صرف کرنا واجب نہیں۔ البتہ جو نادار اور مفلس ہو تو اسکو جائز ہے کہ اپنی ضرورت کے مطابق کچھ اس میں سے لے لیا کرے

جب تم یتیموں کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو گواہوں کے سامنے دو۔

لوگو! اگر تم یتیموں کے مال میں خیانت کرو گے تو یاد رکھو کہ تم سے حساب لینے کیلئے اللہ ہی کافی ہے۔

اب یہ امر سب پر واضح ہو جائے کہ اگر والدین یا کوئی قریبی رشتہ دار مرنے کے بعد کچھ ترکہ چھوڑ جائیں تو اس میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی حقدار ہیں۔ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ اب اس میں ہم نے عورتوں کا بھی حق مقرر کر دیا ہے۔ اگر ترکہ کی تقسیم کے وقت دور کا رشتہ رکھنے والے اور یتیم بچے اور محتاج فقیر بھی آنکلیں۔ گو ترکہ میں سے ان کو کوئی حق نہیں پہونچتا تاہم ان کی حالت پر ترس کھا کر تم کو چاہیئے کہ ان کو بھی کچھ دیدو۔ ان کا دل نہ توڑو اور خالی ہاتھ نہ پھیرو۔ اور ان سے بہت نرمی اور اخلاق سے گفتگو کرو۔ اور سمجھا دو کہ ترکہ میں سے شرعاً ان کو کوئی حق نہیں پہونچتا ہے۔ ترکہ میں سے حصہ لینے والوں وارثوں کو جو اپنے آپ کو حقدار سمجھتے ہیں اللہ سے ڈرنا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمزور اور ناتوان بچے یتیم چھوڑ جاتے تو کیا ان کے دلوں میں یہ خواہش نہ پیدا ہوتی کہ لوگ ان کے بعد انکے قابل رحم بچوں پر ترس کھائیں۔ اس لئے ان کو چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور یتیم لاوارث بچوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں، اور نرم کلامی سے گفتگو کریں۔ جو لوگ ناجائز طور پر یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں۔ عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ اور یتیموں کا مال کھانے کی سزا میں آگ کے انگارے کھائیں گے" + (باقی انشاءاللہ آئندہ)

خواتین اسلام اور تہذیب جدید

اکثر لوگوں نے تعلیم کا مقصد صرف ملازمت ہی سمجھ رکھا ہے۔ اگر صرف تعلیم حاصل کرنیکو اسی نکتۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو اس سے بڑھ کر نا سمجھی کی کوئی دوسری بات نہیں ہوسکتی۔ اس خیال نے نہ صرف عام طور پر عورتوں کی تعلیم کو روک دیا ہے بلکہ ہندوستان کی اصلی ترقی کو روک رکھا ہے۔ ہر شخص کو جس طرح ہوا پانی کی ضرورت ہے اسی طرح تعلیم کی ضرورت ہے حدیث شریف میں بھی ہے کہ تعلیم مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض کی گئی ہے۔

عورتیں جن پر خانہ داری اور پرورش و تربیت اولاد کے اہم فرائض عائد کئے گئے ہیں تعلیم کی زیادہ محتاج ہیں مگر انہی فرائض کی طرف کم توجہ کی جاتی ہے۔ تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ایک عورت خدا کی اس امانت کو جو معصوم روحوں کی صورت میں اسکو ودیعت ہوتی ہے اچھی تربیت اور نگہداشت سے دنیا میں کامیاب و بامراد بنا سکتی ہو اگر تعلیم اور اصول صحت سے واقفیت نہیں۔ تو سمجھ لو کہ ایک عورت اپنے اس مشکل فرض سے سبکدوش نہیں ہوسکتی اور ہماری عام تعلیم میں مذہبی تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اخلاق کی حفاظت کے لئے مذہب ہی ایک حصار سنگین ہے۔ اور زمانۂ حال میں مذہب کو تعلیم سے جدا کر دینے کی وجہ سے جو نتائج پیدا ہو رہے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ قدیم زمانہ میں بھی اس امر پر ہمیشہ زور دیا جاتا تھا کہ مذہبی تعلیم نہایت لازمی ہے۔ اور جتنی مشہور اور فاضل خواتین گزری ہیں ان پر ہمیشہ مذہبی رنگ غالب رہا ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مسلمان خواتین تعلیم جدید کے زیور سے آراستہ ہو کر مغربی تہذیب کے ظاہری نقش و نگار پر فریفتہ ہوتی جاتی ہیں۔ اور انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مغربی معاشرت کی تقلید تعلیم کا ضروری جزو ہے۔ ہندوستانی خواتین جو انگریزی زبان میں کچھ شدبد حاصل کر لیتی ہیں۔ اپنی مغربی

بہنوں کی وضع قطع اور معاشرت کی نقل اُتار کر متمدن اور تعلیم یافتہ کہلانے لگتی ہیں اور اپنی ہندوستانی معاشرت کو حقارت سے دیکھنے لگتی ہیں۔

تعلیم کے ساتھ وہ بے جا آزادی جو اعتدال کے حدود سے بڑھ جائے ہرگز پسندیدہ نہیں کہی جاسکتی۔ ممکن ہے کہ یہ آزادی سرزمین یورپ کے مناسب ہو۔ یا یہ آزادی مذہب عیسوی کی تلقین وہدائیت کے مطابق ہو مگر خاصکر مسلمانوں کے لئے باعثِ فخر نہیں ہوسکتی اور خدائے تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قاعدے کبھی ہماری گمراہی کا باعث نہیں ہوسکتے یہ دوسری بات ہے کہ ہم خذ مَا صَفَا وَدَعْ مَاکَدِرَ کے اصول پر کاربند ہو کر اچھی اچھی چیزوں کو لے لیں اور بُری چیزوں کو چھوڑ دیں۔

مسلمان عورتوں کو کبھی اس آزادی سے آگے بڑھنے کی خواہش نہیں کرنی چاہئیے جو مذہب اسلام نے ان کو عطا کی ہے۔ اور وہ آزادی ایسی آزادی ہے جس کے ذریعہ سے مسلمان عورت اپنے حقوق سے مستفید اور تمام خرابیوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

خواتین اسلام کے لئے زمانہ حال کی تعلیم اور تمدن سے بہرہ یاب ہونا مستحسن اقدام ہے۔ بشرطیکہ وہ مذہبی حدود کے اندر رہیں اور اس اعلیٰ مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے ہم میں اگر مذہبی روح یعنی اپنے مذہب کی پابندی اور مذہب کی محبت نہ پیدا ہوگی۔ تو ہماری تعلیم بیسود ہے اور ہماری آزادی بے جا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ محکوم قوموں کے لئے وہ زمانہ بہت نازک ہوتا ہے جبکہ ان کی قومی تہذیب فاتح قوم کی قومی تہذیب سے ٹکراتی ہے۔ اگر مفتوح قوموں کی ذہنیت اور قومی تہذیب بھی مفتوح ہو جائے تو پھر مفتوح قوم کے لئے عزت کی زندگی گزارنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن جب تک قومی امتیازات (جو درحقیقت بنائے قومیت ہیں) مرعوب ہو کر مفقود نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک کسی قوم کا مستقبل تاریک نہیں کہا جاسکتا۔ قومی امتیازات کی اصل محافظ عورتیں ہیں اس لئے کہ وہی آئندہ نسلوں کو اپنی گود میں پالتی ہیں۔ اگر یہ اصلی جوہر بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر مستقبل کی امیدیں عبث ہیں۔ ان کی

تہذیب اگر کسی دوسری تہذیب میں جذب ہوگئی تو پھر ان کا قومی وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ پس ہمیں مغربی تمدن کی ظاہری چمک دمک سے مرعوب نہ ہونا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ تعلیم و تہذیب جدید کی بیجا آزادیاں مشرقی اخلاق کے ضابطہ کو کمزور کردیں۔ اسلام نے عورتوں کو بہت کافی حقوق عطا کئے ہیں۔ اور شریعت اسلامی کی کوئی پابندی ایسی نہیں ہے جو اُن کی قومی اور معاشرتی ترقی کی راہ میں حائل ہو سکے۔

خواتین اسلام کے لئے ان حدود کو قائم رکھ کر بھی مغربی تہذیب جدید کی تمام خوبیوں سے بہرہ اندوز ہونا ممکن ہے۔

رسالہ "انیس نسواں" انہی اغراض و مقاصد کو لیکر شائع ہوا ہے اور یہ انشاءاللہ انہی روایات کا حامل ہو کر تہذیب جدید کی خرابیوں کی بیخ کنی کرے گا اور بے جا آزادی و فیشن پرستی کی بڑھتی ہوئی رَو کا سدباب کرنے کے لئے بہترین آلہ کار ثابت ہوگا۔ خدا میری آرزو کو پوری کرے۔

گلشن افروز بیگم　(اذکپور دہلی)

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک　　ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی۔ اللہ بھی۔ قرآن بھی ایک　　کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی　　برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

رہ گئی رسمِ اذاں۔ روح بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

(ترجمان)

انیس نسواں کا خیر مقدم

میں اپنی محترمہ بہن حامدہ بیگم الخیریہ کی بیحد شکرگزار ہوں کہ میری گزارش پر توجہ فرما کر ذیل کا مضمون انیس نسواں کے پہلے پرچہ میں شائع ہونے کے لئے عنایت فرمایا۔ بہن صاحبہ موصوفہ کی خدمت میں مجھ کو ایک مدت سے نیاز حاصل ہے۔ آپ دہلی کے ایک بڑے ذی علم اور ممتاز خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ کی علمی استعداد ذیل کے مضمون سے ہی ظاہر ہے کہ آپ کس قدر باخبر خاتون ہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ آئندہ بھی آپ کے فیض سے انیس نسواں مستفیض ہوتا رہے گا + (مسز محمد اکرام)

یہ معلوم ہو کر کہ شیخ محمد اکرام صاحب کی توجہ پھر ہماری طرف منعطف ہوئی ہے بہت خوشی ہوئی۔ مجھ کو وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب انھوں نے دہلی سے رسالہ عصمت جاری کیا تھا اُس کی بڑی دھوم ہوئی تھی امید ہے کہ انشاء اللہ انیس نسواں بھی بہت مقبول ہوگا۔ یہ ان کا ہم عورتوں پر بڑا احسان ہے کہ ہماری طرف پھر توجہ فرمائی۔ نئے رسالہ کا نام سنکر میرے سامنے ایک زمانہ پھر گیا گذری ہوئی صحبتیں یاد آگئیں۔

ان آنکھوں نے کیا کچھ نہ دیکھا اور کیا کیا ہستیاں ان آنکھوں کے سامنے خاک میں ملگئیں۔ ان آنکھوں کے سامنے دَور کے دَور ختم ہوگئے۔ وہ مجلسیں ہی نہ رہیں۔ میری ہم جلسوں میں کوئی بھی ایسی نہ ہوگی جنہوں نے ان مشہور لوگوں کو دیکھا ہو۔ میں نے قوم کے ان جان نثاروں کو خوب دیکھا بھی ہے اور باتیں بھی سُنی ہیں۔

بچپن کے زمانے میں میری عمر کا بہت سا حصہ محترم بزرگ شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کی خدمت میں گذرا جس کی وجہ سے یہ سب بزرگ ہستیاں مولوی صاحب مرحوم

کے پاس تشریف لاتی تھیں اور میں آپ کے پاس ہی بیٹھی رہتی تھی۔ مجھ کو ان بزرگوں کی باتیں بھی یاد ہیں اور صورتیں بھی۔ اور جب کبھی یہ صاحبان تشریف لاتے تھے۔ اپنے اپنے جلسوں میں بُلانے کے لئے آتے تھے۔ اوّل الذکر دَور کے سر سیّد علیہ الرحمۃ نواب وقار الملک مرحوم مولٰنا شبلی۔ مولانا الطاف حسین صاحب حالیؔ۔ مولانا محمد حسین صاحب آزاد۔ منشی ذکاء اللہ صاحب حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں صاحب مرحوم۔ سیّد محمود صاحب مرحوم اور حاجی شمس الدین صاحب مرحوم سکریٹری انجمن حمایت الاسلام لاہور، غرض یہ کہ ان میں سے اب کوئی بھی نہ رہا۔ دوسرے دَور میں وہ لوگ ہیں جن کی صورت سے میں واقف نہیں مگر ان کے کارناموں سے باخبر ہوں۔ مثلاً سر اقبال مرحوم۔ قاری سرفراز حسین صاحب عزمی مرحوم۔ مولوی ممتاز علی صاحب مرحوم جن کے اخبار تہذیب النسواں کی بیس نے بہت خدمت کی۔ اور میرے بھائی راشد الخیری مرحوم جن کے نام نامی سے کون واقف نہیں یہ سبھی رخصت ہوئے اس زمانہ کی یادگار اب صرف سر شیخ عبد القادر صاحب باقی ہیں جنھوں نے رسالہ مخزن کے ذریعہ اردو کے جسم میں نئی روح پھونک دی ہے ان کے بعد شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹر کی ادبی خدمات سے کون واقف نہیں اب ان کے دل میں خدا نے یہ خیال پیدا کر کے گویا ہماری مدد کی ہے۔

میں سب بہنوں کی طرف سے انیس نسواں کا خیر مقدم کرتی ہوں کہ شیخ صاحب نے یہ رسالہ جاری کر کے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ اب ہم سب کو چاہیئے کہ رسالہ انیس نسواں کا شکریہ ادا کریں۔ اور اس کی اشاعت بڑھانے کی بھی بے حد کوشش کریں۔ کیونکہ رسالہ کی بہبودی اور اسکی آیندہ ترقی اس کے خریداروں پر موقوف ہے۔ میرا خود دو تین مہینے سے ارادہ تھا کہ کسی رسالے کے ذریعہ سے اپنے مذہب کی اشاعت کروں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ دہلی سے انیس نسواں میرے دل کی آرزو کے مُطابق نکلا ہے۔ خداوند کریم اس کی عمر دراز کرے اور برکت دے۔ ایسے رسالے کی بے انتہا ضرورت تھی۔ آج کل جو ہمارے عقیدوں کی حالت ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ ہم عورتیں بلکہ مرد بھی بالکل اپنے پاک مذہب اسلام سے بے خبر

ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے ایسا رسالہ جو عورتوں کو مذہب کی طرف متوجہ کرے۔ آج کل کے دہریت کے زمانے میں بہت غنیمت ہے اور قابل قدر ہے۔ افسوس وائے افسوس کہ ہم نہیں سمجھتے کہ ایک دن ہم کو معبود حقیقی کے سامنے بھی حاضر ہونا ہے۔ اس سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے۔ دیکھیئے فرعون اور شداد جیسے بڑے بڑے سرکشوں کا غرور خاک میں کس طرح مل گیا۔ ان کے شان کے بھی تو ہم نہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم اپنے آپ کو گناہوں کی آلائش سے پاک کریں جسطرح ہمارے پیغمبر اسلام نے ہم کو سمجھا دیا ہے۔ اب بھی ہم نہ سمجھیں تو ہماری بدقسمتی ہے۔

مسند امام احمد میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان نے قسم کھا کر اللہ تعالیٰ سے کہا کہ انسان کے جسم میں جب تک جان رہے گی تب تک میں ہر ایک انسان کے بہکانے میں دریغ نہ کروں گا اور کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھونگا اللہ تعالیٰ نے بھی قسم کھا کر اس ملعون کے جواب میں فرمایا کہ جب تک انسان کے جسم میں جان رہے گی اور گناہ کر کے توبہ استغفار کرتا رہے گا میں بھی ہمیشہ اس کے گناہ معاف کرتا رہونگا اس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر سمجھنا چاہیئے۔ جس کا ترجمہ ہے،

"شیطان بولا اے پروردگار مجھ کو اس دن تک کی مہلت دے۔ جبکہ سب لوگ اُٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔ فرمایا ہاں تم کو اس دن تک کی مہلت ہے۔ جس کا وقت ہم ہی کو معلوم ہے۔ وہ بولا کہ مجھے بھی تیری عزّت کی قسم ہے کہ ان بنی آدم میں جو تیرے خالص بندے ہیں ان کو چھوڑ کر اور سب کو گمراہ کر کے رہوں تو سہی۔ فرمایا۔ ہم بھی حق بات کہے دیتے ہیں اور ہم حق ہی کہا کرتے ہیں کہ ہم بھی تجھ سے اور جو لوگ تیری پیروی کریں گے ان سب سے جہنم کو بھر دیں گے۔"

حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر مرض کو پیدا کر کے اسکی دوا پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح آزمایش کے طور پر شیطان کو پیدا کر کے اس کا علاج بھی پیدا کر دیا ہے

جس کی تاثیر کو قسم کھا کر اپنے بندوں کو سمجھایا ہے اب جو شخص گناہ کرے اور توبہ نہ کرے یا توبہ کرنے پر آمادہ نہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی مرض میں گرفتار ہو اور دوا کرنے سے دم چرالئے پھر ایسے بیمار کا جو انجام ہونے والا ہے وہی اس گنہگار کا ہونے والا ہے۔ چنانچہ توبہ کرنے والے اور نہ کرنے والے لوگوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بیان فرمایا ہے ترمذی ابن ماجہ مسند امام احمد میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑجاتا ہے اگر یہ گناہ کرنے والا شخص خالص دل سے اور دوسرا گناہ کرنے سے پہلے توبہ استغفار کر لیتا ہے تو وہ سیاہ داغ مٹ جاتا ہے اور دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر بغیر توبہ استغفار کے گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو داغ پر داغ بڑھتا جاتا ہے اور ان داغوں کی سیاہی دل پر پھیلتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام دل کو زنگ لگ جاتا ہے پھر آپ نے ایک آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے یہ ڈھکوسلے نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان کے دلوں پر انکے بُرے اعمال کے زنگ بیٹھ گئے ہیں۔

اب بعض لوگ تو وہ ہیں کہ بالکل توبہ کرتے ہی نہیں اور بعض لوگ توبہ تو کرتے ہیں مگر اوپری دل سے اسی طرح کہ توبہ کرتے وقت بھی ان کے دل میں آئندہ گناہ کی جانب سے پوری نفرت نہیں ہوتی۔ اس طرح کی توبہ کرنا نہ کرنا یکساں ہے۔ کیونکہ توبہ کرتے وقت آدمی کے دل پر آئندہ گناہ نہ کرنے کا قصد ضرور ہونا چاہیئے۔ اگر فقط پچھلے گناہ پر ندامت ہوئی اور آئندہ گناہ پر دل للچاتا رہا تو شریعت کے موافق یہ پوری توبہ نہیں ہے۔

حامدہ بیگم الخیریہ از دہلی

ہمیں جس چیز نے کھویا وہ تفریق و تحزبی تھی
یہی وہ شئے ہے جو بربادیٔ مسلم کے درپے ہے

مگر اب تو در و دیوار تک اس کا اثر پہونچا
وضو خانہ الگ اک چیز ہے مسجد الگ شئے ہے

(مولانا ظفر علی خاں)

ہماری رسوم اور حضرت فاطمہؓ کی شادی!

مسلمانوں کو جس قدر رسم ورواج کی فضول خرچیوں نے تباہ کیا ہے شاید ہی کسی اور چیز نے کیا ہو۔ حکومت گئی۔ امارت گئی۔ مگر دماغوں میں ابھی تک وہی بُو ہے۔ مزاجوں میں وہی خُو ہے

رسم ورواج کے چاؤ چونچلے بھی اُسی وقت نبھ سکتے ہیں جب روپیہ عام ہو۔ جب زمانے کے انقلاب نے ہم کو پیس کر خاک میں ملا دیا ہو تو کیسی رسمیں اور کیسے رواج۔ پیٹ بھر کے کھانا تو دو وقت ملتا نہیں مگر رسم ورواج کی زنجیریں ہمارے پاؤں میں ایسی پڑی ہیں کہ ہم ایک قدم بھی ان کے بغیر نہیں چل سکتے۔

اسلام تو جہاں سے چلا تھا کوئی رسم اپنے ساتھ لے کر نہ چلا تھا۔ اسلام میں شادی یا بیاہ صرف اس قدر تھا کہ کسی مکان یا مسجد میں چند لوگ جمع ہو گئے مرد اور عورت کی مرضی دریافت کر لی گئی اور نکاح ہو گیا۔ دولہا دلہن نے اپنا گھر بنا کر رہنا سہنا شروع کر دیا نہ برات نہ آتش بازی نہ باجا گاجا نہ ڈومنی نہ ناچ۔ بہت ہوا تو ولیمہ ہو گیا۔

اسلام کی سی سادگی کسی مذہب میں نہیں تھی۔ یہی سادگی تھی جو لوگوں کے دلوں میں اتنی جلد گھر کر گئی اور اسلام دیکھتے دیکھتے دنیا میں پھیل گیا۔

مگر آج کل جس طرح مسلمانوں میں شادیاں ہوتی ہیں۔ اسلام کی سادگی ان میں نام کو نہیں ہوتی۔ مسلمان ہندوانہ تکلفات اور رسوم کے جال میں کچھ اسطرح پھنس گئے ہیں کہ اب کسیطرح ان سے نجات نظر نہیں آتی۔ فقیری میں بھی امیری کی شان دکھانے کی خواہش ہمارے دلوں میں موجود ہے۔ منگنی۔ عیدی۔ منہدی۔ ساچق۔ برات۔ چوتھی۔ چالے اور اسی طرح کی کئی بیہودہ رسمیں منہ کھولے ہوئے مسلمانوں کو نگل جانے کے لئے تیار ہیں۔ سینکڑوں

اور ہزاروں روپے پانی کی طرح بے دریغ بہا دئے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی قیمتی جائدادیں بزرگوں کی یادگاریں صرف ناک اور شیخی کی خاطر رسوم کی دیوی کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ یہ دیوی اسقدر بے رحم ہے کہ غریبوں کے مکان اور جھونپڑے تک نہیں چھوڑتی۔

اب ذرا پیغمبر اسلام کی اکلوتی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی شادی کا حال سُنئے آنحضرتؐ نے اپنی امت کے لئے شادی کی ایک ایسی مثال قائم کردی تھی کہ امیر اور غریب سب اس کی تقلید کریں۔

حضرت فاطمہؓ جب سن بلوغ کو پہنچ گئیں تو چاروں طرف سے پیغام آئے۔ پیغام بھیجنے والوں میں سب ہی طرح کے لوگ تھے۔ امیر بھی تھے غریب بھی تھے۔ آنحضرتؐ کو اگر اپنی چہیتی بیٹی کے لئے دنیا کی آسایش اور ظاہری ساز و سامان کی خواہش ہوتی تو کونسی وقت کیا کچھ میسر نہ آسکتا تھا۔ آپؐ حضرت فاطمہؓ کی شادی کسی امیر گھرانے میں کردیتے مگر آپؐ کو تو سیدہ پاک کی زندگی کے ہر پہلو میں اپنے اخلاق کی جھلک اور نبوت کی شان دکھلانی تھی آپؐ کی یہ خواہش بھی نہ تھی کہ عام مسلمان دنیا ترک کرکے رہبانیت کی زندگی اختیار کرلیں۔ بلکہ آپؐ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان سادہ اور بے تکلف زندگی بسر کریں اور اس ناقابلِ اعتبار دنیا کے ہر انقلاب کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوجائیں۔ اور حصول دنیا کے لئے دین کو قربان نہ کردیں۔ آپؐ کی زندگی سب کے لئے سبق آموز اور حضرتِ فاطمۃ الزہراؓ کی زندگی کا ہر واقعہ عورتوں کے لئے قابلِ تقلید تھا۔

ایک روز حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور شرم سے گردن نیچی کئے کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ آخر آنحضرتؐ نے فرمایا علیؓ! آج اس قدر خاموش کیوں ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات کہنی چاہتے ہو۔ مگر شرم کہنے نہیں دیتی۔ جو کچھ کہنا ہو بے تکلف کہو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا۔

"اے خدا کے سچے رسولؐ! مجھے بچپن ہی سے آپ کی خدمت میں رہنے کا فخر

حاصل ہے۔ ایک عرصے سے آپؐ کی صحبت سے فیض اُٹھاتا ہوں۔ میں جو کچھ بھی
ہوں آپ کی بدولت ہوں۔ بھائی ہیں تو آپؐ۔ باپ ہیں تو آپؐ۔ مجھے شرف
غلامی حاصل کرنے کی بڑی تمنا ہے "
یہ سنکر آنحضرتؐ خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد گھر میں تشریف لے گئے۔ جناب
سیدہ کی رائے اس بارے میں دریافت کی۔ وہ سن کر خاموش ہو رہیں آپؐ نے فرمایا۔
" فاطمہ تمھاری خاموشی سے تمھاری رضامندی ظاہر ہوتی ہے "
یہ کہہ کر باہر آئے۔ آپؐ نے علیؓ مرتضٰی سے پوچھا۔ کہو مہر کے لئے بھی کچھ ہے علی مرتضٰےؑ کرم
نے جواب دیا یا رسول اللہ میرا حال آپؐ سے بہتر کون جانتا ہے۔ میرے پاس ایک اونٹ ایک
تلوار ایک زرہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تلوار اور اونٹ تو کام کی چیزیں ہیں۔ اِن کو اپنے پاس
رہنے دو۔ البتہ زرہ بیچ ڈالو اس میں مہر بھی ہو جائے گا اور کچھ ضروری سامان بھی آجائے گا۔ یہ
سنتے ہی حضرت علیؓ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ زرہ حضرتِ عثمانؓ نے چارسو درم میں خرید لی۔
اور حضرت علیؓ نے یہ قیمت لاکر آنحضرتؐ کے قدموں میں ڈال دی۔ بلال کو حکم دیا گیا۔
کہ بازار سے خوشبو وغیرہ لے آئیں۔ مسجد نبوی میں تمام مسلمان جمع ہو گئے اور عقد ہو گیا۔ چارسو
مثقال حق مہر مقرر ہوا۔ نکاح کا خطبہ آنحضرتؐ نے خود پڑھا جسکا خلاصہ اُردو میں حسب ذیل ہے:۔

" اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں فاطمہ کا عقد علی کے ساتھ کردوں
اور میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کا عقد علی کے ساتھ
چارسو مثقال پر کیا ہے۔ اگر علی اس بات پر راضی ہوں۔ تو یہ سنت
قائم رہے اور فریضہ واجب ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان دونوں
میں اتفاق رکھے اور ان دونوں کی نسل کو پاک و پاکیزہ کرے اور
ان دونو کی اولاد کثرت سے ہو۔ آمین "

رسول اللہؐ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو علی مرتضٰیؑ کرم سے پوچھا کیا تم چاندی کے چارسو

مثقال مہر پر راضی ہو علی مرتضیٰؓ نے کہا ہاں میں راضی ہوں۔ اس کے بعد علی مرتضیٰ کرم سجدے میں گئے۔ جب سجدہ شکر سے فارغ ہوئے تو آنحضرتؐ نے دعا کی اور فرمایا خدا تم دونوں پر اپنی برکتیں نازل فرمائے۔"

حضرت علی کرم کے پاس جو سرمایہ تھا وہ بھیڑ کی ایک کھال اور ایک بوسیدہ چادر یہ دونوں چیزیں حضرت فاطمہؓ کی نذر کر دیں۔

آنحضرتؐ کے ارشاد کے بموجب حضرت علی کرم بازار سے کچھ چھوارے اور کچھ گھی اور پنیر لے آئے۔ آپؐ نے حبیس تیار کرایا اور حضرت علی کرم سے فرمایا کہ جو مسلمان ملیں ان کو بُلا لاؤ۔ چنانچہ وہ کھانا پہلے تو مسلمانوں کو کھلایا۔ پھر ایک پیالہ میں کچھ حبیس ڈال کر فرمایا کہ یہ فاطمہ اور اس کے شوہر کا حصّہ ہے۔ اس کے بعد اور لوگوں میں کھانا تقسیم کیا گیا۔ جب سب لوگ اٹھ کر چلے گئے، تو آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو بلایا۔ اُس وقت وہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو رہی تھیں۔ قریب آئیں تو آنحضرتؐ نے چہرہ پر سے چادر ہٹا دی اور اپنے سینے پر بائیں طرف اُن کا سر رکھا۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور حضرت علی کرم سے فرمایا "علیؓ! پیغمبر کی بیٹی مبارک ہو، یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اِس کی خوشی میری خوشی ہے۔ جس نے اس کو تکلیف دی۔ اُس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔"

اس کے بعد جناب سیدہؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

فاطمہؓ تیرا شوہر بہت اچھا شوہر ہے اس کی رضامندی خدا اور رسول کی رضامندی ہے

رسولِ خداؐ نے جو جہیز اپنی چہیتی بیٹی کو رخصت کے وقت دیا اس کی فہرست بھی ملاحظہ ہو

آبخورے مٹی کے	چھاگل پانی کے لئے	مٹی کے گھڑے	چکی آٹا پیسنے کی	مشکیزہ پانی کیلئے
۱ عدد	ایک عدد	۲ عدد	ایک عدد	۲ عدد

چمڑے کا گدا جسمیں کھجور کے پتے بھرے تھے	جانماز کھجور کی	تسبیح	
۱ عدد	۱ عدد	۱ عدد	کل میزان ۱۰ عدد

یہ جہیز لے کر جناب سیدہؓ اپنے نئے گھر میں آباد ہوئیں۔

دوسرے دن آنحضرتؐ سیدہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ دروازہ پر کھڑے ہوکر دستک دی۔ اجازت لے کر اندر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک برتن میں پانی منگایا اور دونوں ہاتھ اس میں ڈال دئے۔ پہلے حضرت علیؓ کے سینے اور بازوؤں پر پانی چھڑکا اور پھر حضرت فاطمہؓ پر۔

بی بی فاطمہ سے فرمایا میں نے اپنے خاندان میں سب سے اعلیٰ شخص سے تیرا نکاح کیا ہے۔ حضرت علیؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ علی تیری بیوی بہترین عورتوں میں سے ہے یہ میرے کلیجہ کا ٹکڑا ہے۔ حضرت علیؓ آنکھیں نیچی کئے کھڑے تھے اور خاموش سُن رہے تھے۔

یہ تھیں وہ رسمیں جو حضرت فاطمہؓ کی شادی پر ادا کی گئیں اور جو جہیز دیا گیا اسکو بھی غور سے دیکھئے اور عبرت حاصل کیجئے۔ یہ سارے جہان کی عورتوں کی سردار کی شادی تھی۔

بیگم محمد اکرام

اس کے حصّے میں ہی رحمت ایزدِ غفار کی ــــ جس کے دل میں ہو محبت احمد مختار کی

عرض حاجت کیا کریں ہم آپ سے اے شاہ دیں ــــ ہے وہی مرضی ہماری جو رضا سرکار کی

طور سے موسیٰ ہوئے تھے دیکھکر بیخود جسے ــــ دل کو حسرت ہی اسی کے جلوۂ دیدار کی

آپ پر روشن ہی فرقت میں جو میرا حال ہی ــــ آپکے آگے مجھے حاجت نہیں اظہار کی

اے مسیحائے دو عالم جلد لیجئے اب خبر ــــ حالت ابتر ہوتی جاتی ہی دل بیمار کی

ایک مدت سے ہوں میں حضرت کا مشتاق جمال ــــ دیکھئے بر آئے کبتک آرزو دیدار کی

خوف عصیاں کس لئے ہی تجھکو عثماںؔ حشر میں

ہوش میں آ۔ تو ہے اُمت میں شہ ابرار کی

اعلیٰ حضرت حضور نظام فرمانروائے دکن

ہمارے سات حقوق

اس میں شک نہیں کہ جن حقوق کا اس مضمون میں مطالبہ کیا گیا ہے وہ مسلم خاتون کے جائز حقوق ہیں۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ انیس نسواں حقوق نسواں کی حمایت میں نہ صرف قلم سے ہی کام لے گا بلکہ ان حقوق کے حاصل کرنے کے لئے اپنی ہر امکانی کوشش صرف کردے گا۔ مگر ہم ناظرات انیس نسواں پر یہ ظاہر کردینا چاہتے ہیں کہ خواتین کی جماعتی زندگی کے بغیر کبھی کامیابی نہیں ہوگی۔ انیس نسواں اگر خدا کو منظور ہوا تو خواتین کا حقیقی انیس ہی ثابت ہوگا۔ ناظرات کا حلقہ زیادہ وسیع ہو جائے تو خواتین کی انجمنوں کی تنظیم کا کام شروع کردیا جائے گا۔ رسوم مروجہ کی اصلاح بھی تنظیم کی محتاج ہے۔

میرے خیال میں جتنی آزادی ہم کو اسلام نے دی تھی وہ دنیا کے کسی مذہب نے عورتوں کو نہیں دی۔ مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتی ہوں کہ ہم کو تعلیم سے بے بہرہ رکھا گیا ہم کو ان حقوق سے بھی محروم کردیا گیا جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو قرآنِ مجید کے ذریعہ سے عطا کئے تھے۔

دراصل ہماری جہالت مردوں کی اپنی جہالت کے سبب سے تھی۔ جب مرد ہی خود تعلیم یافتہ نہ ہوں تو عورتیں ہی کب تعلیم یافتہ ہوسکتی ہیں۔

آنحضرتؐ کا ارشاد تو یہ تھا کہ "تعلیم مرد اور عورت دونوں کے لئے فرض ہے" حضورؐ کے اس ارشاد کی مردوں ہی نے تعمیل نہ کی تو عورتوں کو کون پڑھنے دیتا۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ جب ہمارے علماء کو یہ حدیث معلوم تھی تو اس کی طرف مسلمانوں کو کیوں نہ متوجہ کیا۔ مسلمان تو اس زمانہ میں بالکل اَن پڑھ اور جاہل تھے ان کو خود اس حدیث کا کیونکر علم ہوسکتا تھا۔

علماء صاحبان مجھ کو معاف کریں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ ہماری جہالت کا باعث ہمارے وہ علماء ہیں جنھوں نے مسلمان مردوں کو انگریزی پڑھنے سے روکا اور مسلمان عورتوں کو تعلیم سے روکا۔

سب سے **پہلا حق** جس سے ہم محروم ہوئیں وہ یہ تھا کہ ہم کو تعلیم نہ دی جائے تعلیم نہ دینے میں یہ مصلحت تھی کہ ہم اپنے حقوق سے باخبر نہ ہوسکیں۔ یہ ہماری بڑی حق تلفی تھی۔ ہم کو جاہل رکھنے میں پوری کوشش کی گئی۔ خدا بھلا کرے مولوی نذیر احمد مرحوم کا جنھوں نے تعلیم نسواں کے لئے اپنی پوری کوشش کی

دوسرا حق ہمارا یہ تھا کہ ہم کو گھروں کی چار دیواری کے اندر بند کرکے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی گئی۔ خدا کا حکم تو یہ تھا کہ عورتیں اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کریں۔ سوائے اس حصے کے جس کا ظاہر کرنا کسی کاروبار یا عورتوں کو اپنی ضرورت کی وجہ سے ضروری ہو تو اس میں چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیاں آتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خدا کا حکم ہے کہ **مرد اور عورت اپنی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔** اگر دوسرے حکم کی تعمیل ممکن نہ ہو تو پھر میری رائے ہے کہ عورتیں نقاب اوڑھ کر گھر سے باہر جاسکتی ہیں اور اپنا کاروبار کرسکتی ہیں۔ کونسی بات مانع ہے کہ نقاب اوڑھے ہوئے ہم سفر نہ کرسکیں یا خرید و فروخت نہ کرسکیں یا جلسوں میں شریک نہ ہوسکیں پیغمبر صاحب کے وقت میں عورتیں کس چیز سے محروم تھیں مسجدوں میں جاکر وعظ سنتی تھیں میدان جنگ کے بہت سے کام عورتوں کے سپرد تھے۔ پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔

تیسرا حق ہمارا خلع کا تھا جو قرآن کی رو سے ہم کو حاصل ہے لیکن مولوی صاحبان نے ہم کو اس حق سے بھی محروم کردیا۔ جو قیود طلاق پر ہیں وہی خلع پر ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ مردوں کو تو طلاق کا حق ہر وقت حاصل ہے لیکن عورتیں اپنے حق سے محروم کردی جائیں۔ اسلام میں طلاق کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ جب کسی طرح بھی میاں بی بی میں صلح نہ ہوسکے تو شوہر

طلاق دے سکتا ہو۔ ایسے موقع بھی دیئے گئے ہیں کہ اگر دونوں میں صلح ہو جائے تو طلاق کی نوبت نہ آئے۔ یہی حکم خُلع کے لئے ہے۔

اسمبلی میں خُلع کے قانون کا مسودہ پیش ہو رہا ہے۔ بھلا ہو اُن ممبروں کا جنکو ہماری کس مپرسی کی حالت پر رحم آیا اور وہ بل پاس کرانے کے لئے پوری کوشش کر رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مولوی صاحبان نے پھر بھی اپنی غلطی کو محسوس نہیں کیا اور اس کی تائید میں اب تک کوئی آواز نہ اُٹھائی۔

چوتھا حق یہ ہے کہ ہم شادی کے بارے میں لب تک نہیں ہلا سکتے۔ حالانکہ رسول اللہ نے جب اپنی بیٹی کی شادی حضرت علیؓ سے کی تو حضرت فاطمہؓ سے ان کی رائے دریافت کی تو وہ خاموش رہیں اس لئے ان کی خاموشی کو ان کی رضامندی سمجھا۔ ہماری کس مپرسی کی داستان بہت لمبی ہے۔ کیسی کیسی جگہ ہم کو دھکیل دیا جاتا ہے اور ہم کو اپنی بیاہ شادی کے بارے میں دخل دینے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ کیا شارع اسلام کا یہی حکم تھا۔ اگر اتفاق سے میاں بیوی میں بن گئی تو زندگی اچھی کٹ گئی ورنہ دُنیا میں جیتے جی دوزخ کی آگ میں ساری عمر کے لئے جھونک دیا جاتا ہے۔ ہم کس کس طریقے سے اپنے شوہروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ہماری خدمات دیکھ کر اگر وہ ہم پر مہربان ہو جائیں تو یہ ان کا احسان ہو ورنہ طلاق کی تلوار تو ہمارے سر پر ہر وقت لٹکتی ہی رہتی ہے۔

پانچواں حق ہمارے مہر کی ادائیگی ہے جو خوشدلی سے تو کیا کبھی ادا ہی نہیں ہوتا اگر کبھی کسی خوش قسمت کو وصول ہو گیا تو وہ جنت میں موتیوں کے محل سے محروم ہو گئی۔ یا عدالتوں میں مقدمہ بازی کرنی پڑتی ہے۔

چھٹا حق ۔ ازدواج کا رواج اچھی بھلی بیوی کے اوپر سوکن لا بٹھانا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مردوں کو چار بیویاں تک کرنے کی اجازت دی ہے لیکن اس کے ساتھ شرائط بھی ایسی کڑی لگا دی ہیں کہ ایک کی اجازت بھی نہیں نکلتی۔ سب کے ساتھ عدل کرنے کی

شرط ایسی ضروری قرار دی ہے کہ خود خداوند کریم نے فرمادیا ہے کہ تم اس بارے میں عدل نہیں کر سکو گے۔ایک سے زیادہ بیویوں کی کہاں سے اجازت نکلتی ہے۔

ساتواں حق وراثت کا ہے۔بہت سی جگہ ہم کو اس حق سے محروم کردیا گیا ہے اور ہندوؤں کے رواج کی تقلید کی جاتی ہے۔مردوں کو کوئی حق نہ تھا کہ ہم سے پوچھے بغیر رواج پر چلتے ہم سے پوچھنا چاہیئے تھا کہ کیا ہم اپنا حق وراثت چھوڑتی ہیں۔غضب تو یہ ہے کہ ہندو اپنی عورتوں کو یہ حق دینے کے لئے تیار ہو گئے ہیں مگر مسلمانوں کو اس سے بھی عبرت نہیں ہوتی کہ جس قوم کی ہم نے تقلید کی تھی وہ خود اسلامی قانون کی عمدگی اور انصاف کی قائل ہو کر ہندو عورت کو وراثت کا حق دینا چاہتی ہے لیکن مرد رسم و رواج کی زنجیروں میں اس قدر جکڑ گئے ہیں کہ اپنی عورتوں کو اس حق سے محروم کرنے میں خدا اور اس کے رسُول کے احکام کی پیروی بھی ضروری نہیں سمجھتے مسلمان مرد غور کریں۔کیا خدا کو یہ جواب دینگے کہ ہم نے تیرا حکم دانستہ نہیں مانا اور عورتوں کو انکے حق سے محروم کردیا میں نے اپنے علم کے مطابق مندرجۂ بالا حقوق کا بلا مبالغہ ذکر کیا ہے۔

جو کچھ ہوا سو ہوا اب مرد ہمارے حال پر رحم فرمائیں اور ہمارے وہ حقوق جو اللہ تعالےٰ نے عطا کئے ہیں واپس دیکر ہم کو ممنون فرمائیں۔ورنہ ہم اب خاموش نہیں رہ سکتیں انیس نسواں کا فرض ہے کہ اپنے نام کی لاج رکھے۔ہمارا واقعی انیس ثابت ہو اور ہمارے جائز حقوق کی حمایت میں نہ صرف قلم ہی اُٹھائے بلکہ ہمارے حقوق کے حصُول کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کردے ہم ہر طرح سے ساتھ دینے کو تیار رہیں۔مجھ کو امید ہے کہ پڑھی لکھی بہنیں میری تائید کریں گی اور میرے ساتھ اتفاق کریں گی۔اگر میں نے کوئی بات غلط لکھی ہے تو مردوں کو حق حاصل ہے کہ قرآن و حدیث کی رُو سے میری تردید فرمائیں۔

میں نے دانستہ مردوں کے مظالم کا عنوان لکھنے کی بجائے فی الحال صرف اپنے حقوق کا اظہار کیا ہے مجھ کو یقین ہے کہ میرے اس مضمون کے پڑھنے والے بھائی ہمارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرینگے اور خدا کا خوف کر کے ہم محرومان حقوق کو غاصب مردوں سے ہمارے حقوق دلوانیکی کوشش کرینگے + انجمن آراء بیگم از دہلی

اِسلام کا اِحسان

اِس وقت جب کہ مسلمان ساری دنیا میں طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ اور مغربی قوموں کی ملوکیت پرستی نے اپنے سوا تمام دنیا کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے اور جو قومیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں وہ نہ صرف جسمانی و ملکی حیثیت سے غلام ہیں بلکہ وہ دماغی اور علمی حیثیت سے بھی غلام ہیں۔ اس لئے مسلمان حضرات جو نجات کا راستہ ڈھونڈنا چاہتے ہیں تو وہ مغربی سیاست اور یورپینی معاشرت کی کورانہ تقلید سے آزاد ہو جائیں بلکہ خدا اور رسول کی قرآن اور حدیث میں بتائی ہوئی سیاست اور قرون اولیٰ میں دینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے کامیاب زِندگیوں کے اتباع میں اپنا پروگرام تجویز کریں اور یہ اس لئے عرض کرتی ہوں کہ خدا تعالیٰ اور رسول پاک نے قرآن اور حدیث میں جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ ازلی اور ابدی اور فطرت کے عین مطابق ایک ایسا قانون ہے۔ جو کبھی اور کسی حالت میں غلط ہونے والا اور بدلنے والا نہیں ہے اور اسی نے مسلمانوں کو اخلاق تدبیر منزل اور سیاست مُدن کے اس آخری زینے تک پہنچا دیا تھا۔ جسکے درمیانی زینے تک بھی آج تک دنیا کی کوئی قوم نہیں پہنچی۔ اور ساری دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ عرب کی وہ قوم جو اپنی کساوت قلبی اور بدکرداریوں میں مشہور و معروف تھی اس قانون کو ہاتھ میں لیتے ہی کیا سے کیا ہو گئی اور اسنے دنیا کے کتنے بڑے حصے پر اور کتنی قوموں پر کس خوبی سے حکمرانی کی اور نہ صرف حکمرانی کی بلکہ ان کو ہر قسم کی تاریکی سے نکال کر روشنی میں پہنچایا اور اس قابل بنایا کہ وہ حیوان ناطق سے حقیقی انسان کہلائیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو روشن ہو جائے گا کہ مساوات اور سرمایہ داری کا مٹانا جو مارکس اور لینن کے دماغ سے نکلی ہوئی بات بتائی جاتی ہے اور مخالف قوتوں کا مقابلہ صبر سے کرنا اور انتقام کا خیال نہ کرنا۔ طلب آزادی۔ شراب کی بندش۔ سود کی تحدید۔ تعلیم کا عام کرنا اور ہندوستانی

قوموں کا ایک نقطہ پر جمع کرنا جو گاندھیت کی خصوصیت سمجھی جاتی ہیں یہ سب اسی الٰہی قانون سے حاصل کی ہوئی چیزیں ہیں اور یورپ میں تعدد ازدواج۔ ہندوستان میں بیوگان کی شادی کمسنی کی شادی عورتوں کی وراثت اور چھوت وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا اور کیا جا رہا ہے یہ سب اسی قانون ربانی کی سکھائی ہوئی باتیں ہیں۔ انشاء اللہ وہ وقت آنے والا ہے کہ سب مخالفین اسی الٰہی قانون کے آگے سر جھکا دیں گے۔

اس لئے مسلمانوں کے لئے کسی طرح یہ جائز نہیں کہ وہ قانون الٰہی چھوڑ کر کسی اور قانون اور دستور کی طرف متوجہ ہوں اور سیدھے آسان اور مجرب راستہ کو چھوڑ کر کسی پیچیدہ کج اور غلط راستہ کا رُخ کریں۔ جو کچھ مسلمان سوچیں کہیں اور کریں وہ اسلامی احکام اسلامی تمدن اور اسلامی معاشرت اور اسلامی ماحول کے ماتحت ہو۔ ہم پہلے آپ کو مسلمان بنائیں اور پھر ہندوستانی کہلائیں۔ اور عملاً اس کا ثبوت دیں پھر دیکھئے انشاء اللہ کامیابی ہر بات میں رہنمائی کرے گی۔ اس وقت جو دھوم ہے کہ مسلمانان ہند جب تک اپنی عورتوں کو اپنے دوش بدوش کام کرنے کا موقع نہ دیں گے اس وقت تک وہ ترقی نہ کریں گے۔ اس مسئلہ کی واقعیت اور حقیقت پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یورپ کی تقلید میں وہ نہ کیجئے جو یورپ کر کے خود پچھتا رہا ہے۔ عورتوں کی تعلیم ضروری ہے۔ عورتوں کا ملکی اور سیاسی مسائل پر غور و فکر کرنا اور اپنے حدود نسوانیت کے اندر رہ کر اس میں مناسب حصہ لینا بھی ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ عورتیں مرد بننے کی کوشش کریں اور اپنے حدود نسوانیت سے گذر جائیں۔

بنت مولوی ابوالقاسم فضل الحق صاحب
وزیر اعظم گورنمنٹ بنگال
(از کلکتہ)

فیشن کی دلچسپ کروٹیں!

عورتوں کی کٹی ہوئی چوٹی اور درندوں کی طرح بڑھے ہوئے ناخنوں کا فیشن کیوں کہ پُرانا ہو چکا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر کسی نئے فیشن کے عالم وجود میں آنے کی توقع کیجا رہی تھی۔ پیرس کی خواتین کی عنایت سے لیجئے یہ توقع بھی پوری ہوگئی۔

یہ نیا فیشن تمام گذشتہ فیشنوں سے زیادہ آرٹ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اب یہ فیشن نکلا ہے کہ مغرب کی عورتیں اپنی پشت کو اور چھاتیوں کو بالکل عُریاں رکھتی ہیں لیکن عریانی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے جسم پر نقش ونگار بنوالیتی ہیں۔

حال ہی میں ان چتی پتی مغربی گڑیوں کی ایک نمایش ہوئی تھی جس میں انھوں نے اپنے جسم کو قدیم گونڈوں کی طرح رنگ کر نمایش میں پیش کیا تھا۔ اس مقابلہ میں جو خاتون سب سے اوّل آئی ہے اس کے حسنِ مذاق کا اندازہ اس سے فرما لیجئے کہ اس کی پشت پر تو ہاتھی کی تصویر تھی اور سینہ پر شیر کا چہرہ ۔ یہ جدّت داد طلب ہے۔

آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ جسم کے رنگنے کا یہ فیشن کیوں کر ایجاد ہوا وہ بھی سن لیجئے۔ پیرس کی مشہور رقاصہ مس فریدا گاروس کے سینہ اور پشت پر کچھ ایسے بدنما نشانات تھے جنکے ہوتے ہوئے اس کے لئے عریاں ہو کر رقص کرنا تقریباً ناممکن تھا۔

اس بدنمائی سے بچنے کے لئے اس نے یہ صورت اختیار کی کہ رقص سے پہلے اپنے جسم پر نقش ونگار بنوالیتی تھی۔ جب بھی وہ اسٹیج پر نمودار ہوتی تو لوگ دیکھتے کہ اس کا جسم نئے نئے گل بوٹوں سے آراستہ ہے۔

یہ ادا کچھ ایسی بھائی کہ عورتوں نے عام طور پر جسم کو رنگنا شروع کر دیا۔ اب یورپ کی جس مہذب اور شائستہ عورت کو دیکھئے وہ چتی پتی گڑیا بنی ہوئی ہے۔

فیشن کی پیدائش کے اِن اسباب کو دیکھتے ہوئے کچھ تعجب نہیں کہ اگر کل کسی مغربی

عورت کی ناک کٹ جائے اور وہ کٹی ہوئی ناک کو سفیدے سے پینٹ کرلے تو یورپ میں کٹی ہوئی ناک کا فیشن بھی عام ہوجائے۔ اگر یورپ میں یہ فیشن عام ہوگیا تو سنیما کے ذریعہ سے ہندوستان کی خیر نہیں + (مدینہ)

مغربی آزادی کی لہر تہذیب جدید ہندوستان کی ناتجربہ کار لڑکیوں پر بھی اپنا رنگ برابر جمائے جارہی ہے اس کی تصدیق مدراس کی ایک تازہ خبر سے ہوتی ہے کہ ایک ہندوستانی عیسائی خاندان کی ایک مس صاحبہ جوان ہوگئیں تو والدین نے ایک نوجوان سے شادی ٹھیرائی۔ تاریخ بھی مقرر ہوگئی۔ تاریخ مقررہ پر دولہا برات لے کر سسرال میں آپہنچا۔ گرجا جانے کا وقت ہوا تو دولہن غالب ہوگئی۔ سب حیران رہ گئے۔ دوسرے دن کی ڈاک سے ایک خط آیا۔ جس میں ذیل کا مضمون درج تھا۔

ڈیر پاپا۔ آپ اور ماما میری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ میں آپ پر اپنی شادی کا بار ڈالنا نہیں چاہتی۔ شادی ایک قید ہے۔ میں آزاد رہنا چاہتی ہوں ماما کی قید سے مجھ کو تجربہ حاصل کرنا چاہیئے۔ میں شادی کی بندشوں میں اپنے آپ کو جکڑنا نہیں چاہتی +

آپکی سعادت مند بیٹی

"میری"

دُنیا کی زِندگی کی مثال تو اس پانی کی سی ہو کہ ہم نے اسکو آسمان سے برسایا پھر زمین کی روئید گی جسکو آدمی چارپائے کھاتے ہیں پانی کے ساتھ مل گئی اس طرح کہ پانی اس میں جذب ہوگیا اور وہ پھلی پھولی یہانتک کہ زمین نے اپنا سنگھار فصل سے کیا اور خوشنما نظر آنے لگی تو کھیت والوں نے سمجھا کہ اب کیا پرواہ ہو جب چاہیں گے کاٹ لیں گے۔ ناگاہ رات کے وقت یا دن کے وقت ہمارا حکم ہوتے ہی ایسی صفائی ہوگئی کہ گویا کل تک اسکا نام ونشان ہی نہ تھا۔ جو لوگ سوچتے اور سمجھتے ہیں اُن کی ہدایت کے لئے ہم اسی طرح اپنی دلیلیں مفصل بتاتے ہیں

(سورۃ یونس)

محفلِ انیس

اس عنوان کے نیچے صرف وہ استفسارات شائع ہوا کرینگے جو عام دلچسپی کے ہونگے یہ صفحہ ذاتی خبروں کے لئے وقف نہ سمجھا جائے۔ چونکہ ابھی کوئی استفسار درج ہونے کے لئے ہمارے پاس نہیں آیا۔ اس لئے ہم اُن چند خطوط کا خلاصہ شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں جو انیس نسواں کے معاونین نے اس کا مطبوعہ اعلان دیکھکر ہماری حوصلہ افزائی کے لئے بھیجے۔ خدا کرے کہ انیس نسواں مسلمان خواتین کی کوئی حقیقی خدمت کر سکے۔

نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی۔

انیس نسواں کا اعلان پڑھ کر خدمت کا ایک دور یاد آگیا یادش بخیر۔ بزم خدمت میں ماتم بار یاب نہیں ہمیشہ بہار رہے۔ ع ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی است۔ طبقہ نسواں کی حقیقی خدمت کی شدید ضرورت ہے اور پہلے کے بلحاظ تبدیل حالات بہت زیادہ ہو حاضرہ لغو مذاق سے پاک رہکر اور مخزن کے جوہر ادبی کو نور نظر بنا کر اگر خدمت کیجائے تو زہے نصیب ملک و ملت +

مولوی عبد الماجد صاحب بی اے دریا آبادی:۔ عورت کو بہانیوالے بھٹکانے والے پرچے بہت سے نکل رہے ہیں۔ خدا کرے آپ کے قلم کی رہنمائی میں ہماری بہنیں اور بیٹیاں سچی مسلمان عورتیں بننا سیکھیں،

خانبہادر ڈاکٹر نجم الدین احمد جعفری:۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ طبقہ نسواں کیخدمت کرنا چاہتے ہیں، یہ بہت اہم خدمت ہو اور ہر شخص کو آپ کی کاوشوں کی قدر کرنا چاہیئے۔

خان بہادر میاں عبد العزیز ایم، اے۔ ریونیو ممبر ریاست جے پور۔

آپکی کامیابی چاہتا ہوں۔ ایک اصلاح معاشرت شاید یہ بھی ضروری ہو کہ طبقہ نسواں دنیا میں کوئی الگ چیز نہو،

نواب بیگم سردار جہاں صاحبہ پٹودی:۔ بڑی مسرت ہوئی کہ آپ انیس نسواں جاری کرنا چاہتی ہیں میں اس کی اشاعت بڑھانے کی ہر وقت کوشش کرتی رہوں گی۔ میری طرف سے فی الحال دو ایسی

بیبیوں کے نام رسالہ جاری کر دیں جن کو پڑھنے کا شوق ہو لیکن پرچہ نہ خرید سکتی ہوں دس روپے (عـــہ) ارسال کرتی ہوں +

گلشن افروز بیگم بنت ڈاکٹر ابوالفضل صاحب ایڈوکیٹ کپورتھلہ :۔
صرف شیخ صاحب قبلہ ہی اس وقت فرقہ نسواں کے بہترین محسن اور رہنما ہیں انکی ادارت میں جو رسالہ نکلے گا وہ ضرور بے مثل ہوگا میری ناقص رائے میں تو ماہواری کی بجائے ہفتہ وار اخبار جاری کرنا چاہیئے

چوہدری خوشی محمد خاں صاحب ناظر :۔ مخزن کے دلکش نقوش نہیں بھول سکتے آپکی ہمت اور ایثار کا قائل ہوں کہ آپ نہایت مشکل ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کیلئے تیار ہوگئے ہیں اللہ کامیابی دے

آنریبل جسٹس خان بہادر شیخ دین محمد صاحب :۔
میں آپ کی ہمت کی داد دیتا ہوں اور آپ کی کامیابی کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔

محترمہ عابدہ بیگم وصالحہ بیگم صاحبہ ۔ از دہلی :۔
بہن مسز محمد اکرام صاحبہ کو وہ زمانہ یاد دلاتی ہوں جب انہوں نے دہلی میں انجمن خواتین قائم کی تھی، انجمن کے جلسوں میں ہی ان سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ میں مدت سے ان کی تلاش میں تھی شکر ہو کہ آپ نے پھر ہم مستورات پر یہ کرم فرمایا کہ انیس نسواں کے جاری کرنے کا قصد کیا۔ آپ کو انشاءاللہ ضرور کامیابی ہوگی۔ ہم دونوں بہنیں ہر طرح سے آپ کی خدمت کریں گی +

مشرف خاتون از حیدرآباد دکن :۔ بیگم شیخ محمد اکرام صاحبہ کو کون نہیں جانتا عصمت آپ کی یادگار اب تک موجود ہے۔ خدا آپ کی یہ کوشش بھی کامیاب کرے +

محترمہ شائستہ اختر سہروردیہ ہائیڈ ویل شملہ :۔
یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپنے طبقہ نسواں کی قابل رحم حالت کیطرف توجہ فرمائی ہیں آجکل بہت علیل ہوں بغرض علاج یورپ جارہی ہوں۔ صحت ہوجائے تو انشاءاللہ انیس نسواں کیلئے مضمون لکھونگی،

محترمہ قمرالنسا بیگم۔ از دہلی :۔ ہم کو انیس نسواں کی بڑی ضرورت تھی۔ مغربی تہذیب کا اثر مردوں تک تھا۔ لیکن اب مردوں کے ذریعہ سے عورتوں میں بھی پہنچ گیا۔ ایک مضمون بھیجتی ہوں +

شیخ احمد اکرام علی پرنٹر و پبلشر نے جید برقی پریس دہلی سے چھپوا کر شائع کیا

مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن ہیں اور تم انکی چولی ہو" (البقر)
ایڈیٹر۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹر ایٹ لا۔ نائب ایڈیٹر۔ مسز محمد اکرام

فروری | جلد ۱ | **انیس نسواں** | نمبر ۲ | سنہ ۱۹۳۹ء

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دِل آویز مخزن

چندہ سالانہ مع محصولڈاک پانچ روپے (صہ) + سستا ایڈیشن تین روپے (سے) فی پرچہ ۸ ر و ۴ ر

فہرست مضامین

۲

نقد و نظر

انیس نسواں کو ہفتہ وار شائع کرنے کی تحریک میں کئی خطوط موصول ہوئے ہیں مگر ابھی ہم یہ تحریک قبل از وقت خیال کرتے ہیں۔ انیس کی اشاعت کا حلقہ کچھ اور زیادہ وسیع ہو جائے تو ہم اس تحریک کو عمل میں لانے کیلئے آمادہ ہیں۔ اس مرتبہ بھی بعض ضروری مضامین کی اشاعت کے لئے ۸ صفحے زائد بڑھانے پڑے! پھر بھی دو ایک ضروری مضامین شائع نہیں ہو سکے۔

آل انڈیا زنانہ کانفرنس کا سالانہ اجلاس دہلی میں ختم ہو گیا اور بعض ناگوار واقعات کی یادگار چھوڑ گیا۔ کانفرنس کے جلسوں میں کارروائی زیادہ تر انگریزی زبان میں ہوئی جسکو صرف گنتی کی چند خواتین سمجھ سکتی تھیں۔ پردہ نشین مسلمان خواتین کے لئے کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ اجلاس عموماً مخلوط ہوتے تھے جس میں مرد بھی شریک تھے اور مردوں کی تقریریں بھی ہوئیں مسلمان عورتوں کی تعداد برائے نام تھی۔

اس کانفرنس کا یہ دعوےٰ تو درست نہیں معلوم ہوتا کہ اسکو سیاسیات سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ رانی لکشمی بائی نے اپنے خطبۂ صدارت میں خود فرمایا ہے کہ ہم کو صاف طور پر اعلان کر دینا چاہیئے کہ ہم کو ہندوستان کی بعض پولٹیکل جماعتوں کے اس مسئلہ مقصد سے اتفاق ہے کہ ہندوستان کو خود مختار ملک بنایا جائے۔ ..... ہم کو عورتوں کی مکمل سیاسی تربیت کا ایک پروگرام تیار کرنا چاہیئے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کانفرنس نے ہندو خواتین میں ترقی و بیداری کے آثار پیدا کر دیئے ہیں۔ لیکن اسکو دیکھ کر بھی مسلمان خواتین اپنی جماعتی زندگی کی طرف متوجہ نہ ہوں تو افسوس کی بات ہے۔ سنا گیا ہے کہ دہلی کی بعض مسلمان خواتین اپنی کانفرنس کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں لیکن ہمت کرنے سے ہچکچاتی ہیں۔

نصرت کلب۔ دہلی میں مسلم خواتین کا کلب ہے جو عرصہ دس بارہ سال سے قائم ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے مقاصد و اغراض سے ہم کو پورا علم نہیں۔ ہم شکر گذار ہونگے اگر سکرٹیری صاحبہ یا کوئی اور ممبر صاحبہ تکلیف فرما کر ہماری معلومات میں اضافہ فرمائیں کہ اس کلب کے وجود سے کیا غرض ہے مسلم خواتین کے کلب محض تفریح و تفنن کے لئے مخصوص نہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ ہمیں ایسی انجمنوں کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اب وہ وقت نہیں کہ مسلمان عورتیں اپنی تضیع اوقات کے لئے ایک جگہ مقرر کریں اور آٹھویں دن جمع ہو کر کچھ اِدہر اُدہر کی گپ شپ کے بعد رخصت ہو جائیں اکثر مسلم خواتین بیدار ہو چکی ہیں۔ آنکھیں کھولیں اور دیکھیں کہ ہمسایہ قومیں ان انجمنوں کے ذریعہ سے مذہب اور قوم کی کیا کیا خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ اور اپنی قدیم معاشرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترقی کے منازل کس سرعت سے طے کرتی جارہی ہیں۔ آل انڈیا ہندو کانفرنس کے گذشتہ اجلاس کی کامیابی انہی مساعی کا نتیجہ ہے۔ اب سنا ہے کہ چند دنوں سے قرآن مجید کی تلاوت اور ترجمہ پڑھ کر سنانے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ کیا نصرت کلب کے ممبروں کے نزدیک صرف یہی ترقی کی ایک راہ ہے۔ انیس نسواں ہر طرح سے مسلمان خواتین کی حوصلہ افزائی کے لئے تیار ہے۔ بشرطیکہ کلب اسراف سے محفوظ ہو کر قوم کی حقیقی خدمت اپنے ذمہ لے +

اچھی گھر والی

مغربی دُنیا سے عورتوں کی رنگینی اور شوقینی کی اتنی خبریں مشرق میں پہونچتی رہتی ہیں کہ ہمارے ملک میں بعض لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ مغرب میں عورتوں کو مشقِ ناز کے سوا کچھ کام ہی نہیں۔ اور یہ خیال بھی عام ہوتا جاتا ہے کہ مغربی عورتیں گھر کے کام کاج کو اپنے لئے ایک بارِ گراں سمجھتی ہیں اور بال بچوں کی خبرگیری کو ناپسند کرتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایک طبقہ ایسا موجود ہے۔ اور کون سا ملک ہے جو اس طبقہ سے بالکل خالی ہے۔ زیادہ تر یہ خیالات اُمرا میں پیدا ہوتے ہیں اور متوسط طبقے یا غربا کے بعض گھر بھی اُن کی مثال سے اثر پذیر ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو کوئی قوم زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ باتیں صرف امیری کے چونچلے ہیں اور جو غریب ہو کر امیروں کی پیروی کرتے ہیں وہ بے سمجھ نقال ہیں۔ مجھے مغرب کے اور ملکوں کی تو زیادہ خبر نہیں۔ مگر انگلستان کی گرہستی زندگی کی بابت یہ معلوم ہے کہ بگڑے ہوئے شہریوں کی ایک خاصی تعداد کو چھوڑ کر اکثر گھروں میں اور خاص کر دیہات میں عورتیں خانہ داری کے فرائض کو بہت کوشش اور توجہ سے انجام دیتی ہیں۔ جرمنی کی بابت میں نے سُنا ہے کہ وہاں خانہ داری کی طرف اور بھی زیادہ میلان ہے۔ متوسط درجہ کے گھروں کیلئے آج کل نوکر آسانی سے نہیں ملتے۔ اور گھر کی صفائی۔ اور کھانے پکانے کا کام زیادہ تر گھر والی کو ہی کرنا پڑتا ہے کبھی ایک آدھ خادم یا خادمہ ہوئی تو اس سے مدد مِل جاتی ہے۔ کبھی عارضی مدد دینے والی عورتیں دو چار گھنٹے کے لئے آکر ہاتھ بٹا جاتی ہیں۔ اس دقت کے باوجود گھر والیاں گھر کی درستی ایسی رکھتی ہیں کہ جو ملاقاتی آتے ہیں وہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ گھر میں نوکر نہیں ہیں۔ یا کبھی کبھی آتے ہیں۔ شوہر کے لئے اور اپنے لئے اور اگر بچے ہوئے تو اُن کے لئے کھانے کا بند وبست بھی اچھی طرح کرتی ہیں۔ اور بچے ہوئے وقتوں میں سینا پرونا، جرابیں بُننا۔ کتاب پڑھنا۔ ہوا خوری کے لئے باہر نکلنا سب کچھ ہوتا رہتا ہے غریب گھروں کی عورتیں ان سے بھی زیادہ مصروف زندگی بسر کرتی ہیں۔ اُنہیں پڑھنے لکھنے یا تفریحی

کاموں کے لئے فرصت بہت کم ملتی ہے ۔ مگر وہ گھر کے طرح طرح کے کاموں کا بوجھ بہ خوشی برداشت کرتی ہیں ۔ اور حتی الوسع چہرے بشاش رکھتی ہیں ۔ ہندوستان تک ان دونوں طبقوں کی عورتوں کی زندگی کے حالات کم پہونچتے ہیں ۔ البتہ اُن عورتوں کی خبریں اکثر شائع ہوتی رہتی ہیں جنہیں یہاں کے تمدن کے باغ کی تیتریاں کہنا چاہیئے ۔ کسی نے انگریزی زبان میں خوب فقرہ لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے " جھونپڑی کے سامنے اُگا ہوا ایک پھول شہد کی مکھی کو شہد دے دیتا ہے ۔ مگر شاہی باغ تیتری کو کچھ نہیں دے سکتا " اس لئے تمدن کی تیتریوں کی رنگین داستانیں چھوڑ کر میں آج انگلستان کی ایک غریب گھر والی کا حال لکھتا ہوں جس نے اپنے فرائض اچھی طرح ادا کرنے کی بدولت کچھ عرصہ ہوا قابل رشک عزت پائی ۔

انگلستان میں ایک مقام ہے " سٹریٹ فورڈ " ۔ وہ نہیں ! جہاں شکسپیر کا مزار ہے وہ تو دریائے ایون کے کنارے آباد ہے اور دریا کا نام اس کے نام میں شامل ہے ۔ یہ ایک اور شہر ہے جہاں کئی صنعتی کارخانے ہیں ۔ ان میں " کیلاگ " کی مشہور کمپنی کا کارخانہ بھی ہے ۔ کیلاگ کے " کارن فلیک " ہندوستان میں بھی کاغذ کے ڈبوں میں بند ہو کر بکثرت جاتے اور فروخت ہوتے ہیں ۔ گیہوں کی پتیاں سی بنائی جاتی اور تنور میں پکائی جاتی ہیں ۔ اور ایسی حکمت سے بند ہوتی ہیں کہ اُن کا خستہ پن دیر تک قائم رہتا ہے ۔ صبح کی حاضری کے وقت دودھ کے ساتھ کھانے کا رواج ہے ۔ پچھلے سال اس کارخانے کے مالکوں نے ایک نیا اور بڑا کارخانہ بنایا ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا میں اپنی قسم کا سب سے بڑا کارخانہ ہوگا اور اس پر پانچ لاکھ پونڈ یعنے پینسٹھ لاکھ روپے سے زیادہ کی لاگت کا اندازہ ہے ۔ ان ملکوں کے سوداگروں کو اپنے اشتہار کا جیسا ڈھنگ آتا ہے شاید ہی کسی کو آتا ہوگا ۔ اس کارخانے والوں کو یہ سوجھی کہ بجائے اس کے کہ کسی شاہزادی یا کسی شاہزادے سے یہ درخواست کریں کہ وہ نئے کارخانہ کے افتتاح کی رسم ادا کرے ۔ کسی " اچھی گھروالی " کو ڈھونڈیں اور اس سے یہ رسم ادا کرائی جائے ۔ اس تجویز میں یہ نکتہ بھی پنہاں تھا کہ جو مال کارخانے سے نکلتا ہے اس کی خریدار تو گھر والیاں ہی ہیں ۔ اس لئے جب انہی میں سے کسی کو یہ عزت دی جائے گی تو انہیں اس مال کی خریداری کی طرف زیادہ توجہ ہوگی ۔ اب سوال یہ پیدا ہوا

کہ یہ انتخاب کس طرح ہو۔ چند معزز خواتین کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اور یہ اعلان کیا گیا کہ جو گھروالیاں اس انتخاب میں آنا چاہیں وہ اپنے نام بھیج دیں۔ وہ کمیٹی ان میں سے چیدہ عورتوں سے ملاقات کرے گی، اور اُن کے حالات دریافت کرے گی۔ اور جس کسی کو بہترین گھروالی خیال کرے گی۔ اس کو کارخانہ کھولنے کی رسم کے لئے بلایا جائے گا۔

اس اعلان کے جواب میں پانچ ہزار عورتوں کے خط آئے۔ کمیٹی نے غور کے بعد ایک بی بی مسز یلوارڈ نامی کو منتخب کیا۔ اس غریب عورت کا خاوند کان کنی کرتا ہے۔ اس کے چھ بچے ہیں۔ اس کم مائگی کے باوجود اس کا گھر صاف اور ستھرا رہتا ہے۔ اس کے بچے تندرست ہیں اور اس کا شوہر اس سے خوش ہے اور وہ اپنے شوہر سے خوش ہے۔ اس کی محبت۔ اس کی محنت اور اس کی کفایت شعاری نے اس کے غریبانہ گھر کو بہشت بنا رکھا ہے۔ اسی کا اس کو یہ انعام ملا۔ کہ رسم افتتاح کے دن اس کا گوشۂ کلاہ تاج کی برابری کر رہا تھا۔ اُس کی اور اس کے گھر بھر کی خوشی کا اندازہ کیجئے۔ جب وہ کارخانہ کو اس شان سے گئی کہ دروازہ پر اس کے استقبال کے لئے کارخانہ کے مالک اور منتظم اور سینکڑوں تماشائی موجود تھے۔ کارخانہ کے ڈائرکٹر کی بیٹی نے آگے بڑھ کر پھولوں کا ایک خوب صورت گلدستہ اُسے پیش کیا۔ اور اس سے درخواست کی کہ اپنے برکت والے ہاتھوں سے کارخانہ کو کھولے۔ اُس کا شوہر اور سب بچے اُس کے ہمراہ تھے۔

اُس دن کے روزانہ اخباروں میں ان سب کی تصویریں چھپیں۔ اور اُن کی بابت ذرا ذرا سی باتیں دلچسپی سے لکھی اور پڑھی گئیں۔ مثلاً ایک اخبار نے اُن کے چھوٹے بچے کی بابت لکھا کہ وہ چار برس کا ہے اُس نے کبھی اپنی ماں کی ایسی شان نہیں دیکھی تھی کہ اتنے لوگ اس کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہوں اس لئے وہ بار بار اپنے بہن بھائیوں سے الگ ہو کر اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا تھا۔ مگر بہن بھائی اسے بہلا پھسلا کر اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور بہلانے کے لئے۔ بسکٹ۔ لمونیڈ اور آئس کریم سے اس کی تواضع کی جارہی تھی۔

کارخانہ کھولنے کے بعد مسٹر اور مسز یلوارڈ اور اُن کے بچے اندر گئے۔ تو گھوں

کی پتیاں بنانے کی مختلف کلوں کو دیکھ کر بہت متعجب ہوئے۔ ایک جگہ کاغذ کے ڈبّے خود بخود بنتے جاتے تھے ایک دوسری کل اُن میں موم جامہ کی طرح کے کاغذ کی تھیلیاں رکھتی جاتی تھی۔ اس کے بعد وہ ڈبّے کل ہی کے ذریعے سے ایک اور کل تک پہنچ جاتے تھے جہاں "کارن فلیک" اُن میں بھرے جاتے تھے اِس سارے سلسلے میں کسی کا ہاتھ ان ڈبّوں اور ان پتیوں کو نہ چھونا تھا اور ایک منٹ میں ستّر ڈبّے بھر کر باہر بھیجنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

انگلستان میں اکثر بڑی دعوتوں یا خوشی کے موقعوں پر مہمانوں کی تواضع شمپین شراب سے کی جاتی ہے۔ رسم افتتاح کے بعد جب مسز ملیوارڈ کے سامنے اس شراب کا ایک چھلکتا ہوا جام آیا تو اس نے نہایت نرمی سے وہ جام واپس دیدیا اور کہا کہ میں اسے نہیں پی سکتی۔ مجھے تو پانی کا ایک گلاس دیدیجئے۔

اس افتتاح کے بعد اخباروں کے نامہ نگار مسز ملیوارڈ سے ملاقات اور گفتگو کے لئے اس کے گھر پہونچے۔ ایک اخبار میں اس ملاقات کا نتیجہ شائع ہوا جس کا یہ اقتباس دلچسپی سے خالی نہیں مسز ملیوارڈ نے کہا:۔

میں عموماً دس بجے سوتی ہوں اور ہمیشہ چھ بجے صبح کے اُٹھ کر اپنے کاموں میں لگ جاتی ہوں مجھے بے مطلب گپ شپ پسند نہیں۔ ہماری شادی کو اکیس برس ہو گئے ہیں۔ اور ہمارے اوقات باہم خوشی سے بسر ہوتے رہے ہیں۔ ہم دونوں اپنی اپنی مجالس میں بھی کچھ وقت بسر کرتے ہیں مجھے ایک دو زنانہ سوسائٹیوں سے تعلق ہے اور میرے شوہر کے بھی کچھ مشاغل اپنے مرد دوستوں میں مل بیٹھنے کے ہیں۔ اس طرح وقتاً فوقتاً کچھ دیر کے لئے ہم ایک دوسرے سے جُدا بھی رہتے ہیں۔ اس سے آپس میں بن آنے میں مدد ملتی ہے۔ میرے خیال میں خانہ داری کا یہ اُصول ہے کہ اپنی بساط کے موافق گھر کی ہر چیز آراستہ ہو۔ اس آراستگی میں گھر، گھر کا سامان۔ کھانا، سب شامل ہیں۔ اور گھر والی کو اپنی ذاتی آرائش سے بے پروا نہ ہونا چاہیئے۔

اس سیدھی سادی عورت نے جو باتیں صاف گوئی سے بیان کیں۔ ان میں نئی تو کوئی نہیں

خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کے اچھے گھروں کی سگھڑ بیبیاں اور بیٹیاں نہ صرف یہ باتیں جانتی ہیں۔ بلکہ بہت سی ان پر عمل کرتی ہیں۔ اور اچھی بیبیوں کیلئے یہ طرزِ عمل ایسا معمولی سمجھا جاتا ہے کہ اس کا چرچا بھی نہیں ہوتا۔ تاہم ایک نئی ہوا چل رہی ہے جس کا اثر اس طرزِ عمل کے خلاف ہے۔ ہماری بہنوں کو چاہیئے کہ وہ مغربی تمدن میں جو باتیں مفید پائیں ان کو لیتے ہوئے اپنی قدیم روایات کا بہترین حصہ بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اس کارخانہ کے افتتاح کے ذکر سے ایک اور سبق ضمناً حاصل ہوتا ہے جس سے مردوں عورتوں کو یکساں دلچسپی ہونی چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ اس قسم کی خوردنی اشیاء جیسے "کارن فلیک" یا "شریڈڈ وہیٹ"[1] اور "دلیا" اب تک ہندوستان میں کیوں نہیں بننے لگے۔ ذرا غور کیجئے کہ ان چیزوں کا ایک ڈبہ جس کا وزن پاؤ ڈیڑھ پاؤ ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں آٹھ دس آنے کو بکتا ہے۔ اور کبھی اس سے بھی مہنگا۔ یہ چیزیں انگلستان سے اور امریکہ سے بن کر ہندوستان جاتی ہیں اور بکثرت بکتی ہیں۔ اگر ہندوستان میں بننے لگیں۔ جہاں گیہوں اس قدر ارزاں ہے۔ تو ایک ڈبے پر چند پیسے لاگت آئے۔ اور بازار میں شاید دو تین آنے میں مل سکے۔ آخر یہ اتنا بڑا کارخانہ جو تیار ہوا ہے جس پر اتنا روپیہ صرف ہوا ہے۔ اس کا سرمایہ اسی بیوپار سے بنا ہے۔ کسی بڑے تاجر کی گھر والی کی نظر سے اگر یہ مضمون گزرے تو اسے چاہیئے کہ اپنے شوہر کو توجہ دلائے کہ ایسی اشیاء کی بابت معلوم کرے کہ ایسا کارخانہ ہندوستان میں کامیاب ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ابھی یہ تجویز عملی جامہ نہیں پہن سکتی تو یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم گھر کے پسے ہوئے دلئے اور اپنے دیس کی بنی ہوئی سوئیوں سے کیوں صبح کے ناشتے کا کام نہ لیں۔ تاکہ اگر زیادہ کما نہ سکیں تو خرچ میں ہی کفایت کرلیں۔

دلیئے کا جو ڈبہ آٹھ دس آنے کو بکتا ہے۔ اتنی مقدار کا دلیا دیسی بنا ہوا ایک آنہ کو مل سکتا ہے اور طبّی لحاظ سے ہمارے ہاں کا دلیہ زیادہ صحت بخش ہے۔ اور بہتر غذائیت رکھتا ہے۔ جتنی بھی چیزیں صبح کی حاضری کے لئے ولایت سے جاتی ہیں۔ اُن میں سے اکثر کی صفت یہ بیان کی جاتی ہے

[1] یہ گیہوں کے گچھے سے بنے ہوتے ہیں اور سوئیوں کا سا مزہ ہوتا ہے۔ یہ گچھے بھی ڈبوں میں بھرنے سے پہلے تنور میں بھونے جاتے ہیں۔

کہ ان میں گیہوں کی تاثیر زائل نہیں ہونے پاتی ۔ ہمارے دلئے اور ہماری سوئیوں میں بھی یہ صفت پوری طرح موجود ہے ۔ اس بحث کی تفصیل کا یہ محل نہیں ۔ صرف چلتے چلتے گھر والیوں کے کان میں ایک بات میں نے ڈال دی ہے ۔ جو گھر کے لئے بھی اچھی ہے ۔ اور ملک کے بھی بھلے کی ہے ۔

عبدالقادر (از لندن)

تہذیبِ حاضر

حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیبِ حاضر میں
بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تنِ خاکی

کیا ذرہ کو جگنو دے کے تابِ مستعار اس نے
کوئی دیکھے تو شوخی آفتابِ جلوہ فرما کی

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
یہ رعنائی یہ بیداری یہ آزادی یہ بیباکی

تغیر آ گیا ایسا تدبر میں تخیل میں
ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی

کیا گم تازہ پروازوں نے اپنا آشیاں لیکن
مناظر دل کشا دکھلا گئی ساحر کی چالاکی

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت خود فروشی ناشکیبائی ہوسناکی

فروغِ شمعِ نو سے بزمِ مسلم جگمگا اٹھی
مگر کہتی ہے پروانوں سے میری کہنہ ادراکی

تو اے پروانہ! ایں گرمی ز شمعِ محفلے داری
چو من در آتشِ خود سوز اگر سوزِ دلے داری

علامہ اقبال مرحوم

تہذیب مغرب کدھر جا رہی ہے

بیجا آزادی کے نتائج

از پروفیسر سید جمیل واسطی صاحب (لندن)

پردے کے متعلق موجودہ زمانے میں مسلمانوں نے بہت افسوسناک روّیہ اختیار کر رکھا ہے۔ اور سیاسی تنزل کیوجہ سے اپنی تہذیب اور روایات پر ہمیں اعتبار نہیں رہا ہم اپنی گھبراہٹ میں اپنی ہر چیز کو پستی کیوجہ اور یورپ کی ہر چیز کو یورپ کی موجودہ ترقی کا باعث سمجھنے لگ گئے ہیں۔

ایک ہزار سال تک مسلمان دنیا کی تاریخ سازی میں عیسائی یورپ کے مد مقابل رہے ہیں آج اگر فاتح تہذیب کا روّیہ موجودہ حالات میں مغلوب تہذیب کی جانب حقارت کا ہو تو متعجب نہیں ہونا چاہئے لیکن ہر قوم کی حقارت کو مشفقانہ مشورہ خیال کر لینا دانشمندی سے بعید ہے۔ مادی اور سیاسی کشمکش میں ہم واقعی مغلوب ہو چکے ہیں لیکن یہ حقارت جو ہماری روایات کے متعلق ظاہر کیجاتی ہے ان مذاہب کے ہتھیار ہیں جو دنیائے اسلام کو تباہ کر کے اپنی ترقی کے خواہشمند ہیں اسلام کے متعلق غلط بیانیوں سے لبریز اور زہریلا پروپاگنڈہ یورپ کے ہر گوشے میں پھیلا ہوا ہے۔

ہمارے رسول مقبولؐ۔ ہماری شریعت اور ہمارے لباس تک کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے باوجود ان سب باتوں کے ہمارا مضطرب ہونا مناسب نہیں یہ تو فاتحین کی عادت میں داخل ہے کہ وہ محکوم اقوام کی معاشرت اور تہذیب اور تمدن کا مضحکہ اڑائیں مگر مفتوحین کا اپنے دماغی توازن کو سنبھالنا فرض ہے اگر اپنے مذہب اور معاشرت کے خلاف حقارت ظاہر کرنے میں مفتوحین بھی دوسروں کے ساتھ شامل

ہو جائیں تو وہ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود لیں گے۔

نکاح - جائداد اور زندگی کے دیگر معاملات میں اسلام نے عورت کو اُس وقت سے حقوق عطا فرما رکھے ہیں جبکہ دوسرے مذاہب میں عورت کا درجہ غلام سے بہتر نہ تھا۔ انگلستان میں عورت کو صرف پچھلی صدی سے جائداد رکھنے کا حق حاصل ہوا ہے۔

پردہ اسلام میں اس لئے شروع نہیں کیا گیا تھا کہ عورت کو مغلوب ہونے کا احساس دلایا جائے۔ نہ اس لئے کہ حوا کی بیٹی کو اس کی ماں کے گناہ کی سزا دی جائے۔ اسلام عورت کو اپنی عصمت کی حفاظت کے لئے منہ چھپانے کا حکم دیتا ہے پردہ محض ذریعہ ہے مقصد عصمت کی حفاظت ہے کوئی وجہ نہیں کہ عورت کو اپنی عصمت کی حفاظت کے لئے منہ ڈھانکنے کی اجازت نہ دی جائے اگر عورت اپنا منہ ڈھانکنا چاہئے تو اس کو پوری آزادی ہونی چاہئے اس پر دوسری اقوام یا خود مسلمانوں کے مضطرب ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

اگر عصمت قابل قدر صفت نہیں ہے تو اس کی حفاظت بے معنی ہے لیکن اگر عصمت واقعی ایسی صفت ہے کہ اس کی قدر کی جائے تو مناسب ہوگا کہ ہم ایسی اقوام کے جنسی حالات کا مطالعہ کریں جو پردہ نہیں کرتیں اور دیکھیں کہ بے پردگی میں عصمت کہاں تک محفوظ ہے۔

علمی تشریح کو جذباتی بیانات پر ہمیشہ ترجیح ہونی چاہئے۔

صرف انگلستان میں ناجائز اولاد کی پیداوار چھبیس ہزار فی سال ہے اگر سکاٹلینڈ شمالی آئرلینڈ وغیرہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو کل تعداد تقریباً چالیس ہزار سالانہ ہوگی اس ضمن میں حسب ذیل چند امور قابل غور ہیں۔

(۱) یہ تعداد صرف نوجوان کنواری لڑکیوں کی اولاد ہے۔

(۲) ناجائز اولاد کو روکنے کے لئے آلات وغیرہ بھی کثرت سے استعمال ہوتے ہیں
(۳) بعض ایسے گھرانے بھی ہیں جہاں اولاد پسندیدہ خیال نہیں کیجاتی بلکہ ممنوع ہے امریکہ میں تیرہ فیصدی شادی شدہ جوڑے بالکل بے اولاد ہوتے ہیں۔
(۴) بہت سے بچے خفیہ بھی ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔
قانون بھی ہر قسم کی آسانیاں دیتا ہے کہ جہانتک ہو سکے کسی ناجائز بچے کا اندراج نہو۔

باوجود ان تمام باتوں کے جب بالاوسط چالیس ہزار بچوں کا اضافہ ہر سال ہوجاتا ہو تو ظاہر ہے کہ یورپ کی معاشرت میں جنسی اخلاق کی کیا حالت ہے۔ فرانس اور جرمنی اور یورپ کے دیگر ملکوں کی حالت اس سے بھی کہیں گری ہوئی ہے جن اعداد و شمار کا ذکر میں نے کیا ہے۔ یہ سرکاری کاغذات سے لئے گئے ہیں اور شعبہ پبلک ہیلتھ کی روئیدادوں میں درج ہیں۔

جو حضرات پردے کے خلاف ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان حالات پر غور فرمالیں۔ روایات کی یاد شاید ایک نسل کو شریف اور نیک رکھے لیکن دوسری تیسری نسل میں یہی حالات ہماری معاشرت کا دائمی حصہ بن جائیں گے۔

بہتر یہی ہے کہ ہم جو کچھ بھی کریں کم از کم آنکھیں کھول کر پوری ذمہ داری کے احساس سے کریں۔

اسلام کوئی منتر نہیں ہے کہ بلا محکم یقین اور پیہم عمل کے اخلاقی بلندی کا ضامن رہے۔

یورپ کو چھوڑ کر جن دوسرے ملکوں نے پردہ ترک کیا ہے ان کی اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

ایران ایک مشرقی ملک ہے وہاں جب سے عورت کو پردے کی پابندی سے

آزاد کیا گیا ہے اس وقت سے وہاں کی عورت کی اخلاقی حالت بہت گرتی جا رہی ہے اور جو جنسی خرابیاں پہلے آبادی کے ایک حصے سے مخصوص تھیں اب عام اور قومی بن چکی ہیں۔

پردے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پردے کی صورت میں آزاد محبت کی اجازت نہیں مندرجہ بالا ناجائز اولاد سب آزاد محبت کا نتیجہ ہے۔

یہ امر حقیقت ہے کہ دنیا کی کسی قوم میں اتنی کامیاب شادیاں نہیں ہوتیں جتنی مسلمانوں میں۔ کیونکہ مسلمانوں کی معاشرت میں جنسی محبت اسلامی نکاح کے مقدس ماحول میں شروع ہوتی ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ بات محض جذباتی تعصب نہیں یہ بیان کر دینا غالباً نامناسب نہو گا کہ اخباری بیانات کے مطابق انگلستان میں ہر وقت پندرہ ہزار سے پچیس ہزار تک طلاق کے مقدمات عدالتوں میں معلق رہتے ہیں ان میں سے اکثر مقدمات شادی کے دوران میں خاوند یا بیوی کی جنسی بے وفائی کی بنا پر دائر کئے جاتے ہوتے ہیں۔ یہ سب شادیاں آزاد عشقیہ شادیاں ہوتی ہیں۔

موجودہ زمانے میں لوگوں کا خیال ہے کہ حالات پہلے سے زیادہ خراب ہو گئے ہیں۔

ناجائز اولاد کے ان اعداد شمار سے جو ہیرلڈ کاکس نے اپنی کتاب پرابلم آف پاپولیشن" میں درج کئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی صدی کے آخری نصف حصے میں ناجائز اولاد کی تعداد تقریباً چھیالیس ہزار فی سال تھی لازمی طور پر اس کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ اسوقت کلیسا کی مخالفت کیوجہ سے طلاق کا اسلامی قانون انگلستان میں نافذ نہیں ہوا تھا۔

مندرجہ بالا حالات سے ظاہر ہے کہ مغرب کی عورت پردے کی پابندیوں سے

آزاد ضرور ہے مگر خوش نہیں ہے اس کو جنسی تعلقات میں وہ استقلال نصیب نہیں ہے جو مسلمان پردہ دار بیوی خاوند کے دل پر جما کر حاصل کر لیتی ہے۔ مغربی معاشرت میں پردہ نہ رائج ہونے کیوجہ سے شادی کے بعد بھی عورت کا مقابلہ دوسری عورتوں سے جاری رہتا ہے ہر شکل صورت کی عورت کو جو اطمینان اسلامی معاشرت میں حاصل ہے شاید کسی اور معاشرت میں میسر نہیں۔

عورت کی وفاداری اور عصمت سے ہی خاندانی محبت اور تعلق قایم رہ سکتا ہے۔ خاندانی محبت مغرب میں بہت ناقص ہے۔

اخلاقی دولت کے تحفظ کے لئے جو رستہ بھی اختیار کیا جائے وہی بہتر ہے اچھے قسم کے شہری اُس وقت پیدا ہو سکتے ہیں جبکہ قانوناً ان پر اخلاقی پابندیاں عاید کیجائیں۔ یہ کیوں ہے اور ایسا کیوں نہیں یہ فضول غیر علمی بحثیں ہیں اصل حالات کا مطالعہ ہی علم اور صحیح نتائج کی بنیاد بن سکتا ہے۔

سوال پردہ اور بے پردگی کا نہیں سوال پردہ یا ناجائز اختلاط کا ہے۔

ایک فرانسیسی پروفیسر نے مجھ سے پردہ کے متعلق مفصل گفتگو کرکے نہایت تاسف کے ساتھ پوچھا کہ تم لوگ پردہ کو کیوں چھوڑتے جاتے ہو یہ تو تمہاری اسلامی معاشرت کی خوبصورتی ہے ہمیں تو اسلام کے متعلق اُدر اَور باتیں بتائی جاتی ہیں، ممکن ہے کبھی ہم بھی تاسف کے ساتھ یہی سوال کریں کہ ہائے افسوس ہم نے پردہ کیوں چھوڑ دیا مگر اس وقت ہمارا افسوس بیکار ہوگا۔

پردے کے مخالف حضرات پردہ کو چند جنسی غیر فطرتی عیوب کا باعث خیال کرتے ہیں ان حضرات سے یہ درخواست بیجا نہ ہوگی کہ محض کٹ حجتی کی بجائے یورپ کی معاشرت اور وہاں کی پولیس کے کاغذات کا بغور مطالعہ کریں تاکہ انہیں بے پردگی کے نتائج معلوم ہوں۔

ایک اور غلط فہمی جو پردہ کے متعلق ظاہر کیجاتی ہو وہ یہ ہو کہ پردہ عورت کو مجلسی زندگی سے محروم کر دیتا ہے غالباً یہ بیان کرنے کی اس جگہ کوئی ضرورت نہیں کہ پردہ عورت کو مرد سے ہوتا ہو نہ کہ عورت سے نصف دنیا عورتوں کی دنیا ہو اس سے عورت کو ہرگز کوئی پردہ نہیں ہوتا عورت اس نصف دنیا سے مجلسی و معاشرتی تعلقات بلا کسی رکاوٹ کے رکھ سکتی ہے اور بلا تکلف جتنی عورتوں کو چاہیے مل سکتی ہے عورت کو عورتوں سے تعلقات میں حسن اخلاق سلیقہ کی اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے جتنی کہ مردوں کو آپس کی ملاقات میں رفاقت محبت اور خدمت کی خواہشات بھی عورتوں کی نصف دنیا میں پوری ہو سکتی ہیں لیکن اگر کوئی عورت نصف دنیا سے ملنے کی آزادی کو بھی غلامی تصور کرے اور اسکی زندگی کا مقصد خاوند کے چند نوجوان دوستوں اور ملاقاتیوں کے ساتھ اختلاط کے بغیر پورا نہو سکے اور اگر کوئی عورت عورتوں کی نصف دنیا میں دوستی اور محبت پیدا کر سکنے پر قانع نہ ہو اور اپنی نسوانیت کو چند مردوں کی خوشنودی حاصل کئے بغیر ضائع ہوتا ہوا خیال کرے تو اس عورت کے مقاصد کو محض مجلسی سمجھنا اس کو اور اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔

بعض مسلمان جنھیں پردہ کی پرواہ نہیں وہ اکثر کہتے ہیں کہ موجودہ پردہ کا حکم نہیں یہ ناجائز ہے اور عرب میں اس قسم کے پردہ کا رواج نہ تھا۔ آج کل بھی ہمارے اُن دیہات میں جہاں کی معاشرت اب تک قدیم عربی معاشرت کے مشابہ ہے پردہ عربی پردے کے مشابہ ہے لیکن شہروں میں آبادی دولت اور بداخلاقی کی زیادتی کیوجہ سے ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ ان حالات میں پردہ تقریباً اسی صورت میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتا ہے جس صورت میں کہ اسوقت شہروں میں موجود ہے۔ یہ شہری پردہ عربی دیہاتی پردہ کی ہی ترقی یافتہ صورت ہے جسے شہروں کے اخلاقی حالات کے مطابق کسی قدر بدل دیا گیا

ہے۔ اصل میں یہ وہی اسلامی پردہ ہے اور اس کے مقاصد بھی بعینہ وہی ہیں
تمام دنیا کے مسلمان یورپین اقوام کی کامیابی سے اتنے مرعوب ہو چکے ہیں کہ وہ یہ
جانے بغیر کہ یورپین اقوام انہیں کیوں نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اس کوشش
میں ہیں کہ اپنے آپ کو بدل دیں مگر کیا یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے کامیاب سسٹم کو
اس لئے بدل دیں کہ یہ یورپ کے ناکام سسٹم کے مشابہ نہیں ہم بجائے اس کے
کہ یورپ کی بے پردہ معاشرت کے افسوس ناک نتائج پر غور کریں ہم خود بھی وہی
معاشرتی جنسی بدعنوانیوں کو اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔

ہمارا انسانی اور اسلامی فرض ہے کہ بے پردہ اقوام کی جنسی حالت اور اس کے
افسوس ناک نتائج کو معلوم کر کے مسلمان عورتوں کے سامنے رکھدیں اور اس بات
کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیں کہ آیا وہ کیا چاہتی ہیں۔

یہ بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم عورتوں کی اصلاح کے لئے ان کی
بہتر تعلیم ضرورتمند عورتوں کے لئے کام کاج کے مواقع اور ان کی صحت
کے تحفظ کا سامان مہیا کریں۔

ہم نے دماغی عدم توازن کیوجہ سے پردے کو جہالت کا دوسرا نام سمجھ لیا
ہے۔ پردہ چھوڑنا کوئی طلسم نہیں ہے جسے عمل میں لانے سے عورت فوراً عالم فاضل ہو جاتی
ہے ہماری عورتیں اس لئے تعلیم یافتہ نہیں ہیں کیونکہ ہم نے پردے کے اندر تعلیم
کا مناسب انتظام نہیں کیا۔ یورپ میں چھوٹے لڑکے اور لڑکیوں کے سکول علیحدہ
علیحدہ بننا شروع ہو گئے ہیں کیونکہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ نہایت چھوٹی عمر میں
لڑکے اور لڑکیاں جنسی تعلقات پیدا کر سکتے ہیں۔

کو ایجوکیشن سسٹم (تعلیم مخلوط) چھوٹی عمر کے بچوں کے لئے ضرر رساں ثابت
ہوا ہے جیسے کہ میری سٹوپس اور دوسرے مصنفوں کی کتب سے واضح ہوتا ہے کہ بارہ

سال سے کم عمر کی لڑکیاں بھی جنسی امراض میں مبتلا پائی گئی ہیں یہی وجہ ہے کہ اب لڑکے اور لڑکیوں کے کالج علیحدہ بنائے جاتے ہیں ہمیں چاہئے کہ لڑکیوں کے لئے علیحدہ سکولوں اور تعلیمی اور صنعتی کالجوں کی تعداد میں توسیع کرنے کی پوری کوشش کریں اور پردہ کے متعلق خواہ مخواہ کی بحث نہ کریں اور پردے کے اندر تعلیم کا اعلیٰ بندوبست کریں۔ کیونکہ مشین ہاتھ کے کام سے زیادہ کام کر سکتی ہے اسلئے صنعتی اور اقتصادی نظام کو اپنے ملک میں داخل کرنے سے خود مردوں میں بیکاری ہمیشہ موجود رہے گی جیسا کہ یورپ میں ہے۔ لیکن پھر بھی صنعت کے وہ حصے جن کو عورتیں خود سرانجام دے سکتی ہیں عورتوں کے سپرد ہو سکتے ہیں پردہ دار دکانیں جہاں صرف عورتیں خرید وفروخت کر سکیں۔ پردہ دار کارخانے جہاں جرابیں بنیان وغیرہ عورتیں خود بنا سکتی ہیں بنائیں۔

پردہ دار عورتوں کی صحت کے لئے پردہ دار باغ تمام ہفتہ یا ہفتہ میں چند دن کے لئے مخصوص کئے جا سکتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ میونسپل کمیٹیاں اپنی آبادی کی ضروریات کے مطابق پردہ باغ نہ بنا سکیں یا موجودہ باغوں کو پردہ دار نہ کر سکیں۔ ہر محلہ میں جہاں مسجدیں دو یا دو سے زیادہ ہوں ایک مسجد کو محلے کی عورتوں کے کے لئے مخصوص کر دینا چاہیئے تاکہ محلے کی عورتیں وہاں جمع ہو سکیں وہاں نماز بھی پڑھیں اور آپس میں میل جول سے معاشرتی تعلقات میں بھی ترقی کریں۔

نیز ہم کو اپنے دیہات اور شہروں میں پردہ کو زیادہ مانوس بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ فرضی حقارت یا انگشت نمائی کے خیال سے پردہ دار عورتوں کے ہمراہ بازار میں نکلنے سے شرمانا نہیں چاہیئے تاکہ پردہ ہمیشہ گاڑی تانگے کی ضرورت کیوجہ سے ایک گراں تکلف نہ بن جائے پردہ دار جلسے جہاں عورتیں مل کر اظہار رائے کر سکیں ضرور ہونے چاہئیں تاکہ عورتوں کی رائے بھی ہمارے مشوروں میں شامل ہو سکے۔ اس

طرح ناممکن نہیں کہ ہم اپنی موجودہ زندگی کی اخلاقی بلندی کو قائم رکھتے ہوئے عورتوں کو دوسری اقوام کی عورتوں سے کسی لحاظ سے پیچھے نہ پائیں اور ہماری عورتیں باقی دنیا کی عورتوں کے سامنے بہترین شہریت اور اخلاقی بلندی کے نمونے بن سکیں۔

سید جمیل واسطی از لندن۔

عید کا چاند دیکھکر

آہ اے عید ذرا تو بھی نظارہ کر لے　　ایک منظر ہے ترے واسطے حیرانی کا
دیکھ وہ دہر میں کس درجہ ہیں ناکام و ذلیل　　جن کے دم سے تھا شرف ہستیٔ انسانی کا
جن کی ہستی تھی زمانہ کے لئے وجہ سکوں　　کوئی اندازہ نہیں ان کی پریشانی کا
حیف ہے مائلِ اصنام پرستی ہے وہ قوم　　جس نے منہ پھیر دیا کفر کی طغیانی کا
جس کے ذروں میں تھی کونین کی دولت پنہاں　　اک مرقع ہے وہ گھر بے سر و سامانی کا
ظلمتِ کفر کو پُر نور بنا دیتا تھا　　ایک خط جن کی چمکتی ہوئی پیشانی کا
نام سے جنکے دہل جاتے تھے کوہ و صحرا　　فخر تھا جن کی سلاطین کی دربانی کا

آج نادار ہیں مفلس ہیں پریشان ہیں وہ
تجھکو معلوم تو ہوگا کہ مسلمان ہیں وہ

ہائے جی سکتا ہے کس طرح مسلمان مرتھیں　　سینکڑوں زہر کے نشتر ہیں رگِ جاں کیلئے
اُف رے دنیا کی یہ آزار پرستی توبہ　　دھار تلوار کی ہے صاحبِ ایماں کیلئے
وقف ہیں ایک زمانہ سے عیاذاً باللہ　　آندھیاں ظلم کی مسلم کے گلستاں کیلئے
سچ تو یہ ہے کہ الم خانہ مسلم کے سوا　　کوئی مرکز ہی نہیں گردشِ دوراں کیلئے
کفر و الحاد کے نغمات کا ہے شور بلند　　سعیٔ تخریب ہے، یہ دعوتِ قرآں کیلئے

ایسی حالت میں بھلا دل کو مسرت کیا ہو
روحِ مضطر کو تری دید سے راحت کیا ہو

منظور حسین بلہر القادری

امومت اور علامہ اقبال

(۲)

(از آغا شیر احمد خاں صاحب خاموش)

"ضرب کلیم" میں علامہ اقبالؒ "عورت" کے باب میں "فرد فرنگ" "ایک سوال" "پردہ" "خلوت" "عورت" "آزادیٔ نسواں" "عورت کی حفاظت" "عورت اور تعلیم" کے عنوانات سے عورت کے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہیں اور اس عقدہ مشکل کی کشود سے اپنی عاجزی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں

میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود۔

عورت کے وجود کی عظمت کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز درون
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا در مکنوں!
مکالمات فلاطون نہ لکھ سکے لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون

آزادی نسواں کی موجودہ تحریک کے متعلق علامہ اقبالؒ اپنی رائے بیان کرنے میں کچھ احتیاط کا انداز لئے ہوئے ہیں۔ شاید "معتوب" ہونے سے گھبراتے ہیں۔ مگر پھر بھی اس نہ کہنے پر بھی سب کچھ کہہ گئے ہیں۔

کیا چیز ہے آرایش وقیمت میں زیادہ

آزادیٔ نسواں کہ زُمرّد کا گلوبند [1]

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں، معذور ہیں، مردانِ خردمند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرّد کا گلوبند۔ [1]

پردہ کے جواز میں علامہ اقبالؒ اپنے دلائل یوں بیان کرتے ہیں:۔

تابِ زن مثلِ گہر بر خویشتن پیچیدہ بہ
چشمہ زار زندگانی از نظر پوشیدہ بہ
زندگی بحرِ پُر آشوب ست و زن پایابِ او
موج و گرداب ش نگر پایاب او نا دیدہ بہ
آشکاری زسرِ آفرینش دوری است
زانکہ حفظ جوہرِ خالق از مستوری ست

گو یہ دنیا ہزار رنگ بدل چکی ہے۔ سینکڑوں پردے اٹھا چکی ہے۔ مگر پھر بھی یہ دنیا وہیں ہے جہاں یہ پہلے تھی۔ عورت گو مرد کی طرح اب بے نقاب پھر رہی ہے۔ مگر علامہ اقبالؒ کی نظر میں اب تک دونوں مرد اور عورت خلوت نشین ہیں۔ گو ان کے

---

[1] میں اس قطعہ کے لئے جناب شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ اڈیٹر انیس نسواں، کا شکر گذار ہوں جن کی بیاض سے یہ قطعہ مجھ تک پہنچا ہے۔　　　بشیر احمد

چہروں پر سے نقاب اُٹھ چکی ہے مگران کی آنکھوں پر کم ذوقی اور غفلت کے پردے بدستور پڑے ہوئے ہیں اور ان کی "خودی" ابھی تک ہیچ مقداری کے پردوں کی تہوں میں مستور ہے۔ ان کے چہرے ضرور بے حجاب ہیں، مگران کی "خودی" میں یہ بڑی طاقت ابھی تک چھپی ہوئی ہے، علامہ اقبالؒ اس خودی کو بے نقاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ بے نقاب چہرہ اس کے لئے دلیل حیات نہیں وہ خودنمائی کی ہوس کو ضرور عام دیکھتے ہیں مگر آئینہ دل کو مکدر پاتے ہیں۔ وہ موجودہ دور کے ذوق نظر پر ماتم کناں ہیں۔ اور اسی بدذوقی نظر کا نتیجہ دنیا کے موجودہ پراگندہ اذکا اور پست خیالات کو قرار دیتے ہیں

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں اذکار پراگندہ و ابتر!
ابھی تک ہے پردے میں اولاد آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

عورت کی نسوانیت کا بہترین محافظ مرد کا اپنا جذبۂ غیرت ہے اور جس قوم کے افراد میں یہ جذبۂ غیرت نہیں وہ قوم زندہ اقوام کی صف میں ایک لمحہ بھی ٹھیرنے کی حقدار نہیں ہے۔ اس لطیف نکتہ کی طرف علامہ اقبالؒ یوں اشارہ کرتے ہیں۔

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی!
نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا

اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

علامہ اقبالؒ عورت کے لئے وہ علم تجویز کرتے ہیں۔ جو دین کے چشمہ سے سیراب ہو، اس علم کو وہ عورت کے لئے موت کا سامان سمجھتا ہے۔ جو علم "زن" کو "نازن" بنادیتے

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن!
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

(۳)

فرنگی تمدن، اور اِس دیس کی متحدہ قومیت کے زیر تعمیر تمدن کے مشترکہ سیلاب کو حکیم ملت اپنی تہذیب و تمدن کے لئے، پیام ہلاکت جانتا ہے۔ اور چونکہ عورت کی گود میں تہذیب و تمدن کی بنا قایم ہوتی ہے، اس لئے وہ اس گود کو مغربی اور ہندوانہ اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے سامنے تقلید کے قابل نہ مغرب نہ وہ عورت ہے، اور نہ وہ عورت ہے جو آجکل مفروضہ متحدہ، قومیت کے لباس میں سنور رہی ہے۔ مسلمان خاتون کے لئے وہ سیدۃ النسا۔ فاطمۃ الزہرا کا اسوہ کاملہ پیش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہر مسلمان لڑکی۔ ہر مسلمان بیوی اور ہر مسلمان ماں اُس حیات طیبہ کے نقش قدم پر چلے .... تاریخ اسلام کی اس بزرگ ترین خاتون کی عظمت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز　　　از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمۃ العالمین!　　　آں امام اوّلین و آخریں
آنکہ جاں در پیکر گیتی دمید　　　روزگار تازہ آئیں آفرید
بانوے آں تاجدار ھل اتیٰ　　　مرتضیٰ مشکل کُشا شیر خدا!

پادشاہ و کلبہ ایوان او!	یک حسام و یک زرہ سامان اور
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق!	مادرِ آن کارواں سالارِ عشق
سیرتِ فرزندہا از اُمہات	جوہرِ صدق و صفا از اُمہات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ	مادران را اُسوہ کامل بتولؓ
بہرِ محتاجے دلش آنگونہ سوخت	با یہودے چادرِ خود را فروخت
نوری و ہم آتشی فرمانبرش	گم رضایش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا	آسیا گرداں و لب قرآں سرا
گریہ ہائے او زبالیں بے نیاز	گوہر افشاندے بدامانِ نماز
اشکِ او برچید جبریلؑ از زمیں	ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں

شاعر اس کی عظمت، اور بزرگی کا اس قدر معتقد ہے، کہ شریعت کی حدود اگر مانع نہ ہوں، تو وہ اس کی خاک پر اپنی جبین رکھکر سجدہ کرتے۔

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست | پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفٰےؐ است

ورنہ گردِ تربتش گردیدمے

سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے (رموزِ بیخودی)

اس نیک اور بلند مرتبہ خاتونِ اسلام کی چادر، ملتِ اسلامیہ کے ناموس کی چادر ہے۔ آپ کی پاک طینت ہمارے لئے سامانِ صد رحمت ہے۔ ہمارے دین کی قوت، ہماری ملت کی بنیاد ہے۔ آپ کی گود میں جو بچے پیدا ہوئے انہوں نے دنیا کو حریت اور حق گوئی کا پیام دیا ان میں سے ایک شبستانِ حرم کی شمع بنکر چمکا اور ایک جمعیتِ احرار و ابرار کا سپہ سالار بنکر ظاہر ہوا، شاعر اس پُرفتن دور میں حضرت الزہراؓ کے اُسوۂ کاملہ کو مسلمان خاتون کے لئے ایک شمع ہدایت کہتا ہے۔ یہی وہ شمع ہے جس کی روشنی ہماری خواتین کی زندگی کی راہ سے نشیب و فراز کی تمام ظلمتوں اور تاریکیوں کو دور کرسکتی ہے۔

اس دورحاضر کی اندھی اور خدا ناشناس عورت کے لئے آپ کی پاک سیرت میں ہزار درہزار رحمتیں اور بشارتیں ہیں شاعر کی زبان سے سنئے کہ وہ دورحاضر کی عورت کو کن الفاظ میں یاد کرتا ہے:۔

کور و یزداں ناشناس ادراکِ او ناکساں زنجیری پیچاکِ او
چشم او بیباک و ناپروا ستے پنجۂ مژگاں او گیرا ستے
صید او آزاد خواند خویش را کشتۂ او زندہ داند خویش را

مسلمان عورت کو علامہ اقبالؒ نصیحت کرتے ہیں۔

از سرِ سُود و زیاں سودا مزن گام جز بر جادۂ آبا مزن
ہوشیار از دستبردِ روزگار گیر فرزندانِ خود را درکنار
ایں چمن زاداں کہ پر نکشادہ اند ز آشیانِ خویش دور افتادہ اند
فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند چشم ہوش از اُسوہ زہرا مبند
تا حسینے شاخ تو بار آورد موسمِ پیشیں بگلزار آورد

(رموز بیخودی)

مسلمان عورت کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نفع و نقصان کی الجھنوں سے آزاد رہ اپنے آبا کی راہ سے قدم باہر نہ رکھ۔ زمانہ کی دستبرد اور تباہ کاریوں سے اپنے آپ کو بچا۔ اور اپنی اولاد کو اپنی گود میں لے۔ اُن کی تربیت کر۔ یہ نو واردان اقلیم غم اپنے بلند آشیانوں سے دور ہیں۔ ان کی قوتیں ابھی مستور ہیں ان کے پر ابھی کھلے نہیں ہیں۔ خالق نے تیری فطرت میں بڑی طاقتیں مرکوز کی ہیں۔ حضرت زہراؓ کی سیرت کو اپنا نمونہ بنا تاکہ تیری گود سے جمعیت احرار و ابرار کے امام پیدا ہوں۔ اور مسلمانوں کے اس خزاں رسیدہ باغ میں پہلی سی بہاریں لوٹ آئیں۔

ہمارے چمن کی گذری ہوئی بہاریں اُس وقت لوٹ کر آئینگی جب ہماری خواتین حضرت

فاطمۃ الزہرا کی روش پر عمل پیرا ہونگی۔ جب وہ اپنے والدین کی نیک بیٹیاں بنیں گی اور اپنے شوہروں کی اطاعت گذار بیویاں بنیں گی۔ تو پھر وہ خاک و خون میں بے خطر کھیلنے والے اولعزم حق گو بچوں کی مائیں بن سکیں گی۔ اور اس طرح ملت اسلامیہ کی رفعتِ رفتہ کو واپس لے آئینگی۔

آغا شبیر احمد خاں خاموش

سرشک چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا

کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

زبود آں ترک شیرازی دلِ تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

ترے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہہ دے
مسلماں سے حدیثِ سوز و سازِ زندگی کہہ دے

علامہ اقبالؒ

لامرکزیت

انفرادیت ہے اقوام و امم کے حق میں موت
ان کے سایہ سے بھی ہے اقبال کتراتا ہوا

آہ وہ ملت کہ جو رکھتی نہیں زندہ امام
دمبدم دیکھئے گا تو اس پر زوال آتا ہوا

وہ سمجھتی ہے جسے جنت کی راہِ مستقیم
راستہ جاتا ہے وہ دوزخ کو بل کھاتا ہوا

دین و دنیا کچھ نہیں ملتا ہے مرکز کے بغیر
بے سری ملت پہ ہے ادبار منڈلاتا ہوا

اجتماعیت کے اوپر ہے بنا اسلام کی
دیکھتا ہوں میں ادھر مسلم کو پھر آتا ہوا

اس رواقِ نیلگوں میں مجھ کو آتا ہے نظر
اپنی ملت کا ستارہ نور برساتا ہوا

حافظ اسلم جیراجپوری

یادگارِ انور

غازی انور بیگ مرحوم کے آخری خط کا ترجمہ جو انہوں نے اپنی موت سے ایک دن پہلے میدان جنگ سے اپنی بیوی کے نام لکھا تھا ہم ذیل میں درج کرتے ہیں گو یہ خط کچھ عرصہ ہوا بعض اردو کے اخبارات میں چھپا تھا لیکن آج کل اسکی اشاعت جب مسلمانان عالم مصطفٰے کمال پاشا مرحوم کے ماتم میں مصروف ہیں ایک خاص وقعت اور دلچسپی رکھتی ہے۔ اور دونو رہنمایان ملک وملّت کی باہمی رفاقت اور خلوص کے جذبات پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جب کمال پاشا مرحوم نے اپنے ملک و قوم کی اصلاح اور ترقی کا بیڑہ اٹھایا تو غازی انور بیگ مرحوم بھی رفیق اور کارکن تھے۔

آخیر میں گو ان دونو مجاہدان قوم میں بعض سیاسی امور میں اختلاف رائے ہو گیا تھا۔ لیکن یہ اختلاف کبھی کسی ذاتی عناد کی بنیاد نہیں ہوا۔ دونو مجاہد اپنے ملک وملت کی خدمات کے فرائض نہایت خلوص اور خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے اس خط کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرحوم انور بیگ کے دل میں اپنی قوم کی خدمت کا سچا جذبہ کس خلوص سے موجزن تھا انہوں نے اپنی بیوی کی محبت کو اپنے مجاہدانہ فرائض کی ادائیگی پر غالب نہ آنے دیا اس خط سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مرحوم کو اسلام اور قرآن سے کتنی سچی محبت تھی اور اس کتاب پاک کی عظمت ان کے دل میں کس قدر تھی۔ جو خیالات انہوں نے مصطفٰے کمال پاشا مرحوم کی اعلیٰ خدمات ملّی کے اعتراف میں ظاہر کئے ہیں کسقدر خلوص کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں

خداوند کریم شمع اسلام کے ان دونوں پروانوں کو غریق رحمت کرے اور ہم
مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

میری رفیقۂ حیات اور سرمایۂ عیش و سرور پیاری نجیبہ اللہ تمہارا نگہبان ہو۔ تمہارا آخری خط اس وقت میرے سامنے ہے۔ یقین کرو کہ تمہارا یہ خط ہمیشہ میرے سینے سے لگا رہے گا۔ گو میں تمہاری صورت کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر خط کی سطروں اور حرفوں میں تمہاری انگلیاں مجھے ہلتی نظر آرہی ہیں۔ وہ انگلیاں جو میرے بالوں کیساتھ کبھی کھیلا کرتی تھیں۔ اور خیمے کے اس دھندلکے میں کبھی کبھی تمہاری پیاری صورت بھی نگاہوں میں پھر جاتی ہے۔ آہ! لکھتی ہو کہ میں نے تمہیں بالکل بھلا دیا ہے۔ اور تمہاری محبت کی کچھ پرواہ نہ کی۔ تم کہتی ہو کہ تمہارا محبت بھرا دل توڑ کر اس دور افتادہ مقام میں آگ و خون سے کھیل رہا ہوں اور ذرا پرواہ نہیں کرتا کہ ایک عورت میرے فراق میں رات بھر تارے گنتی رہتی ہے۔ تم کہتی ہو۔ مجھے جنگ سے محبت ہے اور تلوار سے عشق۔ مگر آہ! پیاری یہ لکھتے وقت تم نے بالکل نہ سوچا کہ تمہارے یہ لفظ یقیناً سچی محبت نے لکھوائے ہیں۔ میرے دل کا کس طرح خون کر ڈالیں گے۔ اے کاش میں تمہیں کس طرح یقین دلا سکتا ہوں۔ کہ دنیا میں مجھے تم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں۔ تم ہی میری تمام محبتوں کی منتہا ہو۔ میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ لیکن ایک تم ہی ہو جس نے میرا دل مجھ سے چھین لیا ہے۔ پھر میں تم سے جدا کیوں ہوں۔

راحت جان! اب تم یہ سوال بجا طور پر کر سکتی ہو۔ سنو! میں تم سے اس لئے جدا نہیں ہوں کہ مال و دولت کا طالب ہوں اس لئے بھی جدا نہیں ہوا ہوں کہ اپنے لئے ایک تخت شاہی قائم کر رہا ہوں۔ جیسا کہ میرے دشمنوں نے مشہور کر رکھا ہے۔ میں تم سے اس لئے جدا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرض مجھے یہاں کھینچ لایا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی فرض نہیں۔ یہی وہ فرض ہے کہ جس کی ادائیگی کی محض نیت ہی آدمی کو فردوس بریں کا مستحق بنا دیتی ہے۔ الحمد للہ کہ میں اس فرض کی صرف نیت

ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ اُسے عملاً انجام بھی دے رہا ہوں۔ تمہاری جدائی ہر وقت میرے دل پر آرے چلایا کرتی ہے۔ مگر میں اس جدائی سے جتنا خوش ہوں اتنا کسی دوسری چیز سے نہیں کیونکہ تمہاری محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو میرے عزم اور ارادے کے لئے سب سے بڑی آزمائش ہوسکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں اس آزمایش میں پورا اترا اور اللہ کی محبت و حکم کو اپنی محبت اور نفس پر مقدم رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ تمہیں بھی خوش ہونا اور شکر کرنا چاہئے۔ کہ تمہارا شوہر اتنا مضبوط ایمان رکھتا ہے کہ خود تمہاری محبت کو بھی اللہ کی محبت پر قربان کرسکتا ہے۔ دیکھو یہ دعا ہرگز نہ کرنا کہ تمہارا شوہر میدانِ جہاد سے کسی طرح صحیح و سالم تمہارے پاس واپس آجائے۔ کیونکہ یہ دعا خود غرضی کی دعا ہے۔ اور خدا کو پسند نہ آئے گی البتہ دُعا کرتی رہو کہ تمہارے شوہر کا جہاد اللہ قبول فرمائے۔ اُسے فتحیاب واپس لائے۔ ورنہ جام شہادت اُس کے لبوں سے لگائے۔ وہ لب جو تم جانتی ہو کبھی شراب سے ناپاک نہیں ہوئے بلکہ تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی سے ہمیشہ آشنا رہے۔ پیاری نجیبہ۔ آہ! وہ ساعت کیسی مبارک ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ سر جسے تم خوبصورت بتایا کرتی تھیں تن سے جدا ہوگا۔ وہ تن جو تمہاری محبت کی نگاہوں میں سپاہیوں کا نہیں نازنینوں کا سا ہے۔

آہ! میری جان کے مالک خدا! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ثواب و جنت کا مجھے کس قدر شوق ہے۔ آہ! انور کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ شہید ہوجائے اور حضرت خالد بن ولید کے ساتھ اُس کا حشر ہو۔ دنیا چندروزہ ہے۔ موت یقینی ہے پھر موت سے ڈرنا کیا۔ جب موت آنے ہی والی ہے تو آدمی بستر پر پڑے پڑے کیوں مرے شہادت کی موت لازوال زندگی ہے۔

نجیبہ میری وصیت سن لو اگر میں شہید ہوجاؤں تو اپنے دیور نوری بے (انور کے حقیقی بھائی) سے شادی کرلینا۔ تمہارے بعد مجھے سب سے زیادہ نوری عزیز ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے سفرِ آخرت کے بعد وہ زندگی بھر وفاداری کے ساتھ تمہاری خدمت کرتا رہے میری

دوسری وصیت یہ ہے۔ کہ تمہاری جتنی بھی اولاد ہو سب کو میری زندگی کے حالات بتانا اور سب کو میدان جہاد میں اسلام و وطن کی خدمت کے لئے بھیج دینا اگر تم نے یہ نہ کیا تو یاد رکھو کہ میں حقیقت میں تم سے روٹھ جاؤں گا۔

میری تیسری وصیت یہ ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا کی ہمیشہ خیر خواہ رہنا۔ ان کی ہر ممکن مدد کرتے رہنا۔ کیونکہ اس وقت وطن کی نجات خدا نے ان کے ہاتھ میں رکھدی ہے۔

اچھا پیاری رخصت! نہیں معلوم کیوں میرا دل کہتا ہے۔ کہ اس خط کے بعد تمہیں پھر کبھی خط بھی نہ لکھ سکوں گا۔ کیا عجب ہے کہ کل ہی شہید ہو جاؤں۔ دیکھو صبر کرنا۔ میری شہادت پر غم کھانے کی بجائے خوشی کا اظہار کرنا کہ میرا اللہ کے کام آجانا تمہارے لئے بھی باعث فخر ہے۔

بخیتہ پیاری لو اب رخصت! اپنے عالم خیال میں تمہیں گلے لگاتا ہوں۔ انشاءاللہ جنت میں ملیں گے۔ اور پھر کبھی جدا نہ ہوں گے

وقتِ نماز قرونِ اولیٰ میں

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز　　قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز　　نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

(علامہ اقبالؒ)

آج کل

آگیا جلسۂ قومی میں اگر وقتِ نماز　　حضرتِ صدر کچھ اس طرح ہوئے نطق طراز
ختم کرتا ہوں میں تقریر کا مضمونِ راز　　کہ جھکائیں درِ خالق پہ سرِ عجز و نیاز

کہہ کے یہ بات بڑھے صدر تو موٹر کی طرف
لوگ بھی چل دیئے مسجد کے عوض گھر کی طرف

(طلوع)　　(اسد ملتانی)

توکل اور اسلام

توکل کے معنی مسلمانوں نے عام طور پر یہ سمجھ رکھے ہیں کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ تو مل ہی جائیگا۔ ہاتھ پاؤں ہلانے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا تو چھپر پھاڑ کر رزق دیتا ہے مقسوم کا مل ہی رہیگا۔ کوشش کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

اس عقیدہ کی حقیقت نہ تو کہیں قرآن میں نظر آتی ہے اور نہ کسی حدیث میں البتہ کم علم مولوی اور نقلی صوفی جنکو نہ قرآن کے مطالب کی کچھ خبر ہے۔ نہ حدیث کا کچھ علم اس وہم میں عموماً مبتلا پائے جاتے ہیں ان جاہلوں کی اس غلط تعلیم نے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کو بالکل نکما اور اپاہج بنا دیا ہے۔ مسلمانوں میں افلاس زیادہ تر اسی تعلیم کی بدولت ہے۔ بیکاری اور پست ہمتی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ خواجہ حالی نے ان لوگوں کی تصویر یوں کھینچی ہے۔

اگر ہیں تہیدست اور بے نوا وہ! | تو محنت سے ہیں جی چراتے سدا وہ
نصیبوں کا کرتے ہیں اکثر گلا وہ | ہلاتے نہیں کچھ مگر دست و پا وہ

اگر بھیک مل جائے قسمت سے اُنکو
تو سو بار بہتر ہے محنت سے اُنکو

نہیں کرتے کھیتی میں وہ جانفشانی! | نہ ہل جوتتے ہیں نہ دیتے ہیں پانی
پہ جب یاس کرتی ہے دل پہ گرانی | تو کہتے ہیں حق کی ہے نا مہربانی

نہیں لیتے کچھ کام تدبیر سے وہ
سدا لڑتے رہتے ہیں تقدیر سے وہ

کبھی کہتے ہیں ہیچ سب ہیں یہ ساماں | کہ خود زندگی ہے کوئی دن کی مہماں
دھرے سب یہ رہ جائیں گے کاخ و ایواں | نہ باقی رہے گی حکومت نہ فرماں

ترقی اگر ہم نے کی بھی تو پھر کیا
یہ بازی اگر جیت لی بھی تو پھر کیا

کبھی کہتے ہیں سعی و کوشش سے حاصل؟ کہ مقسوم بن کوششیں سب ہیں باطل
نہیں ہوتی کوشش سے تقدیر زائل برابر ہیں یاں محنتی اور کاہل

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی
کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

خواتین کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ عقیدہ قرآن اور حدیث کے سراسر خلاف ہے اگر ہم اس تعلیم پر عمل کر کے اپنے آپ کو اپاہج اور نکما بنالیں گے تو خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے بھی ہم گنہگار ہوئے اور بیکار اور نکمے رہ کر دنیا کو بھی ہاتھ سے کھویا گویا دونوں جہاں سے گئے گذرے نہ گھر کے ہوئے نہ گھاٹ کے

توکل کے معنی ہیں خدا پر بھروسہ کرنا۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ لفظ قرآن میں بہت سی جگہ آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے توکل کرنے کی بار بار تاکید بھی فرمائی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں تک ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (طلاق) جو خدا پر بھروسہ کریگا تو وہ اس کی مشکلات کے لئے کافی ہے۔ یہ آیت پاک معاشرتی مشکلات کے متعلق ہے اگر میاں بیوی میں کسی طرح نباہ ممکن نہ ہو اور دونوں میں طلاق سے قطعی علیحدگی ہو جائے تو عورت کے لئے یہ حکم ہے کہ اسباب کا اندیشہ نہ کرے کہ گذر کیونکر ہوگی۔ اللہ پر بھروسہ کرے وہی سب مشکلات کو آسان کرنے کے لئے کافی ہے۔ جتنی آیتیں قرآن مجید میں توکل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان سب کا مفہوم یہ ہے کہ ہم مشکلات میں اور اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں میں استقلال اور صبر سے کام لیں اور اپنے کام میں لگے رہیں اور صرف خدا سے مدد چاہیں اور اسی کارساز پر بھروسہ کریں۔ اگر خدا پر توکل کرینگے تو ہم ہراساں نہ ہونگے اور اپنی کوشش

حتی الوسع جاری رکھیں گے۔ تو اللہ کامیابی دیگا۔ مگر کوشش ہر حال میں ہونی چاہئے
چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنا وہ قانون جو دین و دنیا کے خزانوں کی کنجی ہے۔ وہ قانون جو ہر مشکل
کو آسان کرنے والا ہے۔ وہ قانون جو ہر کامیابی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اپنی کتاب
پاک کی سورۃ النجم میں اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے فرماتا ہے لیس للانسان الا ماسعٰی
یعنی انسان کو اتنا ہی ملیگا جتنی وہ کوشش کریگا" اسی قانون فطرت پر ان لوگوں کا عمل
ہے جو آجکل کامیاب ہیں اس قانون پر عمل کیجئے اور خدا پر توکل رکھئے پھر خدا کی مدد سے
کامیابی حاصل ہونے کا دل میں یقین رکھیں۔

خدا نے ہر کام میں کامیابی سبب اور کوشش پر موقوف رکھی ہے انسان کا
تو فقط اتنا فرض ہے کہ سبب کی تلاش کرے اور جتنی کوشش اس کے بس میں ہو صرف
کر ڈالے پھر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے وہی نعم الوکیل یعنی سب سے بہتر کارساز ہے۔

غور کرنا چاہئے کہ جب اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے اور جو وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے تو
کیا اسکے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ ہمارے لئے جو دین اسنے بھیجا براہ راست بھیج دیتا۔ پیغمبروں اور
نبیوں کے ذریعہ سے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اسلام کی تبلیغ میں آنحضرت نے
کیا کیا تکلیفیں نہ جھیلیں اسلام کے فدائیوں پر کیا کیا ستم نہ توڑے گئے اسی طرح
بلا سبب کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی کبھی سورج کے بغیر کسی نے دھوپ بھی دیکھی ہے ؟
چاندنی بغیر چاند کے بھی نظر آئی ؟ رزق کبھی آسمان سے بھی برسا۔ بارش کبھی بلا ابر کے
بھی ہوئی ؟ وہی قانون فطرت ہر جگہ کام کرتا ہے۔ اللہ کا قانون اٹل ہے۔

چنانچہ مولانا رومی اس قانون کی تشریح اس شعر میں کرتے ہیں۔

گفت پیغمبر بآواز بلند با توکل زانوئے اشتر بہ بند

اس شعر میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے آنحضرتؐ کے وقت میں ایک صحابی
معاذ اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور پیغمبر سے پوچھا کہ میں اونٹ یونہی کھلا چھوڑ دوں یا اسکو

باندھ دوں۔ آنحضرتؐ نے بلند آواز سے فرمایا۔ اے معاذ اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھ دے اور اللہ پر توکل کرکے چھوڑ دے اگر تو اسکو یونہی چھوڑ دیگا تو ممکن ہے، اونٹ کہیں بھاگ جائے اور زانو باندھ کر تو اللہ پر بھروسہ کریگا تو ممکن ہے اللہ اسکی حفاظت کرے۔

ایک اور شعر میں مولنا روم فرماتے ہیں

پایہ پایہ رفت باید سوئے بام
ہست جبری بودن اینجا طمع خام

یعنی انسان کو چاہئے کہ اسباب کی سیڑھی کے وسیلے سے بام مراد پر چڑھے یہی قانون فطرت ہے اللہ اپنا قاعدہ اور قانون نہیں بدلا کرتا ترقی کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ درجہ بدرجہ سیڑھی پر چڑھا جائے اور جو لوگ اپنے آپ کو مجبور سمجھکر بیکار بیٹھے رہیں گے اور ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں گے تو اُن کو کسی کامیابی کی امید رکھنا حرص خام یعنی فضول اور بیہودہ ہے ایک اور شعر میں یوں غیرت دلاتے ہیں۔

پائے داری چوں کنی خود را تو لنگ
دست داری چوں کنی پنہاں تو چنگ

یعنی اے انسان! اللہ نے تجھکو چلنے پھرنے کے لئے پاؤں دیئے تھے مگر تو لنگڑا بنا بیٹھا ہے اللہ نے تجھکو ہاتھ بھی کام کرنے کے لئے عطا کئے ہیں مگر تو اپاہج بن گیا ہے۔

سعی کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

سعی شُکرِ نعمتِ قدرت بود
جبرِ تو انکار آن نعمت بود

یعنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا نام "سعی (کوشش)" ہے اور اسکی نعمتوں سے انکار گویا ہاتھ پاؤں کو بیکار کرکے مجبور ہو کر بیٹھ جانا ہے۔

ذیل کے شعر میں اسی قانون فطرت کی وضاحت ملاحظہ ہو۔

گر توکل میکنی در کار کن
کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

یعنی توکل کرنے کی کہیں ضرورت ہے تو کام کاج کے وقت ہے کام بھی کرتے رہو اور توکل بھی خدا پر رہے توکل سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوشش نہ کی جائے۔ کسب یعنی اپنی روزی کے لئے کام کرتے رہو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ۔ یعنی جب تم کسی کام کے کرنے کا پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کر کے وہ کام کر ڈالو بیشک اللہ بھروسہ کرنے والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ بعض بیبیاں تعویذ گنڈوں کی بہت معتقد ہوتی ہیں وہ اسی کو توکل سمجھتی ہیں۔ حالانکہ یہ اعتقاد خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ہے مگر اپنی جہالت کیوجہ سے ایسی ایسی حرکتیں کر بیٹھتی ہیں کہ شرک کی گنہگار ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو تو بخش دے گا مگر شرک نہ معاف کریگا۔ خدا کے سوا کسی اور سے مدد چاہنا یہ بھی شرک ہے

پیغمبر صاحبؐ نے نہایت صریح الفاظ میں فرمایا ہے کہ جو شخص تعویذ گنڈے کراتا ہے وہ توکل سے محروم ہے۔ ایک اور حدیث میں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ "اگر تم خدا پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو خدا تم کو اسی طرح روزی پہونچاتا جس طرح پرندوں کو پہنچاتا ہے جو صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس آتے ہیں" اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ ترک عمل اور ترک تدبیر کا نام توکل نہیں ہے۔ پرندوں کو بھی اُڑ کر کھیتوں اور باغوں میں جانے اور رزق کی تلاش کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

جو لوگ بیکاری سے پریشان ہو کر گناہوں کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں مثلاً چوری ڈاکہ زنی قتل اور غارتگری۔ دھوکہ بازی اور خیانت دغیرہ کے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ اگر اس ارشاد ربانی سے واقف ہوں جو سورہ ہود میں ہے۔ کہ "زمین پر کوئی جاندار حیوان یا انسان ایسا نہیں جس کی روزی خدا کے ذمہ نہو" تو اپنی گناہوں کی زندگی سے توبہ کریں اور آئندہ کے لئے اپنی

اصلاح کرلیں پھر دیکھیں کہ وہ خیر الرازقین کس طرح انکو روزی پہنچاتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق بہم پہونچائیگا جہاں سان دگمان بھی نہو گا۔ ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ بشرطیکہ خدا پر وہ توکل ہو جسکا حکم ہے۔ سورہ جمعہ میں تو اللہ کے احکام بہت واضح ہیں جس کا ترجمہ ہے۔

"مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے اذان دیجائے تو نماز کے لئے مسجد کو دوڑ جاؤ اور تمام کاروبار اسوقت چھوڑ دو اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے۔ بشرطیکہ تم کچھ سمجھ سوچ سے کام لو اور جب نماز ہو چکے تو اس کے بعد دنیا میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل یعنی معاش کی جستجو میں لگ جاؤ اور جہاں رہو خدا کو اکثر یاد کیا کرو۔"

اسی کوشش اور توکل کے بارے میں مولانا محمد علی مرحوم جوہر فرما گئے ہیں۔

لیس للانسان الا ما سعیٰ کو یاد رکھ

کر توکل پھر تری تدبیر ہی تقدیر ہے

محمد اکرام

جذباتِ حیات

بھول کے بھی نہ درد کو دل سے کبھی جدا سمجھ
شاہدِ دل نواز کی یہ بھی کوئی عطا سمجھ

امن کی آرزو نہ کر امن کی آرزو ہے موت
ہر نفسِ حیات کو درد میں مبتلا سمجھ

منزلِ ہست و بود میں تیرا مقام ہے بلند
مہر و مہ و نجوم کو اپنے نشانِ پا سمجھ

شاہرہِ حیات میں رہروِ راہزن نہ بن
اپنے سفر کا مدعا اس سے کہیں سوا سمجھ

تیرے حریمِ قلب کی خاک میں جب سبو نہ ہو
فتنہ کوئی اٹھا سمجھ حشر کوئی بپا سمجھ

تیری صفائے قلب کا دہر میں امتحان ہے
خود کو بشر سمجھ مگر قدسیوں سی سوا سمجھ

پردۂ چشم سے ترے اشک جھلک رہے ہیں ذیب
دامنِ کائنات کو موتیوں سے بھرا سمجھ

بیگم عثمانیہ صاحبہ

اسلامی عہد میں تعلیم نسواں

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانے میں دنیا میں ظلمت کی گھٹائیں چھائی تھیں عرب کی عورتیں تعلیم کے نور سے جگمگاتی نظر آتی تھیں۔ مسلمان خواتین اگر اسلام کی کوئی سی تاریخ دیکھیں تو انکو معلوم ہو جائیگا کہ مغرب میں عورتوں کی تعلیم بہت دیر کے بعد شروع ہوئی ہے۔ عرب میں جاہلیت کے زمانہ میں شدید جہالت بھی اتنی نہ تھی جتنی کہ دنیا بھر کی دوسری قوموں میں تھی اسلام نے جب ہسپانیہ میں جھنڈے گاڑے تو یورپ کی آنکھیں کھلیں۔

اب ہماری وہ حالت ہے جو کبھی یورپ کی تھی۔

ملک عرب میں ایسی ایسی شاعرہ اور فاضلہ عورتیں ہو گذری ہیں کہ انکا کلام اور انکی تصانیف دیکھکر حیرت ہوتی ہے افسوس ہے کہ مستند تواریخ عربی زبان میں ہیں اور عربی سمجھنے والے ہندوستان میں ندارد مرد اگر کچھ سمجھتے ہیں تو انہوں نے اردو میں ترجمہ کرنیکی طرف کافی توجہ نہیں کی۔

ظہور اسلام کے بعد ہی دین کی اشاعت کے لئے تعلیم نسواں مسلمانوں میں اہم اور ضروری قرار دی گئی تھی۔ رسول اللہ کا خود یہ فرمان تھا کہ تعلیم کا حاصل کرنا جیسا مردوں کے لئے فرض ہے ویسا ہی عورتوں کے لئے ہے آپ خود تعلیم کا شوق عورتوں کو دلاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ عورتوں کو سب علوم کی تعلیم دیجائے۔ چنانچہ صحابیوں کو آپ مومنوں کے گھروں میں اس غرض سے بھیجدیتے تھے کہ عورتوں کو قرآن کی تعلیم دیا کریں قرآن پر ہی تعلیم نسواں کی بنیاد قایم ہوئی اسی سے تعلیم کا رواج شروع ہوا۔ اور عورتوں میں تعلیم ترقی کرتی گئی جوں جوں اسلام کو ترقی ہوئی اور مسلمانوں کا حلقہ وسیع ہوتا گیا تمدنی اور معاشرتی

ترقی کے ساتھ سب قسم کے علوم و فنون کا چرچا ہونے لگا۔حضرت علی کرم تو باب العلم یعنی علم کا دروازہ ، ہی مشہور تھے اور عبداللہ بن عباس بھی بڑے عالم اور فاضل سمجھے جاتے تھے۔ یہ دونو بزرگ علم اور فضل کا سرچشمہ تھے اور اپنے فیض کے دریا بیدریغ بہاتے رہتے تھے اور ہر کس و ناکس کو مستفیض فرماتے تھے۔ مساجد میں تمام علوم پر بحث مباحثے ہوتے تھے اور سننے والوں میں مرد اور عورتیں دونو ہوتے تھے۔ عورتوں کو مساجد میں جانیکی عام اجازت تھی اسی لئے یہ حکم تھا " کہ مساجد درسگاہ عام ہیں اور یہاں سے سب کو فائدہ حاصل کرنے کا حق حاصل ہے عورتوں کو بھی نہ روکا جائے "

غرض مسجدوں اور علمی جلسوں میں عورتوں کی شرکت کا رواج شروع زمانہ سے تابعین کے وقت تک رہا ہے۔ بلکہ آنحضرتؐ کے عہد میں تو عورتوں کے لئے خاص دن بھی مقرر تھے۔

اسی لئے عورتیں فضیلت میں کسی طرح مردوں سے کم نہ تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ تو مردوں کو بھی درس دیا کرتی تھیں اور حضرت سیدۃ النساء پند و وعظ کی مجلسوں میں تقریر فرمایا کرتی تھیں۔ اگر مرد عالموں کی سمجھ میں کوئی بات نہ آتی تھی تو آپ سمجھا دیا کرتی تھیں یہ تو ابتدائی دور تھا اس کے بعد تو عورتیں بڑی بڑی لایق و فائق ہوئیں اور عورتوں کے فیض سے مرد مستفیض ہونے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔

بنی امیہ کے خلیفہ ولید دوم کے عہد میں خاص حرم کی عورتوں کو باہر آنے جانے کی ممانعت ہوگئی تھی مگر تعلیم میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ حرم کے اندر درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ یہ بندش عام عورتوں کے لئے نہ تھی خلیفہ ولید کا یہ حکم صرف اپنے حرم یا خاندان کی عورتوں کے لئے تھا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں مدرسوں اور مسجدوں میں جو عام لوگوں کے لئے درسگاہیں تھیں عورتیں برابر جاتی تھیں اور علم حاصل کرتی تھیں۔ تعلیم کا رواج اس زمانہ میں بہت ترقی کر گیا تھا اور تعلیم کا شوق دور دور سے

مردوں اور عورتوں کو بڑی بڑی درسگاہوں میں لے آتا تھا۔ خلیفہ ولید اور ہشام کے عہد میں عورتوں نے وہ ترقی کی کہ اس سے پہلے نہ کی تھی۔

یہ خواتین نہ صرف علم دین اور حدیث میں کمال رکھتی تھیں بلکہ ادب عروض بلاغت فن تقریر فلسفہ اور خطاطی میں مردوں سے کم نہ تھیں

پردے کی پابندی اب روز بڑھنے لگی۔ اور خلیفہ متوکل باللہ کے عہد میں پردے پر بہت سختی سے پابندی ہوگئی مگر یہ نہ سمجھ لیجئے کہ ہندوستان کے پردے کا رواج ہوگیا تھا۔ اس کی نظیر تو دنیا کے کسی ملک میں بھی نہ تھی۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ مردانہ مدرسے عورتوں کے مدرسوں سے الگ ہوگئے۔

خلیفہ قادر عباسی کے عہد میں عورت مرد کامل کر تعلیم پانا بالکل موقوف ہوگیا۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں زنانہ مدرسے بہت کثرت سے کھل گئے تھے۔ اور بڑے بڑے شاندار زنانہ مدرسے تعمیر ہوئے چنانچہ مدرسہ زمرؔدیہ، دمشق میں بنا اسکی بانیہ خلیفہ صلاح الدین عباسی کی ہمشیرہ خدیجہ زمرد خاتون تھیں یہ زنانہ مدرسہ بہت مشہور تھا اور اپنی قسم کا ایک ہی مدرسہ تھا اس کی تعلیم اور خوش نظمی دور دور سے مستورات کو تعلیم کی دعوت دیتی تھی اس قسم کے زنانے مدرسے کی نظیر آج اس ترقی کے زمانے میں بھی شاید ہی کہیں ہو۔ اس زمانہ میں عورتوں کے لئے دو مدرسے اور بھی دمشق میں تھے۔ ان کے علاوہ زینبیہ۔ عُلیہ۔ نوریہ۔ رواحیہ اور کئی دارالعلوم مختلف مقامات میں تھے۔ اور چھوٹے مقامات میں بھی زنانہ درسگاہیں تھیں۔

ان درسگاہوں میں اعلیٰ تعلیم کے علاوہ ٹریننگ اسکول بھی تھے جنمیں درس دینے کے طریقے بتائے جاتے تھے۔ ان درسگاہوں میں رواج یہ تھا کہ طالبات درس کے وقت دوات قلم ہاتھ میں لئے رہتی تھیں اور استاد کی تقریر کے نوٹ ایک کتاب میں لکھ لیا کرتی تھیں طالبات کی یہ کثرت ہوتی تھی کہ نزدیک کے بیٹھنے والی عورتیں بلند آواز سے استاد کے ارشاد کو دہرایا کرتی تھیں تاکہ دور بیٹھی ہوئی لڑکیاں بھی سُن سکیں۔

مسلمانوں کے عہد میں مصر میں زنانہ تعلیم گاہیں کثرت سے تھیں۔ اور سلطنت ہسپانیہ کا تو کیا ذکر ہے جہاں چپے چپے پر عورتوں کے لئے درسگاہیں اور دارالعلوم تھے۔ عبدالرحمن اور اس کے بیٹے الحاکم کے عہد میں تعلیم نسواں بہت عروج پر ہو گئی تھی

غرناطہ قرطبہ اندلس اشبیلیہ میں شہرہ آفاق یونیورسٹیاں تھیں جہاں کی تعلیم یافتہ خواتین بہت مشہور ہو گذری ہیں قسطنطنیہ میں بھی ملکہ اور سلطان سلیم تعلیم نسواں میں بہت دلچسپی لیتے تھے انہوں نے مدرسے اور درس گاہیں عورتیں کے لئے الگ قایم کئے تھے اس طرح جوں جوں اسلام کا عروج ہوا تمام اسلامیہ ممالک مکہ مدینہ بغداد۔ بخارا۔ ہرات۔ نیشاپور میں مستورات کیلئے الگ الگ درس گاہیں بنیں۔ اور مسلمان خواتین کسی زمانے میں بھی مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔

جب مسلمانوں میں تنزل شروع ہوا تو ہر جگہ زوال آیا تعلیم کی جگہ جہالت نے لے لی جب مرد ہی تعلیم سے بے بہرہ ہو گئے تو عورتوں کو کون پوچھنے والا تھا۔

خدا بھلا کرے سر سید احمد خاں مرحوم کا جنہوں نے مردوں کی تعلیم کے لئے بے انتہا کوشش کی لوگ ان سے کہتے تھے کہ مردوں کی تعلیم کے لئے تو آپ اتنا کچھ کر رہے ہیں عورتوں کا بھی تو آپ پر کچھ حق ہے سر سید کہتے تھے کہ مردوں کی تعلیم سے فارغ ہو جاؤں تو عورتوں کی تعلیم کا بھی بندوبست کروں۔ مرد پڑھ لکھ جائیں گے تو خود عورتوں کو تعلیم دے لیں گے۔

ہمشیرہ مولوی عبدالحکیم

جو شخص حالتِ مایوسی میں خدا کی نسبت ایسا گمان رکھتا ہے کہ خدا دنیا اور آخرت میں اسکی مدد کریگا ہی نہیں تو اس کو چاہیئے کہ اوپر کی طرف کو ایک رسی تانے اور اپنے گلے میں پھانسی لگائے اور پھر زمین سے قطع تعلق کرے اور لٹک کر مر رہے۔ پھر دیکھے کہ آیا اس کی اس تدبیر سے اس کی وہ شکایت جس کی وجہ سے وہ ناخوش تھا رفع ہوئی یا نہیں۔ (الحج)

تہذیبِ حال

حسن کی عریانی باعثِ فخر و کمال! عظمتِ انسانیت! آہ یہ تیرا کمال!

کاش کہ ملتا مجھے جلوۂ ماضی ترا! آہ ۔ ودیعت ہوا مجھکو ترا عہدِ حال

سنگِ خرد بارِ عقل ہو ہی گیا کامیاب آ ہی گیا آخرش شیشۂ ہستی میں بال

کتنی اداؤں کے ساتھ آج ہے محوِ خرام گردنِ اخلاق پر خنجرِ تہذیبِ حال

جلوۂ افرنگ کی آہ یہ افسوں گری کل کہ جو شئے تھی حرام آج وہ شئے ہے حلال

سازِ رمِ ذوق میں بربط و پرشوق میں اب نہ سرودِ نیاز اب نہ فغانِ ہلال

پی کے مئے مغربی ہو نہ بہت جوش میں ہوش میں آ ہوش میں تیرا نہیں یہ کمال

چشمِ بصیرت مری دیکھ چکی آہ آہ
موت سے پہلے ترا سانحۂ انتقال

نذرِ ہوس بار یاب شوقِ نظر کامیاب آہ لٹے اس طرح دولتِ حسن و شباب

جلوۂ عریاں نہیں ذوقِ نظر کے لئے حسن جسے کہتے ہیں وہ تو ہے زیرِ نقاب

نغمۂ حاضر سے ہے قلب پریشاں بہت مطربِ ماضی شوق چھیڑ دے اپنا رباب

ہے مرا خواب نمو نغمۂ اللہ ھُو! اور میری آرزو زندگیٔ اضطراب

خود کو بھی ہشیار کر مجھکو بھی ہشیار کر اشہد ان لا الٰہ ہے مری تعبیرِ خواب

اشہد ان لا الٰہ میری نواؤں میں ہے
میری نگاہوں میں ہے میری صداؤں میں ہے

نواب سید سردار بیگم از سنگاپور

کتابِ عمل

قرآن مجید موجود تو ضرور ہر مسلمان گھر میں ہوگا۔ مگر کس غرض کے لئے ؟ محض برکت اور ثواب کے لئے وہ کتاب پاک جو دنیا میں ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لئے آئی تھی وہ اچھے اچھے اور خوبصورت جزدانوں میں ملفوف ہو کر کسی طاق کی زینت یا کسی الماری کی آرایش بنکر دھری ہو وہ کتاب عظیم جس میں اللہ نے ہماری دونوں جہاں کی فلاح و بہبودی کی باتیں لکھی تھیں محض تزئین طاق ہو کر رہ گئی۔

اکثر مسلمان خواتین کو قرآن مجید کی تلاوت کا شوق ہے وہ تلاوت بھی کرتی ہیں مگر جو تلاوت کا حق ہے وہ ادا نہیں کرتیں اللہ تعالیٰ کا تو یہ ارشاد ہو کہ مسلمانو! قرآن کے مضامین پر تم غور کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے دلوں کو تالے لگے ہیں (محمد) مسلمانو! قرآن پر عمل کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو" (العلق)

لیکن ہم اپنے پروردگار کا حکم نہیں مانتے۔ خدا اپنی کتاب پر عمل کرنے کے لئے بار بار تاکید فرمائے اور ہم ٹس سے مس نہوں اور اس کے حکم کی پرواہ نہ کریں۔ اس نافرمانی کی سزا ہم بھگت رہے ہیں مگر ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں۔ ہم ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہمسایہ قوم اپنے مذہب کی تجدید اور اپنی پرانی تہذیب کو زندہ کرنے میں ہمہ تن مصروف ہے۔ لیکن ہم کو پھر بھی غیرت نہیں آتی۔ اور عبرت نہیں ہوتی۔

قرآن مجید بجز اس کے کہ یہ ایک پند و نصیحت کی کتاب ہے اور ہے کیا۔ اللہ تو خود فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لئے آسان کر دیا ہے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ ہم کو برے کاموں کے کرنے سے منع کرتا ہے۔ اچھے اور نیک کام کرنے کی ہدایت فرماتا ہے تاکہ ہم پرہیزگاری کی زندگی اختیار کریں۔

اگر ہم قرآن کی تعلیم پر عمل کریں تو وہی اگلی سی شان پھر پیدا ہو جائے۔ دنیا میں بھی کامیاب ہوں اور عاقبت میں بھی سرخرو ہو کر جائیں۔

مگر ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں تو طوطے کی طرح نہ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نماز بھی پڑھتے ہیں تو معنی نہیں جانتے اللہ سے دعا مانگتے ہیں تو اس کا مطلب نہیں سمجھتے۔ کیا یہ خدا کے احکام کی پیروی ہے؟

جب ہم کچھ سمجھیں گے نہیں تو عمل کس چیز پر کرینگے۔ قرآن مجید تو کتاب عمل ہے۔ اس کے مضامین پر غور کرنا اور عمل کرنا ہمارا فرض ہے یہ کافی نہیں کہ ہم چند سورتیں رٹ لیں اور ورد کے طور پر اپنا سبق دُہرالیں۔ اگر ہم قرآن مجید پر عمل نہ کریں گے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمکو جس کام کے کرنے کے لئے حکم دیا ہے ہم اس کی تعمیل تو کجا اپنے مالک حقیقی کے حکم کو جاننے اور سمجھنے کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اسی طرح اگر ہمارا کوئی نوکر ہمارے حکم کی پرواہ نہ کرے تو کیا ہم اُس کی اس گستاخی اور لاپرواہی سے خوش ہوں گے۔ یہ اللہ کی نافرمانیوں کی سزا ہے کہ ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہیں۔ یہ ذلت اور رسوائی تو دنیا میں سزا ہے۔ اور عاقبت میں جو گت بنے گی وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے جس کے دربار میں جوابدہی کے لئے حاضر ہونا برحق ہے۔

ہم کس منہ سے مسلمان کہلاتے ہیں اسلام کے معنی تو اللہ کے احکام کے آگے سر جھکا دینے کے ہیں نہ کہ یہ سرکشی اور سرتابی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ اے رسول! کافروں کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے آپ کو ظاہر تو مسلمان کرتے ہیں اور اپنی زبان سے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ نام کے ہی مسلمان ہیں۔ اے پیغمبر وہ خلوص دل سے ایمان نہیں لائے ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ اور اس پر ایمان لانے والوں کو اپنی ریاکاری سے دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر وہ اللہ کو تو کیا دھوکہ دے سکیں گے وہ تو خود دھوکہ میں مبتلا ہیں اور وہ حقیقت

سے کوسوں دور ہیں اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے ۔ (البقر)

کیا ایسے مسلمان آج کل کثرت سے نہیں ۔ جو مسلمان کہلاتے ہیں مگر اللہ اور اس کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے ۔ انوار قرآن کی اشاعت سے ہماری یہی غرض ہے کہ مسلمان رسول کے بیبیاں قرآن کے مطالب آسانی سے سمجھ لیں اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیں ۔

محمد اکرام

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ارشاد ہے

کہ (حضرت) فاطمہ بہترین بیوی ہیں ۔ ان کا سلیقہ اور گھڑاپا بھی بہترین ہے ۔ وہ جس طرح خدا کی عبادت کرنا فرض سمجھتی ہیں اسی طرح مجھ کو خوش رکھنا بھی اپنا فرض سمجھتی ہیں ۔ ہمارے گھر میں نہ ریشم و حریر کے پردے ہیں اور نہ دریوں اور قالینوں کے فرش ۔ لیکن فاطمہ رضؓ نے اپنے ہاتھ سے گھر کو آئینہ بنا رکھا ہے ۔ ہمارے گھر میں کام کرنے کیلئے نوکر نہیں مگر فاطمہ کے آٹا پیسنے کی چکّی کبھی گرد و غبار میں اَٹی ہوئی نہیں ہوتی ۔ فاطمہ صبح بہت سویرے اٹھتی ہے اپنے گھر کو صاف کر لیتی ہے اور بچھونوں کو جھاڑ کرتہ کر کے رکھدیتی ہے ۔ اور اپنے مٹّی کے برتنوں کو دھو کر صاف کر لیتی ہے ۔

(سیرت زہرا رضؓ مصنفہ محمد اکرام)

میں اس تعلیم کے ساتھ اس آزادی کو پسند نہیں کرتی جو حد سے بڑھ جائے ۔ یہ آزادی جو یورپ میں ہے ممکن ہے کہ وہاں کیلئے مناسب ہو مگر ھندوستان اور خاص طور پر مسلمانوں کیلئے میں ہرگز موزوں نہیں سمجھتی ۔ ہم کو ہمیشہ اس پر عمل کرنا چاہیئے کہ اچھی چیزوں کو لے لیں اور بُری چیزوں کو چھوڑ دیں ۔

نواب سلطان جہاں بیگم والی بھوپال مرحوم

تحفظ حقوق نسواں

میں ہمیشہ اس حقیقت پر غور کرتی رہی ہوں کہ میری بے شمار بہنیں جس کس مپرسی میں مبتلا ہیں اُن کی نجات کی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔ نیز مسلمانوں کی موجودہ کمزوریاں کس طرح دور ہو سکتی ہیں جہاں تک میرے علم و فہم کا تعلق ہے میں نے سوچا تھا کہ قوموں کی ترقی کا انحصار اُن کی نسلوں پر ہوا کرتا ہے جب تک ہماری نسلیں روشن دماغ عالی خیال نہیں ہونگی اس وقت تک قوم کی یہ حالت بدل نہیں سکتی۔ اس لئے ضرورت تھی کہ بچے کی اولین درسگاہ کی طرف توجہ منعطف کی جائے۔ جہاں وہ اپنی ابتدائی زندگی بسر کرتا ہے اور حقیقت میں یہی زمانہ اس کے روشن خیال بننے کا ہوتا ہے۔ کیونکہ ابومسلم ہارون اور مامون زمانہ سلف کی ماؤں کے بچے ہی تھے جو عالم میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

اس مقصد کے پیش نظر میں نے مختلف اسلامی جرائد کے ذریعہ یہ تجویز پیش کی تھی۔ کہ زنانہ درسگاہوں میں مسلمان بچیوں کو قرآن کریم کی تعلیم معانی و مطالب کے ساتھ عمل کی نیت سے متحدہ قومیت کے اصول پر دی جائے تو مسلمات اعلیٰ تعلیم و تربیت کی مالک ہو کر اپنی اولاد کے لئے خضر راہ بن سکتی ہیں۔ گو میری اس تجویز کو ذی ہوش حلقوں میں استحسان کی نظروں سے دیکھا گیا۔ مگر مسلمانوں نے اس کے لئے کوئی عملی قدم نہ اُٹھایا۔ اس میں نہ صرف میری قوم کی اصلاح تھی بلکہ تمام مسلمانوں کی ترقی کا راز مضمر تھا۔

میں ان حالات سے مایوس نہیں ہوگئی تھی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آخر مسلمانوں کو اس طرف توجہ کرنی پڑے گی مگر اس وقت جبکہ زمانہ انہیں بتادے گا کہ وقت کی

اہم ضرورتیں فراموش نہیں ہوا کرتیں۔

"مسلمات" کی موجودہ حالت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں اس حقیقت کو جانتی ہوں کہ ان کے حقوق کس بے دردی سے پامال کئے جارہے ہیں۔ ہر عقلمند شخص حالات کا مطالعہ کرکے بصیرت حاصل کرسکتا ہے۔ اسلام نے عورت کے لئے ہر طرح کی آسانیاں بہم پہونچائی ہیں۔ عورت کو جائداد کی ملکیت اور معاش پیدا کرنے کا حق دیا ہے وہ اسلامی قانون کے ماتحت بچوں کی پرورش کی تنخواہ بھی لے سکتی ہے خاص حالات میں طلاق لینے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ اس کے لئے وراثت کا حصہ بھی مقرر ہے شادی بیوگان کا حکم بھی موجود ہے۔ عورتوں کو جہیز وغیرہ کے حقوق بھی حاصل ہیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ہزارہا کی تعداد میں مسلمان عورتیں موجود ہیں۔ جو باوجودیکہ جائداد کی وارث ہیں مگر نہایت بے عزتی کی زندگی بسر کررہی ہیں ہزارہا کی تعداد میں مسلمان عورتیں موجود ہیں جن کو ان کے خاوند نہ تو گھروں میں آباد کرتے نہ نان ونفقہ دیتے ہیں۔ یہ بیچاریاں جب عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں تو خاوندوں کے اس عذر پر کہ ہم تو آباد کرتے ہیں مگر یہ خود آباد نہیں ہوتیں ان کا دعویٰ خارج کردیا جاتا ہے اور پھر وہی ستم آمیز معلق حالت شروع ہوجاتی ہے۔ یہ ایسے واقعات ہیں جنکا شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ان حالات سے متاثر ہوکر میں تحفظ حقوق نسواں کے لئے انجمنوں کی بیحد ضرورت سمجھتی ہوں اس تحریک کا مدعا محض عورتوں کی ہمدردی نہیں ہے بلکہ اس سے مسلمانوں کی آیندہ نسلوں کے مستقبل کا فیصلہ ہوگا اس میں مسلمانوں کی اصلاح کا راز پنہاں ہے۔ اسلام کی عزت اور زندگی کا صحیح طریق یہی ہے۔ کہ جب تک مائیں بیٹیاں بیگمات اچھی نہ ہوں گی باپ فرزند خاوند اچھے نہیں بن سکتے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی زندگی کا معیار بلند نہیں ہوسکتا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عورتیں انسان بناتی ہیں۔ عورتیں انسانی زندگی کی معمار ہیں۔ اگر عورتیں اپنے ذہنی۔ قومی اور وطنی فرائض کو سمجھ لیں تو پھر پوری ذمہ داری اور سمجھ بوجھ سے ان فرائض کے اقتضا کے مطابق موجودہ اور آیندہ نسلوں میں زندگی کا رنگ بھرنا شروع کر دیں تو دنوں اور مہینوں میں ملک و قوم کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آج کل عورتیں مصلح اور معمار نہیں بنتیں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اُن سے وہ دولت وہ نعمت وہ زیور اور خلعت چھین لی گئی ہے جو اسلام نے انہیں دی تھی اگر حقوق کا زیور پھر عورت کو پہنا دیا جائے تو وہ زمانہ سلف کی ماؤں کی ہر طرح مصلح و معمار بن سکتی ہیں اور موجودہ نسل کی غلامی محکومی بے کاری اور غربت کے پیٹ سے عزت و آزادی دولت و ثروت اور اخلاق و دین کی وہ شاندار صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ کہ اس ویرانے کو بہشت بنا دیں۔

اس تحریک کو شروع کرنے کی غرض یہی ہے کہ جب تک عورت میں مرد ہی کی طرح قابلیت احساس و ایثار نہ ہوگا اس وقت تک کسی کام میں کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی کیونکہ قوم کی ترقی کا انحصار مرد اور عورت کے اتحاد پر ہے جس طرح دنیا میں کوئی انسان مرد اور عورت کے اتحاد کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا اسی طرح اس دنیا کی کوئی ترقی کوئی تحریک مرد اور عورت کے اتحاد کے بغیر نہ پیدا ہو سکتی ہے اور نہ کامیاب ہو سکتی ہے۔

مرد اور عورت روز اول سے زندگی کی گاڑی میں جوت دے گئے ہیں مرد کی حالت ایک جوان خوش خرام گھوڑے کے مشابہ ہے عورت ایک دُبلی پتلی اور بوڑھی گائے ہے۔ اب زندگی کی گاڑی تعلیم یا تجارت کی ہموار سڑکوں پر چلے خواہ سیاست و حریت کی سنگلاخ چٹانوں پر منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتی۔

(ام الکرام)

مغربی تہذیب کے اثرات

لوگ شکایت کرتے ہیں کہ آجکل لڑکیوں میں فیشن کا اسقدر زور ہے کہ چہرے پر غازہ ہونٹوں پر انگریزی سرخی۔ ابرو پر سرمہ۔ ہاتھ پاؤں کے ناخنوں پر ولایتی رنگ کے بغیر گزر ہی نہیں مگر یہ کس کا قصور ہے؟ مردوں کا۔ اول اول انگریزی فیشن مردوں میں آیا۔ پہلی تانتی نے تو صرف اتنا کیا کہ پرانے خیالات کے ماں باپ سے ڈر کر اپنا فیشن اپنے تک رکھا۔ خانگی زندگی قدیم طریقے پر رہی۔ عورتوں میں انگریزی تعلیم تو کہاں سے پھیلتی۔ اگر اردو پڑھی لکھی بیوی بھی نصیب ہو جاتی تو لبا غنیمت سمجھی جاتی۔ اس لئے فیشن کی ما فقط کوٹ پتلون ہی تک رہی ٹوپی ہمیشہ ترکی ہی استعمال میں رہی۔ مگر اس پود کے بعد کی جو نسل ہوئی تو ابا جان تو نئی تہذیب کے قائل ہو ہی چکے تھے صاحبزادے بالکل ہی صاحب بہادر بن گئے اور ابا جان نے تو ترکی ٹوپی ہی کو مایۂ امتیاز سمجھا تھا صاحبزادے لاہور گورنمنٹ کالج کے ایم اے بھلا یہ ہیٹ (انگریزی ٹوپی) بغیر کیونکر رہ سکتے تھے۔ اب انکی شادی کا سوال زیر غور ہوا تو شریف سے شریف۔ امیر سے امیر گھرانوں کی بات آتی ہے مگر حضرت کے سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ اماں جان پرانی وضع کی۔ اُن کے ملنے جلنے والے۔ رشتے دار اسی قسم کے۔ وہ تو جو بیٹی تلاش کرتیں وہ اول تو قرآن شریف پڑھی ملتی ورنہ زیادہ سے زیادہ ایسی ہوتی جسے کچھ اردو کی شدھ بدھ ہو۔ صاحبزادے چاہتے ہیں کہ انکی بیوی گٹ پٹ کرتی آئیں۔ اس کا انجام صاحبزادے کے لئے تو جو ہوا سو ہوا ہو گا مگر پرانی وضع کے شریف گھرانوں کی لڑکیوں کے لئے بر ملنے دشوار ہو گئے۔ وہ بچاریاں یا تو برسوں اپنے کال کوٹ میں پڑی سڑا کیں یا کسی اول جلول کے سر منڈھیں۔ نیچے درجے کے لوگوں نے اپنی لڑکیوں کو مدرسہ بٹھا دیا رفتہ رفتہ انہوں نے انٹرنس پاس کر کے مدرسے کی نوکریاں

شروع کردیں پردہ بھی نام چارے ہی کا رکھا۔ فیشن کی تیتری بنکر نئے فیشن کے دلدادہ خاندانی مردوں کو گھیر گھار کر شادیاں رچانی شروع کردیں۔ یہ دور بھی ختم ہوا۔ اب تیسرا دور شروع ہوا۔ شریف گھرانے والوں اور امیر لوگوں میں بھی زنانہ مردانہ تعلیم کا زور ہو گیا لڑکے کثرت سے ولایت تعلیم کے لئے جانے لگے۔ ان کی دیکھا دیکھی یا انکے مقابلے میں متوسط الحال لوگوں نے بھی اپنے لڑکوں کو ولایت میں تعلیم دلوانی شروع کردی۔ اب جو یہ لوگ ہندوستان واپس آئے تو سوائے رنگ کے من وعن یورپین اور طرہ یہ کہ بعض تو میم صاحبہ کا دُم چھلا بھی ساتھ لگا لائے۔ اب میم صاحبہ ہیں کہ صاحب کے ساتھ بال میں ناچتی ہیں۔ تھیٹر اور سنیما میں باقاعدہ جاتی ہیں۔ میاں کے یار دوستوں کا دل بہلاتی ہیں۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ فیشن کا سنگھار کرتی ہیں۔ غرضیکہ یہ شریف و امیر طبقہ غریب طبقے سے دو قدم اور آگے بڑھ گیا۔ جنہوں نے ولایت میں شادی نہ کی وہ مدتوں چھٹیل پھرتے رہے۔ پھر کسی مغرب زدہ ہندوستانی لڑکی کے ساتھ شادی کرلی کیونکہ لڑکیوں کے سکولوں کے ساتھ جا بجا کالج بھی قایم ہو گئے۔ امیر غریب سب نے دیکھا کہ لڑکی کو کالج تک نہ پڑھایا اور فیشن ایبل نہ بنایا تو اسکو کوئی نہ پوچھیگا۔ اب خواہ ماں باپ اسکو پسند کریں یا نہ کریں خواہ لڑکی خود نئے فیشن کی دلدادہ ہو یا نہ ہو مگر چونکہ لڑکے یہ جانتے ہیں کہ ہماری کالی میم صاحب ولایت سے آئی ہوئی میم صاحب سے کسی بات میں کم نہ ہو تو مجبوراً لڑکی کو تمام وہ فیشن اختیار کرنے پڑتے ہیں جن سے نوجوان لڑکوں کی نظر میں اسکی قدر و قیمت بڑھتی ہے۔ اس مغرب زدگی کا انجام جو ہو سو ہو مگر اس واقعے سے کوئی مرد انکار نہیں کر سکتا کہ آجکل بر ماست از ماست نوجوان لڑکوں کی یہ ذہنیت حقیقت میں عورتوں کے اس فیشن میں مبتلا ہونیکی ذمہ دار ہے۔ لیکن اب وہ زمانہ دور نہیں کہ تجربہ اور مقتضائے وقت ان نوجوانوں کی آنکھیں کھول دے اور وہ فطرت کا ردّعمل شروع ہو جاتے جو ہمیشہ افراط تفریط کو اعتدال پر لانیکا ضامن ہوتا ہے۔ پرانے لوگ سوائے اسکے کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

نصیحت گوش کن ناداں کہ از جان دوست تر دانند
جوانانِ سعادتمند پند پیر دانا را

مشتاق احمد زاہدی

اِسلام اور عورت

(مساوات)

(۲)

از خان بہادر علامہ ڈاکٹر سید نجم الدین احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا

دنیا کی تمام اقوام میں نکاح محض ایک رسم ہے لیکن اسلام نے سب سے پہلے نکاح کو ایک پاک معاہدے کی شکل دی اور اس میں ایک معاہدے کی تمام شرائط کو لازم کردیا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ معاہدہ برابر والوں ہی میں ہوتا ہے۔ اس لئے نکاح کی اسلامی حیثیت مرد اور عورت کے مساوات کی بین ترین دلیل ہے۔ شوہر اور بیوی کے انتخاب میں بھی اسی طرح فریقین کے حقوق و اختیارات مساوی رکھے گئے ہیں چنانچہ ارشاد الٰہی ہے کہ فانکحوا ما طاب لکم جو عورتیں تمہارے دلکو اچھی لگیں ان سے نکاح کرلو اور جو رسم اس وقت جاری تھی کہ نکاح میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی اس کی بیخ کنی کردی گئی چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ قرون اولی میں ہر نکاح کیوقت اس کا خاص التزام ہوتا تھا کہ پہلے سے فریقین اچھی طرح ایک دوسرے کو دیکھ بھال لیتے تھے اور اپنی رضامندی ظاہر کردیتے تھے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے جب شادی کرنی چاہی تو آنحضرتؐ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تم نے لڑکی کو دیکھ لیا ہے؟ المغیرہ نے کہا کہ نہیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمکو شادی سے پہلے لڑکی کو ضرور دیکھ لینا چاہئے۔

اسی طرح طلاق کے معاملے میں بھی مرد اور عورت دونو کا پلہ برابر رکھا آج مغربی قانون میں طلاق اور علیحدگی دو چیزیں رائج ہیں طلاق کے لئے عورت یا مرد کی بدچلنی

کا ثبوت پیش کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے باہمی اختلاف کی صورت میں عموماً علیحدگی حاصل کیجاتی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی الگ الگ رہیں اور ان میں سے کوئی دوسری شادی نہ کرسکے اس صورت حال کی خرابیاں بآسانی قیاس کیجا سکتی ہیں۔

اس کے برعکس اسلام نے محض اختلاف مزاج کے عذر کو بھی طلاق کے لئے جائز تسلیم کیا ہے اور مرد عورت دونو کو برابر اسکا حق دیا ہے کہ جب آپس کی مخالفت ناقابل برداشت حد تک پہونچ جائے تو وہ طلاق حاصل کرسکتے ہیں اور دیگر جن وجوہ کی بنا پر طلاق حاصل کیجا سکتی ہے۔ اس میں بھی دونوں کو برابر کا حق ہے۔

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی جمیلہ آنحضرت کے پاس آئیں اور کہا کہ میں اپنے شوہر کو طلاق دینا چاہتی ہوں آپ نے دریافت فرمایا کہ کیوں؟ کہا آپس میں موافقت نہیں ہے اس پر آنحضرت نے بلا حیل و حجت طلاق کی کارروائی کرادی۔ اسپر بیوی جمیلہ کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں جنکا ترجمہ یہ ہے کہ میں نہ تو شوہر کے اخلاق پر الزام لگاتی ہوں نہ اس کے دین پر صرف عذر یہ ہے کہ آپس میں موافقت نہیں قابل اصلاح مخالفت کو رفع کرنے کے لئے جو پنچایت مقرر کرنے کا حکم دیا گیا اس میں ایک پنچ مرد کی جانب سے اور ایک عورت کی جانب سے لکھا گیا تاکہ دونوں کی مساوی حیثیت میں امتیاز نہ رہے۔

میں اس وقت خلع کے مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتا لیکن جو لوگ اس مسئلے کے قائل ہیں وہ بھی مانتے ہیں کہ جب معاہدۂ عقد تحریری ہو تو مرد و عورت دونو کے حقوق برابر ہیں۔

اسی طرح بدچلنی کی سزا میں بھی عورت کو یکساں رکھا اور اعمال نیک کی جزا میں بھی ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں دی اور نہ کسی جگہ ایک کے مقابلہ میں دوسرے کو نظر انداز کیا جیسا کہ الاحزاب کی مشہور آیت ان المسلمین والمسلمات الخ ظاہر ہے

اس سے صاف ثابت ہے کہ یہ عقیدہ نہایت ہی فاسد ہے کہ دین میں مرد تو درجات عالیہ حاصل کر سکتے ہیں ۔ مگر عورتیں اس سے محروم کی گئی ہیں ۔

بدچلنی کی حالت میں یہ لازم نہیں رکھا کہ مرد ضرور ہی اپنی بیوی کو طلاق دیدے بلکہ ایک وہ صورت بھی رکھی جو آج ہندوستان میں ہم نے تمام مسلمان بیویوں کی کر رکھی ہے یعنی گھروں میں بند کر دینا جیسا کہ ارشاد ہے (ترجمہ) اور تمہاری عورتوں میں سے جو بیحیائی کا ارتکاب کریں تو اپنے میں سے چار گواہ ان پر بلاؤ سو اگر وہ گواہی دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انکو موت لے جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راہ نکال دے (النسا)

راہ نکالنے کا مفہوم مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ ان کا جائز طور پر عقد ہو جائے یا توبہ کر لیں ۔ اس کے بعد پھر عورت پر تہمت لگانے والوں کی جو سزا مقرر کی گئی اور جس کے مستحق میرے نزدیک آج ہم قریب قریب سارے ہندوستان کے مسلمان ہیں وہ سخت عبرت انگیز ہے یعنی اسی درّے بھی مجمع عام میں لگائے جائیں اور پھر کبھی ایسے شخص کی شہادت نہ قبول کیجائے ۔

والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شہادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون (النور) ترجمہ اور جو لوگ پاک دامنوں پر تہمت لگاتے ہیں اور شہادت میں چار گواہ نہیں لاتے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور انکی گواہی کبھی قبول نہ کرو کیونکہ یہ لوگ فاسق ہیں ۔ بدچلنی کی شہادت بلا چار گواہوں کے نہیں مانی جاتی اور اگر گواہ نہ ہوں صرف قسم پر انحصار ہو تو مرد کی قسم سے زیادہ عورت کی قسم کو وزن دیا گیا ہے ۔ یعنی ایک ہی طرح کی دو قسموں پر عورت کو سزا نہیں دلائی فی الحقیقت اسلام عورت کو مرد کی رفیقہ حیات قرار دیتا ہے ۔ چنانچہ عورت کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں موجود ہے ۔ سورہ روم میں

بیویوں کی تخلیق کی غایت یہ بتائی کہ مرد ان کی طرف مائل ہوں اور ان سے محبت کریں خیرکم خیرکم لاہلہ میں اسی اصول کی توضیح ہے اور نبی اکرمؐ نے اپنے مشہور خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا۔ کہ اے مردو! تم عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہو اور بہت احتیاط برتا کرو اس لئے کہ وہ خدا کی امانتیں ہیں اس کے بعد جہاں جہاں عورتوں کے حقوق کا ذکر کیا وہاں ان حدود کی بھی تاکید کی اور ان میں تغیر و تبدل کرنے والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ تعدد ازدواج کی اجازت میں عورت کی تنقیص کا شائبہ پایا جاتا ہے لیکن اس اجازت کی نوعیت اور قیود سے قطع نظر صرف یہ بات کہ عورت پر نکاح و طلاق میں کوئی جبر نہیں ہے اس اعتراض کو رد کر دیتی ہے جو عورت شادی شدہ شخص کے ساتھ عقد نہ کرنا چاہے۔ وہ اپنے فعل کی مختار ہے اور شادی کے بعد اگر مرد دوسرا نکاح کرنا چاہے تو پہلی بیوی اسے ناپسند کرنے کی صورت میں طلاق لے سکتی ہے اب رہی یہ بات کہ ایسی اجازت کیوں دی گئی۔ اس کے دو پہلو ہیں۔ اول تو یہ کہ عورت کے بعض قدرتی ذمہ داریاں ایسی ہوتی ہیں۔ مثلاً حاملہ ہونے کی صورت میں کہ ان کی وجہ سے اخلاقی قیود کا اقتضا یہ ہے کہ کوئی اس قسم کی تدبیر جائز رکھی جائے دوسرے یہ کہ مختلف تمدن اور مختلف انسانی نشوونما کے درجات میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی تعداد آبادی میں بہت تفاوت ہوتا ہے ایسے تفاوت کی صورت میں اگر صرف ایک ہی نکاح کی پابندی فرض کی جائے تو باقیماندہ عورتوں کی اخلاقی تحفظ کی کیا صورت ہوگی مثلاً خود انگلستان میں آج آئرلینڈ کو چھوڑ کر کل آبادی عورتوں کی ایک کروڑ نوے لاکھ ہے اور مردوں کی آبادی صرف ایک کروڑ ہے ایسی صورت میں ان نوے لاکھ عورتوں کی کیا حالت ہوگی۔

عاقلاں را اشارئے کافی است۔ علاوہ بریں آج تو ذرائع آمد و رفت ایسے وافر ہیں کہ

لوگوں کے خیالات میں بھی ایسی بات نہیں آسکتی کہ پہلے جو لوگ دوسرے ممالک میں گئے وہ پانچ پانچ دس دس سال وہیں رہ گئے اور جنگ کی حالت میں بھی اکثر ایسا ہوتا تھا۔ اس قسم کی حالتوں کے لئے اسلام نے ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت دی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ شرعی اجازت کے اصل مدعا پر اگر غور کیا جائے اور قرآنی آیات کے انداز بیان کو دیکھا جائے تو یہ صاف ظاہر ہو جائیگا کہ جواز کے پردہ میں درصل تعدد ازدواج کی ممانعت ہے۔ لیکن اسلام بحیثیت عملی مذہب کے معاشرت کی مجبوریوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

نجم الدین احمد

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا

گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

سینے پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیلی فام تھا

اٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح شام تھا

آخر گئیں جنابِ رسولِ خدا کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذنِ عام تھا

محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاسِ حیا کا مقام تھا

پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور نے
کل کس لئے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا

غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
حیدرؑ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا

ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن
جن کا صفۂ نبوی میں قیام تھا

میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا

جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گذر رہی ہیں!
میں ان کا ذمہ دار ہوں یہ میرا کام تھا

کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم تھا ان کا حق
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا

خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں
جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

یوں کی ہر اہلِ بیتِ مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا

(مولانا شبلی مرحوم)

حیدرآباد میں رسوم

انیس نسواں کا پہلا پرچہ دیکھکر بے انتہا مسرت اور اطمینان ہوا کہ انیس نسواں کا مقصد اوّلین مسلمان خواتین میں قرآن مجید کی تبلیغ اور رسوم مذموم کی تخریب ہوگا۔ واقعی آپنے موجودہ ضرورتوں کا صحیح احساس کیا ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے یہ عام طور پر تو تمام قوم پر اور فرقہ نسواں پر خاص طور پر احسان عظیم ہے۔ میں دعا کرتی ہوں کہ خداوند کریم آپ کی سعی کو مشکور فرمائے۔ حیدرآباد ایک بہت بڑی اسلامی ریاست ہے اسکا وجود سب مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہے۔ میں سب سے پہلے یہاں کی ناگفتہ بہ حالت کیطرف آپکی توجہ مبذول کرانا چاہتی ہوں۔

حیدرآباد میں بیہودہ رسوم کا رواج اس کثرت سے ہے کہ ہندوستان کے کسی اور شہر میں نہ ہوگا۔

ان بے ہودہ رسوم کی پابندی مسلمانوں کی دولت ہضم کرتی جا رہی ہے۔ ہر سال یہاں کے مسلمان لاکھوں روپیہ ان رسوم کی نذر کر دیتے ہیں۔ اگر ان رسوم کا رواج صرف اونچے گھرانوں تک رہتا تو خیر غنیمت تھا اس لئے کہ وہ خوشحال اور صاحب توفیق لوگ تھے مگر مصیبت تو متوسط الحال گھرانوں اور غربا کی ہے جو ان رسوم کو نعوذ باللہ قرآن اور حدیث سے کم نہیں سمجھتے۔

میں دوسری رسموں کا تو پھر کسی اور موقع پر ذکر کرونگی فی الحال یہاں کی شادی کی رسوم بیان کرتی ہوں۔ یہاں کی شادیوں کی رسوم کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ہر خاندان کی الگ الگ مخصوص رسوم ہیں۔ دیہات کی شادیوں کے رسوم شہری شادیوں سے مختلف ہوتی ہیں مگر خاص شہر حیدرآباد میں شادی کی رسوم بڑی دھوم دھام سے رچائی جاتی ہیں۔

شاہان مغلیہ کی رسم کے مطابق یہاں بھی تورہ بندی کی رسم ہے جو شادی سے مہینوں پہلے شروع ہوتی ہے۔ یعنی پر تکلف کھانوں کے خوان اپنے عزیزو اقارب اور دوستوں اور سب محلہ والوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک تورہ پانچ خواں سے کم نہیں ہوتا اس سے زیادہ کا ہو تو ہو پانچ سات سے لیکر پچیس تیس تک حسب حیثیت ہوتا ہے اس میں خوبی قسمت یہ ہے کہ جس شخص کے پاس تورہ بھیجا جاتا ہے۔ اس کی وجاہت اور حیثیت کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔

ان توروں میں ہوتا کیا ہے۔ ہر تورہ میں طرح طرح کے پر تکلف کھانے اور ان کے لوازمات ہوتے ہیں مثلاً طرح طرح کی بریانی کئی قسم کے حلوے مزعفر اور طرح طرح کے زردے اور فیرنیاں پھر سب قسم کے کباب اور مختلف قسم کی روٹیاں اور متفرقات ان توروں کا سلسلہ مہینوں جاری رہتا ہے۔ بڑے بڑے باورچی مقرر کئے جاتے ہیں کھانے پک پک کر سب عزیز دوستوں اور محلے والوں میں باری باری تقسیم ہوتے رہتے ہیں جب سب کی باری ہو چکتی ہے تو کہیں توروں سے فراغت پائی جاتی ہے۔

شادی سے مراد تو خانہ آبادی ہوتی ہے مگر بعد میں محسوس ہوجاتا ہے کہ یہ خانہ آبادی نہ تھی خانہ بربادی تھی مفت خورے مزیدار کھانے کھا کر دعائیں دیں گے۔ جو اتفاق سے محروم رہ گئے وہ بددعاؤں پر اتر آنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ مگر نوبت یہاں تک نہیں آتی ان کی خوشی بھی ان کا پیٹ بھر کر خرید لیجاتی ہے۔

اس مہمان نوازی کی دھوم اگر کسی بڑے آدمی کے ہاں شادی ہو تو تمام شہر میں مہینوں رہتی ہے ورنہ معمولی طور پر میزبانی کی رونق محلوں میں تو ضرور رہتی ہے۔

تورے بندی کے بعد اصل شادی کی رسوم کا آغاز ہوتا ہے۔ مہورت نجومیوں سے دریافت کیجاتی ہے۔ نیک شگون کے ساتھ سات سہاگنیں مل کر ہلدی پھوڑتی ہیں اور ابٹنیں کر کے دولہا دلہن کے لگاتی ہیں پھر رت جگا ہوتا ہے۔ رات بھر گانا رہتا ہے ایک دے

بنتے ہیں۔ گلگلے تلے جاتے ہیں صبح ہوئی تو دولہا نے مسجد میں جاکر گلگلوں سے طاق بھرا گویا امام اور موزن کا پیٹ بھرا۔

پھر ملیدہ اور گلگلے تمام عزیزوں وغیرہ میں تقسیم ہوئے اب مانجھے کی رسم شروع ہوئی۔ بوقت عصر اِدھر دولہا اُدھر دلہن مانجھے بیٹھی۔ دولہا کے عزیز دولہا کے گھر میں اور دلہن کے عزیز دلہن کے گھر میں جمع ہوتے ہیں اور چکٹ اور ہلدی مل مل کر دولہا دلہن کو اپنے اپنے گھر خوب نہلایا جاتا ہے۔

لوبان اور عود کی بتیاں خوشبو پھیلاتی رہتی ہیں۔ دولہا دلہن کو زرد رنگ کے کپڑے پہنائے جاتے ہیں مانجھے کی کوٹھری میں ہر طرف زردی ہی زردی ہوتی ہے ہر چیز زرد ہوتی ہے دیواروں پر زرد رنگ پردے زرد رنگ کے۔ دروازے زرد۔ پلنگ پر زرد بچھونا۔ خوشبوئیں بسی ہوتی ہیں گویا بسنتی رنگ کی بہار ہوتی ہے چاروں طرف بسنت ہی بسنت نظر آتی ہے۔

شام کو پھر چکٹ اور زرد ہلدی ملتے ہیں۔ زرد چنبیلی کے پھول پہنائے جاتے ہیں۔

امیروں کے ہاں ہلدی کی بجائے زعفران استعمال میں لاتے ہیں۔

گھر کی اور پڑوس کی لڑکیاں ڈھولک کے ساتھ گاتی ہیں۔ امیر گھرانوں میں ڈیرہ دار گانے والیاں بلائی جاتی ہیں۔ اس دن کی رسومات ختم ہوئیں۔ دوسرے دن ساچق کی رسم کے لئے چوگھڑے ابرک کے تیار ہوتے ہیں۔ سنہری روپہلی رنگی ہوئی ٹھلیوں میں بادام اور مصری بھرے جاتے ہیں اور دلہن کے جوڑے کے ساتھ چڑھاوے کی چیزیں اور بری کا سامان سرِ شام ایک جلوس کی صورت میں دلہن کے گھر کی طرف روانہ ہوا وہاں جاکر بھی بیسیوں رسمیں ہوتی ہیں کوئی کہاں تک لکھتا جائے چوتھی کی لغو رسم جس سے آپس میں بے تکلفی مقصود ہے۔ اور شہروں کے مسلمانوں میں بھی ہوتی ہے۔ مگر جیسی لغویتیں یہاں ہوتی ہیں وہ دیکھنے کی ہیں لکھنے کی نہیں۔

پھر ہر جمعہ کی جمعگی بھی دیکھنے کے قابل رسم ہو جمعگی ایک جمعہ دلہن کے ہاں اور ایک دولہا کے ہاں ہوتی ہے تمام عزیز و اقارب جمع ہونگے پانچ جمعوں تک دونوں گھروں میں خوب چہل پہل رہتی ہے۔ اور بڑی پر تکلف ضیافتوں کا اہتمام ہوتا ہے پانچویں جمعگی دولہا کے گھر میں ہوتی ہے یہ آخری ہوتی ہے اور اس روز ضیافت کے کھانے بھی بڑے اہتمام سے تیار ہوتے ہیں اور رکھنے والے خوب پیٹ بھر کے دولہا کے ماں باپ کا دیوالہ نکلوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج سے دلہن گھر کے کاروبار میں دخل دینا شروع کرتی ہیں اور یہ شادی خانہ بربادی کر کے ختم ہوتی ہے۔

ہمشیرہ مولوی عبدالحلیم

الحمد شریف کا منظوم ترجمہ

حمد و ثنا ہو تیری کون و مکان والے ۔۔۔ اے ربِ ہر دو عالم دونوں جہان والے
بن مانگے دینے والے عرش و قرآن والے ۔۔۔ گرتے ہیں تیرے در پر سب آن بان والے

بیشک رحیم ہے تو رحمت نشان والے

یومِ جزا کے مالک خالق ہمارا تو ہے ۔۔۔ سجدے ہیں تجھکو کرتے تیری ہی جستجو ہے
امداد تجھ سے چاہیں سب کا سہارا تو ہے ۔۔۔ تیری ہی بارگہ میں یہ بھی اک آرزو ہے

رستہ دکھا دے سیدھا او آسمان والے

وہ راستہ دکھا تو پروردگارِ عالم ۔۔۔ جس پر چلا کئے ہیں پرہیزگارِ عالم
نعمت تھی جن کو ملتی تجھ سے نگارِ عالم ۔۔۔ اور نام جن کا اب تک ہی یادگارِ عالم

تیری نظر میں ٹھیرے جو عز و شان والے

معتوب ہیں جو تیرے اے خالقِ یگانہ ۔۔۔ گمراہ ہوئے جو تجھ سے اے صاحبِ زمانہ
ہم عاجزوں کو یارب ان کی نہ رہ چلانا ۔۔۔ کر رحم اتنا اب تو اے قادرِ توانا

مقبول نہ دعا ہو اے لامکان والے

سورۃ الحجرات کے مطالب

یوں تو تمام قرآن مجید عقل و حکمت اخلاق و تہذیب کی باتوں سے بھرا ہوا ہے آج ہم سورۃ الحجرات کے مطالب شایع کرتے ہیں۔ مسلم خواتین غور سے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام پر ایمان لانے والوں کے لئے قرآن مجید میں کیسے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم فرمائی ہے۔ کیا اس تعلیم پر بھی مسلمان خاتون اپنا سر خدا کے سامنے نہ جھکائے گی۔ اور اُن کے دل میں شوق عمل کا جذبہ پیدا نہ ہوگا۔ افسوس ہے کہ اسی عمل کو ترک کر دینے کی وجہ سے آج مسلمانوں کے اخلاق ناگفتہ بہ ہیں۔ اب بھی اگر قرآن مجید پر عمل کا شوق پیدا ہو جائے تو کھوئی ہوئی عظمت اور گذشتہ جاہ و جلال واپس آسکتا ہے انوار قرآن کی اشاعت سے ہماری صرف یہی غرض ہے کہ مسلم خواتین کے دلوں میں شوقِ عمل پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سورہ میں مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنایا کرو اور ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ سب کی سنتا ہے۔ اور سب کچھ جانتا ہے مسلمانو اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے گستاخانہ اونچا نہ ہونے دو اور نہ اُن کے ساتھ چلا کر بولو جیسے کہ تم آپس میں بولا کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

جو لوگ اللہ کے رسول کا ادب کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جب بات کرتے ہیں تو آہستگی سے یہی لوگ ہیں جو خدا کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پرہیزگاری کے لئے اچھی طرح آزما لیا ہے۔ ان ہی لوگوں کے گناہ آخرت میں معاف فرما دیئے جائیں گے اور بڑا ثواب ملیگا

اے رسول! جو لوگ تم کو تمہارے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر تو ایسے ہیں جن کو مطلق عقل نہیں اور اگر یہ لوگ صبر سے اتنا انتظار کرتے کہ تم خود حجرے سے نکل کر انکے پاس باہر آجاتے تو ان کے لئے مناسب تھا۔ مگر اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اے لوگو جو ایمان لے آئے ہو یہ سن رکھو کہ اگر کوئی بدمعاش تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو بغیر تحقیق کئے اس پر یقین نہ کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم خواہ مخواہ جھوٹی خبروں پر یقین کر کے اپنی بیوقوفی سے کسی قوم پر حملہ کر دو اور پھر بعد میں اصل حال معلوم کرنے کے بعد تم کو پشیمان ہونا پڑے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کا رسول تو تمہارے پاس موجود ہے۔ اگر وہ تمہاری بہت سی ایسی باتیں مان لیا کریں۔ تو تم اُلٹے مشکل میں پھنس جاؤ۔ مگر تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تمہارے دلوں میں اللہ نے ایمان کی محبت ڈال دی ہے۔ اور تمہارے دلوں کو اس محبت کے نور سے منور کر دیا ہے اور تمہارے دلوں میں کفر خودسری اور نافرمانی سے نفرت پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے نیک کاموں کے کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ بس اللہ ہی سب کچھ جانتا ہے۔ اور وہی حکمتوں والا ہے۔

اے پیغمبر اگر مسلمانوں کے دو فرقوں میں لڑائی ہو پڑے۔ تو اُن میں صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے کوئی دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے تم بھی اس کے ساتھ لڑائی کرو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا حکم مان لے۔ جب وہ حکم مان لے۔ تو دونوں فریقوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرادو۔ اور انصاف کو کبھی ہاتھ سے نہ دو۔ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرادیا کرو اور اللہ کے غضب سے ڈرتے رہو۔ تاکہ اللہ تم پر رحم کرے

مسلمانو! مرد مردوں پر نہ ہنسیں تعجب نہیں کہ وہ جن پر ہنستے ہوں وہ اللہ کے نزدیک ہنسنے والوں سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں پر ہنسیں عجب نہیں کہ جن پر وہ ہنسی ہیں وہ اُن سے بہتر ہوں

مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کو طعنے بھی نہ دیا کرو۔ اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے نام رکھو ایمان لانے کے بعد بدتہذیبی کی کوئی بات نہ کرو۔ یہ بہت بری بات ہے۔ جو ان حرکتوں سے باز نہ آئیں گے تو وہ اللہ کے نزدیک برے اور ظالم لوگ ہیں

مسلمانو ایک دوسرے کے خلاف شک اور بدگمانی کرنے سے بچتے رہو۔ کیونکہ بعض باتوں میں شک اور بدگمانی کرنا گناہ ہے مسلمانو ایک دوسرے کے حال کی زیادہ کرید بھی نہ کیا کرو

مسلمانو! تم ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہا کرو۔ بھلا تم میں کوئی اس بات کو گوارا کرے گا۔ کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے یہ تو تم ہرگز پسند نہ کروگے۔ تو پھر غیبت ہی کیوں کرو۔ اللہ کے غضب سے ڈرتے رہو اللہ بیشک توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے

اے نبی نوع انسان ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور قبیلے مقرر کر دیے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے۔ جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ ہی جاننے والا اور ہر بات کی خبر رکھتا ہے۔

عرب کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اے پیغمبر تم ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ تم اسلام لائے ہو۔ ایمان کا تو تمہارے دلوں میں گذر ہی نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو تو اللہ تمہارے نیک عملوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں کرے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ بس سچے مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر کسی شک وشبہ میں گمراہ نہیں ہوئے۔ جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں اپنے جان و مال سے کوشش کی۔ درحقیقت سچے مسلمان ہیں

اے رسول ان لوگوں سے کہو کہ کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جتاتے ہو۔ حالانکہ اللہ تو جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب کچھ جانتا ہے اور اللہ ہر چیز کے حال سے واقف ہے۔

اے پیغمبر یہ لوگ تم پر اسلام لانے کا احسان دھرتے ہیں تم ان سے کہو کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو۔ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کا راستہ دکھا دیا بشرطیکہ تم اپنے اسلام لانے کے دعوے میں سچے ہو

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور جیسے جیسے عمل تم لوگ کر رہے ہو۔ اللہ سب کو دیکھ رہا ہے۔

(XXX)

عہد حاضرہ کی ترک خواتین

(از ڈائرکٹر جنرل مطابع انگورہ)

تاریخ عہد حاضرہ میں ایسی عورتوں کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ جنہوں نے زمانہ جنگ میں اپنے ملک کو غنیم کے حملوں سے بچانے کے لئے میدان کارزار میں مردوں کا ساتھ دیا ہو لیکن بہادر ترک خاتون اس خصوصیت خاص کی مالک ہے کہ جس زمانہ میں بھی اسکی قوم کو نازک حالات سے دوچار ہونا پڑا، مکان کی چاردیواری سے قدم نکال کر ہر میدان میں مردوں کے زور و قوت میں اضافہ کا باعث ثابت ہوئی۔ جنگ عظیم کے بعد جب غیور ترک قومی آزادی حاصل کرنے کے لئے سرفروشانہ جہاد کر رہا تھا اس وقت ترکی خاتون نے حرم سرا کے اندر مستور رہنا گوارا نہیں کیا بلکہ مادر وطن کو دشمن کے پنجے سے چھڑانے کے لئے بیتابانہ گھر سے باہر نکل آئی اور میدان رزم میں پہونچ کر اپنے باپ، بھائی اور شوہر کے دوش بدوش وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

جنگ عظیم کے زمانہ تک دنیا کے مہذب سے مہذب ملک کی خاتون کی حیثیت خاندان کے بچوں اور مردوں کے لئے بطور نمونہ اخلاق کے تسلیم کی جاتی تھی۔ لیکن اناطولیہ کی ترک خاتون نے اس سرحد سے اپنا عملی قدم آگے بڑھایا اور اپنی قوم کے جاں باز بہادروں کو ہر وہ امداد بہم پہنچائی جس کی زمانہ جنگ میں ضرورت ہو سکتی تھی، بڑے شہروں کی بلند رتبہ خواتین جو اس قسم کی ہمت طلب خدمات انجام نہیں دے سکتی تھیں وہ بھی اس زمانہ میں خاموش ہو کر نہیں بیٹھیں۔ بلکہ جنگ آزادی کی امداد کے لئے ہر ممکن تحریک میں حصہ لیتی رہیں۔ مالی امداد کے علاوہ ان کی کوششوں سے عورتوں کی کافی تعداد بحیثیت رنگروٹ کے قومی فوج میں داخل ہو گئی۔

سنہ ۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے کہ میں ایک مختصر جماعت کے ساتھ "رینی بولا" ہو کر انگورہ جا رہا تھا۔ راستے

وقت جب ہم اناطولیہ کی سنسان سڑک پر سے گزر رہے تھے۔ ہمارے کانوں میں اچانک گھڑگھڑاہٹ کی آواز آئی۔ اس زمانہ میں اناطولیہ جنگ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس مکدر فضا میں یکایک گھڑگھڑاہٹ کی آواز سخت خطرے سے خالی نہ تھی۔ مگر ہم لوگوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ قریب پہونچکر معلوم ہوا کہ ایک بیس سالہ ترک لڑکی ایک بیل گاڑی ہانکنے جا رہی ہے۔ گاڑی گولہ بارود اور اسلحہ جنگ سے لبالب بھری ہوئی تھی اور پہاڑ کی ناہموار چٹانوں پر چل رہی تھی یہی سبب اس زور کی گھڑگھڑاہٹ کا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر لڑکی سے دریافت کیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

میں اس بہادرانہ شان اور معصومانہ تبسم کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ جس کے ساتھ اس نے جواب دیا کہ

"میدان جنگ کی طرف"

میں نے پھر اس سے سوال کیا "ایسی اندھیری رات میں سنسان کوہستان کے درمیان تمہیں ڈر نہیں معلوم ہوتا؟"

لڑکی نے حقارت آمیز انداز سے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا "ڈر کی یہاں کون سی بات ہے۔ یہ پہاڑ یا گلاب کی یہ جھاڑیاں؟"

میں نے پھر پوچھا "کیا تمہارا کوئی عزیز اس جنگ میں شریک ہے؟"

اس نے جواب دیا "میرا بھائی، باپ اور شوہر سب لڑائی پر جا چکے ہیں۔ دشمن بہت قریب ہے اب مجھے کس بات کے انتظار کی ضرورت ہے۔؟"

اناطولیہ کے سفر کا یہ ایسا نظارہ تھا۔ جو میرے دل پر نقش ہو گیا ہے اور جسے میں آخر دم تک کسی طرح فراموش نہیں کرسکتا۔

انگورہ کے وسط شہر "یلوس اسکوائر" میں ایک عورت کا شاندار مجسمہ نصب ہے، جو اپنی پیٹھ پر توپ کا ایک بھاری گولہ اٹھائے ہوئے ہے یہ مجسمہ اناطولیہ کی ایک مجاہد خاتون کا ہے۔ جس نے

جنگ آزادی کے زمانے میں مردانہ وار بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ اور جو اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لیے حبِ وطن کی غیر فانی مثال پیش کر گئی ہے

یہ صحیح ہے کہ جنگ آزادی کے دوران میں عورتوں کی آزادی کے مسئلہ پر کسی توجہ کا اظہار نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس پر کسی قسم اعتراض وارد نہیں کیا جا سکتا۔ جس زمانہ میں فرزندان قوم مادر وطن کی حصول آزادی کے لیے جنگ کر رہے تھے۔ اس وقت ان مباحث کو چھیڑنے کا انہیں موقع ہی حاصل نہیں تھا۔ لیکن اختتام جنگ اور صلح نامہ لوزان کے بعد ہی یہ مسئلہ ترک قوم کی توجہات کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ اطمینان کا اولین سانس لیتے ہی ہماری قوم کے واجب الاحترام رہنما اتاترک نے جب سلطنت ترکی کا پہلا دورہ کیا۔ اس وقت سب سے پہلا قدم اسی سلسلہ میں اٹھایا گیا۔ اس سفر میں اتاترک نے جتنی تقریریں کیں۔ ہر ایک میں خواتین کے مسئلہ آزادی پر خاص طور سے زور دیا تھا۔

(ڈائرکٹر جنرل مطابع)
(از انگورہ)

ہمنشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
ہے عقیدوں کا اثر اخلاق انساں پر ضرور
پیٹ میں کھانا زبان پر کچھ مسائل نا تمام
اتحادِ معنوی اِن میں برائے نام ہے

میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا
اس جگہہ کیا چیز ہوگی وہ اثر جب دب گیا
قوم کے معنی گئے اور روح کا مطلب گیا
دیکھتے ہوا اک گروہ اک راہ ہو کر جب گیا

بعد ازیں کیا حشر ہوگا یہ تو سوچو دوستو!
جو اٹھا بہرِ ہلاکِ ملت و مشرب گیا

(اکبر الٰہ آبادی مرحوم)

نظم دل پذیر

جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے جشن طلائی کے موقع پر پڑھی گئی

(از خان بہادر چوہدری خوشی محمد صاحب ناظم)

(۱)

گلشن لاہور کا رنگیں سماں کچھ بھی نہیں — اس چمن میں اب وہ رنگ گلستاں کچھ بھی نہیں
عہد حاضر کی ترقی کے ہیں ساماں سُو بسُو — لیکن اس میں بہرۂ اسلامیاں کچھ بھی نہیں
ہر طرف ہے کوچہ و بازار میں شورِ جرس — ہمرہاں! لیکن متاعِ کارواں کچھ بھی نہیں
مقبروں سے شان و شوکت ہے عیاں اسلام کی — زندگی میں قوم کی اس کا نشاں کچھ بھی نہیں
چار سُو اقوامِ عالم بر سرِ پیکار ہیں — دستِ مسلم میں مگر تیغ و سناں کچھ بھی نہیں
جا رہے ہیں نوجواں زنداں کو یوسف کی طرح — کلبۂ احزاں میں ان کے آب و ناں کچھ بھی نہیں
ہر طرف سرمایہ داروں کے ہیں ایواں سربلند — مسلم مزدور کا جز لامکاں کچھ بھی نہیں
رہ گزاروں پر نظر آئیں مسلماں بیبیاں — زیرِ برقع رخ پہ جز اشکِ رواں کچھ بھی نہیں
رہرووں کے سامنے پھیلا دیا دستِ سوال — سر میں اب ان کے غرورِ خانماں کچھ بھی نہیں
اب تو اپنے زورِ بازو سے عزیزو کام لو — دورِ حاضر میں فلاں ابن فلاں کچھ بھی نہیں

(۲)

ہے زباں پر اللہ اللہ دل صنم خانوں میں ہے — کیسے کافر کیش مومن ہم مسلمانوں میں ہیں
مجمعِ اسلام کو ایسا پریشاں کر دیا — جیسے ذرّے ریت کے بکھرے بیابانوں میں ہیں
ہیں جماعت کے لئے یہ تفرقے آثارِ موت — قوم کے اہلِ بصیرت مرثیہ خوانوں میں ہیں
ابلہانِ قوم کی ہے باگ عیّاروں کے ہاتھ — کس قدر خود کام فرزانے یہ دیوانوں میں ہیں
اب ہوئے پیدا نئے جنگ الکشن میں حریف — نامسلمانِ سیاسی بھی مسلمانوں میں ہیں
نوجواں مجنوں بنے ہیں لیلیٔ تصویر کے — روز و شب سرگشتہ سینما کے بیابانوں میں ہیں
مردِ میداں کی طلب کرتا ہے پیکارِ حیات — ان کے دل الجھے ہوئے زلفوں میں ہیں شانوں میں ہیں

ہے ادیبوں کے قلم میں راز بیداری نہاں ۔۔۔ اپنے افلاطوں مگر خود گم خمستانوں میں ہیں
دن کو شغل شعر میں راتوں کو میخانوں میں ہیں ۔۔۔ مستیاں سارے جہاں کی میرے مستانوں میں ہیں
مطلع ملت پہ گو ہر سو غبار یاس ہے ۔۔۔ جھلکیاں امید کی کچھ دل کے ارمانوں میں ہیں

(۳)

جب مسلماں بے نیازِ ماسوا ہو جائے گا ۔۔۔ اس کا ہر میداں میں حامی خود خدا ہو جائیگا
اپنی سیرت کا اگر معیار تم کر دو بلند ۔۔۔ انتم الاعلون کا وعدہ وفا ہو جا ئیگا
تازہ کر عہد کہن ایثار سے کردار سے ۔۔۔ دیکھنا پھر اوجِ مسلم کیا سے کیا ہو جائیگا
نوجوانِ مسلم تڑپ کر غیرتِ اسلام سے ۔۔۔ کارزار دہر میں جنگ آزما ہو جائیگا
آخر اس پستی کا ہوگا ایک دن ردِّ عمل ۔۔۔ درد کا احساس ہو کر خود دوا ہو جائیگا
قوتِ بازوئے مسلم سے جہاں معمور ہے ۔۔۔ کیا یہ رزم دہر میں بے دست و پا ہو جائیگا
جس کو بخشی ہے حیاتِ جاوداں توحید نے ۔۔۔ کیا وہ اس طوفان کثرت میں فنا ہو جائیگا
ہوگی مسلم کی اخوت فاتح روئے زمیں ۔۔۔ ایک عالم امت خیر الوریٰ ہو جائیگا
پڑھ کے بسم اللہ تم دریا میں کشتی ڈال دو ۔۔۔ خود مسلماں کا خدا پھر نا خدا ہو جائیگا
شعر میں ناظر ترے اکسیر کی تاثیر ہے ۔۔۔ آج جشن جوبلی جشن طلا ہو جائیگا
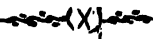
اے پیغمبر کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ (یہ شاعر لوگ خیالی باتوں کے) ہر میدان میں سرگرداں پڑے پھرا کرتے ہیں اور ایسی باتیں کہا کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔ مگر ہاں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے اور اپنے اشعار میں کثرت سے خدا کا ذکر کیا اور کسی کی ہجو بھی کی تو پہلے خود اُن پر ظلم ہو لیا ہے اس کے بعد انھوں نے واجبی طور پر بدلہ لیا تو ایسی شاعری کا مضایقہ نہیں اور جنھوں نے لوگوں پر ظلم کئے ہیں۔ مثلاً ناحق کسی کی ہجو کی ہے۔ ان کو مرنے پر عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ کہ کیسی جگہہ اُن کو لوٹ کر جانا ہے

(سورۂ شعراء)

تصویرِ عبرت

مندرجہ ذیل تاریخی کہانی میں نے دہلی کے مایہ ناز مشہور ادیب حکیم سید ناصر نذیر فراق مرحوم سے ۱۹۰۱ء میں لکھوائی تھی اور رسالہ عصمت کی پہلی جلد میں شایع ہوا تحسین عام کا خراج لے چکی ہے۔ یہ عبرت انگیز فسانہ اس قابل ہے کہ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ کرکے انیس نسواں کے فائل پر لایا جائے اور حکیم صاحب مرحوم کی افسانہ نویسی کا نمونہ پیش کرکے ان کا نام زندہ رکھا جائے

جن دنوں شاہجہاں بادشاہ نے دہلی کو اُجاڑ کر شاہجہاں آباد کے نام سے بسایا تو بلاقی بیگم کے کوچہ میں دو سگی بہنیں رہتی تھیں۔ بڑی کا نام جبینہ بیگم اور چھوٹی کا نام سکینہ تھا تھیں تو دونوں اوپر تلے کی مگر کیا مقدور جو اُن میں کبھی تو تو میں میں یا تکرار ہوتی بلکہ ایک بہن دوسری بہن پر جی جان سے فدا تھی ذات کی کھری مغلانیاں تھیں۔ اس لئے ان کے بیاہ بھی اصل نسل مغلوں سے ہوئے جبینہ بیگم کابلی دروازہ بیاہی گئی اور سکینہ جیتلی دروازہ خدا کی شان ایک ہی دن میں ایک ہی گھڑی میں بچے بھی ان کے ہاں پیدا ہوتے بڑی کے ہاں لڑکا اور چھوٹی کے ہاں لڑکی۔ سکینہ بیگم جب چلہ نہا کر پاؤں پھیرنے اپنی بڑی بہن کے گھر گئی (کیونکہ میکہ میں ماں باپ بھائی چچا کنبہ رشتہ کا بھی نہ رہا تھا) تو جبینہ بیگم اپنی ننھی سی بھانجی کو (جس کا نام اختر زمانی بیگم رکھا گیا تھا) دیکھ کر باغ باغ ہوگئی اور اس نے حور کے ٹکڑے کو کلیجے سے لگا لیا۔ سکینہ کی لڑکی سچ مچ بہت ہی خوبصورت تھی۔ اور اس کا چھوٹا سا چہرہ بالکل تارے کی طرح چمک دمک رہا تھا۔

جبینہ بیگم۔ کیوں بوا سکینہ یہ لڑکی جب تیرے پیٹ میں تھی تو تجھے اپنا کہا یاد ہے۔

سکینہ بیگم۔ ہاں بی آپا جان یاد ہے۔

جبینہ بیگم۔ پھر اب

سکینہ بیگم۔ اب جو آپ کہیں؟

جلیبہ بیگم۔ تو اختر زمانی میری ہوئی۔ اور حسین مرزا (جلیبہ بیگم کے لڑکے نام ہے) تمہارا کیوں یہی وعدہ تھا نا۔

سکینہ بیگم۔ بے شک"

جلیبہ بیگم۔ تو بہن آج سے تیسرے دن میں تمہارے گھر حسین مرزا کی منگنی کرنے آؤں گی۔

سکینہ بیگم۔ آپا جان میں بھی تمھاری لونڈی اور اختر بھی تمہاری باندی ہے مگر اس قدر پھلپھلا پن اچھا نہیں۔ لوگ مجھ پر اور تم پر دونوں پر ہنسیں گے۔ ابھی کے دن اور کے رات خدا رکھے بچے ابھی دو مہینہ کے تو پورے ہوئے بھی نہیں۔ جب جوان ہوں گے پروان چڑھیں گے تو منگنی بیاہ سب کچھ کر لینا۔ مگر ابتر کے گھر تیتر باہر باندھوں یا بھیتر۔

جلیبہ بیگم نے نہ مانا اور اپنی ساری سسرال کو ساتھ لے چیلا دروازہ چڑھ دوڑی اور سوا مہینے کی جان کو منگنی کا چڑھاوا چڑھا آئی۔ ارمان کی ماری چھوٹی بہن کو سمدھن کہنے لگی۔

حسین مرزا اور اختر پانچ پانچ برس کے ہو گئے اور اس پانچ برس میں جلیبہ بیگم نے چاؤ کے مارے کوئی ریت نہ چھوڑی جو اپنے سمدھیانے میں نہ کی ہو۔ ہر موسم میں موسم کی ترکاری میوہ عید بکرعید کو عیدی محرم میں جا مدانیاں گوٹہ کھیر کی قلفیاں شب برات کو آتش بازی مٹھائیاں چوڑیاں آخری چہار شنبہ کو سادہ کاری چھلے انگوٹھیاں اختر زمانی کو بھیجتی رہی۔

مگر خدا کی ذات بے پرواہ ہے سکینہ کے میاں کو یکایک ایسا درد اٹھا۔ ایک ہی دن میں چٹ پٹ ہو گیا۔ اور اختر یتیم ہو گئی۔

سکینہ جس طرح میکے سے جہیز میں کچھ مال و دولت لے کر نہ آئی تھی۔ اسی طرح اس کی سسرال میں فراغتی نہ تھی۔ میاں کی آنکھ بند ہوتے ہی اس پر بپتا بن گئی اور فاقوں پر نوبت آ گئی۔ جلیبہ کا اس کو بڑا بھروسہ تھا۔ مگر رانڈ ہوتے ہی اس نے طوطے کی سی آنکھیں پھیر لیں اور سکینہ پیٹ کے کارن سلائی کا سینے اور پسائی کا پیسنے لگی اور دس برس اسی فکر و فاقہ

میں کاٹ دیئے اس عرصہ میں اختر جوان ہوگئی اور اس کو پندرہواں برس لگا تو سکینہ گھبرائی اور ایک دن میلا برقع اوڑھ کر جس میں ستر سے بہتر پیوند لگے ہوتے تھے پرانی جوتیاں جو گھس کر آدھی آدھی رہ گئی تھیں۔ پانوں میں ڈال حبینہ بیگم کے گھر کابلی دروازہ گئی۔ ڈیوڑھی بان نے اسے محل سرا میں بڑی مشکل سے گھسنے دیا۔ کیونکہ اس کے میلے کچیلے کپڑے دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ یہ کوئی بہت ہی ذلیل عورت ہے، ایسا نہ ہو اندر سے کوئی اُگالدان سلفچی اٹھا کر نہ بھاگے۔ مگر یہ جوں توں کر کے محل میں پہنچ ہی گئی۔ دیکھا کہ صدر دالان میں حبینہ بیگم کے پاس بی زینت النساء بیگم قلعہ کی شاہزادی گاؤ تکیہ سے لگی بیٹھی پیچواں پی رہی ہیں اور حبینہ بیگم اُن سے گھل مل کر باتیں کر رہی ہیں۔ حبینہ بیگم نے سکینہ کو دیکھ کر منہ بنالیا اور اُس غریب سے یہ بھی نہ کہا کہ تو بیٹھ جا یہ آپ ہی بے حیائی سادھ کر جوتیوں کے پاس زمین پر ہو بیٹھی اور بہن سے بے دھڑک کہنے لگی۔ بی آپا خدا رکھے اب حسین مرزا بھی جوان ہے اور اختر کو بھی چودھواں بھر کے تیزی کے مہینے سے پندرہواں شروع ہو گیا ہے۔ اب دیر کا ہے کی ہے۔ میرے پاس نہ لینے کو نہ دینے کو ایک دن لڑکے کو لے کر چلی آؤ اور شربت کے پیالے پر دو بول پڑھا اور لڑکی کو ڈولی میں بٹھا اپنے گھر لے آؤ وہ بندی جوان بیٹی کو کب تک بٹھائے رکھے۔

(باقی آئندہ)

اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کر دیں تاکہ تم کو تسکین ہو اور راحت ملے اور تم میاں بیوی میں محبت و اخلاص پیدا کیا۔ جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں۔ ان کے لئے ان باتوں میں خدا کی قدرت کی بہتیری نشانیاں ہیں۔ اور آسمان و زمین کا پیدا کرنا۔ اور تمہاری بولیوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا یہ بھی اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں

(العنکبوت)

دنیا کی دولت اور قرآن

اسراف

ہم پہلے مضمون میں یہ بتا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسراف یعنی فضول خرچی کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ جب یہ صریح حکم ہے کہ کھاؤ پیو۔ لیکن فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا" اس حکم کے معلوم ہو جانے کے بعد کسی قسم کی فضول خرچی جائز نہیں۔ مسلم خواتین کیلئے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل لازمی ہے۔ یہ صریح اور بہت صاف حکم ہے ہر مسلمان کے ایمان کا امتحان یہی ہے کہ وہ اللہ کے حکموں کو مانتا ہے یا نہیں۔ اگر کسی کو اسلام کا دعویٰ ہے تو اس ارشاد مقدس کی تعمیل اس پر فرض ہے۔ ورنہ ہم کو یہ کہہ دینے میں باک نہیں کہ ایک نافرمان مسلمان کو عورت ہو یا مرد مسلمان کہلانے کا بھی کوئی حق نہیں۔ منافق مسلمانو کی یہی تعریف ہے کہ کہلاتے تو مسلمان ہیں۔ لیکن وہ نہ اللہ کے حکم کی پرواہ کرتے ہیں نہ رسول کے ارشاد پر عمل کرتے ہیں ایسے لوگ جو اسلام پر بھی عقیدہ نہیں رکھتے۔ اگر وہ کوئی اور مذہب اختیار کرلیں تو اس کی بھی پابندی نہ کرسکیں گے۔ لہذا وہ کہیں کے بھی نہ ہوئے نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے ہوتے

مسلم خواتین غور سے کام لیں اور سوچیں کہ اگر ان کی فضول خرچی کی عادتیں ترک ہوگئیں تو اللہ اور اس کے رسول کو اس سے کیا فائدہ پہنچا۔ اللہ نے تو ہماری ہی ہدایت اور رہنمائی کیلئے قرآن مجید نازل فرمایا تھا۔ اس میں ہماری ہی بہتری اور بھلائی کی باتیں لکھی ہیں۔ یہ کتاب پاک تو دنیا میں ہماری ہی مشکلات کا حل بتانے کے لئے آئی ہے، اسی کتاب ھدیٰ پر عمل کرکے عرب کے بادیہ نشین دنیا بھر میں ممتاز ہوگئے تھے۔ اگر مسلمان عورتیں فضول خرچی چھوڑ دیں گی۔ اور ہر بات میں کفایت شعاری مدنظر رکھ کر کچھ روپیہ بچالیں گی تو ان کی اس کفایت سے بچی ہوئی دولت جو پس انداز ہوگی وہ

وقت بے وقت ان ہی کے کام آئے گی۔ اسی سے وہ نیکیاں اور ثواب خرید سکیں گی جو اس دنیا کی زندگی کا اصل مقصد ہے

خدا نے ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار قرآن مجید میں اسراف سے منع فرمایا ہے اور سورۃ بنی اسرائیل میں تو یہاں تک فرما دیا ہے "کہ دولت کو بے جا نہ اڑاؤ کیونکہ بے جا اڑانے والے فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں"

ہم مسلمان صاحب ایمان بیبیوں کو مخاطب کر کے اللہ کے مندرجہ بالا حکم کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کہ اگر اس سے پیشتر ان کو اس حکم کا علم نہ تھا تو اب وہ اپنی سب سے پہلی فرصت ہی میں سبھی اللہ کے اس ارشاد پر غور کریں کیا کسی دوسرے مذہب میں بھی فضول خرچی کے خلاف یہ احکام ہیں۔ کیا کسی دوسرے مذہب نے بھی دنیا میں کامیاب اور مالدار بننے کے یہ طریقے تعلیم کئے ہیں۔ اگر مسلمان فضول خرچی یک قلم بند کر دیں۔ بیہودہ رسموں کی پیروی چھوڑ دیں تو تجربہ کر کے دیکھیں کہ کس قدر جلد ان کا افلاس دور ہوتا ہے۔ اسلام کو رسوم سے واسطہ ہی کیا ہے یہ مذہب تو بت پرستی اور رسم پرستی کی لعنت کو جہاں سے دور کرنے کے لئے آیا تھا۔ رسول نے اپنی تمام زندگی کو قرآن پر حرف بحرف عمل کر کے دنیا کے سامنے ایک بے مثل نمونہ پیش کر دیا ہے۔ کونسی رسوم کے آپ پابند تھے اپنی چہیتی اور اکلوتی بیٹی کی شادی پر کونسی رسمیں ادا کی گئیں۔ مسلمان بیبیوں کو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ رسمیں کہاں سے آئیں اور اب جزو ایمان کیوں بن گئیں ہیں۔ ان کی ادائیگی ایسی فرض قرار دی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ ان رسوم کی پابندی سے حاصل کیا ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ ان رسموں کے ذریعہ سے فائدہ اٹھانے والے واہ واہ کریں اور اس نمود و نمائش کی تعریف ہو۔

مسلمان خواتین کو خود غور کر کے یہ دیکھنا چاہیئے کہ کون کون سی فضول خرچیاں روکنے کی ضرورت ہے ہر گھر کے لئے اپنی اپنی فضول خرچیاں مخصوص ہیں اور ان کی فہرست بہت طول طویل ہے اسلئے خواتین خود اس طرف توجہ فرمائیں اور میدان اصلاح میں اللہ کا نام لے کر پہلا قدم رکھدیں۔

ہم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ کہ ذیل کے ارشادات ربانی کی طرف مسلم خواتین کو توجہ دلائیں اور دعا کریں کہ اللہ ان کو اپنی ہدایت کی روشنی میں سیدھا رستہ دکھائے

(۱) امت کا امتحان یہ ہے کہ پیغمبر کے سمجھانے پر کاربند ہوں اور رسم و رواج اور اپنے بزرگوں کی تقلید کی پرواہ نہ کریں۔

(۲) اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو خدا کے احکام یاد دلائے جائیں اور وہ ان سے روگردانی کرے (الفرقان)

(۳) جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانا اور اپنے رب کے حضور میں جوابدہی کے لئے حاضر ہونے کو برحق نہ سمجھا یہی وہ لوگ ہیں جن کے سب اعمال اکارت ہو گئے۔ (الکہف)

محمد اکرام

تعلیم نسواں کے بارے میں ہندوستان کے مسلمان خصوصیت سے لڑکیوں کی طرف سے مجرمانہ غفلت کے مرتکب رہے ہیں۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کہ اسلامی سیرت اسلامی تاریخ اور اسلامی تمدن و روایات سے ہماری خواتین اسی قدر بیگانہ ہیں جس طرح کہ ہم۔ مسلمان لڑکیوں کو جو تعلیم دی جا رہی ہے وہ ایک غلط اور خوفناک راستہ پر ڈالنے کے مترادف ہے۔ ان کو ہماری آئندہ نسلیں پالنی ہیں۔ ان کو ایسی تعلیم دی جانی چاہیئے جس سے ان کے دل میں اسلام کا درد پیدا ہو۔ ہم اپنی لڑکیوں کو مغرب کے رنگ میں نہیں دیکھنا چاہتے"

(مہاراجہ محمود آباد)

محفل انیس

ہم انیس نسواں کے ان قدر دانوں کے بے حد شکر گذار ہیں جنہوں نے کرم فرما کر اپنی قیمتی رائے کا اظہار فرمایا ہے اور ہماری ناچیز کوششوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھ کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایسے خطوط تو بہت سے معاونین نے تحریر فرمائے ہیں لیکن ہم ان میں سے صرف چند فی الحال ذیل میں درج کرتے ہیں۔

نواب احمد یار خاں صاحب دولتانہ۔ انیس نسواں مجھ کو بے حد پسند آیا۔ میری لڑکی نے بھی اس کو بہت شوق سے پڑھا اور اس کی بہت تعریف کی۔ ایسے رسالہ کی اشاعت کے لئے کوشش کرنا سب مسلمانوں کا فرض ہے۔

جناب ابو الاثر حفیظ جالندھری "آپ نے جس رنگ اور جس طرز میں ملت کی خواتین کو شرافت نفس کا خیال دلایا ہے۔ وہ مستحسن ہے میری دعا ہے کہ اللہ آپ کی کوششوں کو بار آور کرے میں دمہ اور اختلاج میں مبتلا ہوں مگر پہلی فرصت میں انیس نسواں کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور ارسال خدمت کروں گا۔

اے آمدنت باعث آبادی ما!

میں نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اپنے انیس کا خیر مقدم کرتی ہوں۔ ہم کو تہہ دل سے محترمہ مسز محمد اکرام صاحب کا ممنون ہونا چاہیئے۔ جن کے دل میں اپنے مظلوم بے بس، اور راہ راست سے بھٹکائے ہوئے فرقہ کا درد ہے۔ اور قسم قسم کی دقتوں سے دوچار ہونے پر بھی ہمارے لئے انیس کو منظر شہود پر لائیں جَزَاکِ اللّٰہُ خَیْرًا فِی الدَّارَیْن ط

اس کی نورانی شعاعوں سے ہمارے دل روشن ہوں گے۔ ہماری چشم بصیرت کھل جائیگی اور معلوم ہوگا کہ ہم مغرب کی کورانہ تقلید کے پیچھے بغیر سوچے سمجھے دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ جو بے انتہا تباہ کن ہے۔

اور احکامِ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف کرنے کا نتیجہ گمراہی و ضلالت ہوتا ہے
الحمد للہ رب العلمین کہ اس نے اپنے نیک بندوں کو ہدایت فرمائی۔ اور انھوں نے ہمارے
لئے انیس نسواں جیسا ہمدرد مہیا کیا۔

اب ہم عورتوں کا فرض ہے کہ اپنے محسنوں کی محنت و محبّت کا بسر و چشم خیر مقدم
کریں۔ انیس نسواں نہ صرف خود پڑھیں بلکہ اپنی ہر سہیلی ہر ملنے والی کو اس کے پڑھنے
کی ترغیب دیں۔

میں اپنی پیاری بہنوں سے ضرور عرض کروں گی کہ آپ ہزاروں روپیہ فیشن، سینما وغیرہ
پر صرف کرتی ہیں افسانوی رسالے بصد شوق ملاحظہ فرماتی ہیں (جن کے اکثر افسانہ
اسقدر گندے ہوتے ہیں۔ کہ لکھنے اور پڑھنے والے دونوں پر اخلاق و تہذیب متاسف
ہوں گے) آپ کچھ ایثار سے کام لے کر اپنا مصلح انیسِ نسواں بھی لیجئے۔ اس سے
ہمارے کھوئے ہوئے اوصاف پھر نمایاں ہوں گے۔ اور ہم کو معلوم ہوگا کہ مغربیت
ہم کو آزاد نہیں بلکہ پائمال کر رہی ہے

رضیہ سلطانہ
(از سانبھر)

رسالہ انیس نسواں موصول ہوا۔ چھپائی لکھائی اور مضامین ہر لحاظ سے
بہت اچھا ہے۔ بھلا آپ کا ترتیب دیا ہوا رسالہ کیسے اچھا نہ ہوگا۔ آپ کا
تجربہ آپ کی وسعت نظر اس کے اچھے ہونے کی کافی دلیل ہے۔ مجھے
اُمید ہے کہ وہ بہت جلد خدا کے فضل و کرم سے کامیاب ہوگا۔

(نجم الدین احمد)

"مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن ہیں اور تم اُنکی چولی ہو" (البقر)

ایڈیٹر۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا۔ جائنٹ ایڈیٹر۔ مسنز محمد اکرام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر ۳

انیس نسواں

مارچ ۱۹۳۹ء — محرم الحرام ۱۳۵۸ھ

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دلآویز مخزن

جو دہلی سے ماہوار شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک پانچ روپے (ﷲ) + سستا ایڈیشن تین روپے (ﷴ) فی پرچہ ۸ روپیہ

فہرست مضامین

نقد و نظر

کتابت کی غلطیوں سے شیطان نے بھی پناہ مانگی ہو انیس نسواں بھی کچھ اس سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتا تھا۔ تاہم اپنی طرف سے پوری کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی غلطی نہ رہ جائے مگر اس پر بھی فروری کے رسالے میں چند غلطیاں رہ گئیں جن کا ہم کو افسوس ہے ہم آئندہ اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لیں گے۔

ہم خداوند تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ انیس نسواں توقع سے زیادہ مقبول ہوا۔ اس کا حلقۂ اشاعت بھی روز افزوں ترقی کیساتھ وسیع ہو رہا ہے مگر ابھی معراج بہت دور ہے۔

ہم کو یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ بعض معزز ہمعصر رسالوں اور اخبارات نے ابھی تک انیس نسواں پر ریویو کیلئے قلم نہیں اٹھایا۔ حالانکہ رسالہ اُن کی خدمت میں برابر پہنچ رہا ہے۔ اپنی ہی برادری مین بخل کا یہ عالم ہو تو اغیار سے کیا توقع کی جائے۔ امید ہے انیس نسواں کی ناچیز خدمات معاصرانہ کرم فرمائیوں کا دیر تک منہ نہ تکتی رہینگی

یوں تو انوار قرآن کی اشاعت کیلئے بہت سی مسلم خواتین نے اصرار شروع کر دیا ہے۔ ہم بھی اس نیک کام کے شروع کرنے کیلئے بالکل مستعد ہیں۔ مگر ابھی فرمائشات کی تعداد اس قدر کافی نہیں ہوئی کہ ہم یہ بارِ گراں اٹھانے کی ہمت کر سکیں۔ اگر ترقی اشاعت کی چندے یہی رفتار رہی تو وہ دن دور نہیں ہے کہ ہم انوار قرآن کی اشاعت کا اعلان کر دیں۔

آئندہ سے انیس نسواں میں مہینہ بھر کی قومی تحریکات اور عالم نسواں کی ضروری خبروں کا اقتباس بھی شائع ہوا کریگا۔ گو نقد و نظر بھی وہی مقصد ہے مگر ایک صفحہ ان اغراض کیلئے کافی نہیں ہو سکتا اسلئے آئندہ اخیر کی تین صفحے نقد و نظر کیلئے وقف ہوں گے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کا مبارک قدم۔ ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ تعلیم نسواں کے نصاب میں امور خانہ داری کی طرف آئندہ خاص توجہ کیگئی ہے۔ اور جامیٹری، الجبرا وغیرہ کے مضامین لڑکیوں کے کورس میں سے نکال دئے گئے ہیں اور ان کی بجائے کشیدہ کاری سلائی وغیرہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

اس رسالے میں خلع اور طلاق کے بارے میں ہم نے اسلامی شریعت کے احکام کے علاوہ خلع کے قانون کی متعلقہ دفعہ بھی شائع کر دی ہے۔

اپنی رائے ابھی ہم محفوظ رکھتے ہیں۔ خدا کرے کہ اس قانون کے نفاذ سے واقعی مظلوم خواتین کی دادرسی ہو سکے۔ ہم کو اگر کوئی اندیشہ ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ کہیں یہ قانون مزید بدمزگیوں اور بے لطفیوں کا باعث نہ ہو۔

ہندوستان میں جہیز کی رسم متوسط الحال اور غریب لوگوں کیلئے بہت تباہ کرنے والی ہے۔ بنگال میں تو آئے دن لڑکیاں اس لئے خودکشی کرتی رہتی ہیں کہ ان کے غریب والدین کو داماد کا منہ مانگا جہیز دینے کی توفیق نہیں۔ غریب لڑکیوں کی کہیں پرسش نہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ بہار گورنمنٹ جہیز کے انسداد کے بارے میں ایک قانون پاس کر رہی ہے۔

بانی اسلامؐ نے تو تیرہ سو برس گذرے کہ اپنی اکلوتی صاحبزادی کے جہیز کی مثال امیر اور غریب دونوں کیلئے قائم کر دی تھی جو مسلمان اس نیک مثال کی پیروی نہیں کرتے۔ خود تباہی اور بربادی کو دعوت دیتے ہیں۔

آنریبل سر شیخ عبدالقادر صاحب کا تازہ مضمون بعنوان "مزدور خوشدل" جو ابھی لندن سے موصول ہوا ہے آئندہ رسالے کی زینت ہوگا۔

سورۃ النسا کے مطالب

(۲)

مسلمانو! تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے برابر ہو یعنی لڑکے کا حصّہ لڑکی سے دوگنا ہو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ترکے میں اُن کا حصّہ دو تہائی ہوگا۔ اور اگر اکیلی ہو تو اُسے آدھا ملیگا۔ اور مرنے والے کے اگر ماباپ ہیں تو اُن میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصّہ ملیگا لیکن یہ اُس صورت میں ہوگا کہ مرنے والے کے اولاد ہو اگر کوئی اولاد نہ ہو اور وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو ماں کو صرف تہائی حصہ ملیگا اور باقی سب باپ کو۔ اگر ماں باپ کے علاوہ مرنے والے نے ایک سے زیادہ بھائی اور بہنیں چھوڑی ہوں تو ماں کا حصّہ چھٹا ہوگا۔ لیکن یاد رہے کہ مرنے والے نے جو کچھ وصیّت کر دی ہو یا کچھ قرضہ چھوڑ گیا ہو، وصیت کی تعمیل اور ادائیگی قرض کے بعد حصّے تقسیم ہوں گے دیکھو تمہارے باپ دادا بھی ہیں اور تمہاری اولاد بھی ہے یعنی رشتہ کے لحاظ سے اوپر کا بھی رشتہ ہے اور نیچے کا بھی تم نہیں جانتے نفع رسانی کے لحاظ سے کون سا رشتہ تم سے زیادہ نزدیک ہے اور کس کا حق زیادہ ہونا چاہئے کس کا کم اللہ کی حکمت ہی اس کا فیصلہ کر سکتی تھی پس اللہ نے حصّے ٹھہرا دئے ہیں اور وہ اپنے بندوں کی مصلحت کا جاننے والا اور اپنے احکام میں حکمت رکھنے والا ہے۔

تمہاری بیویاں جو کچھ ترکے میں چھوڑ جائیں اُس کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر ان سے اولاد نہ ہو تو شوہر کا حصّہ آدھا ہے۔ اگر اولاد ہو تو چوتھائی مگر وصیت کی تعمیل اور ادائیگی قرض کے بعد یہ تقسیم ہوگی اور جو ترکہ شوہر چھوڑ جائے تو اُس کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر تم سے اولاد نہ ہو تو بیویوں کا حصّہ چوتھائی ہوگا اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصّہ لیکن یہ تقسیم بھی مرنے والے کی وصیّت کی تعمیل اور ادائیگی قرضہ

کے بعد ہو گی اور اگر ایسا ہو کہ کوئی مرد یا عورت ترکہ چھوڑ جائے اور وہ کلالہ ہو یعنی نہ تو اُس کا باپ ہو نہ بیٹا۔ اور دوسری ماں سے اُس کے بھائی یا بہن ہو تو اُس کا حکم یہ ہے۔ کہ بھائی بہن میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہو گا۔ اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب برابر کے شریک ہوں گے۔

لیکن اُس وصیت کی تعمیل کے بعد جو مرنے والے نے کر دی ہو۔ اور اُس قرض کی ادائگی کے بعد جو مرنے والے کے ذمے رہ گیا ہو بشرطیکہ وصیت اور قرض سے حق داروں کو نقصان پہونچانا مقصود نہ ہو۔ ترکے کی تقسیم کے بارے میں اللہ کی طرف سے حکم ہے اور یقین رکھو کہ اللہ بندوں کی مصیبتیں جاننے والا اور اُن کی کمزوریوں کے لئے اپنے احکام اور قوانین میں بہت بُردباری کرنے والا ہے

یاد رکھو یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں پس جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو اللہ اُسے ایسے باغوں میں داخل کر دے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ راحت سے رہینگے۔ اور ان باغوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے جو انھیں حاصل ہو گی

لیکن جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے باہر نکل گیا۔ تو یاد رہے کہ وہ آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔ اور وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا۔ اور اُس کے لئے سخت عذاب ہو گا۔

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدچلنی کی مرتکب ہوں تو چاہئے کہ اپنے آدمیوں میں سے چار آدمیوں کی اس پر گواہی لو۔ اگر چار گواہ گواہی دیدیں تو پھر ایسی عورتوں کو گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ موت اُن کی عمر پوری کر دے یا اللہ اُن کے لئے کوئی دوسری راہ پیدا کر دے اور جو دو شخص تم میں سے بدچلنی کے مرتکب ہوں تو چاہیئے کہ اُن دونوں کو اذیت پہنچاؤ یعنی انھیں مارو جس سے انھیں اذیت پہونچے پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی حالت سنوار لیں تو

انھیں چھوڑ دو۔ اللہ بیشک بڑا ہی توبہ قبول کرنیوالا اور رحمت کرنے والا ہے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ اللہ کے حضور میں توبہ کی قبولیت ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو بُرائی کی کوئی بات نادانی میں کر بیٹھتے ہیں اور فوراً توبہ کر لیتے ہیں اور ان کے ضمیر کو اپنے کئے پر پشیمانی محسوس ہوتی ہے تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ اللہ اُن کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اُن پر رحم فرماتا ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور اپنی حکمتوں والا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی توبہ توبہ نہیں ہے جو تمام عمر تو بُرائیاں کرتے رہے لیکن جب اُن میں سے کسی کے آگے موت آکھڑی ہوئی تو کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں" اسی طرح اُن لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے جو دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں ان تمام لوگوں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

رفیقۂ حیات!

ہر اک دردِ دل کا مداوا تمہیں ہو　　تمہیں چارہ گر ہو مسیحا تمہیں ہو
مصیبت میں ہمیشہ کام آنے والی　　شریکِ غم و رنجِ دنیا تمہیں ہو
نہ ہو تم تو تاریک ہے بزمِ ہستی　　اندھیرے گھروں کا اُجالا تمہیں ہو
مجسّم ہو تصویر تم نیکیوں کی　　حیا اور عصمت کا گہنا تمہیں ہو
تمہیں ہو وفادار و غمخوارِ شوہر　　مگر اپنے قیسوں کی لیلا تمہیں ہو
بھرا جس میں صانع نے رنگِ وفا ہے　　تمہیں ہو وہ تمثال زیبا تمہیں ہو
رضا جو و دلجو، وفادار و خوش خو　　مجسّم وفاؤں کا پتلا تمہیں ہو
گناہوں کے چھینٹے نہ عصیاں کے دھبّے　　کہ تصویرِ عفت سراپا تمہیں ہو
تپش بھی ہے نورِ محبت بھی دل میں　　تمہیں شمع ہو اور پتنگا تمہیں ہو
مصیبت کی کٹتی ہیں گھڑیاں تمہیں سے　　کہ جینے کا دکھ میں سہارا تمہیں ہو
جو غمخوار تم ہو تو غم بھی ہے شادی　　شبِ غم میں صبحِ تمنا تمہیں ہو

سیدۃ النسا کی زندگی سے سبق

جو عقیدت مسلمانوں کو اپنے پیارے نبی اور اُن کے اہلِ بیت سے ہے، اُسے الگ رکھ کر دیکھئے اور تاریخ عالم کے ورق اُلٹ جایئے۔ دنیا کی تاریخ مشکل سے ایسی لڑکی دکھا سکے گی جس نے اپنے باپ کی فرماں برداری اور اس سے دلی اور بے غرض محبت میں وہ درجہ پایا ہو۔ جو بی بی فاطمہؓ کو حاصل تھا۔ بیاہی گئی، تو دکھا دیا کہ شوہر کے حقوق کس دلی جوش اور سچی الفت سے ادا کرنے چاہئیں۔ حضرت علیؓ جیسا بلند پایہ شوہر عمر بھر گرویدۂ محبت رہا اور جب یہ نیک بیوی اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئیں، تو اس کی اور اُس کی خوبیوں کی یاد دم بھر کے لئے دل سے جدا نہ ہوئی۔ حضرت فاطمہؓ ماں بنی، تو امام حسنؓ اور امام حسینؓ جیسے خوش رُو خوش خو اور خوش اخلاق بیٹوں کی۔ جن کے زُہد و تقویٰ، مہر و محبت اور حُسنِ سیرت کی داستانیں آج تک زبانوں پر ہیں۔ جنھوں نے جامِ شہادت پیا، مگر پابندئ اصول و مذہب کے مقابلے میں جان تک کی پروا نہ کی۔ جو بہادرانہ ایثار، جو صبر اور جو استقلال حضرت امام حسینؓ اور ان کے ہمراہیوں نے میدانِ کربلا میں دکھایا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے یہ کیسے ممکن ہوا؟ صرف اس طرح کہ حضرت امام حسینؓ نے فاطمہؓ جیسی ماں کے آغوش میں تربیت پائی تھی، مسلمانوں کا تو یہ دلی عقیدہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ دنیا بھر کی عورتوں کی سرتاج ہیں اور دونوں جہاں میں اُن کی عزت نسوانِ عالم سے بڑھ چڑھ کر ہے، مگر دوسروں کی نگاہوں سے بھی دیکھئے تو ہر عورت کے لئے حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں کیسے کیسے سبق بھرے ہیں۔ آج کل بہت زور دیا جاتا ہے کہ ہاتھ سے کام کرنے کا شوق ہر لڑکی میں ہونا چاہیئے۔ بیشک درست ہے ہونا چاہیئے مگر ہو تو کیسے ہو؟ اگر ماں دن بھر آرام کرے اور کسی کام کو ہاتھ نہ لگائے اور بیٹی کو تاکید کرے کہ کچھ کام ہاتھ سے ضرور کیا کرو تو

بیٹی خواہ کیسی ہی حکم ماننے والی ہو ہاتھ سے کام کرنا عار سمجھے گی، لیکن جو چیز حضرت فاطمہؓ کے لئے عار نہ تھی، وہ اُمتِ محمدیہ کے کسی فرد کیلئے عار نہیں ہونی چاہیئے۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ انہوں نے اگر چکی پیسی، تو اس لئے نہیں کہ ناداری تھی یہ تو چکی پیسنے کا عارضی سبب تھا۔ اصلی سبب یہ تھا۔ کہ چکی پیسنا کسی اُمتی عورت کیلئے باعثِ شرم و بے عزتی نہ سمجھا جائے۔ چکی پیستے ہوئے قرآن شریف کی آیات پڑھتے جانا ایک ایسا شاندار منتہائے خیال ہے کہ اس سے بلند تر منتہیٰ مشکل سے ذہن میں آسکتا ہے۔ ہر محنت کش جانتا ہے۔ کہ محنت اگر سخت ہو تو منہ سے کچھ آواز نکالنے سے قدرے تسکین قلب ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں ہندوستان میں پنہاریاں چکی پیستے وقت گاتی رہتی ہیں۔ عرب کے جنگل میں اونٹ والا اونٹ کی مہار تھامے کٹھن منزلیں طے کرتا ہوا حدی خوانی کرتا جاتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی فطرتِ نسوانی نے بتایا کہ چکی کی محنت ترنم سے نرم ہوسکتی ہے، مگر وہ اس کی بیٹی تھی، جو قرآن جیسا پیغام دنیا میں لایا۔ وہ باکار الفاظ کو چھوڑ کر بیکار الفاظ کی طرف کیوں مائل ہوتی اور اُسے قرآن کی ترتیل کے مقابلے میں کوئی راگ کیا جچتا۔ اس کے لبوں پر قرآن کی آیات جاری ہوگئیں اور اس نے عملاً عورتوں کو یہ دکھا دیا کہ دنیا اور دین کو اس طرح ایک ہی وقت میں ملا سکتے ہیں۔ لازم نہیں کہ دنیا اور دین میں مغائرت سمجھی جائے۔ دنیا کے کام بھی کرتی رہو اور خدا کی طرف بھی دھیان رہے۔

آج کل سادہ غذا کی بہت تاکید کی جاتی ہے۔ حضرت علیؓ کے ہاں اکثر جو کی روٹی پکتی تھی۔ بظاہر تو یہ وجہ ہے کہ گیہوں کی روٹی کی عموماً توفیق نہیں ہوتی تھی۔ مگر جو حکمت سادہ غذا میں پنہاں تھی، اُسے کوئی کیا جانے۔ مہذب دنیا اب میدے کی روٹی کھاتے کھاتے تھک کر اُسی آٹے کی متلاشی ہے۔ جو چھانا نہ گیا ہو۔ اور جس میں گیہوں اُوپر کے چھلکے سمیت پسے ہوں۔ جَو کو ذرا صاف کرکے جَو آش بناتے ہیں۔ اور لوگ وہ جَو آش ہر صبح کھاتے ہیں۔ طبی لحاظ سے یہ بہترین غذا مانی جاتی ہے۔ خدا نے حسنؓ اور حسینؓ جیسے خاص بندوں کی پرورش جَو کی روٹی پر کرائی، تو اس میں ضرور کچھ جسمانی، کچھ روحانی برکتیں ہونگی۔

کوئی اس کا قائل نہ بھی ہو، تو اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت فاطمہؓ نے جَو کی روٹی سے وہ نتائج دکھائے، جو کوئی اور ماں دنیا کی بہترین نعمتیں اپنے بچّوں کو کھلا کر نہ دکھا سکی۔ بی بی فاطمہؓ کے اپنے استغنا کی تو یہ حالت تھی کہ اگر کوئی دوسرا اپنے سے زیادہ حاجت مند نظر آگیا، تو جَو کی روٹی بھی اُٹھا کر اُسے دے دی اور آپ منہ لپیٹ کر سو رہیں۔ شرم و حیا جو عورت کے بہترین جوہر ہیں ان کا وہ مجسمہ تھیں۔

عبدالقادر (از لندن)

فاطمہ بنت عبداللہ

(وہ عرب لڑکی جو ۱۹۱۲ء میں جنگِ طرابلس میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہو گئی تھی)

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے — ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

یہ سعادت حورِ صحرائی! تری قسمت میں تھی — غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر — ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی — ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے — نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے

رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے — ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں — پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

بے خبر ہوں گرچہ ان کی وسعتِ مقصد سے میں — آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مرقد سے میں

تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور — دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور

جو ابھی ابھرے ہیں ظلمت خانۂ ایام سے — جن کی ضو ناآشنا ہے قیدِ صبح و شام سے

جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی، نو بھی ہے

اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے

(بانگِ درا) سر اقبال رح

تعلیم قرآنی

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذاہب عالم میں عام طور پر یہ کمزوری نظر آتی ہے کہ آج ان مذاہب کے پیرو جن امور کو اپنے مذہب کے اصول قرار دیتے ہیں۔ اُن کا ثبوت اُن کی کتابوں سے نہیں مل سکتا۔ لیکن اسلام ان مذاہب سے جداگانہ نوعیت رکھتا ہے۔ مسلمان جن باتوں کو اصول مذہب قرار دیتے ہیں۔ وہ سب قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں۔

اسلام جو کچھ تعلیم اپنے پیروؤں کو دیتا ہے وہ سب کی سب قرآنِ مجید میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ یہ نہیں کہ اسلام کی تعلیم کچھ ہو اور قرآن مجید کی تعلیم کچھ اور ہو یا مذہب اسلام کی طرف جو تعلیمات منسوب کی جائیں۔ قرآن مجید میں اُن کا کوئی ذکر نہ ہو۔

قرآن مجید ہی نے دنیا میں سب سے پہلی مرتبہ انسان کو مذہبی امور میں اپنی عقل سے کام لینے کی دعوت دی۔ قرآن مجید خود بھی اپنے دعاوی پر دلائل پیش کرتا ہے اور دوسروں کو بھی یہی دعوت دیتا ہے:۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ٥ ترجمہ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعووں پر دلائل لاؤ۔ دیگر مذاہب میں مثلاً انجیل ہی کو لیجئے اس میں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ روزہ رکھنے سے کیا حاصل ہوگا۔ زبور میں یہ تو لکھا ہے کہ متقی لوگ نجات کے وارث ہونگے لیکن یہ نہیں بتایا کہ متقی کی شناخت کیا ہے۔ مختلف مذاہب نے قربانی کا حکم دیا ہے لیکن یہ نکتہ کسی نے واضح نہیں کیا کہ قربانی کا حقیقی مقصد کیا ہے اور ہمیں اس فعل سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ مگر قرآن مجید نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے وہ جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے انکا ثبوت بھی پیش کرتا ہے۔ تاکہ دل میں کیفیت یقین پیدا ہو سکے۔ مثلاً وہ کہتا ہے خدا پر ایمان لاؤ۔

تو مختلف دلائل سے خدا کی ہستی کا اثبات کرتا ہے۔ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۔ تم کسطرح خدا کا انکار کر سکتے ہو؟ سوچو تو سہی تم مردہ تھے اُس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر وہی تمہیں موت دیگا اور وہی تم کو دوبارہ زندہ کریگا پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

وہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں تو اُس کی دلیل بھی پیش کرتا ہے۔ لَوْ کَانَ فِیْھِمَا اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ۔ اگر دنیا میں دو خدا یا خدا کے علاوہ اور خدا ہوتے تو نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔

اللّٰہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اپنا کلام پاک ہونا فرمایا ہے تو اُس کی دلیل بھی دی۔ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۔ اگر یہ قرآن مجید خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا (یعنی انسانی کلام ہوتا) تو لوگ ضرور اس میں اختلافات اور نقائص پاتے۔

کلام پاک میں اگر نماز کا حکم ہے تو ساتھ ہی اُس کا فلسفہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ۔ بلاشبہ نماز انسان کو بے حیائی اور کفر کی باتوں اور سرکشی سے باز رکھتی ہے۔

غرضیکہ عقائد عبادات اور معاملات ہر بات میں قرآن مجید کا اندازہ یہ ہے کہ وہ ہر حکم کا فلسفہ اور ہر بات کی غائت بیان کرتا ہے۔

اسلام سے قبل جس قدر مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے وہ کاملیت اور جامعیت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان مذاہب کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان کی تعلیمات میں کاملیت اور جامعیت کا رنگ مطلق نہیں ہے۔

نجات اُخروی کے لئے جن ہدایات اور دستور العمل پر کاربند ہونا ضروری ہے وہ اللہ تعالےٰ نے مکمل طور پر قرآن مجید کی شکل میں بنی نوع انسان کو عطا کر دیا ہے لہذا اب قیامت تک نہ کسی نئے پیغام کی ضرورت ہے اور نہ کسی نئے پیغمبر کی قرآن مجید

خاتم الکتب ہے اور ہمارے رسولِ پاک خاتم الرسل قرآن مجید یعنی کلام الٰہی میں، اصول اخلاق، طریقِ فکر، طرزِ عبادت نظامِ معاشرت اور آئینِ سیاست سب کچھ موجود ہے۔ قرآنِ مجید فی الحقیقت ضابطۂ اخلاق بھی ہے اور ضابطۂ معاشرت بھی ہے۔

تعلیمِ قرآنی بنی نوع انسان کی زندگیوں کے جملہ امکانی پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بنی نوع آدم کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اور اس کی روحانی اخلاقی و ذہنی ترقی کے لئے کسی دوسرے ضابطہ اور دستور العمل کی مطلق ضرورت نہیں۔

مگر تعلیم قرآنی پر ہم جب ہی صحیح طور پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں کہ قرآن شریف کے معانی و مطالب کو اچھی طرح سمجھیں اور غور سے پڑھیں۔ پنجاب و ہندوستان میں قرآن شریف کو عام طور پر بغیر ترجمہ کے ہی احکام خداوندی اور ثواب سمجھ کر پڑھا جاتا ہے۔ مسلمان خواتین کے لئے ایسے مدارس جہاں قرآن شریف کا درس و تدریس اور اس کے مطالب و معارف بوضاحت سمجھائے جاتے ہوں جہاں تک میرا خیال ہے سوائے مدرستہ البنات جالندھر کے شاذ ہی ہیں۔

مسلمان خواتین کے لئے یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ جناب قبلہ شیخ محمد اکرام صاحب نے قرآن مجید کے سب مطالب کو وضاحت کے ساتھ اردو میں جامہ زیبی کا قصد فرمایا ہے۔ تاکہ مسلمان خواتین کو تعلیم قرآنی کی طرف راغب کریں اور ان کے دل میں شوق عمل کا جذبہ پیدا ہو۔ اس مستحسن اقدام کے لئے قبلہ شیخ صاحب مستحق مبارکباد ہیں اور مسلمانوں کو ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ انیسِ نسواں کا مقصدِ اوّلین خواتین کو مذہب کی طرف متوجہ کر کے تعلیم قرآنی کے مطالب و معارف کی وضاحت کرنا ہے دعا ہے کہ خداوند کریم مسلمان خواتین کے دل میں قرآنی تعلیم پر عمل کرنے کا جذبہ اور شوق پیدا کرے آمین!

گلشن افروز بیگم

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود — ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود — یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو — تم سبھی کچھ ہو۔ بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

"اقبال"

اسلام اور عورت

(۳)

یہیں پر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری لاعلمی اس قدر بڑھ گئی ہے اور ہماری سرشت میں دوسرے مذاہب کے تمدن کا اتنا گہرا اثر ہو گیا ہے۔ کہ آج ہندوستان میں جو پردہ رائج ہے اُسے ہم اسلامی تمدن کا جزو سمجھ رہے ہیں۔ چونکہ پردہ کی تاریخ پر میں ایک مستقل کتاب لکھ رہا ہوں اس لئے یہاں اس پر مجملاً بحث کروں گا۔ عورتوں کو گھروں میں بند رکھنا ہندوستان کا قدیم دستور تھا اور ذاتوں کی تقسیم کے ساتھ ساتھ شریف عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا بند کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ مسز ایف سی داس اپنی کتاب موسومہ پردہ کے صفحہ ۵۰ پر لکھتی ہیں کہ:۔

"ہم مہابھارت میں عورتوں کے گھروں میں بند رہنے کے آغاز پاتے ہیں لیکن اس زمانہ میں پردہ شاہی گھرانوں میں محدود تھا اور تمغۂ شرافت سمجھا جاتا تھا نہ کہ نشان بے اعتباری۔ سیتا کے متعلق یہ فقرہ ملتا ہے کہ اُن کی جھلک دیوتاؤں نے بھی نہ دیکھی تھی اور وہ عوام کی نگاہوں سے خوف کھاتی تھیں۔

راماین سے ایک جگہ اور اس کا ثبوت ملتا ہے کہ جب سیتا کا زیور جنگل میں ملا تو رام نے لچھمن سے پوچھا کہ تم کہہ سکتے ہو کہ یہ سیتا کا زیور ہے یا نہیں۔ اس پر لچھمن نے کہا کہ میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا صرف تہوار کے دن اُن کے پیر چھوئے ہیں۔

مہابھارت سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں پردہ موجود تھا چنانچہ جب پانڈو دروپدی رانی کو بازی میں ہار گئے اور کورو انھیں گھسیٹ کر لے جانے لگے تو دروپدی نے سناتن دھرم کی دہائی دے کر کہا کہ مجھے تو آج تک کسی نے دیکھا نہ تھا آج میری کیسی بے حرمتی ہو رہی ہے

بالکل اسی قسم کے پردہ کا ثبوت کوٹلیا کے ارتھ شاستر میں ملتا ہے جو تین سو سال قبل سنہ عیسوی میں لکھی گئی۔ چنانچہ ارتھ شاستر مترجمہ شام شاستری کے صفحہ ۱۸۸ میں جو اصل کے صفحہ ۱۲۷ کا ترجمہ ہے اس کا واضح حوالہ موجود ہے۔ اور پروفیسر این این لا کی کتاب قدیم ہندو معاشرت کے صفحہ ۱۴۴ میں بھی اس کا ذکر ہے آگے چل کر جو حالت ہوئی اُس کا ذکر مسز داس نے اپنی کتاب پردہ کے صفحہ ۳۰ میں منوشاستر کے قوانین کا ذکر کرتے ہوئے عورت کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی رات دن ہمہ وقت حفاظت کرنی چاہیے۔ اس لئے کہ یہی ایک ذریعہ نسلی شرافت کے تحفظ کا ہے۔ بعد کو یہ عقیدہ اس حد تک رائج ہوا کہ ایک مصنف نے نہایت ہی وضاحت کے ساتھ لکھا کہ عورت کی عصمت کسی کیساتھ میل جول نہ ہونے سے ہی محفوظ رہ سکتی ہے ورنہ شرم وحیا یا راست بازی یا عصمت کا خیال کوئی چیز اس میں حائل نہیں ہے مسٹر این سی مہتہ آئی سی ایس اپنی کتاب ہندو تمدن پر اسلام کا اثر میں صفحہ ۱۸ پر لکھتے ہیں کہ یہ یقیناً غلط ہے کہ اس ملک میں پردہ مسلمانوں کا لایا ہوا ہے۔ عورتوں کو پردے میں رکھنا قدیم اقوام میں پایا جاتا ہے۔ اور ہندو تمدن کے عروج میں خاص کر شرفا میں پردہ بہت ہی سخت تھا۔ یہ کہنا غالباً زیادہ صحیح ہوگا کہ مسلمانوں نے اس ملک کے رواج کو اختیار کیا اور اس زمانہ میں جو چیز شرافت کا امتیاز سمجھی جاتی تھی اُسے قبول کر لیا۔

اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ یہ پردہ جو آجکل ہندوستانی مسلمانوں میں رائج ہے اسلامی پردہ نہیں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اُن کے صحابہ یا تابعین کے وقت میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے اگر اسلام میں عورتوں کا بے پردہ ہونا ناجائز ہوتا تو بے پردگی کی کوئی سزا مقرر کی جاتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اُن کے خلفا یا اُس کے بعد کی اسلامی سلطنتوں میں ایک مثال بھی ایسی ملتی ہے جس میں کسی عورت کو باہر نکلنے یا بے پردہ ہونے کے جرم میں سزا دیگئی ہو۔ ہمارا موجودہ پردہ بالکل ہندوؤں کے یہاں سے لیا گیا ہے جن کے مذہبی اصول عورت کو نظر اشتباہ دیکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اور جن کے بزرگوں کا قول ہے کہ زہریلے سانپ پر، طغیانی پر، مست ہاتھی پر، شکار کی تلاش میں پھرتے ہوئے شیر پر، موت کے فرشتے پر، چوڈا کو

اور قاتل پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے لیکن جو شخص عورت پر بھروسہ کرے گا وہ یقیناً خسارہ میں رہے گا۔
اسلام اس بے اعتمادی کے جذبہ سے بہت بلند تھا جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے۔ اس لئے اسلامی تعلیم میں صرف زینت کو چھپانے عصمت کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا اور منہ چھپانے یا گھر میں بند رہنے کا کہیں حکم نہیں ہے چنانچہ عورت کو دیکھ کر مرد کو نگاہ نیچی کر لینے کا جو حکم دیا گیا ہے اسی سے صاف ظاہر ہے کہ عورتوں کو منہ ڈھانکنے کا حکم نہ تھا اور نہ وہ منہ چھپاتی تھیں۔ نہ انھیں گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت تھی۔ قرآن کریم کی آیات اور متواتر و متعدد احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں نماز پڑھنے مسجد میں جاتی تھیں اور نماز کی حالت میں تو منھ پر کپڑا ڈالنا جائز ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک حدیث میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک صحابی نے اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے منع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ناپسند کیا۔ چند احکام خاص رسول کریم کی ازواج مطہرات کے لئے ہیں لیکن ان میں بھی کہیں منہ چھپانے کا حکم یا گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت نہیں ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ازواج مطہرات برابر باہر نکلتی تھیں۔ اور چہرہ کھلا رکھتی تھیں۔ اس کا یہی کافی ثبوت موجود ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمان جنگوں میں اپنی عورتوں کو ساتھ لے جاتے تھے جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور مردوں کو شجاعت کی ترغیب دیتی تھیں۔ اس کے علاوہ تاریخ شاہد ہے کہ بغداد و قرطبہ وغیرہ میں بعض بڑی بڑی قابل عورتیں گزری ہیں جو اپنے علم اور فضیلت میں ضرب المثل رہی ہیں ان میں سے اکثر مدارس میں تعلیم دیتی تھیں اور عام جلسوں میں بحث و مباحثہ اور تقریر کرتی تھیں۔ اور اس زمانے کے ارباب علم و فضل ان سے ملنے بھی جایا کرتے تھے انہی مذہبی شہادتوں کی موجودگی میں عورت کی حیثیت اور حقوق کسی شک و شبہ کے محتاج نہیں رہتے اور جس اسلامی تعلیم کا اس سے نمونہ ملتا ہے وہ اصول فطرت کے بالکل مطابق ہے اس لئے کہ مرد و عورت کے قوائے فطری میں اختلاف کے باوجود ان کے قوائے ذہنی میں یکسانیت ہے اور اگر عورت کا مقصد حیات محض مرد کے لئے نسل پیدا کرنے کا ہوتا تو قدرت اتنا اسراف نہ کرتی۔

اسی طرح اگر عورت کا فرض محض مرد کی خدمت ہوتا تو اُسے انسانی شکل دینے کے بجائے مشین

کی سی شکل دیجا سکتی تھی۔ جو لوگ عورت کی حیثیت ادنےٰ بتاتے ہیں وہ اس کی دلیل میں الرجال قوامون علی النساء کی آیت پیش کرتے ہیں لیکن ایسے حضرات سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں قوامون سے مدعا حفاظت و کفالت کا ہے اور یہ ذمہ داری مردوں کے سر ڈالنا عورت کی قدرتی ساخت کے لحاظ سے عین مقتضائے فطرت ہے۔ لیکن اس سے عورت پر مرد کی فضیلت کسی طرح عائد نہیں ہوتی علاوہ بریں نظام معاشرت اگر مناسب اصول پر رہے تو عورت کی کفالت مرد پر لازم رہے گی لیکن مرد عورت کے قوائے ذہنی اور دل و دماغ کی یکسانیت اس کی متقاضی ہے کہ دونوں کے حقوق میں مساوات ہو۔ فلسفہ وراثت کے اصول بتاتے ہیں کہ ہر پیدا ہونے والے بچے میں کچھ خصوصیات ماں کی اور کچھ باپ کی ہونا لازمی ہیں۔

مردوں کی خلقت کا انداز قدرتی بتاتا ہے کہ عورت مرد کی ہم جلیس اور رفیق حیات ہے اور یہی مرتبہ اسلام نے اُس کو دیا اور تمام مذاہب اور رسوم قدیمہ کے برخلاف عورت و مرد کے حقوق برابر کر دئیے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان خواتین علم و فضل تدبر حسن انتظام سیاست دانی اور رزم و بزم کے میدان میں مردوں کے دوش بدوش رہیں۔ اور قومی نظم و قوت میں دوہری جان ڈالدی اور آج مسلمان عورتوں کو گھروں میں بند کر کے ان تمام ترقیوں سے محروم ہو گئے اس لئے کہ ان کی قومی زندگی کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔

کلام لسان العصر

ڈاکٹر نجم الدین احمد جعفری

بٹھائی جائیں گی پردہ میں بیبیاں کب تک　　بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک

طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں　　یہ غیرتیں یہ حرارت یہ گرمیاں کب تک

حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی　　تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک

عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ و انٹر میں　　سکنڈ و فرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کب تک

جناب حضرت اکبر ہیں حامیٔ پردہ
مگر وہ کب تک اور ان کی رباعیاں کب تک

اکبر الہ آبادی

بھولا ہوا سبق

(۲)

مسلم خاتون! تو وہ وقت یاد کر اور خدا کا شکر کر کہ تو ایک ذرّہ تھی اور آفتاب بن کر چمکی تو تحت الثریٰ میں گری ہوئی تھی لیکن معراج تک پہنچی۔ تو ایک جانور بے زبان متصور ہوتی تھی لیکن تجھ کو انسان کے برابر مسند پر جگہ ملی۔

مسلم خاتون! تری قدر بانیٔ اسلام نے پہچانی تھی۔ تیرے ہی ذریعہ سے مسلمانوں میں اسلامی روح پھونکی گئی تھی۔

مسلم خاتون! تری رفاقت ازلی اور ابدی تھی لیکن تیرے ساتھ غفلت برتی گئی اور تجھ کو ایک بیکار شے سمجھا گیا۔ مسلمان آج اسی غفلت کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ادبار کی گھٹا چھائی ہے۔ تنزل کے گہرے گڑھے میں ایسے گرے ہیں کہ اُبھرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

مسلم خاتون! اللہ نے تجھ کو گِرتوں کو سنبھالنے والی بنایا ہے تجھ کو ہی ڈوبتوں کا سہارا بنایا۔ افسردہ اور بے جان دلوں میں جان تیرے ہی دم سے ہے۔ شکستہ دلوں کی تو ہی آس ہے اور غمگین دلوں کی تو ہی تسکین ہے۔

مسلم خاتون! بدنصیب قوم کی زندگی کا ساز تیرے پیہم مضراب کا محتاج ہے۔ قوم کے مردہ جسم میں روح تو ہی پھونک سکتی ہے۔

مسلم خاتون! مردوں کے کوہ شکن ارادے اور ہنگامہ خیز ولولے تیرے ہی اصرار کے منتظر ہیں مردوں کے عزم میں استقلال اور اُن کے بے حوصلہ دلوں میں ہمّت پیدا کرنا اب تیرا ہی کام ہے۔

مسلم خاتون! تو مردوں کو گھروں میں اُس وقت تک چین نہ لینے دے جب تک وہ اپنی کاہلی اور

اور کوتاہ ہمتی کو خیرباد نہ کہہ دیں۔

مسلم خاتون! تو بھی شیشے کے مکان میں رہنا چھوڑ دے تو محض ظاہری آرائش کے سامانوں میں فنا ہو جانے کے لئے پیدا نہیں ہوئی۔ تو بھی اپنے فرائض کا احساس کر اور اپنے مقصد حیات کو سمجھ!

مسلم خاتون! تو اپنے آغوش میں ایسے مسلمان بچوں کی پرورش کر کہ اسلام کی تربیت کا جوش اُن کی رگ رگ میں دوڑ جائے اور وہ مذہب کے سچے دیوانے اور اسلام کے پروانے ثابت ہوں۔

مسلم خاتون! تو اپنے بچوں کو وہ دودھ پلا جو رسول صلعم کی بیٹی نے اپنے بچوں کو پلایا تھا جو خون شہادت بنکر اسلام کو زندہ کر گیا۔

مسلم خاتون! وہ بچے قوم کی نذر کر جو خالد کی تلوار سنبھالیں۔

مسلم خاتون! یہ سب کچھ اسی وقت تو ہو سکتا ہے کہ تو اپنا بھولا ہوا سبق یاد کرے اور مردوں کو بھی کتاب ہدا پر عمل کرنے کے لئے مجبور کر دے۔

محمد اکرام

مردِ مسلماں

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن — گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ہمسایۂ جبریل امیں بندۂ خاکی — ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قدرت کے مقاصد کا عیار اسکے ارادے — دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم — دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

فطرت کا سرودِ ازلی اُس کے شب و روز — آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمان

بنتے ہیں مری کارگہ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

حضرت اقبالؒ

شہادت حسین علیہ السلام سے سبق!

تاجدارِ شہادت۔ فرزا امت حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہما نے حق کی حمایت میں جو اعلیٰ اور مقدس یادگار قائم کی وہ روحانی صداقت کی بے نظیر مثال ہے۔ ہزاروں برس گذرے مگر دنیا آج تک اُس ذبح عظیم سے سبق حاصل کر رہی ہے اور ہمارے دینِ اسلام نے اِس ایثار کی بدولت حرمت و بلندی پائی۔ فاطمہ کے لال۔ رسول پاک کے جگر گوشہ حضرت حسینؑ کا صبر۔ استقلال۔ سچائی اور فقر و ضبط، دنیا بھر کی ظالمانہ قوتوں۔ ملوکیت اور شہنشاہیت کے مقابلہ میں کامیاب ہوا اور ہمیں اس کا سبق دیا کہ ظلم و ریا کاری۔ لالچ اور زر پرستی کی ہمیشہ ہار ہوتی ہے اور سچائی کی جیت۔ علامہ اقبال مرحوم کی زبان میں یوں سمجھئے۔ ؎

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری　　اک فقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہانگیری

اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری　　اک فقر سے مٹی میں خاصیتِ اکسیری

اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری

میراث مسلمان ہے سرمایۂ شبیری

حضرت شبیر کا فقر آپ کی بے نظیر قربانی ہے مسلمان کے لئے وہ لازوال میراث ہے جس پر قیامت تک ناز کیا جائے گا۔ اور اس مقدس ایثار کی پیروی ہی ہمارا ایمان ہے۔

اللہ اللہ! حضرت حسین علیہ السلام نے یزید کی شہنشاہیت اور ظالمانہ حکومت کے خلاف حق و صداقت کا علَم بلند کیا۔ اپنے پیارے نانا جان کی اُمت کو جبر و ستم سے چھڑانے اور سچائی کا راستہ دکھلانے کے لئے شہادت کا جام نوش فرمایا۔ اور اس صبر و شکر سے کہ لبِ مبارک پر خدا کا نام اور امت کے حق میں دعائے خیر کا کلام تھا اور بس!

حضرت امام حسین اور ان کے اہلِ بیت کی شہادت سے دنیا بھر کو اک سبق ملتا ہے جو کسی خاص دین

یا عقیدہ کے لئے ہی مخصوص نہیں۔ یعنی حضرت امام معصوم نے جبر وظلم کی حکومت کو حق و صداقت کی خاطر گوارا نہ فرمایا اور مظلوم بچوں پر ظلم نہ ہونے دیا۔ یہ جنگ سچائی کی جنگ تھی۔ حضرت حسین اُن کی اُمت اور یزید کا مقابلہ سچائی اور جبر و فریب کا مقابلہ تھا۔ جس میں ظاہر بین نگاہوں نے انجام میں جو دیکھا کہ یزید نے فتح پائی۔ حقیقت یہ نہیں، فتح سچائی کی ہوئی۔ اور شہادتِ حسین کے بعد دنیا پر ثابت ہوگیا کہ جبر وستم کی حکومت کو کبھی قیام نہیں۔ بقول شاعر

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کربلا کا یہ اہم ترین واقعہ دنیا بھر کے لئے ایک ایسی زندہ مثال ہے کہ آنیوالی قوموں نے جہاں بھی حکومت کے جبر وستم اور ملوکیت کی سختیوں کے خلاف آواز بلند کی وہ درحقیقت پیروی ہے اُسی سچے شہید کربلا کی۔ جس نے اُمت کو ظالم حکومت کے فریب سے آزاد کرانے کے لئے اپنی اولاد کو قربان کیا اور خود بھی شہادت پائی۔ اس صبر و رضا کی کہیں مثال مل سکتی ہے؟ اس ایثار و قربانی کو دیکھ کر دنیا کانپ اُٹھتی ہے۔ کربلا کے تپتے ہوئے ریتلے میدان کا ذرہ ذرہ شاہد ہے۔ زمین و آسمان سے آگ نکل رہی تھی۔ چرند و پرند العطش! العطش! پکار کر دم توڑ رہے تھے اور اس جلتے تپتے وقت میں کوفیوں نے رسولِ خدا کے جگر گوشوں پر پانی بند کیا۔ مگر حق کے پیاروں نے صبر و شکر سے اس سختی کو جھیلا اور اُف تک نہ کیا۔ کس دل سے اس قیامت کے منظر کو بیان کیا جاسکتا ہے۔

دشمن۔ دین و ایمان کے دشمن شہنشاہِ عرب کی جان کے دشمن۔ گلستانِ حسین کو اُجاڑ رہے تھے۔ خاصانِ خدا اور رسول حق پر فدا ہو رہے تھے۔ حضرت حسینؑ۔ شاہِ دین حسینؑ۔ دین پناہ حسینؑ، پیارے بھائی کو رو چکے تھے۔ بھتیجے کو کھو چکے تھے۔ عزیز بھانجے بھی حق پر قربان ہو چکے تھے۔ اب صرف حضرت علی اکبرؑ وہ علی اکبرؑ جو ہمشکلِ پیمبر اور عادت و اخلاق میں ہم پایۂ شبیرؑ جرأت و دلیری میں ہم پایۂ فاتح خیبر تھے۔ اس گلستانِ دین کا صرف یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا

وہ اب اپنے بزرگ باپ حضرت حسینؑ کے سامنے آتے ہیں اور دشمنوں کے سامنے جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ حضور امام دو جہاں کو خبر ہے کہ یہ قوتِ بازوئے حسین یہ آخری چشم و چراغ رسالت اس معرکہ سے بچکر واپس نہیں آسکے گا۔ شامیوں کے جبر و سختی اور دغا کی مثالیں حق پرستوں کی لاشیں سامنے ہیں۔ اسوقت ہر صاحبِ اولاد اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کے انصاف کرے اور سوچے کہ اس ہنگامہ میں پیاری اولاد سینہ سے لگانا پسند کرے گا یا تیر و تلوار کے سامنے جانے کی اجازت دیگا کون نہیں جانتا کہ ؏

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر!

لیکن اس کے باوجود دل لرز جاتا ہے جب حضرتِ حسینؑ کے صبرِ عظیم کی مثال سامنے آتی ہے۔ آپ لختِ جگر کو مرضئ حق کے سپرد کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ "جان پدر۔ میں جانتا ہوں یہ آخری شمع گُل ہونے والی ہے۔ اس کے بعد دنیا اندھیر ہو گی سمجھتا ہوں تم باپ کی بے گور و کفن لاش نہیں دیکھنا چاہتے۔ مجھ سے پہلے اسی لئے رن کو جا رہے ہو۔ ارمان تو یہ تھا کہ تمہارے پیارے ہاتھوں سے کفن پہنتا۔ مگر خدا کی جو مرضی! تم پیارے ہو لیکن نانا جان کی امت تم سے زیادہ پیاری ہے۔ جاؤ! ؎

مرنے کی رضا دیتا ہوں ہمشکل نبی کو،
امت سے زیادہ نہ کروں پیار کسی کو

آخر لختِ جگر کو رخصت فرماتے ہیں اور کچھ دیر بعد اُسی کربلا کے تپتے ہوئے ریگزار میں بھوکے پیاسے جگر گوشہ کو دم توڑتے ملاحظہ فرماتے ہیں۔ لیکن آنکھوں میں آنسو تک نہیں۔ اللہ اللہ! یہ صبر و تحمل یہ ضبط و شکر۔ اس ہوشربا وقت میں بھی آپ خدا کے حضور میں اُمت کی بخشش کے لئے دعا مانگ رہے ہیں اور فرماتے ہیں۔ ؏

اُمت کے تو بخشانے کا نانا سے ہے اقرار

اس صبر و رضا۔ اس استقلال اور اس احسانِ عظیم سے جو سبق ملتے ہیں۔ ان کی تفصیل کہاں

ممکن ہے۔

آج حضرت امام حسین کی شہادت کو تیرہ سو برس کے قریب مدت گزر چکی ہے مگر دنیا کا ہر باعلم اور ذی فہم انسان اس بے نظیر قربانی، اس زندۂ جاوید ایثار کے سامنے سرِ تسلیم جھکا دیتا ہے اور اس یادگارِ عظیم کو شمعِ ہدایت سمجھتا ہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے فاتحین نے یہ مرتبہ نہ پایا جو حضرت حسین علیہ السلام کو ان کے بے مثال ایثار کی بدولت خداوند کریم نے بخشا۔ یہی وہ سچا سبق ہے جس کو سیکھنے سمجھنے اور عمل کرنے کی آج ہماری قوم کے ہر فرد کو ضرورت ہے۔ اور افسوس ہے کہ آج اسی کو ہم نے بھلا دیا ہے۔ اسی لئے موت کا سا سکوت ہم پر چھایا ہوا ہے۔ ورنہ سید الشہدا نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمیں زندہ رہنا سکھایا۔ اور سچائی کا پاک اور سیدھا راستہ دکھایا۔

اہلِ بیتِ رسول پر کربلا کے معرکہ میں کیا کیا ستم ہوئے۔ کون نہیں جانتا سب سے زیادہ عبرت کے قابل اُن کی مقدس خواتین کا صبر و تحمل ہے۔ جو مردانہ وار دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہیں۔ اُن پاک بیبیوں نے اپنے مجاہد مردوں کی ہمتیں بڑھائیں۔ جوشِ غیرت سے اُن کے حوصلے بلند کئے۔ اور سچائی کے جوش نے انھیں سرخرو کیا۔ ایک نہیں ہزاروں مثالیں کربلا کے میدان میں دیکھی گئیں۔ جنھیں سُن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ عبداللہ کلبی لشکر حسین کی طرف سے لڑتے لڑتے زخمی ہوتے ہیں۔ اُن کی پانچوں انگلیاں کٹ جاتی ہیں۔ ابن زیاد کے سپاہی انھیں گھیرے ہوئے ہیں۔ اسوقت جناب عبداللہ کی بیوی قمر لکڑی لے کر دوڑتی ہیں اور کہتی ہیں۔ " میری جان تم پر صدقے! رسول کے جگر گوشہ پر فدا ہو جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ " پھر جب عبداللہ شہید ہو جاتے ہیں اور حضرت حسین علیہ السلام بیبی قمر کو صبر کی تلقین فرماتے ہیں تو وہ خوش ہو کر کہتی ہیں۔ " اُس نے حق پر جان دی۔ مجھے اس کی خوشی ہے۔ میرے سو بیٹے بھی ہوتے تو حضور پر قربان کر دیتی "۔ اور اس کے بعد اپنے پیارے بیٹے کو لڑائی پر بھیجتی ہے۔ یہ سب کیا تھا؟ حق و صداقت کا جوش۔ اسی طرح اہلِ بیت کی سب بیبیوں نے صدق و صبر کی بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ حضرت بی بی زینبؑ نے جب اپنے

بچوں کی لاشیں خیمہ میں آتے دیکھیں تو پہلے خدا کی جناب میں شکرانہ کے دو نفل ادا کئے کہ الٰہی تو نے میرا نذرانہ قبول فرمایا پھر صبر و شکر سے جگر پاروں کی لاشوں کو دیکھا۔ یہ وہ ایثار و قربانی کا زندۂ جاوید سبق ہے جو اسلامی بہنوں کو عزم و ثبات سکھاتا ہے۔ کاش ہم سب میں یہ خلوص جوشِ عمل اور اسلام کی حقیقی صداقت پیدا ہو، حضرت امام حسین علیہ السلام کی شجاعت۔ بے مثل صداقت اور ایثار پر دنیا کا ہر فرد خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔ یہاں ایک مشہور مورخ جیمس کا کرن کے وہ الفاظ میرے سامنے ہیں۔ جو اُس نے اپنی کتاب "تاریخِ چین" میں لکھے ہیں۔ کہتا ہے :۔

"دنیا میں رستم کا نام بہادری میں بہت مشہور رہے لیکن کئی شخص ایسے گذرے ہیں جن کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ اول درجہ میں امام حسینؑ کا مرتبہ بہادری میں فخر کیونکہ میدان کربلا کی ریت میں بھوک پیاس کی تکلیف اُٹھا کر جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اُس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لے گا جس نے تاریخ کا مطالعہ نہ کیا ہو۔ کس کے قلم میں طاقت ہے جو امام حسینؑ کا حال لکھے۔ کس کی زبان میں قدرت اور بلاغت ہے جو اُن بہتر بزرگوں کی ثابت قدمی۔ بہادری اور شجاعت اور تیس ہزار خونخوار شامیوں کے جواب دینے اور ایک ایک کر کے قربان ہو جانے کے حال میں مناسب تعریف لکھ سکے۔"

اس حق پسند مورخ کی اس رائے پر صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ بلاشبہ کسی انسان کی طاقت نہیں کہ اس بے مثال شہادتِ کبریٰ کی حقیقت بیان کر سکے۔ اب ہم صرف یہی دعا کر سکتے ہیں کہ خدائے کریم و رحیم ہماری قوم کے شیرازہ کو شہدائے کربلا کے صدقے میں متحد کرے۔ ہمیں اُس ایثار عظیم کی پیروی کی توفیق بخشے! اور اس حقیقی شجاعت۔ ہمت و جوشِ عمل سے ہماری بہنوں اور بھائیوں کو جاگنے کی قدرت عطا کرے۔ جو عرب کے ریگستان میں شہدائے کربلا اور ائمۂ معصومین نے گنہگار امت کی خاطر دکھائیں۔ سلام ہو اُس سید الشہدا ر امامِ ہدیٰ پر جس نے دینِ مبین کو آزادی بخشوائی۔

کشور زمانی بیگم رحمان

ہماری معاشرت پر حملے

آج کل تو وہ زمانہ گذر رہا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ بات بات میں نت نئی وضع نکلتی ہے وہ سانگ دیکھنے میں آتے ہیں جن کا پہلے سان گمان بھی نہ تھا۔ جو بات دیکھو نئی۔ جو فیشن دیکھو انوکھا۔

لباس تو خیر ہر زمانہ میں بدلتا رہا ہے اور ہر ہر ملک کا جدا لباس مگر لباس کے فیشن کو کہیں قرار نہیں۔ پنجاب کی شلوار اور بمبئی کی ساڑھی نے وہ قبولیت عام حاصل کی ہے کہ دہلی کے چوڑیدار اور ڈھیلے پاجامے کی پرسش ہی نہ رہی خیر نہ سہی اسی لئے اسلام نے کوئی لباس مقرر نہیں کیا اور نہ اس میں دخل دیا البتہ اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ضرور ہے کہ لباس ایسا ہو جس سے پورا ستر ہو موجودہ زمانے کی نیم عریانی تو جائز نہیں شیخ سعدیؒ بھی یہی فرما گئے ہیں کہ در عمل کوش ہر چہ خواہی پوش۔ عمل نیک ہونے چاہئیں لباس کوئی سا ہو۔

یہ تو نہ ہو کہ کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔ کس کس بات کو روئیں لباس ہی تو جیا سوز زبان ہے تو بگڑی ہوئی آدھا تیتر آدھا بٹیر نہ تو انگریزی ہی آئی اور نہ اُردو ہی سیکھی عربی فارسی کا تو کیا ذکر ہے۔ بھلا کوئی آجکل کی خود سر لڑکیوں سے پوچھے کہ تمہیں ہو کیا گیا ہے جو اپنی روش چھوڑ کر دوسروں کی چال سیکھتی ہو پہلے تو سارا وقت بُرے بُرے ناولوں کی نذر ہوتا تھا اب ناولوں کی کمی ہوئی تو عشقیہ کہانیوں اور افسانوں کا شوق ہوا ہے وہی کتاب پسند ہوتی ہے جس میں گندے افسانے ہوں۔ سنا اور ریڈیو کی بدولت تو ہماری معاشرت اور اخلاق کا ستیاناس ہو گیا۔ ریڈیو کے صدقے وہ وہ گانے اور وہ وہ ڈرامے شریفوں کے گھروں میں گھس گئے کہ زبردستی ان کے اخلاق پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔ کیا کیا گانے سننے میں آتے ہیں خدا کی پناہ شریف زادیاں یہ چیزیں کیا جانیں۔ ریڈیو کو ڈرامے کہیں سننے کے ہوتے ہیں۔ اسی ریڈیو کے ذریعہ سے اچھے اچھے مضامین پر مفید تقریریں

بھی ہوتی ہیں مگر گانے اور ڈرامے اصلاح طلب ہیں۔ سنا ایک دوسری بلا ہے۔ شریف زادیوں کو انہیں کو دیکھ کر شرم آنی چاہیئے۔ ہماری سوسائٹی میں جس قدر خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ اسی سنا کی بدولت شریفوں کی لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اگر اسٹیج پر آکر ناچنے لگیں تو ایسی تعلیم کو ہمارا دور ہی سے سلام ہے خدا ہم کو جاہل ہی رکھے۔ ہم اس بے حیائی کی زندگی سے موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا اسلام اس بے حیائی کی اجازت دیتا ہے کیا الحیا من الایمان اسی بے غیرتی کا نام ہے کیا مسلم خواتین کے لئے بھی ناچ گانے میں امتیاز حاصل کرنا باعثِ فخر ہے؟ ہندؤں کی تہذیب میں ناچ گانا جائز ہو تو وہ سیکھیں مسلمان عورتوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ خدا اور رسول کے حکم کو پسِ پشت ڈال کر دوسری قوموں کی ریس کریں۔ ابھی حال میں کتنی لڑکیوں نے سنا کے تماشے دیکھ کر اپنے ماں باپ کے گھر چھوڑ کر فرار کی راہ لی۔ یہ واقعات ابھی حال میں اخبارات میں چھپے ہیں میں کیا دہراؤں غضب خدا کا کہ تماشہ دیکھنے جو گھر سے آئیں تو پھر گھر واپس نہیں گئیں۔ سینما کے ذریعہ سے جو فیشن پھیلتا ہے اس کی تقلید یورپ والیاں کریں تو کریں ہندوستان میں یہ وبا کیوں پھیلے خدا ان فلم والیوں کا سایہ بھی ہم پر نہ ڈالے۔

میں تو یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ انیسِ نسواں ان سب خرابیوں کی روک تھام کے لئے جاری ہوا ہے خدا اس کو برکت دے اس کی اشاعت میں ترقی ہوگی تو مسلمانوں کا اپنا نفع ہے۔ قرآن مجید میں سے کیا کیا موتی چن چن کر شایع کر رہا ہے۔ مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ غور سے پڑھیں۔ ایسے رسالے کی بہت قدر افزائی ہونی چاہیئے۔

ابھی بہت سی باتیں ہیں جو مجھ کو کہنی ہیں میں کہے بغیر نہیں رہوں گی کسی کو اگر ناگوار ہوں تو مجھ کو معاف فرماویں۔ میں ایڈیٹر صاحب کی بھی شکر گزار ہوں گی گر وہ مجھ کو انیسِ نسواں کے ذریعہ سے اپنے ارمان نکالنے دیں۔ میں صاف صاف اور کھری کھری سنانا چاہتی ہوں مگر کسی کی دل آزاری کرنا نہیں چاہتی۔

ا۔ب صاحبہ (از دہلی)

مشرقی اور مغربی تہذیب کا تصادم

مشرقی تہذیب و تمدن جاں بلب ہے۔ گذشتہ تیس برس میں اُس تہذیب کا جو غدر سے پہلے تھی رفتہ رفتہ خاتمہ ہو رہا ہے۔ اور ایک نیا دور آ رہا ہے۔ اب ایسے لوگ خال خال نظر آتے ہیں جو قدیم مسلمانی اور مشرقی روایات کے حامل تھے۔ آجکل کے نوجوانوں نے آنکھ کھول کر جو گھر میں دیکھا تو کوٹ پتلون میز کرسی۔ نہ نماز نہ روزہ۔ صبح نو بجے سو کر اُٹھنا۔ ننگے سر رہنا۔ نہ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا لحاظ۔ برابری اور ہمسری خود مختاری اور ہماہمی۔ اسی کا نام موجودہ تہذیب ہے۔ اور اسی پر ہمارے نوجوان جان دیتے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو انہیں اُن کا بھی قصور نہیں پہلے زمانے میں اگرچہ کتابی تعلیم کم تھی لیکن ذاتی تربیت پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ اور اُس تربیت ہی کا نام تہذیب تھا۔ اُس تربیت کا سبق یہ تھا کہ اپنے نفس کو مارنا چاہئے۔ خود ایثار کر کے حاجتمند کی امداد کرنا چاہئے۔ عجز و انکسار بزرگی کا زیور ہے۔ جُز رسی و قناعت مفلسی کے عذاب سے بچنے کی سہل ترکیب ہے تابعداری اور فرمانبرداری سے ترقی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ خوفِ خدا اور احکامِ الٰہی گمراہی سے بچاتے ہیں۔ لیکن اب کیا سکھایا جاتا ہے نفسِ امّارہ کی پرورش کرو اس میں اقتصادی ترقی کا راز مضمر ہے کوئی کسی کی مدد نہ کرے کیونکہ خدا اُس کی ہی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرے۔ فخر و تعلّی سے لوگوں کو مرعوب کیا جائے۔ اپنا خرچ بڑھاؤ تاکہ زیادہ روپیہ بنا سکو۔ قناعت سے کبھی کام نہ لو کیونکہ انسان کو منہ مانگی قیمت ملتی ہے اگر قلیل آمدنی یا تنخواہ میں گزر کر لیا تو ساری عمر مفلسی میں گزرے گی کسی کا حکم ماننا اپنی قوتِ ارادی کو کمزور کرنا اور دوسروں سے مغلوب ہونا ہے۔ تابعداری کے معنی غلامی کے ہیں۔ ہر انسان آزاد پیدا ہوا ہے اس لئے جو جی میں آوے کرے۔ خدا سے ڈر کر یا احکامِ الٰہی کی پابندی کر کے ثواب نہیں ملتا۔ نیکی اُس کو کہتے ہیں کہ اُسے نیکی سمجھ کر کرے نہ کہ خدا کی خوشی تلاش کرنے کے لئے کرے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ تعلیم مغرب سے آئی جہاں پہلے مشرقی تعلیم کے ذریعہ تہذیب پھیلی تھی یعنی عیسوی تعلیم

مگر مغرب نے مذہب کو چھوڑ دیا اور مادیت کی پرستش شروع کر دی۔ ماہرانِ اقتصاد نے یہ سبق پڑھایا کہ روپے پیسے کے معاملے میں رحم انصاف، آدمیت، شرافت کسی بات کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ دوسرے کو مار کر اُس کا مال غصب کر لینا بالکل جائز ہے اور ترقی کے لئے جو دھوکا دیا جائے بجا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مادیت میں مغرب نے ترقی کر لی ہے اور اُس کی ترقی کو دیکھ کر مشرق کی آنکھیں خیرہ ہو گئی ہیں اور اسی لئے آنکھیں بند کر کے مشرق نے بھی خاص کر ہندوستان نے مغرب کی تقلید شروع کر دی ہے۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آخر مغرب کو ایمان کھونے پر بھی حاصل کیا ہوا۔ اور اس جھوٹی ترقی کا انجام کیا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ مغرب بہت مالدار ہے۔ لیکن کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ چند افراد بہت مالدار ہیں لیکن آبادی کا کثیر حصہ بے روزگاری کی بلا میں مبتلا ہے۔ اور مزید براں یہ کہ حرص و ہوا کی پرورش کرنے کی وجہ سے ایک طرف بے روزگاری اور دوسری طرف بے چینی اور بے صبری کی ناقابلِ علاج بیماری اہلِ مغرب کو فی النار کر رہی ہے اور دنیا ہی میں دوزخ کی سزا دلوا رہی ہے۔ رات دن ملک ملک میں بغاوتیں فساد اور باہمی جنگ کا زور ہے اور وہ دن دور نہیں کہ مادیت کی زبردست قوتوں کا آپس میں ایسا تصادم ہوگا کہ سب غارت ہو جائیں گے پس مسلم نوجوانوں اور مسلم خواتین کو چاہئے کہ مادی تہذیب کی تقلید سے احتراز کریں اور اپنی قدیم تہذیب کو جس کی بنا مذہب و روحانیت پر ہے قائم رکھیں تاکہ پھر ایک دن مغرب کو مشرق سے سبق لینا پڑے۔

مشتاق احمد زاہدی

عورت

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر　　غیر کے ہاتھ میں ہے جوہرِ عورت کی نمود
راز ہے اِس کے تپِ غم کا یہی نکتۂ شوق　　آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اِس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات　　گرم اِسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت　　نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

اقبال رحمۃ اللہ

مسلم خواتین کی تعلیمی پستی

آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر اسلام نے مسلمانوں کی ترقی کے لئے جو قواعد اور آئین مقرر کر دئے تھے وہ اتنا زمانہ گذر جانے کے بعد بھی فرسودہ نہیں ہوئے اِس عرصے میں کوئی اور کامیاب دستورالعمل بھی تجویز نہ ہو سکا۔ زمانہ نے دیکھ لیا کہ جب تک مسلمان اُن زرّین اصولوں پر کاربند رہے ایک دنیا پر حکومت کرتے رہے لیکن جب اُنھوں نے علم وعمل کی طرف سے غفلت برتنی شروع کی اسی وقت سے اُن پر زوال آنا شروع ہو گیا۔

آج کل مسلمان بحیثیت قوم تعلیم میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں۔ پھر بھلا مسلم خواتین کی تعلیمی حالت کیوں نہ پست ہوتی۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ جس قوم کے مذہب میں ہر مرد اور ہر عورت کے لئے علم حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا ہو وہی علم سے بے بہرہ ہو۔ جس مذہب نے اپنے پیرووں کو یہ حکم دیا ہو کہ علم حاصل کرو خواہ کتنے ہی دور دراز ملکوں میں جانا پڑے یہ حکم مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے۔ مگر افسوس اور رنج کی بات ہے کہ اسی مذہب کے ماننے والے دنیا بھر کی قوموں سے پیچھے ہوں۔

اللہ تعالےٰ کا منشا قرآن مجید کی آیات سے صاف واضح ہے کہ عورت اور مرد کی باہمی رفاقت زندگی کے ہر مرحلہ کو آسان کر سکتی ہے۔ مسلمانوں نے جب تک اس اصول پر عمل کیا کامیاب رہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ خواتین نے ترقی کر کے کہاں کہاں مردوں کی رفاقت نہ کی۔ میدانِ جنگ میں وہ ساتھ دیتی تھیں۔ تعلیم میں اُنھوں نے مردوں کو درس دیا غرض اسلامی معاشرت کی ہر روش کو اپنے سلیقے سے ممتاز کیا۔

اسلام سے پہلے جو عورتوں کی حالت تھی اگر غور سے دیکھا جائے تو اب بھی وہی نظر آتی ہے۔ پھر ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اُن تمام ارشادات کی تعمیل فرض سمجھ لی جائے جو قرآن میں جابجا عورت کے بارے میں نازل ہوئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان احکام کے نازل ہوتے ہی سب سے پہلے عورتوں کی تعلیم کی طرف توجہ فرمائی صحابی مقرر فرمائے جو گھروں میں جاکر عورتوں کو تعلیم دیتے تھے اپنی مجلسوں میں عورتوں کے لئے خاص دن مقرر فرما دئے اور مسجد میں آنے جانے کے لئے عورتوں کو کوئی امر مانع نہیں تھا چنانچہ پند و وعظ کی مجلسوں میں وہ برابر شریک ہوتی تھیں۔ دوسرے مذہبوں کی طرح صرف فرائض ہی مقرر نہ کئے بلکہ حقوق بھی تسلیم کئے۔

آنحضرت نے یہاں تک ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ان آبگینوں کو ٹھیس نہ لگے۔ اپنی وفات سے پہلے جو وصیت فرمائی اُس میں بھی عورتوں کا خیال رکھنے کے لئے خاص تاکید ہے۔

اب پھر ضرورت ہو کہ مسلمان مُسلم خاتون کی تعلیم کی طرف ہمہ تن توجہ کریں۔ ابھی تک اُن کی تعلیم ادھوری اور نامکمل ہے۔ تعلیم تعلیم کا غُل تو بہت ہے لیکن عملی طور پر دیکھئے کہ اسوقت مسلمانوں میں کتنی تعلیم یافتہ عورتیں ہیں ملک کی پڑھی لکھی عورتیں انگلیوں پر شمار ہوسکتی ہیں۔ بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں ایک بھی پڑھی لکھی بیوی نہیں ہے حالانکہ عورتوں کی تعلیم مردوں کی تعلیم سے زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ انسان کی تعلیم کی اہم تربیت گاہ عورت کا آغوش ہے۔ اسی لئے ماہرین تعلیم بھی یہی رائے دیتے ہیں کہ مردوں کی تعلیمی ترقی کا انحصار زیادہ تر تعلیم نسواں کی ترقی پر ہے۔ اسوقت مسلمانوں کی آئندہ ترقی کا دار و مدار محض مسلمان عورتوں کی تعلیم پر موقوف ہے اس کے بعد قوم کو یہ طے کرنا ہے کہ یہ تعلیم کیسی ہو۔ دینی و دنیوی تعلیم دونوں کا حاصل کرنا لازمی قرار دیا جائے۔ جن مدارس میں مذہبی تعلیم کا کورس برائے نام رکھ چھوڑا ہے وہ مسلمانوں کے لئے مفید نہیں ہوسکتی۔

آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرینس نے مسلمان مردوں کو تو بیدار کر دیا لیکن تعلیم نسواں کے لئے کوئی معقول انتظام نہیں ہوا۔ ضرورت ہے مسلمان تعلیم نسواں کی طرف پوری توجہ کریں۔ مسلمان خواتین کانفرینس کا وجود غنیمت تھا یہ امر لازمی ہے کہ اس کو پھر زندہ کیا جائے اور مختلف مقامات میں اس کے ہر سال

اجلاس ہوں اور تعلیم نسواں کی ترقی کے راستے میں جو رکاوٹیں ہوں وہ دور کیجائیں اور ہر صوبہ میں اور بڑے بڑے شہروں میں مدارس اور کالج قائم کئے جائیں۔ یہ امر کس قدر رنج دہ اور قلق انگیز ہے کہ دہلی میں جو ہندوستان کا دارالخلافہ ہے مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کوئی معقول انتظام نہیں۔ دہلی کے مسلمانوں کے لئے غیرت کا مقام ہے کہ اُن کی لڑکیوں کے لئے عیسائیوں نے ایک ہائی اسکول کھول رکھا ہے جس میں وہ اپنی مذہبی تعلیم بھی دیتے ہیں ایسی تعلیم کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ مسلمان نہایت ٹھنڈے دل سے سُنتے رہتے ہیں۔

ہندوؤں کو اپنی تہذیب کی تجدید کا احساس ہو چکا ہے وہ جگہ جگہ اپنی ضرورتوں کو مدِّ نظر رکھکر مدارس اور کالج قائم کر چکے ہیں جو نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں لیکن مسلمانوں سے ایک بھی شاندار کالج قائم نہ ہو سکا۔ جس میں لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دیجاتی ہو سرکاری زنانہ مدارس ہماری ضرورتوں کو کفی نہیں۔ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کیساتھ ساتھ اسلامی تربیت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

انیس نسواں کی دلی تمنا ہے کہ ہر شہر میں مسلمان لڑکیوں کے لئے تعلیم کا معقول انتظام ہو جائے۔

محمد اکرام

سلام

ضیا چھنی ہے عجب دیکھ مہ جبینوں سے
بہا ہے خونِ شہیداں بھی آستینوں سے

جنہوں نے شانِ امامت کو خاک کر ڈالا
خدا ہی سمجھے دمِ حشر اُن لعینوں سے

طلائے خالص و مخلوط ہے کہاں ہم وزن
بھلا امیدِ شرافت ہو کیا کمینوں سے

نہ پوچھ گنجِ خفی و جلی کے کچھ اسرار
گہر بھی لعل بھی نکلے تھے ان خزینوں سے

حسن حسین تھے خاتم کی شکل میں دیکھو!
عجیب شانِ نبوت تھی اِن نگینوں سے

جنہوں نے حشر کیا کربلا میں ہائے بپا
کہوں میں کیا کہ تھے پُر سینے سب کینوں سے

یہ قول گنجِ شہیداں ہے سُن لے اے عثماں
نکل کے عرش پہ روحیں گئیں دفینوں سے

(پیام) حضور نظام خسروِ دکن

نذر شہدائے کربلا

(از محترمہ ن ر ج صاحبہ شعاع بنت حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق مرحوم)

آلِ نبی کے نام پہ گوہر لٹائے جا ماتم میں تو حسین کے آنسو بہائے جا

حق کی فتح ہوئی تھی کنارے فرات کے میدانِ کارزار میں ڈنکا بجائے جا

تبلیغ کر تو دین کی حسنین کی طرح اُن کی مثال بنکے تو گردن کٹائے جا

کس طرح سے گلا کٹا اکبر شہید کا آج اُن کی بیکسی کا فسانہ سنائے جا

ننھّی سی لاش ہے علی اصغر کی سامنے باتوں کی بیکلی کو برابر سنائے جا

بیمار پابجولاں ہیں عابد کھڑے ہوئے جھنکار بیڑیوں کی تو انکی سنائے جا

رو رو کے کہہ رہی تھیں یہ سیدانیاں تمام ننگے ہمارے سر ہیں خدایا چھپائے جا

بچھی ہوئی ہے یاں صفِ ماتم حسینؑ کی

تو بھی شعاع یہ نظمِ عقیدت سنائے جا

دنیا کی دولت اور قرآن

(۲)

تجارت، ساکھ، قانونِ تجارت

اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں جو احکام دنیا کی دولت کی قدر کرنے کے لئے ارشاد فرمائے ہیں۔ہم اپنے پہلے مضمون میں وضاحت سے بیان کر چکے ہیں دولت کی حفاظت اسی وقت ممکن ہے کہ نہ تو اس کو ضائع کیا جائے اور نہ کہیں بیجا طریقے سے صرف کی جائے۔ اِس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالٰی کا بار بار ارشاد ہے لَا تُسْرِفُوْا (یعنی فضول خرچی نہ کرو) اَللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ اللہ تعالٰی فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ کو نہ بخل پسند ہے اور نہ فضول خرچی۔ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُعْتَدِلِیْنَ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اعتدال یعنی میانہ روی کرتے ہیں

مسلمان اگر اللہ کے ان احکام کی پیروی نہ کریں تو یہ اُن کی سرکشی اور نافرمانی ہے۔ اس نافرمانی کی سزا اُن کو دنیا میں بھی مل رہی ہے اور اپنی فضول خرچیوں کے ہاتھوں چاروں طرف سے افلاس میں گھرے ہیں۔ رسوائے زمانہ ہیں لیکن پھر بھی بیہودہ رسموں کو نہیں چھوڑتے۔ خدا کے الگ گنہگار ہیں جس کی پوچھ گچھ ابھی ہونی ہے

ہم بار بار انیس نسواں میں لکھ رہے ہیں کہ مسلمان قرآن سمجھ کر پڑھیں اور اس پر عمل کریں جب تک وہ قرآن سمجھ کر نہ پڑھیں گے اُن کو کیونکر علم ہوگا کہ خداوند کریم نے اُن کی رہنمائی کے لئے کیا کیا بے بہا خزانے قرآن میں جمع کر دیئے ہیں۔

عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ کس قدر غلط ہے کہ دنیا کی دولت مسلمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ کافروں کے لئے ہے اور آخرت کا عیش مسلمانوں کے لئے ہے۔ ترکِ دنیا کے لئے نہ اللہ کا حکم ہے نہ اُس کے رسول کا

لہ ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ قرآن مجید کے ہر سیپارہ کے مطالب اردو میں واضح اور آسان کر کے پاکٹ ایڈیشن میں شائع کریں ایڈیٹر ۱۲

بلکہ قرآن تو دین و دنیا کی ترقی لازم و ملزوم قرار دیتا ہے۔ سورۃ جمعہ میں اللہ کا صریح حکم ہے کہ اذان سنو تو مسجد میں جلدی پہونچو۔ اور نماز سے فارغ ہو کر دنیا میں منتشر ہو جاؤ اور حصول معاش کی تلاش میں کوشش کرو۔ پھر فرمایا کہ تمہارا پروردگار تمہارے لئے سمندر میں جہاز اس لئے چلاتا ہے کہ تم آسانی سے اپنی معاش تلاش کرو۔ اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں۔

حصول دولت کے لئے سب سے بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمانو تمہارے مال تمہاری قوت کا سہارا ہیں اور معاش کا ذریعہ ہیں اللہ کے رزق اور معاش کے لئے کوشش کرو۔ اور دن کا وقت ہم نے تمہارے کاروبار اور معاش کے لئے مقرر کیا ہے اور پھر حکم ہے کہ جو کچھ تجارت میں بچ رہے وہی تمہارے لئے اچھا ہے۔

قرآن کی ان آیات پر صحابہ نے عمل کیا اور کامیاب ہو کر دکھا دیا لاکھوں نہیں کروڑوں روپئے کمائے اور اللہ کی راہ میں خرچ کئے۔

تجارت کے لئے آنحضرتؐ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمانو! تجارت تم پر فرض ہے اس کے دس حصوں میں نو حصے رزق کے ہیں۔ سچا اور دیانت دار تاجر انبیا و شہدا کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔

کیا دنیا میں کسی اور مذہب نے بھی اپنے پیرووں کو مالدار بننے کے لئے ایسے گر بتائے تجارت کو فروغ دینے کے لئے ساکھ کی ضرورت ہے وہی تاجر کامیاب سمجھا جاتا ہے جس کی ساکھ قائم ہو، اور لوگوں کو اسکا اعتبار ہو۔ آنحضرتؐ جب مال تجارت اونٹوں پر لاد کر فروخت کے لئے دوسرے شہروں میں لے جاتے تھے تو ہاتھوں ہاتھ کیوں بک جاتا تھا۔ محض اس لئے کہ آپ نے اپنی ایمانداری سے ساکھ قائم کرلی تھی، جہاں معلوم ہوا کہ محمدؐ کا قافلہ مال لے کر آیا ہے فوراً نام سنتے ہی سب مال فروخت ہو جاتا تھا۔ تجارت میں کامیابی کی اگر کنجی ہے تو یہی ساکھ ہے۔

اسی ساکھ پیدا کرنے کے لئے مفصلہ ذیل ارشادات ربانی ملاحظہ ہوں

(۱) ہم نے ترازو کا رواج دیا تاکہ لوگ انصاف کو ہاتھ سے نہ دیں۔ یعنی تول پورا ہو دونو پلڑے ترازو کے برابر ہوں۔

(۲) جب ماپ کرو تو پیمانہ کو پورا بھر دیا کرو اور تول کر دینا ہو تو ڈنڈی سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ یہی بہتر طریق ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

(۳) ماپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں جو وہ خریدتے ہیں کم نہ دیا کرو۔

(۴) اگر تم ایماندار ہو تو حسن معاملت تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔

چونکہ مسلمانوں کو تجارت کی طرف رغبت دلانی تھی اس لئے ان تمام اصولوں کو واضح کر کے بیان کر دیا جن سے تجارت میں ترقی ہوتی ہے۔

مگر افسوس کہ مسلمانوں نے قرآن مجید جیسی چیز کو ہاتھ سے دیدیا۔ دوسری قومیں انہی اصولوں پر عمل کر کے دنیا میں کامیاب ہو رہی ہیں اُن کو دیکھ کر بھی مسلمانوں کو غیرت نہیں آتی۔

آج کل لوہے کی تجارت جن قوموں کے ہاتھ ہیں وہ بہت دولتمند سمجھی جاتی ہیں۔ جہاز ریلیں لوہے کے پُل اور دنیا بھر کی کلیں اور سب قسم کے ہتھیار لوہے ہی کے تو بنتے ہیں۔ انگریزوں کے تمول کا باعث زیادہ تر لوہے کی تجارت ہے۔ ہندوستان میں بھی جن لوگوں نے لوہے کی تجارت شروع کی وہ بہت مالدار ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کی محرومیٔ قسمت کو دیکھئے کہ اس تجارت کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کی حالانکہ قرآن مجید آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے جب دنیا کی کوئی قوم تجارت میں کامیاب نہ تھی اللہ کا یہ پیغام لایا تھا کہ مسلمانو! ہم نے لوہا پیدا کیا ہے اس میں بہت سختی ہے۔ اس میں لوگوں کے لئے بہت فائدے ہیں (الحدید)

پھر دوسری جگہ فرمایا کہ ہم نے لوہے کو داؤد کے لئے نرم کر دیا تھا تاکہ وہ زرہیں بنائیں اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازِ مناسب کا خیال رکھیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں مسلمانوں میں سے کسی نے قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اُٹھایا تو مرحوم کمال پاشا تھے۔ ٹرکی میں لوہے کی کانیں ہیں ان سے اُنھوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ لوہے کی تجارت سے ترک قوم مالدار بن گئی۔

زیتون کی تجارت کی طرف بھی اللہ تعالےٰ نے اشارہ کیا ہے اس پر بھی غازی مصطفےٰ کمال پاشا

نے پوری توجہ کی اور اُس کی تجارت سے اپنے ملک کو مالا مال کر دیا۔ دراصل تجارت ہی تھی جس سے ترکوں جیسی مفلس قوم یورپ کی مالدار قوموں میں شمار ہونے لگی۔ سورۂ مومنوں میں ارشاد ہے کہ ہم نے تمہارے لئے زیتوں کا درخت پیدا کیا جو کوہ سینا پر کثرت سے ہوتا ہے اور کھانے والوں کے لئے اس میں روغن اور رنگ ہے۔

مچھلیوں اور موتیوں کی تجارت کے لئے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

مسلمانو! تم سمندروں میں سے مچھلیاں شکار کرکے ان کا تر و تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور یعنی موتی وغیرہ نکالتے ہو ہماری ہی قدرت سے سمندروں میں کشتیاں چلتی ہیں تاکہ تم لوگ خدا کا فضل یعنی تجارت کے ذریعہ سے معاش تلاش کرو اور اس کا احسان مانو۔

اس زمانہ میں جب کوئی قانون تھا نہ ضابطہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو وہ قانون سکھا دیا جس سے تجارت میں کسی قسم کے جھگڑے نہ پیدا ہوں یہی غلط فہمیاں تاجروں کو عدالتوں میں لیجاتی ہیں اور ہزارہا روپئے مقدمہ بازی میں صرف ہو جاتے ہیں اگر قرآن کے اِن اصولوں پر عمل کیا جائے تو غلط فہمی کی بنیاد ہی نہ پیدا ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مسلمانو! جب تم ایک مقررہ میعاد کے لئے ادھار کا لین دین کرو تو لکھ لیا کرو اور اگر تم کو لکھنا نہ آتا ہو تو تمہارے درمیان میں تمہارے باہمی قرار داد کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھدے اور جس سے لکھواؤ تو اُس لکھنے والے کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح خدا نے اُس کو سکھا دیا ہے اِس طرح اُس کو بھی چاہئے کہ بے عذر لکھدے اور جس کے ذمہ روپیہ نکلتا ہوگا وہی دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اللہ سے ڈرے وہی حقیقی کارساز ہے اور بتاتے وقت وہ شخص جس کے ذمّہ روپیہ نکلتا ہے کسی طرح کی کاٹ چھانٹ نہ کرے اگر کوئی شخص کم عقل یا معذور ہو یا خود مطلب ادا نہ کرسکتا ہو تو جو اس کا مختار کار ہو وہ دستاویز کا مطلب بولتا جائے۔ مسلمانو! جن دو مردوں پر تمہارا اطمینان ہو انکو اپنا گواہ بنا لیا کرو۔ .... دستاویز کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بہت ہی منصفانہ طریقہ ہے۔ .... اگر سودا دام نقد کا ہو جس کو تم ہاتھوں ہاتھ آپس میں لیا دیا کرتے ہو تو

دستاویز کی ضرورت نہیں .... اللہ تم کو معاملات میں صفائی سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (البقر)

تجارت کے علاوہ قرآن نے فنِ زراعت کیطرف بھی بار بار توجہ دلائی ہے اس پر بھی اگر مسلمان قرآن کو نہ سمجھ کر پڑھیں اور اس پر عمل نہ کریں تو کس کا قصور ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حکومت اور امامت کیلئے منتخب کر لیا ہو کیا اس کو یوں ہی مفلس چھوڑ دیتا۔ نظام حکومت کیلئے دولت اور تموّل کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مالدار ہونے کیلئے تجارت کی راہیں کھول دیں اور اسمیں کامیاب ہونے کے گر بتا دئے۔ اور آنحضرت صلعم اور صحابہ نے ان پر عمل کیا اور دنیا میں کامیاب ہو کر اپنا شاندار نمونہ دکھا دیا۔ مسلمان اب لیت ولعل میں وقت ضائع نہ کریں اور اللہ کا نام لیکر اٹھ بیٹھیں اور جا بجا قرآن مجید کی تعلیم شروع کر دیں۔ قرآن مجید کے مطالب پر غور کریں اور عمل شروع کر دیں۔ نماز پڑھیں تو سوچ سمجھ کر پڑھیں، اللہ سے دعا مانگیں تو سمجھ کر مانگیں جو منھ سے کہیں یہ سمجھ کر کہیں کہ تمام کائنات کے شہنشاہ کے دربار میں عرض کر رہے ہیں۔ اللہ سے دعائیں تو مانگتے ہیں مگر کس منھ سے اللہ کے حکموں کو معلوم کرنیکی بھی تو کوشش نہیں کرتے۔

محمد اکرام

سرگزشتِ قوم کو دیکھو نگاہِ غور سے — کیا سبق آموز منظر ہے بصیرت کے لئے
رہبرِ علم و تمدن کیوں بنے صحرا نشیں، — کیا صفت زینہ بنی اس بامِ رفعت کے لئے
اُن میں تھا ایثار و استقلال و عزم و اتحاد — وقف کر دیتے تھے جانیں قوم و ملت کے لئے
اُن کے آگے سدِّ اسکندر بھی اک میدان تھا — کوہ اور صحرا تھے یکساں اُن کی ہمت کے لئے
کیا حبش اور کیا عرب۔ بس صبغۃ اللّٰہی تھے سب (الٰہی رنگ میں) — ہیچ تھے رنگ و نسب چشمِ اخوت کے لئے
دست و بازو صاف کہتے ہیں بزبانِ حال سے — محنت انساں کے لئے انساں محنت کے لئے
عشق ہے خرمن کو خود دہقاں کے خونِ گرم سے — مضطرب ہیں راحتیں اہلِ مشقت کے لئے
آنچہ مرداں کردہ اند امروز کردن میتواں — راہِ نقشِ پائے ایں پاکاں سپردن میتواں

جذباتِ زیب

از محترمہ زیب عثمانیہ لودھیانوی

تیری فطرت میں جو تاب و تبِ بیداد نہیں — مُہر برلب ا کہ یہاں حاصلِ فریاد نہیں

حُریت اُس کی زمانہ نہیں کرتا تسلیم — قوم جو بندشِ تقدیر سے آزاد نہیں

تیرے صحرا و بیاباں تو ہیں آباد تمام — میرا حسرت کدۂ قلب ہی آباد نہیں

اہلِ ایماں کا محبت میں عقیدہ ہی یہ — جس کو تو یاد نہیں اُسکو خدا یاد نہیں

نغمہ پابندیٔ آئین پہ بھی آوارہ ہی — نالہ ہی گرچہ پریشاں مگر آزاد نہیں

تلخیٔ نغمہ سے انکار نہیں مجھکو مگر — نغمہ پھر نغمہ ہی کچھ نالہ و فریاد نہیں

اُس کی تعظیم کر اے بندۂ جذبات کہ زیب
عیش میں شاد نہیں رنج میں ناشاد نہیں

آزادئ نسواں کا صحیح مفہوم!

ذیل کا مضمون ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ حقیقی آزادی کا صحیح مفہوم مغرب کی کورانہ تقلید میں معدوم ہے لیکن جو آزادی اسلام نے مسلمان عورت کو دی ہے بجا طور پر وہی حقیقی آزادی ہے جس کی تاریخ اسلام میں کثرت سے مثالیں موجود ہیں۔

علامہ ڈاکٹر سید نجم الدین احمد صاحب جعفری نے اپنے مضمون اسلام اور عورت میں اسی آزادی پر بہت فاضلانہ بحث کی ہے۔

آج ہر طرف سے آوازیں بلند ہیں کہ "عورت کو آزادی دو"۔ اس کو ترقی کرنے دو کیونکہ کسی ملک کی ترقی کا راز وہاں کی عورتوں کی ترقی۔ آزادی و تعلیم پر منحصر ہے۔ قوم کے لیڈر اور سوشل ریفارمر گھنٹوں اسٹیج پر کھڑے ہو کر عورت کی آزادی کی ضرورت پر لکچر دیتے ہیں۔ ہر ہر پہلو سے عورت کی قدر و قیمت، ان کی ترقی کے فوائد، ان کی تعلیم کے خوشگوار نتائج سمجھا کر ان سے آزادئ نسواں کی اپیل کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ عورت اسوقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کو آزادی نہ دیجائے۔ مصنف صاحب صفحات پر صفحات آزادئ نسواں۔ تعلیم نسواں۔ حقوق نسواں۔ ترقئ نسواں وغیرہ وغیرہ کے مختلف عنوانات سے لکھ کر کالے کرتے ہیں۔ چنانچہ آئے دن بیشتر اخبارات و رسائل میں بھی اس قسم کے مضامین نظر سے گزرتے رہتے ہیں۔ مختلف مجلسوں میں ریزولیوشن پاس ہوتے ہیں۔ تقاریر ہوتی ہیں۔ غرضیکہ مغربی تعلیم کا فیض یافتہ طبقہ آزادئ نسواں کا حامی نظر آتا ہے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس آزادئ نسواں کا صحیح مفہوم سمجھتے ہوں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کس قسم کی آزادئ نسواں چاہتے ہیں۔ ترقئ نسواں سے انکا

کیا مطلب ہے لیکن آج "انیس نسواں" کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں بھی ایسے لوگ ہیں جو آزادیٔ نسواں کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں چنانچہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ "انیس نسواں" کی اشاعت کا مقصد عورت کو اُس کی کمزوریوں سے آگاہ کرنا۔ اُس کو صحیح راستہ پر چلانا اور اُس کو اُس کے حقوق و آزادی کا صحیح منشاء سمجھانا ہے۔ اُس کے لئے قوم کو انیس نسواں کے ایڈیٹر جناب شیخ محمد اکرام صاحب کو خراج تحسین پیش کرنا چاہیئے جو اُن لوگوں میں سے ہیں جو عورت کی حقیقی ترقی اور اُس کی آزادی چاہتے ہیں۔

عورت کے منھ میں زبان نہیں۔ مدت سے اس کی آزادی سلب کرکے گھر کی چار دیواری تک محدود کردی گئی تھی۔ اس سے آزادیٔ ضمیر اور اُس کی ترقی کرنے کی تمام قوتیں چھین لی گئی تھیں۔ وہ کیا مانگتی اور کس سے مانگتی۔ کیونکر مانگتی اور کس بوتے پر میدانِ عمل میں قدم رکھتی؟۔ عورت کی دنیا پر مرد قابض ہو چکا تھا اس کی زندگی محدود ہو کر رہ گئی تھی حتیٰ کہ مذہب اسلام پر ایمان لانے والی عورتوں کی حالت اور بھی بدتر تھی وہ مذہب جس نے عورت کو سب میں زیادہ حقوق دیئے، اس کو سچی آزادی دی اپنے حقوق سے بے بہرہ مردوں کی بدولت جہل و تاریکی میں پڑی رہی اسکو مذہب سے بھی بے بہرہ رکھا گیا۔ اس پر ظلم کئے گئے۔ اس نے صدیوں ستم جھیلے۔ اس کو اپنے حقوق سے محروم رکھا گیا اور جب کوئی سوال حقوقِ نسواں کا بیچ میں آپڑا اس پر طرح طرح کے فتوے لگائے گئے ان کو خلاف مذہب قرار دیکر رد کردیا گیا۔ پھر بیچاری عورت کیا کرتی وہ بدنصیب ایک بے کس پرندہ کی طرح جس کے پر کاٹ کر قفس میں بند کردیا جاتا ہے۔ اسی حالت میں زندگی گذارتی رہی۔ وہ ان تمام باتوں کے خلاف جہاد کیسے کرسکتی تھی کیونکہ اس کی آزادیٔ ضمیر چھین لی گئی تھی۔ لیکن نہیں قوم کے سچے بہی خواہ نے فوراً سمجھ لیا۔ آج اسی مرد نے جب اپنے نظام حکومت میں ایک عظیم کمی محسوس کی جو عورت کی حق تلفی۔ اس کی پستی و جہالت کی وجہ سے تھی تو وہ جان گیا کہ نظام ملک کی گاڑی ایک پہیہ سے نہیں چل سکتی اور اس غلطی کو فوراً محسوس کرتے ہی اس نے لوگوں

سمجھایا کہ" اے مادرِ وطن کے سچے بہادرو! اگر تمہارے دل میں اپنی قوم کی کچھ بھی محبت باقی ہے تو اپنے ملک کی عورتوں کو میدانِ عمل میں آنے دو۔ یہ دنیا کی اسٹیج صرف تمہارے لئے ہی نہیں بنائی گئی۔ اس میں عورتوں کو بھی بہادری، سچائی، حق پرستی کے کام دکھلانے دو جب ہی تمہاری زندگی کامکمل کامیاب ہو سکتا ہی۔ ان کو آزادی دو تاکہ وہ قعرِ مذلت وجہالت سے نکلکر ہماری ترقی ملک کی گاڑی کے دوسرے پہیہ کا کام دے سکیں۔ اس نے ترقی یافتہ ممالک کی خواتین کی مثال دے کر عوام الناس کو سمجھایا اور ان کو آمادۂ حقوق نسواں کیا۔ لیکن آہ! وہ نہ سمجھے کہ عورت کو کس قسم کی آزادی کی ضرورت ہے اس کو کس قسم کے حقوق دیئے جائیں مغرب کی ترقی کو دیکھ کر وہاں کی ظاہری تہذیب نسواں کو وہ آزادئ نسواں سمجھے اور انھوں نے عورتوں کو نفیس ملبوسات سے آراستہ کرکے خوبصورت زیورات پہنا کر لائے اُسے شاندار جلسوں میں لیجانا ہی عورت کو آزاد کرنا سمجھا۔ لڑکی کو بی اے پاس کرا کر اس کو ڈانس سکھلوا کر یہ سمجھ لیا کہ انھوں نے عورت کو اس کے تمام حقوق اسکی پوری آزادی سونپ دی۔ آج مرد کہتے ہیں کہ ہم عورت کو آزاد کر رہے ہیں۔ ہم آزادئ نسواں کے حامی ہیں لیکن یہ سب باتیں محض ڈھکوسلے ہیں یا یہ کہ وہ آزادئ نسواں کا مطلب ہی نہ سمجھے۔ عورت اب بھی مرد کے کہنے پر چلتی ہے۔ جو مرد سکھاتا ہے وہ سیکھتی ہی جو بتاتا ہے وہ کرتی ہے لیکن اس کی خودرائی۔ خودداری۔ ہمت کی قوتیں ابھی تک بیدار نہ ہوئیں۔ وہ اب بھی مرد کی غلام ہے کیونکہ اس کی آزادئ ضمیر ابھی تک سو رہی ہے۔ مرد ان کو تعلیمیافتہ بنا کر۔ مغرب کے سانچے میں بخوبی ڈھالکر سینما، پارکوں میں لیجاتے ہیں۔ چہل قدمی میں اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور اگر زیادہ کسی میں سمجھ ہوئی تو اس نے عورت کو اتنی آزادی دی کہ وہ اسٹیج پر جا کر دو چار بے معنی تقاریر کر آئے جیسی کہ وہ کیا کرتے ہیں تاکہ اسیر اُن کا نام ہو جس پر عمل کرنا تو درکنار وہ عورت خود نہیں سمجھتی کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ پبلک جلسوں میں اپنی شرکت۔ انجمنوں اور کانفرنسوں میں بیش قیمت اور بھڑکیلے لباس ملبوس کرکے جانیکو ہی عورت اپنی آزادی سمجھ رہی ہے لیکن اس میں اس بے چاری کا کیا قصور۔ اس کو تو یہی

بڑھایا گیا ہے۔ لیکن آج عورت خود سمجھ سکتی ہے۔ اس کو اپنے نیک و بد کی تمیز کرنا کوئی دشوار نہیں، اسی وجہ سے مجھ کو اتنا لکھنے کی ہمت ہوئی کہ وہ اس آزادی کو اپنی آزادی نہ سمجھے بلکہ حقیقی آزادی کی طرف رجوع کرے۔

چند دن کا ذکر ہے کہ ایک ہندو صاحب کو یہ کہتے سنا کہ مسلمان خواتین کا مستقبل بہت شاندار نظر آتا ہے۔ وہ بہت ترقی کرتی جارہی ہیں۔ چنانچہ اب کی گرمیوں میں جو میں نے شملہ میں گزاریں چند مسلمان خواتین کو بہت مہذب اور ترقی یافتہ پایا اور جب اُن سے سوال کیا گیا کہ وہ کون سی ترقی تھی جو اُن میں آپ کو نظر آئی؟ تو فرماتے ہیں کہ شام کے وقت جب کبھی چہل قدمی کے لئے نکلتا مسلمان خواتین کو بیش قیمت ساڑھیوں میں ملبوس۔ بغیر آستین کے بلاوز پہنے ہوئے دیکھتا جو میرے پاس سے بے تکان انگلش بولتی گزر جاتی تھیں اور صاحب تعجب تو یہ ہے کہ اب تو مسلمان و ہندو خواتین میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ جناب ایک مسلمان فیملی کو تو میں نے بہت ہی ترقی یافتہ پایا۔ وہاں پر میرا آنا جانا تھا۔ روزانہ شام کو ڈانس ہوتا تھا اور ان صاحب کی ایک صاحبزادی تو ابھی جرمنی و امریکہ سے رقص میں خاص مہارت حاصل کرکے واپس آئی تھیں جو کہ بلا تکلف اپنے دوستوں کے گلے میں ہاتھ ڈالے چمکیلی ساڑھیاں پہنے سینما میں نظر آتی ہیں۔ آہ! مغرب کی اندھی تقلید! جب اس پر غور کیا جاتا ہے تو ہندوستانی عورت کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔

کیا یہی تھی وہ آزادی جس کے لئے ہمارے قومی لیڈروں نے عوام الناس سے درخواست کی تھی اور سوشل ریفارمروں نے مغز زنی کی تھی۔ آج مرد عورت کو یہ تمام آزادیاں تو دیدیتا ہے۔ اس کو بچہ سمجھ کر بہلاتا ہے لیکن جب اُن کے اصلی حقوق کا سوال آتا ہے تو اُس پر ہر طرح کی پابندیاں عائد کردی جاتی ہیں۔

آج بھی عورت کے دل میں "صنفِ ضعیف ہونے کا عقیدہ راسخ ہے۔ غلامی کی مُہر لگی ہوئی ہے لیکن اس میں عورت بے چاری کا کیا قصور۔ وہ عورت جو صدیوں مقید رکھی گئی جب پھر میدان میں لائی گئی تو اُس کی رنگینیوں کو دیکھ کر مسحور ہو کر رہ گئی وہ نفیس ملبوسات زیب تن کرنے

زر و جواہر سے اپنے کو آراستہ کرنے۔ بڑے جلسوں، کانفرنسوں۔ نمائشوں۔ سینما جانے اور روزانہ شانہ موٹروں میں ہوا خوری کرنے کو ہی اپنی آزادی سمجھی۔ لیکن آج خواتین میں تعلیم روز افزوں ترقی پر ہے جیسا کہ پیشتر کہا گیا ہے کہ یہ آزادی جس کو وہ حقیقی آزادی سمجھ رہی ہیں ان کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہے وہ قوم سے محبت رکھنے والا مرد جس نے عورت کو آزادی دینے میں سب سے پہلے قدم اُٹھایا کان کھول کر سُن لے کہ عورت کی صرف اتنی ہی آزادی قوم کے لئے کبھی بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتی جبتک کہ اُس کو اپنے دلی خیالات ظاہر کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ اس کی قوتِ ارادی پر مُہر نہ لگائی جائے اس کو آزادیٔ ضمیر دی جائے تاکہ نیک و بد میں تمیز کر سکے۔ عورت خود جتنی اچھی طرح اپنے حقوق کا تحفظ کر سکتی ہے مرد نہیں کر سکتا۔ عورت کے تمام حقوق عقلمند مرد مانگتا ہے کیونکہ عورت میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ دلیرانہ مرد سے اپنے حقوق اور اپنی حقیقی آزادی مانگے اور دلیرانہ مقابلہ کرے۔ چنانچہ جبتک کہ عورت کا ضمیر کسی کے تابع ہے۔ اُس میں خود سوچنے، سمجھنے اور غور کرنے کی قوت نہیں پائی جاتی۔ اُس میں قوتِ انکار پیدا نہیں وہ کمزور ہے۔ اُس کو سچی آزادی نہیں ملی۔ اگر آج اس کی یہ تمام قوتیں بیدار ہو جائیں تو اُس کے ساتھ ہی ساتھ عمل کی تمام قوتیں بھی اُس کو حاصل ہو جائیں گی اور جبتک یہ نہیں ترقی نسواں یا آزادیٔ نسواں محض ڈھکوسلے ہیں۔

عقیلہ شاکر

یاد رکھو لیس للانسان الا ما سعیٰ[1] — کل جو نافذ تھا وہی قانونِ یزداں اب بھی ہے
پائے ہمت کے لئے میدان ہے اب بھی فراخ — کرنے والے کے لئے جو کل تھا ساماں اب بھی ہے
کام کرنے والے اب بھی پاتے ہیں محنت کا پھل — لعل کا گاہک نہیں ملتا بدخشاں اب بھی ہے
کان اب بھی ہے وہی ہیرے نکلتے ہیں جہاں — جس سے کل موتی برستے تھے وہ نیساں اب بھی ہے
آج بھی موجود ہے۔ اگلوں کا تھا جو رہنما — وہ حدیثِ ہادیٔ بطحا وہ قرآں اب بھی ہے

میر نیرنگ

کیا ہو گیا کعبے کے نگہبانوں کو؟ — اسلام! تری شمع کے پروانوں تک
ڈورے میں اخوت کے پرُوئے کوئی، — تسبیح کے بکھرے ہوئے دانوں کو

اخگر مراد آبادی

[1] انسان کو اتنا ہی ملیگا جتنی وہ کوشش کرے

ٹرکی میں نسوانی معاشرت

(از مہر النسا بلقیس جہاں بیگم)

ترکی عورتوں کی زندگی کے متعلق ہندوستان میں طرح طرح کی افواہیں اُڑ رہی ہیں اس لئے میرے ایک چشمدید مشاہدے کے حالات غالباً بڑی دلچسپی سے پڑھے جائیں گے چونکہ جو حالات میں اسوقت لکھ رہی ہوں وہ یورپ کے متعصب اخبارات سے نہیں لئے گئے بلکہ ایک ترکی خاتون کی ملاقات سے اخذ کئے گئے ہیں جو گذشتہ ہفتہ ڈاک کے جہاز سے بمبئی تشریف لائی ہیں مجھ سے اُن کی ملاقات اتفاقیہ ایک پارٹی میں ہوگئی پہلے تو میں یہ تبلا دوں کہ اُن کی وضع قطع بالکل یوروپین عورتوں کی سی تھی اور اُن کو دیکھ کر کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ مسلمان ہیں جب پہلے میری نظر ان پر پڑی تو میں سمجھی کہ یہ فرانسیسی یا یونانی خاتون ہیں کیونکہ اُن کا رنگ ایسا سفید نہ تھا جیسا کہ یوروپین عورتوں کا ہوتا ہے بلکہ گلابی مائل تھا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولتی تھیں مگر فارسی اور فرانسیسی زبان بڑی روانی سے بولتی تھیں۔

مجھ سے بڑے تپاک سے ملیں اور کہنے لگیں کہ میں اس پارٹی میں صرف اسی شوق سے آئی ہوں کہ ہندوستان کی مسلم خواتین سے ملوں۔

ان کی عمر بیس اکیس برس سے زیادہ نہیں مگر صورت بہت بھولی بھالی اور پسندیدہ ہے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں فنِ پرواز بھی جانتی ہیں باتیں چھوٹے بچوں کی سی کرتی ہیں اور اُن کے بیباختہ پن کی وجہ سے دل اُن کی طرف خود بخود کھنچتا ہے۔

جب مجھے اُن کی جدید فارسی کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی تو وہ بچوں کی طرح مجھ سے لپٹ جاتی تھیں اور ہنستی تھیں۔ اور بڑے شوق سے میری ساڑھی پہن کر خوش ہوتی تھیں۔

غرض گھر میں وہ چھوٹے بچوں کی طرح ہنسی خوشی وقت گذارتی تھیں اور یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ہیں جو ساری دنیا کے حالات سے خوب واقف ہیں۔

انھوں نے دو چار روز ملنے کے بعد ایک روز فرمایا کہ میں ہندوستانی معاشرت کو قابلِ تعریف سمجھتی ہوں کیونکہ ہم لوگ بھی اس حقیقت کو سمجھنے لگے ہیں کہ عورت کا فرض اوّلیں خانہ داری اور بچوں کی تربیت ہے انھوں نے یہ بھی کہا کہ قوم کا مستقبل بچوں کی تربیت پر موقوف ہے۔ ہمارے ملک میں حکومت نے بچوں کی تربیت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ مگر ہندوستان کا طریقہ دوسرا ہے۔ یہاں بچوں کی تربیت عورتوں کے ذمّہ ہے اور میں یہ سنکر خوش ہوں کہ آپ بچوں کی تربیت بڑی خوش اسلوبی سے کرتی ہیں۔

اُنھوں نے یہ کہہ کر مجھے حیرت میں ڈالدیا کہ ہندوستان کی مسلمان عورتوں میں مذہب کا احساس نہیں۔ میں اَور میری والدہ بلکہ سارا گھر نماز کا سخت پابند ہے۔

اُنھوں نے قرآن شریف میرے سامنے رکھ کر کہا کہ ذرا کسی آیت کا مطلب تو بتا دو جب میں نہ بتا سکی تو اُنھوں نے کہا کہ قرآن کو طوطے کی طرح رٹنا اُس کی توہین کرنا ہے تلاوت کا مطلب یہ نہیں کہ اُس کو رواں پڑھ لیا اور بس ثواب ہوگیا۔ نہیں قرآنِ مجید تو ایک ضابطہ اور دستور العمل ہے سوسائٹی کی اصلاح کے لئے آیا تھا۔

میں نے ایک آیت پڑھی تو وہ غور سے سنتی رہیں اور اس کے بعد اُس کا مطلب مجھ کو سمجھایا انھوں نے مجھ کو یہ بھی بتلایا کہ ترکی میں عورتیں قرآن کا ترجمہ پڑھتی ہیں اور اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ احکامِ الٰہی کے مطابق اپنی زندگی بنائیں۔

انھوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ہندوستاں کی عورتیں پردے میں رہنے کی وجہ سے دنیا کے حالات اور کاروبارِ دنیوی سے بے خبر ہوتی ہیں اِن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا کس روش پر جارہی ہے۔ اور قومی ترقی کے لئے کیسی سخت جد و جہد کی ضرورت ہے۔ اس قسم کے پردے کا کہیں حکم نہیں ہے۔

اُنھوں نے کہا کہ ہم قرآن کو رٹتے نہیں بلکہ اُس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی عمل کا نتیجہ ہے کہ ترکی قوم مر کر زندہ ہوئی۔

غرض وہ پانچ روز بمبئی میں رہیں اور روزانہ مجھ سے ملاقات ہوتی تھی مجھے اُن کی ملاقات سے صحیح اندازہ ہوا کہ ترکوں کی نسوانی معاشرت میں بڑا زبردست انقلاب ہوگیا ہے۔ اور یہ انقلاب قرآن پر عمل کرنے سے ہوا۔

رباعیاتِ دل

(پروفیسر خواجہ دل محمد صاحب دل ایم اے)

(۱)

ہے چرخ و زمیں کی اوج و پستی اعجاز
انجم کی یہ نور بار بستی اعجاز
کیا ڈھونڈ رہا ہے معجزوں کے طالب
دیکھ اپنی طرف ہے تیری ہستی اعجاز

(۲)

انجمن میں دل ملول رہ جاتا ہے
بے روح کے یہ بن کے پھول رہ جاتا ہے
دنیا میں جو پھنس گیا تو پرواز کہاں
کانٹوں میں اُلجھ کے پھول رہ جاتا ہے

(۳)

بے جد و جہد کام کہاں چلتا ہے
چلتی ہے زمیں تو آسماں چلتا ہے
مُردوں کے لئے ساری دنیا بے جاں
جب تک چلتا ہے دل جہاں چلتا ہے

(۴)

خوش رنگ ہیں لندنی و جاپانی پھول
جیسے کاغذ پہ ہوں دبستانی پھول
جو عرش پہ لے اُڑے وہ بُو آئیں کہاں
خوشرو ہیں مگر نہیں یہ روحانی پھول

(۵)

پانی میں اگر نہ ہو روانی بے کار
سُستی میں کٹے جو نوجوانی بے کار
قانونِ جہاں ہے ارتقا و حرکت
بے ذوقِ عمل ہو زندگانی بے کار

قرونِ اولیٰ کی مسلم خواتین

(۱)

اگر ہم زمانہ ماضی کی مسلمان عورتوں کی معرکہ آرائیوں اور جاں بازیوں کا حال لکھتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ ہم اُن دلچسپ قصوں اور دلکش داستانوں کو پڑھ کر خوش ہوں، اس لئے نہیں کہ ہم اُن کی بہادری اور شجاعت کی تعریف کیا کریں اس لئے نہیں کہ اُس زمانہ کی مسلمان عورتوں کا نام بڑی بڑی مشہور خواتین کی فہرست میں درج ہو بلکہ ہم اُن کا حال اس لئے لکھتے ہیں کہ ہم یہ دکھائیں کہ قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کرنے والیوں نے کس طرح دیکھتے دیکھتے ترقی کے ہر میدان میں ناموری اور شہرت حاصل کر لی۔

کارنامے اگلے لوگوں کے کہاں تک گائیے		کر کے بھی دکھلائیے گا کچھ؟ کہانی ہو چکی
کام کے میدان کی اب کھائیے چل کر ہوا		یعنی سیرِ باغِ الفاظ و معانی ہو چکی
ترجمہ کیجے عمل میں بھی اب اپنے علم کا		نکتہ سنجی ہو چکی معجز بیانی ہو چکی
آشتی کرنی پڑے گی انقلابِ دہر سے		روٹھے رہیے گا کہاں تک سرگرانی ہو چکی

عورت دنیا کے ہر حصہ میں موجود تھی لیکن مرد اُس کو کسی قدر و منزلت کے قابل ہی نہ سمجھتے تھے۔ جانور اور عورت کا درجہ ایک کر رکھا تھا۔

عرب کی عورتوں کی نسبت حضرت عمر کا قول ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے مدینہ میں نسبتاً اُن کی کچھ قدر تھی لیکن جب اسلام آیا اور اُن کے متعلق خدا کے صریح احکام قرآن کے ذریعہ سے ہم تک آئے تو ہم کو اُن کی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔

اسلام کی فدائی خواتین نے قرآن پر عمل کر کے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ خدا کی یہ مخلوق جس کو مرد نے محض بے کار اور مفلوج سمجھ رکھا تھا کیونکر مرد کی رفیق اور مددگار بن سکتی ہے۔

مردوں نے اپنی خدمت کے لئے عورتوں کے فرائض تو مقرر کر رکھے تھے لیکن ان کے حقوق کا کبھی کسی کو خیال نہ آیا۔ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوتے ہی عورت ان تمام حقوق کی مستحق بن گئی جو خدا نے اُس کو قرآن میں عطا کئے تھے۔

اسلام کی قدیم تاریخ ہمارے سامنے مسلمان عورت کا بہترین اور شاندار نمونہ پیش کرتی ہے اور آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے اور مغربی تمدن اور مغربی طرز معاشرت کی ظاہری چمک دمک ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں اور مسلم خواتین کے دلوں کو لبھا رہی ہے اگر ہم اُن کے سامنے اسلام کی بعض ممتاز اور برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کریں تو اُن کو واضح ہو جائے گا کہ قرآن پر عمل کرنے والیوں نے کیا کچھ کر نہیں دکھایا۔ اور ان پر یہ بھی روشن ہو جائے گا کہ اسلامی اخلاق، اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن قابلِ حقارت چیز نہیں بلکہ اسلامی تمدن ہمارے لئے ہمیشہ باعثِ امتیاز رہا ہے اور اب بھی ہے۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ عورتوں کے چند حقوق مقرر کر دے بلکہ اُن کو مردوں کے مساوی درجہ دیا اور یہ مثال دنیا بھر کی عورتوں کے لئے قائم کر دی اسلام نے عورتوں کی یہاں تک حوصلہ افزائی کی کہ میدانِ جنگ میں بھی عورتیں مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں عورتوں اور بچوں کی صف سب سے پیچھے رہا کرتی تھی ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ میدان جنگ میں سے زخمی سپاہیوں کو اُٹھا کر لیجاتی تھیں اور ان کی تیمار داری کرتی تھیں۔ گھوڑوں کی خدمت بھی انہی کے سپرد تھی۔ چنانچہ اس زمانے کے ایک شاعر نے لکھا ہے (ترجمہ)

کہ ہماری صف کے پیچھے حسین گوری عورتوں کی صف ہے ہم کو برابر خیال رہتا ہے کہ اُن کی کسی طرح توہین نہ ہو اور دشمن اُن پر قبضہ نہ پالیں۔ اُن عورتوں نے اپنے شوہروں سے عہد لے لیا ہے کہ وہ جاں بازی اور شجاعت کے کرشمے دکھائیں گے۔ عورتیں میدانِ جنگ میں ہمارے ساتھ اس لئے رہتی ہیں تاکہ دشمنوں کے گھوڑے اور ہتھیار (فتح کے بعد) سنبھال لیں اور دشمنوں کو گرفتار کریں یہ جشن بن بکر کے خاندان کی عورتیں ہیں جن میں حسن کے ساتھ

خاندانی عزت اور مذہب کا پاس بھی ہے ہمارے گھوڑوں کی خدمت کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اگر تم ہم کو دشمنوں سے محفوظ نہ رکھ سکوگے تو تم ہمارے شوہر نہیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ اپنے ہاتھ سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں جنگ خیبر کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے عورتوں سے پوچھا کہ تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی ان عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں ہم زخمیوں کے مرہم لگائیں گے بہادروں کے جسم سے تیر نکالیں گے کھانے کا انتظام کریں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا کچھ مضائقہ نہیں جب خیبر فتح ہوا تو دوسرے مسلمانوں کیساتھ ان عورتوں کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملا۔

تعجب ہے کہ آج اعتراض ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں نرسنگ نہیں کرسکتیں۔ مغرب کا راگ گانے والے سینٹ جان ایمبولنس اور ریڈ کراس کے اداروں پر ناز کرتے ہیں مگر وہ اسلام کی تاریخ تو اُٹھا کر دیکھیں کہ مسلم خاتون کی حوصلہ افزائی کی گئی تو اُس نے کیا کچھ نہ کر دکھایا وہی تعلیم اور تربیت اگر اب بھی مسلم خواتین کو میسر ہو تو اپنی ماؤں کے نقشِ قدم پر چل سکتی ہیں۔

ام سلیم بھی اسلامی فوج کی یہی خدمت بجا لاتی تھیں اور ام رشیدہ اپنے ساتھ ایک خیمہ رکھتی تھیں جس میں سب قسم کی دوائیں موجود رہتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور اُن کو آرام پہونچاتی تھیں۔

بعض عورتیں چرخہ کاتتی تھیں اور مسلمانوں کی مدد کرتی تھیں بعض میدانِ جنگ سے تیر اُٹھا کر لاتی تھیں اور بعض سپاہیوں کو ستو پلایا کرتی تھیں اور بعض فوج کا کھانا پکانے پر مامور رہتی تھیں۔ عورتیں اور بچے قبریں کھودتے تھے اور مسلمان شہیدوں کو تجہیز و تکفین کرکے دفن کرتے تھے۔

حضرت عمر کے عہد میں قادسیہ کے مقام پر ایرانیوں کے ساتھ ایک بڑی مشہور لڑائی ہوئی تھی ایرانی ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ اور اسلامی فوج تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اس لڑائی میں کئی ہزار مسلمان شہید اور زخمی ہوئے قادسیہ کی لڑائی کے وقت جو جوش اور جذبات مسلمان عورتوں کے دلوں میں تھے اُن کا اندازہ عرب کی ایک مشہور شاعرہ خنسا کے مفصلہ ذیل کلام سے ہوتا ہے۔

خنسا خود بھی اور اُس کے چار بیٹے بھی اس جنگ میں شریک تھے۔

"میرے پیارے بیٹو تم اپنی خواہش سے مسلمان ہوئے اور ہجرت کی خدا وحدہٗ لاشریک کی قسم ہے جس طرح تم ایک ماں کے بیٹے ہو ایک باپ کے بھی بیٹے ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بد دیانتی نہیں کی۔ اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل کیا۔ اور نہ تمہارے حسب نسب میں داغ لگایا۔ جو ثواب عظیم خدا نے کافروں سے لڑنے میں مسلمانوں کے لئے رکھا ہے۔ تم اس کو خوب جانتے ہو۔ خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اس دار فانی سے بہتر ہے۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔ مسلمانو صبر کرو اور استقلال سے کام لو تاکہ تم کامیاب ہو۔ کل جب خیریت سے تم پر صبح ہو تو دلیری اور ہوشیاری سے خدا سے مدد کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر حملہ کر دو۔ اور جب دیکھو کہ لڑائی زوروں پر ہے۔ اور سب طرف اُس کے شعلوں کی آگ بھڑک رہی ہے۔ تو تم خاص میدانِ جنگ کے مرکز کی طرف رُخ کرنا۔ اور جب دیکھو کہ فوج غصہ سے آگ ہو رہی ہے تو غنیم کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑو۔ خدا کرے کہ تم دنیا میں مالِ غنیمت اور عقبےٰ میں عزت پاؤ۔"

صبح کو جنگ چھڑتے ہی خنسا کے چاروں بیٹے لڑائی کی آگ میں کود پڑے۔ اور خوب دادِ شجاعت دے کر شہید ہو گئے۔ ماں کو جب یہ خبر پہنچی تو اُس نے کہا۔ کہ اُس خدا کا شکر ہے۔ جس نے بیٹوں کی شہادت کا مجھے فخر بخشا۔

یہ تھا قرآن کی تعلیمات کا رنگ جس میں صابر اور شاکر مسلمان خواتین رنگی جاتی تھیں اور اپنی مستقل مزاجی اور بہادری سے اسلام کا نام روشن کر گئیں

محمد اکرام

مجھ کو تو یہ دنیا نظر آتی ہے دگرگوں — معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا
ہر سینے میں اک صبح قیامت ہو نمودار — افکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا
کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی — اے پیر حرم تیری مناجاتِ سحر کیا
ممکن نہیں تخلیقِ خودی خانقہوں سے — اس شعلۂ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا

حضرت اقبالؒ

حقِ خُلع

(از مسٹر آصف علی ایم، ایل، اے بیرسٹرایٹ لا)

ڈیڑھ سو برس سے ہندوستان کی مسلمان عورتیں حق خلع سے محروم تھیں۔ اس سلسلہ میں جو نیا قانون بنایا گیا ہے اس نے عورتوں کے شرعی حقوق کو اتنا واضح اور صاف کردیا ہے کہ آیندہ کوئی عورت اپنے صحیح حقوق سے ایک لمحہ کے لئے بھی محروم نہیں رہ سکتی۔

اس سے پہلے خود میرے تجربہ میں سینکڑوں ایسے اندوہناک حالات آئے ہیں کہ بیچاری مظلوم مسلمان عورتیں طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہوتی تھیں مگر اُن کے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا اور بعض تو تنگ آکر عارضی تبدیل مذہب پر مجبور ہوجاتی تھیں تاکہ ظالم خاوندوں کے چنگل سے چھٹکارہ پائیں۔ اور جو اس طریقۂ کار کو عارضی طور پر بھی مکروہ سمجھتی تھیں وہ جن دردانگیز حالات کا سامنا کرتی تھیں وہ بعض صورتوں میں قابلِ بیان نہیں۔ شرع نے ضرور انھیں حق دیا تھا کہ وہ باضابطہ تفریق زوجین کی نالش کریں اور ظالم، نالائق، بدکار، اور غیر منصف شوہروں کی بے اعتدالیوں اور ظلم و تعدی سے جان بچائیں۔ مگر رائج الوقت قانون نے انھیں اس حق سے محروم کر رکھا تھا۔

قاضی محمد احمد صاحب کاظمی ممبر اسمبلی نے اس قصہ کو پاک کرنے کے لئے ایک مسودۂ قانون پیش کیا جو بعد میں ایک زیادہ تفصیلی صورت میں اسمبلی نے پاس کردیا۔ اب اس قانون کو کونسل آف اسٹیٹ میں پیش کیا جائے گا اور وہاں سے کامیاب ہونے کے بعد یہ قانون بن جائے گا۔

دیکھنا یہ ہے کہ اب اس قانون کے مطابق مظلوم عورتوں کو کیا حق حاصل ہوجاتا ہے۔

اس قانون کی دفعہ ۲ کا نفاذ حسب ذیل ہے۔

ہر اُس عورت کو جس کا عقد اسلامی قانون کے مطابق ہوا ہے۔ یہ حق ہوگا کہ وہ مفصلہ ذیل وجوہ میں سے کسی وجہ پر انفساخ عقد کرالے:۔

۱۔ یہ کہ چار برس سے اُس کے شوہر کا پتہ نہیں ملا
۲۔ یہ کہ شوہر نے دو برس سے اُس کے نان و نفقہ کا انتظام نہیں کیا۔
۳۔ یہ کہ شوہر کو سات برس یا اس سے زیادہ کی قید ہوگئی ہے۔
۴۔ یہ کہ تین برس سے شوہر نے بلا وجہ معقول حقوق زوجیت ادا نہیں کئے
۵۔ یہ کہ شوہر عقد کے وقت زوجیت کے ناقابل تھا اور اب بھی ہے۔
۶۔ یہ کہ دو سال سے شوہر پاگل ہے یا اسے برص یا کوئی اور سخت قسم کا سوزاک یا آتشک کا مرض ہے۔
۷۔ یہ کہ ۱۵ برس کی عمر ہونے سے پہلے باپ یا دوسرے ولی کی اجازت سے شادی ہوگئی تھی مگر منکوحہ نے ۱۷ برس کی عمر ہونے سے پہلے اس عقد کو مسترد کر دیا ہے یعنی اختیار بلوغ استعمال کیا ہے۔ بشرطیکہ خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو۔
۸۔ یہ کہ شوہر ظلم کرتا ہے یعنی
(الف) شوہر عادتاً مارتا پیٹتا ہے۔ یا اس کا ناک میں دم کرتا ہے اگرچہ جسمانی تکلیف نہیں پہونچاتا
(ب) بدکار ہے۔ اور بدکار عورتوں سے اس کا تعلق ہے۔
(ج) بیوی کو بدکاری یا خلاف اخلاق زندگی بسر کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کرتا ہے
(د) بیوی کی جائداد کو بیچتا کھوچتا یا رہن کرتا ہے۔ یا بیوی کو اُس کے قانونی حقوق جائداد سے روکتا ہے۔
(ر) مذہبی عقائد یا اعمال سے روکتا ہے۔
(س) اگر اُس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہیں تو اُس کے ساتھ بموجب احکام قرآن پاک کے منصفانہ سلوک نہیں کرتا۔
(ش) یا اور کوئی شرعی وجہ تفریق زوجین۔

اب اگر اس قانون کو کوئی انصاف کی نظر سے دیکھے تو شاید کوئی دوسرا قانون دنیا بھر

میں نہ نکلے گا جس میں عورتوں کو اس قدر وسیع آزادی حاصل ہو۔ یا جس میں اُن کے حقوق کا اس درجہ تحفظ ہو۔

اس قانون کے ہوتے ہوئے میں تو نہیں خیال کرسکتا کہ کبھی کوئی شوہر اپنی بیوی کو کسی قسم کی تکلیف پہونچا سکتا ہے۔ اور اگر پہونچائے تو ہر مظلوم بیوی کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار ہے کہ وہ اپنا فوری تحفظ کرسکتی ہے۔

اتنا اور کہدینا ضروری ہے۔ کہ اس قانون کے بموجب باوجود خلع کی نالش کے عورتوں کے مہر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یعنی میری رائے میں وہ تفریق زوجین کی نالش کے باوجود اپنا مہر وصول کرسکتی ہیں۔ اور اسوجہ سے مرد دل پر ایک اور بوجھ رہتا ہے۔ جس سے دب کر وہ ہرگز غلط راستہ پر چلنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔

غفلت کی گھٹا

گلشن میں فصلِ گل کے سب مٹ چکے نشاں ہیں
پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں

طاؤس کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں
اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغباں ہیں

غفلت کی چھارہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی
بے فکر و بے خبر ہیں بوڑھے ہیں یا جواں ہیں

اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں
رستہ کدھر ہے ان کا اور جارہے کہاں ہیں

فضل و کمال اُن کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا! وہ سب کہانیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو! اُٹھتی جوانیاں ہیں

تم سے تھمے تو تھامو۔ عزت کو قوم کی کچھ
اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یاں ہیں

اک خضرِ رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے
رستے پہ دیکھیں چلتے اب کتنے کارواں ہیں

دنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو
ورنہ بگڑنے کے یاں آثار سب عیاں ہیں

عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہو
قدرت کے قاعدے جو دنیا میں حکمراں ہیں

جو اپنے ضعف کا کچھ کرتی نہیں تدارک
قومیں وہ چند روزہ دنیا میں مہماں ہیں۔

انیس نسواں ناظر کی نظر میں

(از خان بہادر چودھری خوشی محمد صاحب بی اے ناظرؔ فردوسی)

فروری کا انیس نسواں اور اُس کے بعد محبت نامہ یعنی شکوہ نامہ بھی پہونچا - جواب شکوہ اگر مفصل تحریر کروں تو نزلہ کھانسی وغیرہ کی ایک طویل داستان ہوگی جس کا کہنا اور سننا فیشن کے خلاف ہے - اور انیس نسواں کے نفیس دسترخوان کے لئے ایسے نزلوی سامان کا پیش کرنا غیر موزوں ہوگا جب جنوری کا انیس پہونچا تو نہ اُس کے قدوم کی مجھے خبر تھی نہ خیر مقدم کا ہوش - اب فروری کا پرچہ لائل پور میں موصول ہوا - اور میں بغیر کسی دوستانہ خیراندیشی اور "من ترا ملا بگویم" کے تمام خلوص اور صداقت کے ساتھ جو مجھے عطا کی گئی ہے اور تمام قسموں کے ساتھ جو ایک مشہور شاعر کی نظم میں جمع کی گئی ہیں اعتراف کرتا ہوں - کہ انیس نسواں کا معیار میں نے ہر طرح سے نہایت بلند پایا

انیس نسواں کے مقاصد اور محاسن کی تفصیل طوالت کا موجب ہوگی اس لئے میں صرف اُس کے بعض مخصوص مضامین پر سرسری نظر ڈالتا ہوں - میں اُس کی دیدہ زیب صورت اور طلائی سرورق کی تعریف بھی غیر ضروری سمجھتا ہوں - یہ سرورق اُس کی طلائی جوبلی کے لئے بھی موزوں ہوگا - مضامین کے اعتبار سے اسلامی تہذیب اور اسلامی کلچر کی روح جو انیس کا طرۂ امتیاز ہے اس جامعیت خوبی اور ادبی شان کے ساتھ عہد حاضر کے صحایف میں میری نظر سے نہیں گزری دہلی کے اُجڑے ہوئے گلشن کو اس شمیم روح پرور پر بجا طور پر ناز ہو سکتا ہے - دہلی اب بھی اسلامی شعایر اور اسلامی روایات کا گہوارہ ہے اور اب تک بھی اسلامی اخلاق و عقائد کی تبلیغ دہلی سے ہی ہوتی رہی ہے

وسیع معلومات اور تجربہ کے لحاظ سے آپ کسی قلمی معاونت کے محتاج نہیں کیونکہ آپ کی عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں مگر ایک ہی واعظ کا وعظ سنتے سنتے سامعین اونگھنے لگتے

ہیں اور صحائف کی دلچسپی کا راز تنوّع اور اختلاف میں مُضمر ہے اس لئے میں آپ سے سفارش کرنا چاہتا تھا کہ چند ایسے ہی قابل اور بالغ نظر احباب کی قلمی اعانت کا آپ انتظام فرمائیں لیکن فروری کا انیس نسواں دیکھ کر میں دنگ رہ گیا کہ دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں سے آپ کے مقاصد کی تکمیل میں آواز بلند نہ کی گئی ہو اور پھر ایسے لب ولہجہ اور ادبی انداز بیان کے ساتھ کہ اس سے بہتر تصور میں نہیں آسکتا۔

آپ کے قلمی معاونین میں پہلا نام میرے بہت دیرینہ دوست بلکہ دوست سے بھی کچھ زیادہ اوّلین معمارِ صحافتِ اردو اور گنجینہ دار مخزن۔ شیخ جہانیاں جہانگشت۔ ادبی مجالس کے صدر مستقل سر عبدالقادر کا ہے۔ اس انسانی محاسن کے مبصر نے یورپ کی بیدین سرزمین سے بھی اعلیٰ نسوانی اخلاق وعادات کا ایک قابل تقلید نمونہ پیش کر دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ کو بھی انیس کے صفحات ان کے رشحات قلم سے معمور ہوتے رہیں گے۔

ان کے بعد دوسرے لندن باش ادیب پروفیسر سید جمیل صاحب کا مضمون پردے کے متعلق ہے جس سے ہر ذی حس مسلم اتفاق کرے گا۔ کیونکہ یہ ایک ایسے صاحب نظر عالم کے غور و فکر کا نتیجہ ہے جس نے اِس آزادی کے جولانگاہ میں بے پردگی کے نتائج کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ پردہ ایک ایسا معرکۃ الآرا مضمون ہے کہ عہدِ حاضر کے حالات میں مجموعی طور پر اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق رائے ہونا مشکل ہے۔ اور میرا ذاتی خیال بھی یہ ہے کہ اس کلیہ میں مستثنیات کی بھی گنجائش رکھنی چاہئے۔ مثلاً مسلم آبادی کا ایک کثیر حصہ ایسا ہے کہ عورتوں کے محنت مشقت اور کھیتی باڑی کے مشاغل باضابطہ پردہ کے متحمل نہیں ہوسکتے اور ان کے لئے اسی قدر پردہ کافی ہے کہ غیر محرم مردوں سے میل جول نہ رکھیں۔

یہ ایک دردانگیز حقیقت ہے کہ اس اہتمام سے پردہ کا رواج ہندوستان میں اسوقت ہوا جب زمام سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور یہ بات ارکانِ حکومت وامرا کے شایانِ شان نہ تھی کہ اُن کی بیگمات کے خدوخال عوام کی نظر پڑے۔ مگر اب جو عام حالت ہے وہ ذیل کے

اشعار میں ملاحظہ فرمائیے ؎

تہ بگزاروں پر نظر آئیں مسلماں بیبیاں | زیر برقعہ رُخ پہ جز اشکِ رواں کچھ بھی نہیں
در بدروں کے سامنے پھیلا دیا دستِ سوال | سر میں اب اُن کے غرورِ خانماں کچھ بھی نہیں

فاعتبروا یا اولی الابصار

ان کے علاوہ ایک نہایت قلیل مگر ممتاز جماعت ترقی یافتہ خواتین کی ہے۔ جن کی سیرت کی بلندی اور شخصی عظمت کے اثر سے کسی کو خیال تک بھی نہیں آسکتا کہ بے ادبانہ نظر سے اُن کی طرف دیکھے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ایسی ممتاز خواتین کی تعداد ہماری قوم میں زیادہ ہو اور نامور خواہرانِ وطن کی طرح وہ بھی اپنی قومی بہنوں کی سیاسی و تمدنی فلاح کی کوشش میں سرگرم رہیں۔ اس طبقۂ خواتین کو اس گرم رفتار زمانہ کی تگ و دو میں حصہ لینا ہے اور ان کے لئے سختی سے پردہ کی پابندی لازمی قرار نہیں دیجاسکتی۔ مسلمانوں میں ایسی خواتین کی تعداد نہایت ہی کم ہے اور انگلیوں پر ان کے نام گنے جاسکتے ہیں مگر میں صرف ایک محترم خاتون بیگم شاہنواز ایم ایل اے کی مثال پیش کرتا ہوں۔ وہ تعارف سے بے نیاز ہیں اور ان کی خدمات بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہیں

معلوم ہوتا ہے کہ مضامینِ نظم و نثر کے انتخاب میں آپ نے بہترین اور پاکیزہ ادب کے نمونے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس غرض سے حضرت اکبر۔ مولانا شبلی اور علامہ اقبال مرحوم کے کلام کا بھی اقتباس کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگانِ فردوس مکاں کی رحلت سے جو مسندیں خالی ہوئیں وہ پر نہیں ہوسکیں۔ اور جس طرح مسلمانوں کا دنیاوی جاہ وجلال مقبروں میں مدفون ہے اسی طرح ان کے علمی کمالات بھی سپردِ خاک ہوگئے ہیں ایسے حالات میں احیاے قوم کی غرض سے ان بزرگ رفتگانِ ملت کی ارواحِ مقدسہ سے استمداد کرنا عین صواب ہوگا۔ اور کسی آیندہ اشاعت میں مولانا حالی مرحوم کی مناجات بیوہ اور بعض دیگر نظموں کا انتخاب بھی مناسب ہوگا جو طبقہ نسواں سے متعلق ہیں۔

آپ کے ذوقِ انتخاب کی بار بار تعریف کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ جو نمونے نظم و نثر کے آپ نے پیش کئے ہیں وہ عام سطح سے بہت بلند ہیں۔ خواتین کا کلام جو دیگر جرائد میں نظر سے گزرتا ہے عام طور پر صاف

ستھرے مگر ہلکے رنگ کا ہوتا ہے مگر آپ نے جو دو تین نمونے پیش کئے ہیں ان کا اقبال مرحوم کے لاہوتی نغموں سے امتیاز کرنا مشکل ہوگا۔ مثال کے طور پر اشعارِ ذیل پیش کرتا ہوں۔

امن کی آرزو نہ کر امن کی آرزو ہی توڑ　　ہر نفسِ حیات کو درد میں مبتلا سمجھ
منزلِ ہست و بود میں تیرا مقام ہے بلند　　مہر و مہ و نجوم کو اپنے نشانِ پا سمجھ

زیب عثمانیہ صاحبہ

نغمۂ حاضر سے ہے قلب پریشان بہت　　مطرب ماضی ذرا چھیڑ دے اپنا رباب
ہے مرا خوابِ نمو نغمۂ اللہ ہو　　اور مری آرزو زندگیٔ اضطراب

نواب سید سرار بیگم صاحبہ اختر

دوسرے مضامین جو حقوق نسواں۔ اصلاح رسوم۔ تعلیم قرآن وغیرہ کے متعلق اس پرچہ میں شائع ہوئے ہیں سب یکساں بلند پایہ ہیں۔

لیکن باوجود اتنی خوبیوں کے

اندیشہ ہے کہ تھوڑے عرصہ کے لئے انیسِ نسواں کے راستہ میں چند مشکلات حائل ہوں۔ اور وہ یہ ہیں کہ عہد حاضر کے صحافتی لٹریچر نے نوجوان ناظرین و ناظرات کا مذاق پست کر دیا ہے۔ اور اگرچہ ماہوار رسالوں اور اخبارات کی تعداد میں بہت ترقی ہو گئی ہے اور طباعت وکتابت بھی عموماً دیدہ زیب نظر آتی ہے۔ لیکن معنوی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے سوائے خاص مستثنیات کے ایک دفتر بے معنی شائع ہو رہا ہے جس کے ہیجان انگیز اور بقول معروف سنسنی خیز افسانے جن کا انجام عموماً قتل یا خودکشی پر ہوتا ہے اور عریاں تصاویر اور ہوس پرور عاشقانہ غزلیں وغیرہ دلچسپی کا مواد بہم پہو نچاتے ہیں اور یہ رسالے تعلیم یافتہ گھروں میں خواتین اور لڑکیوں کی نظر سے بھی گذرتے ہیں۔ ایسے "دلچسپ" لٹریچر کے مقابلہ میں آپ ایک نہایت متین صحیفہ دینی پند و موعظت و اسلامی روایات کا پیش کر رہے ہیں اور یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ اس کا ایسا ہی خیر مقدم نہ ہو جو شاعروں کی مجلس میں ناصح مشفق کا ہوا کرتا ہے مگر میں آپ کو

یقین دلاتا ہوں کہ ہماری تعلیم یافتہ جماعت کے قلوب اب بھی اصلی اسلامی تعلیم کی محبت سے خالی نہیں اور صحافت کے موجودہ طوفانِ بے تمیزی میں انیس نسواں کی خاص قدر شناسی ہوگی۔ اور لڑکیوں کے والدین ان کے لئے انیس کا مطالعہ ایسا ہی ضروری سمجھیں گے جیسا کہ فصلی بخار میں کونین اور دو ایک پرچوں کے مطالعہ کے بعد انیس کی ناظرات کو خود اس سے اُنس ہو جائے گا۔ میں خود اس کا مطالعہ مسلم لڑکیوں کیلئے اسقدر ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے بعض عزیزوں کے نام انیس کی خریداری کیلئے علیحدہ پرچہ میں ارسال خدمت کر رہا ہوں۔

انیس نسواں کے اخیر میں حضرت ہر فن مولیٰ نواب دولت یار جنگ صاحب اور شاعرِ اسلام مولانا حاجی حفیظ صاحب کا خیر مقدم دیکھ کر مجھے بیحد مسرت ہوئی

اس سلسلہ میں یہ بھی مناسب ہوگا کہ ہز ہائی نس نواب صاحب بہادر بھوپال کی خدمت عالی میں آپ یہ ہدیہ پیش کریں۔ اس گرامی خاندان نے تعلیم و تربیت نسواں میں ہمیشہ سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔

یہ مضمون طویل ہو چلا ہے۔ ع دراز بود حکایت دراز تر گفتم۔

اب میں اسے ختم کرتا ہوں اور اخیر میں ایک ضمنی مشورہ پیش کرتا ہوں کہ اگر آپکے خیال میں بھی مناسب معلوم ہو تو رسالہ کے اخیر کے دو تین صفحات میں مہینہ کی اہم ملکی تحریکات اور اخبار کا بھی اضافہ فرمادیں۔

ہوائے الحاد رنگِ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
جو بات بگڑی بنے وہ کیونکر؟ جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے

نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے۔ نہ عزتِ قوم پر نظر ہے
سروں میں سودا سما رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا ہے زنگ وعظ مشرب
قلوب شیطاں کے تبع میں، زبان قرآں پہ چل رہی ہے

جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اسپہ بلا یہ طاری
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں ہے سنبھل رہی ہے

ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے

خدا کی ساعت ہیں یاں کی صدیاں چھپی نہیں ہیں ہماری بدیاں
بلائیں آئیں اور آرہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

طلاق و خُلع

اسلام سے پیشتر عرب کے لوگوں نے نکاح اور طلاق کو کھیل بنا رکھا تھا۔ بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ بلا روک ٹوک نکاح پر نکاح کرتے جاتے اور طلاق پر اُترتے تو ایک دم سے سینکڑوں طلاقیں دیتے چلے جاتے۔ شام کو نکاح تو صبح کو طلاق۔ بات بات پر طلاق ہو جاتی تھی۔ طلاق دی اور رجوع کرلیا۔ پھر طلاق دی پھر رجوع کرلیا۔ اسپر جاہلانہ حمیت اور جہالت کی غیرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ غرض عورت کی مٹی پلید کر رکھی تھی۔ جو ناچ نچاتے غریب ناچتی تھی۔

اسلام آیا تو نکاح اور طلاق کے قاعدے مقرر ہوئے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ سے وہ آیات نازل فرمائیں جن سے عورت عزت کی نگاہ سے دیکھی جانے لگی۔ طلاق کے معاملہ کو ایسا سلجھا دیا کہ اس سے بہتر سلجھانا ممکن نہیں۔

مگر شریعتِ اسلامی میں طلاق ایک بہت ناپسندیدہ بات ہے صرف انتہائی ناموافقت کی صورت میں طلاق روا ہے۔ دوسری قوموں میں طلاق نہیں مگر مجبوری اُن کو اسلامی قاعدے کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اسلام نے طلاق جائز تو رکھی ہے مگر بڑے ضابطے اور احتیاط کے ساتھ۔ اسپر بھی خاص قیود کی پابندی لازم قرار دی۔ یہانتک کہ اگر مصالحت کی کوئی صورت نکل سکے تو طلاق کی نوبت نہ آنے اور آئے تو زن و شوہر میں کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

چنانچہ سورۃ النساء میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :-

"مسلمانو! اپنی بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ رہو سہو۔ اگر تم کو کسی وجہ سے بیوی ناپسند ہو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اسی میں بہت سی خیر و برکت دیدے اور اگر تمہارا ارادہ ایک بیوی کو بدل کر اُس کی جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو تو جو مال (خواہ کتنا ہی ہو) تم اپنی پہلی بیوی کو دے چکے ہو اُس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو"

مسلمان شوہروں کو پھر ارشاد ہوتا ہے۔

مسلمانو! ہم نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کیں تاکہ تم کو تسکین ہو اور تم میاں بیوی کے دلوں میں پیار اور اخلاص پیدا کیا"

اللہ تعالےٰ نے طلاق کی اجازت تو دی لیکن اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرما دیا کہ مسلمانو! اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے اگر تم نے ناحق اور ناروا اپنی بیوی کو الگ کر دیا تو یہ اللہ کے علم و سماعت میں ہے۔

پھر سورۃ البقر میں فرما دیا کہ جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو اور اگر ان کے شوہر ان کو آئندہ اچھی طرح رکھنا چاہیں تو اس اثنا میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں اور جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ہے ویسے ہی دستور کے مطابق عورتوں کا حق مردوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہے پس چاہئے کہ ہر فریق دوسرے فریق کے حقوق کا لحاظ رکھے ایسا نہ کرو کہ تم صرف اپنے ہی حقوق کا مطالبہ کرو اور دوسرے فریق کے جو حقوق تم پر ہیں انھیں فراموش کر دو اور یاد رکھو کہ اللہ زبردست اور حکمتوں والا ہے طلاق جس کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے دو مرتبہ کر کے دو مہینوں میں دو طلاقیں ہیں۔ پھر اس کے بعد شوہر کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں یا تو طلاق دی ہوئی بیوی کے ساتھ رجوع کر لینا ہے یا پھر حسن سلوک کے ساتھ الگ کر دینا ہے۔ یعنی تیسرے مہینے تیسری طلاق دے کر جدا ہو جانا ہے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ اپنی بیوی کو دے چکے ہو طلاق دیتے وقت اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر شوہر اور بیوی کو اندیشہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے فرائض اور حقوق ادا نہ ہو سکیں گے تو باہم رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے۔ اگر بیوی اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے بطور معاوضہ اپنے حق میں سے کچھ دیدے اور شوہر اسے لے کر علیحدگی پر راضی ہو جائے یاد رکھو یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں پس ان سے قدم باہر نہ نکالو اور اپنی اپنی حدوں کے اندر رہو جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے نکل جائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو برسرِ ناحق ہیں۔ (البقر)

مذکورہ بالا آیات سے صاف ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ طلاق کو پسندیدگی سے نہیں دیکھتا اور صرف مجبوری کی حالت میں جب میاں بیوی میں ناموافقت انتہا کو پہونچ جائے تو ایسی صورت میں مرد طلاق دے سکتا ہو اور بیوی کو خلع کا حق حاصل ہے۔ اگر عورت کہے میں اپنا مہر یا اُس کا کچھ حصہ چھوڑتی ہوں اُس کے بدلے میں شوہر طلاق دیدے تو اُسی کو خلع کہتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے اللہ تعالےٰ نے جس طرح مرد کو مجبوری کی حالت میں طلاق کا حق دیا تھا اسی طرح عورت کو بھی خلع کا حق دیا تھا۔ لیکن ہندوستان میں مسلمان عورت اس حق سے محروم رہی۔

مگر اب سنٹرل اسمبلی کے مسلمان ممبروں کی متفقہ کوشش سے مسلمان عورت کو خلع کا حق حاصل ہوگیا ہے۔ اس قانون کو پاس کرانے کے لئے مسٹر کاظمی طبقۂ نسواں کی طرف سے دلی شکریے کے مستحق ہیں ہندوستان میں پہلی مرتبہ مسلم خاتون کا وہ حق جو اللہ تعالےٰ نے اُس کو عطا کیا تھا ۱۴ فروری ۱۹۳۹ء کو سنٹرل اسمبلی میں تسلیم ہوگیا اب کوئی دن میں قانون بن کر نافذ بھی ہوجائے گا۔

اُس قانون کے جا و بیجا استعمال کے متعلق ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح اسلام کے نزدیک طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اسی طرح خلع بھی کوئی مرغوب چیز نہیں۔ جس طرح ایک مسلمان مرد مجبوری کی حالت میں طلاق دے سکتا ہے اسی طرح بعض مجبوری کی صورتوں میں ایک مسلمان عورت بھی خلع کے ذریعہ سے اپنے نکاح کو فسخ کرانے کا حق رکھتی ہے۔ ہم نے اسی لئے اللہ کے وہ احکام جو طلاق اور خلع کے بارے میں قرآن مجید میں ہیں تفصیل سے بیان کر دئے ہیں تاکہ مُسلم خواتین اپنے اس حق کے استعمال میں اسی احتیاط سے کام لیں جس طرح اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ مسلمانو! اللہ کے حکموں کو ہنسی کھیل نہ بناؤ" کہ آج تو نکاح ہوا اور کل بلا وجہ معقول فسخ نکاح کے لئے طلاق یا خلع کی نوبت آئے۔ اور ازدواجی زندگی کے فرائض اور حقوق ملحوظ رکھنے کی جگہ محض اپنی نفسانی خواہشوں کی بنا پر رشتے جوڑنے اور توڑنے لگو اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو۔ اُس نے اپنی کتاب حکمت میں جو کچھ نازل کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے تم کو نصیحت

کرتا ہے اسے نہ بھولو اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ اُس کے علم سے کوئی بات باہر نہیں الغرض ایسا نہ ہو کہ مسلم خواتین اللہ کے زرّین اصولِ اعتدال کو ہاتھ سے چھوڑ دیں اور خلع کو بیجا طور پر استعمال کرنے لگیں

محمد اکرام

مقصدِ حیات

تجھے معلوم ہے کس واسطے تو باغ میں آیا　　وہ کیا مطلب تھا جس کے واسطے سلطاں نے بھجوایا

نہ بھولے سے کوئی دم بھی ادھر کچھ دھیان فرمایا　　کہ میں ہوں کون جاتا ہوں کدھر کس سمت سے آیا

مرا نخلِ وفا کب تک چمن میں لہلہائے گا　　ہزار ہستیٔ موہوم کب تک چہچہائے گا

معین وقت تک تجھ کو ملا ہے سیر کا فرمان　　غرض یہ تھی کہ جب ہو جلوہ بخشِ گلشنِ امکاں

تیرے آنے سے ہوں سب ہمصفیرانِ چمن شاداں　　چلن سے تو عزیز دل ہو اُن کا اور سرور جاں

تو ہر اک حال میں ان کا شریکِ ہمنوائی ہو　　دلوں میں ان کے جا ہو تیری بیلوں میں سمائی ہو

مصیبت جب کہ پیش آئے تو اس کا آشنا تو ہو　　کوئی ماتم زدہ پائے تو اس کا غم رُبا تو ہو

کوئی ہو راہ گم کردہ تو اس کا رہنما تو ہو　　غرض ہر زخم کا مرہم ہو ہر دکھ کی دوا تو ہو

جہاں مشکل کی پڑ جائے گرہ ناخن تیرا کھولے　　تو ہر اک درد میں شامل ہو ہر آواز میں بولے

ملا کر آنکھ مجھ سے کہہ تو اس میں سے کیا کیا کیا؟　　رکھا کس زخم دل پر مرہم امداد کا پھایا

نکالا دشتِ غربت میں کسی کے پاؤں کا کانٹا　　کسی آفت زدہ کا بوجھ کہہ تو نے کیا ہلکا

بچایا ہے کسی گم کردہ رہ کو رہنما ہو کر　　کیا ہے پار بیڑا بھی کسی کا ناخدا ہو کر

اگر غفلت سے اب تک کچھ نہیں تو نے کیا غافل　　تو اس خوابِ گراں سے چونک آئندہ نہ ہو کاہل

بڑھے جاتے ہیں ساتھی ہمسفر نزدیک ہے منزل　　یہ فرصت بھی غنیمت ہے اگر کرنا ہو کچھ حاصل

اولوالعزمانِ دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں　　سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

تجھے اک شاہ عالیشان کی خدمت میں جانا ہے　　ہمیشہ کے لئے ماوا اُسی کا آستانا ہے

تصویرِ عبرت

(۲)

(از حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق مرحوم)

جبینہ بیگم کو اول تو جب سے کہ سکینہ بیوہ اور محتاج ہوئی تھی اُس کی صورت سے نفرت ہوگئی تھی اور اُس نے اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ میں حسین مرزا کی شادی کسی ایسے کھاتے پیتے اور ہوتے ڈاون میں کروں گی جہاں میرا اور میرے بچہ کا ارمان نکلے مگر زینت النسا بیگم کے سامنے جو مہمان آئی ہوئی تھیں سکینہ کا کہنا اُسے بہت ہی ناگوار گزرا اور اُس نے سکینہ کو اس طرح جواب دیا اُدئی تو کون بلا ہے نوج تو میری بہن کیوں ہونے لگی موئی فقیرنی چھوٹا منہ بڑی بات صورت نہ شکل بھاڑ میں سے نکل جہاں میرے بچہ کی دائی نے ہاتھ دھوئے وہاں تیری بیٹی کو قربان کروں لو مردار کی شامت آئی ہے کہو تو ابھی لونڈیوں سے جوتیاں پٹوا کر نکلوا دوں وہی مثل ہے چونی بھی کہے مجھے گھی سے کھاؤ اپنی بیٹی تو قلندروں کو دے سکینہ سُن ہوگئی اور ایک آہ بھر کر بہن کے ہاں سے چلدی۔ مگر زینت النسا بیگم نے حیرت کے ساتھ جبینہ سے پوچھا اچھی بہن یہ کون تھی اور یہ ماجرا کیا ہے۔ جبینہ بیگم نے کہا بیگم صاحب! یہ عورت ہمارے ہمسائے میں رہتی ہے اُس کا دل چل گیا ہے ڈیوڑھی بان کی آنکھ بچا کر محل میں گھس آتی ہے اور خدا جانے کیا واہی تباہی بکا کرتی ہے جب اُس کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے تو بڑبڑاتی چلی جاتی ہے سکینہ کو اپنے گھر آتے آتے شام ہوگئی بہن کی باتوں نے اُس کے تن بدن میں غم کی آگ لگا دی تھی اس لئے اُس کو اور کچھ تو بن نہ آئی منہ ڈھانک کر رونے ہو بیٹھی اور اپنے جلے دل کے پھپولے پھوڑنے لگی ماں کو روتا دیکھ اختر بھی رونے لگی اور ماں بیٹیوں کے رونے کے شور نے سننے والوں کے کلیجے ہلا دئے اِسی واویلا میں سکینہ غم و غصہ میں بھری ہوئی تھی۔ اور اُس کو بہن کا طعنہ رہ رہ کر یاد آرہا تھا کہ اپنی بیٹی تو قلندروں کو دے۔ اس لئے فقیر کے جواب میں کہا۔ میاں صاحب وہ بندی ایک دکھیا بیوہ ہے۔ جس طرح میں اپنا وقت کاٹ رہی ہوں۔ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے (رو کر) آج تین دن

صاف گزر گئے ہیں قسم لے لو جو منہ میں اُڑ کر کھیل تک گئی ہو پیسہ کوڑی پھر آپ کو کہاں سے دوں ہاں ایک بن بیاہی جوان بیٹی تو حاضر ہے جی چاہے تو لے جایئے۔ یا تو سکینہ کی باتیں ہی دل پر چوٹ لگانے والی تھیں یا فقیر ہی دل کا نرم اور بودا تھا۔ سکینہ کی باتوں کو سن کر تڑپ گیا۔ اور اُس نے سکینہ کو ڈیوڑھی میں بُلا کر کہا۔ مائی تیرے ہاں کوئی مٹی کا کونڈا ہو تو لے آ۔ سکینہ ایک بڑا سا جھوجھرا کونڈا گھر میں سے اُٹھا لائی۔ اور فقیر نے جھولی اُس میں اُلٹ دی اور کہا۔ مائی یہ بھیک کے ٹکڑے ہیں جو فقیر کو جگہ جگہ سے ملے ہیں اِن کو تو کھا کر پانی پی اور خدا پر بھروسہ کر اُس کی ہاتھ بلند ہے۔ یہ کہہ فقیر تو چلتا ہوا اور سکینہ ڈیوڑھی میں سے کونڈا گھر میں اُٹھا لائی۔ چراغ تو کہاں سے آیا مگر چاند کی چودھویں تاریخ تھی گل چاندنی کی طرح کھل رہی تھی۔ سکینہ نے دیکھا کونڈہ کھانے سے لبریز ہے۔ شیرمال باقرخانی کے ٹکڑے کھچڑی پلاؤ زردہ بریانی کا نوالہ مربے کی پھانک دو چار چپاتیاں دو چار خمیری روٹیاں سموسہ دنیا بھر کی نعمت تھوڑی تھوڑی اور بہت دھری ہے۔ اور اُسی میں کوڑیاں پیسے دو چار روپے بھی ملے ہیں

سکینہ۔ (کھانا کھا کر) اختر بیٹی! کھانا تو ہم نے کھا لیا مگر دیکھنا فقیر کی نقدی کو ہاتھ نہ لگانا اس کو اسی طرح رہنے دو۔ کل دل پھیری کو آئے گا تو اُسے دیدیں گے۔

اختر۔ ہاں بی اماں جان سچ کہتی ہو لو میں فقیر کی چیز مٹی کے آبخورے میں دھرے دیتی ہوں ہم کون جس کی امانت ہے اُس کو پہونچ جائے گی۔

صبح کو اُٹھ سکینہ تو نماز پڑھنے لگی۔ اور اختر آبخورہ میں سے پیسے کوڑیاں نکال کر گن رہی تھی جو آپ ہی آپ بول اُٹھی لو بی نیا تماشہ اب پیتل کے پیسے بھی نکل پڑے۔

سکینہ بیگم۔ تم ناحق پرائی امانت ٹٹول رہی ہو۔ دیکھوں پیتل کا پیسہ۔

اختر۔ بی اماں میں تو سنبھال کر دھر رہی ہوں دیکھو ایک چھوڑ چار پیسے پیتل کے ہیں۔

سکینہ۔ (ہاتھ میں لے کر اور اچھی طرح دیکھ کر) بیٹی! پیتل کے پیسے نہیں ہیں۔ یہ اشرفیاں کہلاتی ہیں۔ تم سے کہدیا نہ سائیں کے سو کھیل ہیں جاؤ آبخورہ میں ڈال دو۔ خدا جانے فقیر تھا یا فرشتہ تھا جب اشرفیاں یاد آئیں گی تو پیٹ پکڑے دوڑا آئے گا۔

فقیر کی جھولی کا کھانا اتنا تھا کہ دونوں ماں بیٹیوں نے دو وقت کھایا اور رات کو پھر کھانے بیٹھی تھیں جو فقیر نے آواز دی۔ بھلا ہو مائی کا کچھ حاضر ہے تو بھجوا دے۔

سکینہ۔(ڈیوڑھی میں جاکر) میاں صاحب سلام۔ حضرت سلامت وہ آپ کی امانت رکھی ہوئی ہے لیتے جائیے۔

فقیر۔ امانت کیسی؟

سکینہ۔ آپ کی جھولی میں سے کچھ کوڑیاں کچھ پیسے اور چار اشرفیاں نکلی تھیں وہ جوں کی توں رکھ چھوڑی ہیں۔

فقیر۔(ہنس کر) اری مائی تیرا کدھر خیال ہے وہ تو ہم تجھ ہی کو دے گئے تھے۔ جا۔ کونڈا لے آ تو تجھے آج کی بھیک کا کھانا بھی دیتے جائیں۔

سکینہ۔ بہت اچھا مگر آپ گھر میں آ جائیے نا

فقیر سکینہ کے چھوٹے سے غریبانہ گھر میں چلا آیا اور سکینہ کے کہنے سے ایک ٹوٹی کھٹیا پر جو آنگنائی میں بچھی ہوئی تھی بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا مائی تیرے ہاں چراغ نہیں؟

سکینہ۔ میاں صاحب چراغ دو کوڑی کا لعل کہلاتا ہے مگر مجھے دو کوڑیاں بھی نہیں جڑتی ہیں جو چراغ جلایا کروں۔

فقیر۔ مائی کیوں گھبراتی ہے تیرے ہاں تو گھی کے جلا کریں گے۔ وہ جو کل کی کوڑیاں اور پیسے اور روپئے اور اشرفیاں ہیں اور جو آج کی نقدی کھانے میں سے تجھے ملے اپنے کام میں لا اور کوئی برا خطرہ دل میں نہ لا۔ خدا پاک ہے اس کا رسول بھی پاک ہے اور فقیر بھی پاک ہوتے ہیں۔

یہ کہہ کر فقیر نے اپنی جھولی کونڈے میں الٹ دی اور آپ جھلنگے میں لیٹ گیا۔ اور سکینہ کا حال کرید کرید کر پوچھنے لگا۔ سکینہ سیدھی سادی نیک عورت تھی اس نے اپنی رام کہانی رتی رتی فقیر کو سنائی اور جب بڑی بہن کے طعنے کا ذکر آیا کہ جا تو اپنی بیٹی قلندروں کو دے تو وہ

دھاروں رونے لگی۔

فقیر۔ مائی کہدیا نا گھبراتی کیوں ہے۔ دیکھ تو خدا کیا کرتا ہے۔

سکینہ۔ (دوپٹہ کے آنچل سے آنسو پونچھ کر) اب آپ جیسے اولیا، اللہ میری مدد پر ہیں تو مجھے کاہے کا ڈر ہے۔

اسی حال میں سکینہ نے دیکھا کہ چارپائی جو ٹوٹی ہوئی ہے اس لئے فقیر کے پاؤں پائینتی سے باہر نکل گئے ہیں اور وہ اُس پر بیچین پڑا ہے اِس لئے اُس نے اختر سے کہا۔ بیٹی تو بیٹھی بیٹھی کیا پڑھتی ہے۔ میاں صاحب کے تلوے کیوں نہیں سہلائی ماں کے کہنے سے اختر فقیر کی پائینتی کی طرف زمین پر پھسکڑہ مارا اور اپنے تئیں اوڑھ لپیٹ کر بیٹھ گئی اور وہ پوروں سے اُس کے تلوے سہلانے لگی۔ تھوڑی دیر میں فقیر چلا گیا۔ سکینہ نے صبح ہوتے ہی اشرفیاں بھنا کر کپڑا لتا مول منگایا۔ اور بازار سے کھانے پینے کا سارا سامان اُس کے ہاں آ گیا۔ تیسری رات فقیر پھر آیا اور اپنی جھولی سے دس اشرفیاں سکینہ کو دے چارپائی پر لیٹ گیا اور اختر پہلے کی طرح زمین پر کسی قدر دور بیٹھ کر فقیر کے تلوے سہلاتی رہی اور فقیر ذرا سی دیر میں اُٹھا اور چلا گیا۔ مگر خدا جانے کیا بھید تھا اُس نے سکینہ کے ہاں رات کا آنا اور دس بیس اشرفیاں دیجانے کا معمول باندہ لیا۔ جب اسی طرح آتے جاتے برس دن گزر گیا تو سکینہ مالامال ہو گئی کئی کئی مکان خرید لئے نوکر چاکر ماما اصیلیں رکھ لیں اور سکینہ بیگم کی اچھی خاصی ایک سرکار بنگئی۔ اختر کے لئے امیرزادیوں بلکہ شہزادیوں جیسا جہیز تیار ہونے لگا۔ ہوتے ہوتے بی حبینہ بیگم کو بھی خبر لگی کہ چھوٹی بہن کو خدا نے چھپّر پھاڑ کر دولت دیدی اور اب وہ لعلوں کی لعل ہے۔ اور بیٹی کے بیاہ کا سامان کر رہی ہے۔ بڑے بڑے اونچے گھروں کے رقعے پیام آتے ہیں مگر وہ پھیر دیتی ہے حبینہ اس خبر کو سُن کر پھڑک گئی اور پیسے کے لالچ نے اُسے بیچین کر دیا۔ ایک دن پانچ روپے کی مٹھائی لے سکینہ کے ہاں آن اُتری مکان اور امیرانہ سامان دیکھ کر دنگ ہو گئی۔ اور ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے گھڑی دو گھڑی پیچھے کہنے لگی۔ بوا میں حسین مرزا کے بیاہ کی تاریخ ٹھہرانے آئی ہوں کہو اب

تم کیا کہتی ہو۔

سکینہ۔ آپا جان میں تو وہی فقیرنی ہوں جس کو تم اپنی محلسرا سے جوتیاں پٹوا کر نکلواتی تھیں۔ اور میری بیٹی قلندروں کو دیتی تھیں۔ فال زبان یا فال قرآن تمہارے منہ کا کہنا ہو گیا۔ میری بیٹی کی تو قلندر کے ساتھ بات ٹھہر گئی

جینہ بیگم۔ یہ منہ اور مصالحہ کون قلندر۔ اور کیسا فقیر صدقہ کیا تھا وہ قلندر۔ میری تو پیٹ کی مانگ ہے۔ اختر کا حسین میرزا سے ہو اور پھر ہو۔ مگر سکینہ نے اُس کو پھر کچھ جواب نہ دیا۔ اور جینہ بیگم شام کو اپنے گھر چلی گئی مگر یہ کہہ گئی کہ جب تک ہاں نہ کرے گی تیری دہلیز کی مٹی لے ڈالنگی اور روز تیرے ہاں آکر دھرنی دیا کروں گی۔

شام کو جب معمول کے موافق قلندر سکینہ کے گھر آیا اور اختر سر سے پاؤں تک ایک دوشالہ اوڑھ کر اُس کے تلوے سہلانے بیٹھ گئی تو سکینہ نے اپنی بہن کے آنے اور بیاہ کے تقاضے کا حال فقیر صاحب کو سنایا۔

فقیر۔ اگر جینہ پھر آکر تم سے بیاہ شادی کے واسطے کہے تو تم پہلے کی طرح صاف جواب دینا اور اگر زیادہ فیل مچائے تو کہدینا بہن کچہری عدالت کرو اگر حاکم تم کو بیٹی دلوا دے تو تم لیلو۔ مجھے ناحق میں تنگ نہ کرو۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ جب جینہ بیگم نے دیکھا کہ سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکلنے والا اور بہن آمنی خوشی مجھے بیٹی نہیں دیگی تو اُس نے اپنی بہن پر حاکم کے یہاں عرضی دیدی اور سکینہ کو کچہری جانا پڑا مگر مقدمہ اُس تاریخ پر نہ ہوا اور حاکم نے دوسری تاریخ مقرر کر دی۔ واللہ اعلم کسی جاسوس یا مخبر کی معرفت یا کسطرح یہ قصہ بادشاہ کے کان تک پہونچگیا۔ اور بادشاہ سلامت نے وزیر کی معرفت ان دونوں بہنوں کے پاس حکم بھیجا کہ تمہارا انصاف ہم آپ کریں گے۔ جینہ بیگم اپنے خاوند اور بیٹے سمیت اور سکینہ مع اپنی بیٹی کے فلاں تاریخ فلاں دن فلاں وقت دربار عام میں حاضر ہو اور اگر ان میں سے کوئی حاضر نہ ہوا تو اپنی سزا کو پہونچے گا۔ دونوں بہنیں اس حکم کو سن کر تھر تھر کانپنے لگیں کہ بادشاہ لوگ اُلٹے لئے جائیں نہ سیدھے دیکھئے اِس اولاد کے کارن کیا مصیبت جھیلنی پڑتی ہے۔ (باقی دارد)

انیس نسواں سے خطاب

انیس نسواں! ہم تیرا استقبال سر اور آنکھوں سے کریں گے۔

اے گلستانِ ادب کی نوخیز کلی! تو آ اور اپنی بھینی بھینی خوشبو سے ہماری محفل کو معطر کر دے!

انیسِ نسواں! آ اور جلد آ۔ تو ہماری آنکھوں سے اُتر کر ہمارے دلوں میں آ۔ ہم تیری جیسی انیس کے لئے تڑپ رہے تھے۔ مُسلم خواتین تجھ کو سر اور آنکھوں پر بٹھائیں گی۔

انیسِ النسواں! تجھ کو دیکھ کر ہم کیوں نہ خوش ہوں تو ہماری سچی خیر خواہ تو ہماری رہبرِ حقیقی ہے۔ تو ہماری وہ ترقی چاہتی ہے جو کبھی مسلم خواتین کا امتیاز تھی۔

انیسِ نسواں! آ اور اپنی پاک ضیاؤں سے ہمارے تاریک دلوں کو روشن کر دے آ اور ناخدا بنکر ہماری بھولی بھالی بہنوں کو قعرِ فیشن میں ڈوبنے سے بچا۔

انیس النسواں! تو نسوانی حیا کی روح ہے۔ تو فرشتوں کی معصومیت ہے دامن مریم کا نچوڑ ہے۔ ہماری حالت اسوقت بہت تباہ ہے۔ فیشن کی آسیا ہماری نسوانی حیا کو پیس رہی ہے۔

بے حیائی کا خوفناک دیوتا ہم کو نگل جانے کے لئے منہ کھولے ہوئے ہے۔

انیسِ نسواں! آ اور ہم کو اپنی گود میں لے لے۔ تیری ہی تربیت سے ہم کسی قابل ہو جائیں۔ تو ہو جائیں ورنہ ہمارے دل ٹوٹ چکے ہیں۔ ہمارے جسموں میں جان نہیں رہی

انیسِ النسواں! تو ایسے وقت میں آئی کہ ہم نہ اپنی نماز سمجھتے ہیں اور نہ اللہ کے احکام سے واقف ہیں۔ اللہ کا یہ احسان ہے کہ تجھ کو ہماری فلاح و بہبودی کے لئے بھیجا۔

انیسِ نسواں! تو بیشک مسلم خواتین کو اُن کا بھولا ہوا سبق یاد دلا۔ وہی سبق جو ہماری مائیں پڑھ کر وہ یادگاریں چھوڑ گئیں جو اب تک فخر کے قابل ہیں۔ ہم وہی سبق یاد کرنا چاہتی ہیں جس کو پڑھ کر ہم بھی ترقی کے اصلی شاہراہ پر چلنے لگیں۔

انیس نسواں! ہم کو تیری بڑی ضرورت ہے تو ہمیں نیک و بد سے خبردار کرے گی اور ہم کو وہ آزادی دلائے گی جو شارع اسلام نے ہمارے لئے جائز قرار دی تھی۔ ہم دوسروں کے پیچھے لگ کر اصلی راہ چھوڑ بیٹھی ہیں تو آ اور ہمارا ہاتھ پکڑ اور ہماری صحیح رہنمائی کر۔ ہم ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہیں۔ ہم دوست دشمن میں بھی تمیز کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

انیس نسواں! ہم تیرا دل سے خیر مقدم کرتی ہیں تو آ اور ہم کو سچی مسلمان بنا۔ اللہ تیری عمر دراز کرے آمین!

فاروقہ سلطانہ

نورِ الٰہی

اللہ ہی کے نور سے آسمان اور زمین میں روشنی ہے اُس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہے اور وہ چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے اور قندیل اس قدر صاف و شفاف ہے گویا موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے وہ چراغ زیتون کے ایک مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ پورب کے رُخ واقع ہے نہ پچھم کے رُخ اُس کا تیل اس قدر صاف ہے کہ اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تو بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے آپ جل اُٹھے گا غرض کہ ایک نور نہیں بلکہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہو۔ اللہ لوگوں کے سمجھنے کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے (نور)

قرآن کے انمول موتی

تجھ پر جیسی پڑے جھیل بیشک یہ ہمت کے کام ہیں اور لوگوں سے بے رخی نہ کر اور زمین پر اترا کر نہ چل۔ کیونکہ اللہ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور کسی سے بات کرے تو ہولے سے بول کیونکہ بُری سے بُری آواز گدھوں کی ہے (لقمان)

زبانِ خلق

میں اللہ تعالے کا شکر گزار اور اپنے قدر دانوں کا ممنون ہوں کہ میری ناچیز خدمات کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ کر ہر طرح سے حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ قبولیت عام نے جس گرمجوشی سے انیسِ نسواں کا استقبال کیا ہے۔ اس کے لئے میں اسی مسبب الاسباب کا شکر گزار ہوں جس نے میری بے مائگی اور بے سروسامانی کو انیسِ نسواں کی اشاعت میں حائل نہ ہونے دیا۔ انیسِ نسواں اگر طبقۂ نسواں کی کوئی حقیقی خدمت کر رہا ہے تو یہ بھی اُسی ذوالجلال والاکرام کا کرم ہے۔

محمد اکرام

نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی محمد حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی رئیس علیگڈھ

رسالۂ انیسِ نسواں کے دو نمبر جنوری اور فروری کے میں نے دیکھے اُس کی ظاہری باطنی خوبی سے پوری مسرت ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ نسوانی میں جو ہنگامہ آج برپا ہے اور افراط و تفریط کا جو دور دورہ ہے اُس کے حل کے لئے جس اعتدال اور ضبط کی ضرورت تھی اُس کا ترجمان بنکر یہ رسالہ میدان میں آیا ہے۔ مضامین غور اور تجربہ کا وزن رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے ذمہ داری کا احساس رکھتے ہیں

سونے میں سہاگہ سر شیخ عبدالقادر صاحب کے مضامین ہیں۔ فروری کے نمبر میں "اچھی گھر والی" کے عنوان سے جو مضمون ہے وہ آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ اُمید ہے کہ شیخ صاحب کی فرصت انیسِ نسواں کے حال پر مزید توجہ مبذول کریگی

شیخ محمد اکرام صاحب بھی کہنہ مشق اہلِ قلم ہیں سر شیخ صاحب کے فیض یافتہ ہیں میں رسالے کی خوبی پر ایڈیٹر صاحب اور اُن کی رفیقِ زندگی جائنٹ ایڈیٹر صاحبہ مسز اکرام کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

پبلک سے اُمید ہے کہ اس رسالے کی پوری قدر کرے گی خصوصاً پبلک کا وہ حصّہ جو مذاقِ سلیم رکھتا ہے۔

آغا شیر احمد خاں صاحب بی اے بی ٹی ایل ایل بی

وہ رسالہ جو اس غرض سے جاری کیا گیا ہے کہ مسلم خواتین کو اپنے مذہب کی طرف متوجہ کرے اور ان کو تباہ کُن و گمراہ کُن تہذیب کی زد سے محفوظ رکھے اور جس کے اوراق میں نہایت سادہ اُور سلیس زبان میں قرآن کریم کے مطالب اور معارف بیان کئے گئے ہوں جس کے اجزاء میں رسوم مذمومہ کی تخریب کا مقصد بھی شامل ہو اس رسالے کو تعمیر ملت کی مقدس تحریک کا میں نقیب سمجھتا ہوں۔ آج تک میں نے کوئی دوسرا رسالہ ختم نہیں کیا۔ مگر انیس نسواں وہ پہلا رسالہ ہے جو میں نے شروع سے لیکر آخر تک پڑھا۔ اور اس کے ہر لفظ اور ہر فقرہ پر غور و فکر کرتا گیا۔ اس نیک سعی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور خدائے بزرگ و برتر کے دربار میں دست بدعا ہوں۔ کہ آپ کی مساعی مشکور ہوں اور ہماری بہنیں بیٹیاں انیسِ نسواں کے آغوشِ تربیت میں سچی مسلمان ہو کر نہیں جن کی گود میں مجاہد اور قابل مسلمان پرورش پائیں۔

جنوری کے رسالہ انیس نسواں میں جناب اڈیٹر صاحب کا یہ ارادہ دیکھ کر کہ اس رسالہ میں مذہب کو دلکش اور آسان پیرائے میں پیش کیا جائے گا۔ بیحد خوشی ہوئی بے شک مذہب کو دلچسپ پیرائے میں پیش کیا جانا جس قدر ضروری تھا اسی قدر آجتک اس کام سے تساہل برتا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ محترم بھائی شیخ محمد اکرام صاحب کی فرزانگی سے یہ ضروری کام پوشیدہ نہ رہیگا اور انھوں نے یہ کام شروع کرکے قوم پر بے حد احسان کیا۔ فروری کا پرچہ میرے سامنے ہے اور میں دیکھ رہی ہوں کہ واقعی اس کے دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ میں نے جس کسی کو بھی یہ رسالہ دکھایا اُس نے بیحد تعریف کی یہ چیز ہی ایسی ہے کہ خراج تحسین وصول کرنے کی ہر طرح مستحق ہے۔ کیوں نہ ہو جو کام قابل اور تجربہ کار شخصیت کے ہاتھوں میں ہوگا اُس کام کی خوش نصیبی کا پوچھنا کیا۔

د۔ ب۔ سعید

مولوی محمد یار خاں بی۔اے سابق ڈائرکٹر محکمہ تعلیم بہاولپور

انیس نسواں اپنی نوعیت کا ایک ہی رسالہ ہے اور عین ضرورت کے وقت نکلا ہے انشاء اللہ آپ کو بڑی کامیابی ہوگی۔

مولوی مشتاق احمد زاہدی

نئے سال کا پہلا نمبر (ماشاء اللہ چشم بددور) کس شان سے شایع ہوا ہے۔ سر ورق کی صناعی صوفیانہ سادگی اور ایشیائی خوش رنگی کا بہترین نمونہ ہے۔ صوفیانہ زمین پر سنہری گلکاری جس میں سبزی مائل آسمانی رنگ موزونیت کے ساتھ جابجا اور خاص کر متن پر جھلک رہا ہے۔ صلنع حقیقی کی یاد دلاتا ہے جس نے گنبدِ خضریٰ کے نیچے اور خاکستری زمین کے اوپر رنگ برنگ کے پھول کھلائے ہیں۔

مضامین کی نسبت کیا عرض کروں آپ نے قوم کے بہترین تجربہ کار کہنہ مشق مضمون نگار اور مصنف جمع کرلئے ہیں جنھوں نے اپنے کلام بلاغت نظام میں وہ وہ موتی پرودئے ہیں کہ آپ کا رسالہ سلکِ مروارید بن گیا ہے۔ اور سونے پر سہاگہ یہ کہ آپ نے جابجا کتاب ہدا کی ترجمانی کرکے ظلماتِ معصیت کو شمعِ ہدایت کے نور سے منور کردیا ہے۔ آپکو اور محترمہ مسز اکرام کو اس غیر معمولی کامیابی پر تہِ دل سے مبارکباد دیتا ہوں اور چند قابل قدر اقوال انیسِ نسواں سے اخذ کرکے پیش خدمت کرتا ہوں تاکہ ناظرین اور ناظرات آپ کے رسالے کے مطمح نظر کو بخوبی سمجھ سکیں۔

آنریبل سر شیخ عبدالقادر لندن سے فرماتے ہیں کہ "بہنوں کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ہمارے اپنے ملک کی جو اچھی خصلتیں اور عادتیں ہیں وہ کھوئی نہ جائیں اور ہماری روح میں مشرقی نورانیت باقی رہے" اور مذہب کیطرف رجوع کرنے کے سلسلے میں کیا خوب فرماتے ہیں کہ "مذہب کا اصلی اور صحیح مفہوم اہلِ مذاہب نے بھی بھلا رکھا ہے۔"

مرحوم و مغفور جناب حکیم اجمل خاں صاحب کا مقولہ ہے کہ اگر ہم نے غیروں کی معاشرت اختیار کی تو ہم اپنے قومی شعاروں سے جن کی وجہ سے ہم حقیقت میں ایک قوم سمجھے جاتے ہیں علیحدہ ہوتے

جائیں گے "۔ ساتھ ہی وہ ہندوستان کی مسلمان خواتین کو یہ نصیحت بھی کرنا چاہتے ہیں کہ ان کو (یعنی خواتین کو) یورپ کی بکار آمد اور مفید چیزوں کے لیے بھی بخل اور تعصب نہیں کرنا چاہیئے"
علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب نصیحت کرتے ہیں کہ عورتوں کو " جہاں اپنے حقوق کی حفاظت کرنا ضروری ہے وہاں اپنے بیٹوں۔ بیٹیوں۔ شوہروں۔ بھائی بہنوں اور والدین کے لئے بھی ہر امکانی کوشش کرنا ضروری اور لازمی ہے "

جناب چودہری خوشی محمد صاحب ناظر فردوسی عورتوں کو آزادانہ اور سچی نصیحت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ " آزادیٔ خیال کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اکثر نسوانی مجالس اور صحائف میں مردوں کے مظالم کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ صحائف کی گرم بازاری کا موجب ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ بعض حالتوں میں مردوں کا سلوک قابل ملامت بھی ہوتا ہے مگر عام طور پر اس قسم کا پروپیگنڈا برے نتائج پیدا کرتا ہے "

اس نصیحت کو ہماری نسوانی صحائف کی دلدادہ خواتین کو اور خانگی جنگ پیدا کرنے والے صحیفہ نگاروں کو غور سے پڑھنا چاہیئے۔

محترمہ گلشن افروز بیگم صاحبہ از کپورتھلہ فرماتی ہیں کہ " مسلمان عورتوں کو کبھی اُس آزادی سے آگے بڑھنے کی خواہش نہیں کرنی چاہیئے جو مذہب اسلام نے اُن کو عطا کی ہے " اور جو اُن کے حقوق کی ضامن ہے۔

عورت کے سات حقوق نہایت وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ مسلمان مرد کو ان ساتوں حقوق کے قبول کرنے سے انکار نہیں ہوسکتا۔

ایڈیٹر صاحب اور محترمہ مسز اکرام صاحبہ کے مضامین تنقید سے بالاتر ہیں۔ خاص کر قرآن مجید کے اقتباسات کی ترجمانی جو از اول تا آخر پڑھے جانے چاہئیں۔

محمد ہارون خاں صاحب شروانی پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن

انیس کی زیدہ زیبی اور مضامین کی افادیت پر کسے شک ہوسکتا ہے۔ موجودہ فضا کو پیش رکھنا مزوری ہے

میری ناچیز رائے میں ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری معاشری اور سماجی کیفیات میں اعتدال پیدا ہو
ہماری اسلامی روایات زمانے کے تند و تیز سیلاب میں کہیں خدانخواستہ بہہ نہ جائیں۔

قمر النسا بیگم صاحبہ از بدایوں

انیس نسواں کو دیکھ کر جس قدر مجھ کو خوشی ہوئی بیان نہیں کر سکتی۔ خاص کر یہ اعلان دیکھ کر کہ آپ قرآن مجید کا اردو ترجمہ انوار قرآن کی صورت میں شائع کرنا چاہتے ہیں۔ بیحد خوشی ہوئی اس کام کو بہت مقدم سمجھئے۔ قرآن پر عمل کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر ممکن نہیں۔

ن ر ج صاحبہ بنت سید ناصر نذیر فراق مرحوم

بیگم محمد اکرام تو میری پرانی کرم فرما ہیں۔ میرے والد ماجد حکیم سید ناصر نذیر مرحوم کے تعلقات شیخ صاحب کے ساتھ بہت زیادہ تھے وہ زمانہ مجھ کو یاد ہے جب سر شیخ عبدالقادر اور شیخ محمد اکرام صاحب کی ادارت میں رسالہ مخزن اور عصمت آراستہ و پیراستہ اور نک سک سے درست ہو کر دلہن بنکر نکلتے تھے۔ میری عمر اسوقت دس برس کی تھی جب میرے والد مرحوم مخزن اور عصمت کے لئے مضامین لکھتے تھے۔ میں اسی وقت سے انشائے ادب کی گرویدہ ہوں۔ جب والد مرحوم کوئی مضمون لکھتے تھے تو گھر میں سنایا کرتے تھے۔ اسوقت میں عمر کے موافق اس میں دلچسپی لیتی تھی ہائے وہ صحبتیں ہی نہ رہیں مصحفی میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو۔ دنیا فانی ہے اور اس کی ہر چیز آنی جانی ہے۔

انیس نسواں کو دیکھ کر طبیعت پھڑک گئی۔ وہی زمانہ پھر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اللہ تعالے انیس نسواں کو آفتاب نسواں بنا کر چمکائے اور ہمارے دیرینہ کرم فرما ایڈیٹر شیخ محمد اکرام صاحب کو ہمت دے اور تا دیر زندہ و سلامت رکھے آمین۔ خدا سے دلی دعا ہے کہ انیس نسواں کا ننھا پودا خوب پھولے پھلے اور ہم عورتوں کے لئے انیس ہی ثابت ہو۔ ماشا اللہ انیس نسواں کی دیدہ زیبی اور دل آویزی سے آنکھوں میں نور اور مضامین دیکھ کر دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ میری عزیز بہنیں اس کی قدر کریں گی۔

"مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن ہیں اور تم اُنکی چولی ہو" (البقر)

ایڈیٹر۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹر ایٹ لا۔ جائنٹ ایڈیٹر۔ مسز محمد اکرام

چندہ سالانہ مع محصولڈاک پانچ روپے (ﷲ) + سستا ایڈیشن تین روپے (ﷲ) فی پرچہ ۸ر و ۴ر

فہرست مضامین

سورۃ النسا کے مطالب

عرب میں جاہلیت کے زمانے میں جو ناانصافیاں عورتوں سے روا رکھی جاتی تھیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شخص مرجاتا تو جس طرح اُسکا ترکہ اُسکے وارثوں کے قبضہ میں چلا جاتا اسی طرح اُس کے وارث اُس کی بیویوں پر بھی قابض ہو جاتے۔ اس بے انصافی کو روکنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانو! تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ عورتوں کو کسی مرنے والے کے ترکے کی میراث سمجھ کر ان پر زبردستی قبضہ کرلو اور نہ ایسا کرنا چاہئے کہ جو مال تم اُن کو دے چکے ہو اُس میں سے واپس لینے کے لئے اُن پر سختی کرو اور انہیں روک رکھو مگر یہ کہ اُنھوں نے علانیہ کھلی ہوئی بد چلنی کی ہو۔

اور دیکھو عورتوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کے ساتھ رہو سہو پھر اگر وہ کسی وجہ سے تم کو ناپسند ہوں تو ضبط اور صبر سے کام لو عجب نہیں کہ جس بات کو تم پسند نہیں کرتے ہو اسی میں اللہ نے تمہارے لئے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو اور اگر تم حسنِ معاشرت کے ساتھ نباہ نہ کرسکو اور یہ ارادہ کرہی لو کہ ایک بیوی کو چھوڑ کر اُس کی جگہ دوسری کروگے اور پہلی بیوی کو تم نے چاندی سونے کا ایک ڈھیر بھی مہر میں دیدیا ہو تو بھی نہیں چاہئے کہ اُس کو علیحدہ کرتے وقت۔ اس میں سے کچھ واپس لے لو کیا تم چاہتے ہو کہ اپنا دیا ہوا مال کوئی بہتان لگاکر اور انپر ظلم کر کے واپس لے لو۔ اور پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم اُسے واپس لو حالانکہ تم دونوں شوہر اور بیوی کی طرح رہ چکے ہو اور تمہاری بیویاں تم سے نکاح کے وقت اپنے حقوق کے لئے پکا قول و قرار لے چکی ہیں۔ اور دیکھو ان عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ لاؤ جنہیں تمہارے باپ نکاح میں لا چکے ہوں جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا۔ اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا آئندہ کے لئے یہ یاد رکھو کہ یہ بڑی بے حیائی کی بات تھی اور بہت بُرا اور مکروہ کام ہے۔

مسلمانو! دیکھو ذیل میں لکھی ہوئی عورتیں تم پر نکاح کے لئے حرام کر دی گئی ہیں۔ تمہاری مائیں تمہاری بیٹیاں تمہاری بہنیں تمہاری پھوپیاں اور خالائیں تمہاری بھانجیاں اور بھتیجیاں، تمہاری دودھ پلانے والی مائیں اور تمہاری دودھ کی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیوی کی پچھلی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں یعنی اگرچہ تمہاری نسل سے نہیں ہیں لیکن جب ان کی ماؤں سے تم نے نکاح کر لیا تو اُس کی پہلی اولاد بھی تمہاری ہی اولاد جیسی ہو گئی البتہ یہ ضروری ہے کہ عقد نکاح کے بعد میاں بیوی کا تعلق بھی ہو گیا اگر ایسا نہ ہوا ہو تو پھر اُس کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں اور نیز یہ بات بھی حرام کر دی گئی کہ ایک وقت میں دو بہنوں کو اپنی بیوی کے طور پر اکٹھا کرو۔ (حدیث کی رو سے خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کا جمع کرنا بھی جائز نہیں) اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا۔ اللہ بخش دینے والا اور اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے

اور دیکھو وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں۔ جو دوسروں کے نکاح میں ہوں ہاں لڑائی کے قیدیوں میں سے، جو عورتیں تمہارے قبضہ میں آگئی ہوں۔ یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لئے قانون ٹھہرا دیا گیا ہے۔

ان عورتوں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے تمام عورتیں تم پر حلال ہیں تم ان سے نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ ازدواجی زندگی کے قید و بند میں رہنے کے لئے نہ کہ نفس پرستی کیلئے اپنا مال خرچ کر کے ان سے نکاح کرو۔ پھر جن عورتوں کے ساتھ تم نے ازدواجی زندگی کا فائدہ اٹھایا ہے تو چاہئے کہ جو مہر ان کا مقرر ہوا تھا وہ ان کے حوالے کر دو۔ اور مہر مقرر کرنے کے بعد اگر آپس کی رضامندی سے کوئی بات ٹھہر جائے یعنی آپس کی بیشی بیوی منظور کر لے یا اس کا کوئی حصہ یا سب کچھ اپنی خوشی سے معاف کر دے تو ایسا کیا جا سکتا ہے تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یاد رکھو اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات میں حکمت رکھنے والا ہے۔

اور تم میں جو کوئی اس کا مقدور نہ رکھتا ہو کہ مسلمان بیویوں سے نکاح کرے تو

ان عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے جو لڑائی کے قیدیوں میں سے تمہارے قبضے میں آئی ہوں اور ایمان والی ہوں مسلمانو! اور اس بات میں کوئی ذلت اور عیب نہ سمجھو کہ تم نے ایک ایسی عورت سے نکاح کر لیا جو لڑائی میں قید ہو کر آئی تھی اور لونڈی بنالی گئی تھی - ایمان بڑی چیز ہے - اور اللہ تمہارے ایمانوں کا حال بہتر جاننے والا ہے ہو سکتا ہے کہ ایمان کے لحاظ سے ایک لونڈی مومن بہتر درجہ رکھتی ہو اور ایک شریف زادی ایمانی خصائل سے محروم ہو اور تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو یعنی انسان ہونے کے لحاظ سے سب ایک ہی طرح کے انسان ہیں پس ایسی عورتوں کو ان کے سرپرستوں کی اجازت سے بلا تامل اپنے نکاح میں لاؤ - اور دستور کے مطابق اُن کا مہر اُن کے حوالے کر دو - البتہ یاد رہے کہ وہ ازدواجی زندگی کے قید و بند میں رہنے والی ہوں علانیہ یا خفیہ بدکار عورتیں نہ ہوں -

پھر اگر ایسا ہو کہ قیدِ نکاح میں آنے کے بعد اُن میں کوئی عورت بدچلنی کرے تو اُس کے لئے اس سزا سے آدھی سزا ہو گی جو آزاد بیبیوں کے لئے ہے

یہ حکم اُن لوگوں کے لئے ہے جنہیں اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کر لینے سے نقصان اور برائی میں پڑ جائیں گے اور اگر تم صبر کرو اور بہتر وقت اور حالت کا انتظار کر سکو تو یہ تمہارے لئے کہیں بہتر ہے اور اللہ انسانی کمزوریوں کو بخشنے والا اور اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے

زندگی

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی　　ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ　　جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے　　سرِ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ　　جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب　　اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے　　گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب　　اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

سر اقبال رح

آغوش تربیت

قوم کی آیندہ نسلوں کا کیریکٹر اور اُن کے خصائل اور سیرت کی تشکیل ماں کے آغوشِ تربیت پر منحصر ہے۔ قوم کے بچوں کی صحیح غور و پرداخت ماؤں ہی کی گود پر موقوف ہو۔
آیندہ نسلوں کی تربیت گاہ زمانۂ حال کی ماؤں کی گود ہے۔

یہ وہ خیالات ہیں جو زمانہ حال کے بڑے بڑے تجربہ کار اور قابل ماہرین نے وقتاً فوقتاً ظاہر کئے ہیں۔ اس لئے آج کل کے مسلمانوں کی سب سے بڑی ذمہ داری اور سب سے اہم فرض اس تربیت گاہ کی طرف خاص توجہ دینے کا ہے اگر زمانہ حاضرہ کی ماؤں کی تعلیم و تربیت ناقص اور ادھوری ہے تو وہ اعلیٰ تربیت کے اہم فرایض کیونکر ادا کرسکتی ہیں اس بارے میں مزید غفلت ہماری تباہی کی تکمیل کا باعث ہوگی۔ اور ہم صدیوں تک اس ذلت اور رسوائی کے غار سے نہ اُبھر سکیں گے۔

نظامِ حیات اور حُسنِ معاشرت عورت مرد کی مشترکہ اور متفقہ کوششوں پر موقوف ہے کارِ زارِ حیات کے اہم فرایض اگر مرد کے ذمہ ہیں تو نظامِ حیات کو خوشگوار بنانے کے لئے عورت کی ذمہ داریاں بھی کچھ کم نہیں حقیقت یہ ہے اگر مرد اور عورت اپنے اپنے دائرۂ عمل میں کامیابی حاصل کرکے زندگی کی منزل طے کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ہم آہنگ ہوں تو قدم قدم ٹھوکروں اور دشواریوں سے سامنا ہوتا ہے۔ دراصل فرایض کی بجا آوری میں کوتاہی اور سہل انگاری قوم و ملت کی تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اہلِ مغرب کی موجودہ تہذیب آیندہ نسلوں کے حق میں کانٹے بو رہی ہے۔ یورپ کی تہذیب حاضرہ مرد اور عورت کے فرایض مقرر نہ کرنے کی وجہ سے قوم کو ایک ایسی گہرائی کی طرف لے جارہی ہے جس کا کہیں ٹھکانہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے یورپ اور امریکہ کے مدبرین موجودہ تہذیب اور طرزِ معاشرت

کے ہاتھوں نالاں اور پریشان ہیں کہ پلیٹ فارم پر تقریروں میں او اپنے مضامین اور تحریروں میں یہی رونا رو رہے ہیں کہ زمانہ حاضرہ کی عورت اپنے فرائض سے قطعاً لاپرواہ ہو کر ہماری معاشرت کو تباہ کر رہی ہے۔ گھر کی زندگی کی مسرتیں مفقود ہو گئیں اور کلب اور ہوٹل نے گھر کی جگہ لے لی ہے۔ یورپ اور امریکہ کی عدالتوں میں طلاق کے مقدموں کی بھرما اور خودکشیوں کی کثرت اور عورت کے بیجا مطالبات نے ناک میں دم کر دیا ہے۔

مسلم خواتین اگر اخبارات کا مطالعہ باقاعدہ کرتی رہیں تو اُن کو یہ حال تو معلوم ہوتا رہے کہ جس تہذیب کی ہر ادا پر وہ فریفتہ ہو رہی ہیں کن کن خرابیوں کا موجب بن رہی ہے۔ اس ہنگامہ خیز اور بے پناہ طوفان سے محفوظ ہونے کے لئے قوم کے تجربہ کار ماہرین اپنی مختلف تدابیر سے باغِ مغرب کی تیتریوں، کی موجودہ طرز معاشرت کو بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ابھی تک اُن کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوئی۔

انیس نسواں کے پچھلے پرچے میں آنریبل سر شیخ عبدالقادر صاحب کا مضمون اچھی گھر والی، کے عنوان سے شایع ہو کر قبولیت عام کا خراج وصول کر چکا ہے۔ اس قابل قدر مضمون کے مطالعہ سے وضح ہوتا ہے کہ اتنے بڑے کارخانہ کے کھولنے کی رسم ادا کرنے کی عزت ایک غریب مزدور کی بیوی کو اس لئے حاصل ہوئی کہ اُس نے اپنی خانہ داری کے سلیقہ سے ایک غریب مزدور کے گھر کو ایک بہشت بنا رکھا تھا۔ چھ صاف ستھرے تندرست بچے اس مختصر سے خانہ راحت کے چشم و چراغ تھے۔ ایسے گھر میں میاں بیوی کا باہمی خوشی سے زندگی بسر کرنا مقصدِ حیات کی تکمیل کی ایک خوبصورت تصویر ہے۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جن کی تقلید کرنے سے اسلام کی متاہلانہ زندگی کی تصویر آنکھوں میں کھنچ جاتی ہے۔ تو جو مسلمان اسلامی حسنِ معاشرت کی روایتوں کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یورپ کی طرز معاشرت کی تقلید ہی ان کے لئے صواب ہے تو وہ ایسی ہی مثالوں کو پیش نظر رکھیں جن کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں۔

خانہ داری کے فرائض کی طرف عورتوں کو متوجہ کرنے کی بہترین تدبیر تھی جو اس کا زمانہ کے منتظمین عمل میں لائے۔ رسم افتتاح کی ادائیگی ایک بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے اور یہ بڑے بڑے معزز اور ممتاز لوگوں کے علاوہ شاہی خاندان کے افراد کے لئے مخصوص ہوتا ہے مگر چونکہ خانہ داری کی طرف عورتوں کو متوجہ کرنا تھا اس لئے ایک غریب عورت کی عزت افزائی کی گئی۔ حالانکہ اس رسم کی ادائیگی کے لئے پانچ ہزار درخواستیں تھیں۔

وہ مسلم خواتین جو مغرب کی تقلید میں خانہ داری کے جملہ فرائض اپنے خانساموں اور بہروں کے سپرد کر دیتی ہیں اور اپنے بچوں کو آیاؤں کی گود میں دیکھ کر خوش ہوتی ہیں وہ "اچھی گھر والی" کو بار بار پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔

یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ عورت کے مرتبے کو اس درجے تک پہنچا دیتا ہے کہ اس سے ایک ہلکی سی جنبش بھی ادہر ادہر کی جائے تو تمام شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ نظام حیات کو قائم رکھنے کے لئے عورت کا وجود بہت سی اہم ذمہ داریاں لئے ہوئے ہے۔ آج مسلمان انہی اصولوں سے غافل ہو کر اپنی تباہی کا سامان خود اپنے ہاتھوں سے مہیا کر رہے ہیں۔ اور عورت کو بیکار اور مفلوج کر رکھا ہے۔ حالانکہ اسلام عورت کی حیثیت اور صلاحیتِ فطرت کو بہت نمایاں کر کے دکھاتا ہے عورت کے فطری حقوق تسلیم کر کے اس کے فرائض کا بھی تعین کر دیتا ہے۔ وہ اسے قوم و ملت کا امین بناتا ہے اور اس قدر خود مختار بنا دیتا ہے کہ اس کے حقوق پر مرد غاصبانہ قبضہ کرنے کے لئے آئین الٰہی میں ترمیم نہیں کر سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ عورت اپنے حقوق کی نگہداشت پر خود قاصر رہے۔ مگر اس کے لئے جو قانون آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے بن چکا ہے اس میں قیامت تک کوئی تبدیلی یا کمی نہیں ہو سکتی　　محمد اکرام

میری نظر میں بہتر ہے زہاد کی خشک ریاضت سے
بچے کے آرام کی خاطر شب بیداری ماؤں کی
　　　　اسد ملتانی

موتیوں کا ہار!

میرے محترم خانصاحب شیخ عبدالعزیز سابق آنریری سکریٹری انجمن حمایت اسلام لاہور نے اپنی صاحبزادی کی تقریب سعید کتخدائی کے موقعہ پر مجھے فرمائش کی تھی کہ میں ایک ایسی نظم تحریر کردوں جو تحائف جہیز کے ساتھ بیٹی کو دی جائے اور ان جذبات کی آئینہ دار ہو جو رخصت کے وقت ایک باپ کے دل میں موجزن ہوتے ہیں ذیل کے اشعار میں اس ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ اور پند سودمند کا اسپر اضافہ کیا گیا۔ احقر ناظر

ہے رخصت آج تری! الوداع بنتِ عزیز
کفیلِ کار ترا لطفِ کردگار رہے

تمہارے دم سے شگفتہ رہی فضا گھر کی
نسیم جیسے چمن میں شگوفہ کار رہے

مثالِ غنچہ گلستاں میں جب سے کھولی آنکھ
نثار تم پہ گل و شاخ برگ و بار رہے

جدائی نورِ نظر کی پدر کی آنکھوں سے
یہ وقت وہ ہے کہ تا زیست یادگار رہے

تمہاری یاد سے دل شاد بھی ہے غمگیں بھی
برنگ لالہ کہ رنگین و داغدار رہے

یہ حال دیدۂ گریاں کا تھا دمِ رخصت
کہ بر سگال میں جس طرح آبشار رہے

پرانا گھر تھا محبت کا تیری گہوارہ
نئے وطن میں بھی الفت کا کاروبار رہے

چمن میں عیش کے فصل بہار ہو کہ خزاں　　تمہارے لب پہ سدا خندۂ بہار رہے
دلوں میں مہر و محبت کا گر رہے پیوند　　تو ناگوار بھی انساں کو خوشگوار رہے
ترانہ ریز محبت رہیں در و دیوار　　تو صحن خانہ مسرت کا نغمہ زار رہے
خیال پست نہ آئے کبھی تصور میں　　یہ دل منازل علوی کا رہگزار رہے
نہ غیظ و غصہ سے برہم ہو اعتدال مزاج　　دل و دماغ کا آئینہ بے غبار رہے
وہ اعتدال طبیعت ہو رنج و راحت میں　　کہ سوز و ساز سے ہستی کے سازگار رہے
بشر سکون قناعت کا گر نہ ہو خوگر　　ہمیشہ عیش کے ماتم میں سوگوار رہے
جو سرد و گرم جہاں سے کبھی پڑے پالا　　تو دل نہ یاس کی ظلمت سے تنگ و تار رہے
وہ ناز نوع بشر ہے وہ فخر نسواں ہے　　جو غمزدوں کی مصیبت میں غمگسار رہے
تکلم اس کا ہو غمگین دلوں کو تسکیں بار　　نسیم دشت میں جس طرح مشکبار رہے
کمینہ پن کا نشاں ہے غرور دولت و جاہ　　ہے آبروہی انساں کی خاکسار رہے
کیا سپرد خدا تجھ کو فی امان اللہ　　اسی کے لطف کا سر پر ترے چھا رہے

یہ سلک گوہر معنی ہے ہدیۂ ناظر
یہ موتیوں کا گلے میں تمہارے ہار رہے

نسخہ کیمیا

مسلم خواتین! اسلام کے گذشتہ جاہ وجلال کی داستان کو اب قصہ پارینہ سمجھو اب مدح سرائیوں پر خوش ہونیکا وقت نہیں۔ اور نہ گذشتہ عظمت وشان پر رونے دھونے سے کچھ کام چل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہر ایک قوم کے مٹنے کا ایک وقت مقرر ہے اور جب ان کا وقت آپہونچتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ (اعراف)

بس اب اسی ارشاد پر سر نیاز جھکا دو اور صبر اور استقلال سے زمانے کے انقلاب کا مقابلہ کرو۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی ہم صفحۂ ہستی سے مٹے نہیں۔ ورنہ پہلی قوموں کا تو نام ونشان بھی باقی نہیں۔ ابھی اسلام کے نام لیوا تو باقی ہیں۔ گو اسلام کی وہ روح نہیں رہی۔ ہم سیدھے رستے پر تو کھڑے ہیں مگر چلنے کی ہمت نہیں۔ ہم آگے بڑھنے کا ارادہ تو کرتے ہیں مگر قوتِ ارادی مدد نہیں کرتی ہم حیران ہوکر چاروں طرف دیکھتے ہیں مگر اپنی بے بسی کو دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں اور یہی سوچتے رہتے ہیں کہ ہم کیا تھے اور کیا ہوگئے۔ مدد کے لئے ایک ایک کا منہ تکتے ہیں لیکن کوئی دستگیری نہیں کرتا۔ یہ حالت ہوگئی مگر ہم ابھی اپنی آنکھوں سے غفلت کا پردہ نہیں اُٹھاتے۔

ابھی تک ہم گذشتہ حکومت کے خواب دیکھ رہے ہیں اور دل میں یہ یقین کئے بیٹھے ہیں کہ یک بیک انقلاب کی ایک لہر اُٹھے گی اور ہماری وہی شان وشوکت واپس آجائے گی۔ مسجدوں میں دعائیں مانگتے ہیں کہ الٰہی مسلمانوں کی تباہ حالت پر رحم فرما۔ الٰہی دنیا کی قوموں کو تخت و تاراج کردے اور مسلمانوں کو پھر تخت وتاج دیدے۔

خدا سے دعا تو مانگتے ہیں مگر خدا کے حکموں کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ بھی نہیں جانتے کہ اس بارے میں خدا کا کیا حکم ہے اللہ تعالےٰ کا صریح ارشاد ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا

جبتک قوم خود اپنی حالت نہ بدلے (الرعد)　خدانے آجتک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی　نہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جب ہم کو خدا نے اتنا اختیار اور قوت دے رکھی ہے کہ ہم اپنی حالت آپ بدل سکیں تو پھر مدد کے لئے دوسروں کا منہ تکنا بے سود ہے جب خداوند کریم کا یہ ارشاد ہو تو ہم کسی انقلاب کے کیوں منتظر رہیں۔ زمانۂ حال میں ترکوں نے اپنی مثال تقلید کے لئے قائم کر دی ہے۔ آج سے صرف پچیس سال پیشتر ترکوں کی کیا حالت تھی تمام یورپ ترکی کو مرد بیمار سمجھتا تھا لیکن مصطفےٰ کمال مرحوم نے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد پر عمل کیا اور اپنی قوم کی حالت خود بدلنے کی کوشش کی۔ قرآن مجید کے مطالعہ نے مزاج میں وہی استقلال پیدا کر دیا جو کسی زمانہ میں مسلمانوں کے لئے طرۂ امتیاز تھا۔ آغاز اسلام میں مسلمانوں نے قریش کے ہاتھوں کیا کیا تکلیف نہیں اُٹھائی۔ یہ صبر و استقلال ہی تھا کہ مسلمانوں نے آخر میں فتح پائی۔ اسی استقلال نے ترک قوم کی مدد کی اور صرف پندرہ بیس سال کے عرصے میں تمام یورپ سے اپنا لوہا منوا لیا آج انکا یورپ کی ممتاز قوموں میں شمار ہوتا ہے۔

کیا ہمارے پاس وہ نسخۂ کیمیا نہیں ہے جس کے ذریعے سے پہلے بھی مسلمان دنیا کی دولت پر قابض ہوگئے تھے اب اسی نسخہ نے زمانۂ حال میں ترکوں کو مالامال کر دیا ہے

مسلمانوں کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن پر عمل کرنے والے ترکوں کی زندہ مثال ہماری آنکھوں کو دکھا دی۔ اسپر بھی ہم آنکھیں نہ کھولیں تو ہمارا اپنا قصور ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہماری رہنمائی کے لئے کتاب ہدا ہم کو عطا کر رکھی ہے مسلمان پڑھیں تو سہی عمل تو شروع کر کے دیکھیں۔

جب تک ہم قرآن مجید پر عمل نہ کریں گے ہم کو نہیں معلوم ہو سکتا کہ اوامر کون سے ہیں اور نواہی کون سے ہیں اللہ تعالےٰ نے کن باتوں پر عمل کرنے کے لئے حکم دیا ہے اور کن بری باتوں کے کرنے سے روکا ہے۔ مسلم خواتین نے جس وقت قرآن پر عمل شروع کیا وہ خود بخود دیکھ لیں گی کہ قرآن دین و دنیا میں ہماری رہنمائی کرتا ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ قرآن پر عمل کرنے والیوں کی ایک جماعت صبغۃ اللہی

یعنی آپ ہی رنگ میں رنگی جائے۔ اور جو قوم ایسی خواتین کی بنے گی وہی اسلام کو پھر زندہ کر سکے گی۔ اور مسلمانوں میں پھر اسلامی روح پھونک دے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو سرچشمۂ ہدایت بنایا ہے۔ زندگی کا دستورالعمل قرار دیا ہے اور ایسی صورتیں لازم کر دی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمان قرآن کو ہمیشہ مدِ نظر رکھیں اور اٹھتے بیٹھتے قرآن مجید کو پڑھتے رہیں اور اُس کے مطالب پر غور کرتے رہیں تاکہ عمل میں آسانی ہو۔ اور اُن پر ایسا رنگ غالب رہے کہ اِدھر اُدھر کی ٹھوکریں نہ کھائیں۔ دنیا میں بھی کامیاب ہوں اور دین بھی ہاتھ سے نہ دیں۔ دنیا میں اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا ہی دین ہے۔ اسی لئے نماز میں یہ التزام ہے کہ مسلمان ہر وقت اللہ کا کلام پڑھتے رہیں گے۔ تو اس پر غور کرنے کا موقع ان کو ملتا رہے گا۔ قرآن کی تلاوت میں ثواب اسی لئے رکھا کہ وہ قرآن کو اس طرح پڑھیں جس طرح اُس کے پڑھنے کا حق ہے قرآن مجید میں بار بار تاکید فرمائی کہ مسلمان قرآن مجید کے مطالب پر غور کریں ہمکو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دلوں پر کیا تالے لگے ہیں کہ تم قران کے مطالب پر غور نہیں کرتے؟

مگر مسلمان نماز پڑھتے ہیں تو اس کو سمجھتے نہیں۔ قران کی تلاوت کرتے ہیں تو مطلب پر غور نہیں کرتے۔ فاتحہ خوانی میں قران پڑھا جاتا ہے۔ رمضان کی تراویح میں کئی کئی مرتبہ قران ختم ہوتا ہے۔ شفائے امراض کیلئے پڑھتے ہیں رد بلا و وبا کیلئے پڑھتے ہیں۔ ثواب کے لئے پڑھتے ہیں برکت کے لئے پڑھتے ہیں۔ ایک ایک حرف کیلئے دس دس نیکیوں کے لئے پڑھتے ہیں۔ قرآن کا ختم قبروں پر ہوتا ہے۔ مرتے وقت پڑھواتے ہیں اور اق کی ہوائیں دیتے ہیں غرضکہ بیسیوں صورتیں قران سے برکت حاصل کرنے کیلئے پیدا ہو گئیں مگر جو غرض قران مجید کے نزول سے تھی وہ حاصل نہ ہوئی۔ قران محض عمل کی کتاب ہے۔ اس پر عمل تو ہم کرتے نہیں مقدر کے شکوے اور نصیب کے گلے لے بیٹھتے ہیں

اسی لئے ہم انوار قران کی اشاعت کا قصد کر رہے ہیں۔ ایک چھوٹی سی خوبصورت

مجلد کتاب ہر مسلمان خاتون کے پاس ہوگی تو وہ اس کو آسانی سے ہر وقت اور ہر جگہ پڑھ سکتی ہے۔ ایک مرتبہ سب ترجمہ پڑھ جائیگی تو اس کو معلوم تو ہوگا کہ اصل اسلام کیا چیز ہے اور کس قدر آسان مذہب ہے۔ خدا کسی بندے کو ایسی تکلیف نہیں دینا چاہتا جو وہ نہ اٹھا سکے۔ آئینۂ اسلام پر فروعات کی گرد جمی ہے۔ صرف مطالعہ قران ہی اسکو دور کر سکتا ہے۔

انوارِ قران کی اشاعت سے دوسری غرض یہ ہے کہ غیر مذاہب کے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ قران میں کیا کیا خوبیاں بھری ہیں۔ خدا کے کلام کی تبلیغ ہر مسلمان پر فرض ہے اصلی تبلیغ یہی ہے کہ ہر مسلمان کو پکا مسلمان بنایا جائے۔ جن کو خدا ہدایت نہ دے ان کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

مسلمان خواتین یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ مسلمانو! تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے رہے اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ ایک نہ ایک دن ان کو ملک کی خلافت یعنی حکومت ضرور عنایت کریگا۔" (النور)

دُنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو کے رہا۔ یہ وعدہ جوں کا توں اب بھی موجود ہے اور قیامت تک یوں ہی قائم رہیگا۔ اس میں آج تک ایک شوشے کا فرق نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔

محمد اکرام

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
ہے لازوال عہدِ خزاں اس کے واسطے کچھ واسطہ نہیں ہے اسے برگ و بار سے
ہے تیرے گلستاں میں بھی فصلِ خزاں کا دور خالی ہے جیبِ گل زرِ کامل عیار سے
جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے
شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو نا آشنا ہے قاعدۂ روزگار سے

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

علامہ اقبالؒ

مزدورِ خوش دِل

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مشہور مصرعہ "کہ مزدورِ خوش دل کند کار بیش" کارکن اور کارفرما دونوں کے لئے ایک زرّیں اصول ہے۔ اس پر عمل کریں تو دونوں کا بھلا اور اس سے غافل ہوں تو دونو کا نقصان ہے۔

چند ہفتے ہوئے میں انگلستان کے مشہور تجارتی شہر برمنگھم میں گیا۔ وہ بہت سی مصنوعات کا مرکز ہے اور اس کے گرد و نواح میں بہت سے کارخانے ہیں۔ ان میں ایک مٹھائی والے کا کارخانہ بہت مشہور ہے۔ جہاں چوکولیٹ کی مٹھائی بنتی ہے اور کوٹین کے ڈبوں میں بھر کر دنیا کے مختلف حصوں میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ کارخانہ میں نے دیکھا اور اس کی اور دلچسپیوں کے علاوہ میں یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ اس کارخانے کے مالکوں نے اس زرّیں اصول پر عمل کرنے سے جس کا حوالہ میں نے دیا ہے خود بھی بے انتہا نفع اٹھایا ہے اور اپنے عملے کو بھی بہت آرام دیا ہے وہاں ہزاروں خوشدل مزدور موجود تھے۔ اور اُن کی خوشدلی سے مالکوں کو بھی غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی۔

برمنگھم میں جہاں کیڈبری نامی ایک شخص کی ایک چھوٹی سی دوکان تھی جس میں وہ چائے اور کافی بیچتا تھا۔ اُسے خیال آیا کہ اسی دوکان میں ایک شاخ چوکولیٹ کی مٹھائی بنانے کی کھولے۔ اُس نے چند آدمیوں کو اس کام پر لگایا کہ ہاتھ سے مٹھائی بنائیں۔ یہ کام جلد چل نکلا اور اُس کے ہاں کی مٹھائی کی شہرت ہوگئی۔ اُس کے کاروبار میں اتنی ترقی ہوگئی کہ اُس نے اور زیادہ آدمی لگائے اور شہر میں پہلے سے بڑی جگہ لی۔ کچھ عرصہ بعد اُس کے دو بیٹوں نے برمنگھم سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں میں ساڑھے چودہ ایکڑ زمین اس غرض سے خریدی کہ وہاں بڑے پیمانے پر ایک کارخانہ کھولیں۔ اس تجویز کا ایک باعث تو یہ تھا کہ مٹھائی بنانے کے لئے مشین

استعمال ہونے لگی تھی اور کام کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ جس کے لئے شہر والی جگہ تنگ اور ناکافی تھی۔ مگر ساتھ ہی مالکوں کو یہ خیال بھی آیا۔ کہ اُن کے ہاں کام کرنے والے اگر شہر کے گرد و غبار اور دھوئیں اور دُھند سے بچے رہیں گے تو اُن کی صحت بہتر رہے گی اور وہ زیادہ اچھی طرح کام کر سکیں گے۔ چنانچہ ۱۸۹۰ء میں یہ کارخانہ اس گاؤں میں بنا۔ ایک چھوٹی سی ندی جس کا نام بورن ہے گاؤں کے پاس بہتی ہے۔ اُس کے نام پر اس کا نام "بورن ویل" تجویز ہوا۔ اب اس کارخانہ کے سبب سے ایک چھوٹا سا قابل دید شہر بن گیا ہے جسے دیکھنے کیلئے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔

زمین کا پہلا ٹکڑا خریدنے اور اس پر عمارت بنانے کے بعد مالکان کارخانہ اس کے قریب اور زمینیں خریدتے گئے اور اب گرد کے بنگلوں اور باغوں اور کھیلنے کی زمینوں کو ملا کر اس کارخانہ کے پاس دو سو ایکڑ زمین ہے۔ جب کارخانہ پہلے وہاں آیا تو تین سو آدمی ملازم تھے اب آٹھ نو ہزار ہیں عمارت کی چھ منزلیں ہیں اور ہر منزل میں انسان اور کل دونوں مصروف کار ہیں۔ ان آٹھ نو ہزار ملازمین میں چار ہزار پانچسو عورتیں اور لڑکیاں ہیں۔ انگلستان کے قانون کے مطابق چودہ برس سے کم عمر کا آدمی کسی کارخانہ یا گھر میں ملازم نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لئے لڑکے اور لڑکیاں جو اس کارخانہ میں نوکری شروع کرتے ہیں سب چودہ برس سے اوپر کے ہوتے ہیں۔ اُن کی ملازمت کی شرائط میں ایک شرط یہ رکھی گئی ہے کہ وہ یہاں کام کرنے اور روزی کمانے کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھیں۔ چنانچہ چودہ برس اور اٹھارہ برس کی عمر کے درمیان سب کو ہفتہ میں دو مرتبہ آدھا دن مدرسے میں جانا لازم ہے۔ مدرسہ کارخانہ والوں کے خرچ سے چلتا ہے۔ ان نو عمر ملازمین کا جو وقت مدرسہ میں لگتا ہے اُس کی تنخواہ بھی انہیں کارخانہ کی طرف سے دی جاتی ہے۔ تاکہ انہیں یہ خیال نہ ہو کہ پڑھائی جاری رکھنے سے کچھ مالی نقصان اٹھا رہے ہیں۔ اور وہ شوق اور رغبت سے تحصیل علم جاری رکھ سکیں۔

لڑکوں اور لڑکیوں کے مدرسے کے سوا جوانوں اور بوڑھوں کی علمی ترقی کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

اُن کے لئے شبینہ مدارس ہیں۔ جہاں ہر طرح کے علوم کا درس فرصت کے وقتوں میں دیا جاتا ہے۔
کارخانے کے ملازمین کے رہنے کے لئے کارخانہ والوں نے بورن ویل میں بہت سے بنگلے بنائے
ہیں جو انہیں واجبی کرائے پر دئے جاتے ہیں۔ ہر بنگلے کے ساتھ چھوٹا سا باغیچہ ہے۔ جس میں وہ پھل
پھول لگا سکتے ہیں۔ بیاہے ہوئے مرد اُن بنگلوں میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ بن بیاہی
لڑکیوں اور عورتوں کے لئے ایک علیحدہ قطار بنگلوں کی ہے۔ جن میں سے ہر ایک میں چند مل کر
رہتی ہیں۔

کارکنوں کی ورزش اور تفریح کے لئے کارخانہ کی طرف سے پورا انتظام کیا گیا ہے۔ چنانچہ چودہ
میدان فُٹ بال کے ہیں۔ تین ہاکی کے۔ گیارہ گیند بلّے کے۔ اور اکتالیس ٹینس گراونڈ ہیں۔

اس کارخانے میں تیرنے اور نہانے کے لئے بڑے بڑے تالاب ہیں۔ جن کا پانی دن میں دو مرتبہ
بدلا جاتا ہے۔ مردوں کے لئے جدا تالاب ہیں اور عورتوں کے لئے جدا۔

بہت سے کارکن بورن ویل سے باہر بھی رہتے ہیں۔ اُن میں سے بعض ریل پر آتے ہیں۔ لیکن
زیادہ تر بائیسکل پر آتے ہیں۔ کارخانہ کے ساتھ ایک جگہ ہے جہاں پندرہ سو بائیسکل رکھے جا سکتے ہیں
اور وہ پوری بھر جاتی ہے۔ اُن کی مرمت کا بھی بندوبست کیا گیا ہے۔ کہ اگر کسی بائیسکل میں کچھ نقص ہو
تو وہیں درستی ہو جائے۔

کھانے کا انتظام بہت قابلِ تعریف ہے۔ پانچہزار اشخاص ایک وقت میں کھانا کھا سکتے ہیں۔
دوپہر کے وقت گرم کھانا تیار ہوتا ہے۔ اور کوئی چھ آنے میں تین چیزیں دو نمکین ایک شیریں مل جاتی ہیں
ایسی چیزیں باہر کہیں اس سے دُگنی قیمت پر بھی نہ ملیں۔ کارخانہ کے قریب ایک بڑا چبوترہ ہے بہت
سے لوگ کھلے موسم میں وہاں باہر بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو گھر سے کھانا
ساتھ لے آتے ہیں۔ اُن کے لئے کھانا گرم کرنے کی جگہ مہیا کی گئی ہے۔

کارخانے میں ایک بڑا ہال ہے جس میں ایک ہزار سے زیادہ اشخاص کی نشست کی گنجایش
ہے۔ وہاں لکچر ہوتے ہیں اور کبھی کبھی موسیقی یا تھیٹر کا تماشا کارکنوں کی تفریح کے لئے ہوتا ہے۔

جس میں بعض کارکن ہی تماشا گر اور منتظم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف علمی اور ادبی مجالس ہیں جو اوقات فرصت میں اپنے اجلاس کرتی ہیں تعطیل کے زمانہ میں سیر و سیاحت کے لئے بھی یہ لوگ جاتے ہیں۔ اور اُن کے لئے بعض رعائتیں اور سہولتیں بہم کی جاتی ہیں

ایک مدرسہ صنعت و حرفت کے لئے کھولا گیا ہے۔ تاکہ جو لڑکے یا لڑکیاں اس کارخانہ کے کام کے سوا کوئی صنعت سیکھنا چاہیں۔ سیکھ سکیں۔ اس میں ایک سال میں نو سو سے زیادہ طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ سب کارکنوں کو کفایت شعاری کی ترغیب دی جاتی ہے اور یہ تاکید ہے کہ ہو سکے تو اپنی آمدنی کا کچھ حصہ آیندہ کی ضروریات یا غیر متوقعہ مشکلات کے مقابلہ کے لئے محفوظ رکھیں۔ چنانچہ اُن کا ایک " سیونگ فنڈ " ہے۔ جس میں اسوقت آٹھ ہزار اشخاص کے روپئے محفوظ ہیں اور کل تعداد اُن رقموں کی تین لاکھ پچاس ہزار پونڈ یعنی تقریباً چھیالیس لاکھ روپئے ہے۔

کارکنوں کی پنشن کا بھی بندوبست کیا گیا ہے۔ مردوں کو ساٹھ برس کی عمر میں پنشن ملتی ہے اور عورتوں کے قواعد اُن کے حالات کے مطابق مردوں سے الگ ہیں۔ اُن میں سے بہت سی پیر پچیس برس کی عمر میں شادی کر لیتی ہیں۔ انہیں کچھ جمع شدہ رقم مل جاتی ہے جو بڑھاپے تک کام کرتی ہیں وہ پچپن برس کی عمر میں پنشن پاتی ہیں۔ پنشن کے لئے ایک حصہ ملازموں کی تنخواہ سے وضع ہوتا رہتا ہے اور اس کے برابر کا ایک حصہ کارخانہ ادا کرتا رہتا ہے۔ اس مد میں امداد بیوگان کی رقم ملاکر اسوقت تیس لاکھ پونڈ یعنی چار کروڑ روپئے کے قریب رقم جمع ہے۔ اور اس مد کے متعلق یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ یہ رقم کیڈ بری کے اپنے کارخانے کے کسی کام پر نہیں لگائی جاتی۔ بلکہ دوسرے بنکوں میں محفوظ رہتی ہے۔ تاکہ اس کارخانہ کے کسی نقصان کا اثر اس رقم پر نہ پڑے۔

اب اس کام کی نوعیت دیکھئے جو اس کارخانے میں ہوتا ہے۔ کبھی آپ نے چوکولیٹ کھاتے وقت یہ محسوس کیا ہے کہ اس کالی سی گولی پر جسے آپ مزے لے کے کھاتے ہیں۔ کہاں کہاں اور کتنی محنت ہوئی ہے؟ افریقہ کے مغربی ساحل پر ایک درخت بکثرت ہوتا ہے۔ جسے کوکو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ اصل میں جنوبی امریکا کی پیداوار ہے۔ اور نسبتاً زمانۂ حال میں افریقہ میں یہ پودا لگایا گیا۔

وہاں کی زمین اور آب وہوا اسے راس آئی۔ اور اب وہاں اس کی پیداوار شاید سب جگہ سے زیادہ ہوگئی ہے۔ افریقہ کے اس ساحل کا نام "ساحلِ طلا" ہے۔ شاید اس لئے کہ وہاں سونا پیدا ہوتا ہے۔ مگر اب تو یہ سیاہ فام کو کو بھی سونا پیدا کر رہا ہے۔ اس درخت کو پھلیاں لگتی ہیں۔ اُن میں مٹر کے دانوں کی طرح کے بیج ہوتے ہیں۔ انھیں بھون کر پیسا جائے تو وہ کوکو بنتا ہے۔ جسے گرم پانی اور دودھ میں ملا کر پیتے ہیں۔ اور اسی میں گاڑھا دودھ اور شکر ملا کر چوکولیٹ کی مٹھائی بنتی ہے۔ افریقہ کے حبشی اسے بوتے ہیں پھلیوں میں سے بیج نکالتے ہیں اور بوریوں میں بھر کر باہر بھیجتے ہیں۔ یہ مال لاکھوں من دساور میں جاتا ہے۔ اس کی نکاس کا یہ اندازہ کر لیجئے کہ اب دو لاکھ تینتیس ہزار ٹن کوکو ہر سال مغربی افریقہ سے آتا ہے صرف ایک کارخانے کے گودام میں جس کا ذکر ہو رہا ہے ایک لاکھ بارہ ہزار بوریاں آسکتی ہیں۔ اور ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ ریل کی گاڑیاں کارخانے کی حدود کے اندر یہ بوریاں پہنچاتی رہتی ہیں اور مشینیں ان دانوں کو بھونتی پیستی اور چھانتی رہتی ہیں۔

مشین اب بلا کی چالاک ہوتی جاتی ہے پیسنا اور چھانتا تو سمجھ میں آسکتا ہے اور میں نے پہلے بھی کئی جگہ دیکھا تھا۔ مگر بڑا لطف آیا۔ جب میں نے دیکھا کہ ایک مشین چھنے ہوئے کوکو کے لئے ٹین کے گول گول ڈبے بناتی جاتی ہے۔ وہ ڈبے بننے کے ساتھ ہی بھرے جانے کے لیے بیتاب ہوکر ایک مشین کے ذریعے قطار در قطار ایک دوسری منزل کی طرف دوڑنے لگتے ہیں جہاں ایک اور مشین ہر ڈبے میں کوکو بھرتی جاتی ہے۔ اور ایک دوسری ڈبوں پر ڈھکنے دیتی جاتی ہے۔ یہ سب کام تو انسان نے اپنے دماغ کی بدولت کل سے لے لیا۔ اس میں انسانی ہاتھوں اور اُنگلیوں کا صرف اتنا حصہ ہے۔ کہ جو کام ہوا ہے۔ اُسکو تمیٹ لے یا کل میں کہیں رکاوٹ ہو تو اُسے دُور کر دے۔ کل کی رفتار ایسی بے پناہ ہے کہ اگر انسانی نگاہ ذرا بھی غافل ہو تو اُس ہاتھ کی خیر نہیں جو دخل در معقولات دینے کی کوشش کرے۔ کارخانے کی دیواروں پر جا بجا یہ ہدایت لکھ کر لگا رکھی ہے کہ "اپنے ہاتھوں کی حفاظت کرو"

کارخانے کے جس حصّے میں زیادہ تر عورتیں اور لڑکیاں کام کرتی ہیں وہ چوکولیٹ بنانے کا ہے۔ وہاں کوکو دودھ میں ملایا جاتا ہے اور پھر سانچوں میں ڈال کر چوکولیٹ کی مختلف شکلیں بنائی جاتی ہیں۔ یہاں تک انسانی ہاتھ کے استعمال کی ضرورت برائے نام ہے۔ لیکن جب یہ گولیاں یا ٹکڑے بن چکتے ہیں تو اُن پر سنہری روپہری یا رنگین کاغذ کے ورق لگانے کا کام لڑکیاں ہاتھ سے کرتی ہیں اس حصے میں صفائی کی خاص ہدایات ہیں۔ ہر لڑکی کام پر آنے سے پہلے اپنا معمولی کوٹ اُتار کر ایک کمرے میں رکھ دیتی ہے اور سفید چوغہ پہن لیتی ہے۔ اندر آ کر ہاتھ دھوتی ہے۔ وہاں جو تولئے ہاتھ پونچھنے کے لئے رکھے ہیں وہ دن میں دو مرتبہ بدلے جاتے ہیں۔ دوپہر کو جب کھانا کھانے باہر جاتی ہیں تو پھر واپسی پر ہاتھ دھوکر اور پونچھ کر کام شروع کرتی ہیں۔

کارخانے کا ایک حصہ ہے جہاں چوکولیٹ کے بکس بنتے ہیں اور دوسرے حصّے میں ان پر رنگین کاغذ لگانے کے لئے چھپتے ہیں۔ چھپے ہوئے کاغذ بکسوں پر لگانے کا کام ایک دوسرے ہال میں ہوتا ہے۔

اُن لوگوں کو جو باہر سے دیکھنے آئیں بخوشی کارخانہ دیکھنے کی اجازت دی جاتی ہے بلکہ اُن کی رہنمائی کے لئے مناسب عملہ مقرر ہے۔ جو ساتھ ہوکر کارخانہ کی سیر کرا دیتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ سال بھر میں ایک لاکھ پچاس ہزار آدمی کارخانہ دیکھنے آتے ہیں۔

حال میں جب ہز مجسٹی کنگ جارج ششم اور ملکہ معظمہ برمنگھم کے تجارتی میلے کی تقریب سے وہاں گئے تو اُنھوں نے یہ کارخانہ بھی جاکر دیکھا۔ اور کیوں نہ جاتے چیز بھی دیکھنے کی ہے۔ اور شاہی کے فرائض میں یہ داخل ہے۔ کہ ہر تحریک خواہ علمی ہو یا تجارتی اگر اُس سے ملک کو نفع ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے تو اُس کی ہمت افزائی کی جائے۔

چوکولیٹ کی مٹھائی کا اب ہندوستان میں بھی رواج ہوگیا ہے۔ ہمارے ہاں کے لڈو پیڑے تو بہت سے فیشن والے لوگوں کی نگاہ سے گرتے جاتے ہیں۔ البتہ گلاب جامن اور رس گولے کچھ مقابلہ

انگریزی مٹھائیوں کا کر رہے ہیں۔ دیکھیں جیت کس کی ہوتی ہے۔ انضاف شکر خوروں پر موقوف ہے۔ اُن کو تو میں یہ مشورہ دوں گا کہ ہماری مٹھائی مزے میں کسی سے کم نہیں ہوام میں بیسری مٹھائیوں سے سستی ہے۔ اپنی اس تجارت کو سنبھالے رہئے۔ مگر اس کے ساتھ شکر فروشوں کے لئے ایک مشورہ مفت حاضر ہے کہ مٹھائی کے سوا۔ ڈبے اور رنگین کاغذ اور اس پر خوشرنگ فیتے جو انگریزی مٹھائی کی شان بڑھانے کے لئے استعمال ہو رہے ہیں اس کی ترکیبیں وہ بھی سیکھیں۔ کیا کبھی وہ دن بھی آئیگا جب ہمارے ملک میں بڑے بڑے کارخانے ہر قسم کے ہوں اور اُن میں کارخانہ کی ترقی کے ساتھ مزدور کی بہتری اور خوشحالی کا بھی پورا خیال رہے تاکہ لوگوں کی ترقیوں کی داستان کو ہم کہانیوں کی طرح نہ پڑھیں۔ بلکہ اپنے ہاں اس قسم کی ترقی کو موجود پائیں۔

عبدالقادر (از لندن)

نعرۂ تکبیر

پھر نعرۂ تکبیر زمانہ کو سنا دے　　　اللہ کے پیغام کی اک دھوم مچا دے
آ پھر خدا موڑ دے باطل کی کلائی　　　اُٹھ اور سرِ نخوت و پندار جھکا دے
اللہ نے دی ہے تجھے ایمان کی قوت　　　عشرت کدۂ کفر کی بنیاد ہلا دے
پھر کفر کی ظلمت کو بنا مطلعِ انوار　　　پھر خاک کے ذروں کو ستاروں سے ملا دے
دنیا کو ہے پھر راہ پہ لانے کی ضرورت　　　بھٹکے ہوئے انسان کو منزل کا پتہ دے
اسلام کی تاریخ کے اوراق اُلٹ کر　　　پھر معرکۂ بدر زمانے کو دکھا دے
ایمان براہیم سے لے کام جہاں میں　　　پھر آتشِ نمرود کو گلزار بنا دے
اسلام کی خاطر ترا جینا ترا مرنا　　　اسلام کے ناموس پہ گھر بار لٹا دے

یورپ کی سیاست سے ہو جو بھی متاثر
پڑھ کر اُسے قرآن کی آیات سنا دے

ماہر القادری

انیس نسواں کا قابل تحسین عزم

مجھے یہ پڑھ کر بہت ہی خوشی حاصل ہوئی کہ انیس نسواں اس مقصد سے جاری کیا گیا ہے کہ لامذہبیت اور مادیت کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کی روکو روکنے کی کوشش کرے جو بڑی تیزی کیساتھ ہندوستانی خواتین میں پھیلتی جاتی ہے

گذشتہ چند سال میں بارہا میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب وقت آگیا ہے کہ اس خطرہ سے لوگوں کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً واقف کیا جائے۔ اور جس طرح چالیس سال سے بذریعہ تحریر و تقریر کتب و رسائل انھیں متوجہ کیا جارہا ہے اسی طرح اب انھیں ایسے طریقوں سے بھی باز رہنے کی ہدایت کی جائے جو نہ کہ صرف مشرقی نظریہ نسائیت کے خلاف ہیں بلکہ ہر قوم کے نظریہ نسائیت کے رو سے قابلِ اعتراض ہیں اور جس کی بدنصیبی سے ہندوستانی خواتین دلدادہ ہو چلی ہیں۔

کتب و رسائل ہی پبلک کے خیالات کے سامنے ہیں زنانہ رسالوں ہی کے ذریعہ سے تعلیم نسواں مقبول خاص و عام ہوئی اسی طرح اگر اب رسالے اپنی توجہ ان غلطیوں سے خواتین کو آگاہ کرنے کی طرف منعطف کریں گے۔ جن کی وہ ترقی کے دھوکے میں مرتکب ہو رہی ہیں تو امید ہے کہ بہت جلد ان کا ازالہ ہو جائے گا۔

جس برائی کو دور کرنا مقصود ہو پہلے اس کے پیدا ہونے کے سبب پر غور کرنا چاہیے کہ ان خرابیوں کے محرک کون اسباب ہیں۔ ان باتوں کے معلوم ہونے سے انسداد میں بہت سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔

اس لئے دیکھنا ہے کہ کیوں اور کس طرح ہندوستان کی پردہ کی دلدادہ ایثار کی شیدا وفاداری کی مجسمہ خواتین اب نیم عریانی۔ خود غرضی اور بے وفائی پر اتر آئیں

اس انقلاب عظیم کی کیا وجہ ہے یہ افسوسناک تبدیلی کیونکر پیدا ہوئی۔ یہ بہت وسیع مضمون ہے جس پر مجھ جیسی ناتجربہ کار و کم علم پوری طور سے روشنی نہیں ڈال سکتی۔ انیس نسواں جب اس مقصد سے جاری ہوا ہے کہ تقلید مغربی کی حد سے بڑھتی ہوئی رَو کو روکے تو ضرور خود فاضل ایڈیٹر صاحب اور معزز مضمون نگار خواتین اس پر تفصیلی بحث کریں گی۔ تاہم میں ایک مختصر سا خاکہ ان وجوہات کا پیش کرتی ہوں جو کہ میری رائے ناقص میں ان تبدیلیوں کا باعث ہوئیں۔

اس تبدیلی کے وجوہات تین قسم کے ہیں تاریخی، نفسیاتی اور معاشرتی۔ اپنی حکومت کھونے کی وجہ سے ہندوستانیوں سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً خود اعتمادی بالکل جاتی رہی۔ ان کو اپنی ہر ادا خراب اور ہر بات بری نظر آنے لگی کسی قوم کا غلام ہو جانے سے سب سے بڑا نقصان یہی تو ہوتا ہے کہ اُس کو اپنی تہذیب اور تمدن سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ قوم حاکم کے کلچر کی گرویدہ ہو جاتی ہے۔ یہ ذہنی غلامی اُس کی سب سے افسوسناک غلامی ہے۔ پھر نفسیاتی لحاظ سے مفتوح قوم کی ذہنی حالت سمجھ میں آ سکتی ہے۔ چونکہ یہ قوم اس کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اس کو لازمی طور سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی کامیابی اسی طریق تمدن پر موقوف ہے اور وہ اس نئے تمدن کو اختیار کرنے سے کامیاب اور طاقتور ہو جائیگی۔ یہ خیال غلط ہے فاتح قوم کا مفتوح قوم سے تمدن اور تہذیب کے لحاظ سے بہتر ہونا کچھ لازمی نہیں بلکہ عموماً اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ ملک یونان کو رومنز نے فتح کیا اور رومنز کو گالز نے تباہ کیا انگریزوں نے اتحادیوں اور فرانس نے آٹھویں صدی میں یورپ کی سرداری چھین لی مگر ان سب حالتوں میں فاتح قوم مفتوح سے کلچر کے لحاظ سے کہیں بدتر تھی۔ اور اسی طرح تہذیب اور تمدن فلسفہ اور شاعری کا دنیا میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہوئے بھی ہندوستان انگلستان کے زیر اثر ہو گیا۔ اس کی مخصوص وجوہات تھیں سیاسی چالوں سے ناواقفیت اور آپس کی خانہ جنگی نوابوں اور بادشاہوں کی کمزوری

اور عیش پسندی اسکے اسباب تھے مگر ایک محکومی نے خود ہندوستانیوں کی نظروں میں اُن کی اپنی خوبیوں پر پانی پھیر دیا۔ اور حاکم قوم کی طرف سے ایسا نظریہ قائم کرنے میں بہت مدد ملی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی ہر رسم کو مٹانے اور ہر رواج کو اُٹھانے پر تل گئے اور ایسی بچ گئی تھی کہ ابھی غدر کو سو سال پورے نہیں ہوئے مگر اصلی ہندوستانی معاشرت کا نمونہ ڈھونڈے تو نہیں ملیگا۔

ان تاریخی اور نفسیاتی اسباب کے علاوہ موجودہ تبدیلی معاشرتی وجوہات نے بھی پیدا کی ہے۔ یہ تو ظاہر تھا کہ ہم ایک ایسی قوم کے ساتھ معاملہ کرنے پر مجبور ہوئے جن کا طرزِ معاشرت ہم سے بالکل ہی جداگانہ تھا ہمیں اپنے طریقہ کو ترمیم کرنا پڑے گا۔ اور اگر ایسی ترمیم نہ کی تو قومی خودکشی ہوگی۔ اور اگر نیا دور جن باتوں کا طالب ہے وہ باتیں حاصل نہ کی گئیں تو ترقی کے میدان میں ہار ماننی پڑے گی۔ اس کے علاوہ معاشرت کے بہت سے پہلوؤں میں واقعی اصلاح کی ضرورت ہے۔ یہی سوچ کر سر سید علیہ الرحمۃ اور دوسرے ریفارمروں نے ان طریقوں کے اختیار کرنے کی رغبت دلائی تھی۔

رسوم بذاتِ خود بُرے نہ تھے مگر زمانے کے لحاظ سے ان کے قائم رکھنے سے نقصان کے سوا فائدہ نہ تھا۔ بعض باتیں واقعی قوم کے موجودہ تنزل اور ادبار کا باعث ہیں جیسے تعلیم سے غفلت۔ عزیزوں پر بھروسہ کی عادت وغیرہ مگر قاعدہ ہے کہ چاہے کتنی ہی ضروری اصلاح کی کوشش کیجائے۔ اعتراضات کا ایک طوفان اُٹھتا ہے۔ ان جائز اور ضروری معاشرتی ترمیم کے خلاف بھی مخالفت کا طوفان اُمڈا۔ ریفارمروں اور مصلحوں نے ان اعتراضوں کو جاہلوں کی بڑ اور دنیا کی رفتار نہ سمجھنے والے احمقوں کی صدا قرار دیا اور اس کی طرف توجہ کئے بغیر اپنے کام میں مصروف رہے۔ اس کے نتیجہ نے دو صورتیں اختیار کیں ایک تو یہ کہ ہندوستان کے مسلمان اس نئی دنیا میں حصہ لینے کے قابل ہو جائیں اور جد و جہد میں بالکل ہی پیچھے نہ رہجائیں گو مسلمان آج ہندوؤں سے صرف پچیس سال ترقی کی دوڑ میں پیچھے ہیں۔ (۱) اور صرف اسی عرصہ

کی غفلت کا نتیجہ یہ ہو کہ آج اپنے کلچر کی حفاظت کے لئے اُن کو جان توڑ کوشش کرنی پڑ رہی ہے ،
صرف اسوجہ سے سرسید اور اُن کے ساتھیوں نے قدامت پسندوں کے اعتراض کی پرواہ
نہ کی اور مسلمانوں کو نئے طریقوں کے اختیار کرنے پر آمادہ کرکے رہے۔

پھر جائز ترمیم اور اصلاح کی کوششوں پر مخالفین کے اعتراضات کی اُنھوں نے
پروا نہ کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جائز اعتراضوں کی بھی وقعت اور اہمیت لوگوں کے دلوں سے
جاتی رہی اور وہ بے دھڑک قومی روایات سے کنارہ کش ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ چاہے
اُن کی حرکت کتنی ہی مذموم ہو اپر اعتراض اور اُس کی مخالفت ان کو اسی قباحت کا یقین
دلانے میں کامیاب نہیں ہوتی کیونکہ اُن کے نزدیک اعتراض کسی فعل کی برائی کی دلیل تو
ہے نہیں بلکہ اگر کوئی خاتون کسی کمسن لڑکی کو نیم برہنہ لباس پہنے ہوئے دیکھ کر اعتراض
کر دیں تو اس لڑکی کے نزدیک یہ اُس کی ترقی یافتگی کا ثبوت ہو جاتا ہے اور وہ معترض کو
ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہے گی کہ نئے طریقوں پر ہمیشہ سے اعتراض ہوتا آیا ہے اگر ان کی
پروا کریں تو ترقی رُک جائے گی۔

پھر یہ سوال کون کرے کہ نیم برہنگی میں ترقی کا کون سا راز چھپا ہوا ہے یہی تو سوال ہے
کہ ترقی ترقی پکارنے والوں کا نظریہ ترقی کے متعلق کیا ہے۔ جس شے سے وہ ترقی مقصد لیتے ہیں
وہ کس اصول کے ماتحت ترقی کہلا سکتی ہے۔

اخلاقی اور مذہبی اصول کے مطابق ترقی کی تشریح چاہیئے۔ ترقی کا صحیح نظریہ قایم کرنا ہوگا
یہ مطلق العنانی جاری نہیں رہ سکتی کہ دنیا بھر کے مذموم فعل کریں اور کہیں کہ ترقی کر رہے ہیں۔ ترقی
کیا چیز ہے اس کا فیصلہ سوسایٹی کو کرنا ہوگا اس کے افراد کی متفقہ رائے سے ہر ایک فرد کو اپنی
ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے نہیں دینا چاہیئے۔ - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - ہم کو اب اس ذہنی غلامیت سے نجات حاصل کرنی چاہیئے۔ ہم کو اس کا احساس
پیدا ہونا چاہیئے کہ یورپ ہر صفات کا مجموعہ اور ہر کام کے لئے رہنما نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ یورپ

خود اپنے ہاں کی مصیبتوں سے لاچار ہے۔ اس لئے ہمارا رہبر نہیں ہو سکتا۔

ترقی کے اصول کسی زمانے کے پابند نہیں یہ ہمیشہ کے لئے ہیں ان اصولوں کے ماتحت آجکل کی خواتین کے روّیہ کی جانچ کرنی چاہئے اور یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ انھوں نے جو طریقے اختیار کئے ہیں وہ جائز ہیں یا ناجائز

خود غرضی، بے حیائی۔ لامذہبیت روایتِ قومی سے کنارہ کشی ہر زمانے اور ہر ملک کے اخلاقی اصول کے مطابق قابلِ اعتراض ہیں۔ جس وقت سے انسان میں حسن و قبح کی تمیز کا مادہ پیدا ہوا اس زمانے سے آجتک ایثار۔ شرم۔ دینداری اور وضعداری قابلِ ستایش قرار دیئے گئے ہیں۔ ہندوستان کی عورتیں ایثار کے لئے مشہور تھیں وہ شوہر اور بچوں کی بہبود کے آگے ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنیکو تیار رہتی تھیں مگر جدید ہندوستانی عورت خود غرضی کا پُتلا ہے۔ اس کو اپنی آرایش و زیبایش سے زیادہ کسی چیز کا خیال نہیں۔ وہ شوہر اور بچوں کے لئے کسی قسم کی تکلیف گوارا کرنے پر آمادہ نہیں۔ اس کا لباس اکثر شوہر اور بچوں سے زیادہ پُرتکلف اور قیمتی ہوتا ہے۔ شرم و حیا کو بھی اُس نے خیرباد کہدی ہے پردہ تو جس صورت کا ہندوستان میں رائج تھا وہ اچھی پردہ تھا اور اگرچہ اس حالت میں جبکہ معاشرت ہندوستانی تھی اور اس سے چنداں کوئی تکلیف اور رکاوٹ نہیں تھی مگر اس بدلی ہوئی فضا میں اُس کا قائم رکھنا خالی از دقت نہ تھا مگر شرم و حیا جھجک اور حجاب تو ہمیشہ اور ہر ملک میں عورت کا زیور متصوّر ہوتے آئے ہیں۔ ان کو ہاتھ سے دینے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ نئی دلّی۔ شملہ اور لاہور کے ڈرائنگ روم میں دخترِ ہند کی آزادی دیکھ کر یہ یقین کرنے میں تامّل ہوتا ہے کہ ان کی مائیں اگر نہیں تو نانیاں تو ضرور ہی پردہ کرتی ہوں گی۔ لامذہبیت کا یہ عالم ہے کہ نماز اور روزے سے واقفیت تو بڑی بات ہے ان کے ارکان کا بھی اُن کو ٹھیک علم نہیں کلام مجید کے ایک بار ختم کرنے کی بھی سعادت ان میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسلام کی شاندار تاریخ سے نام کو بھی واقفیت نہیں۔ دنیا بھر کے لوگ اپنی شادی و غم کے رسوم اپنے ملک کی روایات کے مطابق

کرتے آئے ہیں۔ مگر ہم ہیں کہ ہماری رسم اگر کہیں ہے کہ دلہن کا جوڑا سُرخ ہونا چاہیئے تو ہم آسمانی فالسائی عنابی بناتے ہیں مگر ایک سُرخ نہیں بناتے۔ ہم عید کے دن چائے کی پارٹی دیتے ہیں اور یہ تو یاد بھی نہیں کہ شب برات کو حلوا پکنا چاہیئے۔ اس کا فائدہ کیا تھا؟ سوال کیا جاتا ہے کوئی بتائے کہ نقصان کیا تھا؟ انگریز کرسمس کے دن گھر کو "کرسمس ٹری" اور "ہولی" سے کیوں سجاتے اور مسل ٹو کی شاخ کیوں جگہ جگہ ٹانگتے ہیں۔ اس روز خاص طور سے ٹرکی، پلم پڈنگ اور منس پائی کیوں پکتی ہے۔ ایسٹر میں ایسٹر ایگس ڈانڈے کیوں تیار کرتے ہیں۔ ہندو دیوالی کیوں مناتے اور رام لیلا کیوں رچاتے ہیں۔ آخر قومی رسمیں ہی تو اس قوم کی جداگانہ حیثیت کی ظاہری دلیل ہیں۔

شکر ہے کہ انیس نسواں ان تمام باتوں کی طرف توجہ منعطف کرانے کی غرض سے جاری کیا گیا ہے۔ خداوند کریم اس کے ارادے میں برکت دے اور وہ ہندوستانی خواتین میں، ایثار، شرم، دینداری اور وفاداری پیدا کرنے میں کامیاب ہو آمین!

شائستہ سہروردیہ (از لندن)

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں　　جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا　　نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت پادشاہی علمِ اشیا کی جہانگیری　　یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں

براہیمی نظر پیدا اگر مشکل سے ہوتی ہے　　ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے　　حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

حقیقت ایک ہی ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو　　لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرہ کا دل چیریں

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم　　جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبعِ بلندے مشربِ نابے
دلِ گرمے نگاہِ پاک بینے جانِ بیتابے

تہذیب مغرب کی دلدادہ سے

(از سید محمد حسین محوی صدیقی)

حیف ایسی زندگی پر جو ہے راحت کیلئے
کون کہتا ہے کہ تو ہے عیش و عشرت کیلئے

ہے غلط یہ شیوہ اظہارِ آرائش ترا
تیری ہستی ہے فقط ملت کی خدمت کیلئے

عار ہے تیرے تنِ نازک کو یہ جامۂ حریر
ننگِ راحت کی تمنا تیری فطرت کیلئے

باعثِ صد شرم یہ آئینہ و شانہ کا شوق
تو نہیں آرائشِ گیسو کی زحمت کیلئے

اُف یہ جسمِ ناتوان و زار یہ صورت نڈھال
کیا یہی شایانِ شاں ہے آدمیت کیلئے

ہمت و جرأت تری کل تک رہی ضرب المثل
آج تو بدنام ہے ناز و نزاکت کیلئے

کانپتا ہے آج ذکرِ جنگ سے بھی بال بال
داغ ہے یہ تیری پیشانیٔ ہمت کیلئے

شرم اے دلدادۂ تہذیبِ مغرب شرم کر
سر بکف ہونا ہے تجھ کو ملک و ملت کیلئے

لرزہ ہاتھوں میں ہے مرغِ ناتواں کے ذبح پر
کیا یہی کام آئیں گے تیری حفاظت کیلئے

ابروؤں پر بل، کمر میں بل، ہیں پیشانی پہ بل
ہاتھ پاؤں میں نہیں بل سعی و قوت کیلئے

یہ نقاہت جس کو سمجھی ہیں نزاکت بد نصیب
ایک منظر دلشکن ہے چشمِ عبرت کیلئے

اللہ اللہ سامنے سے آئینہ ہٹتا نہیں
تم کو فرصت ہی کہاں اور وطن کی خدمت کیلئے

ناز اپنی خوبروئی پر ہی پھر سو سو بناؤ — کوششیں افزائشِ حسن و نزاکت کیلئے

زینت و راحت پر اپنی صرفہ رہی بیشمار — جیب خالی ہے مگر قوم اور ملت کیلئے

یہ ادائیں، یہ چمک، یہ ناز و اندازِ کلام، — آجکل شاید ضروری ہیں شرافت کیلئے

بندۂ جہل و ہوس، عقل و دماغ و دل تمام — ڈوب مرنے کی ہی بات اب رہا غیرت کیلئے

اپنے مقصد کو بھی بھولی، اپنی فطرت کو بھی تو — یہ سمجھتی ہے کہ دنیا ہے مسرت کیلئے

یہ تن آسانی یہ الفت زیب و زینت سے تجھے — چاہیئے ریشم ہی بس تن کی حفاظت کیلئے

اللہ اللہ! یہ تری فطرت میں فوری انقلاب — آج ہے تو وقف ہر خواری و ذلت کیلئے

آہ رخصت ہو گئی سب تیری مردانہ بہار — ہے زباں بس خودستائی اور نخوت کیلئے

ہے یہی حالت تو سن اور یاد رکھ محوی کی بات
تو رہے تیار ہر رنج و مصیبت کے لئے

چل بسے وہ جنھیں مقدور تھا خودداری کا — نہ وہ تقویٰ نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی اُمید

ولولے لے کے نکلنے لگے کالج کے جواں، — شرمِ مشرق کے عدو شیوۂ مغرب کے شہید

نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگِ جہاں — دورِ گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید

بحث میں آ ہی گیا فلسفۂ شرم و حجاب — زہرہ ممبر ہوئیں وہ ٹرسٹی جنابِ خورشید

شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا رعب و وقار
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی اُمید

اکبر الہ آبادی مرحوم

عورت کی ترقی

(از ڈاکٹر علامہ نجم الدین احمد)

زمانہ قدیم سے عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا رہا ہے۔ یہ بات حیرت انگیز ہو تو ہو لیکن مبالغہ آمیز نہیں ہے۔ فی الحقیقت اس بیان میں مزید اضافہ کی گنجایش ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ انسانی کے کسی دور میں بھی عورت کو سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی اعتبار سے مرد کا ہم پلّہ نہیں سمجھا گیا۔

ویدوں میں مرد اور عورت کی حیثیت کے متعلق کوئی خاص معلومات نہیں ہیں لیکن اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ عورت کو گھر کے اندر کچھ عزت ضرور حاصل تھی۔ اگر وید میں جو سب سے قدیم ہے عورت کے ان حقوق اور فرائض کی تشریح کی گئی ہے جو لڑکی، بیوی اور ماں کی حیثیت سے اُس پر عائد ہوتے ہیں۔ لڑکی کی حیثیت سے اُس کے پرورش اور پرداخت اور تعلیم کے ایسے ہی حقوق تھے جیسے کہ لڑکے کے۔ شادی کی رسم جس کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے آج بھی اُسی طریقہ پر رائج ہے۔ ان رسوم سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ طرفین شادی کے متعلق ایک ایسا تصور رکھتے تھے جو دونوں کو آپس کی محبت اور پسندیدگی پر مائل کرے۔

دولہا کے گھر میں دولہن کا ان الفاظ میں خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ "اے شریف النفس بہن کہ سورماؤں کو جنم دینے والی دُلہن آؤ آج اپنے دولہا کے مکان میں داخل ہو۔ تم سے دیوتاؤں کی عزت ہے اور دنیا میں چہل پہل ہے۔"

پرانوں کے زمانہ میں کسی قسم کی خاص تبدیلی نہیں واقع ہوئی لیکن بعض کا خیال ہے کہ ہندوں کے دور میں اس زمانہ میں عورت کو اور زمانوں سے زیادہ عزت حاصل تھی۔ اس دور میں گانا، ناچنا اور گھوڑے کی سواری عورتوں کے اوصاف حسنہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ سارنگی کا مشکل فن بھی وہ جانتی تھیں۔ مہابھارت میں یہ قصہ مشہور ہے کہ شہزادی

سبدھرا نے دوارکا سے بھاگتے وقت گھوڑوں کی باگ ارجن کے ہاتھ سے اس غرض سے لے لی تھی کہ ارجن تعاقب کرنے والی فوجوں کا آزادی کے ساتھ مقابلہ کرسکے۔

علم وادب کے دائرے میں بھی عورتوں نے نمایاں کارنامے کئے۔ گھر کی چہار دیواری کے اندر عورتیں صحیح معنوں میں مردوں کی رفیق اور شریک زندگی ہوتی تھیں جیسا کہ اب بھی ہے بہت سے چھوٹے چھوٹے مذہبی رسوم خود عورتیں ہی ادا کرتی تھیں یا کم از کم عورتوں کی موجودگی ان میں ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اس ضمن میں وہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ رام چندر جی نے جب جلاوطنی کے زمانہ میں اشومیدھ کی رسم ادا کی تھی تو سیتا جی کی مورتی کو اپنے پاس رکھنا پڑا۔

راجوں اور مہاراجوں کی لڑکیوں کو جو عزت اور وقار حاصل تھا وہ اُن کی شادی کے طریقوں سے ظاہر ہے جو سوئمبر کے نام سے مشہور ہیں۔ جب کسی راجہ کی لڑکی شادی کی عمر کو پہنچی تو راجہ تمام ریاستوں کے راجاؤں کو مدعو کرتا۔ جن راجاؤں کے پاس یہ دعوت نامہ بھیجا جاتا وہ اُسے اپنے لئے باعث عزت سمجھتے تھے۔ غرض اس طرح مختلف ریاستوں کے راجہ اور شہزادے جمع ہوتے اور مقررہ وقت پر شہزادی نہایت عمدہ لباس میں ملبوس ہوکر محفل میں آتی اور اہل محفل سے مناسب الفاظ میں اُس کو متعارف کرایا جاتا۔ اس کے بعد لڑکی ہر راجہ کے سامنے سے گزرتی اور جس راجہ کو پسند کرتی اُس کے گلے میں پھولوں کی مالا ڈال دیتی۔ یہ طریقہ انتخاب نہایت عمدہ نظر سے دیکھا جاتا اور منتخب شدہ فرد بھی اس بات کو فخر کا باعث سمجھتا تھا۔ فی الحقیقت یہ موقعہ ہوتا تھا جب عورت پردے سے باہر آتی تھی۔ یہ رومانی طریقہ انتخاب بہت دنوں بعد تک رائج رہا۔ اس کی آخری مثال سنجگتا کے سوئمبر میں ملتی ہے جب اُس نے اپنے باپ کی منشا کے خلاف پرتھوی راج کو پسند کیا تھا۔

منو کے قانون کے اجرا کے بعد سے عورتوں کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ عورتوں کے ساتھ طرح طرح کی پابندیوں کی تعلیم دی گئی چنانچہ ایک جگہ ہے کہ عورت کو کنوارپن میں اپنے باپ کے شادی کے بعد شوہر کے اور بیوہ ہونے پر لڑکے کے قبضہ میں رہنا چاہئے اور عورت

عورت کو کبھی آزادی نہ دینا چاہئے

عورتوں کے حقوق تو پہلے بھی متعین نہ تھے لیکن اس قانون نے تو اُس کی بالکل بیخ کنی کر دی۔ کسی عورت کو جائداد وغیرہ میں حق نہیں دیا گیا۔ صرف حین حیاتی حق شوہر کی جائداد میں بعض صورتوں میں عورت کو ملنا روا رکھا گیا اور عورت کو اس قابل بھی نہ سمجھا گیا کہ وہ بڑی بڑی مذہبی رسوم ادا کرسکے چنانچہ منو شاستر کے اعتبار سے ہندو مرد کی اسوقت تک نجات نہیں ہوتی جب تک کہ اُس کی اولاد نرینہ نہ ہو جو کر یہ کرم کی رسم اُس کے لئے ادا کرسکے۔ لیکن ماں کی حیثیت سے عورت کی عزت ہمیشہ کی گئی ہے۔ فی الحقیقت ماں کی عزت جس قدر ہندوستان میں ہے کسی ملک میں اب بھی نہیں ہے۔

اسلام نے عورت کو جو درجہ دیا وہ اُس کے پہلے کسی سوسائٹی یا مذہب نے نہیں دیا تھا۔ سب سے پہلے قرآن نے یہ کہا کہ مرد کا عورت پر وہی حق ہے جو عورت کا مرد پر ہے۔ اور دونوں یعنی مرد اور عورت ایک دوسرے کے لئے لباس اور زینت ہیں۔ پھر دنیا میں پہلے پہلے وراثت میں اُن کے حقوق مقرر کئے۔ عورت کو اسلام کی رو سے بہ حیثیت ماں، بیٹی، بیوی اور بہن سب طرح حقوق ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس طرح ہبہ اور وصیت کے ذریعہ سے اولاد نرینہ مستفیض ہوسکتی ہے اسی طرح عورت بھی ہوسکتی ہے۔ اسلام نے اس کی بھی تاکید فرمائی کہ مرد اور عورت آپس میں نکاح ایک دوسرے کو پسند کرکے کریں چنانچہ قرآن میں مردوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ نکاح اسی عورت سے کرو جسے تم پسند کرو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی عورت کو زبردستی نکاح میں نہ لاؤ۔ عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی سخت تاکید کی گئی ہے اور خود نبیؐ کی زندگی یا اُن کا اسوۂ حسنہ اُس کا ثبوت ہے کہ اسلام عورت کو رفیقۂ حیات سمجھتا ہے لیکن امتداد زمانہ سے اور دوسرے تمدنوں کے اثرات سے مسلمانوں کی معاشی زندگی اسلامی زندگی نہ رہی اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک بھی نہ رہا اور اُن کے حقوق بھی غصب کئے جانے لگے۔

بہرحال زمانہ تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے اور مستقبل میں اُمید کی جھلک نظر آتی ہے۔ طبقۂ نسواں

میں بھی بیداری اور نئی زندگی کے آثار نظر آتے ہیں اور عورتوں کو یہ احساس ہو چلا ہے کہ وہ اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرلیں اور دنیا کی دوڑ میں مردوں کے دوش بدوش چلیں۔ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے بہت سے ادارے قائم کرتی جاتی ہیں اور ہر نظام اُس کی اہمیت کو محسوس کر رہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ پردے کا رواج اب تک سدِ راہ ہے لیکن یہ سرعت کے ساتھ دور ہوتا جا رہا ہے یہ بھی صحیح ہے کہ تعلیم ابھی بہت کم ہے۔ گزشتہ بیس سال کے عرصہ میں تعلیم نسواں دو یا تین فیصدی سے زاید نہ ہو سکی۔ لیکن اس کی طرف رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے ابھی بہت سی قانونی رکاوٹیں بھی عورتوں کے حقوق کی راہ میں حائل ہیں لیکن یہ سب خامیاں دور ہوتی جا رہی ہیں اور عورتیں بھی اپنی ہمت اور استقلال کے ساتھ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے ہر امکانی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس جد و جہد میں مردوں کا تعاون بھی اُن کو حاصل ہے۔ قومی اور مُلکی اداروں میں اُستانیوں۔ نرسوں ڈاکٹر اخبار نویسوں اور مجسٹریٹوں کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔ انڈین نیشنل کانگرس کی صدارت بھی دو مرتبہ عورت نے کی ہے۔ آج صوبجاتی مجالس قانون ساز میں چالیس عورتیں ممبر ہیں اور ہندوستان کی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ عورت کو قلمدانِ وزارت بھی سپرد کیا گیا ہے۔ ایک عورت نائب صدر بھی ہے۔ غرض فضا خوشگوار ہے اور اہلِ وطن کی تمنا ہے کہ یہ خوشبودار کلیاں پورے طور پر پھول بن کر مہکیں۔

قلتِ ساماں سے ہمدم تو عبث نالاں ہوا
سہل ہے سب کچھ کمر بستہ اگر انساں ہوا

دیکھ اس معمار کیڑے کو کہ قعرِ بحر میں
محنتوں سے اُس کی پیدا ہیکل مرجاں ہوا

آفریں کرمِ صدف کے عزم و استقلال کو
پرورش سے جس کی ذرّہ گوہرِ غلطاں ہوا

تھوڑے تھوڑے ہی سے ہو جاتا ہے آخر میں بہت
قطرہ قطرہ ہی برس کر بحرِ بے پایاں ہوا

عورت کی فطرت اور فرائض

(از پروفیسر جمیل الرحمان صاحب ایم اے)

اس میں کسی کو کلام نہیں کہ صانع حقیقی کے منشاء کے خلاف مرد کی طرف سے مختلف قسم کی پابندیاں عائد کرکے عورت کی فطرت کو ایسا دبایا گیا کہ رفتہ رفتہ عورت کی ہستی ایک نقطۂ موہوم ہوکر رہ گئی تھی عورت کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو بھیڑ بکری سے بھی نہیں کیا جاتا ہے کہیں پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کی گئی کہیں مرد اُس کو آگ میں جلتے دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دے لیتا تھا کہیں عورت اس قدر ناپاک متصور ہوئی کہ اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت تک کرنے کی اُس کو اجازت نہ تھی۔

آخر اللہ تعالے نے اپنی مخلوق کی بیحرمتی اور بے قدری دیکھ کر یک بیک آفتاب اسلام کی کرنوں سے تاریک دنیا کو منوّر کر دیا اور عورت کا پایہ اس قدر بلند کر دیا کہ اُس سے آگے تصور جا ہی نہیں سکتا۔ اس کے ساتھ ہی حسنِ معاشرت کے احکام جاری کرکے معاشرت کی مشکلات حل ہوگئیں سوسائٹی کے تمام عیوب دور ہوگئے اور دنیا جنت بن گئی۔

وہ عورت جسے بدی کا دروازہ خیال کیا جاتا تھا جو فطری حقوق سے اس طرح محروم کر دیگئی تھی کہ اُسے جائداد کی طرح ایک آدمی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرسکتا تھا (اس تہذیب و تمدن عدل و انصاف کے زمانے میں بھی جاپان کی حکومت عورت کی تجارت خلاف تہذیب نہیں سمجھتی) مگر اسلام نے اس کا احترام بنی نوع انسان کے دلوں میں قائم کر دیا اس کی قدر و منزلت قلب النساں میں اس طرح راسخ کر دی کہ فرزند اسلام کے دماغ میں عورت کی ذلت کا خیال تک پیدا ہونا محال ہے۔ اُس نے اِس کے بیدار ہوتے ہی باران رحمت سے گھر کی چار دیواری کو شرابور کر دیا نکاح میں آتے ہی ملکہ اور ماں بننے کے ساتھ ہی اُس کے قدموں کے نیچے جنت لا رکھی اور بدیوں کے

اس دروازے کو سراپا رحمت ایزدی اور نجاتِ انسانیت کا دروازہ بنا دیا۔ اس کے حقوق و فرائض تعین کرکے دنیا میں ایک خوشگوار انقلاب برپا کردیا۔ مرد اور عورت کو وہ طمانیت اور یکسانیت بہم پہنچادی جس سے آج اہلِ مغرب باوجود مادی و جسمانی عیش و عشرت فراہم کرلینے اور دولت و حشمت کی فراوانی حاصل کرلینے کے محروم ہیں۔

مسلم کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر اہلِ مغرب اور اہل مشرق اسلام کے زرین اصول قبول کرلیں تو اُن کی روح سرمدی راحت سے لذت یاب ہو جائے۔ ورنہ یہ سمجھ لیں کہ حقیقی مسرت کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ سکتے۔ شاید زمانہ کے تھپیڑے کھا کر اہلِ مغرب سمجھ جائیں۔ ایک مدت سے اہلِ مغرب مادیت کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور اہلِ ہندان کی اندھی تقلید کے سبب تباہ ہو رہے ہیں۔

وہ وقت یقیناً قریب ہے جب اہلِ مغرب اور اہلِ مشرق افراط و تفریط سے طوعاً و کرہاً کنارہ کش اور مادیت سے بیزار ہو کر جادۂ اعتدال پر گامزن ہوں گے بقول لینن وہ وقت دور نہیں جب اہل عالم کو افراط و تفریط کی تباہ کار روش سے کنارہ کش ہو کر اسلام کے اعتدال آمیز اصول قبول کرنے پڑیں گے۔ کیونکہ اسلام کا نظام نوع انساں کی بقا کے لئے بہترین ضمانت ہے۔

وقتی اور فوری جذبات سے متاثر ہو کر جو لوگ واقعات کا مطالعہ نہیں کرتے وہ عورت کے حقوق اور فرائض کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ اُنھوں نے عورت کی فطرت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ عورت کی طبع اور اُس کی وضع اور اُس کے اعضاے لطیف و نازک مرد کی طرح ہر قسم کے فرائض ادا نہیں کرسکتے۔ اگر ٹھنڈے دل سے عورت کی فطرت پر غور کیا جائے تو عورت کے فرائض کے تعین کرنے میں غلطی نہیں ہو سکتی۔

ان حالات کو پیش نظر رکھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں کہ مرد کے مضبوط جسم کو ملکی حفاظت اور بیرونی معاملات کے حل کرنے کا اہل اور عورت کا نازک وجود خانگی ذمہ داریوں کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ کیونکہ قانونِ فطرت یہ ہے کہ فرائض اور ذمہ داریاں انھیں لوگوں

کے سپرد کیا جا سکتی ہیں جو اُن کے ادا کرنے کے قابل اور اہل ہوں اور بہتر طریقے سے انجام دینے کی استعداد رکھتے ہوں۔ جو فرد کسی فرض کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا۔ وہ فرض اگر اس کے سپرد کیا جائے تو اس سے اچھے نتیجہ کی امید رکھنا فضول ہے۔

اگر تاریخ عالم پر نگاہ ہو تو معلوم ہو گا کہ مسلمان عورتوں نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دئے ہیں جو مرد نہیں دے سکتے وہ میدان جنگ میں تاراج جان تک کا خیال نہ کرتی تھی اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور پیاسوں کو پانی پلاتی تھی وہ بھاگے ہوئے مردوں کو میدان جنگ میں کھینچ لاتی تھی اس کی جرآت اور جسارت مردوں کو غیرت دلاتی تھی اور شکست فتح و نصرت میں بدل جاتی تھی حقیقت یہ ہے کہ عورت کی فطرت کے سمجھنے کے لئے غیر معمولی تدبر و تفکر کی ضرورت ہو اگر عورت کے فرائض کا مسئلہ حل ہو جائے تو بہت سے مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے	تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے
حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے	تم کو اسلاف سے کیا نسبت رُوحانی ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

عہد نو برق ہے آتش زن ہر خرمن ہے	ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے	ملتِ ختمِ رُسل شعلہ بہ پیراہن ہے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

دیکھ کر رنگ چمن ہو نہ پریشاں مالی	کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی	گل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

قرآن مجید کے انمول موتی

قرآن مجید میں انمول موتیوں کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ اگر مسلم خواتین قرآن مجید سمجھ کر پڑھیں اور عمل کریں تو ان موتیوں سے اپنے دامن بھرلیں۔ اور مالا مال ہو جائیں۔ ان موتیوں کی چمک دمک میں ساڑھے تیرہ سو سال سے کوئی فرق نہیں آیا۔ جوں جوں یہ موتی پرانے ہوتے ہیں ان کی آبداری بڑھتی جاتی ہے۔ یہ بے بہا موتی جتنے استعمال میں زیادہ آتے ہیں ان کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ ان موتیوں کو نہ کوئی لوٹ سکے نہ یہ لوٹ سکیں۔ یہ موتی اللہ کے کلام میں ملتے ہیں امیر و غریب بڑے اور چھوٹے جوان اور بوڑھے مرد اور عورت سب اپنی اپنی جھولیاں ان انمول موتیوں سے بھر سکتے ہیں اور بے روک ٹوک بھر سکتے ہیں۔

دنیا نے آجتک ایسے خوشنما خوبصورت اور آبدار موتی نہیں دیکھے تھے یہ نورانی موتی تمام دنیا کو جگمگانے کے لئے آئے تھے۔ ان موتیوں کی آب آنکھوں میں نور پیدا کرتی ہے۔ ان کی چمک سے دل کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ دماغ میں روشنی اور جسم کے تمام اعضا میں برقی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مسلم خواتین اگر ان انمول موتیوں کو گلے کا ہار بنائیں تو ان کے حسنِ اخلاق سے اسلام چمک اٹھے اگر ان موتیوں سے آویزۂ گوش بنائیں تو اک دنیا آئینۂ حیرت بن جائے۔

اللہ کا رنگ ان نادر موتیوں کی آب ہے۔ جس نے اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے موتیوں کی مالا کو اپنی زیب و زینت بنایا وہ دین و دنیا میں سرخرو ہوا۔

اس ماہ کا رسالہ ہم چند انمول موتیوں سے مزین کرتے ہیں۔ مسلم خواتین ان کی قدر کریں ان کی قدر یہی ہے کہ ان پر آج سے عمل کریں۔

(۱) "مسلمانو! لوگوں کے ساتھ اچھی طرح بات کرو" (البقر) اس حکم میں دنیا کی تسخیر کا راز ہے۔ خواجہ حالی بھی فرما گئے ہیں کہ جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے۔ اگر ہم سب اخلاق سے

پیش آئیں خندہ پیشانی سے ملیں اور نرمی سے اور آہستگی سے گفتگو کریں۔ تو گرہ سے کیا خرچ ہوا اللہ کے حکم کی تعمیل بھی ہوگئی اور دوسروں پر بھی اچھا اثر ہوا۔

اللہ تعالے نے اسی حکم کی تاکید پھر دوسری جگہ بھی فرمائی ہے۔

(۲) اللہ کو یہ پسند نہیں کہ کوئی کسی کو پکار کر برا کہے۔ مگر جس پر کسی قسم کی سختی یا ظلم ہوا ہو تو وہ پکار کر ظالم کو کچھ کہہ بیٹھے تو معذور ہے۔ یعنی اگر کسی انسان میں برائی ہو تو اس کو جا بجا شہرت دیتے پھرنا اور پکار کر کسی کے منہ پر اس کی برائی کرنا مناسب نہیں یاد رکھو کہ خدا سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے اُس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اگر تم بھلائی کی کوئی بات ظاہر طور پر کرو یا اُسے پوشیدہ رکھو یا کسی کی برائی سے درگذر رو تو ہمارے ہاں تم کو نیکی اور احسان کا اجر ملے گا اور یاد رکھو کہ اللہ بھی سب بات کی قدرت رکھنے کے باوجود درگذر کرتا ہے (النسا)

مسلم خواتین مندرجہ بالا حکم کو غور سے پڑھیں اور بار بار پڑھ کر سمجھیں کہ کسی کو کسی کے منہ پر منہ پھوڑ کر برا کہدینا کتنی بری بات ہے۔ ہم ہیں کہ جو کچھ جی میں آتا ہے کہڈالتے ہیں اور اس بات کا کبھی خیال نہیں کرتے کہ دوسرے کی کسقدر دل آزاری ہوگی اس دل آزاری کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ناگوار گفتگو سے ہماری دل آزاری کرے تو ہم کو کتنا رنج ہوتا ہے اسی طرح ہم کو سمجھنا چاہئے کہ ہماری ناگوار بات سے دوسرے کا دل بھی آزردہ ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالے نے ایک دوسرے کی برائی اُس کے منہ پر کرنا یا کوئی رنج دہ کلمہ منہ سے نکالنا ممنوع فرما دیا ہے۔ دل بدست آور کہ حج اکبر است کسی شاعر نے کسی کے دل کو ہاتھ میں لینے یعنی اُس کی دل آزاری نہ کرنے میں اس قدر ثواب سمجھا ہے کہ حج اکبر کے ثواب کے برابر ہے یعنی بہت بڑا ثواب ہے۔ ثواب اسی لئے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے میں ثواب ہی ثواب ہے۔

اسی مضمون کو مدنظر رکھ کر خواجہ حافظ کا ایک شعر بہت مشہور ہے ؎

آسایش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است — با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

یعنی دونو جہاں کی آسائش اور آرام اگر حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی مختصر تدبیر یہ ہے کہ دوستوں سے مہربانی اور خوشش اخلاقی سے پیش آؤ اور دشمنوں کی بھی خاطر تواضع کرو۔ گویا دشمن دوست سب کے ساتھ مہربانی کرو اور سب کے ساتھ بنائے رکھو اسی میں دونو جہان کی کامیابی ہے۔ دنیا میں بھی کامیابی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی بھی نافرمانی نہ ہوئی۔ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہو کہ اگر کسی میں کوئی برائی ہو تو وہ برائی بھی اس کے منہ پر نہ کہی جائے۔ مسلمانوں کو یہ ہدایت اس لئے کی گئی کہ مسلمان اگر آپس کے تعلقات میں ایک دوسرے کی تالیف قلوب کا خیال نہ رکھیں گے تو تعلقات خوشگوار نہیں رہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو چونکہ مخلص مسلمانوں کے اخلاق ایک ہی سانچے میں ڈھالنے تھے اس لئے یہ احکام فرمائے اور اور اسی قسم کی اخلاقی نصیحتیں ان حکموں کے ذریعہ سے بھی مقصود ہیں جن کا ذکر ابھی آئے گا۔

(۳) مسلمانو! مرد مردوں پر نہ ہنسیں عجب نہیں کہ وہ خدا کے نزدیک ان سے بہتر ہوں جن پر وہ ہنستے ہیں۔ اور نہ عورتیں عورتوں پر ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں۔

(۴) مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کو نہ طعنے دو اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو۔

ایمان لائے پیچھے یہ بہت بدتہذیبی ہے اور جوان حرکات سے باز نہ آئیں گے تو وہی خدا کی ناخوشی کا باعث ہوں گے۔

(۵) مسلمانو! ایک دوسرے کی ٹٹول میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کو اس کے پیٹھ پیچھے برا کہے۔ بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ جب یہ تم کو گوارا نہیں تو کسی کی غیبت کیوں گوارا ہو کہ یہ بھی ایک قسم کا مردار کھانا ہے۔ (حجرات)

ان پانچ احکام کو پڑھ کر مسلم خواتین دیکھیں کہ قران کی تعلیم کس قدر اعلیٰ درجے کے اخلاق سکھاتی ہے اور جن عیوب کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے وہ کس قدر عام ہیں۔ ہماری سوسائٹی میں ایک دوسرے کی برائی کرنا کس قدر رہے۔ آپس میں طعنہ زنی اور کسی کا مذاق اڑا کر ذلیل کرنا ایک معمولی تفریح ہے۔

جب خداوند تعالیٰ ان حرکات کو بدتہذیبی قرار دیتا ہے تو ہمارے لئے کتنی شرم کی بات ہے کہ ہم اس معبود حقیقی کے احکام کی پرواہ نہ کریں۔ یہی برائیاں آجکل ہنسی مذاق کا موضوع بن گئی ہیں اور ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ کوئی تقریب ہو، جلسہ ہو یا میلاد کی محفل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے ہم ان برائیوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور کبھی غور نہیں کرتے کہ ان برائیوں کا زہر کس قدر جلد اپنی تاثیر پھیلاتا ہے۔ اللہ کے رنگ میں رنگے جانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے دلوں کو کدورتوں سے پاک صاف کریں۔ اور تمام بداخلاقیوں کو دور کریں۔ آج کل مسلمانوں کے اخلاق اس قدر گرے ہوئے ہیں کہ ان کی اصلاح کی جلد ضرورت ہے۔

آج ہم انہی پانچ احکام پر اکتفا کرتے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ مسلم خواتین ان پر غور کریں گی۔ اور یہ سمجھیں گی کہ یہ خداوند کریم کے ارشاد ہیں ان کو سر اور آنکھوں پر رکھنا اور ان پر عمل کرنا ان کا مقدم فرض ہے۔

محمد اکرام

غریب اور امیر خدا کی نگاہ میں

اللہ تعالےٰ سورہ الفرقان میں ارشاد فرماتا ہے کہ امیروں کا امتحان یہ ہے کہ غریبوں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں بلکہ امیروں کو واجب ہے کہ غریبوں کی دلدہی کریں اور جہانتک ہوسکے ان کی امداد کریں۔ غریبوں کا امتحان یہ ہے کہ اگر امیر اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھیں تو تنگدل اور افسردہ ہو کر کڑھا نہ کریں۔ اور یاد رکھیں کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ اور ہم سب کا امتحان لیتے ہیں۔ غریبی اور امیری تو ہم امتحان کے لئے دیتے ہیں۔

خاتونِ حرم

اللہ کی رحمت ہے خاتونِ حرم! تجھ پر
عصمت ہے ترا جوہر، عفت ہے ترا زیور

تو شرم کی ہے پُتلی ہے تیری نظر نیچی
غمزہ بھی وقار افزا شوخی بھی حیا پرور

پاکیزگیٔ دل کا پرتو تری آنکھوں میں
باطن کی صفائی کا آئینہ رخِ انور

اک حُسن ہے جسمانی اک حُسن ہے رُوحانی
یہ جلوۂ نُورانی وہ شعلۂ خاکستر

زنگ آ ہی نہیں سکتا پاکیزہ جمالی کا
بیباک نگاہوں سے رونِدے ہوئے چہرے پر

رتبے سے ترے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتی
مغرب کی پری پیکر، بے پردہ وبے شوہر

ہے نشو و نما اُس کی تاثیرِ سینا[1] سے
اسلام کے سانچے میں ڈھلتا ہی ترا پیکر

تُو باپ کا سرمایہ، بھائی پہ اثر تیرا
شوہر کی ہے تو ہمدم، بچوں کی ہے تو رہبر

بیشک تری جلوت سے محروم ہیں نامحرم
خلوت ہی میں رہ کر تو ملّت کی ہے صورت گر

آئینۂ قرآں میں دیکھ اپنی اداؤں کو
شانہ تری زلفوں کا فرمودۂ پیغمبرؐ

اسد ملتانی

[1] سینا

لڑکیوں کی تعلیم

ایک وقت تھا کہ اس پر بحث کرنی ضروری تھی کہ لڑکیوں کو تعلیم دیجائے۔ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ مدرسوں اور کالجوں میں اس قدر لڑکیاں داخل ہوتی ہیں کہ مزید کالج کھولنے کا مسئلہ زیر غور ہوتا رہتا ہے۔ غیر قوموں کا تو ذکر ہی کیا ہے بہت سی مسلمان لڑکیاں بھی بی، اے اور ایم اے تک پہنچ رہی ہیں خاص کر پنجاب میں۔ اس کے معنی یہ نہ لینے چاہئیں کہ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام کافی اور تسلی بخش ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ لڑکیوں کو تعلیم دلانے کا شوق اب مسلمانوں تک میں ہوگیا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس تعلیم سے جو مروجہ مدارس اور کالجوں میں دیجاتی ہے مسلمان لڑکیوں کو اتنا فائدہ پہنچتا ہے جتنا کہ اس تعلیم پر روپیہ اور وقت صرف ہوتا ہے۔ آج کل عام شکایت ہے کہ لڑکوں کی تعلیم ناقص ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے تعلیم یافتہ اپنے والدین کی گاڑھی کمائی کا روپیہ اور اپنا قیمتی وقت اور اپنی جسمانی صحت کھوکر "چارپائے بروکتابے چند" کے مصداق ہوکر رہجاتے ہیں اور رسوائے اس کے کہ ان کا طرز معاشرت مہنگا ہو جاتا ہے ان کو کوئی اقتصادی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور چونکہ عورتوں کی تعلیم کا انتظام بھی وہی ہے جو لڑکوں کی تعلیم کا ہے تو ظاہر ہے کہ لڑکیوں کا بھی یہ تعلیم پاکر وہی حشر ہوگا جو لڑکوں کا ہوا۔ اور اب بھی جو شکایت لڑکوں کے متعلق ہے وہی لڑکیوں کے متعلق بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کا نصب العین وقت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ تعلیم سے مراد فقط خدا کو پہچاننا تھا چنانچہ مشہور رہے کہ بے علم نتواں خدا را شناخت یعنی محض مذہبی تعلیم کو ضروری سمجھا جاتا تھا اور یہ کچھ مسلمانوں ہی پر موقوف نہ تھا بلکہ ہر مذہب و ملت کے لوگ دینی تعلیم ہی کو تعلیم سمجھتے تھے اس کے بعد تعلیم کا نصب العین اخلاق ہوگیا۔ یونان کے فلسفی جو خدا کے قائل

تھے عقل بڑھانے کو تعلیم کا مقصد تصور کرتے تھے اور اخلاق کی بنا خدا کے حکم ماننے پر نہیں بلکہ عقل کے ذریعہ نیکی کو نیکی سمجھنے پر رکھتے تھے۔ جب یونان اہل روما نے فتح کر لیا تو یونان کے عالم دنیا میں پھیل گئے اور عیسائیوں کے رہبانی مدارس جن میں فلسفے کی تعلیم کو گناہ عظیم سمجھا جاتا تھا رفتہ رفتہ یونانی فلسفے کو ماننے پر مجبور ہو گئے اور عیسائی ممالک کے تعلیم کا نصب العین بدل گیا۔ اسی طرح جب مسلمانوں کی فتوحات اُن کو ایسے ممالک میں لیگئی جہاں یونانی تعلیم کا زور تھا تو مسلمانوں نے بھی یونان کی تعلیم سے فائدہ اُٹھایا اور جو یونانی مسلمان ہو گئے تھے اُن سے اُن کے علم کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرا کر مطالعہ کیں اور ایک ایسے علم کی بنیاد ڈالی جس میں اسلامی مذہب کی چاشنی کے ساتھ یونانی علم کی آمیزش بھی تھی۔ تعلیم کا یہ نصب العین تھوڑے سے تغیر و تبدل کے بعد اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر تک یورپ میں قائم رہا اور جو ایشیائی ممالک یورپ کے قبضے میں آ گئے وہ بھی اسی مقصد کو بہتر سمجھنے لگے۔ انیسویں صدی عیسوی میں سائنس کی معلومات اور ایجادوں نے فلسفی تعلیم پر ضرب لگائی اور لوگوں نے دیکھا کہ پرانے تعلیم یافتہ بعض زبانی جمع خرچ کرتے ہیں اور حصول علم سے کوئی عملی صورت پیدا نہیں ہوتی چنانچہ ایک صدی تک سائنس کی تعلیم کا زور رہا۔ دنیا میں پھر تغیر ہوا۔ اور سائنس کی ایجادوں سے آمد و رفت میں طرح طرح کی سہولتیں پیدا ہو گئیں جس کی وجہ سے تجارتی مسائل حل طلب ہو گئے جس کی بنا پر اہل علم جماعت کے ایک فرقے نے اقتصادیات کا مطالعہ کر کے تجارتی مسائل اور ضروریات زندگی کے مطمح نظر کو دنیا کے سامنے پیش کیا حتیٰ کہ بیسویں صدی عیسوی میں اقتصادیات کا مطالعہ مخلوق کے لئے نہایت اہم تصور ہونے لگا اور ایک بڑی جماعت تعلیم کے نصب العین میں سائنس کے ساتھ ساتھ اقتصادیات کو بھی جگہ دیتی ہے۔

اقتصادیات یوں تو بذات خود ایک سائنس ہے لیکن عام فہم زبان میں اُسے روٹی کا دھندہ کہنا چاہئے آج کل ہندوستان میں بہت سے لوگ یہ غل مچا رہے ہیں کہ محض اخلاقی تعلیم جس سے روٹی کا دھندہ پورا نہیں ہوتا کافی نہیں ہے۔ اخلاق کے حصول کے ساتھ ساتھ

کچھ پیٹ بھرنے کا بھی انتظام ہونا چاہیئے اور ہم کو سائنس اور اقتصادیات کی تعلیم کالجوں میں دیجاتی ہے وہ اس قدر نامکمل ہوتی ہے کہ اس سے کوئی عملی فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔ اس لئے اب زور دیا جارہا ہے کہ ابتدائی مدارج میں علمی درس کے ساتھ عملی درس بھی ہونا چاہیئے اور اعلیٰ تعلیم میں سائنس و اقتصادیات کی تکمیل صحیح معنوں میں ہونی چاہیئے

لڑکوں کی تعلیم کے لئے تو یہ نصب العین قائم کیا جارہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی نصب العین لڑکیوں کی تعلیم کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس کا جواب اسی وقت دیا جاسکتا ہے جب کہ یہ فیصلہ کرلیا جائے کہ لڑکیوں کا مقصد حیات کیا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ تعلیم کا نصب العین اہل ملک کے مقصدِ حیات پر مبنی ہے۔ جب انسان وحشی تھا اور جانوروں کی طرح غاروں میں رہتا تھا تو وہ دن بھر جنگلوں میں سیر کرتا پھرتا تھا یا لیٹا رہتا اور جب نیند آتی سوجاتا اور جب نیند بھری جاگ اٹھتا اور جب بھوک لگی تو درختوں پر چڑھ کر میوے کھالئے یا سمندر سے مچھلی پکڑ کر چبا ڈالی یا ہرن کو پتھر مار کر مار ڈالا اور کچا پکا ہضم کیا۔ ایسی حالت میں اُس کا مقصدِ حیات کیا تھا۔ خود غرضی۔ لیکن جب انسان متمدن ہوا اور مذہب اور اخلاق نے اُس کو سکھایا کہ انسان کو حیوان پر صرف اس لئے برتری ہے کہ انسان صرف اپنے ہی لئے نہیں جیتا بلکہ دوسروں کی خدمت کرنے اور خدا کی نعمتوں کا بہترین استعمال کرنے یعنی تہذیب اور تمدّن میں ترقی کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے تو اُس کا مقصدِ حیات بدل گیا۔ تہذیب اور تمدن کی ترقی کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کی ضروریات میں اضافہ ہونے لگا اور بجائے وحشی انسان کی سست اور بیکار زندگی کے متمدن انسان کو اپنی ضروریات پورا کرنے اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو آرام سے رکھنے کے لئے بہت زیادہ جدوجہد اور کشمکش کرنے کی زندگی اختیار کرنی پڑی اور اُس کا مقصدِ حیات خدمت اور جدوجہد ہوگیا۔ عورت اور مرد مل کر انسان بنتے ہیں یعنی جو مقصدِ حیات مرد کا ہے متمدن دنیا میں وہی عورت کا بھی ہوگا۔ عورت کو بھی خدمت اور جدوجہد سے مفر نہیں ہے لیکن مشرقی تمدن کی ایک خصوصیت یہ رہی کہ مرد اور عورت نے اپنا اپنا حلقۂ کار علیحدہ علیحدہ کرلیا۔ یعنی عورت

کے ذمے خانہ داری اور پرورش اطفال کی خدمت سپرد ہوئی اور مرد کے لئے جد و جہد یعنی عورت کا حلقۂ کار گھر اور مرد کا گھر کے باہر کی ساری دنیا۔ لیکن یہ تقسیم صرف صاحب ثروت طبقے میں یاد رہی۔ غریب طبقے میں عورت کو خانہ داری اور پرورش اطفال کے علاوہ مرد کے ساتھ فکرِ معاش میں بھی تھوڑا بہت حصہ لینا پڑتا ہے کیونکہ اکیلے مرد کی جد و جہد کنبے کی ضروریات کے لئے کافی معاش پیدا نہیں کر سکتی۔ اس لئے غریبوں میں عورت اور مرد اندر باہر کا سب کام مل جل کر کرتے ہیں مثلاً مرد کھانا پکانے کا کام بھی انجام دے لیتے ہیں۔ لیکن صاحب ثروت طبقے میں عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہی نہیں رہی اور اُس کا مقصدِ حیات محض افزائشِ نسل اور خانہ داری کی دیکھ بھال رہ گیا۔ رفتہ رفتہ مرد نے عورت کا گھر سے نکلنا بند کر دیا اور عورت اسی کو عزت سمجھنے لگی اور یہی معیارِ شرافت ہو گیا۔ متوسط طبقے نے بھی عورت کے لئے بھی مقصد حیات تجویز کر دیا۔ اندریں حالات ہندوستان کی عورت اور پھر مسلمان عورت کی تعلیم کا نصب العین کیا ہونا چاہیئے کیا اُس کے لئے محض چند ضروری مسائل دینیات کے بتا دینے اور اُس کے ساتھ ساتھ کچھ خانہ داری کے اصول سکھا دینے کافی ہیں یا ضروریات زمانہ اس امر کے متقاضی ہیں کہ مسلمان عورت کو بھی چند ضروری تغیر و تبدل کے بعد وہی تعلیم دی جانی چاہیے جو مسلمان مرد کو دی جاتی ہے تاکہ وہ بھی بوقت ضرورت مرد کے پہلو بہ پہلو جد و جہد معاش میں حصہ لے کر اُس کا ہاتھ بٹائے اور قومی اور ملّی دولت میں اضافہ کرے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تعلیم کے مدارج کا معیار مرد یا عورت کی مالی احتیاج کی رو سے قائم کیا جاوے۔ مثلاً مرد ہو یا عورت اگر صاحبِ ثروت ہو اور پیٹ کا دھندا اُس کے ساتھ لگا ہوا نہ ہو تو اُس کے لئے حصول علم ایک محض دماغی عیش ہے۔ اور جب تک وہ چاہے اور جس درجے تک چاہے وہ اس علمی عیش کے مشغلے کو جاری رکھ سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اعلیٰ تعلیم اہل ثروت مرد اور عورتوں کے لئے نہ صرف مناسب ہی بلکہ ضروری بھی ہے۔ اُن کو "فرصت کے رات دن" ملتے ہیں اور حصول علم سے بہتر اُن کے لئے کوئی شغل نہیں ہو سکتا۔ یا ایسے مرد اور عورتوں کو اعلیٰ تعلیم مفید ثابت ہو سکتی ہے

جو باوجود افلاس کے حصول علم ذہنی سے مناسبت رکھتے ہیں اور یہ تعلیم کے ادنیٰ مدارج میں انھوں نے غیر معمولی استعداد حاصل کی ہو اور اپنی ذکاوت کا خاص ثبوت دیا ہو لیکن آج کل کی کشمکش معاش میں غریب اور متوسط طبقے کے مرد اور عورت کے لئے تعلیم کا مقصد یہی ہونا چاہئے کہ وہ اپنے طبقے میں اپنی ذات اپنے کنبے۔ اپنی قوم اور اپنے ملک کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق مفید ثابت ہو سکیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مرد اور عورت کی تعلیم میں فرق کیا رکھا جاوے۔ اگر عورت کو کاروباری زندگی میں حصہ لینا ہے تو اُسے اقتصادیات کی تعلیم ضروری ہے۔ اگر صنعت وحرفت میں حصہ لینا ہے تو چند ضروری سائنس کے اصول معلوم ہونے لازمی ہیں۔ اخلاق کی تعلیم مذہبی کتب اور ادبیات سے ہونی ضروری ہے۔ حفظان صحت و پرورش اطفال اور معمولی علاج معالجہ کے اصول سیکھنے عورتوں کے لئے لابد ہیں۔ سینا پرونا۔ کھانا پکانا۔ گھر کی صفائی، مہمانوں کی خاطر تواضع وغیرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو عورت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور جن کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نام کے لئے یہ سب مضامین ہمارے مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں لیکن بنج بیوپار اور صنعت وحرفت کی طرف نہ مردوں کے مدرسوں میں توجہ کی گئی ہے نہ عورتوں کے۔ عورتوں کو تو سمجھا گیا ہی کہ ان کو اسکی ضرورت ہی نہ ہوگی مگر ہم نے بہت سے نتائج محض امیر اور متوسط الحال طبقے کی زندگی کو مدنظر رکھ کر نکال لئے ہیں اور یہ فرض کر لیا ہے کہ پیسہ کمانا عورت کا کام نہیں۔ بعض حلقوں کی طرف سے یہ اعتراض بھی عائد ہوگا کہ مسلمان عورت چونکہ پردہ نشین ہے وہ بنج بیوپار اور صنعت حرفت میں حصہ نہیں لے سکتی۔ یہ خیال غلط ہے۔ اس لئے کہ اوّل تو بروئے اسلام پردہ نشین نہیں ہے بلکہ پردہ دار ہے برقعہ پہن کر وہ جہاں چاہے جا سکتی ہے اور تلاش معاش میں ہر شریف پیشہ اختیار کر سکتی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے مسلمان عورتیں ترکاری۔ چوڑیاں۔ گوٹا کناری۔ کپڑے وغیرہ اشیا گھر گھر بیچتی پھرتی ہیں مگر چونکہ وہ جاہل ہوتی ہیں اِس سے آگے ترقی نہیں کر سکتیں یعنی پردے کی دکان کھول کر نہیں بیٹھتیں۔ اسلامی ممالک میں اس قسم کی دکانیں ہیں جن کو عورتیں چلاتی ہیں اور مستورات پردے دار دکان کے اندر جا کر سودا خریدتی ہیں۔ صنعت وحرفت میں بھی غریب مسلمان عورتیں بہت کچھ حصہ لیتی رہی ہیں۔

مثلاً گوٹا بننا۔ کامدانی کا کام کرنا کشیدہ کاری۔ گوٹا بننا، طرح طرح کی سلائی کرنا یہ سب کام غریب مسلمان
عورتیں اب تک کرتی رہی ہیں مگر زمانے کی روش نے اُن کو بیکار کر دیا۔ مشینوں سے گوٹا بٹا اور بنا
جانے لگا۔ کامدانی کا رواج معدوم ہوگیا۔ سلائی سے یوں محروم ہوگئیں کہ انگریزی تراشس اور
قطع کے لباس دونو مرد عورتوں نے استعمال کرنے شروع کر دئے۔ لہٰذا ضرورت اس بات
کی ہے کہ غریبوں کے لئے ایسے مدارس کھولے جائیں جن میں موجودہ ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے
لکھنے پڑھنے کے ساتھ صنعت وحرفت کی ایسی تعلیم دی جائے کہ غریب مسلمان عورت دوسروں کی
محتاج نہ رہے۔ لیکن موجودہ طرز تعلیم کا یہ دستور ہے کہ گدھے گھوڑے کو ایک ہی لکڑی سے
ہانکا جاتا ہے۔ غریب اور امیر سب کو ایک ہی قسم کی تعلیم دیجاتی ہے۔ ایک ہی سانچے میں ڈھالا جاتا ہے۔
اس نظامِ تعلیم میں یہ بھی نقص ہے کہ کسی مضمون کے ساتھ قدرتی مناسبت ہو یا نہ ہو مگر طالبات کے
دماغ میں اسی مضمون کو ٹھونسا ضرور جائیگا۔ مثلاً جیومیٹری ہے۔ جن لڑکیوں کو ریاضی کی اعلےٰ
تعلیم لینی ہو ان کے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح الجبرا۔ لیکن جن کو محض ادبی تعلیم حاصل کرنی ہے ان کو
اس پر وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل۔ اسی طرح جن کو سائنس و صنعت وحرفت کی ضرورت ہے انکو
ادبیات کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ چند اخلاقی اصول سکھانے لازمی ہیں جو دینیات کے ماتحت
آسکتے ہیں۔ تاریخ و جغرافیہ عام معلومات میں اضافہ کرتا ہے اور جغرافیہ آجکل کی دنیا میں ضروری
بھی ہے گو کہ اب تو ہر دس بارہ سال کے بعد پولیٹکل جغرافیہ بدلتا رہتا ہے تاہم یہ مضمون غیر ضروری
نہیں۔ ہمارے ٹریننگ کالج کے تعلیم یافتہ طوطے موجودہ نظام نصاب تعلیم کی حمایت میں بہت کچھ
"دریں چہ شک" کا سبق دہرا سکتے ہیں لیکن خواہ مردوں کی تعلیم ہو یا عورتوں کی مروّجہ تعلیم مغربی
مقاصد زندگی کو پورا کرتی ہے اور ہم ہندوستانیوں کے سر زبردستی منڈھ دی گئی ہے حالانکہ
مشرق اور مغرب میں آسمان اور زمین کا فرق ہے مشرق میں اب بھی روحانیت کو مانا جاتا ہے
خدا ترسی اور غریب پروری۔ جزا و سزا۔ جنت و دوزخ۔ عدل و انصاف، مغربی مادّیت کی
ترویج کے باوجود ابھی تک مشرقی دماغوں اور دلوں میں جاگزیں ہیں۔ اندریں حالات دنیا و فیہا

کے متعلق ہمارا مطمح نظر مغرب سے جداگانہ ہے تو مغربی نمونے کی تعلیم ہمارے دماغ کو ملمع کرنے کے سوا اور کچھ جلا نہیں دے سکتی۔ چنانچہ اس ملمع کی انگوٹھیاں بہت کچھ اتراتی پھرتی ہیں لیکن نرا سونا اگر تلاش کرنا ہے تو پھر مشرقی طرز کے مدارس ہی میں ملے گا۔ مسز شاہنواز انگریزی میں لاجواب تقریر کرتی ہیں اور مسز نیڈو تقریر کے علاوہ شاعری بھی کرتی ہیں اور ہم اُن کی بہت قدر کرتے ہیں مگر یہ ہندوستان کی لاکھوں عورتوں میں فرد ہیں۔ اگر مشرقی زبانیں اور مشرقی ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ترقی یافتہ دنیا کی معلومات سے اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اُٹھاتے ہوئے نظام و نصاب تعلیم کو جاری کیا جاتا تو اگر ہزاروں نہیں تو سینکڑوں عورتیں اپنی زبان کی تحریر و تقریر اور شاعری میں مندرجہ بالا خواتین سے کسی طرح کم نہ رہتیں۔ پرانے زمانے کے مرد اور عورتیں جو تعلیم پاتے تھے اگر معدودے چند کتب کا بھی مطالعہ کرتے تھے تو بھی وہ نہ صرف اُردو بلکہ فارسی میں بلا تکلف عالمانہ تحریر و تقریر کر سکتے تھے۔ لیکن موجودہ تعلیم یافتہ ہزاروں انگریزی کی کتابیں پڑھ جاتے ہیں مگر ہزار میں ایک انگریزی زبان کا ماہر نکلتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گو فارسی زبان ہندوستان کی زبان نہ تھی مگر ایشیا کی تو تھی اس لئے ہماری طبائع کے مناسب و موافق تھی اُس کی شاعری اور علم ادب سے ہم لطف اندوز ہو سکتے تھے۔ لیکن انگریزی ایشیائی زبان نہیں ہے۔ اس کی شاعری ہمارے دل کو اور دماغ کو اپنی طرف نہیں کھینچتی۔ اس میں سمندر کے رنگ کی نیلی آنکھوں اور زرد رنگ کے بالوں کی تعریف پائی جاتی ہے۔ کرنجی آنکھیں اور زرد بال جنہیں سنہری بتایا جاتا ہے ہمارے دل کو نہیں بھاتے۔ اس میں چنڈول کے راگ اور اُلو کی عقلمندی کی تعریف میں گیت ہوتے ہیں۔ جس پر انگریز سر دھنتے ہیں مگر ہم کو بلبل کا گیت اور کوئل کی صدا بھلی معلوم ہوتی ہے اور اس کی تعریف ہمارے دل پر اثر کرتی ہے۔ ہمارے ہاں چنڈول اور اُلو منحوس پرند سمجھے جاتے ہیں۔ اندریں حالات انگریزی تعلیم ہمارے دل میں کس طرح بیٹھ سکتی ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ حالات زمانہ مجبور کرتے ہیں اور ضرورت وقت یہ ہے کہ ہم لوگ انگریزی میں کمال حاصل کریں

اس کا جواب یہ ہے کہ حالات زمانہ انگریزوں کو مجبور کرسکتے ہیں کہ وہ اگر ہمارے ملک میں رہنا چاہتے ہیں تو ہماری زبان سیکھیں عربستان۔ ترکی۔ ایران۔ افغانستان چین جاپان سب ملک باوجود بہت کم انگریزی جانے کیلئے ترقی کر رہے ہیں مگر ہندوستان ہی ایک ایسا بدنصیب ملک ہے جو اپنی زبان بھی بھول گیا۔ ایشیا کی زبانوں کو بھی خیرباد کہہ چکا ایک بس فقط انگریزی ہی میں گٹ پٹ کرتا رہتا ہے مگر علم سے من حیث علم بے بہرہ رہتا ہے۔ خیر۔ یہ بحث طولانی ہے اور اسپر اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ "چہ تواں کرد مرداں ایں اند" بہت بہتر موجودہ نظام تعلیم اور نصاب پر بھی غور کر لیجئے۔ پہلی جماعت سے انٹرنس تک دس سال غارت ہو جاتے ہیں پھر ابتدائی جماعتوں میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ نصاب تعلیم ۶ ماہ میں ختم ہو جاتا ہے یا ہو سکتا ہے مگر امتحان اور ترقی سال بھر کے بعد ملے گی۔ پھر ترقی کی سنیئے۔ سب مضامین میں اچھے نمبر ہیں مگر حساب اور جغرافیے میں دو چار یا دس پانچ نمبروں کی کمی ہے۔ لہذا فیل اب پھر سال بھر تک پڑے رہو اور دوبارہ اُن مضامین میں بھی امتحان دو جن میں پاس ہو چکے ہو۔ ایسا کیوں نہیں کیا جاتا کہ ۳ ماہ بعد اُن مضامین میں جن میں کم نمبر ملے ہیں امتحان لے کر اعلیٰ جماعت میں چڑھا دیا جاوے۔ اور ابتدائی جماعتوں میں ۶ ماہ بعد امتحان ہوں۔ علاوہ ازیں ڈیڑھ دو ماہ کی تعطیل گرما دی جاتی ہے تاکہ چھوٹے بچے رہا سہا سبق بھی بھول جائیں۔ اکثر مدارس میں موسم گرما میں نہیں بلکہ برسات میں چھٹی دی جاتی ہے اور بہانہ ملیریا کا کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہندوستانی آرام طلب ہوں ان کی تکمیل تعلیم میں دیر لگے اور اخراجات ایسے بڑھ جاویں کہ وہ تعلیم نہ دلا سکیں۔ اُستانیاں ہیں تو اللہ کی پناہ۔ لڑکیوں سے روز ایسی فرمائشیں ہوتی ہیں کہ جو غریبوں سے روزانہ پوری نہ ہو سکیں۔ آج انسپکٹرس صاحبہ تشریف لا رہی ہیں مدرسہ سجایا جائے گا۔ ہر لڑکی اس قدر رقم لائے۔ کل کھانا پکایا جائے گا ہر لڑکی اتنا اتنا سامان لائے۔ پرسوں کرتہ کاٹنا سکھایا جائے گا۔ اتنے گز کپڑا ہر لڑکی لائے۔ اس کے علاوہ ہر سال کتابیں بدلی جاتی ہیں۔ چھوٹی بہن بڑی بہن کی کتاب سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ معمولی کتابوں کی بڑی بڑی قیمت ہے۔ ہر مدرسے میں جدا جدا

نصاب ہے کہ ایک لڑکی دوسرے مدرسے میں جائے تو نئی کتاب خریدے۔ ہزاروں قسم کی
قیمتی کاپیاں خریدنی پڑتی ہیں سلیٹ اور تختی پر لکھنا بند ہے۔ پردہ دار لڑکیاں مدرسے ڈولی
یا لاری میں جائیں۔ اگر ڈولی منت کی ہے تو ڈولی والے ہر تہوار پر انعام مانگتے ہیں اور لاری
کا کرایہ اتنا ہے کہ غریب مسلمان برداشت نہیں کر سکتے اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ
گرمی میں صبح چار بجے سے لڑکیاں مدرسے جانا شروع ہوتی ہیں تب کہیں ۶ بجے تک سب
پہنچتی ہیں۔ اسی طرح ایک دو بجے دوپہر تک واپس آتی ہیں۔ اب غور فرمائیے کہ لڑکیاں کس وقت
تو کھانا کھائیں اور کس وقت گھر پر سبق یاد کریں۔ دن بھر کولہو کے بیل کی طرح جُتی رہتی ہیں۔ اور پھر
سیکھتی کیا ہیں کہ جو زبان گھر پر بولتی تھیں اُس کا بھی تلفظ غلط ہجے غلط املا غلط کم سے کم دہلی کا تو
یہی حال ہے۔ وجہ یہ کہ عام طور پر استانیوں کی یا تو استعداد کم ہے یا وہ عیسائی اور غیر ملک
کی مثلاً بنگال۔ مدراس وغیرہ کی ہوتی ہیں جن کو اُردو کا صحیح تلفظ نہ آئے۔ نہ اُردو کے صحیح معنی
آئیں نہ محاورہ جانیں۔ اور عیسائی مدراسن و بنگالن تو اُردو لکھنے سے بھی عاری ہیں۔ یہ ممکن
ہے کہ مستثنیات ہوں۔ مگر عام حالت یہ ہے۔ لہذا موجودہ حالات میں لڑکیوں کا پڑھانا اُن کی
صحت خراب کرنا ان کا وقت ضائع کرنا اور اپنا روپیہ کھونا ہے۔ مسلمان پردہ نشین لڑکی ۱۵ برس سے
زیادہ عمر کی عام طور پر مدرسے نہ بھیجی جائے گی۔ کم سے کم عام خیال اور رواج یہ ہے۔ موجودہ انتظام
میں بہت سے بہت اس عمر میں مڈل پاس کرے گی۔ لیکن اگر ششماہی ترقی دی جاوے تو بآسانی ۱۲ برس
کی عمر میں انٹرنس اور ۱۶ برس کی عمر میں بی اے ہو سکتی ہے۔ لیکن لوگ غل بہت مچاتے ہیں اور نفع
نقصان کی بات کو کم سمجھتے ہیں۔ غریب قوم کی تعلیم کا پہلا اصول یہ ہونا چاہیئے کہ کم سے کم وقت اور
کم سے کم خرچ میں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جاوے مگر جیسا کہ اوپر بیان ہوا معاملہ برعکس
ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ نظام تعلیم میں لڑکیوں کے لئے تعلیم دولت کا بے انتہا اسراف ہے کہ تعلیم دو
تو پچھتاؤ نہ دو تو پچھتاؤ یا یوں کہیے کہ بھور کے لڈو ہیں کہ دور ہی سے دیکھو اور خوش ہو یعنی زبانی جمع
خرچ بہت ہوا عملی فائدہ بہت کم ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مشکلے نیست کہ آساں نہ شود۔ اگر مسلم

ایجوکیشنل کانفرنس اپنے وجود کو حقیقت میں قوم کے لئے مفید بنانا چاہتی ہے تو اپنی اوّلیں فرصت میں ایک غیر معمولی اجلاس اس غرض کے لئے انعقاد کرے اور عملی تدابیر اختیار کی جائیں ورنہ زبانی جمع خرچ کے لئے ریزولیوشن تو ہر سال پاس ہوتے ہی رہتے ہیں۔ بر رسولاں بلاغ باشد و بس۔

مشتاق احمد زاہدی

مسلم سے خطاب

مسلم ترے خوں میں تو حرارت تھی بلا کی — تھا شعلۂ جوّالہ ترا پتلۂ خاکی
رنگیں تری تعمیر کی ہر خشت ہے خوں سے — تعمیر بھی کی تو نے تو اعجاز نما کی
تھی لرزہ براندام ترے نام سے دنیا — تو نے کبھی عالم میں قیامت تھی بپا کی
تکبیر کے نعرے تھے ترے صورِ سرافیل — جاں سوز صدا تھی یہ ترے بانگِ درا کی
جس وقت صداقت پہ تو تلتا تھا بصد ذوق — بندھ سکتی تھی ہرگز نہ ہوا اہلِ ہوا کی
تھے کوہ پرِ کاہ ترے عزم کے آگے — مستور ترے عزم میں قدرت تھی خدا کی

سچ پوچھو تو سیف اور قلم کا تھا دھنی تو — جو بات کی واللہ وہی ہوشربا کی
تیری حکومت کا کبھی سکہ رواں تھا — سب قوم میں نظر آتی ہیں اب کیوں ترشیاں ہی کی
کیا ہو گیا اب تجھ کو خدارا یہ بتادے — تو نے وہ حمیّت جو ترا حصہ تھا کیا کی
اُٹھ اور زمانے کو دکھا پہلا سا عالم — تدبیر کوئی سوچ کے تغیرِ قضا کی
خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ — بن۔ راہ نہ اب دیکھ بہت اعنا کی
ڈر ہے کہ کہیں نام ہی مٹ جائے نہ تیرا — غفلت جو زمانے سے کہیں اور ذرا کی

تکفیری مشاغل سے ہی فرصت نہ ملے گی — یہ شان ہے کچھ تیرے مقدس علما کی
نشے میں ہیں دولت کے ترے حال سے غافل — یہ بات نرالی ہے ترے ہی امرا کی
عالم ہوں جب اس ڈھب کے اور اس رنگ کے امرا — لے کون خبر مسلم بے برگ و نوا کی
پستی کے تھے اسباب ترے ہی سر بسر جو — تفسیر یہ کی میں نے ان اسرار خفا کی

(مدینہ) (محمد عمر نعمانی از شملہ)

"ہمارے حقوق" پر ایک نظر!

محترمہ بہن انجمن آرا بیگم دہلی کا اپیل بعنوان بالا انیس نسواں میں نظر سے گذرا، مجھے نسوانی معاملات میں ابتدا ہی سے خاص دلچسپی رہی ہے اور جہاں ہر دو جنس کا تصادم سامنے آتا ہے میری ترجیحی ہمدردی جنسِ نازک کی جانب مائل ہو جاتی ہے اور میری ہی کیا اکثریت کی ہمدردی کمزور کیطرف ہو جانا فطری ہے۔

بہن موصوف نے جو حقوق شماری کی ہے اُن سے کسے انکار ہو سکتا ہے، اُن کے یہ حقوق کھرے، ٹکسالی، سونے کے، وہ جب لینے کا عزم بالجزم کریں لے سکتی ہیں تاہم جب ڈنکے کی چوٹ حقوق طلبی ہی کی ٹھہر گئی ہے تو انصافاً تصویر کے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، میری رائے میں امور ذیل بھی کچھ کم قابلِ التفات نہیں ہیں:۔

ہم مردوں کو بھی جتنی آزادی اسلام نے دی تھی وہ کسی دوسرے مذہب نے نہیں دی، مگر مستورات جو مسلمہ اور رجاعتی طور سے رسوم کی بندی ہیں اکثر رسوم قبیحہ کے آگے خدا اور رسول کے انعامات کو نظر انداز کر دیتی ہیں، تقریبات کے موقعوں پر صاحب خانہ سے قبیح رسوم سے بچنے کے لئے کسی دردمند قوم کو کہتے سنا تو اچھے اچھے مولوی اور فلیشن ایبل ٹائپ حضرات کو یہی عذر کرتے سُنا کہ صاحب بھلا ان عورتوں سے کون جیتے، اور واقعی ہم میں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ عذر ایک حقیقت ہے اور حقیقت بھی بے پناہ، واضح ہو کہ مردوں نے عورتوں کے حقوق کو اتنا غصب نہیں کیا جتنا عورتوں نے خود اپنے حقوق کو اپنی گھریلو سیاست کو کام میں لا لا کر اور اپنے جذبات سے مغلوب ہو ہو کر غصب کرانے کا موقع دیا، یوں ہلکے پھلکے کسی کو مجرم گردانا اور متہم کرنا خدا ترسی سے دور ہے، آخر اسی آسمان کے نیچے ایک وہ جزیرہ بھی تو ہے جہاں عورتوں کی حکومت ہے، مرد نکھٹو اُس لیل و نہار میں ڈربے میں اس بری

طرح بند کیے جاتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں ہم مردوں کی سرزمین پر تو پھر انسانی رواداری کا برتاؤ ہے اور عورت کو مرد کا بایاں بازو مانا جاتا ہے، میں مولوی تو نہیں ہوں مگر میرے خیال میں مولویوں نے جہاں عورتوں کے بعض حقوق بعض مصالح کی بنا پر محفوظ کیے تھے لیکن بعد کو وہ گم گشتہ طاقِ نسیاں ہو گئے وہیں مردوں کے بعض حقوق بھی "سات پردوں" میں ڈھک دیئے تھے جن کو عورتوں نے طاقِ نسیاں والے حقوق کا معاوضہ بلکہ کسی قدر افزوں جان کر تھام لیا اور آج خدا رسول کے حوالہ سے اُس گرفت کو ہلکا کرنے کو کہا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ واہ صاحب واہ کہیں دنیا زمانہ میں بھی اس کا دستور ہے، مردوں کی جن جن شرعی سہولتوں پر یہ عذرِ لنگ کیا جاتا ہے اُن میں سے مشتے نمونہ از خروارے

اوّل تو یہ کہ جس کو ہماری آئندہ زندگی کا شریک بننا ہے اُس کو سات پردوں میں رکھ کر ایک خیالی جنس سے معاملہ کرایا جاتا ہے، قدرت نے انسان کو علم النفس کا مادّہ ودیعت کیا ہے اس معاملہ میں جہاں اُسے خاص طور سے کام لینے کی ضرورت تھی مرد کو محروم رکھا جاتا ہے، غضب خدا کا! کیسی اُلٹی رسم ہے کہ لڑکے کو جس کا کھرا کھوٹا اظہر من الشمس ہوتا ہے وہ تو "بردکھاوے" کی رسم کے ماتحت بلایا اور پرکھا جائے، اور اُس کے متعلق عام رائے زنی کا موقع دیا جائے، کوئی کہتا ہے کہ دولہا کالا ہے، کسی کی رائے میں دولہا کی داڑھی لمبی ہے، کوئی دولہا کی آنکھ چھوٹی بتاتا ہے، کسی کی تشخیص میں دولہا ادھیڑ عمر کا سا لگتا ہے، مگر وہ جو سنِ شعور سے آج تک مستور رہی اور بقول شخصے جس کا پلنگ تک بھی نہ دیکھا گیا ہو وہ آج بھی سات پردوں میں ڈھکی چھپی ہوئی مرد کے پلّے باندھ دی جاتی ہے اور گویا کہہ دیا جاتا ہے کہ بھئی کانڑی کھدری۔ کالی گوری، خوش خو زشت خو۔ پھوہڑ سلیقہ شعار جیسی کچھ بھی ہے، ہے تو تمہاری عزت، لو اور شرافت کا تقاضا یہی ہے کہ خواہ مخواہ نباہ کرو۔

دوسری چیز مہر کا معاملہ ہے، جس بُری طرح مرد بیچارے کو مہر کے چکر میں جکڑا جاتا ہے وہ انتہائی درجہ شرمناک اور بعید از دانشمندی ہے، جس کا خمیازہ ہر دو فریق کو بعد میں بھگتنا پڑتا ہے، پس اگر مرد کی جانب سے اس امر میں بد معاملگی ظہور میں آئے تو اس کا الزام خود عورت کے سر ہے کہ

خدا اور رسول کے حکم کے خلاف مرد کی توحیثیت سے کئی گنا زیادہ دین مہر اس کے سر تھوپا گیا اور یوں اس کو بد معاملگی کے لئے تیار کیا گیا، میرے خیال میں تو اس کی تسلیم مرد کے جذبۂ خود داری اور مردانگی پر ایک کاری ضرب ہے، شاید وہ دل میں یوں سمجھتا ہو کہ ؎

ہمیں رسمہا باید ساخت چہ تواں کرد رسمہا ایں اند

تیسری چیز جس سے مرد کو سابقہ پڑتا ہے اور اس کو بعض اوقات غیر حلال کمائی بھی حاصل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے وہ ہماری عورتوں کے زاید از ضروریات زندگی سماجی اخراجات ہیں۔ جن کو ایک گھرانہ دوسرے گھرانے سے اور ایک برادری دوسری برادری سے منفرد و ممتاز بننے کے خیال سے لازمی قرار دے لیتے ہیں۔ جن کا پہلا اور سب سے بڑا اوبار تو وہی ہو کہ مرد چار و ناچار۔ بآسانی یا بہ دقت جائز یا ناجائز جس صورت سے ممکن ہو لاتا ہے اور پوت پورا کرتا ہے، دوسری مصیبت یہ کہ برادری میں جو غریب ہیں وہ امیروں کی ہمسری کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ خواہ اپنے بچوں کا پیٹ کاٹیں قرض وام کریں مانگ تانگ کرلائیں مگر اپنے ہم چشموں میں دوش بدوش کھڑے ہونے کے قابل بننے کی ضرور کوشش کرینگے غیر اسلامی معاشرت میں بھی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور نتیجہ میں صحیح اور فارغ زندگی کی خوشیوں سے محروم رہتے ہیں، اب فرمائیے کہ ان امور میں اور انہیں جیسے دیگر امور میں رسم و رواج کی جکڑ بندیاں عورتوں کی جانب سے ہوتی ہیں یا مردوں کی طرف سے؟

اس گذارش سے یہ نتیجہ ہرگز نہ نکالا جائے کہ خدانخواستہ میرا مقصد کسی قسم کی مخالفت ہے، بلکہ میں صنف نازک کے حق میں لطیف جذبات اپنے قلب میں پاتا ہوں تاہم نہ اس غلط حد میں جو خدا اور رسول کے احکام سے بھی بڑھ کر ہوں۔ اور جس چیز کو آپ غصب سے تعبیر کرتی ہیں وہ یا کسی زمانہ کی ضرورتوں سے یا غیر قوموں کے اثر صحبت سے یا نومسلموں کا اپنے پہلے مذہب کی بعض رسموں پر کاربند رہنے سے ظہور میں آئی ہیں، اور یہ چیزیں ایک حد تک فطری ہوتی ہیں، آپ اس کو غصب کے لفظ سے تعبیر کرکے مرد بیچاروں سے منسوب کیوں

کرتی ہیں، یوں کہیے کہ زمانہ کے تغیرات اور انقلابات سے ہمارے جائز حقوق میں کمی آگئی تھی لہذا اب وقت ہے کہ انھیں ہم پھر حاصل کریں، الہم زد فزود، آپ اپنے حقوق اپنی اصلاح اپنی ترقی وبہبودی کے لئے اَن تھک کوشش کریں، انجمنیں بنائیں جا بجا تنظیم کریں، لیکن خدارا محاذ قائم نہ کریں، غلط جذبات کے ماتحت ہرگز کوئی کام نہ کریں، منتقمانہ اسپرٹ مد مقابل سے نہ صرف مغائرت ومنافرت بڑھائے گی بلکہ عامل کو منزل مقصود سے بھی ہٹا دیگی، آپ کی کوئی عزیز چیز کسی غیر کے قبضہ میں ہو تو ہو سکتا ہے کہ اُس کے حصول پر سرد مہری اور سینہ زوری سے کام لیا جائے، کہ آیندہ اُس قابض سے کسی قسم کا تعاون رکھنا نہیں ہے، لیکن مرد جس سے عورت کا چولی دامن کا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ کہ تانے بانے کا ساتھ ہے اگر آپس میں انتقامی جذبہ سے کام لینے لگیں تو جس طرح ہندوستانی قوموں کے لئے تحریک پاکستان قریب تر ہوتی جاتی ہے کچھ بعید نہیں کہ مرد اور عورت ہر دو باعتبار قوم اپنی اپنی جگہ پاکستانی خیال کے ہو جائیں۔

قاضی منیر الدین احمد (از میرٹھ)

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

سفینۂ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُسکا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

یہ رسمِ بزمِ فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبشِ نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا

نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا (اقبال)

گلستانِ حالی

کسی قوم کا جب اُلٹتا ہے دفتر　　تو ہوتے ہیں مسخ اُن میں پہلے تونگر
کمال اُن میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر　　نہ عقل اُن کی ہادی نہ دیں اُن کا رہبر
نہ دنیا میں ذلّت نہ عزّت کی پروا
نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنّت کی پروا

نہ مظلوم کی آہ و زاری سے ڈرنا　　نہ مفلوک کے حال پر رحم کرنا
ہوا و ہوس میں خودی سے گذرنا　　تعیش میں جینا نمایش پہ مرنا
سدا خوابِ غفلت میں بے ہوش رہنا
دمِ نزع تک خود فراموش رہنا

پریشاں اگر قحط سے اک جہاں ہو　　تو بے فکر ہیں کیونکہ گھر میں سماں ہو
اگر باغِ امت میں فصلِ خزاں ہو　　تو خوش ہیں کہ اپنا چمن گل فشاں ہو
بنی نوعِ انساں کا حق اُن پہ کیا ہے
وہ اک نوع نوعِ بشر سے جُدا ہے

کہاں بندگانِ ذلیل اور کہاں وہ　　بسر کرتے ہیں بے غم قوتِ ناں وہ
پہنتے نہیں جز سمور و کتاں وہ　　مکاں رکھتے ہیں رشکِ خُلدِ جناں وہ
نہیں چلتے وہ بے سواری قدم بھر
نہیں رہتے بے نغمہ و ساز دم بھر

کمر بستہ ہیں لوگ خدمت میں اُن کی　　گل و لالہ رہتے ہیں صحبت میں اُن کی
نفاست بھری ہے طبیعت میں اُن کی　　نزاکت سو داخل ہے عادت میں اُن کی
دواؤں میں مشک اُن کے اُٹھتا ہے ڈھیروں
وہ پوشاک میں عطر ملتے ہیں سیروں

یہ ہو سکتے ہیں اُن کے ہم جنس کیونکر　　نہیں جن کو زمانے میں دم بھر
سواری کو موٹر نہ خدمت کو نوکر　　نہ رہنے کو گھر اور نہ سونے کو بستر
پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی
جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوٹی

تصویر عبرت

(از سید ناصر نذیر صاحب فراق مرحوم)

(۳)

آخر وہ دن آگیا اور جبینہ بیگم ڈولی میں بیٹھ عباس مرزا (خاوند کا نام ہے) اور حسین مرزا کو ساتھ لے کر لال قلعہ روانہ ہوئی ادھر سے ایک ڈولی میں سکینہ اور ایک ڈولی میں اختر سوا ہو کر لال قلعہ کو چلیں۔ جب قلعہ کے اندر تینوں ڈولیاں پہونچیں تو انھوں نے عالم ہی دوسرا دیکھا رومی اور فرنگی باجوں کی دھوم روشن چوکی کی سہانی آواز نوبت کی ٹکور سنکر دل بے قابو ہوئے جاتے تھے۔ کئی سو سوار اور پیادے چمکدار وردیاں پہنے ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے جا بجا پہرے پر کھڑے تھے۔ خدا خدا کر کے ڈولیاں لال پردے تک پہونچیں، اور ناظر کے حکم سے وہاں رکھی گئیں۔

لال پردہ سے دیوان عام بہت دور تھا۔ مگر کیا مقدور جو کوئی انسان ہوں تو کرلے سب طرف رعب اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سوائے ایک نقیب کی آواز کے جو برابر کانوں میں آرہی تھی۔ تسلیمات کورنش بندگی مجرئی آداب بجالاؤ۔ نظر روبرو جہاں پناہ بادشاہ سلامت عالم پناہ بادشاہ سلامت۔ یہ وہ آواز تھی جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ اور ہر کوئی ہیبت کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ گھنٹہ بھر کے بعد ایک ناظر دوڑ ہوا آیا اور اس نے کہا۔ ڈولیاں اٹھالاؤ اور ڈولیاں فوراً دیوان عام میں داخل ہوگئیں۔ جس وقت ان عورتوں نے ڈولیوں کے پردے میں سے جھانک کر نظر ڈالی تو عجب عالم نظر آیا۔ دیکھا کہ دیوان عام میں شاہ جہاں بادشاہ لاکھوں روپے کا قیمتی لباس پہنے ہیروں کا تاج سر پر دھرے جڑاؤ تخت پر جو جواہر کی جوت سے جگمگ جگمگ

کرہا ہے بیٹھا ہوا ہے اور دائیں بائیں وزیر شاہزادے سلاطین امیر اُمرا راجے مہاراجے ہاتھ باندھے سناٹے کے عالم میں گردن جھکائے دست بستہ چُپ کھڑے ہیں۔ ناظر چوبدار بردے قلّار ہاتھوں میں سنہری روپہلی عصا لئے ادہر اُدھر حاضر ہیں۔ ناگہاں بادشاہ نے اشارہ کیا اور سعداللہ خاں وزیر نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور تخت کو بوسہ دے کر پیچھے ہٹا۔ اور ڈولیوں کے پاس آکر کہا۔ جبینہ کی ڈولی کونسی ہے۔

عباس مرزا۔ حضور یہ ہے۔

سعداللہ خاں۔ حضور والا فرماتے ہیں۔ جبینہ تم کو اپنی بہن پر جو دعویٰ ہے وہ ٹھیک ٹھیک اور سچ سچ بیان کرو خبردار ایک حرف خلاف نہ کہنا نہیں تو خیر نہیں ہے۔ اس حکم کو سُنکر جبینہ بیگم کے ہوش اُڑگئے اور آدھ گھنٹہ پیچھے اُس نے لڑکھڑائی ہوئی زبان سے اپنا اور سکینہ کا بیاہا جانا اور اُمید کی حالت میں سکینہ سے یہ وعدہ کر لینا کہ اگر تیری ہاں لڑکا ہوا اور میرے ہاں لڑکی ہوئی تو میں اپنی لڑکی تیری لڑکے کو بیاہ دوں گی اور اگر تیرے بیٹی ہوئی اور میرے ہاں بیٹا تو میرے بیٹے کو تجھے اپنی بیٹی دینی پڑے گی۔ اور حسین مرزا اور اختر کا پیدا ہونا اور منگنی کرنا ذرا ذرا عرض کیا۔ اور کہا۔ جہاں پناہ اب میری بہن اپنے قول سے پھری جاتی ہے اور بیٹی دینے سے انکار کرتی ہے۔ جب جبینہ خاموش ہوئی۔ تو سعداللہ خاں نے کہا۔ سکینہ اب تجھے جو کچھ عذر اور جواب ہو عرض کر۔ سکینہ دیر تک ڈولی میں چپ بیٹھی رہی۔ کیونکہ رعب کے مارے اُس کی آواز نکلتی نہ تھی۔ اور اُسے یقین تھا کہ بادشاہ میری بیٹی جبینہ کو دلوا دیگا۔ مگر اُس نے اپنے تئیں سنبھالا اور اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا۔ جب اختر کے باپ کا مرجانا اور سلائی کا سینا اور فاقہ کرنا اور بہن کے پاس جانا اور بہن کا آڑے ہاتھوں لینا اور یہ کہنا کہ جا تو اپنی بیٹی قلندروں کو دے بیان کیا تو تمام درباریوں کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے اور جہاں پناہ بھی آبدیدہ ہوئے۔ اور جب سکینہ نے قلندر کا آنا اور اشرفیاں دیجانا اور اپنا مالدار ہو جانا۔ اور جبینہ بیگم کا سُن پانا اور دان جہیز کے لالچ سے دوبارہ حسین مرزا کے لئے پیغام دینا بیان کیا تو سب حیران تھے کہ الٰہی یہ کیا ماجرہ ہے۔ اور

ایسا وہ مالدار قلندر کون ہے جس نے خدا واسطے سکینہ کے گھر ہن برسا دیا جب سکینہ چُپ ہوئی تو سعداللہ خاں نے کہا کہ کیا وہ قلندر اب بھی تیرے اں ہر روز آتا ہے۔

سکینہ۔ جی ہاں خداوند ہر روز نہیں بلکہ ہر رات کو آتا ہے۔

بادشاہ سلامت۔ سعداللہ اس سے پوچھو کہ اب تو اپنی بیٹی اپنے بھانجے کو دینا چاہتی ہے یا قلندر کو۔

سکینہ۔ خداوند میں تو اپنی بیٹی برس دن ہوا قلندر کو دے چکی۔ اب بھانجے کو کیونکر دے سکتی ہوں۔

بادشاہ سلامت۔ سعداللہ اس لڑکی سے پوچھو تو اُس قلندر کو پہچانتی ہے

اختر۔ ڈر کے مارے اپنے کلیجہ کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر نہیں حضور میں قلندر کو نہیں پہچانتی میں نے آج تک اُس کی صورت بھی نہیں دیکھی۔

سعداللہ خاں۔ تو نے قلندر کی صورت کیوں نہیں دیکھی۔

اختر۔ حضور غیر مرد کی صورت دیکھنی حرام ہے۔

سعداللہ خاں۔ حضور والا فرماتے ہیں پھر تو نے قلندر کے تلوے کیوں سہلائے۔

اختر۔ اماں جان کے ڈر سے اور اُن کے کہنے سے اور فقیر کو بزرگ سمجھ کر مگر اللہ جانتا ہے فقیر پلنگ پر ہوتا ہے۔ اور میں اوڑھ لپیٹ کر اُس کی پائینتی زمین پر بیٹھ جاتی ہوں اور دوپوروں سے تلوے سہلایا کرتی ہوں۔

سعداللہ خاں۔ اچھا یہ کیونکر سمجھا جائے کہ فلانے فقیر کے تو تلوے سہلایا کرتی تھی۔

اختر۔ جہاں پناہ میں اپنے قلندر کے پاؤں پہچانتی ہوں۔ اگر ہزار پاؤں میں ایک پاؤں میرے قلندر کا ہوگا تو الگ پہچان لوں گی

سعداللہ خاں۔ حضور والا فرماتے ہیں اگر ایسا نہ ہوا پھر کیا سزا۔

اختر۔ حضور مجھے توپ کے منہ سے اُڑا دیا جائے۔

بادشاہ سلامت۔ سعد اللہ خاں ہم حکم دیتے ہیں۔ کہ اسوقت دربار میں جس قدر ادنیٰ و اعلیٰ حاضر ہیں باری باری سے اس لڑکی کی ڈولی میں پاؤں ڈالیں۔ دیکھیں یہ اپنے قلندر کے کیونکر پاؤں پہچانتی ہے حکم کی دیر تھی۔ پہلے ایک شاہزادے نے اختر کی ڈولی میں پاؤں ڈالے اختر نے دو پورے اسکے تلوؤں کو لگائے اور کہدیا یہ میرے قلندر کے پاؤں نہیں ہیں۔ اور اسی طرح ہزاروں آدمیوں نے جو دربار میں حاضر تھے باری باری سے اختر کی ڈولی میں پاؤں ڈالے اور اُس نے ہاتھ لگا کر کہدیا کہ یہ میرے قلندر کے پاؤں نہیں ہیں یہانتک کہ آخر میں نواب سعد اللہ خاں نے بھی بادشاہ کے اشارے سے اختر کی ڈولی میں پاؤں ڈالے اور اُس نے ہاتھ سے چھو کر کہدیا یہ بھی میرے قلندر کے پاؤں نہیں ہیں۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ اب کوئی باقی نہیں رہا تو خود بدولت چلمن کے اندر تشریف لے گئے۔ جو تخت کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ اور تھوڑی دیر میں ایک فقیر گدڑی پہنے کمبل اوڑھے ہاتھ میں جھولی لٹکائے بُری صورت بنائے دیوانِ عام میں کسی طرف سے گھس آیا اور جھٹ پٹ اختر کی ڈولی کے پاس آکر سعد اللہ خاں وزیر سے کہنے لگا اگر حضور کہیں تو میں بھی اپنے پاؤں ڈولی میں ڈال دیکھوں

سعد اللہ خاں۔ کیا مضایقہ ہے۔ یہ دربار عام اسی واسطے کیا گیا ہے کہ حق حقدار کو پہونچ جائے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

فقیر سلام کر کے ڈولی کے پاس بیٹھ گیا اور اُس نے اپنے دونوں پاؤں ڈولی میں ڈال دیئے اور اختر نے اُس فقیر کے تلووں کو چھوتے ہی کہدیا کہ "حضور یہ میرے قلندر کے پاؤں ہیں" قلندر نے فوراً ڈولی سے باہر پاؤں کھینچ لئے سارا دربار حیران تھا۔ کہ الٰہی یہ بھید کیا ہے یہ فقیر مکر گدا اس قدر جلدی دربار میں کہاں سے آگیا۔ اور یہ لڑکی بدنصیب ہے جو اس بھیگ منگے اور بدشکل فقیر کو اپنے لئے پسند کرتی ہے۔ مگر جب اس فقیر نے اپنی گدڑی اور جھولی اور کمبل اُتار کر پھینک دیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ سارا بھروپ بادشاہ سلامت نے بھرا تھا۔ اور خود قلندر بن کر یہاں آئے ہیں بادشاہ نے تخت پر بیٹھ اپنی زبان سے فرمایا کہ ہماری رعایا ہم کو غافل اور بے خبر نہ جانے ہمارے

کان ہیں ہر امیر اور فقیر کے گھر کی اچھی اور بری بات رتی رتی ہو کر پہنچتی رہتی ہے اور ہم آپ بھی بھیس بدل کر چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ اور دیکھتے رہتے ہیں کہ ہماری رعیت میں سے کون خوش حال ہو۔ کون محتاج ہے۔ کون کس پر ظلم کرتا ہے کون کس کو ستاتا ہے۔ اسی طرح ہم سکینہ کے گھر بھی پہنچ گئے اور ہم نے ان دونوں ماں بیٹیوں کو بہت غریب اور بڑی نیک و پارسا پایا اور ہم کو اختر کی مسکینی، و نیک بختی دل سے بھاگئی۔ اس لئے ہم نے اختر کو اپنے محل کے واسطے پسند کر لیا اچھا اختر اور سکینہ کو شاہی محلسرا میں پہنچا یا جائے۔ اور حبیبہ کو اور اُس کے خاوند اور اُس کے بیٹے کو نکال دیا جائے۔ یہ عورت بڑی سنگدل اور بڑی بے رحم ہے۔ اپنی سگی بہن کی مصیبت میں کام نہ آئی اور جب اُس کے دن پھرے تو اس پر نالش کرنے کھڑی ہو گئی۔ ان واقعات سے بڑی عبرت حاصل ہوتی ہے۔

اختر زمانی کا ستارہ چمک گیا۔ اور اسی رات کو بادشاہ نے اُس سے نکاح کر لیا اور اختر محل خطاب دیا۔

دلی میں بچے سے لگا کر بوڑھے تک اور عورت سے مرد تک کون ہے جو اختر محل کا نام نہ جانتا ہو۔

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل — دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

کم ظرف پُر غرور، ذرا اپنا ظرف دیکھ — مانندِ جوشِ خُم نہ زیادہ اُبل کے چل

فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوزِ دل کیساتھ — اس پر سپند وار نہ اتنا اُچھل کے چل

یہ غول وش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنما — سایہ سے بچ کے اہلِ فریب و دغل کے چل

اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل — بل ہے تو بل کے بل پہ تو کچھ اپنے بل کے چل

انساں کو کل کا پتلا بنایا ہے اس نے آپ — اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کے چل

پھر آنکھیں بھی تو دی ہیں کہ رکھ دیکھ کر قدم — کہتا ہے کون تجھ کو نہ چل چل سنبھل کے چل

ظفر

خلع بل میں رکاوٹیں

خدا خدا کرکے تو خلع بل سنٹرل اسمبلی سے پاس ہوا تھا اور کونسل آف اسٹیٹ کی منزل بھی طے کرچکا ہے صرف وائسرائے کی منظوری باقی ہے پھر تو یہ بل قانون کی شکل اختیار کرلے گا۔ مگر ہم یہ دیکھ کر حیران ہیں۔ کہ اسکی مخالفت ابھی سے شروع ہوگئی اور اکثر مسلم خواتین کو اس مخالفت کی خبر بھی نہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ جمعیتہ العلما نے ایک تار وائسرائے کی خدمت میں بھیجا ہے کہ یہ بل پاس نہ کیا جائے۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی جب ہمارے رسول کریمؐ کے نائبین کی مظلوم مسلمان عورتوں کے ساتھ یہ ہمدردی ہو تو بھلا ہمیں دوسروں سے کیا توقع ہوسکتی ہے۔

اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ خلع کے مقدمات صرف مسلمان جج فیصلہ کیا کریں۔ بھلا گورنمنٹ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان مقدمات کے لئے خاص جج مقرر کرے۔ کیا اسوقت مسلمانوں کے دیوانی کے مقدمات جو شرع محمدی کی بنا پر ہندوستانی عدالتوں میں دائر ہوتے ہیں کیا ان کے طے کرنے کے لئے مسلمان جج مقرر ہیں۔ شرع کا پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ بھی یہی جج فیصلہ کرتے ہیں خواہ وہ انگریز ہوں یا مسلمان ہندو ہوں یا عیسائی بڑے سے بڑا مقدمہ جس میں شرع محمدی یا محمڈن لا کے حوالے کی ضرورت ہو اور مہر اور طلاق کے جملہ مقدمات دیوانی کی ماتحت عدالتوں میں دائر ہوتے ہیں اپیل ڈسٹرکٹ جج کے ہاں یا ہائیکورٹ میں ہوتا ہے۔ ہائیکورٹ کے بعد بھی پریوی کونسل لندن میں آخری عدالت موجود ہے۔ جہاں جائیداد اوقاف اور وراثت کے سب قسم کے مقدمات طے ہوتے ہیں۔ اب ان بڑی عدالتوں میں زیادہ تر انگریز ہیں۔ ویسے ہر ہائیکورٹ میں ایک آدھ مسلمان اور دو ایک ہندو جج بھی ہوتے ہیں۔

جہاں تک انسانی دماغ کی لیاقت کی رسائی اور انصاف پسندی کا احساس ممکن ہے یہ

مقدمات فیصلہ کئے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے قانون داں وکلا بحث کرتے ہیں اور اپنے اپنے فریق کی وکالت میں ایڑی چوٹی تک کا زور لگا دیتے ہیں۔ دیوانی کے مقدمات فیصلہ کرنیوالے تمام ججوں اور وکلا کو شرع محمدی میں امتحان پاس کرنا ہوتا ہے۔ اور دیوانی کے بڑے بڑے مقدمات تو اسوقت ان ججوں کے پاس بھیجے جاتے ہیں جب ان کا تجربہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ ہائی کورٹ اور پریوی کونسل میں بڑے بڑے قابل اور تجربہ کار ججوں کا انتخاب ہوتا ہے۔ جہاں انصاف کی خاطر وہ بال کی کھال اتاری جاتی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

خلع کے مقدمات میں ایسی کونسی قانونی موشگافیوں کی ضرورت پڑے گی جو ایک مسلمان جج کے سوا کوئی دوسرا جج کرنے کے قابل ہی نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ مقدمات ایک ہی عدالت کیلئے محدود نہیں ہو سکتے اپیل بھی مزور ہوں گے جس فریق کے خلاف مقدمہ فیصل ہوگا وہ عدالت اپیل میں بھی جانے کا مجاز ہے۔ گورنمنٹ سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں کی خاطر ماتحت عدالتیں بھی مسلمان جج مقرر ہوا ور عدالت اپیل بھی مسلمان ہو۔ اور پھر جب خلع کے مقدمات سے زیادہ اہم مقدمات انہی عدالتوں میں فیصلہ ہوتے ہیں تو اسوقت کوئی نہیں کہتا کہ چونکہ ان مقدمات میں شرع محمدی کے مسائل ہیں۔ اس لئے کوئی مسلمان جج ہی اُن کی سماعت کرے۔

عیسائیوں کی طلاق کے مقدمات ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں جاتے ہیں وہ فریقین کی شہادت قلمبند کرکے ہائی کورٹ میں رپورٹ بھیجدیتا ہے۔ ہائی کورٹ میں منظوری کے بعد طلاق کی ڈگری منظور ہو جاتی ہے یہ ضروری نہیں کہ ڈسٹرکٹ جج انگریز یا عیسائی ہو۔ کوئی ہو ہندو ہو یا مسلمان مگر ڈسٹرکٹ جج کے اختیارات اسکو حاصل ہوں۔

عیسائیوں کی طرف سے کبھی یہ عذر نہ اُٹھایا گیا کہ اُن کے طلاق کے مقدمات کی سماعت صرف وہی جج کریں جو عیسائی مذہب رکھتے ہوں۔ آجکل پہلے کی نسبت ہندوستانی جج زیادہ ہوتے ہیں۔

اسی طرح پارسیوں اور سکھوں کے لئے جو خاص قوانین وضع ہوئے ہیں ان کے استعمال کرنے کے لئے یہ قید نہیں ہے کہ صرف پارسی یا سکھ ہی ان مقدمات کی سماعت کریں گے۔
یہ امر بہت افسوسناک ہے کہ مسلمان جج کے عدم تقرر کو جبر سے خلع کا قانون پاس ہونے میں روڑے اٹکائے جائیں۔ یہ گورنمنٹ کی اپنی مصلحت ہے کہ وہ کوئی مسلمان جج خلع کے مقدمات کے لئے مقرر کرے یا نہ کرے لیکن ہم اس شکایت کو قانون خلع کو رد کرنے کی وجہ قرار نہیں دے سکتے۔
انیس النسواں اس بارے میں مسلم خواتین کے ساتھ ہے۔ اپنی ہر امکانی کوشش قانون خلع کے نفاذ کرانے میں صرف کر دے گا۔ مسلم خواتین کو چاہئے کہ جا بجا زنانہ جلسے منعقد کریں اور اس قانون کی ضرورت کے متعلق کثرت رائے سے ریزولیوشن پاس کرکے والسرائے کے پاس بھیجیں[1]۔

گل!

تجھے کیا فکر ہو اے گل دلِ صد چاک بلبل کی
تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے

اگر منظور ہے تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
جہانِ رنگ و بو سے پہلے قطعِ آرزو کر لے

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

تنک بخشی کو استغنا سے پیغامِ خجالت دے
نہ ہو منت کش ساقی نگوں جام و سبو کر لے

نہیں یہ شانِ خودداری چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیبِ گلو کر لے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بگل بھی ہے
انہی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم
مذاقِ جورِ گلچیں ہو تو پیدا رنگ و بو کر لے

اقبال مرحوم

[1] اس مضمون کے لکھے جانے کے بعد خلع بل قانون بنکر نفاذ ہو چکا ہے۔

آج کل یہ عام شکایت ہے۔ کہ عورتیں تعلیم حاصل کرکے آزاد ہوتی جا رہی ہیں مغربی تہذیب کی تقلید میں اندھی ہو رہی ہیں۔ نہ نماز کی نہ روزے کی مردوں کی طرح کلبوں میں جاتی ہیں۔ مردوں کی گاڑھی کمائی نئے نئے فیشنوں کی نذر کر دیتی ہیں۔ غرضکہ اسی قسم کی اور بھی شکایتیں ہیں جن کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں یہ بیان کروں کہ یہ شکایات کہاں تک صحیح اور بجا ہیں۔ مجھ کو یہ ظاہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ عورتیں اس حالت کو مردوں ہی کے ہاتھوں پہونچتی ہیں۔

اگر مرد ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ان کو خود معلوم ہو جائے گا۔ کہ مغربی تہذیب ہماری چار دیواری میں کیونکر گھس جاتی ہے۔ ہم چار دیواری کے اندر کی رہنے والیاں، مغربی تہذیب کو کیا جانیں۔ مذہب کی پابندی، گھر کے مردوں ہی میں نظر نہ آئے گی۔ تو اس گھر کی عورتیں اور بچے کیونکر پابند ہوں گے۔ مثل مشہور ہے کہ خربوزہ خربوزہ کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔

عورتوں میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ مذہب کا پاس ہے۔ لیکن بہت سے مرد کبھی بھول کر بھی خدا کے گھر میں جائیں۔ اور نہ خدا کو گھر میں یاد کریں۔ کتنی ہی روزہ دار عورتیں ہیں۔ جو اپنے بے روزہ شوہروں کے لئے منہ میں روزہ رکھ کر ان کے لئے وقت پر کھانا خود تیار کرتی ہیں۔ یا تیار کراتی ہیں۔ اگر ان کی اور ان کے بے روزہ شوہروں کے دستوں کی تواضع میں کچھ فرق آجائے تو کیا کیا باتیں نہیں سنتیں۔

اگر مائیں بچوں کو نماز روزے کی عادت ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں۔ تو باپ یہ کہہ کہ اس عمر میں نماز روزے کو کیا سمجھیں گے۔ بڑے ہو کر خود سمجھ جائیں گے۔ اس لاپرواہی کا

نتیجہ کیا ہوتا ہے بچے باپ سے بھی زیادہ کورے ہوتے ہیں۔ عورتیں فیشن کہاں سے سیکھتی ہیں۔ اس کی ابتدا تو گھر کے مردوں کو دیکھ کر ہوتی ہے۔ عورتیں ابھی خود بخود تو باہر نہیں جاتیں۔ مرد اپنی تفریح کے لئے خود اپنے ہمراہ لے کر نکلتے ہیں۔ عورتوں کو نمائش میں لیجائیں تو مرد۔ کلب میں لیجائیں تو مرد اس میں شک نہیں کہ اب عورتیں دوسری عورتوں کو دیکھ کر بھی فیشن اختیار کرتی ہیں۔ اس کے بعد عورتوں نے زنانہ جلسوں میں جانا شروع کیا اب کیا ہے زنانہ پارٹیوں میں بھی شریک ہوتی ہیں۔ زنانہ جلسوں میں بھی جاتی ہیں۔ عورتوں کے نئے نئے فیشن اپنا اثر بھی بعض عورتوں پر ڈالتے ہیں مگر ابتدا تو مردوں سے ہوئی۔

میری ایک سہیلی۔ جس کو میں بچپن سے جانتی ہوں۔ ماں باپ کے ہاں پردے میں رہا کرتی تھی۔ مگر اس کا بیاہ ایسے شخص سے ہوا جو پردہ پسند نہ کرتا تھا۔ اس نے اس کو پردہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اُس کا حجاب یہاں تک دور کیا۔ کہ وہ اپنے شوہر کے دوستوں کے ساتھ بے حجابانہ کھانا کھاتی ہے۔ چائے پیتی ہے۔ اور سنیما میں جاتی ہے۔

اب میری سہیلی لباس بھی انگریزی پہننے لگی ہے۔ نیم عریاں لباس ہوتا ہے۔ بڑے بڑے جلسوں میں جاتی ہے۔ میاں بیوی کو دیکھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں۔ میاں ہیٹ لگاتے ہیں بیوی ساری یا فراک پہنتی ہیں۔ نام ضرور اسلامی ہیں اگر نام بھی بدل لیں تو اس آزادی کے زمانے میں کون روکتا ہے۔ ویسے دیکھو تو میری سہیلی ایک بڑے آدمی کی بیٹی ہیں جو خود مذہب کے بڑے پابند تھے۔

یہ حالت اب عام ہوتی جارہی ہے۔ فیشن ایبل عورتیں اگر اپنے پردہ کو خیرباد کہہ رہی ہیں تو اپنی حیا تو قائم رکھیں۔ یہی عورتوں کا زیور ہے۔ یہ غضب تو نہ کریں کہ بیگم صاحبہ ننگے سر بیٹھی ہیں۔ اور ملازم ہیں کہ بے دھڑک اندر چلے آرہے ہیں۔ اسلامی پردے میں کیا برائی ہے۔ چار دیواری کے اندر رہنے کا نام اسلامی پردہ نہیں، پردے کے لئے جو اللہ کا حکم ہے اُس کو ہم مسلمان کیوں نہ مانیں۔

عورتیں جب یہ دیکھتی ہیں کہ مرد اپنے فیشن پر اتنا صرف کرتے ہیں تو عورتوں نے کیا قصور کیا ہے کہ وہ فضول خرچ نہ بنیں۔ تالی تو دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے مرد اور عورت دونوں اگر کفایت شعاری کے خوگر ہوں تو گھر میں بھی برکت ہو۔ صاحب بہادر تو بڑی بڑی دکانوں میں جاکر جس چیز کا چاہیں آرڈر دے دیں۔ ہر بڑی دکان میں حساب کھلا ہوتا ہے۔ بل ہر مہینے منگوانے کا شوق ہے۔ بل جب بہت سے جمع ہوجاتے ہیں تو ڈگریوں کی نوبت آجاتی ہے۔ تنخواہ قرق ہوکر آدھی رہ جاتی ہے۔ اب آدھی تنخواہ میں گذر کیونکر ہو تنخواہ کا بڑا حصہ سود میں جاتا ہے۔ ڈگریاں جب تک خون نہ چوس لیں پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

یہ مانا کہ ہماری فرمائشیں بھی ہوتی ہیں مگر دوکانوں کے ساتھ حساب کس نے کھولا۔ آرڈر کس نے دئیے بل کس نے منگوائے۔ مرد اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور سوچیں کہ قصور کس کا ہے؟ حمیدہ بیگم (از بھوپال)

غلاموں کی نماز

کہا مجاہد ترکی نے مجھ سے بعد نماز
طویل سجدہ ہیں کیوں اسقدر تمہارے امام

وہ سادہ مرد مجاہد وہ مومنِ آزاد
خبر نہ تھی اسے کیا چیز ہے نماز غلام

ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دُنیا میں
انھیں کے ذوقِ عمل سے ہیں امتوں کے نظام

بدن غلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم
کہ ہے مرورِ غلاموں کے روز وشب پہ حرام

طویل سجدہ اگر ہیں تو کیا تعجب ہے
ورائے سجدہ غریبوں کو اور ہی کیا کام

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

سر اقبال ؒ

زبانِ خلق

محترمہ شائستہ اختر بانو سہروردیہ لندن سے تحریر فرماتی ہیں۔

میں انیس نسواں کو پڑھ کر بہت ہی خوش ہوئی خصوصاً اس کے عزم سے کہ اُس نے مغربیت اور لامذہبیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا اپنا مقصد قرار دیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی قومی ضرورت کو پورا کریگا میں آپ کو اس کے اجراپر دلی مبارکباد دیتی ہوں۔ دو مضمون بھی ارسالِ خدمت کرتی ہوں اُمید ہے کہ آپ پسند کریں گے۔ آئندہ بھی مضامین بھیجنے کی کوشش کرتی رہوں گی۔

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ریٹائرڈ سول سرجن پنجاب

فی الواقعہ ایسے رسالے کی سخت ضرورت تھی جو مسلمان خواتین کے اندر خالص مذہبی ذہنیت پیدا کرے اور مغربی تہذیب کی کورانہ تقلید سے اس طبقہ کی توجہ ہٹا کر اسلامی کلچر اور اسلامی روایات کی وقعت اُن کے دلوں پر نقش کرے یہ ضرورت انیسِ نسواں نے بوجہ احسن پوری کر دی ہے زبان نہایت شستہ اور پاکیزہ ہے تنوع مضامین اور نظموں کا انتخاب بہت معقول اور موزوں ہے کاغذ کتابت طباعت غرض ہر بات قابلِ تعریف ہے۔ جنوری اور فروری کے رسالے معنوی اور ظاہری خوبیوں سے مزین ہیں خدا کرے کہ مسلمان خواتین اس کی قدر کریں اور اپنی زندگی کے عملی پروگرام میں اس کو مشعلِ راہ بنائیں قلمی معاونت سے بشرط فرصت دریغ نہیں کروں گا۔

خان محمد اسد خاں صاحب ملتانی۔

رسالہ کو دیکھ کر بیحد خوشی ہوئی یہ پہلا زنانہ پرچہ دیکھنے میں آیا ہے جو مسلمان خواتین کو صحیح اسلامی تعلیم و تربیت کی طرف مائل کرنے کے مقصد سے نکلا ہے ورنہ عام زنانہ رسالے تو دانستہ

یا نادانستہ طور پر مغربی تمدن ہی کی تبلیغ کرتے ہیں اور اسی کو منتہائے ترقی سمجھتے ہیں جو راستہ آپ اختیار کرنا چاہتے ہیں ہے تو یہ بالکل صحیح لیکن بہت کچھ ہمت آزما ہے۔ دریا کے بہاؤ کے خلاف کشتی چلانے کے لئے کافی عزم و قوت کی ضرورت ہوتی ہے خداوند تعالےٰ آپ کو ثابت قدم رکھے! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ طبقۂ نسواں کے لئے جب کبھی کچھ لکھوں گا وہ انشاءاللہ انیس نسواں ہی کے حصّہ میں آئے گا خاتونِ حرم ایک نظم لکھ رہا ہوں مکمل کر کے آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔

مولوی جمیل الرحمان ایم اے از پٹنہ

میں نے ابتک ایسا رسالہ نہیں دیکھا۔ انیس نسواں کی نظیر نہ اُردو کے مردانہ رسالوں میں ہے نہ زنانہ رسالوں میں اس مقصد کی کامیابی کیلئے آپ کی کوشش قابل تحسین ہے۔ میں نے تینوں رسالے پڑھے مجھ کو انہیں ایک بھی مضمون بھرتی کا نہیں ملا۔ ملک کے مشہور اہل قلم رسالے کے لئے مضمون لکھ رہے ہیں۔ رسالے کی آراستگی میں آپ نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ علی گڑھ کے زنانہ اور مردانہ کالج میں اس رسالے کی اشاعت زیادہ ہونی چاہئے۔ انگریزی تعلیم کے دلدادہ نوجوان اور تہذیب مغرب کی فریب خوردہ خواتین جدید اگر اس رسالے کو غور سے پڑھیں تو یہ رسالہ اُن کے لئے شمع ہدایت ثابت ہوگا۔

میری رائے میں انوارِ قرآن کی اشاعت بہترین قسم کی تبلیغ ہوگی۔ اسمیں تاخیر نہ فرمائیے

محترمہ سلطان بیگم صاحبہ از دہلی

میں رسالہ کی کیا تعریف لکھوں جملہ خوبیاں ظاہری اور باطنی سے آراستہ ہے۔ اسکو دیکھکر وہ گذرا ہوا زمانہ میری آنکھوں کے سامنے پھر گیا جو سنہ ۱۹ء میں دفتر رسالہ عصمت کے وسیع صحن میں آپنے میرے پشاور جانے پر رخصتی پارٹی دی تھی جسمیں دہلی کی معزز بیبیاں مدعو تھیں اللہ اللہ کیا زمانہ تھا جب آپنے اور میں نے اور ڈاکٹر مس سہراب جی نے ملکر وکٹوریہ زنانہ ہسپتال میں پہلا کلب عورتوں کے لئے جاری کیا تھا۔ افسوس اب وہ پرانی صحبتیں خواب و خیال ہو گئیں اب خدا کرے کہ انیس نسواں مسلمان خواتین کیلئے آفتاب ہو جائے اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہو۔ انشاءاللہ فرصت کے وقت کوئی مضمون لکھ کر بھیجوں گی۔

نقد و نظر

مسلم لیگ کا زنانہ اجلاس ۲۳ مارچ ۳۹ء کو دہلی کے عربک کالج میں منعقد ہوا۔ بیگم صاحبہ مولانا محمد علی مرحوم صدر جلسہ تھیں۔ تقریباً ایک ہزار مسلم خواتین کا مجمع تھا۔
بیگم مولانا محمد علی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مسلم خواتین کو مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جانا چاہیئے اور مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے کوشش کر رہی ہے۔ ہندوستان کے مسلمان بہت نازک دور میں سے گذر رہے ہیں اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی گذشتہ اسلامی روایات کو تازہ کریں اور ہمیں دنیا کو دکھا دینا چاہیے کہ ہم مردوں کے دوش بدوش کھڑی ہو کر کام کر سکتی ہیں۔ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد کو واضح کرنے کے لئے اور بھی بیگمات نے تقریریں کیں۔ اور تعلیم نسواں پر بھی زور دیا گیا۔ آخر میں مولانا شوکت علی کی بیوقت وفات پر اظہار افسوس کیا گیا۔

ترکی میں مصطفےٰ کمال پاشا کی آنکھیں بند ہوتے ہی ہر کہ آمد عمارت نو ساخت پر عمل شروع ہو گیا ہے اور صدائے بازگشت کانوں میں آنی شروع ہو گئی۔ عصمت انونو پاشا مذہب کے قدیم رنگ کو پسند کرتے نظر آ رہے ہیں۔ اگر اعتدال مدِ نظر رہے تو موجودہ صدر زیادہ ہر دلعزیز ثابت ہوں گے۔ مصطفےٰ کمال کے زمانے میں عربی زبان کا رواج کم ہو گیا تھا۔ نماز کا خطبہ اور اذان ان لوگوں کی مادری زبان میں ہوتی تھی۔ تاکہ وہ آسانی سے سمجھ سکیں اور اس پر عمل کریں۔ ہمارے خیال میں ترکوں کی ترقی کا راز یہی ہے کہ انہوں نے اللہ کے احکام کی پیروی کی اور قرآن مجید کو اپنا رہنما اور دستور العمل بنایا ورنہ کوئی قوم اس قدر جلد ترقی نہیں کر سکتی۔ قرون اولے میں مسلمانوں کی ترقی محض قرآن مجید پر عمل کرنے کی وجہ سے تھی۔ عصمت انونو پاشا

مصطفےٰ کمالؒ کی اصلاحات میں کچھ ترمیم کر کے اعتدال کی طرف مائل ہیں۔ خارجی پالیسی میں بھی ہوا کا رُخ بدلا ہوا ہے۔ اس ترمیم کا اثر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

شاہ مصر کی ہمشیرہ فوزیہ کی شادی ولیعہد ایران سے ہو گئی اور بڑی دھوم دھام سے ہوئی اس رشتہ نے مصر و ایران کے اتحاد کو تو مضبوط کیا ہی ہے مگر اہل لکھنؤ کے لئے بھی ایک قابلِ تقلید مثال قائم کر دی ہے۔ گویا یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ شیعہ و سنی بھی متحد ہو سکتے ہیں۔ اس اتحاد سے یہ مراد ہے کہ زندگی کی دشواریوں کا بوجھ اُٹھانے کے لئے دونوں متفق اور ہم آہنگ ہو گئے۔ اور عمر بھر کے ساتھی ایک دوسرے کے رفیق حیات کہلائیں گے۔ مگر اہل لکھنؤ کو کون سمجھائے کہ شیعہ و سنی دونوں کا خدا ایک ہی ہے رسول ایک ہی ہے۔ دونو نماز میں ایک ہی کعبہ کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ دونوں کی رہنمائی کے لئے کلام اللہ بھی ایک مگر حالت یہ ہے کہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ خدا کی سنتے ہیں نہ رسول کی۔ دونو اپنی اپنی ضد پر اڑے ہیں اگر سنتے ہیں تو نفس امارہ کی۔

اللہ تعالےٰ کا مسلمانوں کو یہ ارشاد ہو کہ میری رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو فرقے نہ بناؤ، کیا یہ اللہ کا ارشاد نہیں، کیا اسلام پر ایمان رکھنے والوں میں سے کسی کو بھی اس سے انکار ہو سکتا ہے۔ جو کچھ لکھنؤ کے مسلمان کر رہے ہیں۔ کیا ارشاد ربانی کی تعمیل ہو رہی ہے۔ کیا قرآن میں الصلح خیر، نہیں آیا؟ کیا دو متخاصمین میں صلح کرانے والے کے لئے اجر کا وعدہ نہیں ہے؟

لکھنؤ کے مسلمان خدا کے لئے اپنے مذہب اور اپنے قرآن کی اسقدر توہین تو نہ فرمائیں۔ اسلام کا شیرازہ تو پہلے ہی ان فرقہ بندیوں سے بکھر چکا ہے۔ بکھرے ہوئے اجزا کو جمع کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی۔ غیر مذاہب والے یہ کیونکر

مان سکتے ہیں کہ قرآن میں یہ حکم بار بار آیا ہو کہ دنیا میں فساد نہ کرتے پھرو۔ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ؕ

مصطفےٰ کمال پاشا مرحوم نے اپنی اصلاحات شروع کرنے سے پیشتر ٹرکی کی فضا کو ہر اعتبار سے ہموار اور موافق کر لیا تھا۔ ترکوں کو قدیم رسم و رواج کی زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ قدیم معاشرت اور تمدن قصۂ پارینہ ہو کے رہ گیا۔ عہدِ نو کا آغاز اس وقت تک نہیں ہوا جب تک قوم کی بوسیدہ و خستہ عمارت بالکل مسمار کر کے صاف میدان نہ بنا لیا۔ تعمیر نو کی بنیاد بالکل نئے عناصر اور نئی فضا میں رکھی یہاں تک کہ نام بھی بدل ڈالے۔ مصطفےٰ کمال کا اتاترک ہو گیا۔ اسی طرح سب بڑے بڑے افسروں کے ناموں میں ترمیم ہو گئی۔ قدیم لباس رخصت ہوا۔ یہانتک کہ ترکی ٹوپی یعنی طربوش جو ترکوں کی قدیم وضع کی یادگار تھی اُس کو بھی اُڑا دیا اُس کی جگہ نئی ٹوپی یورپین وضع کی ایجاد ہو گئی۔ طربوش کی تو اس قدر بیخ کنی کی کہ اُس کے اوڑھنے والے کو سزا ئے جسمانی دی جاتی تھی۔ مگر اب قاہرہ سے خبر آئی ہے کہ اتاترک مرحوم پر رونے والی آنکھوں کے آنسو ابھی خشک نہیں ہوئے تھے کہ طربوش نے پھر اپنا سر نکالا۔ حکومت نے بھی سرکوبی شروع کر دی ہے گو دو سو کے قریب طربوش پوش جیلخانوں میں پہونچ گئے مگر طربوش کی سرکشی ابھی کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھتی جا رہی ہے اندیشہ ہے کہ یہ واقعات زیادہ خطرناک صورت نہ اختیار کر لیں۔

ٹرکی کی نیشنل اسمبلی میں اس مرتبہ ۱۴ عورتیں منتخب ہوئی ہیں۔ کل ۴۲۴ ممبر چنے گئے جن میں صرف ۱۴ عورتیں آئیں۔ ٹرکی کی خواتین ہندوستان کی خواتین سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ تعجب ہے کہ صرف ۱۴ کیوں منتخب ہو سکیں۔

بنگال کے علماء کے ایک ڈیپوٹیشن نے وزیر اعظم بنگال گورنمنٹ کو ایک عرضداشت پیش کی ہے کہ اسمبلی میں مسلمان عورتوں کے پس پردہ بیٹھنے کے لئے مناسب انتظام کیا جائے۔ وزیر اعظم نے

اس عرضداشت پر غور فرمانے کا وعدہ کرلیا ہے لیکن یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وزیراعظم نے اپنی جوابی تقریر میں کیا فرمایا۔ بنگال اسمبلی میں دو مسلمان خاتون ممبر ہیں دو ہندو ہیں اور ایک اینگلو انڈین۔

ٹرکی کے وزیر تعلیم صد تحسین اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حال میں ٹرکی کی لڑکیوں کے لئے ذیل کی ہدایات جاری فرمائیں ہم کو امید ہو کہ ہندوستان کے تمام اسلامی ادارے انکی تقلید کرینگے اور نہ صرف تمام اسلامی مدرسوں اور تعلیم گاہوں میں ان ضروری اصلاحات کو جاری کیا جائیگا بلکہ عام طور پر بھی مسلمان گھروں میں ان کی پابندی کیجائے گی۔

ترکی لڑکیوں کو خواہ وہ مدرسہ میں پڑھ رہی ہوں خواہ کالجوں میں اور یونیورسٹیوں میں انکو سرکاری طور پر متنبہ کردیا گیا ہو کہ سینما اسٹارس (فلم کی درخشندہ ایکٹریس) کیطرح نظر آنے کی کوشش نہ کریں۔

وزارت تعلیم نے ایک نوٹس جاری کیا ہو جس کی تعمیل ملک کے تمام اداروں پر لازمی قرار دیگئی ہے کہ ترکی نوجوانوں اور لڑکیوں کو اپنے بال اس طرح رکھنے اور بنانے چاہئیں جو انکی شان کے شایاں ہوں۔ فوجی تعلیم کے مطابق ہوں جو انھیں لازمی طور پر دیجاتی ہے۔

ہیڈ ماسٹروں اور زنانہ مدرسوں کی ہیڈ استانیوں کو ہدایت کیگئی ہو کہ وہ اس بات کی سختی سے نگرانی کریں کہ ترکی لڑکے اپنے بال ٹھیک اور باریک کٹوائیں اور لڑکیاں اپنے بال انکی فطری حالت پر چھوڑدیں یعنی مصنوعی طریقوں سے نہ تو انہیں شکن ڈالنے کی کوشش کریں نہ انکی لٹیں بنائیں اور نہ کسی قسم کا خضاب لگا کر بالوں کو رنگیں اور نہ لپ اسٹک سے اپنے ہونٹوں کو سرخ کریں۔ پوڈر اور کریم اور تمام آرائشی چیزوں کا استعمال حکماً ممنوع قرار دیا گیا ہو نہ لڑکیوں کو ریشمی موزے اور زیورات پہننے کی اجازت ہے۔ یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ محکمہ تعلیم کے اعلیٰ حکام وقتاً فوقتاً تمام مدارس کا معائنہ کرتے رہیں گے اور ان تمام استادوں اور استانیوں سے سخت بازپرس کی جائیگی جو ان قواعد کے نفاذ میں غفلت یا لاپروائی کریں گے۔

قانون خلع ۲۰ مارچ ۱۹۳۹ء کے گزٹ میں شائع ہوکر اب تمام ہندوستان میں نافذ ہوگیا ہے چنانچہ دہلی میں جن پانچ عورتوں نے قانون شریعت کے مطابق انفساخ نکاح کیلئے درخواستیں دی تھیں انکو ہدایت کیگئی ہو کہ وہ اب قانون خلع کی رو سے سینئر سب جج کے ہاں اپنی درخواستیں پیش کریں۔

مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن ہیں اور تم انکی چولی ہو" (البقر)
ایڈیٹر۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا۔ جائنٹ ایڈیٹر۔ مسز محمد اکرام

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دلاویز مخزن

جو دہلی سے ماہوار شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک پانچ روپے (ﮧ) + سستا ایڈیشن تین روپے (ﮧ) فی پرچہ ۸ روپے ۴ ر

فہرست مضامین

سورۃ النسائ کے مطالب

(۴)

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانو تم پر اُن لوگوں کے حالات اور طریقے واضح اور روشن کر دے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور جو اللہ کی نگاہ میں کامیاب اور مقبول ہو چکے ہیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم بھی اُنہی کی راہ پر چلو تاکہ اللہ تم کو اپنی رحمت سے مالا مال کر دے اللہ تمہاری مشکلات کو خوب سمجھتا ہے اور اپنے تمام احکام میں حکمت رکھنے والا ہے

اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت کا دریا ہی بہا دے اور اللہ کی یہ بھی خواہش ہے کہ تم اب وہ سب بُرائیاں چھوڑ دو جن میں تم کبھی مبتلا تھے لیکن جو لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کی غلام ہیں ان کی یہ خواہش ہے کہ تم اعتدال کے راستے سے ہٹ جاؤ اور گمراہ ہو جاؤ۔

اللہ تو تمہارے ساتھ ہر طرح سے نرمی سے پیش آنا چاہتا ہے اور تمہاری مشکلات کو آسان کر دینا چاہتا ہے کیونکہ اللہ یہ خوب جانتا ہے کہ انسان طبیعت کا کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

مسلمانو! ایک دوسرے کا مال ناجائز اور ناروا طریقے سے کبھی نہ کھاؤ۔ ہاں تجارت کے مال میں سے باہمی رضامندی کے ساتھ اور جائز طریقے سے اپنے حصہ کے مطابق اپنا حق لے سکتے ہو۔ اور دیکھو اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تم پر بہت رحم کرتا ہے۔

یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے سرکشی اختیار کریگا ہم عنقریب اُس کو دوزخ کی آگ میں جھونک دینگے۔ تم کو یقین ہونا چاہیئے کہ اللہ کے نزدیک یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

مسلمانو جن بڑی بڑی بُرائیوں سے تم کو روک دیا گیا ہے اگر تم اُن سے بچتے رہو گے تو تمہارے ہی لئے اچھا ہے ہم تم پر ان بُرائیوں اور لغزشوں کا اثر نہونے دینگے اور اُس کے اجر میں تم کو نہایت عزت و خوبی کے مقام پر پہونچا دیں گے۔

مسلمانو! تم ہی میں سے ہم نے بعض آدمیوں کو بعض آدمیوں پر فضیلت دے رکھی ہے تم ہرگز یہ تمنا نہ کرو کہ یہ فضیلت تم کو کیوں نہ دی گئی۔ مردوں نے جو کچھ نیک عمل کر کے حاصل کیا ہے اُس کا اجر اُن کے لئے ہے۔ اور جو کچھ عورتوں نے اپنے نیک عملوں سے حاصل کیا ہے اُس کا صلا اُن کے لئے ہے دونوں اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے فرائض اور اپنے اپنے عمل رکھتے ہیں اور دونو فرائض کی ادائیگی کا صلا اور اپنے نیک عملوں کا اجر پائیں گے۔ اللہ سے ہر وقت اُسکے فضل وکرم کے طلبگار رہو یقیناً وہ سب کچھ جانتا اور سب حکمتیں سمجھتا ہے۔

اور دیکھو جو کچھ ترکہ تمہارے ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار چھوڑ جائیں تو اُن میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے حقدار ٹھیرا دئے ہیں اور یاد رکھو کہ جن عورتوں کے ساتھ تمہارا عقد نکاح ہو چکا ہے اُن کا حصہ بھی ہم نے ٹھیرا دیا ہے پس چاہئے کہ جو کچھ جس کا حصہ ہو وہ اس کے حوالے کر دو اور یاد رکھو کہ اللہ حاضر و ناظر ہے اُس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

مرد عورتوں کے محافظ اور سربراہ ہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر خاص خاص باتوں میں فضیلت دی ہے نیز اس لئے کہ مرد اپنا مال جو وہ اپنی محنت سے کماتے ہیں عورتوں پر خرچ کرتے ہیں پس جو نیک عورتیں ہیں اُن کا شیوہ اطاعت شعاری ہوتا ہے اور اللہ کی عنایت سے اپنے شوہروں کے پیٹھ پیچھے ہر ایک چیز کی حفاظت رکھتی ہیں اور جن بیبیوں سے تم کو سرکشی کا اندیشہ ہو تو یہ نہیں چاہئے فوراً دل برداشتہ ہو کر اُن سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہو جاؤ بلکہ چاہئے کہ تم انہیں پہلے نرمی و محبت سی سمجھاؤ پھر خوابگاہ میں ان سے الگ رہنے لگو اور اس پر بھی نہ مانیں تو انہیں بغیر نقصان پہنچائے محض بطور تنبیہ کے کچھ جسمانی سزا دو پھر اگر وہ تمہارا کہنا مان لیں تو تم سختی سے درگزرو اور ایسا نہ کرو کہ ان پر الزام رکھنے کے لئے راہیں ڈھونڈو یاد رکھو کہ اللہ سب پر غالب اور سب سے بڑا زبردست ہے تم اُس سے ڈرتے رہو اور اگر تم میاں بی بی میں کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ میاں کے کنبے میں سے اور ایک پنچ بیوی کے کنبے میں سے مقرر کر لو تاکہ دونوں صلح کے لئے کوشش کریں اگر دونوں پنچ دل سے

چاہیں گے کہ میاں بیوی میں صلح صفائی ہو جائے تو اللہ ضرور اُن میں باہم موافقت پیدا کردیگا۔ اور اُن کی کوشش رائگاں نہ جائے گی بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے۔

اور دیکھو اللہ کی اور صرف اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اُس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ کا یہ حکم ہے کہ تم ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ یتیموں اور مسکین محتاجوں کے ساتھ اور پڑوسیوں کے ساتھ خواہ قرابت والے یا اجنبی ہوں اور پاس کے بیٹھنے اٹھنے والوں کے ساتھ اور مسافروں کے ساتھ اور لونڈی غلام کے ساتھ جو تمہارے قبضہ میں ہیں ان سب کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔

یہ یاد رکھو کہ اللہ اُن لوگوں کو کبھی دوست نہیں رکھتا جو اترانیوالے اور شیخی باز ہوں جو خود بھی بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے انکو جو کچھ دے رکھا ہے اُسے خرچ کرنے کی بجائے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔

یاد رکھو اُن لوگوں کے لئے جو ہماری نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں، ذلت اور رسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ خدا اُن لوگوں کو بھی دوست نہیں رکھتا جو محض لوگوں کے دکھانے کو اور نام نمود کے لئے مال خرچ کرتے ہیں مگر یہ لوگ حقیقت میں اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ اگر اللہ پر دل سے سچا ایمان رکھتے تو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہ کرتے یعنی کبھی دوسرے لوگوں میں نمائش پسند نہ کرتے اور دیکھو شیطان تو بہت ہی بُرا ساتھی ہے۔ (یعنی آدمی دکھاوے اور بے ایمانی کی باتیں شیطان کے بہکانے سے کرتا ہے اس لیئے آدمی کو چاہیئے کہ شیطان کو اپنا رفیق نہ بنائے اور اُس کے بہکانے میں نہ آئے۔

ان لوگوں کا کیا بگڑ تا تھا اگر یہ لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ خدا نے انہیں دے رکھا ہے اُسے اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے؟ اللہ اُن کی حالت سے کچھ بے خبر تو نہ تھا۔

یاد رکھو اللہ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ کسی نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہو تو اُس کو دوگنا اجر دیگا۔ اور اللہ کے ہاں سے جو ثواب ملے گا وہ الگ۔

اے رسول قیامت کے دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک اُمت سے ایک گواہ طلب کریں گے یعنی اُس کے پیغمبر کو طلب کریں گے جو اپنی امت کے اعمال اور احوال کی گواہی دیگا اور ہم تمہیں بھی ان لوگوں پر گواہ طلب کریں گے۔

جن لوگوں نے دین حق کے قبول کرنے سے انکار کیا اور رسول کے حکم کی بھی نافرمانی کی تو اُس دن وہ حسرت و ندامت سے یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ زمین میں گڑ جاتے اور زمین اُن کے اوپر برابر ہو جاتی مگر اُس دن اُن کی کوئی بات بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔

ذرے ہو تو جم جاؤ کہ صحرا نظر آئے　　قطرے ہو تو مل جاؤ کہ دریا نظر آئے
بکھرے ہو تو سمٹو کہ تماشا نظر آئے　　تاروں بھرے افلاک کا نقشا نظر آئے
جو نقش تمہارا ہو وہ جیتا نظر آئے　　جو بول تمہارا ہو وہ بالا نظر آئے

جو حرف ہوں بکھرے انہیں تحریر بنا دو　　ٹوٹی ہوں جو کڑیاں ہیں زنجیر بنا دو
تخریب کے آثار کو تعمیر بنا دو　　ظلمت کی ہر اک موج کو تنویر بنا دو
ذلت کو بدل دو اُسے توقیر بنا دو　　جو دھات ہے کھوٹی اُسے اکسیر بنا دو

چڑھتے ہوئے دریائے خطر سے ہے اُترنا　　طوفانِ حوادث کے تھپیڑوں سے نہ ڈرنا
چوٹوں سے تمہیں دستِ قضا کی ہے گذرنا　　دب دب کے پڑیگا تمہیں ہر بار اُبھرنا
گر ماؤ جو غیرت سے تو ہرگز نہ ٹھٹھرنا　　اُلفت سے جو سمٹو تو سمٹ کر نہ بکھرنا

(مولوی وحید الدین سلیم مرحوم)

قرآن میں اخلاقی تعلیم

تہذیب مغرب کا دن رات راگ گانے والے مسلمان جو اسلام سے مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے آجکل الحاد اور دہریت کی فضا میں سانس لینے لگے ہیں نہایت بے باکی اور دیدہ دلیری سے فرما دیتے ہیں کہ اسلام ایک دقیانوسی مذہب ہے۔ قرآن کی آیتیں پرانی ہو چکیں اب ان میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ اسلام کی کوئی تہذیب نہ تھی وغیرہ وغیرہ۔
افسوس تو یہ ہے کہ یہ حضرات خود کوئی تلاش و محنت کی تکلیف اُٹھانا نہیں چاہتے اگر اپنے معلومات کے لئے کبھی کچھ پڑھیں گے بھی تو یورپین مصنفوں کی تصانیف جو تعصب کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں۔ اگر وہ کبھی ٹھنڈے دل سے اسلامی معاشرت کی تصویر آئینہ قرآن میں دیکھیں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ قرآن نے یہ تصویر اس وقت شائع کی تھی جسکو آج ساڑھے تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ یہ آیتیں اُس وقت نازل ہوئے تھے جب دُنیا جہالت کی تاریکی میں اِدھر اُدھر گمراہ ہو کر ٹھوکریں کھاتی پھرتی تھی قرآن ہی نازل ہو کر دنیا کی رہنمائی کی اور سب کو سیدھی راہ دکھائی۔
ہم ذیل میں چند آیات قرآنی کا ترجمہ پیش کر کے نئی روشنی کے مسلمانوں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ان قواعد میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے؟ جس زمانہ میں ان کا نزول ہوا تھا کیا کہیں بھی اس سے بہتر معاشرت موجود تھی۔ کیا آجکل کی مغربی معاشرت اسلامی معاشرت سے بہتر ہے۔ اب مسلمان نوجوان اور خواتین غور سے دیکھیں کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے جس مذہب کی اخلاقی تعلیم یہ ہو کیا اس کو دقیانوسی کہہ سکتے ہیں؟

"مسلمانو! جب تمہیں کوئی سلام کرے تو اُس کے جواب میں تم بھی خندہ پیشانی سے سلام کرو۔
اپنے گھر کے سوا غیروں کے گھروں میں بلا اجازت کبھی داخل نہ ہو۔

داخل ہوتے ہی گھر والوں کو سلام کرو۔

زور اور گرج کے ساتھ اونچی آواز سے چلّا چلّا کر باتیں نہ کیا کرو کہ ایسی آواز گدھے کی سی آواز ہوتی ہے۔ جو سُننے والے کو بہت ناگوار ہوتی ہے۔

جھوٹی گواہی کبھی نہ دو۔

اگر کہیں لغو باتیں ہوتی بھی دیکھو تو وقار اور متانت کے ساتھ پاس سے گذر جاؤ۔

گال پھلا کر ترش روئی سے باتیں نہ کیا کرو اسلئے یہ غرور کی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ پسند نہیں جو شیخی باز ہیں اور اتراتے ہیں اور تکبر سے اکڑتے پھرتے ہیں اپنی چال اور رفتار میں میانہ روی اختیار کرو اکڑ کر چلنے سے تم زمین کو پھاڑ نہ سکو گے۔ جب کسی سے بات کرو تو آہستگی اور نرمی سے کیا کرو وقار اور متانت کو ہاتھ سے نہ دو۔

جب تمھیں کسی مجلس یا جلسہ میں کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھ جایا کرو۔ اس طرح سے نہ بیٹھو کہ پاس کے بیٹھنے والوں کی جگہ تنگ کردو اور اُن کو تکلیف دو۔

شیطانی طریقے اور شیطانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ شیطان تمہارا دشمن ہے وہ تم کو ہمیشہ بری باتوں کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔

ایسے شخص کی بات نہ مانو جو زیادہ قسمیں کھاتا ہو۔

ایک دوسرے کو طعنے نہ دو۔

مسلمانو تم میں سے کوئی کسی کا مذاق نہ اُڑائے۔ اور نہ تمسخر کرے ممکن ہے کہ وہی شخص جس کا مذاق اُڑایا جاتا ہے تم سے بہتر ہو۔ کوئی مسلمان عورت بھی کسی مسلمان عورت کا مذاق نہ اُڑائے ممکن ہے کہ وہی عورت مذاق اُڑانے والی عورت سے بہتر ہو

مسلمانو! کسی کی عیب چینی بھی نہ کرو۔ نہ کسی کی دل آزاری کرو۔ نہ کسی کو چڑاؤ نہ مذاق اُڑانے کے لئے کسی کا کوئی اور نام ڈالو۔

ایمان لانے کے بعد یہ حرکتیں بہت بُری اور نازیبا ہیں۔ جو شخص اُن سے توبہ نہ کریگا

اُس کا شمار اُن لوگوں میں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوئے۔

مسلمانو! بدگمانی اور ناحق کسی پر الزام لگانے سے بچتے رہو۔ کیونکہ بعض اوقات بدگمانی بھی گناہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

کسی کے بھید کی ٹوہ اور راز کا پتہ لگانے کی فکر میں نہ ہو نہ کسی کی غیبت اور برائی کرو۔ غیبت کرنا تو ایسا ہے گویا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھالیا۔ صرف اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحمت فرمانے والا ہے۔

مسلمانو! تم ہمیشہ صاف اور سیدھی بات کھول کر کیا کرو مبہم اور گول بات نہ کرو نہ سرگوشیاں نہ کیا کرو۔ گناہ اور سرکشی کی باتیں بھی نہ کیا کرو۔

درگزر چشم پوشی عفو اور تحمل کے لئے بھی احکام ہیں مثلاً ارشاد ربانی ہے کہ

مسلمانو اگر کسی سے کوئی قصور ہو جائے تو اُن کو معاف کردیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والے کو پسند فرماتا ہے تم نیکی اور بھلائی کرتے رہو تمہاری شرافت اور تمہاری فلاح و بہبودی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ نیکی اور بھلائی کرو تو ایسی کرو جیسی کہ خود خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کی۔ وہ برائیوں پر بھی اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔

جوش اور غضب اور آسانی سے اشتعال میں آجانے کے لئے اللہ کا حکم ہے کہ نیک اور شریف آدمیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ جب انہیں غصہ آتا ہے تو وہ ضبط اور تحمل سے کام لیتے ہیں۔

اور دوسری جگہ ان خوش نصیب اور نیک بخت بندوں کا ذکر ہے۔ جن کے لئے جنت خاص طور پر بنائی گئی ہے جو فراخی اور تنگدستی میں بھی خدا کی راہ میں اپنا روپیہ خرچ کرتے رہتے ہیں جو مسکینوں اور محتاجوں کی امداد میں حتی الوسع دریغ نہیں کرتے اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو اُسے پی جاتے ہیں اور ضبط و تحمل سے کام لیتے ہیں۔ اگر کسی سے کوئی قصور اور خطا سرزد ہو جائے تو وہ اُن کو معاف کر دیتے ہیں۔ حقیقت میں یہ نیکیاں اللہ کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

قرآن پر عمل کی ضرورت

قرآن اس لئے لوگوں پر نازل ہوا تھا کہ لوگ اس کو پڑھیں اور اس پر اس طرح عمل کریں کہ اُنکے عادات اور اخلاق قرآنی سانچے میں ڈھل جائیں اور سب مسلمانوں کی خصائل ایک ہی سانچے میں ڈھل کر قوم کا ایک کیریکٹر بن جائے۔ اور یہ خصوصیت ایک امتیازی شان میں نظر آئے۔ جب تک مسلمانوں کا عمل قرآن پر رہا سب مسلمان اللہ کے اسی رنگ میں رنگے ہوتے تھے۔

ظاہر ہے کہ جس قوم میں وہ تمام خوبیاں پائی جائیں گی، جن کی تعلیم قرآن مجید میں موجود ہے وہ قوم دنیا میں کیوں نہ سب سے زیادہ ممتاز اور سرفراز شمار ہو گی۔ وہی خوبیاں اگر اَب بھی مسلمان اپنے آپ میں پیدا کرلیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقیناً پھر پورا ہو کے رہے گا اور دُنیا کی خلافت اور حکومت پھر اُن کے سر پر تاج رکھدے گی۔ مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ دُنیا کی حکومت کے لئے اُن خوبیوں سے متصف ہونا نہایت ضروری ہے قرآن مجید میں نماز روزے اور زکوٰۃ کی جس طرح بار بار تاکید آئی ہے اُسی انداز اور پیرایہ میں صداقت انصاف اخلاق صلہ رحمی۔ وعدہ ایفائی حصول معاش تجارت کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں دولت کی قدر اور اسراف کی برائی۔ ہمسایوں اور محتاجوں کی امداد اور مساوات کی تعلیم دی گئی ہے اور تمام تمدنی اور معاشرتی فرائض کی بھی تشریح کی گئی ہے۔ فرقہ بندیوں کے خلاف قرآن میں کئی جگہ حکم آیا ہے۔

قرآن دینی اور دنیوی تعلیم کو لازم و ملزوم قرار دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی جو قوم بھی کامیاب ہوئی وہ دنیا کو ترک کرنے سے کامیاب نہیں ہوئی البتہ اُس نے قرآن کے سب احکام پر

پور پورا عمل کیا اور ہمیشہ اُسی کو دین سمجھا۔
آجکل قرآن پڑھنے والے کتنے ہیں اور جو پڑھتے ہیں وہ سمجھتے ہی نہیں۔ یہی حالت مُسلم خواتین کی ہے جو پہلے عربی پڑھ لیتی ہیں اور پھر ترجمہ پڑھتی ہیں کیا تلاوت کا یہی حق ہے کیا بار بار تاکید ایسی ہی تلاوت کی آئی ہے عام طور پر مسلمانوں میں اور خاص طور پر مسلم خواتین میں یہ غلط خیال پھیلا ہوا ہے کہ اللہ کے کلام کا سمجھنا مشکل ہے۔ اگر قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی عادت ہوتی تو اس غلط خیال کی گنجائش نہ تھی۔
اللہ تعالیٰ تو خود فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو اس لئے آسان کر دیا ہے تاکہ سب لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ گویا اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور دشواری نہیں ہے۔ حق تعالےٰ کا یہ ارشاد ہو کہ قرآن کو ہم نے آسان کر دیا ہے لیکن ہم اس پر اصرار کریں کہ نہیں قرآن تو مشکل چیز ہے۔ گویا نعوذ باللہ ہم خدا کے ارشاد کی تردید کرتے ہیں۔
عام طور پر ہمارے علما یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید صرف ہمارے ہی لئے اُترا ہے اور ہم ہی اسکو سمجھ سکتے ہیں مگر قرآن مجید میں جو ارشادات ربّانی نظر آتے ہیں اُن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید عوام الناس کے لئے آیا تھا تاکہ وہ سمجھکر پڑھیں اسی لئے قرآن میں بار بار قرآن مجید کے مطالب پر غور کرنے کے لئے تاکیدی احکام آئے۔
اگر قرآن مجید محض علما کے لئے آیا ہوتا تو بار بار سمجھ کر پڑھنے کی تاکید نہ آتی۔ ایک عالم تو جب قرآن پڑھے گا تو وہ اِس کا مطلب بھی ضرور سمجھ لیگا اِس لئے کہ وہ عربی زبان میں ماہر ہے قرآن مجید میں خدا کا یہ ارشاد ہونا کہ قرآن کی تلاوت اس طرح کرو جس طرح تلاوت کا حق ہے یعنی سمجھ کر پڑھو تاکہ عمل کرنے میں آسانی ہو اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید جاہلوں ناوانوں اور کم علموں کے سمجھانے کے لئے اُترا تھا۔
اور انہی لوگوں کے لئے اُترا تھا جو ایمان لے آئے تھے۔ چنانچہ ارشاد ربّانی ہے کہ اے رسول اِن لوگوں سے صاف صاف کہدو کہ یہ قرآن اُن لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتا ہے جو ایمان

لے آئے ہیں۔ اور اُن کے تمام عوارض روحانی کا علاج ہے اور اُس میں اُن کے لئے شفاہی"

غورطلب امر یہ ہے کہ آغاز اسلام میں تو قرآن کے عالم موجود نہ تھے چند سیدھے سادھے عرب کے خانہ بدوش بادیہ پیما بدو تھے جو ایمان لے آئے تھے۔ آنحضرت قرآن سُناتے تھے اور وہ لوگ یاد کرلیتے تھے۔ یا اونٹ کے شانوں کی ہڈیوں پہ یا اونٹ کی کھال پر لکھ لیا کرتے تھے۔ مگر قرآن کے ہر حکم کی تعمیل اُن پہ فرض ہوتی تھی جہاں کوئی حکم نازل ہوا سب ہمہ تن متوجہ ہوکے سنتے تھے اور اُس پر عمل کرنے لے لئے فوراً آمادہ ہوجاتے تھے۔

صحابہ کرام کا یہ معمول تھا کہ پہلے دس آیتیں پڑھتے اور یاد کرلیتے اور اُن پر عمل شروع کردیتے پھر اس کے بعد دس آیتیں اور لیتے۔ اور اُن پر عمل کرتے اسی طرح تمام قرآن کے عامل ہوگئے۔ قرآن اس لئے نازل ہوا تھا کہ لوگ اس کے مطابق عمل کریں لیکن آجکل تو قرآن کو محض رواں پڑھ لینا ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ لوگ اسے شروع سے لے کر آخر تک طوطے کی طرح پڑھ جاتے ہیں لیکن عمل ایک حرف پر بھی نہیں ہوتا۔ قرآن اس غرض کے لئے قطعاً نہیں آیا کہ محض ثواب اور برکت کے لئے پڑھا یا پڑھوایا جائے۔
قرآن مجید میں ایک آیت بھی اس بارے میں نہیں آئی کہ قرآن صرف تعظیم کے لئے ہے اور اُس کو رواں پڑھ کر تلاوت کرلی جایا کرے۔ ہم بہت سی آیات کا ترجمہ پیش کرکے ناظرات کو بتا چکے ہیں کہ قرآن صرف کتاب ہدا اور کتابِ عمل ہے۔ جو سمجھیگا نہیں وہ اس پر عمل کیا کرے گا۔

ہمارے علما کا یہ فرض تھا کہ پہلے وہ خود قرآن مجید پر عمل کرکے اپنی زندگیوں کا نمونہ پیش کرتے اور پھر عام مسلمانوں کو عمل کرنے کی تاکید کرتے اور جب تک سب قوم عمل نہ شروع کردیتی اُن کی کوشش جاری رہتی۔
مصطفےٰ کمال پاشا مرحوم نے کیا کیا قرآن مجید کا ترجمہ ترکوں کی اپنی زبان میں کرا کے

قوم کے سامنے رکھدیا۔ خود بھی عمل کیا اور قوم کو بھی عمل کرنے کے لئے مجبور کردیا۔ حال میں دہلی میں ہمارے علما جمع ہوئے جلسے ہوئے بڑی بڑی معرکے کی تقریریں ہوئیں دھواں دھار لکچر ہوئے مگر بدنصیب قوم کو قرآن پر عمل کرنے کے لئے کوئی کامیاب تدبیر نہ بتائی گئی۔ اور نہ قوم کو یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کے عوارض کا واحد علاج یہ ہے کہ وہ قرآن پر عمل کرنا شروع کردیں محلہ میں مسجدیں موجود ہیں۔ اگر ہمارے علما قرآن کا درس جاری کردیتے خود بھی قرآن پر عمل شروع کرتے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی عمل کرنیکی ترغیب دیتے تو لوگوں کے دلوں میں عمل کا شوق پیدا ہوسکتا تھا۔

مگر افسوس تو اُس وقت ہوتا ہے کہ ہمارے علما اپنے وعظ میں خدا کے عذاب سے تو بہت ڈراتے ہیں مگر وہ اعمال بیان نہیں کرتے جن سے تنزل کے آثار دور ہوں۔ تنزل کے اسباب میں سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہمارے علما کا خود قرآن پر عمل نہیں ہے جب خود عالم ہی بے عمل ہیں تو ہم عمل کرنا کس سے سیکھیں گے۔

جب ہمارے علما کی غفلت اور لاپرواہی کا یہ حال ہو تو ہمارے ادبار کے دور ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ ہماری محرومئ قسمت کو صدیاں گذر گئیں اور خدا جانے ابھی اَور کتنی گذرینگی۔ حضرت امام مالک کا یہ مقولہ کہیں نظر سے گذرا تھا کہ اس امت کے آخری حصے کی اصلاح فقط اسی طرح قرآن پر عمل کرنے سے ہو گی جس طرح پہلے ہوئی تھی مگر مسلمانوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو گا ہم قرآن پر عمل کرنے کے لئے عملی تدبیر اختیار کرینگے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انوار قرآن کی اشاعت کا جلد انتظام ہو۔

(شیخ محمد اکرام)

کیا ہو گیا کعبہ کے نگہبانوں کو، اِسلام تیری شمع کے پروانوں کو
ڈورے میں اُخوت کے پرودے کوئی تسبیح کے بکھرے ہوئے ان دانوں کو

رحم و ہمدردی

دوسروں کے غم و مصیبت کی پروا نہ کرنی۔ کسی کے غم کی داستان کو سُن کر متاثر نہ ہونا بڑی سنگدلی کی بات ہے۔ یہ خداوندکریم کا فضل و کرم ہے۔ کہ ہم بیمار۔ غریب یا غمزدہ نہیں۔ اس بے انتہا فضل الٰہی کی شکرگذاری ہم صرف اسی طرح سے ادا کرسکتے ہیں کہ ہم ان بدنصیبوں کی چارہ جوئی کریں جو کہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اپنی ہمدردی سے کچھ تو ان کے دُکھے ہوئے دلوں کو تسکین پہنچائیں۔ کسی طرح سے تو انکے بار کو ہلکا کرنے کی کوشش کریں مگر افسوس کہ رحم و ہمدردی کا جذبہ دن بدن گھٹتا ہی جاتا ہے۔ لوگ دولت و ثروت کے نشہ میں اور بھی مخمور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مادّی ترقی اور مادّی عقائد کا جنون ایسا سر پر سوار ہے کہ اس نے روحانی اور اخلاقی ذمّہ داریاں بھلا رکھی ہیں ہندوستانی قوم جو کبھی اپنی روحانیت اپنے ایثار اپنے "آئی ڈئیلزم" کے لئے مشہور تھی بہت سرعت کے ساتھ مادیت میں پھنستی جا رہی ہے آجکل ہمیں یہی ایک دھن ہے۔ ترقی کی۔ اور ترقی سے مطلب ہونا دنیا کی کامیابی۔ مادّی مفاد۔ ظاہری بھڑک۔ روحانی اور اخلاقی بہبود کی طرف سے ہم قطعی غافل ہو گئے ہیں۔

ہم اپنے بچوں کو اخلاق کے اب سبق نہیں پڑھاتے صرف تہذیب کا درس دیتے ہیں۔ یعنی ہم ان کو نشست برخاست کے طریقے سکھاتے ہیں۔ کانٹے چھری سے کھانے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ آداب ملاقات کے قاعدے ذہن نشین کراتے ہیں مگر ہم نے ان کو خوف خدا کا سبق پڑھانا چھوڑ دیا ہے۔ ہم اِن سے یہ کبھی نہیں کہتے کہ غمزدہ انسان کی بدقسمت ہستی سے ہمدردی کرنا اس کا انسانی فرض ہے

اور اگر اِن کا دل انسان کی مصیبت کے منظر کو دیکھ کر نہیں دُکھتا تو وہ خارج از آدمیت ہیں۔

شیر خوار بچے کو گود میں لئے ہوئے بھیک مانگتی ہوئی غریب و کمزور عورت۔ جاڑے کی راتوں میں سڑک کے کنارے پر سردی میں ٹھٹھرتا ہوا بوڑھے فقیر کو دیکھ کر اب مرد تو مرد عورتوں کو بھی رحم نہیں آتا۔ ان کا دل ان کی بے کسی مظلومی اور غم نصیبی پر نہیں پسیجتا۔ ان کے قیمتی ہینڈ بیگ سے ایک پیسہ بھی ان فلک زدوں کے لئے نہیں نکلتا۔ ان کو صرف ایک جواب ملتا ہے۔ "جاؤ کام کرو" اگر کوئی ترس کھا کر ان کو ایسے لوگوں کے سامنے کچھ خیرات دیدینے کی جرأت کرے تو فوراً ان سے کہا جاتا ہے۔ "آپ گداگری کی چاٹ لوگوں میں پیدا کرتی ہیں۔ ہمیں نہیں چاہئے کہ ہم سڑک پر مانگنے والوں کو کچھ بھی دیں۔ اگر خیرات ہی کرنی ہے تو کسی خیراتی کمیٹی کو چندہ بھیجدیجئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں ان تمام لوگوں سے جو کہ اس بنا پر سڑک کے مانگنے والے فقیر کو کوئی خیرات دینا نہیں چاہتے کہ یہ گداگری کی چاٹ لوگوں میں پیدا کرے گی۔ اور یہ کہتے ہیں کہ محتاج خانوں کو اسکے بدلے جو کچھ دے سکیں دینا چاہئے۔ یہ سوال کرنا چاہتی ہوں کہ ایسے کتنے محتاج خانے ہندوستان میں موجود ہیں۔ کتنے یتیم خانے۔ بیوہ خانے۔ یا خیراتی ہسپتال ہیں۔ کلکتہ۔ دلّی۔ جیسے بڑے بڑے شہروں میں بھی ایک آدھ سے زیادہ نہیں۔ اپاہج اور معذور لوگوں کے لئے کوئی جائے پناہ تو جہاں تک مجھے معلوم ہے آج تک کسی شہر میں نہیں۔ ایک آدھ یتیم خانہ اور دو ایک ہسپتال البتہ پائے جاتے ہیں۔

تو کیا جب تک ہر شہر اور ہر گاؤں میں ایسے انتظامات کئے جائیں (اور ہندوستان میں کسی قسم کی تحریک کو عملی صورت میں لانے کے لئے جو عرصہ لگتا ہے وہ بھی سب کو معلوم ہے) تب ان فلک زدوں کو ایک آدھ آنہ کبھی کبھار دینے سے انکار کیا جائے۔ اس طویل عرصہ تک یہ بدنصیب اپنے پیٹ کی آگ کو کس طرح بھریں؟ گورنمنٹ اور سوسائٹی دونوں نے خودکشی بھی تو جرم قرار دیا ہے۔ پھر یہ آفت رسیدہ کریں تو کیا کریں۔

ہر ایک فقیر کو دغاباز اور چور سمجھنا بھی آجکل کا قاعدہ ہے۔ ممکن ہے کہ بہت سے ان میں سے

ایسے ہی ہوں مگر ایک بڑی تعداد میں واقعی اپاہج، معذور، غریب اور مریض بھی ہیں۔ اگر ہم نے واقعی مستحق کو اس خیال سے دھتکار دیا کہ شاید وہ مکّار ہے تو کیا یہ بہت زیادہ افسوسناک بات نہیں ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم نے کسی مکار کو دھوکہ سے ایک آدھ آنہ دے دیا؟ روحانی لحاظ سے اخلاقی لحاظ اور مذہبی لحاظ سے بے شک کہیں زیادہ افسوسناک امر یہ ہوگا کہ ہم نے اگر کسی واقعی حاجتمند کو مایوس کیا ہو۔ ہمارے اخلاق پر ایسے فعلوں کا بہت بُرا اثر ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ ہم قطعی سنگ دل اور بے پرواہ بن جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے دو چار مکاروں نے اگر ہم سے کچھ دھوکے سے وصول کر لیا تو ہم اس سے تباہ و برباد نہیں ہو جائیں گے۔ ججوں کا مقولہ ہے کہ یہ بہتر ہی کہ دس مجرم سزا نہ پائیں نہ کہ ایک معصوم بے گناہ شخص بے قصور سزا پا جائے اور خیرات میں بھی یہی نظریہ سامنے رکھنا چاہیے۔ کہ کسی اپاہج اور غریب کی التجائے رحم کو سُن کر آپ کا دل نہ پسیجے اور آپ کے دل میں بجائے رحم اور ہمدردی کے جذبہ کے یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ مکّار ہے معلوم نہیں مدد کا مستحق بھی ہے یا نہیں۔ تو بھی آپ انسانی ہمدردی کے معیار سے کچھ دور جا پڑتے ہیں۔ مصیبت کو دیکھ کر پہلا خیال جو صاحب دل میں اُن کو یہ ہونا چاہیئے کہ یہ غریب کس حالت میں مبتلا ہے نہ کہ یہ سوچ بچار آئے کہ کہیں اس نے یہ حالت اپنے آپ تو نہیں بنائی ہے۔

سڑک کے گداگروں کو بھی جانے دیجئے۔ ان سے بھی ایک طرح سے بدتر حالت ان لوگوں کی ہے جو کبھی خوشحال تھے اور اب بھی شرافت مانع ہے کہ دست سوال دراز کریں۔ ایسے لوگوں کی کفالت پہلے اُن کے امیر رشتہ دار اور ملنے والوں کا فرض سمجھا جاتا تھا۔ اب اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ کا نعرہ بلند ہے۔ امیر غریب کی اعانت اپنا فرض نہیں سمجھتے۔ جہاں سڑک کے فقیروں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ہم گداگری کو ترقی دینا نہیں چاہتے وہاں غریب رشتہ داروں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ لوگوں کو اپنے پیروں پر خود کھڑا ہونا چاہیے کسی سے مدد کی توقع بے غیرتی اور غیر اعتمادی ہے۔

یہ ہے تو صحیح لیکن جس عورت کا شوہر ایک طویل علالت کے سبب گذر گیا ہو جس کی آمدنی زندگی میں اتنی کم تھی کہ اُس میں سے کچھ پس انداز کرنا ممکن نہ تھا اور جو کچھ آتا تھا وہ بیماری میں خرچ ہو گیا ہو جس کے کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور ہندوستان کے رواج کے مطابق خود کسی کام کے قابل نہ ہو وہ کس طرح سے اپنی خود اعتمادی اور غیرت کا مظاہرہ کرے۔ وہ اگر ان لوگوں سے جو کہ اس کی خوشحالی کے زمانے میں اسکے دوست تھے اگر مدد کی توقع رکھے تو کیا یہ بے جا ہو گا۔ یہ صورت آئے دن ہندوستان میں پیش آتی رہتی ہے۔ بہت سے خاندان جو کہ روٹی کمانے والے کی زندگی تک خوشحال و خوش باش تھے اب اس کی موت سے روٹیوں کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں ایسی ملازمتیں بہت کم ہیں جن میں سرکاری پنشن بیوی بچوں کو ملتی ہے۔ انشورنس یعنی بیمے کا رواج بھی بہت کم ہے۔

انگلستان میں اگر غریب رشتہ داروں کی کفالت کا رواج نہیں ہے تو وہاں سرکاری مدد کے بیسیوں انتظام ہیں۔ تعلیم کا مفت انتظام ہے۔ ہر وہ آدمی جو ایک بہت سی رقم دے کر اپنی زندگی کا بیمہ کرا دے ہم صرف یہ کہکر کہ ہندوستان میں بھی ایسا ہی انتظام ہونا چاہئے اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے تا وقتیکہ ایسا انتظام ہو جائے ایسی حالتوں میں امداد ہمارا انسانی فرض ہے۔

ولایت میں جہاں سرکاری انتظام ہے وہاں بھی لوگ انسانی ہمدردی سے اتنے غیر آشنا نہیں ہیں جتنا کہ ہم اُن کو خیال کرتے ہیں۔ غریب رشتہ داروں کی مدد صاحب استطاعت لوگ برابر کرتے ہیں۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر
خُدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

ہم رحم اور ہمدردی کے انسانی فرض سے بری نہیں ہو سکتے جب تک سرکاری

انتظام نہ ہو جائے۔ اگر دُکھے ہوئے دل۔ ٹوٹی ہوئی امیدیں۔ مٹے ہوئے ارمانوں والی بیوہ کی صورت دیکھ کر ہمارا دل نہیں پسیجتا۔ اگر عید بقر عید کے دن بھی غریب یتیم بچوں کے پھٹے ہوئے کپڑے اور حسرت سے بھری ہوئی نظروں کو دیکھ کر رحم نہیں آتا۔ اگر آنکھوں سے معذور اور ہاتھوں سے لاچار مفلس و نادار کو دیکھ کر ہماری روح نہیں کانپ اُٹھتی تو ہماری روحانی حالت اِن مصیبت زدوں کی مالی و مادّی حالت سے زیادہ خراب ہے۔

اور ہمیں یاد رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ

خدا رحم کرتا نہیں اُس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

اور مظلوم کی آہ اور غریب کی بددعا میں خدائے تعالیٰ نے بڑا اثر دیا ہے۔ ممکن ہو کہ وہ وقت آئے کہ اُس عورت کی طرح جس کو ہم نے گھڑک کر نکال دیا ہے ہمارے پاس بھی ہمارے لال کے علاج کو پیسے نہ ہوں۔ گرچہ آج اُس کی ایک چھینک پر بھی ہم دو دو ڈاکٹر بلا کر لا کھڑا کرتے ہیں۔ خدا کو بناتے بگاڑتے دیر نہیں لگتی۔ آئے دن لوگ تخت سے تختہ پر آرہے ہیں۔

مگر افسوس کہ ہم کو عبرت نہیں ہوتی۔ ہم کبھی ایسا خیال نہیں کرتے خدا کا خوف اور خدا کی یاد دلوں سے مٹ رہی ہے اور مذہب سے بیگانہ دنیا پر فلاکت کے بادل اُمنڈ رہے ہیں اور روحانیت کے لئے ضرب المثل ہندوستان اب قطعی اس سے بیگانہ ہو چلا ہے۔

جلوت

شائستہ اختر

رُسوا کیا اِس دور کو جلوت کی ہَوس نے　　روشن ہے نگہ آئینہ دِل ہے مُکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے　　ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے　　وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خودگیر ولیکن　　خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسّر

ہلالِ عید سے خطاب

قافلے دیکھ اور اُن کی برق رفتاری بھی دیکھ	رہروِ درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ
دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے گہر	اے تہی ساغر! ہماری آج ناداری بھی دیکھ
فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر	اپنی آزادی بھی دیکھ اُن کی گرفتاری بھی دیکھ
دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ	بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ
کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر	اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ
بارشِ سنگِ حوادث کا تماشائی بھی ہو	امّتِ مرحوم کی آئینہ دیواری بھی دیکھ
ہاں تملق پیشگی دیکھ آبرو والوں کی تو	اور جو بے آبرو تھے اُن کی خودداری بھی دیکھ
جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلّم سے کیا	اس حریفِ بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ
سازِ عشرت کی صدا مغرب کے ایوانوں میں سُن	اور ایراں میں ذرا ماتم کی تیّاری بھی دیکھ
چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا	سادگی مسلم کی دیکھ اَوروں کی عیّاری بھی دیکھ

صورتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ
شورشِ امروز میں محوِ سرودِ دوش رہ　　(بانگ درا)

(علامہ اقبالؒ)
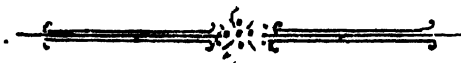
مُسلم خواتین کی بے بسی

مغربی تعلیم کی ترقی کے ساتھ الحاد کے جراثیم کچھ ایسے چمٹے ہیں کہ دل و دماغ کو ماؤف کئے بغیر نہیں رہتے۔ اس تعلیم کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ اسلام کا استہزا اسلامی معاشرت سے نفرت اور اسلامی لٹریچر کو حقارت سے دیکھنا اس تعلیم یافتہ جماعت کی امتیازی خصوصیت بن گئی ہے۔ یہ لوگ کہلاتے تو مسلمان ہیں لیکن برائے نام۔ اگر یہ اسلام ترک کر کے کسی اور مذہب میں داخل ہو جائیں تو پھر بھی الحاد انکا پیچھا نہیں چھوڑیگا۔ لامذہبیت اور دہریت کی وبا اس قدر عالمگیر ہو گئی ہے کہ بظاہر کسی مذہب سے بھی تعلق رکھنا اُن کے نزدیک سخت معیوب ہے۔ خواہشاتِ نفس کے یہ لوگ غلام ہوتے ہیں اور ایسی تہذیب کی پیروی کرتے ہیں جس میں ہر طرح کی آزادی ہو۔ اور اُنکے قول و فعل پر کوئی روک ٹوک نہ ہو جہاں اُنکے نفس کی ہر خواہش اور ہر لذت کا سامان آسانی سے بہم پہنچ جائے۔ ان کو اپنے اسلام پر فخر تو کجا بلکہ اُس کے ظاہر کرنے میں بھی حجاب ہوتا ہے۔ اسی لئے لباس ایسا استعمال ہوتا ہے جس سے لامذہبیت کا اظہار ہو۔ اسلام کا نام لیتے ان کو شرم آتی ہے۔ مغرب کی ہر ادا پر فریفتہ ہونیکو تیار ہیں اور لباس میں کھانے پینے میں میل جول میں بات چیت میں حتیٰ کہ اپنے ناموں کی ترکیب میں بھی مغربی تہذیب کا ہر وقت چربہ اُتارنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

ان کو اسلام کی ہر بات سے نفرت ہوتی ہے نماز کبھی خود تو کیا پڑھیں گے نماز پڑھنے والے دوست بھی ان کی نگاہ سے گر جاتے ہیں۔ بلکہ ان کو اپنی سوسائٹی میں خوب بناتے ہیں اگر اپنے کسی بزرگ کو اس رنگ میں دیکھیں تو بات بات میں انکے خیالات کو دقیانوسی کہدینے میں باک نہیں ہوتا۔ اور ان کے خیالات کو جہالت اور تاریکی کا باعث خیال کرتے ہیں۔ کلب میں گھنٹوں وقت ضائع کرنا داخل فیشن ہے سینما کا شوق ہر وقت دامن گیر ہوتا ہے۔ اس فرقہ کی

آزادی نے یہاں تک ترقی کر لی ہے کہ نہ خدا کے قائل ہیں اور نہ کسی مذہب کے پابند۔

اس قبیل کے تعلیم یافتہ کچھ اسلام ہی کا نام بدنام کرنے والے نہیں بلکہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی اس برادری میں شامل ہیں۔ اس برادری کی بڑی نشانی یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کو مانتے بھی ہیں اور نہیں بھی مانتے۔ جب اپنی برادری کے لوگوں میں بیٹھتے ہیں تو نعوذ باللہ خدا اور مذہب کی علانیہ توہین کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے۔ اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو خدا ہی کو یاد کرتے ہیں۔ جب مصیبت دور ہو جاتی ہے تو پھر اپنی برادری میں شریک ہو کر خدا اور اس کے مذہب پر پھر نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں کیا یہ عالمگیر وبا ہمارے گھروں میں داخل نہیں ہو رہی ہے کیا مسلم خواتین اور اُنکے بچے اس تہذیب کا اثر قبول نہیں کر رہے ہیں نئی روشنی کے یہ ہیرو اپنی خواتین کو بھی کھینچکر باہر لا رہے ہیں اور بچوں کو بھی اسی سانچے میں ڈھال رہے ہیں جس میں وہ خود ڈھل چکے ہیں مسلم خواتین کہاں تک اس طوفان سے محفوظ رہیں گی۔ اسلام اور اُسکی تہذیب سے انکو بیگانہ اور مغربی تعلیم اور اُس کی معاشرت کی خوبیاں اُن کے ذہن نشین کرائی جا رہی ہیں مسلمان خواتین کے خیالات اُن کی تعلیم اور اُنکی تربیت پر مغربی تہذیب کا اثر اس لئے زیادہ ہو رہا ہے کہ اثر قبول کرنے کا مادہ اُن کی فطرت میں مردوں سے زیادہ ہے جس دن مسلم خاتون بھی اسی رنگ میں ڈوب گئی تو اسلام کا خدا حافظ ہے اور قوم کی آیندہ نسلیں جو اُنکی گود میں پرورش پاکر اُٹھیں گی تو شاید ان میں اسلام نام کو بھی باقی نہو گا۔

دور حاضرہ مسلمانوں کے لئے بہت زیادہ تاریک ہے اور خطروں سے خالی نہیں مسلمانوں کو بے فکر نہیں ہونا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اُن کی غفلت سے ایسے برائے نام مسلمانوں کی تعداد زیادہ بڑھ جائے، نمائشی مسلمان ہی دراصل اسلام کے دشمن ہیں انکا بس چلے تو خدا جانے وہ اسلام کے حق میں کیا کیا کانٹے بوئیں، مسلمانوں کو ایسے دشمن اسلام منافق مسلمانوں سے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

اور مسلم خواتین کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ مسلمان ہیں اور خلوص دل سے مسلمان ہیں تو اللہ

کے ارشادات کا پاس رکھیں۔ اللہ کے نزدیک ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت اپنے اپنے عمل کے لئے جواب دہ ہے۔ شوہر کے اعمال بیوی کے کام نہیں آئینگے۔ اور بیوی کے اعمال شوہر کے کام نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی حیثیت کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ مسلمان عورتیں اب اس قدر تعلیم حاصل کر چکی ہیں کہ وہ اپنا نفع و نقصان بخوبی سمجھ سکتی ہیں وہ یہ دیکھ سکتی ہیں کہ کونسا راستہ خدا کی طرف لیجاتا ہے اور کونسا گمراہ کرتا ہے سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ

یعنی مردوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے انکو اسکے مطابق نتائج میں حصہ ملے گا اور عورتوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے اُسکے مطابق نتائج میں اُنکا حصہ ہے یعنی دونوں کو اپنے اپنے عملوں کا اجر ملتا ہے۔ اگر مرد کے اعمال اچھے ہیں تو ان کا اجر بیوی کو نہیں مل جائیگا اگر عورت کے اپنے عمل اچھے ہیں تو مرد کو اُنکا اجر نہیں ملیگا۔ اسلام یہی اصول ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے عمل کیلئے جوابدہ ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی وضاحت فرمادی ہے کہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے ساتھ اللہ نے بہشت کا وعدہ فرمایا ہے (التوبہ)

اسی سورۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں جو لوگوں کو نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے ہیں اور برے کام کرنے سے روکتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اُس کے حکم پر چلتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے حال پر اللہ عنقریب رحم فرمائیگا (التوبہ)

اللہ تعالیٰ نے صاف صاف یہاں فرمادیا ہے کہ مرد اور عورت کی رفاقت کس قسم کی اللہ کو مرغوب ہے۔ اللہ اچھے کاموں میں رفاقت پسند فرماتا ہے برے کاموں کی رفاقت سے متنبہ بھی کر دیا ہے یہ نہیں کہ اگر شوہر پر الحاد کا رنگ غالب ہے تو بیوی بھی اس رنگ میں رنگی جائے۔

یہ کہیں خداوند تعالیٰ کا حکم نہیں کہ مرد کی روش اگر اسلام کے خلاف ہے تو عورت بھی وہی روش اختیار کرے۔ بلکہ بہشت میں جانے کا اُسی کا حق متصور ہوگا جو ایمان والا ہوگا خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت ہر شخص کیلئے اپنی اپنی راہ ہے اور عورت کو اس بارے میں کامل آزادی ہے کہ دنیا میں عمل نیک کرے۔

مسلم خاتون کو اللہ کے احکام سے ہم نے آگاہ کر دیا ہے اب وہ سوچ لے اور سمجھ لے بلکہ یقین کرلے کہ اپنے اچھے اعمال کام آئیں گے۔ اگر مسلم خواتین کو مذہب اسلام پسند ہے اور مسلمان رہ کر زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں۔ اور یہ خواہش بھی ہے کہ اسلام ہی پر اُس کا خاتمہ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل اس کا دین اور یہی اس کا ایمان ہونا چاہئے اُس کے اعمال کی جوابدہی خود اسی سے ہونی ہے۔

جس وقت اس احکم الحاکمین کے سچے دربار میں حاضر ہوگی تو اس وقت صرف اس کے اعمال ہی کی پرسش ہوگی وہاں کوئی کام نہ آئے گا۔ نہ ماں باپ نہ شوہر اور نہ بیٹے کی اولاد اور نہ کسی کی سفارش کام دے گی۔ صرف نیک عمل سفارش کرسکیں گے۔ دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھو جو بوؤ گے اُسی کا پھل ملے گا۔

انیس النسواں مسلم خواتین کا سچا انیس ہے اس کا یہی مشورہ ہے کہ مسلمان بیبیاں پہلی صدی کی مسلم خواتین کے نقش قدم پر چلنا سیکھیں اور اللہ سے یہ دعا مانگتی رہیں۔

"الٰہی! تو ہم کو اُن لوگوں کی سیدھی راہ چلا جن کو تو نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا"

(شیخ محمد اکرام)

تن بہ تقدیر

اسی قرآن میں ہے اَب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر

تن بہ تقدیر ہے آج اِن کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

(سر اقبال مرحوم)

محفلِ غم

برادری میں ایک شخص مرگیا تو تیسرے دن اُس کے پھول ہوئے۔ مجھکو بھی شرکت کی دعوت تھی چنانچہ میں بھی گئی۔ جو کچھ ان آنکھوں نے اس مجمع میں دیکھا وہ لکھتی ہوں۔ میں ابھی تک اس سوچ میں ہوں کہ اس مجمع کو کس نام سے پکاروں۔ آیا یہ مجلس غم تھی یا بزم شادی بظاہر تو مرنے والے کے پھول تھے بیبیاں سوگ اور غم کا اظہار کرنے کے لئے جمع ہوئی تھیں مگر جو کچھ نظر آیا اُس سے کسی طرح کوئی غم کی بات نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے میں نے اس مضمون کا عنوان محفلِ غم تجویز کیا ہے۔

مرحوم کی بیوی تو نہایت غمگین اور اُداس تھیں۔ ہر طرح سے پریشان حال نظر آئیں بیٹیاں بھی اپنے شفیق باپ کی دائمی مفارقت کے صدمے سے بیحد مضطرب اور بے قرار نظر آتی تھیں۔ بار بار آنچلوں سے آنسو پونچھتی تھیں اور آنکھیں متورم تھیں مگر جو بیبیاں اظہار غم کے لئے آئی تھیں اُن کے زرق برق لباس اور خوشنما ساڑھیوں کو دیکھکر معلوم ہوتا تھا کہ کسی شادی کی محفل میں شریک ہونے کو آئی ہیں۔ اگر وہ کسی شادی میں جاتیں تو اُن کا بناؤ سنگار اور آرائش غالباً اس سے زیادہ نہ ہوتی۔ دیگوں پر دیگیں کھانے کی آرہی تھیں اور وہ شور اور ہنگامہ تھا کہ کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔

میں بالکل یہ نہ سمجھ سکی کہ مسلمانوں کے ایک گھر پر تو یہ آفت آئی ہو کہ وہ شخص جسکی زیست اپنے سب متعلقین کا سہارا تھی اور جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اتنی جانوں کو رزق دے رہا تھا وہ تو ختم ہوگیا بیٹیاں بن بیاہی رہ گئیں بچوں کی تعلیم ادھوری رہ گئی بیوی اور گود کے بچے کا خدا کے سوا کوئی آسرا نہیں۔ لڑکوں میں کوئی اس قابل نہیں کہ گھر بھر کا بار اُٹھا سکے۔ مرحوم کی پنشن

تھی سو وہ بھی اُسکی زندگی کے ساتھ ختم ہوئی مرحوم ایک ایماندار اور دیانت دار شخص تھا ناجائز آمدنی سے متنفر تھا اس لئے جو کچھ کمایا اتنا کمایا کہ عزت کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر گیا اب کوئی جائداد بھی نہیں کہ جس کے کرایہ سے گذارہ کا سہارا ہو۔ لے دے کے رہنے کا ایک مکان ضرور ہے جسکی رسموں کے ہاتھوں خیر نظر نہیں آتی۔ اس خاندان کی تباہی میں کوئی شک و شبہہ ہی نہیں۔ اس کو تو کوئی دیکھتا ہی نہیں اس بارے میں تو کسی کو ہمدردی نہیں بلکہ یہ توقع ہے کہ انکی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

شادی کی محفل اور غم کی مجلس میں کچھ تو فرق ہونا چاہئے۔ سوگ میں یہ بناؤ سنگار مجھکو تو ایک آنکھ نہیں بھایا یہ تو سوچنا چاہئے کہ جن لوگوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے مہمانوں کو زرق برق لباس میں دیکھ کر اُن کی کیا حالت ہوگی اُن کے دل سے تو پوچھا جائے۔ کیا ایسے رنج و غم میں کسی کا دل اتنے ٹھکانے پر ہے کہ مہمانوں کی تواضع کرتا پھرے۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے بلکہ بے ہمدردی ہے۔ اہل خانہ کے ساتھ بڑا ظلم ہے کہ اپنا بار اُن پر اور ڈالدیا جائے۔

میں پوچھتی ہوں کہ مہمانوں کے تشریف لے جانے سے اہل خانہ کو کیا تسکین یا تسلی ہوئی۔ کسی نے اُن کی مصیبت بانٹ لی۔ کیا شارع اسلام نے مسلمانوں میں اخوت کا رشتہ اسی لئے قائم کیا تھا کہ کسی دکھ درد میں کوئی شریک نہ ہو اگر ہوں تو باعث تکلیف و زحمت ہوں۔ دنیا میں آئے ہیں تو غم کے صدمے بھی اُٹھاتے ہیں اور شادیوں میں بھی شریک ہونا ہی پڑتا ہے۔ میرا یہ مطلب ہے کہ غم کے موقع پر غم کا اظہار چاہئے اور شادی کی تقریبیں خوشی کے لئے ہوتی ہیں۔

بیویاں جو غمزدہ بہن کی غمخواری کو آتی ہیں کیا مدد کرتی ہیں سوائے اسکے کہ مرحوم کی زلیست کی باتیں بیان کرکے غمزدوں کو اور صدمہ پہونچاتی ہیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ ماتم پرسی سے جو فائدہ ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہوتا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ کسی کو صدمہ نہیں ہوتا۔ نہیں درجہ بدرجہ سب کو ہوتا ہے۔ اور کوئی عزیز ایسا نہیں کہ اپنے عزیز کی دائمی جدائی کے غم میں آنسو نہ بہائے بہتر ہو کہ اس قسم کی ماتم پرسی سے پرہیز کیا جائے۔ اور ایسے موقع پر جب کسی غمزدہ کے

پاس جائیں تو غمخواری کرلے کے بعد صبر کی تلقین کریں۔ اور رسول مقبول صلعم کی حکایات صبر و اجر کا تذکرہ کرکے غمگین دلوں کو تسلی دیں اور سمجھائیں کہ اس طرح رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوا کرتا۔ صبر کرنا چاہئے۔ صبر کا اجر اللہ کے نزدیک بہت ہے۔

علاوہ اس کے موقع کے مناسب لباس ہونا چاہئے جس سے متانت اور سنجیدگی برستی ہو نہ کہ زرق برق لباس سے اہل خانہ کو بھی رنجیدہ کریں اور دیکھنے والوں کو یہ موقع نہ دیں کہ اُنکے اس بناؤ سنگار کے چرچے کریں۔ جہاں تک ممکن ہو مرنے والے کے غم میں دعوتیں نہ کھائیں۔ اگر مسلمان بیبیاں یہ اصول بنالیں کہ جس گھر میں ماتم پرسی کے لئے جائیں وہاں نہ پان کھائیں نہ پانی پئیں شرع کا تو یہ حکم ہے کہ اگر محلہ میں کوئی مرگیا ہو تو جب تک اس کا جنازہ نہ اُٹھ جائے اپنے گھر میں بھی کھانا پینا منع ہے چہ جائیکہ ہم غمزدہ لوگوں سے اپنی خاطر تواضع کرائیں ایسے موقع پر کوئی دعوت نہیں ہونی چاہئے نہ برادری میں کھانا تقسیم ہو۔ بلکہ محتاجوں اور بھوکے منگوں کو کھانا کھلادیا جائے اور کپڑے پہنائے جائیں تاکہ مرنے والے کی روح کو ثواب پہونچے۔

تعزیت کے بلاوے کا انتظار نہ کرنا چاہیے یہ انسان کا فرض ہے کہ اگر ملاقات نہ بھی ہو جان پہچان بھی نہ ہو۔ آمد و رفت بھی نہ ہو تو بھی جاکر ہمدردی کا اظہار کرنا چاہئے اور صبر کے لئے کہنا چاہئے۔ حضرت فاطمہ رضؓ ایک مرتبہ ایک یہودی کے گھر میں ایک عورت کو نہلانے گئی تھیں۔ اور اپنی چادر کفن کے لئے دی تھی۔ مسلمان بیبیاں اپنے مذہب کی تاریخ پڑہیں اور دیکھیں کیسی کیسی عبرتناک مثالیں موجود ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ شادی کے شریک تو سب ہیں لیکن غم میں شریک بہت کم ہوتے ہیں۔ اس ہمدردی کے اثر سے اپنے تو خیر اپنے ہیں بلکہ غیر بھی اپنے بن جاتے ہیں۔ اسلام کا بھی یہی حکم ہے۔ آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جو شخص کسی کی عیادت کو گیا اُس نے جنت کے پھول چنے۔

(شمس النسا بیگم)

مسلم خواتین اور سیاسیات

دنیا میں کوئی قوم بام رفعت پر نہیں پہنچ سکتی تا وقتیکہ اُس کے مردوں کی طرح عورتیں بھی علوم وفنون سے بہرہ ور نہ ہوں یہی وجہ ہے کہ آجکل ہر ایک ملک میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص طور پر توجہ کی جارہی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ عورتیں دل و دماغ کی صلاحیتوں کے لحاظ سے مردوں کے پیچھے نہیں آجکل امریکہ اور یورپ میں عورتیں تقریباً تمام شعبوں کے فرائض اسی طرح انجام دے سکتی ہیں جس طرح مرد دے سکتے ہیں علوم وفنون میں بھی عورتیں امتیازات حاصل کر رہی ہیں مختلف محکموں میں ذمہ دارانہ خدمات انجام دے رہی ہیں کھیل اور ورزشوں میں حصہ لے رہی ہیں فن پرواز میں مہارت حاصل کر رہی ہیں ملک کی سیاسیات میں بھی دلچسپی لیتی ہیں۔

ہندوستان میں ہندو عورتیں بھی میدان سیاست میں پوری دلچسپی لے رہی ہیں۔ کانگریس میں بھی شریک ہوتی ہیں پچھلی مرتبہ آل انڈیا لیڈیز کانفرنس کی صدارت ایک ہندو خاتون نے کی اور بہت کامیابی کے ساتھ صدارت کے فرائض ادا کئے۔ یو پی کی گورنمنٹ میں ایک ہندو خاتون وزارت کے فرائض ادا کر رہی ہیں۔ تعلیم میں ہندو قوم بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ ہندو خواتین کی تعلیمی ترقی بہت بہتر حالت میں ہے اسمبلیوں کی ممبر بنی ہیں۔ میونسپل کمیٹیوں میں بھی ہیں۔ غرضیکہ تعلیم نے انکی ترقی کیلئے کئی راستے کھولدئے ہیں۔ مسلمان خواتین کی تعلیمی پستی پر ہم پہلے لکھ چکے ہیں مضمون پر جتنا بھی لکھا جائے تھوڑا ہے۔ کس قدر رنج دہ امر ہے کہ مسلمان خواتین جن کو ہم تعلیم یافتہ کہہ سکتے ہیں بہت کم ہیں۔ پنجاب گورنمنٹ میں بیگم شاہنواز صاحبہ کا نام نظر آتا ہے۔ اور بیگم رشیدہ لطیف صاحبہ پنجاب اسمبلی

کی ممبر ہیں۔ بنگال اور یو پی کی اسمبلی میں بھی دو چار مسلمان خواتین ہیں۔ لے دیکر چار پانچ خواتین تو ضرور پبلک میں نظر آتی ہیں یہی خواتین اسمبلی کی ممبر ہیں اور یہی خواتین زنانہ مسلم لیگ کی روح رواں ہیں۔ مسلمان خواتین ابھی تعلیم کے اعلیٰ مدارج سے بہت دور ہیں۔

اسلام نسوانی آزادی کے قطعی خلاف نہیں بلکہ وہ تعلیمی ترقی اور آزادی نسواں کا بڑا حامی ہے لیکن اُسی آزادی کا حامی ہے جو ایک مسلمان خاتون قرآن کی حدود کے اندر رہکر حاصل کر سکتی ہے۔ ہر ہائینس نواب سلطان جہاں بیگم والئے بھوپال مرحومہ و مغفورہ نے پردہ کی پابندی کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔ دہلی اور لندن کے شاہی درباروں میں شریک ہوئیں۔ یورپ اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی اور ایک بہت بڑی اسلامی ریاست کی فرمانروائی کے اہم فرائض نہایت کامیابی اور خوش اسلوبی سے ادا کئے ان کو وائسرائے اور دیگر انگریز افسروں سے ملاقات بھی کرنی پڑتی تھی۔ مگر اُنھوں نے کبھی پردہ کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور پردہ ان کے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کبھی مخل نہیں ہوا۔ بیگم صاحبہ مرحومہ کی روشن مثال آجکل کی مسلم خواتین کے لئے اور آیندہ نسلوں کے لئے بھی شمع راہ ہے۔

جو آزادی مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب کا طرۂ امتیاز ہے اپنے گل کھلا چکی ہے۔ یورپ کے مدبرین کو حد سے بڑھی ہوئی آزادی کا تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ اس لئے اٹلی اور جرمنی میں عورتوں کی آزادی پر قیود عائد کردیگئی ہیں اُن ہندوستانی خواتین کو جو مغربی خواتین کے نقش قدم پر چلنے کے لئے بیتاب رہتی ہیں۔ معلوم ہونا چاہئیے کہ اب یورپ کے بہت سے شہروں میں عورتیں ملازمت نہیں کرسکتیں نائٹ کلب یعنی شبینہ کلب میں ممبر نہیں بن سکتیں۔ اور مغربی خواتین کی سیاسی سرگرمیوں کی بھی وہ رفتار نہیں رہی جو پہلے کبھی تھی۔

مغربی ممالک کے بعض مدبروں کا خیال ہے کہ اگر عورتیں عملی سیاستوں سے الگ ہی رہیں تو بہتر ہے۔ لیکن ہندوستان میں بعض مسلم خواتین کا خیال ہے کہ ان کی ترقی کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ تاوقتیکہ وہ ہر بات میں مردوں کے دوش بدوش ترقی نہ کریں۔

ہم مسلم خواتین کی جائز ترقی کے خلاف نہیں مگر ہم یہ ضرور کہیں گے کہ انکی تعلیمی ترقی زیادہ ضروری چیز ہے ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ اکبر کے نعروں ہی کو سیاسیات سمجھنے لگیں اور تعلیم سے غفلت برتنے لگیں مسلم خواتین ایجوکیشنل کانفرنس ضرور وجود میں آنی چاہیئے تاکہ مسلمان عورتوں کی تعلیمی ترقی کے ذرائع پر غور ہوا کرے۔ گو یہ اہم فرائض آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا زنانہ شعبہ بھی سرانجام دے سکتا ہے۔

ہم یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی پردہ نسوانی ترقی کی راہ میں حائل نہیں اگر کسی ترقی میں حائل ہوتا تو قرون اولیٰ کی مسلم خواتین میدان جنگ میں نہ جایا کرتیں۔

ہندوستان کا مروجہ پردہ آجکل کی آزادی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر اَللّٰہُ یُحِبُّ الْمُعْتَدِلِیْنَ۔ (اللہ اعتدال کرنے والوں کو پسند کرتا ہے) پر عمل کرنا بہترین مصلحت ہے۔ اسلامی پردہ اگر غور سے دیکھا جائے تو خواتین کے کسی کاروبار میں بارج نہیں کسی ترقی میں رکاوٹ پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اس پردہ میں زیادہ وقار ہے۔ اسلام نے تو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ایسے پردے کا حکم دے دیا تھا جس کی آج ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ جب ایک چیز اسلام میں موجود ہے تو پھر دوسروں کی تقلید میں مذہب کی معینہ حدود سے تجاوز کرنے کی ضرورت کیا ہے۔

(شیخ محمد اکرام)

عورت

جاگے گی نہ ہرگز کبھی اُس قوم کی تقدیر،　　جس قوم کی عورت ہی نہیں صاحب تدبیر
جس قوم کی عورت کو ملی دل کی غلامی　　اُس قوم کی کیسی سرِ عالم ہوئی تشہیر
قوموں کی خرابی ہو کہ مُلکوں کی خرابی　　سچ پُوچھئے ہم سے تو سب عورت کی ہے تقصیر
کہتی ہیں کہ ہیں خشک سیاست کے مسائل　　کیا صاف نہیں یہ کمئی ذوق کی تفسیر
بے قبضۂ شمشیر اگر مرد ہے بے کار　　عورت کسی قابل نہیں بے جوہر شمشیر
اک آرزوئے تازہ ہی وہ نسخہ ہے جس سے　　اِس عمرِ کہن پہ بھی جواں ہے فلکِ پیر

(حیا)　　(زیب لدھیانوی)

پیامِ صلح

انیس النسواں کے پچھلے پرچے میں ہم نے لکھنؤ کے شیعہ سُنی مسلمانوں کی عبرت انگیز و مضحکہ خیز حالت پر اظہار افسوس کیا تھا اب واقعات نے اور بھی زیادہ رنج دہ صورت اختیار کرلی ہے۔ متخاصمین اگر مسلمان کہلاتے ہیں تو ان کو اللہ اور اُسکے رسول کے احکام پر سر نیاز جھکانا چاہیئے ورنہ وہ یاد رکھیں کہ انکی نافرمانی اور سرکشی انکو دائرہ اسلام سے باہر لیجارہی ہے۔ اس ماہ کے رسالہ میں قرآن کی اخلاقی تعلیم پر جو مضمون شائع ہورہا ہے وہ اشتعال پسند مسلمانوں کو ضرور غور سے پڑھنا چاہیئے۔ اللہ کے نزدیک وہی لوگ محبوب ہو سکتے ہیں جو کاظم الغضب ہیں یعنی غصہ کو پی جانے والے ہیں۔ زیادہ اندوہناک امر یہ ہے کہ اس نزاع کی وبا میں لکھنؤ تو مبتلا ہوا ہی تھا مگر اب تمام ملک کے مسلمان متاثر ہورہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ یہ آگ کہیں زیادہ نہ بھڑک اُٹھے اور بہرم کشوں کی من مانی مرادیں نہ پوری ہوں۔ اگر اب بھی مسلمان چشم عبرت کھولیں تو اللہ اور اُس کے رسول کی ناراضگی کا موجب نہ بنیں۔

ہمارے مکرم و محسن چودھری خوشی محمد صاحب ناظر کا درد آشنا دل اس دردناک حقیقت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"پیام صلح" چودھری صاحب موصوف کے ہمدردانہ جذبات کی سچی تصویر ہے۔ خدا کرے کہ گلشن اسلام میں جو آگ اس وقت سلگ رہی ہے پیام صلح کی اشاعت سے فرو ہوجائے۔

یاد ہیں وہ دن بھی تجھکو اے دیارِ لکھنؤ رشک گلزارِ ارم تھی جب بہارِ لکھنؤ
بزم قیصر باغ کے لیل و نہارِ لکھنؤ جانبِ دریا وہ سیمیں سبزہ زارِ لکھنؤ
بانکپن۔ ناز و ادا خوبی و محبوبی میں فرد جانِ عالم تھا کبھی تو اے نگارِ لکھنؤ
تھا کبھی تو مرجع و ماوے اربابِ کمال سرمۂ چشمِ بصیرت تھا غبارِ لکھنؤ

آہ وہ فخر البلاد اب عرصۂ پیکار ہے
شہر میں جوتی اُچھلتی برسرِ بازار ہے

اہلِ دانش ہموطن اب کارفرما بن گئے مسندِ عز و شرف کے مسند آرا بن گئے
ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے اب حکومت کی عنان اور مسلم مُلزم مدح و ثنا بن گئے
اک زمانہ ان کی وحشت کا تماشائی ہوا لکھنؤ کے سُنی و شیعی تماشا بن گئے

شاہِ ایران کا اُدھر یہ مصر کو پیغام ہے
سُنی و شیعی میں باہم رشتۂ اسلام ہے

اب وہ شان و شوکتِ اسلامیاں باقی نہیں ملتِ مرحوم کے قالب میں جاں باقی نہیں

جس کے در پر قیصروں کی گردنیں ہوتی تھیں خم اُس خلافت کا زمانہ میں نشاں باقی نہیں
یادِ گل میں بلبلِ ناشاد کب تک روئے گی جب وہ فصلِ گل وہ رنگِ گلستاں باقی نہیں

زندہ قومیں فکرِ مستقبل کے پیچ و خم میں ہیں
مردہ دل مسلم ابھی ماضی کے ہی ماتم میں ہیں

نسلِ آدم کا ہوا تھا ارتقا اسلام سے کس بلندی سے گرے ہم گردشِ ایّام سے
جب دل آزاری شیعہ مدح کا مقصود ہو فائدہ۔ اے سنیو! اس مدح ذم انجام سے
گالیاں دینا خلافِ مذہب و اخلاق ہے پاک رکھ اپنی زباں آلائشِ دشنام سے
دین و ایماں کا تعلق جب دلِ مومن سے ہے فائدہ ہنگامہ ہائے شاہراہِ عام سے!

اتحادِ قوم کی لاہور میں دیکھیں بہار
جان و دل سُنّی کا ہے نوابِ شیعی[1] پر نثار

دشت میں خضرِ رہِ گم گشتگاں کوئی نہیں ان میں اب منزل شناسِ کارواں کوئی نہیں
خلقِ مصطفوی کی آیت ہے "علیٰ خُلقٍ عظیم" لیکن اس عظمت کا اُمت میں نشاں کوئی نہیں
جذبۂ ایثار میں ہے رازِ تقدیرِ اُمم اب مسلمانوں میں لیکن رازداں کوئی نہیں

کشتیٔ مسلم کے حق میں ہے یہی بادِ مراد
اتفاق و اتفاق و اتحاد و اتحاد

اپنے مسلم بھائیوں کا دل دکھانا چھوڑ دو اے مسلمانو یہ بغض کافرانہ چھوڑ دو
ہو گئے ہندو اچھوتوں سے بھی جب شیر و شکر سُنّی و شیعی کا تم فتنہ جگانا چھوڑ دو
لگ رہی گلشن میں ہے اس شعلہ افشانی سے آگ مدح و ذم کا بلبلو رنگیں ترانہ چھوڑ دو
ہے مسلماں کا خدا بھی ایک پیغمبر بھی ایک ہمدمو اِس نقشِ وحدت کا مٹانا چھوڑ دو

مضحکہ اسلام کا اور جگ ہنسائی ہو چکی
"صلح کی ٹھہرائیے اب تو لڑائی ہو چکی"

---

[1] نواب نثار علی خاں صاحب قزلباش رئیس اعظم لاہور کی طرف اشارہ ہے۔

اسلام اور آزادی کا مفہوم

اسلام مسلمانوں کو اعلیٰ اخلاقی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اُس کے نزدیک ہر وہ چیز جو قوم کی فلاح و بہبود کے مانع ہے۔ پسندیدہ نہیں۔ عورتوں کے لئے جتنی آزادی اسلام روا رکھتا ہے اتنی آزادی دُنیا کا کوئی مذہب روا نہیں رکھتا۔ یہ اور بات ہے کہ دوسرے مذہبوں کی عورتیں اپنے مذہب کی پرواہ نہ کریں۔ اور جو کچھ چاہیں کرتی پھریں۔ آزادی تو وہ ہے جو فرائض کی ادائیگی کے بعد حاصل ہو۔

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ اخلاقی معیار کے لئے عورتوں اور مردوں کا بیجا طور پر میل جول جائز نہیں مگر آج کل مردوں اور عورتوں میں مخلوط جلسوں کا شوق بڑھ رہا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ مغربی تہذیب کی نقل کرنے کا شوق جس قدر مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں نہیں۔ ہندو اپنی اُسی پرانی تہذیب کے پابند ہیں۔ ہندو عورتیں مردوں سے زیادہ پابند ہیں۔ اُن کے بچے اسی تہذیب میں پرورش پاتے ہیں۔ ہندو مائیں جو تربیت اپنے بچوں کو دیتی ہیں وہ بالکل مغربی نہیں ہوتی چھوٹے چھوٹے بچوں کے ذہن میں ہندو تاریخ کی روایتیں ڈال دی جاتی ہیں۔

برخلاف اس کے مسلم خواتین کو دیکھئے وہ مغرب کی ہر بات نقل کرتی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کے اکثر گھروں میں مغربی تہذیب اور معاشرت ایسی داخل ہو چکی ہے کہ معمولی نشست و برخاست بھی مغربی وضع کی ہوتی جاتی ہے۔ بچوں کی تربیت انگریزی ابجد سے شروع ہوتی ہے۔ ان حالات میں وہ دن دور نہیں کہ اسلامی معاشرت کا نام ہی نام رہ جائے۔

اب بھی اگر آپ دیکھیں تو ایک مسلمان تعلیم یافتہ کا گھر ایک عیسائی کا گھر نظر آئے گا۔ انگریز کا گھر تو بنے سے رہا بچوں کو دیکھو تو عیسوی رنگ میں چھوٹے لڑکے نیکریں اور چھوٹی لڑکیاں فراک جانگیہ پہنے بڑی لڑکی ساڑھی باندھے سر کھلا بال کٹے بالکل عیسائیوں کے بچے نظر آتے ہیں۔ میں ہندوستانی عیسائیوں کو برا نہیں کہہ رہی۔ میری تو خود کئی عیسائی بیویاں ملنے والی ہیں۔ جن کی طرز معاشرت بالکل ہندوستانی ہے جیسے عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے اور ان کا خیال بھی یہی ہے کہ ہم انگریزوں کی نقل کرکے انگریز تو بن نہیں سکتے۔ پھر ہم اپنی ہندوستانی معاشرت کو کیوں چھوڑ دیں۔

انگریز اور دیسی عیسائی ہم مذہب تو ہیں اس لئے اگر وہ انگریزی معاشرت اختیار کرلیں تو کچھ اعتراض بھی نہ ہونا چاہئے۔ مگر وہ محض ہندوستانی ہونے کی وجہ سے انگریزی طرز معاشرت پسند نہیں کرتے۔

مگر مسلمانوں کو کیا ہوا۔ کہ اچھی باتیں تو کسی سے سیکھتے نہیں اُن کی بُری چیزوں کی نقل کرتے جاتے ہیں۔ گھر والی بجائے بیگم صاحبہ کہلانے کے میم صاحب کہلوا کر خوش ہوتی ہیں۔ نوکر لوگ تو بے شک جو وہ چاہینگی کہیں گے۔ مگر دُنیا تو میم صاحب نہ سمجھے گی۔ اسلامی تہذیب اس قدر حقارت سے دیکھی جارہی ہے کہ افسوس ہوتا ہے۔

اسلام عورتوں کو چار دیواری میں بند کرنے کا حامی نہیں۔ اگر یہ ہوتا تو خلافت راشدہ کے عہد میں مسلمان عورتیں شام عراق مصر اور افریقہ میں اپنے شوہروں اور بھائیوں کے ساتھ رفیق سفر اور شریک رزم نہ ہوسکتیں۔ مگر اسلام اس بات کو بھی گوارہ نہیں کرتا کہ عورتیں اپنے فرائض خانگی ترک کرکے جس کے اہل مرد نہیں ہوتے کُھلے بندوں سڑکوں اور بازاروں ہوٹلوں اور پارکوں میں دندناتی پھریں۔ اور بے عنانی کی حد یہاں تک پہونچ جائے کہ ایک انگریز عورت کے قول کے مطابق یورپ میں آجکل کی لڑکیاں والدین کے گھروں کو ہوٹل سمجھنے لگی ہیں۔ کھانے کے وقت پہونچ گئیں۔ پھر غائب۔ رات کو

کسی وقت گھر میں آکر اپنے کمرے میں سورہیں۔

اسلام تو ہر بات میں اعتدال پسند کرتا ہے۔ نہ تو اس آوارہ منشی کو پسند کرتا کرتا ہے اور نہ گھر میں قید کو عورتوں کو اگر کسی ضرورت سے یا کسی کاروبار کی وجہ سے گھر سے باہر جانا پڑے تو شرعی پابندی کے ساتھ جاسکتی ہیں۔ اسلام تعلیم کے مانع نہیں۔ اسلام تجارت کرنے سے نہیں روکتا۔ پھر کیوں نہ ہم اپنے اسلامی شعار اور اسلامی تہذیب کو باعث فخر نہ سمجھیں

بیگم محمد اکرام

دُعا

پھر آیۂ قرآں کو ایماں بنادے ۔۔۔ پھر اُمتِ گمراہ کو ذیشان بنادے
آوارگیٔ شوق کو پھر کر دے منظم ۔۔۔ جذبات کو پھر تابعِ فرمان بنادے
پھر قوم احادیث پہ سرگرم عمل ہو ۔۔۔ فرمانِ نبیؐ صورتِ قرآن بنادے
پھر ملتِ بیضا کی حکومت ہو دلوں پر ۔۔۔ بگڑوں کو پھر اک رحمتِ رحمان بنادے
آجائے رُخِ مردہ پہ پھر رونقِ ایماں ۔۔۔ پھر مردِ مسلماں کو مسلماں بنادے
جمعیتِ افلاس و جہالت کو مٹا کر ۔۔۔ محکومیٔ جذبات کو سلطان بنادے
دے ناخنِ تدبیر کو وہ عزم وہ قوت ۔۔۔ جو عقدۂ دشوار کو آسان بنادے
کھو عیش زدہ دل سے تمنائے مُسرت ۔۔۔ حیوانِ طرب کیش کو انسان بنادے
احساس کو کر کے خلشِ عزم سے بیدار ۔۔۔ اعمال کو عادت کا نگہبان بنادے
ہو مسلمِ برباد کو عرفانِ اخوت ۔۔۔ اگلی سے وہی آن وہی شان بنادے

آغوش میں رحمت کی جگہ اُسکو عطا کر
مقبول دلِ ہوش کی یارب یہ دُعا کر

مدینہ

ہوش بی۔اے۔ اکبرآبادی

بچوں کو تادیب اور سزا

(ایک نفسیاتی تجزیہ)

میں یہ نہیں کہتی کہ بچوں کو مطلق سزا نہ دی جائے یا یہ کہ اُن پر کسی قسم کا سرے سے دباؤ ہی نہ ہو کیونکہ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ دنیا کے امن و نظام کے لئے ڈر اور خوف کی موجودگی بھی لازمی ہے۔ ضبط و نظم کی بقا کے واسطے روک ٹوک ہونی ازبس ضروری ہے۔ میرا کہنا تو یہ ہے کہ سزا دینے کا موجودہ طریقہ اور وہ طرز عمل جس کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے دونوں قابلِ اصلاح ہیں سزا جو دراصل ایک جرم یا فعل نامستحسن ہی کا ایک آخری پہلو یا عاقبت ہوتی ہے۔ بُرے کام کا ایک لازمی نتیجہ ہونی چاہئے اور قدرت کے بنائے ہوئے اٹل قانون میں ایسا ہوتا بھی ہے۔ بچے جلتی آگ یا جلتی بھلستی چیز کو ناوانی سے اگر چھو لیں تو فطرت اُن کو اُسی وقت سبق دیتی ہے۔ آگ کا کام جلانا ہے اور وہ ہمیشہ جلاتے گی۔ اگر ننھے میاں کچے امرود زیادہ نوش فرمالیں گے تو اُن کے پیٹ میں درد ہونا ایک یقینی امر ہے۔ قدرت ہرگز اس غلطی پر اُن کو معاف نہیں کرے گی۔ اب تو بچپن ہے بڑے ہو کر بھی قوانین قدرت کی خلاف ورزی اُن کے لئے موجبِ تکلیف ہوگی سزا دراصل اسی قسم کے اصول سے ہونی چاہئے یعنی بُرے کام کا بُرا انجام بچے آگ سے کبھی اس لئے نفرت نہیں کرتے کہ وہ اُن کو جلا دیتی ہے برخلاف اس کے وہ ابا میاں سے خائف اور ناراض رہتے ہیں کیونکہ وہ اُن کی تادیب سختی سے کرتے رہتے ہیں یہ اس لئے کہ جس طریقے سے سزا دی جاتی ہے وہ سرے سے غلط اُصولوں پر مبنی ہوتی ہے سزا خواہ زبانی زجر و توبیخ ہو یا جسمانی ہو دونوں صورتوں میں بچے سزا کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور اُسکے مقاصد سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔ اُنہیں پیٹنے کے ساتھ مارنے والے یا محاسب کی ایک ایسی ذات نظر آتی ہے جب وہ اپنی

ایذا رسانی کا سرچشمہ تصوّر کرتے ہیں۔ انہیں اپنا قصور متعلق نظر نہیں آتا اُنہیں اپنی آزادی روکنے والے سپاہیوں کی ذات سے نفرت وحقارت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر جسمانی سزا بار بار دی جائے تو بچے اپنی جان بچانے کے لئے دھوکہ دینا۔ جھوٹ بولنا بھی جائز کر لیتے ہیں اور اس طرح سزا سے بجائے اصلاح ہونے کے اور بُرائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

بہت کم ماں باپ کو یہ راز معلوم ہے کہ بچے نرمی سے بھی نصیحت قبول کر لینے کی زبردست صلاحیت رکھتے ہیں اور اُن کی طبیعت میں نیک مشورہ سے استفادہ کا مادہ اچھی طرح ودیعت کیا گیا ہے۔ پیار، چمکار سے سمجھانا بجھانا۔ ڈنڈے بازی سے کہیں بہتر نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

لیکن بالفرض اگر کسی قصور یا غلطی کی شدت کا احساس آپ اپنے معصوم بچّے کے دل میں نقش کرنا چاہتی ہیں تو آپ گھُڑک کر اپنے غم و افسوس کا اظہار کر کے خود بچّے کو اپنے فعل ناستحن پر نادم ہونے پر آمادہ کر کے ایسا کر سکتی ہیں لیکن ایسا کرتے وقت ایک بات کا خیال بہت ضروری ہے اور وہ یہ کہ چہرے سے اشارۃً یا کنایۃً اپنی سزا دہی کو ایسا ثابت نہ کیجئے کہ وہ کام آپنے بادلِ ناخواستہ مجبور ہو کر کیا ہے۔ سزا نہایت سنجیدہ حالی اور غصہ کی اصلی حالت میں دینی زیبا ہے۔ کیونکہ آپ کو یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہمیں آپ کی ایسی ناشائستہ حرکت سے دلی صدمہ پہونچا ہے:۔

بعض والدین نے سزا دینے کا ایک انوکھا طریقہ نکالا ہے اور وہ یہ ہے کہ بچے کا کھانا پینا بند کر دیا جاتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ یہ حربہ اپنے حصول مقصد میں قطعی بیکار ثابت ہوا ہے۔ اس سے بچّوں کے دلوں میں حقارت۔ غم وغصہ، بغاوت اور شر کے وہ جذبات پیدا ہوتے ہیں جو آگے چل کر اُسے فسادی اور دنگئی بنانے میں مدد دے سکتے ہیں۔ ماسوئی اس کے۔ بچّوں کی جسمانی پرورش میں بھوکے رہنے سے کمی پیدا ہوتی ہے اور اُن کی صحت پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑتا۔

میرے بچّے عارف کی عمر اس وقت چار سال کچھ ماہ ہے اُنہوں نے ایک بار غصہ میں آکر چینی کا وہ خوبصورت پیالہ زمین پر دے مارا جس میں وہ دودھ پیتے تھے۔ میں نے یہ سزا دی کہ آئندہ

اُنہیں چینی کے خوبصورت پیالے میں دودھ دینا بند کر دیا اور تانبے کے برتن میں دینے لگی جب اُن کی چھوٹی بہن تارا اُن کے ساتھ بیٹھ کر اپنے پیالے میں دودھ پیتی تو اُنہیں یہ دیکھکر رشک ہوتا ایک بار آپ نے پوچھا بھی امّاں ہمیں اچھے پیالے میں دودھ کیوں نہیں دیا اسپر بیبی نے کہا میاں وہ پیالہ آپ نے توڑ دیا۔ اگر اتفاق سے حادثۃً بچے سے کوئی نقصان ہو بھی جائے تو اُسے تقاضائے عمر سمجھ کر ہمیشہ نظرانداز کر دینا چاہئے اور سزا دی بھی جائے تو اس طرح کی جس طرح کی میں نے آپکو اپنی مثال ابھی ابھی دی ہے۔

ہمیں بچّوں پر پابندیاں ضرور عائد کرنی ہونگی لیکن صرف اُن ہی حالات میں جب نہایت ہی مہلک اور خطرناک حوادث کے وقوع پذیر ہونے کے امکانات ہوں۔ چھت پر سے نیچے گر جانے یا کسی اور طرح ہاتھ پیر ٹوٹ جانے کا ڈر ہو تو ہمیں بچّوں کی آزادی کو کم کر دینا ہوگا۔ وہ اپنی آزادی سے خود اپنا نقصان بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اُن کو اپنے نفع نقصان میں تمیز نہیں ہے اور ناتجربہ کاری سے ایسا کر سکتے ہیں جس سے اُن کی جان خطرے میں پڑ جائے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ٹھمک ٹھمک کر دریا میں کودنا چاہتے ہیں یا جلتی ہوئی آگ کی روشنی کو پکڑنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمیشہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُنہیں بہ جبر روکے رکھیں مطلق آزادی ہمیشہ ہی مفید نہیں ہوتی لیکن سچّی بات یہ ہے کہ ہندوستانی والدین کو نصیحت کرنے کی ضرورت زیادہ ہے کہ بچّوں کو آزادی دیجئے اور اُنکی بڑھتی ہوئی شخصیت کو ڈانٹ ڈپٹ سے بیکار نہ کیجئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ بچّوں سے غلطیاں زیادہ تر اس لئے سرزد ہوتی ہیں کہ گھر والے خود بدسلیقہ ہوتے ہیں۔ پانچ برس کی عمر کے بعد بچوں کا ماحول اس طرح منظم ہونا چاہئے کہ غلطی کا امکان کم ہو جائے۔ آتش بازی کا سامان۔ دھاردار چیزیں۔ زہریلی دوائیں۔ شیشے کے برتن۔ پانی کی بالٹیاں یا ہر وہ شے جن کے خراب ہو جانے کا امکان ہے یا جس سے بچّے کے چوٹ کھانا ممکن ہے۔ بچّے کے سامنے آنی ہی نہ چاہئیں یا اگر یہ چیزیں اُس کے

سامنے آئیں تو کسی راہبر کی موجودگی میں آئیں۔

بدزبانی بے تہذیبی اور خودغرضی کی غلطیوں پر بچہ کو اسکی بُرائیاں اسطرح محسوس کرانی چاہئیں کہ نہ تو وہ اُس پر گراں گذریں اور نہ شرمندگی ہوا ور وہ اُن سے گریز کرنے لگے۔ اپنی ذات کے علاوہ دوسروں سے بھی ہمدردی کرنا سکھا جائے۔ بعض والدین کے دار وگیر کا نرالا طریقہ ہے کہ وہ ہر وقت بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں۔ بُری باتوں پر بُڑ بڑانا اور صلواتیں سُنانا دراصل بُری باتوں پر بچوں کو آمادہ کرنا ہی نہ صرف بچوں میں صلواتیں سُنانے کی عادت پیدا ہوتی ہے بلکہ وہ اسے ایک مزاحیہ ڈرامہ سمجھ کر اس میں اچھی خاصی دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اُنہیں اس طرح ارتکاب جرم کا ایک روحانی چسکا سا پڑنے لگتا ہے۔ زبان سے سزا دینے کا یہ طریقہ بہت بُرا ہے اور ہمیشہ والدین کو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

ایسے الفاظ یہ لڑکا تو شیطان کا خالو ہے، بڑا شریر ہے۔ پاجی ہے، ہرگز زبان پر نہ لانے چاہئیں۔ یہ اُسے شریر بننے پر اُبھارتے ہیں۔ ہر وقت کی نکتہ چینی۔ روک۔ ٹوک۔ مار دھاڑ۔ عیب جوئی سے تنگ آکر خدا کی یہ معصوم ہستیاں بغاوت کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اور ایک باغی تزکیہ نفس کرنے سے عاری ہوتا ہے وہ جذباتی انسان بن کر رہ جاتا ہے۔ میرے خیال میں سزا خود جرم کی پیدائش میں افزائش کا سبب ہے۔ عام حالات میں بچہ مجرم نہیں ہوتا بلکہ تجربے کرنا چاہتا ہے اور اس میں اُس سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں یا وہ دوسروں کی نقل کرتا ہے تو اُن ہی کی جن کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور سنتا ہے لہٰذا میرے خیال میں انگریزی کی یہ مثل بالکل غلط ہے کہ

"ڈنڈا نہ استعمال کرو تو بچہ بگڑ جاتا ہے" میرے خیال میں صحیح یہ ہے کہ ڈنڈا استعمال کرو تو بچہ بگڑ جاتا ہے۔

(زبیدہ زرّیں (قلعہ گوالیار)

مسلمان خواتین اور لباس

آج جہاں اور باتوں کی اصلاح کی جارہی ہو وہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا ایک بہت بڑا باعث ان کا لباس ہے عموماً مسلمانوں میں اور خاص کر مسلم خواتین میں جتنا لباس اور زیور کا شوق ہوتا ہے اتنا اور کسی چیز کا نہیں۔ لباس فاخرہ اور زیور کے شوق نے ان کو آج تباہی و افلاس کے عمیق غار میں ایسا دھکیل رکھا ہے جہاں سے نکلنے کی انکو خواہش ہی نہیں ہوتی۔ ایک غریب سے غریب طبقہ کی عورت کو دیکھئے کھانے کو گھر میں پیسہ نہیں۔ دووقت کی روٹی بھی مشکل سے نصیب ہوتی ہے لیکن گوٹے کا ڈوپٹہ اور کارچوب نہیں تو چھوٹے سلمہ کی بیل کرتہ کے دامن پر ضرور لگی ہوگی پھر اُس پہ لباس کے ساتھ ساتھ زیور سے بھی آراستہ ہونا اُن کے نزدیک نہایت ضروری ہے۔ اور امیر اور متوسط درجہ کے گھرانوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ وہاں تو زیور اور لباس میں جتنا بھی تکلف برتا جائے کم ہے اعلیٰ طبقہ کی خواتین کا بغیر کارچوبی ساڑھی اور سونے کے جڑاؤ زیور پہنے کسی بڑی محفل یا تقریب میں نکلنا گناہ ہے اور آجکل زمانہ کی کچھ ہوا ہی ایسی ہے۔ جیسا کہ کپڑے اور زیور کی پرستار بیبیوں کو اکثر کہتے سُنا ہے "سچ ہے بُوا کپڑے اور زیور ہی سے آجکل عزت ہوتی ہے اور یہ تو حقیقت ہے کہ کسی جلسے محفل یا تقریب میں وہی خاتون جو مکلف اور بیش قیمت ملبوسات اور زیورات سے آراستہ ہو عزت کی کرسی پر بٹھائی جاتی ہے اور سب کی نگاہوں کا وہی مرکز بنتی ہے۔ ہر ایک خاتون کی نگاہِ انتخاب اسی پر پڑتی ہے اور ہر بی بی اُسی کی ہم نشین ہونے کی کوشش کرتی ہے اور اُس ہم نشینی کو فخر سمجھتی ہے لیکن ایک سادہ مزاج صاف ستھرے کپڑے پہننے والی خاتون ایک کونے میں گود تھامے بیٹھی ہے اُس کی طرف نگاہ بھی نہیں اُٹھتی جس طرح تتلیاں ایک حسین پھول کے گرد جمع ہو جاتی

ہیں اسی طرح ایک آراستہ اور پیراستہ خاتون کے گرد عورتیں جمع ہو جاتی ہیں۔

لیکن وہ خوبصورت پھول کس کام کا جس میں خوشبو نہو جس میں حسن سیرت اور اعلےٰ اخلاق کے اوصاف موجود نہ ہوں خواتین کو کیا معلوم کہ وہ لباس جو آج یہاں اُن کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ کتنے نقصان دہ اور خوفناک نتائج کا باعث ہوگا۔ ان کو کیا معلوم کہ لباس اپنے رفیق حیات کی زندگی کو کتنا تلخ بنا کر حاصل کیا گیا ہوگا۔

جب کسی تقریب انجمن یا محفل میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو میں نے بارہا بعض بیگمات کو یہ کہتے سُنا ہے کہ ہم کو تو اتنا سادہ لباس پہنکر جاتے ہوئے شرم آتی ہے، یا اگر ایک پُر تکلف جوڑا ہوا بھی تو وہ اس پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ اس پر دلیلیں یہ کہتی ہیں کہ یہ دو جوڑے بار بار استعمال کرنے سے لوگ سمجھیں گے کہ بس ان کے پاس کل کائنات یہی دو چار کپڑے ہیں جو بار بار پہن لیتی ہیں۔ چنانچہ زیادہ پُر تکلف کپڑے پہننے کی آرزو بڑھتی جاتی ہے پھر یہ آرزو کہیں رُکنے کا نام نہیں لیتی اور حد تو یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ چونکہ کپڑے معقول نہ تھے اس لئے اس تقریب میں شرکت سے معذور رہیں ان کی اصطلاح میں معقول کپڑے وہی ہو سکتے ہیں۔ جو گوٹا کناری۔ کرن پھول ٹھپہ اور کارچوب سے زیب دئیے ہوئے ہوں اور خواتین اُنہی چیزوں کو عزت و ناموس کی ایک نشانی خیال کرتی ہیں۔ غرضکہ عزت برقرار رکھنے کے لئے جب اپنے پاس کوئی معقول لباس نہیں ملتا تو پھر مستعار چیزوں سے کام نکالکر اپنی عزت برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

آجکل جوں جوں زمانہ ترقی پر ہے خواتین میں بیداری و اصلاح پیدا کرنے کی غرض سے مختلف انجمنیں وغیرہ قائم کی جاتی ہیں جہاں پر بارہا فاخرانہ لباس کو ترک کرنے اور سادہ لباس پہننے کی تلقین دی جاتی ہے لیکن افسوس کہ بہت کم خواتین ہیں جو اثر پذیر ہوتی ہیں۔ اس مرض میں مبتلا زیادہ تر مسلمان خواتین ہی پائی جاتی ہیں اور یہ دیکھ کر اور بھی زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔ ہمارا پیارا مذہب اسلام خود ہم کو فضول خرچی و بے جا اسراف سے روکتا ہے۔ خدا کا صریح حکم ہے کہ کھاؤ پیو، لیکن فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنیوالوں کو

پسند نہیں کرتا عزت و ناموس و نمائش کے لئے اپنے آپ کو تباہ نہ کرو۔

وہ بہترین آسمانی صحیفہ قرآن پاک جس میں دنیا بھر کی نیکی کی باتیں بھری پڑی ہیں ہم کو بے جا اسراف سے روکتا ہے لیکن مسلمان خواتین مطلق پروا نہیں کرتیں سب سے زیادہ فضول خرچی فاخرانہ لباس کی تیاری اور بیش قیمت زیورات کے خریدنے میں ہوتی ہے۔ لباس فاخرہ کے پہننے سے دل میں غرور اور تکبر پیدا ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں چنانچہ قرآن مجید میں اکثر جگہ لکھا ہے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اتراتے ہیں۔ یہ حکم معلوم ہو جانے کے بعد بھی اگر مُسلِم خواتین اپنے فاخرانہ لباس پر اترائیں تو خداوند تعالیٰ کی بہت گستاخانہ نافرمانی ہے۔

خواتین اسلام! نظر کیجئے تواریخ اسلام پر اور سبق حاصل کیجئے رسول اللہ صلعم کی عزیز بیٹی حضرت فاطمہ زہرا کی زندگی سے صرف یہی نہیں کہ مغربی تہذیب میں ڈوبی ہوئی خواتین ہی اپنی نمائش اور ملبوسات پر زیادہ توجہ دیتی ہیں بلکہ گھر میں بیٹھنے والی قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنیوالی خواتین کا بھی یہی حال ہے۔ مغرب کی عورتیں گو زرق برق لباس نہیں پہنتیں لیکن جو لباس وہ پہنتی ہیں وہ بھی بہت قیمتی ہوتا ہے مسلمان بہت مفلس ہیں ان کو مغربی عورتوں کی تقلید میں اپنے آپکو تباہ و برباد نہیں کرنا چاہیے جب مسلمانوں کو اسراف کا حکم ہی نہیں تو پھر کیوں کسی دوسری قوم کی پیروی کی جائے۔

اگر آج مسلمان اپنی اس سچی راہ دکھانے والی پاک کتاب پر عمل کرتے تو اس طرح مفلسی کے بھنور میں نہ پھنس جاتے خدا کی پناہ یہ دنیا کی تمام برائیوں کی جڑ ہے مفلس شخص اپنی مفلسی سے تنگ آکر ناچار ہو کر جرائم اور گناہ عظیم کا مرتکب ہوتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اپنے اُن اعمال سے وہ نہ صرف آپ کو ہی نہیں بلکہ اپنی ساری قوم اور مذہب اسلام کو بدنام کرتا ہے۔ افسوس جب ہم اخبارات اور رسائل میں پڑھتے اور زبانی سنتے ہیں کہ ان جرائم میں زیادہ تر مسلمانوں کا ہاتھ ہوتا ہے تو کلیجہ میں ایک برچھی سی لگتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ان کی مفلسی کی بدولت ہے۔

فضول خرچی مسلمانوں کی شاہانہ خو بو کا نیتجہ ہے۔ اس سے صرف یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مرد ہی فضول خرچ ہوتے ہیں۔ اس میں ایک حد تک عورتوں کا بھی ہاتھ ہے جو ان کو فضول خرچی کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ وہ ان کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اپنی وسعت سے زیادہ ان پر خرچ کرکے ان کی بے جا خواہشات اور تمناؤں کو پورا کریں

جھلملاتے کپڑے۔ گوٹے ٹھپّے اور کار چوب سے بِنے ہوئے ملبوسات جو کہ آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیں۔ جن پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہو خواتین کی عزت اور دلچسپی کا مرکز ہیں۔ عورت ان کو دیکھ کر پہنکر اپنا دل خوش کرتی ہے۔ صرف یہی چیزیں اُس کی خوشی کا سامان بہم پہنچا سکتی ہیں۔

قدیم زمانہ کا انسان چمک دمک دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ چنانچہ وحشی قبیلوں کا دل خوش کرنے کا ذریعہ ان کو چمکیلی اور جھلملاتی چیزیں پیش کرنا تھا۔ اُس کی عقل ایک بچہ کی طرح تھی جو چمکدار چیز کو دیکھ کر حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتا ہے اس کا دماغ سانچہ میں نہیں ڈھلا تھا۔ وہ نیک و بد میں تمیز کا مادہ بہت کم رکھتا تھا اُس نے اپنی عقل کا استعمال نہیں سیکھا تھا وہ ایک بچہ کی طرح یہ نہیں جانتا تھا کہ چمکیلی اور دلکش چیز سمجھ کر جس کی طرف وہ ہاتھ بڑھا رہا ہے جس کو وہ حاصل کرنے کی کوشش میں ہے وہ حقیقتاً آگ ہے جو اُس کا ہاتھ جلادے گی اس کے لئے ایذا رساں ہوگی بالکل اسی طرح آج بھی چمک دمک والے اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والے لباس کو پسند کرنے والی۔ اس پر جان چھڑکنے والی خواتین آج عقل کی ایسی اسٹیج میں ہیں جس میں قدیم زمانہ کا انسان تھا۔

ابھی چند دن کا ذکر ہے کہ ایک اصلاحی جلسہ میں ایک معزز خاتون فاخرانہ لباس پہننے خلاف تجویز پاس کرانا چاہتی تھیں کہ حاضرین خواتین میں سے ایک نے ماتھے پر بل چڑھا کر ناک پر انگلی رکھکر جو کہ چوتھی کی دلہن بنکر آئی تھیں۔ اپنے پاس بیٹھی ہوئی ایک خاتون سے کہا اے بُوا یہ کیسی تجویز ہے۔ ہم تو اس سے متفق نہیں کہ جلسے میں آئیں اور سادہ لباس پہنکر آئیں۔ اللہ نے جس کو اچھا دیا ہے وہ تو

اچھا ہی پہنکر آئے گا۔ افسوس اور صد افسوس ایسی ذہنیتوں پر۔

ہندو خواتین میں فضول خرچی بالکل نہیں ہے۔ وہ سادہ لباس پہنتے ہیں اور اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں اپنی عار نہیں سمجھتیں اگر مسلم خواتین اپنی قوم کو پھر ایک مرتبہ ترقی یافتہ اور سرسبز اور دوسرے ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش دیکھنا چاہتی ہیں تو میری یہ التجا ہے کہ وہ اپنی بے جا خواہشوں اور اسراف کو ترک کر دیں جو ان کو قرض اور فضول خرچی کی فضول تعلیم دیتے ہیں۔

عقیلہ شاکرہ

اللہ والے

قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا

ہیں دوسروں کے واسطے سیم و زر گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولھا بجھا ہوا

کسرا کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

دستِ دعا اُنہی کے لئے عرش تک بلند
ہے جن کی آستین میں خنجر چھپا ہوا

بوتے رہے جو رستے میں کانٹے تمام عمر
پھولوں میں ایک ایک ہے آکر تُلا ہوا

احسان کی نوید سپید و سیاہ کو
سب کے لئے دریچۂ رحمت کھلا ہوا

جن کے یہ سارے کام ہیں اللہ کے لئے
پھر کیوں نہ رتبہ سب سے ہو انکا بڑھا ہوا

خورشید و ماہ و انجم و لیل و نہار پر
ان کی ہی للّٰہی کا علم ہے گڑا ہوا

تیور بدل گئے تو زمین کانپنے لگی
ابرو کے اک اشارے سے محشر بپا ہوا

یثرب سے آج بھی یہ صدا گونجتی سنو
وہ جو خدا کے ہو گئے اُنکا خدا ہوا

(مولانا ظفر علی خاں)

ہماری مذہبی لاپرواہی
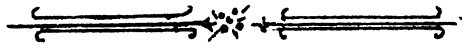
آجکل چاروں طرف سے یہ شکایت سُننے میں آتی ہے کہ مسلمان خواتین مذہب کی بے بالکل پرواہ نہیں کرتیں اور مغربی تعلیم وتہذیب نے ان کے دل سے مذہب کی وقعت کم کردی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ شکایت کچھ واقعات کے خلاف بھی نہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمان خواتین پر ہی کیا منحصر ہے مسلمان مرد بھی عام طور پر برائے نام مسلمان رہ گئے ہیں۔ یہ سب شکایات ہمارے سر اور آنکھوں پر۔ میں قوم کے ہمدرد بزرگوں اور طبقہ علماء سے یہ پوچھنے کی جرأت کرتی ہوں کہ کبھی اُنھوں نے ٹھنڈے دل سے اس بات کبھی غور کیا ہے کہ مذہب کی طرف سے اِس قدر بے پرواہی کیوں بڑھ گئی ہے۔

اِس موضوع پر میرا کچھ لکھنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے تاہم بہت غور کرنے کے بعد اس مرض کا ایک ہی علاج میری سمجھ میں آتا ہے وہ یہ کہ قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں ہے اور عام طور پر لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں اس لئے قرآن مجید نہیں سمجھ سکتے اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ ہم لکیر کے فقیر بنے رہیں۔ قرآن مجید کا اُردو ترجمہ جب آسانی سے ہر شخص پڑھ سکے گا۔ تو اُس پر خدا کے کلام کی خوبیاں ظاہر ہو جائیں گی آپ ترجمہ بلا متن کے بے کم و کاست اسی ترتیب کے ساتھ شائع کریں اور ہر پارے اور سورۃ کے ساتھ رکوع رُبع وغیرہ کے نشان بھی دیں۔

اللہ کا نام لے کر اب چھاپنا شروع کردیجئے۔ ترجمہ مشکل نہو نہایت آسان اور سلیس ترجمے کی ضرورت ہے جس کو بچے بھی سمجھ سکیں۔ طبقۂ نسواں پر کیا سب مسلمانوں پر یہ بڑا احسان ہوگا۔ قرآن شریف کو بے وضو نہیں چھو سکتے اور اکثر وضو کے آلکس میں تلاوت

تلاوت سے ہی محروم رہ جاتے ہیں۔

سب مسلمان اب بلا قید و بلا تکلف اس ترجمہ کو آسانی سے ہر وقت پڑھ کر نور ایمان حاصل کر سکیں گے ممکن ہے کہ اسلام کی خوبیاں دوسرے مذاہب والوں کے دلوں پر بھی اثر کر جائیں۔ یہ تبلیغ ہر مسلمان کا فرض ہے۔

چند ضروری امور بھی گذارش کرتی ہوں کہ ترجمہ الگ چھاپنے میں اصل قرآن مجید میں کوئی تحریف ممکن نہیں۔ کلام مجید دُنیا میں پھیل چکا ہے اور ہر ملک میں دستیاب ہو سکتا ہے انگریزوں نے انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا لیکن اصل قرآن مجید کی عبارت میں ابتک کوئی فرق نہ آسکا۔ قرآن مجید کی حفاظت تو خود اللہ نے اپنے ہاتھ میں لی ہے اس لئے یہ اعتراض فضول ہے۔ لاکھوں آدمی اس وقت ایسے موجود ہیں جن کے سینوں میں قرآن مجید محفوظ ہو چکا ہے۔ اور ہر زمانے میں قرآن مجید کو حفظ کرنے والے مسلمان کثرت سے موجود رہے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔

ممکن ہے کہ ایک ترجمہ کے شائع ہونے کے بعد اور ترجمے بھی شائع ہوں۔ جس کا ترجمہ ہوگا اُسی کے نام سے مشہور ہوگا۔ بہر حال یہ اصلاح بڑی ضروری اور اہم ہے۔ اس پر اگر آج کل بھی کسی کو اختلاف ہو تو ہماری بدنصیبی ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو نور ایمان حاصل کرنے سے محروم رکھا جاتا ہے۔

میرے خیال میں مسلمان نوجوانوں کو بھی ترجمہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہر گھر میں آپکا ترجمہ پہنچ گیا تو انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ اللہ کا نور کس قدر جلد روشنی پھیلاتا ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ آپ کے کام میں برکت دے اور وہ انشاء اللہ ضرور دیگا مسلمان اگر غور کریں تو بڑی اہم خدمت ہے جو آپ نے اپنے ذمہ لی ہے جو نمونہ آپ رسالہ انیس نسواں کے ہر پرچے میں چھاپ رہے ہیں اُس کے سلیس ہونے میں تو کوئی شک نہیں لیکن حوالہ یا آیت کا نمبر نہیں ہوتا اگر اس کا آئندہ التزام ہو تو بہتر ہے۔　　زیب النسا سلمہ (از شاہجہاں پور)

پمیلا پیرس میں

پمیلا ایک نوعمر لڑکی ہے جو امریکا سے پیرس کی سیر کو آئی ہے۔ کیلاں ایک اور امریکائی خاتون اُس کے ہمراہ ہے۔ وہ ادھیڑ عمر کی ہے اور مزاج میں متانت ہے پمیلا کے ماں باپ خوشحال ہیں اور اُس کی سیر کا خرچ بھیجتے رہتے ہیں۔ کیلاں تصنیف و تالیف سے روزی کماتی ہے۔ اور اپنے خرچ سے پمیلا کی رفاقت کا حق ادا کر رہی ہے۔ دونو کو سیاحت کا شوق ہے اس لئے ایک دوسرے کے ساتھ ہو لی ہیں۔ تقاضائے جوانی سے پمیلا کی طبیعت بے تاب واقع ہوئی ہے۔ جو جی میں آئے چاہتی ہے کہ فوراً ہو جائے۔ کیلاں کو دنیا کا تجربہ ہو چکا ہے اور پڑھی لکھی اور باخبر بھی زیادہ ہے۔ وہ ترکیب سے اپنی جوان سہیلی کو سنبھل کر چلنے میں مدد دیتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسے فرانس کے اور خاص کر پیرس کے تاریخی حالات سے اچھی واقفیت ہے۔ جہاں وہ دونو جاتی ہیں۔ پمیلا ہمہ تن سوال ہوتی ہے اور کیلاں اُس کے سوالوں کا جواب دیتی ہے۔

کیلاں نے اس سفر کے بعد ایک چھوٹی سی کتاب شائع کی ہے پینتالیس مختلف جگہیں اُنہوں نے مل کر دیکھیں اُن سب کے متعلق معلومات یا تاثرات اس کتاب میں درج ہیں۔ اُن میں سے چند نمونے دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔

پیرس کی نسبت عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ فرانس کی رنگینیوں کا مرکز ہے اور لوگ وہاں صرف عیش و تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ رنگینی اور تفریح کا پہلو وہاں موجود ہے اور یورپ کے کئی اور شہروں سے زیادہ بہتر ہے۔ جنگِ عظیم سے پہلے پیرس اور وائنا دو شہر اس بارے میں مشہور تھے۔ وائنا پر جنگ کے بعد بہت تباہی آئی۔ اور پچھلے سال اُسکی رونق اور بھی کم ہو گئی۔ پیرس میں رنگینی ابھی باقی ہے گو اُس میں بھی وہ بات نہیں جو

جنگ سے پہلے تھی۔

پمیلا اور اُس کی سہیلی کے سفر نامے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ پیرس کی سیر میں تاریخی متانت اور سامان عبرت بھی موجود ہے۔ ہر شخص ہر شہر سے اپنے اپنے مذاق کے مطابق تاثرات لے سکتا ہے۔ اور جس رنگ کی عینک لگا کر دیکھیں ویسے ہی مناظر نظر آئیں گے۔ کیلان تاریخ داں ہے۔ وہ ہر نئی جگہ کو دیکھ کر یاد کرتی ہے کہ وہاں پہلے کیا تھا۔ اور ہر پُرانی عمارت پوچھتی ہے کہ اُس نے کیا کچھ دیکھا ہے۔ ہر آبادی اسے یاد دلاتی ہے کہ وہ کتنی بربادیوں یا خونریزیوں کی جانشین ہے۔

پمیلا اور کپلان کے مکالمے پڑھتے وقت مجھے یہ حکم یاد آرہا تھا " فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ " یعنی سیر کے لطف اُٹھاتے ہوئے چشم عبرت کھولے رکھو۔ امریکہ کے لوگوں کی شہرت تو یہ ہے کہ وہ نہایت سطحی نگاہ سے ہر مقام کو دیکھتے ہیں۔ مگر یہ دو عورتیں باآں میں سے ایک عبرت حاصل کرنے پر مائل تھی۔ معلوم نہیں یہ مکالمے واقعی ہیں یا صرف کپلان کے تخیل کا نتیجہ مگر دونوں صورتوں میں قابلِ توجہ ہیں۔

پہلا دن۔ (پمیلا کا جوش اور بیتابی)

صبح کے ناشتہ کے بعد پمیلا چست اور موزوں لباس میں ملبوس سیر کو اکیلی نکلتی ہے اور اپنی سہیلی سے کہہ رہی ہے " اب میں پانچ بجے سے پہلے تو کیا آؤنگی میرا ارادہ ہے کہ پہلے تو لوور کا سارا تصویر خانہ گیارہ سے بارہ بجے تک دیکھ لوں۔ پھر دو اور جگہیں دیکھ کر ایفل ٹاور کی سیر کروں۔ ڈیڑھ بجے دوپہر کا کھانا کھاؤں۔ پھر دو اور چیزیں دیکھ کر چڑیا گھر کے باغ کو دیکھ آؤں "

کپلان نے اتنے ارادے سُن کر تعجب کا اظہار کیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اتنی چیزیں ایک دن میں نہیں دیکھی جاسکتیں۔ پمیلا نے اس تعجب کی تحقیر کی اور کہا۔

" آدمی ہمت کرے تو کیا نہیں ہوسکتا " اور یہ کہکر چل پڑی۔ ساڑھے تین بجے لنگڑا کر

چلتی ہوئی واپس آئی۔آتے ہی جوتا اُتار کر اُسے ٹھوکر ماری اور دور پھینک دیا۔ اور سوفے پر دراز ہو کر بولی۔ میں تو تھک کر چُور ہو گئی۔ بلکہ مر گئی ہوں۔ اب مجھے ہفتہ بھر کہیں جانے کو نہ کہنا'

کیلاں نے اس کے لئے گرم غسل تیار کر رکھا تھا اور نہا کر پہننے کے آرام دہ کپڑے نکال کر رکھے تھے۔ چا ء کے لئے گرم پانی بھی تیار رکھا تھا۔ تھوڑی دیر سستا کر اور نہا دھو کر پمیلا نے چاء پی۔ اور آگ کے پاس بیٹھی تو ذرا حواس بجا ہوئے کہنے لگی۔

"واقعی تمہارا خیال درست ہے بہتر ہوگا کہ ہم ایک آدھ چیز روز دیکھیں اور حرص کے پانو زیادہ نہ پھیلائیں"۔

شام ہوئی تو پمیلا اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر باہر کا نظارہ دیکھنے لگی شہر اُس وقت روشنی سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا اُس کے لاکھوں چراغ رقصاں تھے۔ اور چمک رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیرس اپنے بازو پھیلائے اُسے "خوش آمدی" کہتا ہوا اپنی طرف بلا رہا ہے۔ پمیلا متاثر ہو کر اپنی سہیلی سے مخاطب ہوئی اور جوش سے اُس کے بازو پکڑ کر فرط خوشی سے کہا "اے بہن آؤ ہم اس دریائے نور میں غوطہ لگائیں۔ ذرا سنبھل کر۔ مگر پہم"۔ اتنے میں اُس نے جمائی لی۔ اور بستر کی طرف بڑھی۔ دن بھر کی تھکی ہوئی تھی۔ دریائے نور کی جگہ دم بھر میں خواب گراں کے آغوش میں سو گئی۔

دوسرا دن (پیرس کی مارکیٹ[۱])

پمیلا نے اپنی سہیلی سے کہا آؤ آج یہاں کی مارکیٹ دیکھیں میں نے اُس کی بہت تعریف سُنی ہے"۔ دونو روانہ ہوئیں اور پھولوں کی دوکانوں کو دیکھتی ہوئی مارکیٹ کی طرف گئیں یہ مارکیٹ بائیس ایکڑ کا رقبہ گھیرے ہوئے ہے اور اس کے مسقف بازاروں اور گلیوں میں میوہ اور سبزی کی بڑی بڑی دوکانیں ہیں جن میں اشیا خوردنی انبار در انبار سجی ہوئی ہیں۔

---

[۱] یہ حصہ صرف تسلسل کے لئے درج کیا ہے اور بہت مختصر کر دیا ہے۔

جن سے لاکھوں آدمیوں کے کھانے کا سامان روز باہر جاتا ہے۔"

تیسرا دن ۔" پلاس ڈلاکانکارڈ"

یہ ایک خوشنما وسیع مربع میدان ہے جو تاریخی اعتبار سے بھی مشہور ہے اور سجاوٹ اور خوبصورتی کے لحاظ سے بھی ہر سیاح کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کی شان دیکھ کر دونوں سہلیاں ذراسی دیر کے لئے دم بخود رہ گئیں۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھیں۔ گویا اُسکی تاریخی روایات سے مرعوب ہیں۔ بڑی سہیلی اس جگہ کی المناک تاریخ یوں بیان کرتی ہے۔

" کہاں جدید تہذیب کا یہ تازہ ترین نمونہ۔ اور کہاں وہ مہیب مناظر جو اس قطعۂ زمین نے ۱۷۹۲ء کے انقلاب کے زمانہ میں دیکھے۔

"گلوٹین" کا سا خوفناک آلۂ قتل۔ جس کا موجد ڈاکٹر گلوٹین آخر خود اسی سے مارا گیا۔ اسی مقام پر نصب ہوا تھا۔ ملکہ میری، انتوانیت کی جان بھی گلوٹین نے لی۔ اور روبسپیر جس نے کئی اپنے ہم عصروں کو ہلاک کروایا تھا۔ آخر یہیں بے رحمی سے مارا گیا۔

پمیلا، میدان کی طرف غور سے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے گزرا ہوا زمانہ مبدل بہ حال ہو گیا ہے اور اُس وقت کے بھیانک مناظر اُسکی آنکھوں کے سامنے آگئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ چونکی۔ جیسے کوئی خواب دیکھکر جاگتا ہے اور بولی "توبہ! ۔ خدا کی پناہ۔"

جب دونوں سہیلیاں گھر آئیں۔ تو پمیلا نے آگ کے پاس بیٹھ کر پاؤں پھیلا دئے اور کہنے لگی "میں بے حد تھک گئی ہوں" کیلان نے کہا۔ کانکارڈ کا میدان یہاں سے اتنا دُور تو نہیں کہ آدمی اتنے میں تھک جائے اور تم اپنی جفاکشی اور مضبوطی کی ڈینگ مارتی رہتی ہو۔

پمیلا نے جواب دیا۔

" مگر یہ بھی تو خیال کرو کہ میں اٹھارہویں صدی سے ہوتی ہوئی یہاں پہونچی ہوں۔

چوتھا دن ۔ (دستاویزات قدیم)

پمیلا کے ہاتھ میں ایک پرچہ ہے جس پر دھوبی کا حساب لکھا ہے وہ اُس کی گولی سی بنا کر اُچھال رہی اور اُس سے کھیل رہی ہے اور کہتی ہے "اس کاغذ سے کم دلچسپ بھی کوئی دستاویز ہو سکتی ہے؟"

کپلاں ۔ اگر تمہیں دلچسپ دستاویزات دیکھنے کا شوق ہو تو آؤ تمہیں دکھلاؤں۔

پمیلا ۔ ضرور مجھے بہت شوق ہے ۔ ابھی چلو کہاں چلنا ہے ۔

جھٹ ایک گاڑی منگوائی گئی اور وہ "آرکا ئوز نیشنال" دیکھنے کے لئے گئیں ۔

اس عمارت میں چار لاکھ دستاویزات محفوظ ہیں ۔ ملکی معاہدے مُہریں ۔ سِکے ۔ سِکوں کے سانچے اور بے شمار خطوط ۔ ایک کاغذ ہے جس پر وہ سوالات درج ہیں جو ملکہ میری انتوانیت سے انقلابی عدالت میں پوچھے گئے تھے ۔ ایک شاہزادے کی لکھی ہوئی ٹیڑھی سیدھی سطریں اسی قسم کے سوالوں کے ساتھ منسلک تھیں ۔ اُن کو دیکھ کر پمیلا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ۔ ایک کاغذ پر ملکہ الزبتھ کے دستخط تھے ، لوئیس شانز دہم کا ایک روزنامچہ تھا جس کی تین جلدیں تھیں ۔ چار بجے تک پمیلا اور کپلاں عجائبات دیکھتی رہیں اور اُس کے بعد تھکی ماندی اپنے مسکن پر آئیں ۔

کوچۂ صلح

پانچواں دن ۔

پیرس میں ایک مشہور بازار ہے جسے رُو دَلاپے یعنی صلح کا کوچہ کہتے ہیں یہاں بڑی بڑی دُکانیں ہیں جن میں عورتوں کی پسند کی چیزیں مثلاً زیورات ۔ بٹوے ۔ دستانے ۔ ٹوپیاں وغیرہ بکثرت بکتے ہیں ۔ یہ دن اس بازار کی نذر ہوا ۔ گو دونوں سہیلیوں کو خریداری مقصود نہ تھی ۔ مگر ایسی دوکانیں عورتوں کے لئے جاذب نگاہ ہوتی ہیں ۔ اور آئینوں

والی کھڑکیاں اُن چیزوں سے ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جگہ جگہ انہیں دیکھنے کو رُکنا پڑتا ہے

چھٹا دن - نیا پل -

پیرس دریائے سین کے کنارے واقع ہے اس پر اکتیس ۳۱ پُل ہیں۔ اُن میں "پونٹ نف" یعنی نیا پُل بہت مشہور ہے جب یہ نام رکھا گیا ہو گا نیا ہو گا۔ اب سب سے پُرانا ہے۔

جہاں یہ دونو سہیلیاں مقیم تھیں وہ مکان دریائے سین کے ایک کنارے پر تھا۔ دوسرا کنارہ ان کے کمرے سے دکھائی دیتا تھا۔ اُس دن درختوں کی چوٹیاں سر ہلا ہلا کر اُنہیں بلا رہی تھیں سامنے کے مکانوں کے در و بام کو دھوپ دلکش بنا رہی تھی اور دریائے سین کا صاف اور اُچھلتا ہوا پانی اُن کا خیر مقدم کر رہا تھا۔ بمیلا اُدھر دیکھتے دیکھتے بولی۔

" یہ کنارہ بھی اچھا ہے۔ مگر اُدھر کا کنارہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے چلو اُسے دیکھیں۔

ایک ٹرام پل کی طرف جاتی ہے یہ دونوں اُس پر سوار ہو گئیں اور پُل پر جا پہنچیں۔

ایک زمانے میں اِس پُل کے محرابوں کے پاس بہت بھیڑ رہتی تھی۔ مداری تماشے دکھاتے تھے۔ اخبار والے اخبار بیچتے تھے۔ اور بے فکرے اور گٹھ کترے بھی لوگوں کا ہجوم دیکھ کر جمع ہو جاتے تھے اور موقع ملتا تھا تو مال چرا لیتے تھے۔ سولھویں صدی میں ایک مشہور ہجو نویس شاعر اپنا ہجو آمیز کلام اِس پل پر کھڑے ہو کر سنایا کرتا تھا۔ اور لوگوں کو محظوظ کرتا تھا یہاں تک کہ اس مقام کو ظریفانہ اشعار کے باعث اتنی مناسبت ہو گئی تھی کہ اگر کہنا ہو کہ فلاں شخص نے اپنی نظم میں ایک اچھا لطیفہ کہا ہے۔ تو کہتے تھے ایک "پونٹ نف" کہا

اِس پل پر شاہ ہنری چہارم کا ایک مجسمہ ہے اُس کے قریب لوئیس سیزدہم کے زمانے میں اس کے ایک وزیر کی لاش جلائی گئی تھی۔ اور یہیں "نائٹس ٹمپلر" کی مشہور جماعت کے ایک سرگروہ کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔

(شاید کسی دن پھر ہم ان دونوں کے ساتھ شہر کے اور حصے دیکھیں)

(عبد القادر از لندن)

بناؤ سنگار

بننا سنورنا ایک فطری میلان ہے اور اس کو بُرا کہنا یا روکنے کی کوشش کرنا گویا انسانیت اور تہذیب کو مٹانا ہی لیکن بناؤ سنگار کے لئے عقل سلیم کی ضرورت ہے اور جن قوموں کو خدا تعالیٰ نے عقل سلیم نسبتاً زیادہ عطا کی ہے۔ اُن کے بناؤ سنوار میں بھی زیادہ نفاست اور دلفریبی ہے۔ لمبی صراحی دار گردن عورتوں کے لئے بے شک باعثِ زینت ہے۔ لیکن جب بعض (بربریسز) قوموں کی گردنوں کو دیکھا جاتا ہے۔ جنہوں نے لوہے کے طوق ڈالکر اپنی گردنوں کو بے ڈھنگا کر لیا ہے تو اُس ذوق سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح افریقہ کی بعض اقوام گدوانے کی حد سے بڑھ کر جب اپنے چہروں کو گرم لوہے کے داغوں سے مزین کرتی ہیں تو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

دُور کیوں جائیے خود ہمارے مُلک میں تھوڑے ہی دن ہوئے کہ کانوں میں بھاری بالیاں اور زیور پہنے کا رواج تھا جس سے لوئیں لٹک کر کندھوں تک آجاتی تھیں۔ اور انکا چر جانا تو کوئی بات ہی نہ تھی۔ اِن مثالوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ بناؤ سنگار کے لئے نفاستِ ذوق اور عقل سلیم کی بے حد ضرورت ہے اور روپیہ پیسہ اور تقلید کی اتنی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ اکثر خیال کیا جاتا ہے جب کسی قوم پر ادبار آتا ہے اور دوسرے کی محکوم ہو جاتی ہے تو اُس کا ذوق بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اپنی معاشرت اور طرز زندگی برا معلوم ہونے لگتا ہے اور اندھی تقلید شروع ہو جاتی ہے۔ پچھلے ڈیڑھ سو یا دو سو برس کے عرصہ میں مغربی حکومت کی وجہ سے ہماری تہذیب اور تمدن پر بے حد اثر ہوا ہے۔ چنانچہ بناؤ سنوار میں بعض ایسی باتیں جو ہمارے خدوخال، ہمارے رنگ، ہماری قومی روایات اور اقتصادی حالات سے تناسب نہیں رکھتیں اختیار کر لی گئی ہیں۔

بناؤ سنگار کے لئے بڑی چیز موزونیت ہے۔ مسّی کی دھڑی بھی بعض رنگتوں پر اتنی ہی بدزیب معلوم ہوتی ہے جیساکہ آجکل کی سُرخی۔ اگر رنگ اور شکل و صورت کا خیال کرکے یہ لگائے جائیں تو دونوں دلفریبی کی شان پیدا کرسکتے ہیں۔ یہی حال مختلف قسم کے اپٹنوں اور غازوں کا ہے انگلیوں پر رنگ کرنے کا رواج عورتوں میں مُدت سے چلا آرہا ہے۔ پہلے مہندی اور دوسرے رنگ استعمال ہوتے تھے۔ اب ولایتی رنگوں کا فیشن ہوگیا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کالی کالی انگلیوں میں کیا مہندی نے کبھی رعنائی اور دلکشی پیدا کی تھی جو اب انگریزی رنگ پیدا کرینگے

بالوں کی تراش اور سنگار میں ہندوستان کا یورپ کی تقلید کرنا کسی طرح بھی سراہا نہیں جاسکتا۔ یورپ نے جو پچھلے بیس پچیس برس میں کانٹ چھانٹ کی اس کے کچھ تو اقتصادی اسباب تھے اور کچھ موسم کی وجہ تھی کہ سردی کی وجہ سے غریبوں کو چھ چھ مہینے نہانا نصیب نہ ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں چوٹیوں اور جوڑوں کی آرائش کی جو طرح طرح کی وضعیں ہندوستان میں دو ہزار برس سے رائج ہیں وہ یورپ کو کبھی بھی نصیب نہیں ہوتیں۔ ہمارے ملک میں خدا کے فضل سے پانی کی افراط ہے اور موسم بھی ایسا ہے کہ دن میں چار دفعہ بھی نہالو تو صحت کے لئے مضر نہیں۔ اگر ایسے حالات میں یورپ کی تقلید کی جائے تو سوائے بدذوقی کے کوئی خاص لطافت کی شان نظر نہیں آتی۔

لباس کے بارے میں ہماری صنفِ نازک نے ہمیشہ افراط و تفریط کی ہے۔ غدر سے پہلے ڈھیلے پجامے اور انگیا کرتی کچھ بازیب لباس نہ تھے خصوصاً جن کا ڈیل ذرا بھاری ہوتا تھا اُنکے لئے انگیا کرتی عجب تماشے کا سامان ہو جاتی تھی۔ غدر کے بعد کرتے کا رواج ہوا جس نے اس بے ڈھنگے پن کو ذرا کم کیا۔ لیکن کرتے کے ساتھ تنگ پاجامے نے عجیب ہنگامہ بپا کر دیا جن کی پنڈلیاں دُبلی تھیں وہ پھنسے ہوئے پاجامے میں نہایت بدنما معلوم ہونے لگیں۔ آج کل کی ساڑی ستر اور رعنائی دونو لحاظ سے بہت دلکش ہے لیکن شلوکوں اور صدریوں کی وضع میں بدن کی موزونیت کا ضرور خیال رکھنا چاہئیے۔

ورنہ وہی بے عنوانی پیدا ہو جائے گی جو انگیا کرتی نے کی تھی۔

عورتوں کے لباس میں بدن کے سڈول پن کو نمایاں کرنے کا خیال تو ہمیشہ رکھنا پڑیگا۔ اور یہ خیال موجدین لباس نے ہمیشہ رکھا بھی ہے۔ لیکن ساتھ ہی عریانی کے میلان کو ہمیشہ روکنا چاہئے۔ کیونکہ اس میلاں کے نتیجے کسی وقت میں بھی اور کسی جگہ بھی اچھے نہیں نکلے۔

میں نے ابتدا میں لکھا ہے کہ بناؤ سنوار کے لئے روپیہ کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی اچھے ذوق کی۔ آٹھ دس روپیہ کی خوش رنگ اور خوش وضع ساڑی سے بھی وہی دلکشی اور دلربائی کی شان پیدا ہو سکتی ہے جو پانچ سو روپیہ کی ساڑی سے لیکن اکثر دیکھا گیا ہی کہ بہنیں بھاری لباس کو وقت اور بے وقت موسم اور بے موسم استعمال کرتی ہیں۔ جس سے ان کی خوش ذوقی کی بجائے پھوڑپن ظاہر ہوتا ہے۔ زیور کا بھی یہی حال ہے لادلینے میں کوئی خاص ادا نہیں نکلتی۔ ہمارا ملک نہایت غریب ہے۔ اس لئے لباس زیور اور آرائش اور زینت کے سامان میں ہمیشہ کفایت کو مدِنظر رکھنا چاہئے۔ یورپ میں بھی جنگ عظلی سے پہلے پیرس کے فیشن نے زندگی کے سازوسامان کو بیحد گران کر دیا تھا۔ لیکن اب میلان یہی ہے کہ جہاں تک ہو کفایت کو مدنظر رکھا جائے تاکہ زندگی کے لوازم غریب اور امیر سب کو یکساں میسر آسکیں۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ بننا سنورنا ایک اچھا میلان ہے جس کو ہرگز رکنا نہ چاہئے۔ اس سے طبیعت کو فرحت ہوتی ہے جو قومی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بننے سنورنے کیلئے اچھے ذوق کی ضرورت ہے جو تربیت سے حاصل ہو سکتا ہے تربیت ماں کی عادات اور خصائل سے بھی ہو سکتی ہے اور مدارس میں نصاب کے ذریعہ سے بھی۔ بناؤ سنوار کے لئے روپیہ کی ضرورت نہیں۔ بہت سے امیر بھی بدذوقی میں مبتلا ہیں۔ بناؤ سنوار میں عفت اور شعار اسلامی کو ملحوظ رکھنا چاہئے ورنہ بے غیرتی تباہی میں مبتلا کر دے گی۔

غلام یزدانی (از حیدرآباد دکن)

مشرق اور مغرب کا مقابلہ

آج مشرقی مرد اپنی عورتوں کو آزادی کے اُس راستہ پر گامزن کرانے کی کوشش کر رہے ہیں جس پر چند سال پہلے مغرب والے اپنی عورتوں کو کرا چکے ہیں۔ اگر آج وہ اس آزادی کی بُرائیوں کا اعلان نہ کرتے تو پھر مشرق والوں کی یہ کوششیں حق بجانب تھیں۔ لیکن ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آج مغرب کا کوئی حساس اور دردمند انسان ایسا نظر نہیں آتا جو اس کام کا ماتم نہ کر رہا ہو۔ اس کے بعد یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آسکی کہ کیوں ہمارے مشرقی بھائی اپنی عورتوں کو وہی آزادی دلانے پر اس قدر تلے ہوئے ہیں کہ جس کو مغرب اب تک دلا کر پچھتا رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے نزدیک ان کا یہ تخیل کوئی نیا تخیل نہیں ہے۔ ع

آنچہ اُستاد "منم" گفت ہماں می گویم

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کی "حکومت اور قوت" عورتوں سے چھن کر مردوں کے حق میں منتقل ہوگئی ہے اور بعض حضرات نے تو اس میں کمال ہی کر دیا ہے کبھی لڑکیوں اور کبھی لڑکوں کو ملا کر کھیل تماشے کروانے کا اہتمام کیا جاتا ہے تو کبھی لڑکیوں اور لڑکوں کے امتحانات کا مرکز یک جا قرار دیا جاتا ہے۔ غرض یہ سب کچھ انہی کی تقلید میں کرایا جا رہا ہے جس سے آج وہ خود بیزار اور تنگ آچکے ہیں۔ کاش مشرق والے اس میں کوئی تنوع پیدا کرتے مگر کہاں ؎

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے ٭ وہی فطرت اسد اللہی وہی مرحبی وہی عنتری

اگر ان حضرات کی یہ کوششیں اسی طرح جاری وساری رہیں تو کوئی تعجب نہیں کہ مشرق والوں کو بھی وہ روز بد دیکھنا نصیب ہوگا کہ جس کو آج مغرب والے دیکھ رہے ہیں۔

ناظرین کرام سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہاں کے ایک مدرسہ نسواں کی حالیہ مخلوط نمائش اور اداکاری کی نہ صرف ملک کی اکثریت نے محض اسی بنا پر سختی کے ساتھ مخالفت کی تھی کہ لڑکوں کو لڑکیوں سے قریب کرنا یا تمثیل کے ذریعہ اُن سے نورجہاں اور جہانگیر کی داستان عشق دہرانے کا نفسیاتی مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اُن میں قبل از وقت جنسی خواہشات پیدا کرائے جائیں جس پر ہمارے بلند خیال اور وسیع النظر بھائی جذبہ میں آ گئے اور ہمیں سمجھانے لگے کہ اس قسم کی بدگمانیاں ظاہر کرنا خود اپنی ہی پست خیالی اور تنگ نظری کا ثبوت دینا ہے۔ وہ یہ بھی فرمانے لگے کہ "وہ زمانہ گزر چکا جب عورت ایک کھلونا تھی۔ اب اس میں رمق حیات پیدا ہو چکی ہے اور وہ اس قدامت کی "قیصریت" کو خوب سمجھنے لگی ہے۔

خیر ہم پست خیال اور تنگ نظر ہی سہی۔ لیکن ڈاکٹر ہنری کیش ایم۔ ڈی کو کس خیال اور کس نظر کا انسان کہیں جو ہندوستان میں نہیں پراگ یونیورسٹی (زیچوسلویکا) میں طبیات کا پروفیسر اور ایک ماہر فن ہے وہ اپنی کتاب "سکسول لائف آف ویمن" میں ایک جگہ یوں لکھتا ہے کہ :-

"آجکل ہمارے "اعلیٰ" طبقہ میں جو تعلیمی نظریات چلے ہوئے ہیں وہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جو عورت کی صحت جسمانی اور دماغی کے حق میں مفید ہوں ہر روز طرح طرح کے محرکات سے اُس کے قوائے تحریک کو بیدار کیا جاتا ہے عجائب خانوں، تصویر گھروں اور تھیٹروں کی سیر، جدید افسانوں کا مطالعہ تفریح گاہوں میں مرد و زن کا آزادانہ اختلاط یہ سب محرکات مل کر ان قوتوں کو کہیں زیادہ قبل از وقت بیدار کر دیتے ہیں جنہیں قدیم طرز کی تعلیم مدتوں خفیہ رکھتی تھیں۔ پھر ماں کی نگرانی نوخیز لڑکیوں سے الگ اٹھتی جاتی ہے۔ اس لئے اب ماں کو سوسائٹی کے عائد کئے ہوئے فرائض سے اتنی فرصت کہاں کہ وہ گھر کے مشاغل کے لئے وقت نکال سکے بچیوں کے دماغ میں جس پر دماغی

محنت کا بار پہلے ہی سے ہوتا ہے جدید خیال پٹھونس دیا جاتا ہے کہ عشق و محبت کے باب میں مرد و عورت مساوی ہیں اور خود داری و عزت نفس کا وہ بگڑا ہوا مفہوم پیدا کر دیا جاتا ہے کہ جس سے لڑکیاں عشق و محبت کے "قدرتی" جذبات کے مظاہرہ پر دیدہ دلیر ہو جاتی ہیں اور شرم و حیا بالکل رخصت ہو جاتی ہے ان فضایل میں پل کر عصبی امراض اور ہسٹریا کے دورے اور اور (ایک جنسی مرض تام) پیدا ہو جانے لازمی ہیں (۱۰۔۱۰۔۱۹۳۸ صدق لکھنؤ)

اب دیکھیں ہمارے تجدد نواز بھائی ڈاکٹر موصوف کو کیا جواب دیتے ہیں۔ جواب خواہ کچھ ہی دیا جائے لیکن ہم خوش ہیں کہ وہ زمانہ گزر چکا جب عورت ایک کھلونا تھی اب اس میں رمق حیات پیدا ہو چکی ہے اس لئے ہم متوقع ہیں کہ وہ خود۔ ان بیانات کی روشنی میں جو دونوں جانب سے ڈالی جا رہی ہے۔ اچھی طرح غور کرلے گی کہ اس کو رسوائی و ذلت کی عمیق و تاریک غار میں دھکیلنے والے کون ہیں؟ قدامت کی "قیصریت" یا تجدد کی "آمریت"

شعلۂ عشق جلا دے خس و خاشاکِ مجاز — کہ حقیقت کا ذرا رنگ نمایاں ہو جائے
حسنِ یکتا کے تصور سے ہے جمعیتِ دل — زلف کثرت میں جو الجھے تو پریشاں ہو جائے
وعظ و تفسیر کی حاجت نہ رہے اے واعظ — زندگی تیری جو آئینۂ قرآں ہو جائے
کیا تماشا ہے کہ ہم آپ تو کوشش نہ کریں — اور یہ چاہیں کہ کوئی غیب سے ساماں ہو جائے
آپ کہتے ہیں کہ کافر کو بنائیں دیں دار — میں یہ کہتا ہوں کہ مسلماں تو مسلماں ہو جائے
نیکی اپنے لئے کرتے ہیں سب انسان لیکن — چاہتے یہ ہیں کہ اللہ پہ احساں ہو جائے

جانور جس نے کیا ذبح یہ لازم ٹھہرا
جب ضرورت ہو تو خود آپ بھی قرباں ہو جائے

اسد ملتانی

(طلوع)

انیسِ نسواں کی پسندیدہ روش

ایسے دور میں جبکہ لامذہبیت اور مغربیت زوروں پر ہے اور تہذیب مغرب کی کورانہ تقلید میں جب اسلامی روایات پس پشت ڈالی جارہی ہیں اور مغربی تمدن کی گھٹائیں مسلم خواتین کے سروں پر منڈلا رہی ہیں تو فی الواقعہ ایک ایسے جریدہ کی سخت ضرورت درپیش تھی۔ جو مسلم خواتین کو اپنے مذہب کی طرف متوجہ کرکے اسلامی روایات کی وقعت اُن کے دلوں پر نقش کرے اور مسلم خواتین کے اندر خالص مذہبی ذہنیت پیدا کرکے اسلامی تعلیم وتربیت کی طرف مائل کرے اور مغربی تباہ کُن تہذیب کی رو سے محفوظ رکھے اس افراط و تفریط کے زمانے میں جس اعتدال اور ضبط کی ضرورت تھی انیس نسواں واقعی اُس کا ترجمان بنکر میدان میں آیا ہے۔ اور نہ صرف اس میں کلام پاک کے مطالب اور معارف نہایت سادہ اور سلیس زبان میں درج کئے جاتے ہیں۔ بلکہ اصلاح معاشرت رسوم قبیحہ کی بیخ کنی کے مقاصد بھی شامل ہیں۔

لہٰذا اس رسالہ کو تعمیر ملت کی مقدس تحریک کا نقیب سمجھنا بے جا نہیں۔ الحمدللہ کہ یہ رسالہ اپنے معیار پر پُورا اتر رہا ہے۔ اور کلام پاک کی صحیح ترجمانی کرکے ظلمات معصیت کو شمع ہدایت کے نور سے منور کرنا اس کا طرۂ امتیاز ہے یہ کلام پاک کی ہی برکت ہے کہ یہ پرچہ ہر اک توجہ کا مرکز بنکر سب سے خراج تحسین وصول کر رہا ہے اور بالخصوص جو سب سے زیادہ قابلِ ذکر اور قابلِ توجہ بات ہے وہ اس رسالہ میں ناظرین اور ناظرات کے سامنے مذہب کو دلکش اور آسان پیرائے میں پیش کرنا ہے اور یہی اسکی پسندیدہ روش ہے خدا کرے کہ یہ مقاصد میں ہر طرح کامیاب ہو اور انیس نسواں کے آغوش تربیت میں مسلم خواتین اپنا بھولا ہوا سبق از سر نو یاد کرکے سچی مسلمان کہلانے لگیں۔

گلشن افروز بیگم

پَردَہ

(مولوی عزیز الحق صاحب بی اے۔ بی ٹی ۔ نئی دہلی)

چند دن ہوئے کہ کلکتہ کے انگریزی اخبار اسٹیٹسمین میں ایک دلچسپ بحث شائع ہوئی تھی۔ بحث کی ابتدا ایک پردہ در خاتون نے کی ہے جس نے اُن دلچسپیوں کا نہایت بے باکانہ ذکر کیا ہے جو اس کو بیروں پردہ میسّر آئیں۔

پردہ کے مخالفین میں سب سے زیادہ صاف گوئی سے کام کلکتہ کے ایک بزرگ مسٹر آر۔ این حسین صاحب نے لیا ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ جو عورتیں پردہ سے باہر آکر بھی گاہ بگاہ رقص کرنے اور تھوڑی بہت شراب پینے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ ان کے لئے بہتر ہے کہ وہ پس پردہ ہی رہیں کیونکہ اگر سوسائٹی کو ان کی ذات سے اتنا بھی نشاط حاصل نہ ہو تو ان کا پردہ توڑنا محض بیکار ہے مسٹر حسین کی بات میں ایک برجستگی و بے ساختگی کی جھلک ہے جو یقیناً داد کی مستحق ہے دیگر مخالفین نے وہی پامال اور فرسودہ دلائل پردہ کی مخالفت میں پیش کئے۔ یعنی پردہ کے اندر عورت تازہ ہوا اور دھوپ سے محروم رہکر تندرست نہیں رہ سکتی۔ پردہ میں اکتساب علم و ہنر نہیں کرسکتی۔ اپنی روزی آپ نہیں کما سکتی۔ اپنے ماحول سے باخبر نہیں رہ سکتی۔ قوم کی ترقی میں مرد کا ہاتھ نہیں بٹا سکتی، وغیرہ وغیرہ طنزاً یہ بھی کہا گیا کہ پردہ میں خرچ زیادہ ہے۔ پردہ بدصورتی چھپانے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ پردہ میں ارتکاب جرائم باسانی ہوسکتا ہے موخّر الذکر دلائل خود اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ مخالفین کے پاس معقول وجوہ کی کس قدر کمی ہے۔

چونکہ پردہ کے بقا و ترک پر ہماری مستورات کے اخلاق و اطوار و خیالات اور عادات کا انحصار ہے اور انکی ذہنیت آیندہ نسلوں کی ذہنیت کی امانت دار ہے۔ یہ مسئلہ زمانہ حال کے مسلمانوں

کے لئے ایک نہایت اہم مسئلہ ہے اور اس میں نہایت غور و تعمق کی ضرورت ہے۔
مسئلہ کی شرعی حیثیت نہایت صاف ہے۔ شریعت اسلامی میں پردہ کا حکم مثل اکثر دیگر احکام کے تدریجاً نازل ہوا۔ اول مردوں اور عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے اور شرم و حیا برتنے کی ہدایت فرمائی گئی پھر عورتوں کو حکم ہوا کہ علاوہ محارم شرعی اور بچوں اور نہایت بوڑھے مردوں کے اپنی زینتوں کو کسی پر ظاہر نہ کریں۔ علاوہ ان زینتوں کے جن کا کھلا رکھنا لازمی ہو۔ اس حکم عام کے مستثنیات میں چہرہ اور ہاتھوں کو داخل مانا گیا ہے اس پابندی پر بھی جب عورتوں کو ایذا پہونچنے کے واقعات پیش آئے تو شریف عورتوں کو جنہیں کسب معاش کے لئے باہر پھرنا اور منہ کھولنا ضروری نہ تھا ارشاد ہوا کہ اپنی چادروں کو کسی قدر نیچا کر لیا کریں ان احکام کا ماحصل یہ ہے کہ جن عورتوں کو ضروریات زندگی چہرہ کھولنے پر مجبور کریں وہ چہرہ کھول سکتی ہیں بقیہ جسم کو لپیٹے رکھیں اور جن کو کوئی ایسی مجبوری درپیش نہ ہو وہ آج کل کے سے پر فتن زمانے میں چہرہ کو بھی ظاہر نہ کریں۔ چونکہ تفصیل مذکور پر تقریباً تمام علماء فن کا اتفاق ہے ان آیات قرآنیہ کا نقل کرنا جن سے یہ تفصیل مستنبط ہے ضروری معلوم نہیں ہوتا۔

مسئلہ کی شرعی حیثیت معلوم ہونے کے بعد ایک صحیح العقیدہ مسلمان کیلئے کسی اور دلیل کی حاجت باقی نہیں رہتی کیونکہ حکم خداوندی سے انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ اور اس پر عمل نہ کرنے والا گنہگار۔ تاہم مسلمانوں کے مزید اطمینان قلب اور غیر مسلموں کے سمجھانے کے لئے مسئلہ کے عملی اور نفسیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

یہاں بطور مقدمۂ اولی کے یہ لکھ دینا ضروری ہے کہ پردہ کے تخیل کی اساس اس اصول پر ہے کہ مرد و عورت کی تخلیق جداگانہ فرائض کی انجام دہی کے لئے کی گئی ہے۔ یہ اصول تقریباً مسلمہ ہے اس مضمون کے سمجھنے کی توقع انہی حضرات سے کی جائے گی جو اس سے اتفاق رکھتے ہوں۔ اس سے اختلاف کرنے والوں کو یہاں کوئی مفید شئے نہ ملے گی۔ حقیقت مسئلہ کی تردید کا بار اول ان کے ذمہ ہے قسّام ازل نے جب مناسب فرائض

کی تقسیم کی تو مرد کے حصے میں سب سے زیادہ محنت و جانفشانی تدبر ذمہ داری کے کام دیئے مثلاً کسب معاش حفاظت جان و مال عورت کے حصے میں سب سے زیادہ نزاکت۔ لطافت اور نفاست کے کام آئے مثلاً خانہ داری و تربیت۔ اسی تقسیم کے مطابق دونوں کو جسم و دماغ اور قلب عطا کئے گئے مرد کو مشقت و تکلیف اٹھانے کی صلاحیت بخشی گئی عورت کے اندر صبر و تحمل کا مادّہ ودیعت کیا گیا۔ عورت کو جذبات کا حامل بنایا گیا۔ مرد کو قوتِ عمل کا۔ تعمیر مرد کے سپرد کی گئی۔ تزئین عورت کے۔

یہ تقسیم کار کوئی خیالی یا رواجی شے نہیں ہے بلکہ عین فطرت کے مطابق ہے عقل سلیم اس کو قبول کرتی ہے مشاہدات اس کی تصدیق کرتے ہیں جن ممالک میں اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے وہاں بھی بجز اعترافِ شکست کے کچھ بن نہیں پڑتا۔ مساوات مرد و زن کے حامی اوّل تو کامل مساوات کے حدود سے عملاً ہمیشہ پیچھے رہے لیکن جس حد تک گئے بھی اب تلخ تجربات کے بعد رجعت کرنے پر مجبور ہیں۔

اس تقسیم عمل میں مرد اور عورت دونوں کی اصلاح و فلاح مضمر ہے اور اگر اس کی حقیقت و مصلحت ذہن نشین ہو جائے تو بہت سے معاشرتی مسائل نہایت آسانی سے حل ہو جاتے ہیں۔
کسی معاشرتی مسئلہ پر صحیح فیصلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے حیاتِ انسانی کا مقصد متعین کرلیں اور پھر غور کریں کہ اس مقصد کی تحصیل کے لئے کونسی شے مفید ہے؟ اور کونسی مضر۔ پردہ کے مخالفین آپ سے کہیں گے کہ پردہ نشین عورت جنگ عظیم جیسی ہولناک لڑائیوں میں مرد کی کوئی نمایاں طور پر اعانت نہیں کرسکتی۔ یہ بڑی حد تک صحیح ہے لیکن خدارا پہلے یہ تو طے کرلیجئے کہ کیا انسان کی تخلیق اس لئے کی گئی ہے کہ وہ بہیمیت اور بربریت میں امتیازی ترقی حاصل کرے۔ فتنہ و فساد کی کامل استعداد اپنے اندر پیدا کرے۔ قتل و غارت اور مردم کشی کے کامیاب ترین انتظامات مہیا کرے۔ ہر عقلمند شخص جانتا ہے کہ قدرت کا منشا یہ نہیں ہے۔ انسان کا کمال اُسی میں ہے۔ کہ وہ ایسے شہریت کے نظام کی بنا ڈالے جس میں خدا کی تمام مخلوق اخلاق و محبت راحت و

مسرّت کی زندگی بسر کر سکے البتہ جو قوتیں ایسے نظام کے قیام میں حائل ہوں اُن سے جنگ کرنا اور اُن کو فنا کرنا بھی اسی مبارک کوشش کا ایک جزو ہے لیکن اس جنگ کو ان جنگوں سے دور کا واسطہ بھی نہیں جو محض نسل، رنگ، قوم اور وطن کے نام پر لڑی جاتی ہیں جو جہاد حق وانصاف کی حفاظت کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس میں مادّی قوت اور اسلحہ سے کہیں زیادہ قوتِ ایمانی اور جراًتِ اخلاقی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو فرد یا قوم ان ہتھیاروں سے مسلّح ہو نا ممکن ہے کہ اسے کوئی مادّی قوت صحیح معنی میں زیر کر سکے۔

اگر ان دو چیزوں کو ہم تسلیم کرلیں کہ حیاتِ انسانی کا مقصد قیام صلح وامن ہونا چاہئے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے جن مساعی کی ضرورت ہے ان کا درشت وکرخت پہلو مرد کے لئے مخصوص ہے اور نرم ونازک پہلو عورت کے لئے۔ تو ہم نہایت آسانی سے اپنے بچّوں اور بچیوں کی تربیت وتعلیم کا پروگرام مرتب کر سکتے ہیں فطرت جن فرائض کی انجام دہی عورت سے چاہتی ہے۔ ان کے پیش نظر یہ نہایت کافی ہے کہ ایک لڑکی ذمہ دارانہ زندگی میں قدم رکھنے سے قبل امورِ خانہ داری۔ اصول حفظانِ صحت۔ نوشت وخواند حسب ضرورت حساب کتاب اور روزمرّہ کے مسائل دینیہ سے واقف ہو۔ اوسط درجے کے گھرانوں کے لئے یہ تعلیم وتربیت بالکل کافی ہے اور اُس کی تحصیل میں پردہ کسی طرح مانع نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو اس قدر تعلیم ہر گھر میں خود ماں دے سکتی ہے یا باپ اور بھائی دے سکتے ہیں۔ اگر آج نہیں تو دو ایک پشتوں کی کوشش کے بعد ہر ماں یقیناً اس قدر تعلیم دے سکے گی۔ لیکن اگر گھر میں کسی وجہ سے بالکل ہی ناممکن ہو تو نیک اور لائق عورتوں کی نگرانی میں ہر محلّہ اور ہر بستی میں پردہ دار مدارس قائم کئے جا سکتے ہیں جیسا کہ زمانۂ قدیم میں رواج تھا اور اب بھی اکثر مقامات پر ہیں۔ دولتمند اور صاحبِ استطاعت گھرانوں میں معیار تعلیم کو اور بھی بلند کیا جا سکتا ہے۔ اور لڑکیوں کو اعلیٰ ادب تاریخ سیاسیات دینیات وغیرہ بھی پردہ کے معقول انتظام کے ساتھ سکھائے جا سکتے ہیں لہٰذا جہاں تک ضروری علم وہنر کی تحصیل کا سوال ہے پردہ کی وجہ سے کوئی دشواری

نظر نہیں آتی، ریاست میسور کے دیوان سر مرزا اسمٰعیل نے حال ہی میں اپنی ایک تقریر میں صاف طور پر اعلان فرمایا کہ ریاست میں پردہ کی وجہ سے تعلیم نسواں کے راستہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔

دوسرا سوال صحت کا ہے......... کہا جاتا ہے کہ پردہ نشین عورتوں کی صحت خراب ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تازہ ہوا اور دھوپ سے محروم رہتی ہیں اول تو مشاہدہ یہ ہے کہ جب تک پردہ کی پابندی عام تھی عورتوں کا معیار صحت بہ نسبت زمانۂ حال کے جب کہ پردہ کی بندشیں بہت کچھ ڈھیلی ہو چکی ہیں۔ نہایت بلند تھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ زمانہ قدیم کی عورتیں گھر کے اندر ہی کافی ورزش جسمانی بھی کیا کرتی تھیں اچھی خوراک انکو میسر تھی انکے قلوب قناعت وسکون کی دولت سے معمور ہوتے تھے ان کی زندگی ایک منظم طریقہ پر گذرتی تھی۔ ہوا اور دھوپ بھی اُس زمانہ کے مکانوں میں آجکل سے زیادہ ملتی تھی، جدید تمدن کی نحوستوں مثلاً دھواں گیس گرد وغبار غیر خالص اشیاء خوردنی وغیرہ سے محفوظ تھیں۔ آج صحت بخش غذائیں یا تو میسر نہیں یا تکلفات کی وجہ سے استعمال نہیں کی جاتیں۔ گھر کا کام کاج کرنا عیب شمار ہونے لگا ہے دل و دماغ میں بوالہوسی اور شیطنت نے انتشار پیدا کر دیا ہے ہوش سنبھالتے ہی بچوں کو تکلف، تصنع اور نمائش کا مرض لاحق ہو جاتا ہے بلوغ سے قبل عشقیہ افسانے اور تھیئٹر اور سینما کے رومانی مناظر جذبات کو مشتعل کر دیتے ہیں زندگی نہایت غیر منظم طور پر گذرتی ہے مکانات تنگ و تاریک ہوتے ہیں۔ بالخصوص شہروں کے۔ دور حاضرہ کے زر پرست نہ فراخ صحن کے شوقین، نہ پارک و باغیچہ کے دلدادہ۔ کرایہ کی ہوس تمام دیگر مصالح پر غالب۔ کرایہ داروں کا یہ حال کہ ریشمی کپڑوں قیمتی جوتوں، چاء کے برتنوں سینما اور تماشوں پر خرچ کرنے سے کچھ بچے تو زیادہ کرایہ کا مکان لیں۔ عموماً مکان پر آمدنی کا دس فی صدی بھی خرچ نہیں کرتے اور پھر رونا روتے ہیں، دھوپ اور ہوا کی قلت کا، غرض یہ کہ اوّل تو صحت کا تمامتر انحصار محض دھوپ اور صرف ہوا پر نہیں ہے دوسرے

قدرت کی ان برکات سے بھی پردہ دار عورتیں بہت بڑی حد تک بہرہ اندوز ہو سکتی ہیں بشرطیکہ اس کا اہتمام ضروری سمجھا جائے۔

یہاں تک تو پردہ کی مفروضہ خرابیوں کا ذکر تھا اب رہی پردہ کی ضرورت، تو ہر سلیم الفطرت انسان سمجھتا ہے کہ تعلقات جنس کے میدان میں انسانوں اور حیوانوں کے مابین جو چیز مابہ الامتیاز ہے۔ وہ وہی چیز ہے جس کو ہماری آپکی زبان میں عصمت و عفت کہا جاتا ہے۔ حیوانات کو چھوڑ کر یہ شرف محض اشرف المخلوقات ہی کو حاصل ہے کہ ہر ایک فرد اپنی سعی و محنت سے قدرت کی نعمتوں کے ایک حصہ کا بلا شرکت غیرے مالک بن سکتا ہے یہاں سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ اشتراکیت مطلق کے حامی ہیں وہ انسان کو حیوانیت کی جانب بلاتے ہیں بہر حال جب یہ نتیجہ معلوم ہو گیا کہ متمدن انسانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تعلقات جنسی کو چند ضوابط و آئین کا پابند کریں۔ بقول علامہ اقبال رح ؎

دہر میں عیش دوام آئین کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامان شیون ہو گئیں

دراصل جو لوگ پردہ کے خلاف ہیں وہ عصمت و عفت کو حقیقی اہمیت ہی نہیں دیتے اور مغربی تمدن اور ملحدانہ تخیل نے ان کے فطری احساسات کو کند کر دیا ہے۔ لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب ان کو نہیں آتا انہیں غصہ نہیں آتا

"اسٹیٹسمین" والی بحث میں سب سے زیادہ سبق آموز مراسلہ وہ ہی جو ۱۵ فروری کی اشاعت میں ایک مایوس خاوند کی طرف سے شائع ہوا ہے ناظرین کے مطالعہ کے لئے مراسلہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

"اگر واقعی پردہ تحصیل علوم و فنون اور سلیقہ و ہنرمندی کے سیکھنے میں مانع ہوتا ہے تو اس کو

ایک قلم منسوخ کر دینا چاہئے لیکن اجازت ہو تو کچھ آپ بیتی بھی عرض کر دوں :-

میری بیوی تعلیم یافتہ اور ایک مہذب خاتون ہے چونکہ اس نے باضابطہ مدارس میں تعلیم حاصل کی ہے وہ برج، بیڈمنٹن اور باسکٹ بال کھیلنے میں ماہر ہے۔ جدید طریق پوشش سے واقف ہے اخبارات اور ناولوں کا مطالعہ کر سکتی ہے۔ ملکی اور غیر ملکی سیاسیات پر رائے زنی کر سکتی ہے وہ یہ سب کچھ کر سکتی ہے لیکن اس سے زیادہ کی توقع مجھ کو اب اس کی طرف سے نہیں ہی ہی۔ باورچیخانہ کی ابجد سے وہ نابلد اور سینے پرونے سے بالکل بے بہرہ ہے۔ دودھ کا حساب، دھوبی کا حساب اور دیگر خانگی حسابات رکھنا اور گھر کی عام نگہداشت میرے فرائض میں داخل ہیں جن کو میں چارو لاچار انجام دیتا ہوں۔ کیا کوئی دردمند دوست مجھکو بتائیں گے کہ کیا روشن خیالی اور ترقی کا مفہوم یہی ہے۔ ہٹلر اور مسولینی کے متعلق اس کے "ملفوظات" ممکن ہے کہ یورپ کی موجودہ سیاسی گتھیوں کو سلجھادیں اور ایک عالمگیر جنگ کو روک دیں لیکن میرا گھر یقیناً نمونۂ دوزخ بن گیا ہے اور میرے قلب و دماغ کا سکون پورے طور پر رخصت ہو چکا ہے" +

اقتباس از طلوع اسلام

علاج قوم کرنا ہے تو کچھ درد آشنا ہو جا ۔۔۔ سراپا درد ہو کر درد کی اپنے دوا ہو جا
تمنا ہر ادا سے اور طلب ہر بات سے ٹپکے ۔۔۔ ہمہ تن آرزو بن جا سراپا مدعا ہو جا
اگر آزاد ہو کر تجھکو اس گلشن میں رہنا ہے ۔۔۔ تو مثل سرو اپنے پاؤں پر خود ہی کھڑا ہو جا
مخالف ہے ہوا دشمن ہیں موجیں اور طوفاں ہے ۔۔۔ خدا را کشتیٔ قومی کا اپنے ناخدا ہو جا
مثال لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ[1] ہے تری حالت ۔۔۔ ثبوت لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی[2] ہو جا
کہیں پر تو رہے لیکن رُخ اپنا سوئے مرکز رکھ ۔۔۔ کشش دکھلا دے مقناطیس کی قبلہ نما ہو جا
نہ ہو پامال سبزہ کی طرح پستی میں تو رہ کر، ۔۔۔ بلند ہمت بنا اپنے کو عالی حوصلہ ہو جا

[1] قرآن پاک کی اُس آیت کی طرف اشارہ ہے جسکا ترجمہ ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدلے
[2] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسان اوسی قدر کامیاب ہوگا جس قدر وہ کوشش کریگا۔

زبانِ خلق

(مولانا محمد علی صاحب ایم اے ۔ امیر جماعت احمدیہ لاہور)

خواتین کے لئے ایک ایسے رسالہ کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو اس طبقہ کے اندر خالص اسلامی ذہنیت کا احیا کرے اور مغربی تہذیب کی کورانہ تقلید سے اُن کی توجہ ہٹا کر اسلامی تہذیب اور اسلامی کلچر ان کے اندر پیدا کرے ۔ اس ضرورت کو حضرت شیخ محمد اکرام صاحب کے رسالہ انیس نسواں نے بوجوہ احسن پورا کر دیا ہے ۔ شیخ صاحب ممدوح کی قابلیت بحیثیت ایک ادیب اور ایڈیٹر کے ایک مسلمہ امر ہے ۔ کیا بلحاظ ادبیت اور کیا بلحاظ تنوع مضامین رسالہ بہت اعلیٰ پیمانہ کا ہے کتابت طباعت کاغذ سب قابل تعریف غرضیکہ رسالہ ظاہری وباطنی خوبیوں سے مزین ہے مسلمان خواتین کو اس کی بہت قدر کرنی چاہئے ۔ اور اپنی زندگی کے عملی پروگرام میں مشعل راہ بنانا چاہئے ۔

سید سلیمان صاحب ندوی مُدت کے بعد آپ نے اپنی یاد دلائی ، مخزن کا بھولا ہوا آدمی انیس نسواں کے آئینہ میں نظر آیا ، اُمید ہے کہ آپ کی کُہنہ مشقی دیرینہ تجربہ ، اور قوت تحریر سے انیس نسواں چمکے گا اور روشن سے روشن تر ہوتا جائے گا ۔ معارف میں مفصل ریویو شایع ہوگا ۔

قاضی عبدالغفار صاحب ایڈیٹر روزنامہ پیام حیدر آباد دکن شیخ محمد اکرام صاحب کے نام سے اُردو ادب کی دُنیا میں اہلِ ذوق ناواقف نہیں ہو سکتے ۔ جس زمانہ میں لاہور سے ادب اُردو کی خدمت کا بیڑا شیخ عبدالقادر صاحب (اب سر عبدالقادر) نے اُٹھایا تھا اور اُردو زبان کا پہلا معیاری رسالہ مخزن جاری کیا اُس وقت سے شیخ محمد اکرام صاحب کا نام اُردو ادب کی دُنیا میں مشہور ہے ، بہت عرصہ تک اس

دُنیا سے جُدا رہنے کے بعد اب شیخ صاحب نے اور اُن کی محترمہ بیگم صاحبہ نے پھر انیس نسواں کے ذریعہ سے دہلی میں اپنا کام شروع کیا ہے اس رسالہ کے مقاصد زیادہ تر طبقۂ نسواں کے مفاد سے وابستہ ہیں اور رسالہ کی ترتیب اور مضامین کا معیاری انتخاب ایسا ہے جس نے انیس نسواں کو اس قسم کے عام تجارتی رسائل وجرائد سے بالکل الگ رکھا ہے جن خواتین اور اہل قلم کے مضامین اب تک رسالہ کی تین اشاعتوں میں شائع ہو چکے ہیں اُن کے نام اس بات کی ضمانت ہیں کہ انیس نسواں مُلک کی ادبیات میں اپنے لئے ایک مخصوص امتیاز حاصل کرے گا رسالہ کے بلند معیار کے مطابق ہی اُس کی طباعت اور ظاہری شکل وصورت بھی ہے ہمیں اُمید ہے کہ مُلک میں اور خصوصاً اعلیٰ ادبی مذاق رکھنے والے طبقوں میں شیخ محمد اکرام صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ کی یہ کوشش بارور ہوگی اور انیس نسواں اتنا ہی مقبول ہوگا جتنا کہ اُس کو ہونا چاہئے۔

رسالہ ہمایوں لاہور شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹرایٹ لا جو کبھی مخزن کے ایڈیٹر تھے اور جنہوں نے پہلے پہل دہلی سے عصمت جاری کیا تھا پھر میدانِ صحافت میں آئے ہیں چنانچہ جنوری ۳۹ء سے انہوں نے انیس نسواں کے نام سے ایک بلند پایہ رسالہ جاری کیا ہے جس کا اہم ترین مقصد مسلمان عورتوں کی مذہبی ومعاشرتی اصلاح ہے وہ لکھتے ہیں یہ خوشی کی بات ہے کہ تعلیم نسواں کی ترقی جو آج نظر آرہی ہے ۱۹۰۸ء میں نہ تھی جب میں نے رسالہ عصمت دہلی سے جاری کیا تھا مگر یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ نسوانی ترقی کی موجودہ روش کچھ پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھی جارہی یہ ترقی کی اصلی شاہراہ سے دور ہوتی جارہی ہے مغرب خود اپنی موجودہ تہذیب سے مطمئن نہیں اور اس لامذہبیت سے بیزار ہے۔ مادہ پرست یورپ اب حیران ہے کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے کیا مسلم خاتون اس تہذیب کی تقلید کرنا چاہتی ہے جس نے مذہب کو کھلونا اور نمائشی چیز بنا رکھا ہے کیا مسلم خاتون۔ اس معاشرت کو معراج ترقی سمجھنا چاہتی ہے جس نے بے غیرتی اور بے حیائی

میں کمال پیدا کرلیا ہے جس کے نزدیک حرام وحلال میں کوئی تمیز نہیں رہی۔ کیا مسلم خاتون اس معاشرت کی نقال بننا چاہتی ہے جو گھر کی دلاویزی کو برباد کرکے ہوٹلوں اور فلم گھروں کو آباد کر رہی ہے کیا مسلم خاتون اس معاشرت کو اختیار کرنا چاہتی ہے جو آئے دن نئے سے نیا فیشن، لباس اختراع کرتی رہتی ہے اور عورت کے جوہر نسائیت اور شرافت کو غارت کر رہی ہے"!

اس اقتباس سے انیس نسواں کی حکمت عملی پر پوری طرح روشنی پڑ جاتی ہے اس وقت تک تین پرچے ہماری نظر سے گذر چکے ہیں۔ ترتیب مضامین بہت اچھی ہے اور مضامین دلچسپ اور مفید ہیں نئے مضامین کے ساتھ بعض پرانے مضامین کے اقتباس بھی نظر آتے ہیں۔ آنریبل سر عبدالقادر بھی اس پرچے کے مضمون نگار ہیں۔ عورتوں کے لئے یہ رسالہ نہایت مفید ہے اور ان کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ بیگم محمد اکرام رسالے کی جائنٹ ایڈیٹر ہیں۔ معنوی خوبیوں کے ساتھ رسالہ کی ظاہری صورت بھی اچھی ہے خواتین کو یہ پرچہ ضرور خریدنا چاہیئے۔

اخبار خاتون بمبئی اردو زبان کا ماہواری رسالہ جس کے مدیر شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹر ایٹ لا اور جائنٹ مدیرہ مسز محمد اکرام ہیں دہلی سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا ہے ہم اپنے ماہواری ہم عصر کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے اپنی شکل صورت لکھائی چھپائی اور کاغذ کی عمدگی پر مبارک باد دیتے ہیں۔ مضامین خصوصیت سے طبقۂ نسواں کی بہبودی کے نقطۂ نگاہ سے لکھے گئے ہیں۔

شیخ محمد اکرام صاحب کہنہ مشق ادیب ہیں اس لئے جو رسالہ آپ کی زیر ادارت میں شائع ہوگا وہ یقیناً اعلیٰ معیار کا ہوگا۔

مولٰنا ابوالاعلیٰ صاحب ایڈیٹر ترجمان القرآن لاہور عورتوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے معاملہ سے عملی ہمدردی رکھنے والوں میں شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹر ایٹ لا کا نام ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ آج سے تیس سال قبل

رسالہ عصمت کے ذریعہ سے آپ نے جس خدمت ملی کا آغاز کیا تھا اب ایک مدت کی خاموشی کے بعد وہی جذبۂ خدمت انیس نسواں کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جو معنوی اور صوری دونو لحاظ سے دیدہ زیب ہے رسالہ میں تعلیم یافتہ خواتین کے لئے مذہبی اور معاشرتی مقالات موجود ہیں۔ قرآن کی عام تعلیمات کی اشاعت کے سلسلہ میں اس کے مطالب کی با محاورہ اور سلیس تشریح مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ رسالہ کا نصب العین مسلم خواتین کو مذہب اور اسلامی تہذیب کی طرف متوجہ کرنا مغرب کی مہلک اور حیا سوز تہذیب سے بچانا اور ان کے اندر سے رسوم قبیحہ کا استیصال کرنا ہے۔

اخبار حمایت اسلام لاہور

چار مہینے ہوئے انیس نسواں کے نام سے شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لاء سابق ایڈیٹر مخزن نے ایک زنانہ رسالہ جاری کیا ہے رسالہ کے اجرا کا مقصد یہ ہے کہ بچیوں اور عورتوں میں اسلام اور ملت کی محبت پیدا کی جائے، اور انہیں الحاد و بے دینی کے دور میں مسلمان رہنے کی تلقین کی جائے، اجرا کا یہ مقصد بہت بلند اور پاکیزہ ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب اور اُن کے رفقائے کار کا شریک حال ہو۔ رسالہ کی ترتیب کے متعلق یہی کہنا کافی ہے کہ شیخ صاحب مخزن جیسے بہترین رسالہ کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔

ایڈیٹر صاحب کے علاوہ مضمون نگاروں میں سر شیخ عبدالقادر بالقابہ، خان بہادر چوہدری خوشی محمد ناظر علامہ محوی صدیقی خان بہادر ڈاکٹر نجم الدین احمد پروفیسر جمیل الرحمن حضرت اسد ملتانی محترمہ شائستہ اختر جیسے کہنہ مشق اور اعلیٰ درجہ کے ادیب قابل ذکر ہیں رسالہ میں ہر مہینہ بلند پایہ مذہبی معاشرتی اور سیاسی مضامین شائع کئے جاتے ہیں ضخامت ۴۸ صفحات سرورق خوبصورت اور دلکش قیمت سالانہ پانچ روپے، سستا ایڈیشن ۳ روپے ہم حمایت اسلام کے خریداروں سے پرزور درخواست کرینگے کہ وہ اس رسالہ کی سرپرستی فرمائیں۔

نقد و نظر

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس:۔ ممالک مشرق میں اپنی قسم کا واحد اور بہت ممتاز ادارہ ہے جو گذشتہ بیس سال سے علوم مشرقیہ کے مختلف شعبوں میں نہایت عظیم الشان اور قابل قدر خدمات سر انجام دے رہا ہے۔ اس کی صدارت کے لئے ہمیشہ بین الاقوامی شہرت کے ممتاز اور ذی علم اصحاب کا انتخاب عمل میں آتا ہے اس سال ؑ مجلس استقبالیہ کے صدر نشین رائٹ آنریبل حیدر نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم ریاست حیدر آباد دکن اور آنریبل نواب مہدی یار جنگ بہادر ایم۔اے (آکسن) صدر المہام تعلیمات نائب سر پرست منتخب ہوئے ہیں اور پروفیسر قاضی محمد حسین صاحب نائب معین امیر جامعہ عثمانیہ نائب صدر اور مولوی غلام یزدانی صاحب او بی۔ای حیدر آباد۔ ہمیشہ سے علمی اداروں اور علمی سرپرستیوں کا مرکز رہا ہے اور اس کی علمی اور ادبی فضا میں اسلامی تمدن ہمیشہ ایک خاص شان میں ممتاز رہا ہے یشاہانہ علم پروری علوم و فنون کی قدردانی اور حوصلہ افزائی فرماتی رہی ہے۔

توقع کی جاتی ہے کہ یہ اجلاس ہر طرح سے کامیاب ثابت ہوگا اور ہندوستانی اور یورپی ماہرین کے لئے بہت دلچسپی کا باعث ہوگا۔ مجلس استقبالیہ نے اعلان کیا ہے کہ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا دسواں اجلاس ۲۰ رلغایت ۲۳ ر دسمبر حیدر آباد میں منعقد ہوگا۔ اور جو اصحاب اس کانفرنس کے مقاصد سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ دفتر مقامی واقعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے خط کتابت کرکے مزید حالات معلوم کر سکتے ہیں۔

لکھنؤ میں آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن سے زنانہ پروگرام کا افتتاح کرتے ہوئے ہز ایکسی لینسی لیڈی ہیگ نے ریڈیو کے فوائد پر اپنی تقریر میں فرمایا کہ ریڈیو کے ذریعہ سے ملک کی ہر خاتون

خواہ اپنے جھونپڑے میں کام کاج کی زندگی بسر کر رہی ہو اور خواہ اپنے محل میں عیش و عشرت کی زندگی گذار رہی ہو۔ بیرونی دُنیا کے حالات اور واقعات سے باخبر رہ سکتی ہے۔

لیڈی ہیگ نے یہ بھی فرمایا کہ آجکل کی ترقی کے زمانہ میں انسانی حیات کے لئے جو عشرت کے سامان فراہم ہو رہے ہیں ہم کو اُن خطرات سے بھی آگاہ رہنا چاہیئے جو دوران ترقی میں ہم کو پیش آنے والے ہیں نئی نئی چیزوں کے شوق میں ہم کو قدیمی روایات کو بیکار نہ سمجھنا چاہیئے۔ قدیمی روایتیں وہ بنیادی اینٹیں ہیں جن پر تہذیب اور تمدن کی حقیقی بنیاد کا دارومدار ہے۔ صحیح تعمیری ترقی ہندوستانی عورتوں کا نصب العین ہونا چاہیئے۔ سلامت روی اور اعتدال ہی دانشمندی کی صحیح راہ ہے۔

مُلک اور سوسائٹی کی ترقی کا دارومدار طبقہ نسواں کی بیداری پر ہے لیکن یہ بیداری عقل فہم اعتدال تعمیر اور اصلاح کے دائرے سے تجاوز نہ کر جائے۔

مذکورہ بالا تقریر بہت معقول اور اعتدال کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ انیس نسواں بھی ہمیشہ اپنے ناظرین اور ناظرات کو اعتدال کی طرف متوجہ کرتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو ہر بات میں اعتدال پسند ہیں۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ خدا حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اگر مسلم خواتین قرآن کا سمجھ کر مطالعہ کریں اور اُس پر عمل کریں تو خود دوسری قوموں میں اسلام کی شاندار معاشرت کا نمونہ پیش کر سکتی ہیں اور جو امتیازی خصوصیت قرآنی معاشرت کو حاصل ہے وہ انسانی معاشرت کو میسر نہیں آسکتی

لیڈی ہیگ نے صوبۂ متحدہ کی خواتین کی سرگرمیوں کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس صوبہ میں

فرقۂ نسواں کی ترقی کے لئے بہت سے کام ہو رہے ہیں متعدد زنانہ شفاخانہ کھل رہے ہیں۔ کام کرنے والیاں دیہات میں جاکر اپنی دیہاتی بہنوں کی اصلاح کر رہی ہیں۔ گھر کی صنعتوں کو فروغ دیا جارہا ہے۔ لکھنؤ میں بعض عورتوں نے چکن سازی کام سکھنا شروع کردیا ہے۔ جو زمانہ قدیم کی ایسی صنعت ہے جس کو شریف عورتیں گھروں میں آسانی سے کرسکتی ہیں۔

لڑکیوں کی مخلوط تعلیم

صوبۂ متحدہ کی تعلیمی کانفرنس کے اجلاس میں نواب لیاقت علیخاں سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ ہمیں لڑکیوں کی تعلیم کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے لڑکیوں کا نصاب تعلیم نسوانی ضرورتوں کو مدنظر رکھکر مرتب ہونا چاہئے۔ اسلامی روایات اور اخلاقیات کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ لڑکوں کی مخلوط تعلیم کسی صورت میں روا نہیں رکھی جاسکتی۔ مسلمان اپنی ضرورتوں کو حکومت کی مصلحتوں پر قربان نہیں کرسکتے ممکن ہے کہ بعض مسلمان مخلوط تعلیم کے موافق ہوں لیکن مسلمانوں کی تمام قوم اس کے خلاف ہے مگر فروری کے انیس نسواں میں یورپ اور امریکہ کی مروجہ مخلوط تعلیم کے نتائج شائع ہو چکے ہیں فاضل مضمون نگار نے یہ بھی لکھا تھا کہ یورپ میں لڑکیوں اور لڑکوں کے لئے الگ الگ کالج بنائے جارہے ہیں" نواب صاحب نے واقعی یہ صحیح فرمایا کہ ہندوستان کے مسلمان بحیثیت قوم اس مخلوط تعلیم کے مخالف ہیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو اس تجویز کی شدت سے مخالفت کی جائے گی۔ اور جابجا اظہار اختلاف کے لئے مظاہرے کئے جائینگے۔

آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس کلکتہ عنقریب ٹریننگ اور ڈاکٹری کے لئے وظائف کلکتہ کی مسلمان لڑکیوں کے لئے وظائف کلکتہ کی مسلمان لڑکیوں کے لئے مقرر کرنے والی ہے۔ اور شہر کے ہر حصے میں میجک لینٹرن کے ذریعہ سے حفظان صحت کے متعلق تقاریر کا انتظام کریگی یہ خوشی کی بات ہے کہ کانفرنس مذکور ہندوستان بھر کے لئے مفید خدمات کا سلسلہ انجام دینگے

قصد کر رہی ہے۔ اس کانفرنس میں دیگر مسلم خواتین نے بھی تقریریں فرمائیں یہ دیکھ کر رنج ہوا کہ کسی مسلم خاتون نے مسلم خواتین کو اسلام اور اسلامی تہذیب کی نگہداشت کے لئے متوجہ نہ کیا۔

ہماری رائے میں مسلم لیڈیز کانفرنس کلکتہ کو مسلمان خواتین کی مذہبی لاپرواہی کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے۔

محترمہ جناب انتخاب جہاں بیگم صاحبہ، محل عالی جناب نواب عوض صاحب حیدرآباد نے بجنور میں تقریر کرتے ہوئے مسلم خواتین کے جلسہ میں فرمایا کہ اب مسلم خواتین کو بھی ترقی کے زینہ پر خود چڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اولاً اپنے بچوں کو تعلیم اچھی دلائیں اور ابتداہی میں تربیت کا خیال رکھیں۔ ڈالی جب تک نرم ہے اُس کو جس طرح چاہیں موڑ سکتے ہیں حفظان صحت کے قواعد کا خیال مقدم ہے۔ جن بچوں کی مائیں پڑھی لکھی اور خود بھی حسن تربیت کے زیور سے آراستہ ہونگی اُنکی اولاد بھی تہذیب یافتہ اور شائستہ ہوگی دیگر ممالک کی خواتین ترقی کے میدان میں گو ہم سے بہت آگے نکل گئی ہیں لیکن ہمیں مایوس ہوکر ہمت نہ ہارنی چاہئے۔

صوبہ بمبئی کی مجلس آئین ساز میں ایک نیا قانون پاس ہونیوالا ہے جس کا منشا یہ ہے کہ اگر شوہر ایک بیوی کی موجودگی میں ایک اور بیوی سے شادی کرلے یا کسی عورت کو گھر میں ڈال لے تو اُسکی پہلی بیوی کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ علیحدہ رہے اور خاوند سے اپنا نان نفقہ طلب کرے۔

ابھی ہم اپنی رائے اس بارے میں محفوظ رکھتے ہیں اس لئے کہ نہ تو ابھی اس قانون کا مسودہ ہمارے پاس آیا ہے اور نہ ہمیں تفصیل معلوم ہو سکی۔

"مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن ہیں اور تم انکی چولی ہو" (البقر)
ایڈیٹر۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹر ایٹ لا۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر۔ مسز محمد اکرام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۱ — نمبر ۵

انیس نسواں !

جون سنہ ۱۹۳۹ء — ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۸ھ

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دلاویز مخزن

جو دہلی سے ماہوار شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک پانچ روپے (ﷲ) + سستا ایڈیشن تین روپے (ﷲ) فی پرچہ ۸ر و ۴ر

فہرست مضامین

سورۃ النساء کے مطالب

(۵)

مسلمانو! جب تم نشے[۵۱] کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جانا۔ یہاں تک کہ نشہ اُتر جائے اور جو کچھ کہ مُنہ سے کہتے ہو اس کو سمجھنے لگو۔ اور اسی طرح اگر نہانے کی حاجت ہو تو بھی نماز کے پاس نہ جانا۔ یہاں تک کہ غسل کر لو۔ ہاں سفر کی حالت میں رستہ چلے جا رہو اور تم کو پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لیا کرو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت ہو کر آئے یا اپنی بیویوں کے پاس سے آئے اور تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی لے کر تیمم کر لو۔ مُنہ اور ہاتھ کا مسح کر لو۔ یعنی مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر مل لو۔ اللہ بے شک درگزر کرنے والا ہے۔ اور بخشنے والا ہے۔

کیا تم نے اُن لوگوں کی حالت نہیں دیکھی جن کو اللہ کی کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا وہ باوجود اس کے گمراہی اختیار کرنے لگے۔ اور چاہتے ہیں کہ تم مسلمان بھی گمراہ ہو جاؤ۔ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے تم کو تو اللہ ہی کی مدد اور حمایت کافی ہے۔ اے رسول! یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو لفظوں کو اُن کی اصلی جگہوں سے پھیر دیا کرتے کرتے ہیں۔ اور جب تم سے ملتے ہیں تو اس خیال سے کہ دین حق پر طعنہ زنی کریں زبان مروڑ کر لفظوں کو بگاڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ طعنہ کی راہ سے کہتے ہیں سمعنا۔ وعصینا۔ اسمع غیر مسمع اور راعنا

---

[۵۱] اسلام جب آیا۔ تو عرب کے باشندے صدیوں سے شراب پینے کے عادی ہو رہے تھے۔ پُرانی عادت کو یک لخت چھوٹنا محال تھا۔ اس لئے شراب کی ممانعت کے احکام بتدریج نازل ہوئے۔ یہ حکم اُس وقت کا ہے کہ مسلمانوں میں ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد حرام ہوئی ہے۔

[۵۲] سمعنا۔ اطعنا کے معنی ہیں ہم نے حکم سُنا اور ہم نے اطاعت کی۔ یہودی شرارت سے سمعنا، وعصینا

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

کہکر تم سے خطاب کرتے ہیں۔ اور اگر وہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اور فقط اِسْمَعْ، وَانْظُرْنَا کہہ کر خطاب کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی سیدھی سیدھی ہوتی ہے مگر اُن پر توان کے کفر کی وجہ سے خدا کی لعنت و پھٹکار ہے۔ پس اُن میں سے بہت تھوڑے لوگ ایمان لاتے ہیں۔

اے وہ لوگو! جن کو ہم نے کتاب دی تھی سن رکھو کہ جو کتاب ہم نے پیغمبر اسلام پر نازل کی ہے اور جو اُس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے ہاتھوں میں موجود ہے اس پر ایمان لے آؤ مگر اس سے پہلے ایمان لے آؤ۔ کہ ہم لوگوں کے چہرے بگاڑ کے پیٹھ پیچھے اُلٹا دیں۔ یعنی اُنھیں ذلیل و خوار کر دیں۔ یا جس طرح ہم نے سبت والوں کو پھٹکار دیا تھا۔ جنہوں نے ہمارے حکم سے نافرمانی کی تھی اسی طرح اُن کو بھی پھٹکار دیں۔

اور یاد رکھو خدا کو جو کچھ منظور ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔

اللہ کبھی یہ بات معاف نہیں کرے گا کہ اُس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو اُس کا شریک ٹھیرایا جائے۔ ہاں اُس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں اللہ جس کو چاہے معاف فرمادے اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراتا ہے تو وہ یقیناً خدا پر طوفان باندھتا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

اے پیغمبر کیا تم نے اُن لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جو اب بڑے مقدس بنتے ہیں۔ اپنے آپ مقدس بننے سے کیا ہوتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے مقدس بناتا ہے یعنی مقدس تو وہ ہے جس کو اللہ مقدس بنائے یہ صرف اللہ ہی کے ہاتھ ہے جس کو چاہے بُرائیوں سے پاک و صاف کر دے اور اللہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کہتے تھے جس کے معنی ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔ اسمع کے معنی یہ کہ ہماری بات سُنئے یہودی اس پر غیر مسمع بھی بڑھا دیتے تھے جس کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ خدا تمہیں بُری بات نہ سنوائے۔ دوسرے معنی ہیں کہ بہرے ہو جاؤ۔ اسی طرح رعنا کا لفظ بولتے۔ جس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ہماری طرف توجہ کیجئے۔ دوسرے معنی ہیں اے ہمارے چرواہے۔

کے ہاں تو ذرا بھی کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

اے رسول دیکھو تو سہی یہ لوگ کس طرح اللہ پر صریح بہتان باندھتے ہیں۔ اُن کو گنہگار ٹھیرانے کے لئے تو یہی بات کافی ہے۔ اے پیغمبر! کیا تم ان لوگوں کا حال نہیں دیکھتے جنہیں اللہ کی کتاب کے علم میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا۔ وہ کس طرح بتوں اور شیطان کے معتقد ہو گئے ہیں اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ یہی بہتر ہیں۔ اے پیغمبر یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی پھٹکار پڑی ہے۔ اور جس کسی پر اللہ کی پھٹکار پڑی تو ممکن نہیں کہ تم کسی کو اُس کا مددگار پاؤ۔

پھر کیا یہ بات ہے کہ اُن کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ ہے اور نہیں چاہتے کہ اُس میں سے کسی کو ذرا سا بھی کچھ ملجائے یا پھر اللہ نے جو اپنے فضل سے لوگوں کو قرآن کی نعمت عطا کی ہے اس کا انہیں رنج و حسد ہے مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہم نے پہلے بھی خاندان ابراہیم کے لوگوں کو کتاب اور حکمت دی اور اُن کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی تھی پھر لوگوں میں کوئی تو اس کتاب پر ایمان لایا اور کسی نے اس سے سرکشی اختیار کی اور جس نے روگردانی کی تو اُس کے لئے دہکتی ہوئی دوزخ کی آگ کافی ہے یاد رکھو جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا یعنی اُنہیں جھٹلایا اور سرکشی کے ساتھ مقابلہ کیا تو ہم قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے۔

جب ان کی کھالیں گل جائیں گی تو ہم اس غرض سے کہ عذاب کا مزہ ان کو اچھی طرح چکھائیں۔ گلی ہوئی کھالوں کی جگہ ان کی دوسری نئی کھالیں پیدا کر دیں گے بے شک اللہ بڑا زبردست اور حکمتوں والا ہے۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے کام بھی اچھے کئے تو ہم عنقریب اُن کو راحت اور سرور کے ایسے باغوں میں لیجا داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی اور اُن کی سرسبزی و شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اُن کی رفاقت کے لئے نیک و پارسا بیویاں ہونگی نیز ہم انہیں اپنی رحمت کے اچھے سائے میں جگہ دینگے۔

مسلمانو! تمہارے لئے اللہ کا حکم یہ ہے کہ امانت رکھنے والوں کی امانتیں جب وہ مانگیں تو اُن کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑے فیصلہ کرنے لگو تو چاہئیے کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو کیا ہی اچھی بات ہے جس کی خدا تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ ساری باتوں کی بھلائی اور خوبی عدل و انصاف ہی کے قیام سے مل سکتی ہے۔ بلاشبہ وہ سب کچھ سُننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

مسلمانو اللہ کا حکم مانو اور اُسکے رسول کا حکم مانو اور اُن لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں صاحب حکومت ہیں۔ پھر اگر کسی امر میں تم اور حاکم وقت جھگڑ پڑو تو چاہیے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ اور جو کچھ وہاں سے فیصلہ ملے اُس کو تسلیم کرو اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ تو تمہارے لئے یہی راہ ہے اس میں تمہارے لئے بہتری ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی یہی طریقہ بہت اچھا ہے۔

اے پیغمبر کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جو منافق مسلمان کہلاتے ہیں۔ جو مُنہ سے تو یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے یعنی قرآن اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے دیگر آسمانی کتابیں وہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن عمل کا حال یہ ہے کہ اپنے مقدمے ایک سرکش اور شریر آدمی (کعب بن اشرف) کے پاس لے جائیں حالانکہ اُن کو حکم دیا جا چکا ہے کہ اس کی بات نہ مانیں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو اس طرح گمراہ کر دے کہ یہ راہِ راست سے بہت دور ہو جائیں۔

اور اے پیغمبر جب ان لوگوں کو اللہ کے حکم کی طرف جو اُس نے نازل کیا ہے اور اُس کے رسول کی طرف جس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے بلایا جاتا ہے تم ان منافق مسلمانوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے مُنہ پھیر لیتے ہیں اور اُن کے قدم ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں اور کہتے ہیں پھر اگر ایسا ہو کہ ان کے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے اُن پر کوئی مصیبت آ پڑے تو اُس وقت یہ تمہارے پاس دوڑتے ہیں اور تمہارے پاس آکر خدا کے نام کی قسمیں کھائیں گے اور مُنہ سے یہ کہیں گے کہ ہمیں آپ کا فیصلہ ماننے سے کبھی انکار نہیں ہم نے جو کچھ کیا تھا اس سے مقصود صرف بھلائی تھی اور یہ کہ آپس میں

سلوک اور میل ملاپ رہے۔

اے پیغمبر یہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کے دلوں کے حال اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کھوٹ اُن کے دلوں میں چھپا ہوا ہے۔ اُس کی اللہ کو سب خبر ہے۔ پس تم اُن کے پیچھے نہ پڑو۔ اور اُن کی اس ریاکاری اور نفاق پر اُن کو نصیحت کرتے رہو البتہ تم اُن کو اس طرح کی نصیحت کرو کہ تمہاری باتیں اُن کے دلوں میں گھر کرجائیں۔

ہر مسلمان کا فرض

اس دیس میں توحید کا نقارہ بجادو
اک ضرب میں سوئی ہوئی بستی کو جگادو

پہنچادو ہر اک گوشہ میں اسلام کا پیغام
اور شرک سے اوہام کی بنیاد ہلادو

اسلاف کے اخلاق کا بن جاؤ نمونہ
گالی تمہیں دے کوئی تو تم اُس کو دعادو

سب سے یہ بڑا فرض ہے اِس وقت تمہارا
جو تفرقے آپس کے ہیں ان سب کو مٹادو

چھوٹوں میں اطاعت ہو تو شفقت ہو بڑوں میں
اس رشتہ سے ان دونوں کو آپس میں ملادو

مومن ہو۔ جھکو اِک فقط اللہ کے آگے
مُسلم ہو۔ سرا سلام کی عزت پہ کٹادو

دنیا کو دکھادو کہ ہو تم عزم کے پیکر
رستہ میں ہمالہ ہو تو ٹھوکر سے ہٹادو

زینت جو مدارس کی ہے اور اُس کو بڑھاکر
رونق جو مساجد میں ہے چاند اُس کو لگادو

میراث میں تہذیبِ عرب تم کو ملی ہے
آفاق میں دھوم اپنے تمدن کی مچادو

پھر زندہ کرو شیوہ رسول عربی کا
باطل کے اُبھرتے ہوئے جذبوں کو دبادو

دل چھین لو دنیا کا محبت کے عمل سے
سیلاب مساوات و اُخوت کا بہادو

آزاد غلامی سے کرو اپنے وطن کو
اور مرتبہ اقوام کا پھر اس میں بڑھادو

(مولٰنا ظفر علیخان)

جگمگاتا ہوا نور

(۱) اے رسول! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سی بشارت آچکی اور ہم تمہاری طرف جگمگاتا ہوا نور ہدایت یعنی قرآن بھیج چکے - جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اُنہوں نے قرآن کا سہارا پکڑا تو اللہ بھی عنقریب اُن کو اپنی رحمت کے سایہ، اور اپنے فضل کی پناہ میں لے لیگا۔ اور اپنے حضور تک پہونچنے کا سیدھا رستہ دکھا دیگا - (النساء)

(۲) اے پیغمبر اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور یعنی قرآن آچکا ہے جس کے احکام بہت صاف اور بہت واضح ہیں جو لوگ اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کے طالب ہیں اُن کو اللہ اسی قرآن کی روشنی میں سلامتی کے رستے دکھاتا دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے ان کو کفر و الحاد کی تاریکیوں میں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے۔ اور اُن کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے - (المائدہ)

(۳) اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو اللہ نے جو احسان تم پر کئے ہیں ان کو یاد کرو - اور اُس کا یہ احسان بھی یاد کرو کہ اُس نے تم پر قرآن اُتارا اور عقل کی باتیں اُس میں بیان کیں - (البقر)

قرآن مجید کی جن آیات کا ترجمہ اوپر دیا گیا ہے بہت صاف اور واضح ہیں۔ مسلمان خواتین اُن کو غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا سہارا پکڑنے کے لئے کس قدر صریح ارشاد فرمایا ہے۔

یہ سہارا ہم اُسی صورت میں پکڑ سکتے ہیں کہ قرآن مجید کو ہم سمجھ کر پڑھیں اور اُس پر عمل کریں - دوسری آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں جو احکام ہیں وہ بہت صاف اور واضح ہیں - جو لوگ اپنے پروردگار کو خوش کرنا چاہتے ہیں تو وہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھیں اور اُس پر عمل کریں - اگر ہم سوچ سمجھ کر نہ پڑھیں گے تو وہ روشنی ہمیں کیونکر نظر آئیگی - جس سے ہم سیدھا رستہ

دیکھ سکیں اور وہ نور ایمان کیونکر حاصل ہوگا جو ہمیں کفر کی تاریکیوں میں سے باہر نکالکر سیدھا راستہ دکھائے۔ سیدھا راستہ ہم کو اُس وقت نظر آئیگا۔ جب قرآن کو نورِ ہدایت تصور کرکے ہم اُس کی روشنی میں چلیں گے۔

واقعی اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے اپنے بندوں پر رحم فرمایا اور اُن کی رہنمائی کے لئے قرآن نازل فرمایا۔ مگر ہم ہیں کہ اپنی غفلت کی وجہ سے اللہ کے احکام سنتے بھی ہیں مگر اُن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

ہم بار بار مُسلم خواتین کو قرآن مجید پر عمل کرنے کے لئے متوجہ کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو نہایت آسان اور سلیس زبان میں پیش کرتے رہتے ہیں تاکہ عمل کا شوق پیدا ہو۔

مسلم خواتین کو یقین کرلینا چاہیئے کہ قرآن مجید کا نزول ہرگز ان اغراض کیلئے محدود نہ تھا۔ جو ہم نے سمجھ رکھی ہیں۔ جن کا ذکر پچھلے مہینے کے رسالے میں ہو چکا ہے اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت سے ثواب و برکت تو حاصل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اُس کی تلاوت اس طرح کرو جو اس کا حق ہے یعنی سمجھ کر پڑھو اور اُس پر عمل کرو۔ ہم نماز پڑھیں تو وہ بھی سمجھ کر پڑھیں عربی زبان میں اگر دُعا مانگیں تو ہمکو یہ تو معلوم ہو کہ اللہ سے کیا مانگ رہے ہیں۔ قرآن مجید کے بیسیوں ترجمے موجود ہیں ہم قرآن مجید پڑھیں تو اُس کا ترجمہ بھی پڑھیں اور معلوم کریں کہ اللہ ہم کو کن احکام کی تعمیل کے لئے حکم دیتا ہے اور کن بُری باتوں سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

ہم اگر مسلمان کہلاتے ہیں تو ہمیں دل سے اسلام پر ایمان لانا چاہیئے ورنہ ہم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ محض اسلامی نام رکھ لینے سے ہم مسلمان نہیں بن سکتے۔ نام کے مسلمان تو آجکل بکثرت ہیں۔ اگر دل میں نور ایمان نہیں ہے تو ایسے اسلام سے کیا فائدہ۔ اگر ہم دل میں خدا کی ہستی کے قائل ہیں تو اُس کے حکموں کو بھی ماننا ہمارا فرض ہونا چاہیئے ہم مسلمان ہوکر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی سے انکار کی جرأت ہی کیوں کر کرسکتے ہیں۔

محمد اکرام

حُسن مستور

(از مولوی عزیز الحق صاحب عزیزؔ بی اے۔ بی ٹی علیگ شملہ)

تیری جرأت نے مجھے اے پردہ در حیراں کیا　　نفسِ امّارہ پہ تو نے ہوش کو قرباں کیا
کرکے قرآں کو نثارِ مُصحفِ روئے بتاں　　چاک بدبختی سے تُو نے پردۂ نسواں کیا

دستِ قدرت نے کہیں بھی حُسن کو عریاں کیا؟　　ابر میں پانی تو پتھر میں شرر پنہاں کیا
مشک کو نافے میں رکھا اور بُو کو پھول میں　　پھول کو کانٹوں میں رکھکر حفظ کا ساماں کیا
رکھا گوہر کو صدف میں سیم و زر کو کان میں　　جب کبھی باہر نکالا در بدر حیراں کیا
ایک کو پیسا کھرل میں سنگدل عطّار نے　　ایک کو زرگر نے لے کر نذرِ آتش داں کیا
چادرِ شب میں لپیٹا نازنینِ ماہ کو　　خیمۂ افلاک میں سورج کو آویزاں کیا
اُستخواں کو پوست میں رکھا رگوں میں خون کو　　قلب کو سینہ کے اندر مرکزِ ایماں کیا
کاسۂ سر کو بنایا مسکنِ فہم و ذکا　　مردمِ دیدہ کو قیدِ پردۂ مژگاں کیا
لفظ میں معنی کو رکھا اور زباں میں نطق کو　　راگ کو باجہ میں بھر کر کیف کا ساماں کیا

دانۂ بے پردہ سے کی تیز منقارِ ہوس تخم زیرِ خاک سے پیدا گلِ ریحاں کیا
صانعِ قدرت نے غافل خود بھی اپنے حسن کو برگ میں گل میں شجر میں شاخ میں پنہاں کیا
دیدۂ مخلوق سے مستور رکھا نورِ ذات طالبانِ دید کو وقفِ غم و حرماں کیا

حُسن کی ہر اک ادا جب اس طرح مستور تھی حُسنِ زن کو تو نے ظالم کس لئے عُریاں کیا
رکھ دیا بازار میں لاکر جمالِ حور کو معنیٔ پنہاں کو تُو نے زینتِ عُنواں کیا
بد نگاہی کے عوض ملتی ہے موجِ حُسن آج تو نے جنسِ بے بہا کو کِسقدر ارزاں کیا
باز آ ابر باد مت کر غیرت و ناموسِ قوم خود بھی مٹ جائیگا گر تو نے یہ اے ناداں کیا

قوم و ملّت کی ترقّی ہو نہیں سکتی عزیزؔ
گر عمل ہم نے خلافِ سُنت و قرآں کیا

(عزیز الحق عزیزؔ)

غرض ہے پیکارِ زندگی سے کمال پائے ہلال تیرا جہاں کا فرض قدیم ہے تو ادا مثالِ تمار ہو جا
نہ ہو قناعت شعار گلچیں اسی سے قائم ہے شان تیری وفورِ گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہو جا
گئے وہ ایام اب زمانہ نہیں ہے صحرا نوردیوں کا جہاں میں مانند شمع سوزاں میان محفل گداز ہو جا
نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمال شانِ سکندری سے تمام ساماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آئینہ ساز ہو جا

یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آذری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا

ثالث بالشّر

جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی بی اے کا نام نامی اَب دُنیا ادب میں کسی مزید تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ انیس نسواں کے لئے یہ امر باعثِ عزت و افتخار ہے کہ ملک کے مشہور اہل قلم ادیب اسکی قلمی معاونت پر آمادہ ہوگئے ہیں۔

مرزا صاحب نے ذیل کے دلچسپ مضمون میں مسلمانوں کی موجودہ معاشرت کی بالکل سچی تصویر اپنے خاص رنگ میں کھینچی ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ یہ مضمون بہت دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔ اور خاص قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

ہے کسی میں ہمت جو میرے سامنے صفیہ کو برا کہے۔ قسم خدا کی فوجداری ہوجائے۔ یہ اس لئے نہیں کہ میں اس کا ماموں ہوں بلکہ اس لئے کہ کسی کو بلا وجہ برا کہنے سے مجھے تاؤ آجاتا ہے آخر میں بھی تو سنوں کہ اُس میں کیا برائی ہے۔ کھانا پکانا وہ جانتی ہے۔ سینے پرونے میں وہ مشّاق ہے۔ گھرداری اُس کو آتی ہے۔ پیسہ کو پیسہ وہ سمجھتی ہے میاں کی ہر بات کی دیکھ بھال وہ کرتی ہے شریف گھرانے کی لڑکی ہے اس لئے شریفوں کی طرح رہتی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ بے عیب خدا کی ذات ہے۔ اگر اس میں کوئی برائی ہے تو بس یہ ہے کہ ہمیشہ بڑبڑاتی رہتی ہے اور یہ عادت اس کو بچپن ہی میں ماماؤں کے پاس اُٹھنے بیٹھنے سے پڑگئی ہے مگر اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ ایک بُرائی کی وجہ سے اس کی ساری بھلائیوں پر پانی پھیر دیا جائے۔

اب رہے اُس کے میاں۔ تو اُس غریب کو بھی بُرا نہیں کہا جاسکتا۔ تعلیم بھی اچھی پائی ہے۔ تربیت بھی اچھی ہوئی ہے نوکری بھی خاصی اچھی ملی ہے۔ بچارا جو کماتا ہے بیوی کے حوالہ کردیتا ہے

اس پر بھی اس کو کبھی شکایت نہیں ہوئی کہ بیوی نے "مالِ مفت دلِ بے رحم" پر عمل کر کے تنخواہ کو اندھا دھند خرچ کیا ہو مگر میاں عنایت میں اگر کوئی عیب ہے یہ تو ہے کہ ان کا غصہ ہمیشہ ناک پر دھرا رہتا تھا۔ ایک طرف بڑبڑانا۔ دوسری طرف غصہ۔ اگر آپس میں بنے تو کیونکر بنے بس یہ سمجھ لو کہ روز بگڑتی ہے اور بنتی ہے۔ بنتی ہے اور بگڑتی ہے۔

میاں رات گئے پھر پھرا کر گھر آئے۔ کپڑے اتارے منہ ہاتھ دھویا کھانا مانگا۔ ماما نے دستر خوان بچھا دیا۔ بیوی نے پتیلیوں میں سے کھانا نکال سلیقہ سے دستر خوان پر چنا دیا۔

میاں آ کر دستر خوان پر بیٹھے۔ دستر خوان پر اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ مگر اس کو کیا جائے کہ ان کا دل تلا ہوا انڈا کھانے کو چاہا۔ کہنے لگے" بیگم ایک انڈا انہیں تل دیتیں"۔ بیوی پتیلیاں چھوڑ انڈا تلنے اٹھیں۔ مگر اپنی عادت کے موافق بڑبڑانا شروع کیا۔ "اے ہے تم نے تو ناک میں دم کر دیا ہے۔ اول تو رات کو دس بجے دوستوں سے فرصت ہوئی ہے۔ میں انتظار کرتے کرتے تھک گئی۔ بھوک سے برا حال ہو گیا۔ اور اب آئے ہیں تو حکم ہوتا ہے کہ چولھے میں گھسو۔ ایسا ہی تھا تو کسی کے ہاتھ کہلا بھیجا ہوتا کہ انڈا تل رکھو تم تو یہ چاہتے ہو کہ میں کبھی چین سے نہ بیٹھوں اب ادھر بی صفیہ ہیں کہ بڑبڑا رہی ہیں اور انڈا تلنے کا سامان نکال رہی ہیں اور ادھر میاں ہیں کہ اُن کے غصہ کا پارا بڑھ رہا ہے۔ روٹی جو توڑی تھی وہ یونہی چھوڑ دی۔ یا تو دستر خواں کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے تھے یا ذرا ترچھے ہو گئے اس طرح بھی چین نہ آیا تو دوسرا پہلو بدلا۔ تیسرا پہلو بدلا اور آخر جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے ٹہلنے لگے۔ اُدھر گھی گرم ہوتا رہا اور اِدھر اُن کا مزاج گرم ہوتا گیا اور بیوی نے آ کر کفچے میں سے انڈا رکابی میں اُلٹا اور اُدھر انہوں نے دستر خوان اُلٹا۔ سارا دستر خوان اور چاندنی ستیاناس ہو گئی۔ اب بی صفیہ کی شرافت دیکھو کہ بجائے بگڑنے کے میاں کی خوشامد کرنے لگیں" واہ جی واہ آخر اس غصہ کی وجہ۔ میں تو تمھارے کہتے ہی انڈا تل کر لائی اور تم نے

دستر خوان ہی اُلٹ دیا۔ چلو میں دوسرے کمرے میں دستر خوان بچھاتی ہوں۔ آخر میں بھی تو سنوں کہ تم خواہ مخواہ خفا کیوں ہو گئے۔ اری نصیبن ذرا دستر خوان تو بڑھا۔ دیکھ سامنے کی الماری میں دُھلی ہوئی چاندنی رکھی ہے۔ اس چاندنی کو اُٹھا کر وہ بچھا دے۔ اور ہاں دیکھ وہ اوپر کے خانے میں دستر خوان رکھے ہیں ایک نکال کر مجھے دیدے۔ میں دوسرے کمرے میں نیا دستر خوان بچھاتی ہوں" اب بتائیے کہ میاں پریشان نہ ہوں تو کیا کریں اور جواب دیں تو کیا جواب دیں۔ ایسے غصہ والے جتنی جلدی بگڑتے ہیں اتنی جلدی من بھی جاتے ہیں میاں بیوی نے مل کر دستر خوان بچھایا۔ پھر نئے سرے سے کھانا نکالا گیا۔ دونوں نے بیٹھ کر کھایا اور مزہ یہ ہے کہ جس انڈے کی وجہ سے یہ ساری گڑبڑ ہوئی تھی وہ بی ماما نے نوش جان فرمایا۔ اور میاں نے یہ بھی نہیں کہا کہ "بیوی جب تک دستر خوان پر تلا ہوا انڈا نہ ہوگا میں کھانا ہی نہ کھاؤنگا"

میں اور عنایت ہم عمر اور ہم جماعت تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ قسمت نے مجھے اس کا ممیا سسر کر دیا تھا اس لئے جب میاں بیوی میں بات بڑھ جاتی تو مجھے ہی تصفیہ کے لئے بُلایا جاتا۔ مگر صاحب ہی ایسا کہ ان دونوں کے معاملہ کا تصفیہ میں کیا دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا جج بھی نہیں کرسکتا۔ صفیہ کو سمجھاتا کہ "خدا کے لئے تو اپنا بڑبڑانا چھوڑ" وہ کہتی "ماموں میں کروں کیا، بچپن سے کمبخت بڑبڑانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ ہزار کوشش کرتی ہوں مگر میری زبان نہیں رُکتی۔ یہ خود ہی سمجھ کر چپ ہو جایا کریں کہ دیوانی ہے بکنے دو"۔ عنایت کو سمجھاتا کہ بھئی جب تم کو معلوم ہے کہ صفیہ خدانخواستہ کسی بُری نیت سے تم کو کچھ نہیں کہتی تو تم ہی ذرا صبر کیا کرو"۔ وہ جواب دیتے کہ بھئی کیا میں بیوقوف ہوں جو اتنا بھی نہیں سمجھتا مگر اس کو کیا کروں کہ غصہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ہزار کوشش کرتا ہوں کہ بات کو ٹال دوں مگر ان کے بڑبڑانے کا سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے۔" اب آپ ہی فرمائیے کہ جہاں دونوں فریق اپنے اپنے قصور کو مان رہے ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ رہے ہوں کہ ہماری عادتوں کا بدلنا ممکن نہیں ہے وہاں آخر تصفیہ ہو تو کیوں کر ہو۔

ایک دن کیا ہوا کہ میں گھر میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا کہ بی بی صفیہ کی ماما ہانپتی کانپتی آئی اور کہا "سرکار جلدی چلیئے۔ غضب ہو گیا۔ میاں گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں" میں نے کہا تو خود آئی ہی یا کسی نے تجھکو بھیجا ہے"۔ کہنے لگی" میاں نے بھیجا ہے" میں نے کہا" واہ یہ بھی خوب ہوئی۔ میاں خود ہی گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں اور خود ہی مجھکو بلا رہے ہیں۔ ارے صفیہ نے بھیجا ہو گا"۔ کہنے لگی نہیں سرکار کوئی میں جھوٹ کہتی ہوں۔ بیگم صاحب تو اُن کی خوشامد کر رہی ہیں مگر میاں کہتے ہیں نہیں۔ آج تو یا ادھر یا اُدھر۔ میری تمہاری کسی طرح نبھ نہیں سکتی"۔ میں سمجھ گیا کہ آج کچھ بات کچھ بڑھ گئی ہے جو صرف میاں عنایت نے مجھے بلایا ہے۔ نہیں تو تصفیہ کے لئے میاں بیوی دونوں مجھے بلانے تھے۔ یہ سوچ کر میں اُٹھا جلدی جلدی شیروانی پہنی۔ جوتہ پہنا۔ ٹوپی سر پر رکھی اور ذرا تیز قدم چلا کہ کہیں میاں عنایت واقعی گھر سے چل نہ دئے ہوں۔ دروازہ پر پہنچ کر آواز دی "میں آؤں"۔ صفیہ نے جواب دیا "جی آئیے" اندر جا کر دیکھتا ہوں کہ میاں عنایت نہایت اطمینان سے تکیہ سے لگے بیٹھے ہیں سامنے چاء کی پیالی رکھی ہے۔ بی صفیہ بیٹھی پان بنا رہی ہیں۔ پریشان تھا کہ یاالٰہی میں تو سمجھا تھا کہ القطع القطاع ہو گئی ہو گی اور یہاں تو دونوں میاں بیوی اس طرح بیٹھے ہیں کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ میں نے پوچھا کہو بھئی مجھے کیوں بلایا تھا۔ میاں عنایت کہنے لگے "جی نہیں کوئی بات تو تھی نہیں۔ میں نے سوچا کہ آپ بھی آجائیں تو اچھا ہے" میں نے کہا "یہ بھی اچھی ہوئی دھوپ میں ایک میل بھر مجھکو گھسیٹا۔ بچاری بڑھیا ماما کو الگ پریشان کیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ جی کوئی بات نہیں تھی۔ بھئی خدا کے لئے تم دونوں مجھے اپنے جھگڑوں میں نہ ڈالا کرو۔ تم گھڑی بھر میں لڑتے ہو۔ گھڑی بھر میں مل جاتے ہو اور میں مفت میں پریشان ہوتا ہوں۔ آخر میں بھی تو سنوں کہ یہ تھا کیا معاملہ" عنایت نے کہا کہ جی کچھ نہیں۔ ان کے بڑبڑانے سے بات بڑھ گئی" صفیہ نے کہا" جی کچھ نہیں۔ صرف ان کے غصہ سے بات بڑھ گئی"۔ میں نے کہا "یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ تم دونوں میں جب لڑائی ہوتی ہے اس بڑبڑانے اور غصہ سے ہوتی ہے۔ مگر یہ تو

معلوم ہو کہ تم بڑبڑائی کیوں - اور اُن کو غصہ کیوں آیا؟ دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دونوں بے اختیار ہنس دئے - ان کی ہنسی پر مجھے بہت غصہ آیا - اور آنا بھی چاہئے - کسی بھلے آدمی کو جو آرام سے بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہو یہ کہکر بلانا کہ اگر نہ آئے تو ایک بنا بنایا گھر بگڑ جائے گا - اور جب وہ گرمیوں میں میل بھر دھوپ میں چل کر آئے تو یہ کہنا کہ جی نہیں - کچھ بات نہیں ہے آگ نہ لگا دیگا تو کیا کریگا - مینے کہا "میاں غیاث بانتہاری اور بی صفیہ کی نبھنی مشکل ہے - بہتر یہ ہے کہ تم اس کو طلاق دیدو - میرا طلاق کا نام لینا تھا کہ دونوں جھاڑ کے کانٹے کی طرح میرے پیچھے پڑگئے - عنایت کا منہ غصہ سے تمتمانے لگا صفیہ کا چہرہ سرخ ہوگیا - مجھے بھی تاؤ آگیا - میں نے کہا اگر تم دونوں میں ایسی ہی محبت ہے تو اس طرح روز روز کا لڑنا کیسا - اور اگر لڑے بغیر کام نہیں چلتا تو ساتھ مل کر رہنے سے فائدہ - القط کر و نہ رہیگا بانس نہ بجیگی بانسری - میرے اس کہنے سے شاید دونوں نے اپنی اپنی بیوقوفی کو سمجھا - میاں عنایت نے بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا - آہستہ آہستہ دونوں کے ہاتھوں کی گرفت ذرا سخت ہوئی - دونوں نے ایک دوسرے کو محبت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا اور بے اختیار دونوں کے آنسو نکل پڑے - میں بھی یہ سوچ کر وہیں بیٹھ گیا کہ ان کو ذرا اچھی طرح رولے دو جب طبیعت سنبھل جائے گی اس وقت پھر سمجھاؤنگا - تھوڑی دیر تک ان کی یہی حالت رہی - مینے اُٹھ کر جھجری میں سے پانی اُلٹا - کٹورا بھرا - دونوں کو تھوڑا تھوڑا پانی پلایا - جب اُنکی طبیعت سنبھلی تو میں نے پوچھا "اچھا یہ تو بتاؤ کہ یہ تھی کیا بات" "عنایت نے کہا" میں نے چاء بنوائی تھی - یہ چاء بنا کر لائیں - چاء میں مٹھاس کم تھی - میں نے کہا تمہاری یہ عمر ہوگئی مگر تم کو چاء بنانی نہیں آتی - انہوں نے کہا کہ تمہاری اتنی عمر ہوگئی تم کو چاء پینی نہیں آتی - آخر خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ اس میں کونسی کمی ہے" میں نے کہا "اس میں شکر تو ہے ہی نہیں" کہنے لگیں "تو یہی کہا ہوتا - میں شکر کا ایک چمچہ اور ڈال دیتی - یہ کہہ شکر دانی لانے گئیں - مگر وہی اپنی عادت کے موافق بڑبڑاتی گئیں - شکر دانی لائیں تو بڑبڑاتی

ہوئی لائیں شکر نکالی تو بڑبڑاتے ہوئے نکالی اور شکر ڈالی تو بڑبڑاتے ہوئے ڈالی۔ مجھے انکی اس بات پر غصہ آگیا۔" میں نے کہا کہ صفیہ نے آخر بڑبڑانے میں کہا کیا جو آپ کو غصہ آگیا۔ "عنایت نے کہا" یہ کس کو یاد ہے کہ کیا کہا۔ کچھ کہا ہی ہوگا۔" میں نے صفیہ سے پوچھا" کہ تم کو کچھ یاد ہے کہ تم نے کیا کہا تھا۔" صفیہ نے کہا" مجھ کم بخت کو یہ کب معلوم ہوتا ہے کہ میں بڑابڑا رہی ہوں۔ کام کرتی رہتی ہوں۔ زبان خود بخود چلتی رہتی ہے۔ جب مجھے یہی نہیں معلوم ہوتا کہ میں بڑبڑا رہی ہوں تو یہ کیا یاد رہ سکتا ہے کہ میں کہہ کیا رہی ہوں" میں نے کہا کہ" یہ آخر صفائی کیونکر ہوئی۔" یہ سن کر دونوں پھر ہنسنے لگے۔ میں نے کہا سبحان اللہ۔ تم دونوں کچھ عجب میاں بیوی ہو۔ کبھی روتے ہو کبھی ہنستے ہو۔" صفیہ نے کہا" ماموں اگر ہنسیں نہیں تو اور کیا کریں۔ جب لڑائی کے بعد ہم سوچتے ہیں کہ آخر یہ جھگڑا کیوں ہوا تھا تو خود بخود ہنسی آجاتی ہے ان کو شکایت تھی کہ چائے پھیکی ہے۔ زبردستی اعتراض کر بیٹھے اور دراصل بات یہ تھی کہ شکر نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے لاکر پیالی میں دو چمچے شکر اور ڈال دئے۔ اس کے بعد جو ہلا کر انہوں نے چائے پی تو شربت ہو گئی تھی، اس وقت سمجھے کہ غلطی میری ہی تھی۔ میں نے جو کچھ بڑبڑانے میں کہا تھا وہ خود ان کو یاد نہیں تھا۔ آخر لڑائی رہتی تو کس بات پر رہتی۔ انہوں نے کہا کہ میری غلطی تھی۔ میں نے کہا کہ میری غلطی تھی۔ چلو صفائی ہوگئی۔" میں نے کہا ہاں تمہاری تو صفائی ہوگئی اور میرا گرمی میں آنے سے فشار ہو گیا اور ابھی ایک میل کی رپٹ اور باقی ہے" عنایت نے کہا" بھائی صاحب ماموں بننا کچھ آسان کام نہیں ہے" میں نے کہا" صحیح ارشاد ہوا ہے۔ اگر صفیہ جیسی بھانجیاں اور آپ جیسے بھانجے داماد ہوں تو تھوڑے ہی دنوں میں سارے ماموں اپنا گلا گھونٹ کر مر جائیں۔ یہ سچ ہے کہ میاں بیوی میں لڑائی ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہئے کیونکہ اس رشتہ میں بغیر لڑائی کے محبت قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن نہ اس طرح کہ بات بات پر جھگڑا۔ بات بات پر لڑائی۔ اور وجہ دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ خدا معلوم تم دونوں کی عمر کس طرح بسر ہوگی۔ خدا کے لئے اتنا کھینچو کہ کھینچتے کھینچتے ٹوٹ جائے۔" بی صفیہ یہ سن کر" ٹوج" اتنے زور سے کہا کہ میں تو اچھل پڑا۔

کہنے لگی "ماموں۔ آپ ایسی فال زبان تو منہ سے نہ نکالئے کہیں شریفوں کے نکاح ایسی باتوں سے خدانخواستہ ٹوٹتے ہیں۔ میرا نکاح تو مرتے دم تک کا ساتھ ہے۔ یہ مجھ سے جتنا چاہیں بگڑیں۔ میں ان سے معافی مانگوں گی ہاتھ جوڑوں گی پاؤں پڑونگی۔ آخر کہاں تک معاف نہ کرینگے" میاں عنایت بولے" تم کو معافی مانگنے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ کوئی قصور ہو تو معافی مانگی جائے۔ تم کچھ سوچ سمجھ کر مجھے برا تھوڑی کہتی ہو۔ ایک عادت پڑ گئی ہے اُس سے مجبور ہو۔ آخر میں کوئی دیوانہ ہوں جو اتنا بھی نہ سمجھتا ہوں۔" میں نے کہا" جب سمجھتے ہو تو پھر تم کو غصہ کیوں آتا ہے۔" کہنے لگے" غصہ سے مجبور ہوں۔ اور یہ بھی جانتی ہیں کہ میرا غصہ محض زبردستی کا غصہ ہے۔ میں معافی مانگ لیتا ہوں۔ یہ معاف کر دیتی ہیں" لیجئے سُن لیا آپنے، من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔ اب رہے ہم۔ تو ان دونوں کے جھگڑے میں پڑ کر ہم نوسے کھرے اُتو رہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ میاں بیوی کے جھگڑے میں پڑنا سخت بے وقوفی ہے یہ دونوں ذراسی دیر میں مل جل کر ایک ہو جاتے ہیں اور بیچ میں پڑنے والا مفت میں بیوقوف بنتا ہے۔

اس کے بعد میرا جانا بمبئی ہو گیا۔ کوئی مہینہ ڈیڑھ مہینہ بعد واپس آیا۔ نہا دھو کر کپڑے بدل بی صفیہ کے ہاں گیا کہ دیکھوں اب ان میاں بیوی کا کیا رنگ ہے۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ دونوں کہیں مہمان گئے ہیں۔ بی نصیبن گھر میں تھیں میں نے اُن سے پوچھا" کہو بی نصیبن اب اس گھر میں کیسی گزر رہی ہے" اس نے کہا" میاں جب سے آپ بمبئی گئے ہیں ہمارے گھر میں تو امن امان، چین چان ہے۔" میں نے کہا" اوہو یہ تو تم نے نئی بات سنائی۔ آخر ایک دم یہ کایا پلٹ کیوں ہو گئی۔" کہنے لگی" میاں اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک بات کہوں" میں نے کہا" کہو۔ اس میں برا ماننے کی کونسی بات ہے" نصیبن نے کہا" میاں۔ آپ ہمارے میاں بیوی کے معاملہ میں دخل نہ دیا کیجئے۔ آپ ہی کی وجہ سے یہ سارے جھگڑے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر میرے تو آگ لگ گئی۔ میں نے کہا" بی نصیبن تم کو یہ کہتے شرم نہیں آتی۔ میں ملانے آتا ہوں یا لڑانے" کہنے لگی" میاں بینے

یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں جب میاں بیوی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ملانے والا کوئی موجود ہے تو ان کے جھگڑے بڑھ جاتے ہیں لیکن جب کوئی بیچ میں پڑنے والا نہیں ہوتا تو یہ خود لڑنے سے جھجکتے ہیں اور سیدھی سیدھی چال چلتے ہیں۔ مجھ غریب کو جو کچھ معلوم تھا وہ آپ سے کہدیا۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ میری بات مانیں یا نہ مانیں" بیٹے اس بیہودہ عورت کا جواب تو کچھ نہیں دیا۔ مگر اس طرح تیوری چڑھاکر اور منہ بنا کر باہر آ گیا کہ بڑھیا سمجھ گئی ہوگی کہ سرکار ناراض ہو گئے۔

شام کے کوئی پانچ ساڑھے پانچ بجے ہونگے کہ میاں عنایت اور بی صفیہ موٹر سے اُسی میرے گھر میں آئے اور بی صفیہ سر ہو گئیں کہ ماموں سینما چلو۔ مجھکو بھی کچھ کام نہیں تھا میں نے کہا اچھا چلو۔ موٹر کے سامنے والی سیٹ پر میں، اور میاں عنایت بیٹھے اور اندر بی صفیہ۔ راستہ میں بی صفیہ نے پوچھا "آج کیا تماشہ ہے" میاں عنایت نے کہا "بدحواس" سنتا ہوں کہ مس لیلی نے اس میں غضب کا کام کیا ہے۔ ہے یہ کہ اس جیسی ایکٹرس سارے ہندوستان میں مشکل سے ملے گی"۔ یہ سُنکر بی صفیہ نے اندر سے بڑبڑانا شروع کیا کہ" جی ہاں مس لیلی جیسی ایکٹرس سارے ہندوستان میں تو کیا ساری دنیا میں نہ ملے گی۔ جو عورت ذرا چٹکی مٹکی اور مرد اُس پر لٹو ہو گئے۔ ان بیگم صاحبہ کو میں ایک اور تماشہ میں پہلے بھی دیکھ چکی ہوں۔ موئی خاصی لفنگی معلوم ہوتی ہے۔ چہرے سے بدمعاشی ٹپکتی ہے۔ چال ایسی ہے جیسے کوٹھے والیوں کی ہوتی ہے۔ شکل دیکھو تو واہ واہ: ناک ہے تو یہ موٹی۔ ہونٹ دیکھو تو حبشیوں کے سے ڈنڈ قبضہ دیکھو تو پہلوانوں کے سے۔ جب آپ کمر لچکا کر چلتی ہیں تو بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ بھینس شتر غمزے کر رہی ہے۔

بی صفیہ اس طرح ملاحیاں اُڑا رہی تھیں اور میں دیکھ رہا تھا کہ میاں عنایت دل ہی دل میں کھول رہے ہیں۔ ان کو بُرا معلوم ہو رہا تھا کہ میں ایک ایکٹرس کی تعریف کروں اور اُسکی مذمت میں میری بیوی اس طرح گل فشانی کریں۔ آخر ہوتے ہوتے ان کے غصہ کا پارہ اتنا بڑھا کہ مجھے ڈر ہونے لگا کہ کہیں یہ حضرت اپنی موٹر کو کسی دوسری موٹر گاڑی چھکڑے یا کسی راستہ چلنے والے سے نہ ٹکرا دیں۔ آخر خدا خدا کر کے سینما پہنچ گئے۔ وہاں سیٹ ایسی ملی کہ عین ہماری کرسیوں

کے پیچھے زنانہ درجہ میں بی صفیہ تشریف فرما تھیں۔ تماشہ شروع ہوا سامنے کے پردہ پر مس لیلیٰ کا آنا تھا کہ ہمارے پیچھے زنانہ درجہ کا جو پردہ تھا اُس میں سے بی صفیہ نے اپنے بڑبڑانے کا گراموفون بجانا شروع کیا۔ اب میاں عنایت ہیں کہ پہلو بہ پہلو بدل رہے ہیں۔ لوگ ہیں کہ پلٹ پلٹ کر زنانہ درجہ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ زنانہ درجہ میں کھسر پھسر ہو رہی ہے۔ چار آنہ والے درجہ سے خاموش خاموش کی آوازیں آرہی ہیں۔ مگر پردہ کے پیچھے کا ریکارڈ ختم ہونا ہی نہیں جانتا۔ آخر میاں عنایت کے غصہ کا تو یہ حال ہوا کہ کرسی پر سے اُٹھ باہر نکل گئے۔ ادھر وہ باہر ہو گئے اور ادھر زنانہ درجہ میں ایک دم یہ معلوم ہوا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ تماشہ ختم ہونے کے بعد دونوں میاں بیوی میرے سر ہو گئے کہ ہمارے ساتھ چلیئے۔ ہم آپ کو مکان پر اُتار دینگے۔ مگر میں راضی نہیں ہوا۔ کیونکہ سارے تماشہ بھر میں بی نصیبن کے اُس فقرہ پر غور کرتا رہا تھا کہ ان میاں بیوی میں محض اس لئے جھگڑا ہوتا ہے کہ ایک بیوقوف ملاپ کرانے والا موجود ہے۔ اور آخر اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ بڑی بی نے واقعی باون تولہ پاؤ رتی کی بات کہی تھی ورنہ اس کے کیا معنی کہ ڈیڑھ مہینہ تک تو ان میں کوئی جھگڑا نہ ہوا اور میرے آتے ہی وہی پہلی بات پھر پیدا ہو جائے۔ وہ دن اور آج کا دن میں نے میاں عنایت کے ہاں اپنا آنا جانا برائے نام کر دیا ہے۔ جاتا بھی ہوں تو اِدھر گیا اور اُدھر واپس آیا۔ اور یہ کچھ عجیب بات ہے کہ اب نہ میری کبھی طلبی ہوتی ہے اور نہ مجھے ان دونوں میں کبھی کوئی تصفیہ کرنا پڑتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بعض وقت بڑے بوڑھے بڑے پتہ کی بات کہتے ہیں۔ نہ بی نصیبن اُس روز مجھے سمجھاتیں نہ میں اُنکی بات پر عمل کرتا نہ اُن میاں بیوی کی لڑائی ختم ہوتی اور نہ میں اس مصیبت سے نجات پاتا۔

میں آپ سب صاحبوں کو صلاح دیتا ہوں کہ آپ کسی کے ماموں ہوں یا چچا۔ خالو ہوں یا پھوپا کبھی میاں بی بی کا جھگڑا چکانے کی کوشش نہ کیجئے ورنہ یاد رکھئے کہ آپ کے دخل در معقولات ہونے سے یہ جھگڑے اور بڑھینگے اور آپ ثالث بالخیر کی جگہ ثالث بالشر ثابت ہوں گے۔

(مرزا فرحت اللہ بیگ)

مذہب پر ایک مکالمہ

رضیہ اور قیصر بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ اُنہوں نے لکھنؤ کے کانونٹ میں سات سال تک ایک شہر میں تعلیم پائی۔ ان دونوں کے والد ایک ہی شہر میں ملازمت کرتے تھے اسلئے اسکول کے علاوہ بھی دونوں اکثر ملتی رہا کرتی تھیں۔ جب قیصر نے اٹھارہ سال کی عمر میں سینیر کیمبرج پاس کرلیا تو اُس کی شادی ایک آئی۔سی۔ایس سے ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کی ملازمت کے سلسلہ میں لکھنؤ سے باہر رہنے لگی۔ ادھر ایک سال بعد قیصر کی بھی شادی ایک ریلوے کے اے ٹی ایس۔ سے ہوگئی اور وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ وطن سے باہر دور دراز شہروں میں گھومتی رہی۔
تقریباً آٹھ برس اسی طرح گذر گئے۔ رضیہ اور قیصر بچپن میں ایک دم کو جدا نہ ہونے والی سہیلیوں کو ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جب قیصر لکھنؤ اپنے والدین سے ملنے آئی ہوئی ہوتیں تو رضیہ اُس وقت باہر ہوتیں جب رضیہ لکھنؤ میں آئی ہوتیں تو قیصر باہر۔ لیکن آٹھ سال بعد ان دونوں کو ایک ساتھ لکھنؤ میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ قیصر کے شوہر کا تبادلہ کچھ عرصہ کے لئے لکھنؤ ہی میں ہوگیا تھا اور رضیہ اپنے والدین سے ملنے لکھنؤ آئیں اور سنا کہ قیصر بھی مقیم ہیں تو دوسرے ہی دن اُن سے ملنے کو جا پہنچیں۔ آٹھ سال نے دو سہیلیوں کو بہت کچھ بدل دیا تھا۔ رضیہ نے دیکھا کہ سیدھی سادھی کانونٹ میں پڑھنے والی قیصر اب تصنع اور آرائش کی پتلی تھی اس میں مسلمانیت اور اس کے گھر میں اسلامیت کا کوئی نشان نہ تھا۔ اس کے طرز معاشرت میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے کہ کسی کو شک بھی ہو سکے کہ قیصر مسلمان پیدا ہوئی مسلمانوں کے گھر پرورش پائی اور اب بھی خود کو مسلمان ہی کہتی ہے۔
رضیہ کو قیصر کی اس روش کو دیکھکر بہت ہی صدمہ ہوا۔ گرچہ وہ اپنے شوہر کے دوستوں کی

بیویوں کو آئے دن اسی رنگ میں رنگا ہوا دیکھتی رہتی تھی جس رنگ میں کہ قیصر تھی۔ تاہم اُسے قیصر کے اس رویہ کا زیادہ رنج ہوا کیونکہ اسے یاد تھا کہ ایک زمانہ میں قیصر کیتنی سیدھی سادھی خیال پرست لڑکی تھی۔ اُس نے قیصر سے صاف صاف اس کایہ پلٹ کی وجہ پوچھی اور اس سلسلہ میں ان دو سہیلیوں کی جو گفتگو ہوئی وہ چونکہ اپنے اندر وہ تمام عذر و اعتراض اور اُن کے جوابات رکھتی ہے جو کہ مذہب سے کنارہ کشی کے عذر میں پیش کئے جاتے ہیں میں یہاں لکھتی ہوں۔

رضیہ چونکہ اتنی مدت کے بعد قیصر سے ملیں تھیں اس لئے ہر تیسرے چوتھے روز اُسکے یہاں چلی جاتی تھیں اور وہ بھی اُن کے پاس برابر آتی رہتی تھی۔ ہر ایک ملاقات میں رضیہ پر قیصر کی کیرکٹر کے کسی نئے پہلو کا انکشاف ہوتا یہاں تک کہ ایک دن جب قیصر نے رضیہ کے اس جواب کو سُنکر کہ نہیں بہن میں پرسوں جار بجے تمھارے یہاں جا نہیں سکتی کیونکہ رمضان شریف کا پہلا دن ہے پہلے تو کچھ دیر کو چپ ہو گئی یعنی اس بات کو یاد کرنیکی کوشش کی کہ رمضان شریف بھی کوئی مہینہ مسلمانوں کا ہوتا ہی جسکے دوران میں انکے روزمرہ کے معمولی مشاغل میں کچھ فرق ہوتا ہی اور پھر ہنس کر کہا اچھا آپ بڑی دین دار ہیں روزہ رکھیں گی۔ رضیہ کو قیصر کی یہ گفتگو بُری معلوم ہوئی اور اُس نے کہا جی ہاں آپ کی طرح مذہب کو حرف غلط کی طرح میں نے دل سے مٹا نہیں دیا ہے۔ مجھے خدا توفیق دیتا ہے تو روزہ بھی رکھتی ہوں نماز بھی پڑھتی ہوں اور میں بلکہ اتنی بھی زیادہ جاہل ہوں کہ مجکو محرم کا عشرہ اور شب برات کی چودھویں رات کی بھی یاد رہتی ہے۔ میں سچ کہتی ہوں قیصر تم ایسی کیوں ہو گئیں میں تمہاری یہ لامذہبیت پر سخت حیران ہوں آخر کیا وجہ ہوئی کچھ بتاؤ تو۔ قیصر نے پہلے تو ٹالنا چاہا اور کہا۔

قیصر۔ واہ تم نے میری کس بات کو دیکھکر یہ فیصلہ کیا ہے کہ مجکو مذہب کا پاس نہیں رہا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ کانٹے چھری سے کھانا۔ پائجامہ ڈوپٹہ کے بدلے ساڑھی پہننا۔ آڑی مانگ نکالنا۔ انگریزی پڑھنا اور بولنا کفر ہے اگر تم ایسا خیال کرتی ہو تو خود بھی لامذہب ہو کیونکہ مجکو تمہارے لباس اور طرز معاشرت میں اور میرے اپنے طرز معاشرت میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔

رضیہ میں ہرگز ان باتوں کولامذہبی تصور نہیں کرتی میرے خیال میں ایسی فضول باتوں کی مخالفت کرکے ہی مولویوں اور ملاؤں نے لوگوں کو اسلام سے بد دل اور منحرف کر دیا ہے وہ لوگ سمجھنے لگے کہ مذہب ایک زنجیر ہے جو کہ ان کو ہر جائز تفریح ہر ترقی اور ہر معاشرتی تبدیلی سے روکتی ہے جو کہ فطرت انسانی کا خاصہ اور تاریخ کی رجعت سے پیش آتے ہیں میں تم کو اس لئے کورا نہیں سمجھتی کہ تم ساڑھی باندھتی ہو یا صوفے کرسیوں پر بیٹھتی ہو وغیرہ۔ یہ معاشرتی باتیں ہیں اور یہ معاشرتی تبدیلی تاریخی رجعت سے ہندوستان میں پیدا ہوئیں۔ گرچہ ہر قوم کے لئے وہی معاشرت اچھی ہوتی ہے جو کہ اُسکے مُلک کی ہو پھر بھی یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں۔ تم کو الزام نہیں دیتی اگر تمہارے یہاں صوفے کرسیوں کے ساتھ جانماز اور نماز کی چوکی بھی ہوتی۔ اگر تمہارے دیواروں پر رنگا رنگ کی تصویروں کے ساتھ کسی ایک فریم میں کلمہ لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ بھی لکھا ہوتا۔ اگر تمہارے غسل خانہ میں مرمریں زمین دوز غسل کے ٹب اور مُنہ دھونے کے تسلہ کے ساتھ ایک وضو کرنے کے لئے لوٹا بھی ہوتا۔ یعنی اگر مغربی یا جدید طریقہ معاشر کے سامان کے ساتھ ہی ساتھ تمہارے گھر میں وہ چیزیں بھی ہوتیں جو کہ تمہارے مسلمان ہونے کا پتہ دیتی رہتیں اور جس سے اسلامی تہذیب کے مخصوص پہلوؤں کی جھلک نظر آتی۔

قیصر۔ اچھا تو جواہر لال نہرو کی طرح آپ کے نزدیک بھی اسلامی تہذیب کا واحد نشان وضو کا لوٹا ہے۔

رضیہ۔ نہیں اور ہاں۔ لوٹا یا جانماز کے گھر میں ہونے یا نہ ہونے سے مسلمانی یا غیر مسلمانی کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ وضو و طہارت جگ سے بھی ہو سکتی ہے اور جانماز کے بدلے ایک صاف چادر پر بھی نماز ادا ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک مسلمان اگر اپنے گھر میں ان چیزوں کو نہیں رکھتا ہے وہ اس کے اپنی معاشرتی طرز سے انتہائی نفرت اور بیگانگی کا ثبوت ہے۔ تم کیوں انگریزی کھانوں کے لئے پچیسوں مختلف قسم کے برتن رکھتی ہو۔ جیسے کہ تمہارے اور برتنوں کے علاوہ "فروٹ پلیٹ" کے رکھنے سے تمہاری انگریزی تہذیب کی باریکیوں سے تمہاری واقفیت کا ثبوت ملتا ہے

اسی طرح تمہارے گھر میں لوٹے کے نہ ہونے سے تمہاری اپنی طرز معاشرت سے بیگانگی کا ثبوت ملتا ہے۔ بذات خود اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن تمہارے خیالات کے آئینہ ہونیکی حیثیت سے اہم ہے اور اگر تم کو میرے اس فیصلہ پر کہ تم مذہبی روایات سے بے پرواہو گئی ہو عذر ہے تو تم بتاؤ کہ تم کس طرح اور کن باتوں سے اپنے مذہب کی پابندی کا اظہار کرتی ہو میں تمہارے دل کی حالت تو نہیں جان سکتی میں تمہاری ظاہری باتوں ہی سے نتیجہ اخذ کروں گی۔ اور وہ یہ ہیں کہ تمہارا بڑا بچہ ماشاءاللہ سات سال کا ہے اس عمر میں ہم تم نے کلام مجید ختم کرلیا تھا اسے کلمہ طیبہ بھی نہیں آتا۔ اس نے شاید آج تک نماز پڑھنا تو کیا پڑھتے دیکھا بھی نہیں۔ تم نے نہ اس کا نہ دوسرے بچے کا عقیقہ کیا۔ قربانی تمہارے یہاں ہوتی نہیں۔ ابھی پچھلے ہی مہینہ کی بات ہے۔ شعبان کی چودھویں کی مقدس رات کو تم نے کلب میں ایک ڈنر دیا اور آج رمضان شریف کی پہلی تاریخ کو تم نے مجھے چاء کی دعوت دی سچ کہو تم کو یہ یاد بھی تھا کہ پرسوں رمضان شریف کی پہلی ہوگی پھر میں یہ کس طرح نہ خیال کروں کہ تم اپنی روایات قومی سے بے پرواہو گئیں۔

قیصر۔ قربانی اور عقیقہ تو صرف رسمیں ہیں ان کے کرنے اور نہ کرنے سے مذہب تھوڑی جاتا رہتا ہے۔

رضیہ۔ تمہارا یہ کہنا غلط ہے عقیقہ و قربانی صرف رسمیں ہیں۔ یہ رسمیں نہیں مذہبی فرائض ہیں لیکن اگر فی الواقع رسم بھی ہوتیں جیسے کہ مکتب۔ روزہ کشائی وغیرہ تو ان سے بھی گریز کرنا میرے نزدیک تو قابل اعتراض ہے کیونکہ میرے خیال میں ایک قوم کی جداگانہ حیثیت کی دلیل اسکی معاشرتی رسوم سے ملتی ہے۔

اس کے علاوہ تم نے پردہ تو چھوڑا ہی تھا حجاب کو بھی خیرباد کہہ دیا۔ مخلوط ڈنر اور پارٹیوں میں تمہاری آزادانہ گفتگو اور بے باکی کو دیکھ کر میں سچ کہتی ہوں مجھکو سخت حیرت ہوئی۔

قیصر۔ واہ سبحان اللہ آپ میری بے پردگی پر منہ آتی ہیں۔ آپ خود کونسا پردہ کرتی ہیں۔ ہمارے مولویوں اور دقیانوس پسندوں کے اصول سے تو آپ کا فعل بھی اتنا ہی قابل اعتراض ہے۔

جیسا کہ میرا آپ سے کہئے۔ کیا آپ خود پردے کی قائل ہیں اور اگر قائل ہیں تو پھر پردہ کیوں نہیں کرتیں۔
رضیہ۔ تمہارا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ میں پردہ نہیں کرتی اور پرانے خیال والوں کے مطابق میں بھی قابلِ اعتراض ہوں اور ایک حد تک میں اس اعتراض کی مستحق بھی ہوں۔ میں پردے کے متعلق ذرا تفصیلی بحث تم سے کرنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ یہ آجکل کی نئی طرز معاشرت کا سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہے۔

تم نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ پردہ کی قائل ہیں تو پردہ کیوں نہیں کرتیں، واقعی پردہ کی قائل ہوں یعنی میرا خیال ہے کہ جیسی معاشرت ہندوستان میں غدر سے قبل رائج تھی اسمیں پردہ میں رہنے سے کسی طرح کا نقصان عورت کو نہیں پہنچتا تھا یعنی پردہ میں رہنے کی وجہ سے وہ سیر و تفریح سے قطعی محروم نہ تھی۔ عورت کی دنیا اُس زمانے میں الگ تھی اس لئے اپنی دنیا میں اُس کی دلچسپی کے پچاسوں مشاغل اسے میسّر تھے۔ گھر سے گھر لگے ہوئے تھے۔ کھڑکیوں کے ذریعہ آیا جایا کرتیں تھیں کبھی تنہائی یا اکیلے گھر میں پڑے رہنے کی نوبت نہیں آتی تھی اس کے علاوہ انکو پردہ میں مرد رکھتے تھے تو اُس زمانہ کے مردان کا خیال بھی اسی طرح کرتے تھے کہ پردہ میں رہنے کی وجہ سے ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ یعنی بیماری میں ڈاکٹر حکیم بلوانا علاج کروانا۔ بچّوں کی تعلیم کا انتظام کرنا۔ خرید فروخت کرنا۔ یہ سب کچھ مرد کرتے تھے اور بخندہ پیشانی اپنا فرض سمجھ کر کرتے تھے۔ اگر کسی عورت کا بدنصیبی سے شوہر یا باپ یا وارث اصلی نہ بھی رہتا ہو تو اُس کے دوسرے مرد رشتہ دار اُس کی کفالت اپنا فرض خیال کرتے تھے۔ غدر سے پہلے کسی شریف خاندان کی عورت کو یہ صورت پیش نہیں آتی تھی کہ وہ اپنی یا اپنے بچوں کی کفالت خود کرنے پر مجبور ہو۔ یعنی بقول ظفر جہاں بیگم وہ قفس کی چڑیا تھی پر ایسی چڑیا جس کے مالک کو اس کا شوق باقی ہو اور جو قید میں رکھتا ہو پھر اُس کی ہر طرح آرام و آسائش کا خیال کرتا ہو اور جسے ایک آزادی کے سوا سب نعمتیں میّسر ہوں۔ یہ دوسری اور جداگانہ بحث ہے کہ آزادی سے ذمہ داری بہتر یا ذمہ داری سے آزادی ۔۔ یا اصلی آزادی سے محرومی بہتر ہے لیکن اُس زمانے اور اس

زمانے میں پردے میں رہنے کے بارے میں ایک اور بات بھی بتا دینی چاہتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ مرد عورت کو پردے میں رکھتے تھے اور آپ آزاد رہا کرتے تھے۔ اپنے لئے سب کچھ روا تھا عورتوں کے لئے آواز کا باہر نکالنا گناہ تھا۔ یہ بھی کسی حد تک غلط ہے۔ بے شک مردوں کو سیر و تفریح کی آزادی تھی۔ خرید و فروخت کرتے تھے لیکن مکسڈ سوسائٹی یعنی مخلوط مجلسیں کہ جس میں مرد اور عورتیں آزادی کے ساتھ ملتے رہا کریں — ان کو بھی قبل غدر کے میسّر نہ تھیں۔ اللہ بخشے۔ نانا جان کے متعلق سنا ہے کہ جب مغربی تہذیب ہندوستان میں شروع ہوئی اور اُس کے سلسلہ میں انہیں انگریز عورتوں سے ملنے کا اتفاق ہوا تو وہ اُن سے ملنے میں اتنا ہی جھجکتے تھے جتنی کہ پردہ میں بیٹھنے والی عورتیں مردوں کے ملنے میں ہچکچاتی ہیں۔ میرا اس رام کہانی سے مطلب یہ ہے کہ میں پردہ کی اُس حالت اور اُس صورت میں قائل ہوں جس صورت میں کہ وہ ہندوستان میں رائج تھا لیکن میں موجودہ حالات میں خالی از وقت نہیں خیال کرتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ وہ اب بھی اپنے اندر بہت کچھ فائدہ نہیں رکھتا ہے مگر میں یہ کہتی ہوں کہ اس کے قائم رکھنے میں آج اتنی دقت پیش آتی ہے کہ بہت کم عورتیں اس بات پہ قائم رہ سکتیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ فطرت انسانی کے خلاف جبر کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ ہمارے مولوی مُلّا اس بات پر مصر ہیں کہ آج بھی عورت ویسا ہی پردہ رکھے جیسا کہ ۱۸۵۷ء میں رکھتی تھی گویا وہ ناممکنات کے طالب ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سرے سے وہ بالکل ہی روک ٹوک سے آزاد ہوتی چلی جا رہی ہے اُس کے پاس سارے اعتراضوں کا ایک جواب موجود ہے۔ ہمارے مولویوں کی بات کا کیا کہنا وہ تو دُنیا کی روش سے بالکل ناواقف ہیں"۔ اگر ہمارے علما ناممکنات پہ مصر ہونے کے بدلے یہ بتائیں اور دکھائیں کہ کس طرح نئی تہذیب کے ساتھ ساتھ مذہب کا نباہ ہو سکتا ہے تو میرے خیال میں انہیں زیادہ کامیابی ہو۔

قیصر۔ ذرا آپ اس کی بھی تو تفصیل کریں کہ آپ کیوں پردہ اس وقت کے لئے نامناسب خیال کرتی ہیں۔

رضیہ۔ یہ تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے میں نے نامناسب کا لفظ نہیں کہا میں نے کہا کہ خالی از وقت نہیں اور وہ اس لئے خالی از وقت نہیں کہ مردوں نے اپنی معاشرت اتنی بدل ڈالی ہے کہ کہ اُس کے ساتھ پردہ دار بیوی کی کھپت نہیں ہوتی۔ ایک گاڑی کا ایک پہیہ تو ربڑ کا ہے اور دوسرا چھکڑے کا تو وہ گاڑی کیسے چل سکتی ہے۔

قیصر۔ رضیہ تم اس طرح کی دلیلوں سے اپنے فعل کو جائز قرار دیتی ہو۔ تو پھر میرے لئے بھی وہی دلیل کیوں نہیں۔ جیسا کہ تم مانتی ہو کہ تم موجودہ طرز معاشرت کی وجہ سے بے پردگی پر مجبور ہوئیں اسی طرح میں بھی پھر میں تو ملزم اور تم الزام سے کیسے بری ہوئیں۔

رضیہ۔ قیصر تم ذاتیات پر اُتر آئی ہو۔ میں نے پردے کے متعلق جو کچھ کہا اُس سے یہ مقصود نہیں تھا کہ میں خود کو الزام سے بری کروں۔ بلکہ یہ دیکھنا منظور تھا کہ کس طرح پردہ کی خوبی کو مانتے ہوئے بھی بہت سے لوگ بے پردگی پر مجبور ہیں۔ مجبوری کو خدا بھی معاف کرتا ہے اور اسلام میں صاف حکم ہے کہ مذہب میں سہولت رکھو۔ دقت نہ پیدا کرو۔ لیکن میں پھر بھی یہ نہیں مانتی کہ یہ ضروری ہے کہ پردہ چھوڑ دیا ہو تو حجاب بھی ہاتھ سے دیدو۔ ان دو باتوں میں فرق اور بہت بڑا فرق ہے۔ پردہ ہندوستان کی رسم تھی۔ حجاب اسلام کا حکم ہے۔ پردہ اُس صورت کا جیسا کہ ہندوستان میں رائج تھا۔ یعنی چاردیواری سے باہر نہ نکلنا اس صورت کا پردہ کبھی حضرت فاطمہ رضؓ و عائشہ رضؓ نے نہیں کیا تھا مرد آواز نہ سنیں یہ ہندوستان کا مسئلہ ہے اسلام میں تو عورتیں احادیث پر مردوں سے بحثیں کرتیں تھیں۔ جنگ میں اُن کو ہمت دلاتی تھیں۔ وغیرہ۔ اور پردہ چھوڑتے وقت یہی مثالیں دے دے کر عورتوں نے پردہ کو خیرباد کہا۔ اور مردوں نے اُن سے پردہ چھڑوایا۔ پھر پردہ چھوڑ کر کیا تو اُنہوں نے یہی کہ ڈنر اور پارٹیوں کی زینت بن گئیں۔ میں کہتی ہوں کہ معاشرت کتنی ہی مغربی ہو طرز جدید کی ہو۔ پھر اسلام کا کچھ تو نشان ملے مسلمانیت کا کچھ تو پتہ چلے۔

قیصر۔ دیکھو رضیہ میں تمہارے کہنے کا واقعی بُرا نہیں مان رہی ہوں بلکہ میں سچ کہتی ہوں

میں نے کچھ سوچ سمجھ کر ارادۃً مذہبی روایات سے کنارہ کشی نہیں کی ہے۔ ایسی ہی غفلت سے رفتہ رفتہ سب باتیں چھوٹ گئیں۔ میرا اب تک یہ خیال تھا اور سرسری طور پر میں نے سچ پوچھو تو بہت غور بھی اس بات پر نہیں کیا تھا کہ آج کل اب ہم ایسی زندگی بسر کر ہی نہیں سکتے جیسی کہ اماں خالہ جان نے کی تھی تو پھر کیا کریں۔ تم سے اس گفتگو سے پہلے مجکو تم سے ملتے ہی یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ نئے فیشن کی معاشرت کے ساتھ اسلامی شان اور مذہب کی پابندی قائم رہ سکتی ہے مجھے ذرا تم اور تفصیل سے بتاؤ کہ تم ان دو متضاد باتوں کو کس طرح نباہتی ہو۔

رضیہ۔ قیصر میرے خیال میں یہ متضاد ہی نہیں۔ میری معاشرت انگریزی یا جدید ہے میرا مذہب اسلام ہے۔ مشکل یہ ہے کہ عام طور سے ان دو باتوں کو ایک سمجھا جاتا ہے اگر ان کو الگ الگ متصور کر لیا جائے تو پھر کوئی دقت نہ ہو۔ ساتھ ہی ساتھ معاشرت میں بھی جہاں تک ممکن ہو اپنے ملک کی شان اور اپنے وطن کی روایات کا خیال رکھنا چاہئے۔ قیصر بات یہ ہے کہ ہم کو اپنا رویہ اور اپنا "نظریہ" قطعی بدلنا پڑے گا۔ ہم کو اپنے وطن اور اپنی روایات اور اپنے آپ پر اعتماد ناز و فخر پیدا کرنا پڑیگا۔ ہماری وہی کیفیت ہے کہ گر گئے اپنی نظر سے آپ ہم

بات بہت طول ہوگئی اس پر پھر کبھی بحث کریں گے کیوں قیصر! بالکل اسکول کے دنوں کے ڈی بیٹ (مباحثہ) کا مزہ آگیا۔

قیصر۔ ہاں بالکل ویسا ہی مجھ پر اعتراض تو بہت لوگوں نے کیا تھا پر وہ چاہتے تھے کہ میں سرے سے یک قلم دقیانوسی معاشرت اختیار کر لوں اور یہ توقع مجکو صریح حماقت دکھائی دیتی تھی تم نے تو دوسرا ہی نکتہ نگاہ اختیار کیا ہے۔

گر ہوں اعمال درست اور عقائد راسخ
کچھ بگڑتا ہی نہیں کالر و نک ٹائی سے

شائستہ سہروردیہ (از لندن)

———— · ————

اسلامی رواداری

(از علامہ ڈاکٹر سید نجم الدین احمد جعفری بیرسٹرایٹ لا)

اسلامی رواداری پر غور کرتے وقت ہمیں ایک اصول فطرت سمجھ لینا چاہئیے جو انسان کی تخلیق کے متعلق ہے۔ انسان کی جسمانی ساخت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص مقصد کے ماتحت پیدا کیا ہے۔ انسان کو دو خاص قوتیں بخشی گئی ہیں جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں عطا کی گئیں ہیں۔ یعنی قوت گویائی اور قوت فکر ظاہر ہے کہ ان دونوں کا منشاء اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ انسان اس کارخانۂ قدرت یعنی دنیا کو سمجھے اور اس کی ترقی میں ساعی ہو۔ بنی نوع انسان کے دکھ درد کو سمجھے اور اُس سے ہمدردی کرے۔ دراصل ایک انسان کا دوسرے انسان سے ایسا گہرا اور قریبی تعلق ہے کہ بغیر ایک دوسرے کی مفاہمت اور موافقت کے دنیاوی زندگی کا تخیل ناقص ہی نہیں ناپید ہو جاتا ہے انسان کو دنیا میں ایسے حالات و واقعات سے دو چار ہونا پڑتا ہے کہ وہ تنہائی کی زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو کارخانۂ عالم درہم و برہم ہو جائے۔ ذرا دیر کے لئے فرض کیجئے کہ ہم میں سے ہر شخص تنہائی کی زندگی بسر کرتا ہے تو پھر اس وسیع کائنات اور قدرت کے انتظامات و اہتمامات کی کوئی ضرورت نہیں انسانی تہذیب و تمدن کی مسلسل و تدریجی ترقی جس کا نتیجہ ہماری موجودہ دنیا ہے لاحاصل ہے۔
اسی لئے اسلام نے ترکِ دُنیا کی ممانعت کی ہے قرآن کریم نے عیسائیوں کے متعلق ذکر کرتے ہوئے بھی صاف کہدیا ہے کہ ان کی رہبانیت خود ان کی ساختہ اور بر داختہ ہے۔ احکام خداوندی سے اُسے کوئی تعلق نہیں۔ ایک شاعر نے خوب کہا ہے ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان، انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور دنیا میں اُس کا فرض ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنا ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو کسی مذہب کی سچائی عظمت اور فطری ہونے کا معیار یہ ہونا چاہئے کہ اُس نے کہانتک عالم انسانیت کی بہبود و نفع رسانی وخدمت کی تعلیم دی ہے۔ اسلام میں جو ایک فطری مذہب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے سراسر اس قسم کی تعلیم موجود ہے۔ قرآن کریم میں بار بار اور اصرار کے ساتھ اس اصول کی تلقین کی گئی ہے۔ اور اس قدر زور دیا گیا ہے کہ حق العباد یعنی خدمت خلق کو حق اللہ یعنی خدمتِ خدا پر ترجیح دی گئی ہے۔ اس اصول کے اظہار میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کسی کے مذہب کو دوسرے مذہب پر فوقیت نہ دی جائے۔ مثال کے طور پر اسلام میں قتل کی ممانعت ہے اور جہاں کہیں قتل کا ذکر آیا ہے وہاں پوری انسانیت مُراد ہے۔ اسی طرح خیانت کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور اس سلسلہ میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں یہ ہیں۔ اموال الناس یعنی لوگوں کا مال نہ کہ اموال المسلمین یعنی مسلمانوں کا مال۔ الفاظ کی وسعت ظاہر کرتی ہے کہ خداوندکریم کے نزدیک اس حکم میں سب برابر ہیں۔

اسی طرح جہاں ایفائے عہد کا حکم ہے وہاں بھی سب برابر ہیں۔ اس ضمن میں نبی کریمؐ کی زندگی کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ معاہدہ حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا کوئی مسلمان مسلمانوں کی طرف آئے تو اہل مکہ کو واپس دیدیا جائے گا۔ ابھی معاہدہ کی روشنائی خشک نہ ہوئی تھی کہ مکہ کا ایک مصیبت زدہ مسلمان مسلمانوں کی طرف آیا اور اہل مکہ کے ظلم وستم کی شکایت کرنے لگا۔ نبی کریم نے اُسے اہل مکہ کو فوراً واپس کر دیا اور کہا ذاتی رنج ومصیبت ایفائے عہد کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتے۔

انصاف کا اصول بھی بہت اعلیٰ ہے یہ تو ہوتا آیا ہے کہ جن اقوام کے ساتھ عہد وپیمان ہو اُن سے عدل وانصاف کا برتاؤ کیا جائے مگر اسلام ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے اور وہاں پہنچتا ہی جہاں ہم اُسے یکہ وتنہا دیکھتے ہیں یعنی اسلام کا حکم ہے لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا

(تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر نہ آمادہ کردے کہ تم اُس سے عدل و انصاف کا برتاؤ نہ کرو)
یعنی قومیں مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں جب اُن سے معاملہ پڑے تو رشتۂ عدل و انصاف ہاتھ سے
نہ جانے دو۔ آج اس دورِ تہذیب میں یہ کہا جاتا ہے کہ مقاتلہ اور مجادلہ میں سب کچھ روا ہے۔
لیکن اسلام کی تعلیم اس سے بہت بلند ہے وہ کسی حالت میں بھی "یہ سب کچھ" روا نہیں رکھ سکتا،
وہ انصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتا۔

مدینہ کے یہود ہمیشہ خارجی قوتوں سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے لیکن
حضور نے ہمیشہ اُن سے معدلت گستری سے کام لیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے معاملات میں اکثر
حضور ہی کو اپنا ثالث بناتے تھے۔ کئی مقدمات میں ایک یہودی بحیثیت مدعی کے اور ایک
مسلمان بطور مدعا علیہ پیش ہوئے اور حضور نے بہ تقاضائے انصاف مسلمان کے خلاف فیصلہ
صادر فرمایا۔ عیسائیوں کا ایک وفد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اُنکی عبادت کا وقت آیا تو حضور
نے اُنھیں اجازت دی کہ وہ مسجد میں اپنا فریضۂ عبادت ادا کریں۔ ایک مرتبہ یہودی توریت
کا ایک نسخہ آپ کے پاس لائے۔ آپ نے اُسے تکیہ پر رکھا اور کہا کہ میں اس کی بھی تعظیم کرتا ہوں
اور اس کے لانے والے کی بھی۔

قرآن اور احادیث رواداری کی تعلیم سے پُر ہیں۔ ان میں سے چند یہاں پر ذکر کئے دیتا ہوں۔

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝

خدا تمہیں ان لوگوں کے بارے میں جو تم سے دین میں نہیں لڑتے اور تم کو انہوں نے تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اس بات سے نہیں
روکتا کہ تم اُن سے نیک سلوک کرو اور اُن سے منصفانہ برتاؤ کرو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا انصاف کرنیوالوں کو
دوست رکھتا ہے۔

وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ قَالَ مَنْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ

خدا کی قسم وہ مسلمان نہیں ہے خدا کی قسم وہ مسلمان نہیں ہے خدا کی قسم وہ مسلمان نہیں ہے

بوائقہ | لوگوں نے پوچھا کون مسلمان نہیں ہے آپنے جوابدیا

جو اپنے ہمسایہ کو مصائب سے محفوظ نہ رکھے۔

ظاہر ہے کہ لفظ ہمسایہ میں تمام انسانیت کے مفہوم کی وسعت موجود ہے۔ ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا۔

۳۔ لیس المومن الذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ۔ | وہ مسلمان نہیں ہے جس کا ہمسایہ بھوکا رہے اور وہ خوب پیٹ بھر کر کھائے۔

یہاں بھی وہی وسعت موجود ہے۔ ایک اور اہم حدیث میں تو صاف صاف کہدیا ہے۔

۴۔ الخلق عیال اللہ ما حب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ | تمام خلق خدا کی اولاد ہے۔ اور خدا کے نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اُس کی اولاد کے ساتھ بھلائی کرے۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ ایک لمحہ رہنے اور اُس کی خدمت کرنے میں ایک سال کے اعتکاف سے زیادہ ثواب ہے۔

باقی دارد

شیعہ و سُنّی

(مولانا اکبر الہ آبادی مرحوم)

شیعہ و سُنی میں جنگ اک دھوم دھامی ہوگئی — چار یار اور پنجتن کی نیک نامی ہوگئی

کیا شرف بخشیں گی تم کو عرش پر یہ کاوشیں — جب زمیں پر تم کو غیروں کی غلامی ہوگئی

ایک قرآن ایک قبلہ ایک اللہ اک رسول — بدنصیبی ہے کہ تفریق دوامی ہوگئی

مومنانِ اَمن جُو کو دیر کی سوجھی گی اب — جب حرم کے صحن میں بدانتظامی ہوگئی

اشتعالِ آتشِ افسردہ اس طوفان میں — پختہ طبعوں سے الٰہی کیوں یہ خامی ہوگئی

جس نے کھولی بہر صلح و آشتی اپنی زباں
پیشِ حق مقبول اُس کی خوش کلامی ہوگئی

اسلامی روایات اور اُن کا تحفظ

(از پروفیسر سید جمیل واسطی صاحب ایم اے مقیم کیمبرج)

آخری چند صدیوں کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ وہ تمام قومیں جو دنیا میں قیصریت کی دعویدار ہوئیں مشینی صنعت میں کافی ترقی کر چکی تھیں اور وہ قومیں جو مشینی صنعت کی طرف متوجہ نہ تھیں، باوجود اعلیٰ شجاعت اور جانفروشی کے اظہار کے یکے بعد دیگرے مشینی صنعت میں ترقی یافتہ اقوام سے مغلوب ہو گئیں۔

یورپ میں مشین کی ترقی تجارتی ضروریات کے ماتحت ہوئی۔ مشین کے ذریعہ سے تجارتی پیداوار (بہ نسبت دستکاری کے ذریعہ سے) بہت زیادہ مقدار میں اور نہایت ارزاں تیار کی جا سکتی ہے زیادہ اشیاء کی پیداوار سے نہ صرف دولت میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ زندگی کی ضروریات کی افراط کی وجہ سے آبادی کی زیادتی بھی ممکن ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخری تین صدیوں کے دوران میں یورپی آبادی اپنی پہلی آبادی سے کئی گنا زیادہ ہو گئی ہے۔ ان حالات میں یورپ کو زائد تجارتی مال کے لئے منڈیوں کی اور زیادہ آبادی کے لئے نوآبادیات کی ضرورت پیدا ہوئی۔ وہ ممالک جو تمدنی طور پر زراعتی حالت میں تھے اور جن میں صنعتی ترقی ابھی ابتدائی مدارج میں تھی، یورپ کی بہترین منڈیاں بن گئے اور انہی ممالک کی تجارت سے، حاصل کردہ سرمایہ کی امداد سے، ان ممالک کو فتح کر کے یورپ نے انہیں اپنی نوآبادیات بنا لیا۔

مراقش سے لے کر ہندوستان و جاوا تک کے مسلمان اسی اصول کے ماتحت یورپ کی صنعتی ترقی اور اپنی اقتصادی بے حسی اور صنعتی غفلت کی وجہ سے محکوم و مغلوب ہو چکے ہیں۔ دنیا کی قسمت زیادہ تر اقتصادی قوتوں کے ہاتھ میں ہے۔ مغلوب شدہ اقوام کی سیاسی محکومی

ان کی اقتصادی محکومی کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔ اقتصادی حالات اکثر لڑائیوں سے پہلے فتح و شکست کا فیصلہ کر چکے ہوتے ہیں۔ خونریز لڑائیاں اور شکستیں صفحۂ تاریخ پر اقتصادی طاقتوں کے فیصلوں کی خونی مہریں ہیں اور دنیا کی سیاسی تاریخ بڑی حد تک محض دنیا کی اقتصادی تاریخ کی تفسیر ہے۔

آسٹریلیا اور امریکہ کے باشندوں کی محکومی اور پھر اُن کا نیست و نابود ہو جانا۔ ترکی کی یورپ میں ہزیمت شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی شکست اور غلامی۔ یورپ کی سیادت جاپان کی ترقی بسبب مشینی صنعت اور اس کے نتائج کے مختلف پہلو ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان اصولوں کے ماتحت موجودہ یورپی اقوام کی بڑھتی ہوئی آبادی اسلامی اقوام کو بھی محکوم کر کے آہستہ آہستہ امریکہ اور آسٹریلیا کے اصلی باشندوں کی طرح فنا کر دے گی؟ درست پیشین گوئی ناممکن ہونے کے باوجود یہ امکان قابل غور ضرور ہے کیونکہ شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا میں یہ عمل شروع ہو چکا ہے۔ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس قانون کے عمل سے مسلمانوں کی محکومی اور اُن کی آیندہ نسلوں کی بتدریج ممکن معدومی کے ساتھ اسلام بھی فنا ہو جائے گا۔ اور یہ کہ اسلامی مذہبی اور معاشرتی روایات کو زندہ اور قائم رکھ سکنے کی کیا تدابیر ممکن ہیں؟

جواب مشکل ہے۔ تاریخ کے مدوجزر حیران کن ہوتے ہیں۔ لیکن اسلامی روایات کے تسلسل کے لئے فی الحال صرف تین ممکنات نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہم اپنی خواہشات کو حاصل نہ کر سکیں اور یہ ممکنات محض خواہشات کے دُھندلے خواب ہوں۔ جن پر تاریخی واقعات کا روز روشن زمانہ آیندہ میں دندان نمائی کرے مگر لا تقنطوا من رحمة الله۔ مستقبل میں نسل انسانی کے لئے یہ اسلام تاریخ کی ممکن بدقسمتی انتہائی غور و فکر کی مقتضی ضرور ہے۔

(۱) سب سے پہلی تدبیر جو اسلامی مذہب اور روایات کے لئے لازمی ہے وہ یہ کہ مسلمان جلد از جلد تجارتی مقاصد کے لئے مشینی صنعت کی طرف متوجہ ہوں۔ اس کے لئے

اقتصادی تنظیم اور عملی سائنس کا اکتساب بہت ضروری ہے مشینی صنعت کے حصول سے ہم انہیں طاقتوں کو اپنی حفاظت کے لئے استعمال کریں گے جو موجودہ حالت میں ہمیں آہستہ آہستہ مٹا رہی ہیں۔

اس ضمن میں یہ چند امور بھی فکر طلب ہیں صنعتی اور تجارتی کاروبار، زراعتی کاروبار سے زیادہ پیچیدہ اور مشکل ہوتا ہے اس لئے اس میں عقل کی زیادہ ضرورت اور نشو ونما ہوتی ہے اور تعلیم کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تجارتی آبادی زراعتی آبادی سے سیاسی طور پر زیادہ سمجھدار اور طاقت ور ہوتی ہے۔

دوسرے جس طرح صنعتی ممالک زراعتی ممالک کو محکوم بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح ایک ملک کے اندر بھی زراعتی آبادی۔ تجارتی اور صنعتی آبادی کی محکوم ہوتی ہے اور اندرونی منڈی اور نوآبادی کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے۔ اسی وجہ سے ملک کی سیاسی اور تہذیبی طاقت ملک کے تجارتی اور صنعتی طبقوں میں مرکوز ہو جاتی ہے۔

تیسرے جس طرح صنعتی ترقی کی وجہ سے جاپان۔ اٹلی، جرمنی، برطانیہ اور دیگر ممالک کی آبادیوں میں حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے اسی طرح اگر کسی ملک میں مسلمان محض زراعت میں مشغول ہیں اور تجارت اور صنعت غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے تو غیر مسلم آبادی میں اتنی ترقی ہوتی جائے گی کہ مسلمان آبادی کا تناسب نہ قائم رکھ سکیں گے۔ ان حالات کی روک تھام کے لئے سب سے پہلی تدبیر مسلمانوں کا مشینی صنعت کی طرف توجہ کرنا ہے۔ اسلامی بقا کی باقی دو تجاویز کے مقابلہ میں یہ تجویز زیادہ نتیجہ خیز اور ممکن العمل ہے۔

کیا مشینی صنعت کے قیام کے لئے مسلمان اقوام کو لاطینی رسم الخط اختیار کرنا چاہئے۔ کیا بے پردگی اور اُسکے لازمی نتائج کو قبول کرنا چاہئے۔ کیا شراب پینی چاہئے یا ہیٹ کا استعمال کرنا چاہئے یہ سب غیر متعلق اور بے معنی سوال ہیں۔ جن سے غلامانہ ذہنیت اور خود غرضانہ ہوس پرستی ٹپکتی ہے۔ مشینی صنعت کا قیام مشینی صنعت کی طرف ہی علمی اور عملی توجہ کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے

اس کے لئے اقتصادی طاقتوں کی تنظیم پہلا قدم ہے اس عمل کو ٹائی یا لپ سٹک یعنی ہونٹوں کی سرخی سے چنداں تعلق نہیں۔

(۲) دوسری تدبیر یہ ہے کہ مسلمان جہانتک ہوسکے صنعتی ممالک میں ہجرت کر جائیں اور وہاں آباد ہو جائیں تاکہ تہذیبی مراکز سے متعلق ہو کر اسلام دنیا کے کلچر میں حصہ لے سکے اور یہ مسلمان یورپی شہریت کے حصول کے ذریعہ سے باقی مسلمانوں کی سیاسی بدقسمتیوں سے محفوظ رہ سکیں اور شاید انہیں امداد دے سکیں۔ جو اصحاب یورپ یا امریکہ میں آباد ہونیکی غرض سے جائیں اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام اور اسلامی روایات کو اپنی معاشرت اور عمل میں ہمراہ لے جائیں اور اس احساس سے جائیں کہ ہم اسلام کی صداقت اور روایات کے امین ہیں جن کی ہر تہذیب اور ہر زمانہ کے لوگوں کو ضرورت ہے۔

(۳) تیسری تدبیر صنعتی ممالک میں تبلیغ اسلام کی کوشش ہے غیر مسلم دنیا کا مسلمانوں پر حق ہے کہ مسلمان انہیں پیغام حق سے محروم نہ رکھیں۔ یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ اگر انسانی ارتقاء یورپ کی ترقی یافتہ اقوام کو آئندہ دنیا کی قائم رہنے والی اور بڑھنے والی نسلیں منتخب کر چکا ہے۔ تو بہتر ہے کہ ہم صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ تبلیغ و ہجرت کے ذریعے اسلام کو مغربی دنیا کا مذہبی اور تہذیبی حصہ بنانے کی کوشش کریں تاکہ ہمارے مٹ جانے کے بعد مستقبل دنیا ان اسلامی روایات سے محروم نہ رہ جائے جن کا تسلسل ہمیں اپنی اور اپنی نسلوں کی بقا سے زیادہ عزیز ہے۔

لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ النَّاسِ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ط

اے رسول تم بھی شرک کرنے والے لوگوں میں شریک نہ ہو جانا اور نہ اُن میں سے ہو جانا جنہوں نے اپنے اصلی دین میں تفرقے ڈال کر فرقہ بندیاں قائم کیں اور الگ الگ فرقے ہو گئے۔

(الروم)

نکاح بطرزِ جدید

علیگڈھ کے پرانے اور ممتاز طلبہ میں حافظ محمد ولایت اللہ صاحب اُن اصحاب سے ہیں جنھوں نے سرکاری ملازمت کی پابندیوں اور مشاغل میں اپنے علمی اور ادبی شوق کو جاری رکھا۔ آپ کچھ عرصہ ہوا پراونشل سول سروس سے با عزت فارغ ہو کر واپس آئے ہیں۔ ہم نے بہت کوشش سے اُن کا کچھ کلام حاصل کیا ہے جو حضرت اکبر مرحوم کے رنگ میں ہے اُس کا ایک نمونہ آج ہدیۂ ناظرین ہے۔

پرانے قاعدے سب ہوتے جاتے ہیں ترمیم
کہ سدِّ راہ ترقی نہ ہوں رسومِ قدیم،

نئے طریق سے ہوتی ہے آج کل شادی
ہے انتخاب کی دولہا دُلہن کو آزادی

کہیں تلاش ہے مسٹر کی اور کہیں مِس کی
بڑی پکار ہے اِن شادیوں کے نوٹس کی

بفرطِ شوق ہوں سرگرمِ جستجو طرفین
کہیں تلاش ہو لیڈی کہیں ہو جنٹلمین

یہ آپ خط و کتابت سے طے کریں شرطیں
پسند کے لئے فوٹو بھی ساتھ ہی کھینچیں

یہ اپنی اپنی خوشی ہے کسی کی کیا چوری
جو دونوں ساتھ کریں پارک کی ہوا خوری

کہیں تلاش ہے لیڈی بلند قامت کی
کہیں یہ شرط ہے جانے وہ علمِ موسیقی

یہ آرزو ہے پیانو بھی وہ بجاتی ہو
زہے نصیب اگر اُس کے ساتھ گاتی ہو

کسی زمانے میں کرتے تھے والدین یہ فکر
بدل گئے وہ طریقے تمام۔ اب کیا ذکر

بذاتِ خود یہ لگائیں گے جا کے اپنی بات
عجیب شان سے نوشہ کی جائیگی بارات

نہ روشنی ہو نہ باجا ہو ہے یہ سب کھٹر اگ
چلے گا ساتھ میں دولھا کے صرف اک بانڈ اگ

بجائے پان کے ہونگے سگار اور سگریٹ
بجائے سہرے کے دولھا کے سر پہ ہوگی ہیٹ

پہن کے آئیں گے قاضی بھی ایک مارننگ کوٹ
نکاح خوانی میں پائیں گے ایک چک یا نوٹ

رہی جو مدِّ نظر کل امور کی اصلاح
یقین ہے کہ بطرزِ جدید ہو گا نکاح

کہ حیا کو لپیٹ بیٹھے گی بجائے غرے کے
دُلہن لگائے گی عینک بجائے سرمے کے

دُلہن نہ جائے گی دولہا کے ساتھ اب سُسرال
بیاہ ہوتے ہی بھاگیں گے دو نینی تال

اچھائی اور بُرائی کا معیار

(جناب محمد اسد خاں صاحب - بی اے)

مغربی تہذیب ہمارے لئے اچھی ہے یا بُری؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر کم از کم سو سال سے بحث ہوتی چلی آرہی ہے - ایک طرف پرانے خیال کے لوگ ہیں جو بغیر کسی قسم کی جانچ پڑتال کئے مغربی تہذیب کو یک قلم بُرا ٹھہرا دیتے ہیں اور اس کی پیروی کو ہماری قوم کے لئے نہایت مُضر سمجھتے ہیں - دوسری طرف نئی روشنی کے تعلیم یافتہ حضرات ہیں جو مغرب کی ہر بات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں - اور ترقی کا راز اسی میں بتاتے ہیں کہ ہماری قوم بالکل مغربیت کے سانچے میں ڈھل جائے - وہی خیالات وہی انداز وہی لباس وہی رسم و رواج اور وہی معاشرت اختیار کرلے جو یورپ میں پائی جاتی ہے -

ظاہر ہے کہ یہ دونوں طبقے اپنے اپنے خیالوں میں حد سے بڑھ جاتے ہیں - ان کی انتہا پسندی کو دیکھ کر ایک تیسرا طبقہ اس بحث کو ختم کرنے کے لئے اعتدال کی راہ اختیار کرنا مناسب سمجھتا ہے وہ کہتا ہے کہ مغربی تہذیب نہ تو بالکل بُرائیوں کی پوٹ ہے اور نہ تمام تر خوبیوں کا مجموعہ اس میں کچھ باتیں اچھی ہیں انہیں بے تامل لے لینا چاہئے اور کچھ باتیں بُری ہیں اُن سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے - یہ خیال بظاہر نہایت معقول اور فیصلہ کُن نظر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے بعد بحث کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی واقعی اس سے بہتر اور فیصلہ کیا ہو سکتا ہے - کہ اچھی باتیں اختیار کرلو اور بُری باتوں کو چھوڑ دو!

لیکن ٹھیرئے اِس فیصلہ پر ذرا غور کیجئے کہیں ایسا تو نہیں کہ جس کو ہم فیصلہ سمجھ رہے ہوں وہ در اصل کسی اور بحث کا آغاز ہو - اگر ذرا بھی سوچا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس سیدھی سی بات کے پردے میں ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ چھپا ہوا ہے - بے شک ہم اچھی باتیں لے لیں

اور بُری باتوں سے پرہیز کریں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن باتوں کو ہم اچھا سمجھیں اور کن باتوں کو بُرا ؟ یعنی اچھائی اور بُرائی کا معیار کیا ہو ؟ کیا ہم اُن باتوں کو اچھا سمجھیں جو خود ہمکو اچھی معلوم ہوتی ہیں یا اُن باتوں کو جنہیں یورپ والے اچھا سمجھتے ہیں ! مثلاً ہم عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول کو بُرا جانتے ہیں لیکن اہل مغرب اُسے اپنی معاشرت کا ایک ضروری جزو قرار دیتے ہیں - یا ہم شرم و حیا کو عورت کا ایک قابل تعریف وصف سمجھتے ہیں لیکن مغرب میں اُسے کمزوری اور عیب خیال کیا جاتا ہے کیا ایسی باتوں میں ہم مغرب والوں کا طرزِ عمل اختیار کریں یا اپنے خیال پر قائم رہیں ؟

پھر طرفہ یہ کہ کہنے کو تو ہم بہت سی باتوں کو مغربی تہذیب سے منسوب کر دیتے ہیں لیکن دراصل ہماری نظر کے سامنے مغرب کے کسی خاص ملک کی تہذیب ہوتی ہے - ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت ہونے کے باعث ہم زیادہ تر انگریزوں ہی کے تہذیب و تمدّن اور رسم و رواج سے متاثر ہوتے ہیں اور اسی کو مغربی تہذیب سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ اگر نظر کو ذرا وسیع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی باتوں میں امریکہ اور یورپ میں نمایاں فرق موجود ہے اور پھر جزائر برطانیہ میں بہت سی باتیں برّاعظم کے ملکوں میں یعنی فرانس - جرمنی، اٹلی، روس وغیرہ سے مختلف ہیں - مثلاً میاں بیوی کے تعلقات کے بارے میں یہ بات عام طور پر مانی گئی ہے کہ برّاعظم یورپ میں بیوی خاوند کے تابع ہوتی ہے - انگلستان میں میاں بیوی کے درمیان مساوات سمجھی جاتی ہے اور امریکہ میں خاوند بیوی کے زیر اثر ہوتا ہے - انگلستان میں سڑکوں پر بائیں ہاتھ کو چلنے کا قانون جاری ہے لیکن فرانس میں دائیں ہاتھ کو چلتے ہیں - یورپ میں چھری کانٹے سے کھانا کھاتے وقت چھری دائیں ہاتھ سے پکڑی جاتی ہے اور کانٹا بائیں ہاتھ سے لیکن امریکہ میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے -

ایک مرتبہ حضرت علّامہ اقبال رح سے اسی مضمون پر گفتگو ہو رہی تھی تو آپ نے انگلستان

اور جرمنی کے آداب و رسوم کے فرق کا ایک دلچسپ تجربہ بیان فرمایا۔ کہنے لگے کہ ایک دن میں جرمنی میں گاڑی کے اندر سفر کر رہا تھا کہ ایک خاتون داخل ہوئی۔ بیٹھنے کی کوئی جگہ باقی نہ تھی اس لئے میں اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس کے لئے جگہ خالی کر دی۔ لیکن یہ دیکھ کر میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی کہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ جانے کی بجائے وہ بدستور کھڑی رہی۔ اُس کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا اور اُس نے یہ کہکر بیٹھنے سے انکار کر دیا کہ میں آپ سے کمزور نہیں ہوں۔ اس پر ایک ہمراہی نے مجھے بتایا کہ انگلستان میں عورت کے لئے جگہ خالی کر دینا آداب میں داخل ہے لیکن جرمنی میں اس بات کو بُرا سمجھا جاتا ہے۔ صرف کمزور بوڑھے اور اپاہج مردوں یا عورتوں کو اس طرح جگہ پیش کی جا سکتی ہے لیکن کوئی عورت محض عورت ہونے کے باعث کسی مرد کی طرف سے یہ ایثار قبول نہیں کرتی

یہ تو ہوا مغرب کے مختلف ملکوں کے رسم و رواج کے اختلاف کا حال۔ لیکن اگر کسی ایک ہی ملک کو دیکھا جائے تو وہاں بھی معاشرت کے بارے میں مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ناچ کے متعلق خود یورپ اور امریکہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ اُسے اچھی تفریح عمدہ ورزش اور حُسنِ معاشرت سمجھتا ہے لیکن دوسرا اُسے بے حیائی اور عیّاشی قرار دے کر اخلاق کے علاوہ صحت کے لئے بھی مُضر ٹھیراتا ہے۔

غرضیکہ بے شمار ایسی باتیں مل سکتی ہیں جن میں مغربی ملکوں کے نمایاں فرق ظاہر ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ سوال وہیں کا وہیں رہ جاتا ہے کہ ہم اُن میں سے کس بات کو اچھا سمجھیں اور کس بات کو بُرا۔

اس سلسلہ میں ایک یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اختلافات تو ہر جگہ ممکن ہیں لیکن دیکھنا یہ چاہئے کہ اکثریت کا خیال اور عمل کیا ہے جس بات پر مغرب کی ترقی یافتہ لوگوں کا عام اتفاق ہو گا وہ ضرور اچھی ہو گی۔ ظاہر میں یہ خیال بھی کتنا خوش آیند معلوم ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ خود مغرب ہی کا طرزِ عمل اس پر پانی پھیر چکا ہے۔ مثلاً کچھ عرصہ ہوا امریکہ میں شراب کے خلاف زبردست تحریک

جاری ہوئی۔ ہر طرف سے یہی آواز اُٹھی کہ تمام بُرائیوں اور بداخلاقیوں کی بنیاد شراب نوشی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی کانگریس نے کثرت رائے سے فیصلہ کر دیا کہ آیندہ کے لئے امریکہ میں شراب کی کشید، درآمد اور استعمال بالکل منع ہو۔ چنانچہ قانون بن گیا اور اس پر سختی سے عمل ہونے لگا۔ یہاں تک کہ چوری سے شراب لانے والے بعض جہاز بھی غرق کرا دئے گئے۔ لیکن چند برس کے تجربہ کے بعد اہل امریکہ کی رائے بدل گئی۔ اسی کانگریس نے پھر کثرت رائے سے اس قانون کو منسوخ کر دیا۔ اور شراب کا آزادانہ استعمال پھر شروع ہو گیا۔ یہی ایک واقعہ اس حقیقت کو واضح کر دینے کے لئے کافی ہے کہ "ترقی یافتہ اور مہذب" کہلانے والے لوگوں کی کثرت رائے کیا حیثیت رکھتی ہے اور اس پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

یہ حال تو ہوا خود اہل مغرب کا۔ ظاہر ہے کہ اس کے پیش نظر یہ فقرہ کہ "جن باتوں کو اہلِ مغرب اچھا سمجھتے ہیں" کس قدر بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب رہا دوسرا حصہ کہ جو باتیں خود ہم کو اچھی معلوم ہوتی ہیں"، سو اُس کے متعلق سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاں تک عقل اور فطرتِ انسانی کا تعلق ہے اہل مشرق اور اہل مغرب میں چنداں فرق نہیں ہے۔ مغرب کی طرح مشرق میں بھی، مُلک مُلک۔ قوم قوم۔ جماعت جماعت اور طبقہ طبقہ کے خیالات رسوم و معاشرت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر مختلف وقت اور زمانے میں بھی عقل کا معیار بدل جاتا ہے۔ بہت سی باتیں جو پچھلے زمانے میں کچھ سمجھی جاتی تھیں اب اُن کے متعلق کچھ خیال ہو گیا ہے۔ پھر ہر شخص کا نقطۂ نظر بھی ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ یہ تو ہوا ماضی کا حال۔ رہا مستقبل سو اُس کے متعلق کچھ علم نہ ہونے کے باعث عقل کبھی یہ دعویٰ ہی نہیں کر سکتی کہ جس چیز کو وہ آج مفید یا مُضر سمجھ رہی ہے آگے چل کر وہ واقعی مفید یا مضر ہی ثابت ہو گی۔

اس کے علاوہ ہم ہندوستان کے لوگ بعض اور اسباب کی بنا پر بھی اپنی عقل اور پسند پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ایک تو ہم تعلیم کے لحاظ سے بہت پس ماندہ ہیں اور ہم میں

جہالت عام ہے دوسرے جو طبقہ تعلیم یافتہ ہے وہ مغربی تہذیب سے اس قدر مرعوب ہے کہ اُسے اپنی ہر بات بُری اور یورپ کی ہر بات اچھی نظر آتی ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ہے ہر زمانہ میں ایسا ہوتا آیا ہے کہ جس قوم نے دُنیوی عروج حاصل کیا۔اُسی کی تہذیب کا ڈنکا بجنے لگا اور باقی قومیں اُسی کی پیروی کرنا اپنا فخر سمجھنے لگیں جن دنوں ہندوستان میں مسلمانوں کو شان و شوکت حاصل تھی نہ صرف اِس ملک کی قومیں اِسلامی تہذیب سے متاثر ہوتی تھیں بلکہ یورپ سے آئے ہوئے لوگوں پر بھی اس کا اثر نمایاں تھا۔ جو مغربی سفیر۔ تاجر سیاح یا ملازم ہندوستان میں آتے تھے۔۔ وہ یہیں کی سرکاری زبان (فارسی) بھی پڑھتے تھے۔یہیں کے آداب اور رسم و رواج سیکھتے تھے۔اور بڑی حد تک یہیں، کی معاشرت اختیار کر لیتے تھے۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں مگر یہاں صرف ایک دلچسپ واقعہ نقل کر دینا کافی ہوگا۔

چند برس ہوئے انگریزی کے مشہور اخبار اسٹیٹسمین میں بعض ایسے اہل فرنگ کے حالات شائع ہوئے جنھوں نے مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں آکر یہاں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ ان میں سے ایک فرانسیسی افسر کے ایک خط کا بھی حوالہ آیا جس میں اُس نے اپنی شادی کا حال اپنے کسی ہم وطن کی طرف لکھا تھا۔ اس میں اُس نے شادی کی رسموں کا مکمل بیان لکھتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ "میں نے اپنی منگیتر کو پہلی دفعہ شادی کے بعد ہی دیکھا۔اس طرز عمل پر تم کو سخت تعجب ہوگا خصوصاً یہ جانتے ہوئے کہ میری بیوی بھی یورپین ہے ہندوستانی نہیں ہے۔ لیکن یہ طریقہ یہاں کے رسم و رواج کے مطابق ہے اور اگر میں اس کے خلاف عمل کرتا تو یہاں کے شرفاء کی نظروں میں ہماری ذرا بھی عزت نہ رہتی" اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس وقت ' ہندوستان میں ہماری معاشرت کا اثر غالب تھا تو یورپین لوگ بھی ہمارے رسم و رواج کی پابندی پر از خود مجبور ہو جاتے تھے۔ لیکن اب جبکہ یہاں اہل مغرب کو فروغ حاصل ہے تو اُن کی رسمیں ہمیں اچھی اور اپنی رسمیں بُری معلوم ہونے لگتی ہیں۔

اہل مغرب کے عام دنیوی عروج کے باعث اُن کی تہذیب سے مرعوب اور متاثر ہونے والوں میں تو مشرق کے بہت سے آزاد ملک مثلاً ترکی۔ جاپان۔ ایران وغیرہ بھی ہیں لیکن ہندوستان تو ایک مغربی قوم کا محکوم بھی ہے مانی ہوئی بات ہے کہ الناس علےٰ دین ملوکہم۔ یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقے پر ہوتے ہیں۔ اس عام دستور کے مطابق اہل ہند بھی اپنی حاکم قوم کے طور طریقے رسم ورواج اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ انہیں اس قوم کی باتیں خواہ مخواہ اچھی نظر آتی ہیں اور اپنی باتوں سے خودبخود نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

جب حال یہ ہو تو بھلا ہم خود اپنی سمجھ اور پسند کو کہاں تک اچھائی اور برائی کا معیار بنا سکتے ہیں؟ اہل مغرب کی عقل کی جانچ ہم پہلے کر چکے۔ اپنی عقل کی حالت یہ نکلی! اب آخر کسی بات کے اچھے یا بُرے ہونے کا فیصلہ کیا جائے تو کیونکر کیا جائے؟ جب انسان اس مرحلہ پر پہنچتا ہے تو اُس کی ذہنی کشمکش دور کرنے کے لئے مذہب اپنی خدمات پیش کرتا ہے۔ یوں تو تمام مذہب اخلاق وغیرہ میں عام ہدایت کرتے ہیں لیکن خاص طور پر اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں میں رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ ہم قرآن وسنت کی روشنی میں ہر معاملہ کی اچھائی یا برائی کا فیصلہ بآسانی کر سکتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ اس وقت دُنیا کی بھٹکی ہوئی قومیں خودبخود مجبور ہو ہو کر صلح وجنگ۔ نکاح وطلاق۔ وراثت وغیرہ جیسے معاملات میں اسلامی قوانین کو اختیار کر رہی ہیں۔ لیکن اس مضمون کو پڑھنے والی چونکہ مسلمان خواتین ہیں اس لئے اسلام کی سچائی کی دلیلیں دینے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ یہاں صرف اس قدر ذہن نشین کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ اسلام کے نام لیوا ہیں اور خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اُن کو یاد رکھنا چاہئے کہ اُن کے لئے اچھائی اور بُرائی کا معیار صرف قرآن وسنت ہی ہو جو چیز اُس کے نزدیک اچھی ہو اُسکو اچھا سمجھنا چاہئے۔ خواہ وہ بظاہر کتنی ہی ناگوار کیوں نہ معلوم ہو اور جو بات اُس کے نزدیک بُری ہو اُس کو بُرا سمجھنا چاہئے۔ خواہ اُس میں کتنے فائدے ہی کیوں نہ نظر آئیں۔ ہمارے لئے یہ دلیل کوئی معنی نہیں رکھتی کہ فلاں ترقی یافتہ قوم ایسا کرتی ہے لہٰذا یہ کام مفید ہے یا یہ طریقہ

کسی آزاد قوم کا ہے اس لئے ہمیں یہ اختیار کرلینا چاہئے۔

یہاں یہ شبہہ بھی رفع کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کیا اسلام عقل استعمال نہیں کرنے دیتا اور محض اندھی تقلید کی دعوت دیتا ہے؟ ہرگز نہیں قرآن مجید میں جا بجا عقل اور فکر سے کام لینے پر زور دیا گیا ہے بات صرف اتنی ہے کہ انسان کے لئے اسلام کی صداقت کو سمجھنے اور قرآن پر ایمان لانے کی خاطر عقل کو استعمال کرنا ضروری ہے لیکن جب وہ عقل اور سمجھ کی رو سے ایک دفعہ اسلام کی سچائی کا قائل ہو گیا اور کلام پاک پر ایمان لے آیا پھر اُس پر خدا اور رسول کے حکم اور فیصلہ کی متابعت کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کو بالعموم اور مسلم خواتین کو بالخصوص اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ آجکل کے ترقی۔ اصلاح۔ انقلاب اور آزادی وغیرہ جیسے خوشنما مگر غلط فہمی پیدا کرنے والے لفظوں سے دھوکا نہ کھائیں۔ ہمارے لئے ترقی صرف وہی ہے جو اسلام کے اصول پر عمل کرتے ہوئے حاصل ہو۔ اصلاح وہی ہے جو ہماری غیر اسلامی باتوں کو دور کردے۔ انقلاب وہی ہے جو ہماری بگڑی ہوئی حالت عین اسلام کے مطابق بنا کر رکھدے۔ اور آزادی وہی ہے جو ہمیں صرف خدا و رسول کا فرماں بردار بنا کر باقی تمام غلامیوں سے نجات دلادے۔

لہٰذا کسی مسلم خاتون کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ ہر معاملہ میں اچھائی یا بُرائی کو عقل کے معیار سے نہیں کسی دوسرے کی عقل کے اندازہ سے نہیں۔ ہمسایہ قوموں کے نقطۂ نظر سے نہیں مغربی قوموں کے زاویہ نگاہ سے نہیں بلکہ اسلام اور صرف اسلام کے معیار سے جانچا کرے۔ جو کام کرنا چاہئے اُسے قرآن پاک کے آئینے میں دیکھ لے کہ کیا نظر آتا ہے اور جس معاملہ میں کوئی اُلجھن محسوس ہو اُس کو اُسوۂ رسول کریم کی مدد سے سُلجھائے۔

آئینۂ قرآن میں دیکھ اپنی اداؤں کو
شانہ تری زلفوں کا فرمودۂ پیغمبر

نقصِ تربیت

موجودہ زمانہ کی تعلیم اور اسکول کی فضا کو اس لئے بُرا کہا جاتا ہے کہ لڑکیاں تعلیم پاکر اور اسکول کی فضا میں رہ کر خانگی کاموں کی جانب سے لاپرواہ اور مذہب سے بالکل بے بہرہ ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ ایک بڑی غلطی ہے۔ تعلیم بغیر تربیت کے ایسی ہی ہے جیسے ایک ایسی زمین میں بیج ڈال دینا جو کاشت نہ کی گئی ہو۔ اور پھر یہ توقع رکھنا کہ یہاں کی پیداوار بھی ویسی ہی ہوگی جیسی کاشت شدہ زمین کی۔

دراصل ہماری بہنوں نے ابھی تک یہ نہیں سمجھا کہ موجودہ زمانہ کی روشنی کے مطابق لڑکیوں کو بنانے کے لئے اعلیٰ تربیت کی سخت ضرورت ہے۔

جاہل عورتوں کا یہ خیال تو بالکل لایعنی ہے کہ لڑکیوں کے لئے اسکول کی تعلیم فضول ہے۔ اُن کو صرف قرآن پاک طوطے کی طرح رٹا دینا اور دو چار مسئلے مسائل کی کتابیں پڑھا دینا کافی ہے۔ لڑکیوں کو تو صرف خانگی کاموں میں ہوشیار رہنا چاہئے۔ پڑھ لکھ کر کیا اُن کو نوکری کرنی ہے۔

لڑکیوں کے لئے بھی تعلیم اُتنی ضروری ہے جتنی لڑکوں کے لئے اگر لڑکوں کو کمانے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے تو لڑکیوں کو کمائی کے سینتنے سنبھالنے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ صحیح طور پر اس کا مصرف کرسکیں۔

پھر وہ مرد جن کو بڑھکر قوم کی کشتی کھینا ہے۔ عورت کے ہی کمزور ہاتھوں میں پرورش پاتے ہیں۔

آج کی لڑکیاں کل کی مائیں ہیں۔

اس حقیقت سے کوئی انکار ہی نہیں کرسکتا کہ قدرت نے معلّم اوّل ماں کو بنایا ہے۔ بعض ظاہر ہوئی کہ معلّم کا علم نامکمل ہے تو اُس کے شاگرد کیسے عالم فاضل ہوسکتے ہیں ؟

یہ ایک ضرب المثل ہے کہ قوم کی باگ ڈور ماؤں کے ہاتھ میں ہے۔ ماں کے اثرات بچے آغوش میں ہی قبول کرلیتے ہیں۔

بڑے بڑے عالم ادیب شاعر فلاسفر ماں کے ہی آغوش سے نشو ونمائے کر اپنے ملک اور قوم کے لئے باعثِ فخر بنتے ہیں۔

نپولین کا مقولہ ہے کہ میری ماں نے لڑکپن ہی میں مجھے بہادری اور دلیری کے سبق دئے تھے۔ میری عزت ووقار کا راز میری ماں کی برگزیدہ ہستی میں پوشیدہ ہے۔

یونانی مفکر اور دنیا کا مشہور فلاسفر ارسطاطالیس کہتا ہے کہ ابھی میں اچھی طرح بول بھی نہ سکتا تھا جو میری ماں نے مشاہیر یونان کے قصّے سنا کر میرے دماغ کو روشن کردیا تھا۔ اور جب میں طالب علم کی حیثیت سے فلسفے اور حکمت کے درس و تدریس میں مشغول ہوتا تو میری بوڑھی ماں ساری ساری رات میری نگہداشت کرتی۔

ہمدرد قوم سر سیّد احمد خاں مرحوم بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے خود اس کا اعتراف کیا کہ انکی باعزت ماں نے درد قومی عالم طفلی میں ہی اُن کے دل میں بھر دیا تھا۔ ہمارے قومی شاعر علامہ سر اقبال مرحوم اپنی والدہ کی وفات پر کس طرح اپنی ماں کی عظمت کا اثر لوگوں کے دلوں پر نقش کرتے ہیں اور کس خوبی سے تربیت مادری کا اعتراف کرتے ہیں۔

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا ، 　　گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات 　　تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

اس ساری تمہید سے میرا مطلب یہ ہے کہ ایک اچھی ماں کی تربیت ہی انسان کو مکمل انسان بناتی ہے

ماؤں کو صرف اسکول کی تعلیم پر مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ آج تک کسی بڑی سی بڑی درسگاہ

نے بھی تربیت کا بار اپنے ذمہ نہیں لیا۔

جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے درسگاہیں اپنے فرائض کو بخوبی ادا کرتی ہیں۔ رہی تربیت یہ ماؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو اپنے اصول کے مطابق بنائیں۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ مائیں اسکول کی تعلیم پر مطمئن ہو کر تربیت سے لاپرواہ ہو جاتی ہیں اور پھر بعد میں تمام برائیوں کی ذمہ دار اسکول کی فضا ہوتی ہے۔ آخر یہ کیوں؟ کہاں تک اس کا حق اعتراض کرنے والی بہنوں کو حاصل ہے؟ اسکول تو صرف تعلیم کا ذمہ دار ہوتا ہے نہ کہ تربیت کا بھی؟ اگر لڑکیوں کو اپنے مذہبی اور قومی عقائد سے دلچسپی نہیں اور وہ مذہب کا مضحکہ اڑاتی ہیں۔ تو اس کی ذمہ دار اُن کی لاپرواہ مائیں ہیں نہ کہ اسکول! اگر لڑکیاں بیجا مصارف کی عادی ہیں۔ یا خود غرض۔ بیباک نکمی ہیں تو کیا یہ عادات اُنھوں نے تعلیم کے باعث سیکھی ہیں؟ یا ناقص تربیت کی بدولت؟ اس میں شک نہیں کہ مغربی تمدن نے ہندوستانی ماحول پر اتنا اثر جما یا ہے کہ فی زمانہ نوجوان لڑکیاں پچہتر فی صدی فیشن کی (پیتریاں) ہو کر رہ گئیں ہیں۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سبھی یکساں ہیں۔

عورت فطرتاً نرم اور حساس دل لیکر آئی ہے۔ عام طور پر آزما یا گیا ہے کہ لڑکیاں بہ نسبت لڑکوں کے زیادہ تیز ہوتی ہیں اور ہر اچھی بُری بات کا اثر جلدی سے قبول کر لیتی ہیں۔ اسی طرح اُنہوں نے جدید فیشن کو مردوں سے بھی زیادہ جلدی قبول کر لیا۔ عورت کا فطری ذوق نمائش و زینت ہے۔

زمانے کے ساتھ ساتھ مردوں کے رجحان کے مطابق اس میں تبدیلیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آجکل کی لڑکیاں پاؤڈر، سینٹ اور نمائشی چیزوں کی زیادہ شوقین ہیں۔

تو کیا اس کے ذمہ دار اُن کے فیشن زدہ باپ بھائی اور شوہر نہیں ہیں؟

جنہوں نے تعلیم کا ماحصل قیمتی سوٹ پونڈر سے لیسے ہوئے رومال اور فیشن ایبل ٹائیاں سمجھ رکھی ہیں اگر یہ اعتراض کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ لڑکیاں اگر فیشن کی تیتریاں ہیں تو لڑکے فیشن کے (تیتر)

بیچاری لڑکیاں اگر آجکل کی مغرب پرست فضا میں ان مغرب زدہ نوجوانوں کے احساسات کا احترام نہ کریں تو یقیناً گنواریاں کہلائیں۔

کوئی نوجوان بھی قدیم مشرقی روایتوں کو جو لڑکوں کے لئے قائم کی گئیں تھیں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

جن ماؤں نے اب بھی اپنی لڑکیوں کو پرانے زمانے کے مطابق تربیت بھی دی ہے اُنہوں نے کف افسوس ملتے ہوئے یہ حسرت ناک منظر دیکھا ہے۔

کہ اُن کے خاندانی تعلیم یافتہ روشن خیال لڑکے تہذیب مغرب کے دلدادہ ہوکر اپنی نسبتی شرافت اور خاندانی وقار کھو بیٹھے۔ اور وہ دولت جو پشتوں سے جمع کی گئی تھی ان سبھائی پر یوں پر نچھاور کر دی۔

لہذا اب ضروری ہے کہ قدیم پابندیوں کو چھوڑ کر نئی باتوں پر اعتراض کرنے کی بجائے لڑکیوں کو اس قسم کی تربیت دی جائے۔ اور اتنی تعلیم کہ مشرقی وقار کو قائم رکھتے ہوئے ان مغرب زدہ نوجوانوں کی طبیعت پر پورا پورا قابو حاصل کرنے کی قابلیت رکھتی ہوں۔

آجکل کی روشنی کی فضا میں ضروری ہے کہ ہماری نوجوان بہنیں شوہروں کے ساتھ ہر علمی اور تفریحی مشاغل میں حصہ لیں اور اپنے ملکی مذہبی وقار کو سمجھتے ہوئے زمانے کے دوش بدوش قدم اُٹھائیں۔

کسی میٹنگ یا جلسہ میں اور سیر گاہوں میں غازہ یا پاؤڈر سے رُخ کو آراستہ کئے لبوں اور ناخنوں کو رنگے ہوئے نیم عریاں لباس والی خواتین کے جھرمٹ میں چند ایسی ہستیاں خوددار

نظر آئیں گی جن کے رخساروں پر حیا کا غازہ ہوگا۔ پیشانی پر صداقت کا ٹیکا جنکی ہر ادا سے بجائے عشوہ و غمزے کے عصمت و حیا ٹپکے گی۔ اور جن کا لب و لہجہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت ایک خاص انداز متانت لئے ہوئے ہوگا۔ اور جو موجودہ فضا میں بھی سانس لیتے ہوئے مغربی حیا سوز زینتوں سے اتنی ہی متنفر نظر آئیں گی جیسے زمانہ سابق میں شرم و حیا کی دیویاں۔

ان سب خوبیوں کی حامل اُن کی اچھی تربیت ہے جو اُن کی باعظمت ماں نے موجودہ روشنی کے مطابق اپنی لڑکیوں کو طیار کرتے ہوئے دی تھی۔

سعادت مند لڑکی کے پیش نظر ہر وقت اپنی مقدس ماں کا چہرہ رہتا ہے۔ عالم طفلی کے پُرنصائح مشورے اُس کو اب تک نہیں بھولتے۔

نقص تربیت کے ساتھ ادھوری تعلیم بھی ایک ایسا زہر ہے جو بے چاری لڑکیوں کو دین و دنیا سے غارت کر دیتا ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ لڑکیاں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتی ہیں فیشن پرست نہیں ہوتیں۔ اُن کا ذوق کتب بینی فلسفی دماغ اُن کو اتنا وقت نہیں دیتا کہ زلف و گیسو کی آرائش پاؤڈر غازے کی زیبائش میں مصروف رہیں لیکن بدقسمتی سے ہماری سوسائٹی میں ایسی دل و دماغ والی ہستیاں برائے نام ہیں جن کو علم کی حقیقی تلاش ہے۔ اور جو اپنا سارا وقت علم و ادب میں صرف کرنا زندگی کا ماحصل سمجھتی ہیں۔ مسلمان لڑکیاں زیادہ تر ایسی ہوتی ہیں جنکی اسکول کی تعلیم سات آٹھ جماعت تک محدود ہوتی ہے اس ادھوری تعلیم کے ساتھ لاپرواہ ماں کی تربیت کی جانب سے غفلت، لڑکیوں کو دین و دنیا سے کھو دیتی ہے۔ ایسی لڑکیوں کے لئے ضروری ہے کہ جا و بیجا اپنی قابلیت کا اظہار کریں۔ اچھی خاصی اُردو کو بگاڑ کر زبردستی انگریزی کے الفاظ اُس میں ٹھونس دیں۔

بزرگ خواتین کا مذاق اُڑائیں۔ مذہبی مسائل کی ذرہ برابر وقعت نہ کریں۔ خانگی کام اُن کے لئے کسر شان اور گھر میں رہنا وبال جان ہو۔

بغیر قیمتی ساریوں فینسی شوز پوڈر اور سینٹ کے اُنکی زندگی دوبھر ہو۔

بغیر قیمتی ساڑیوں فینسی شوز لونڈر اور سینٹ کے اُن کی زندگی دوبھر ہو۔
روزانہ سینما جانے کی خواہشمند ہوں۔ پہروں صبح وشام آئینہ دیکھا کریں۔ ایک ایک ناخن کی آرائش میں گھنٹوں صرف کردیں۔ ماں جس کام کو کہے ٹکا سا جواب دیدیں۔ اور ماں اپنی تعلیم یافتہ صاحبزادی کی صرف تعلیم کی جانب سے مطمئن ہو کر اُن کے ہر جواب کو سن کر ٹھنڈے گھونٹ کی طرح پی لے۔
اور دل پر جبر کرکے اپنی ضرورتوں کو پس پشت ڈال کر صاحبزادی کے لئے لوازمات فیشن مہیا کرے۔ کیا یہ جاہل ماں کا قصور نہیں؟ کہ اُس کی لڑکی ایسی خود سر بیباک اور چھچھوری ہے۔ اسکول اور اسکول کی تعلیم کو کیوں برا کہا جاتا ہے؟
اکثر ایسی لڑکیاں جنہوں نے اسکول کی شکل بھی نہیں دیکھی تربیت نہ ملنے کے باعث گھر میں بیٹھے بیٹھے اسکول والیوں کے کان کاٹ دیتی ہیں
والدین کا یہ سمجھ لینا کہ لڑکیوں کے لئے تعلیم ضروری تھی اور اُن کی تربیت پُرانے اصول پر ہونی چاہئے جو آج سے پچاس سال قبل لڑکیوں کے لئے بنایا گیا تھا ایک ناقابل معافی قصور ہے۔
مشہور مثل ہے کہ زمانے کے ساتھ نہ چلو گے تو سر کے بل گرو گے۔
لڑکے تو ہوں بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ اور لندن کے اعلیٰ ڈگری یافتہ۔ لڑکیاں الف کے نام ب بھی نہ جانتی ہوں۔ اور جاہل مطلق ہوں تو نباہ کی صورت کیسے ہو۔
میاں اخبار دیکھتے ہوں' اور بیوی جہالت کے باعث کسی نوکرانی کا قصہ لے بیٹھیں بچے کے تماشے دیکھائیں۔ زیور کی فرمائش کریں کیونکہ وہ غریب تو اپنے ماحول کے مطابق گفتگو کرے گی۔ میاں ان سب باتوں سے اُکتا کر گھر میں بیٹھنا ہی چھوڑ دیں۔ ناچاقی بڑھتی جائے۔ اور تعلقات ناخوشگوار صورت اختیار کریں۔ پھر مرد کے لئے تو گھر سے باہر بھی ہر جگہ تفریح کے نت نئے اسباب موجود ہیں۔ مشرقی سوسائٹی کی بدولت بے چاری

لڑکیاں اپنے ماں باپ کی جان کو دُعا دیتی گھل گھل کر مرجائیں۔

یہ ضروری نہیں کہ سب لڑکیاں یکساں دل و دماغ رکھتی ہوں۔ بچوں کا فطری رجحان لڑکپن میں اُن کے کھیلوں سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض لڑکیاں دست کاری کی شوقین ہوتی ہیں۔ بعض کو خانگی کاموں سے دلچسپی ہوتی ہے۔ مگر بعض بلند دل و دماغ والی لڑکیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو اعلیٰ تعلیم اور عمدہ تربیت دی جائے تو قوم و ملک کے لئے باعثِ فخر بن جائیں۔ سمجھدار ماں کو اُن میں سے ہر ایک کے ذوق طبعیت کو سمجھ کر صحیح تربیت دینی چاہئیے۔

بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو و مسز پنڈت۔ اور بیگم شاہ نواز۔ بہترین دل و دماغ والی خواتین ہیں۔ لیکن کیا یہ اُن کے شفیق والدین کی عنایت نہ تھی۔ اُن کے دماغوں کی مناسبت سے اُن کو تعلیم و تربیت دے کر زندگی کی اعلیٰ منزلوں پر پہنچا دیا۔ ہندوستان میں سینکڑوں ایسی روشن دل و دماغ والی لڑکیاں ہیں جن کے دماغوں سے اُمید تھی کہ صحیح تربیت اور تعلیم مل کر ملک کی بہبودی کے لئے کیا کچھ نہ کرتے مگر افسوس تعلیم کی کمی، ناقص تربیت نے اُن کو بے کار کر دیا۔

نونہالانِ قوم کیلئے ضروری ہے کہ باعزم و تعلیم یافتہ روشن دماغ والی خواتین کی گود میں پرورش پائیں جو عالم طفلی سے ہی عزم و استقلال خلوص و ایثار صداقت بہادری کے سبق اُن کو دیں۔

نام ماں کی گود کا ہے مکتبِ اوّل بجا
ایک ماں کی تربیت پہ سو مُعلّم ہوں فدا
دایۂ فطرت نے ماں کو کرلیا قائم مقام
تاکہ پائیں تربیت کے مرحلے سب انصرام
التفاتِ ظاہری میں لطف پنہاں چاہیئے
روح کی بھی تربیت کا کچھ تو ساماں چاہیئے

حمیدہ سلطان از دہلی

عورتیں اور ملازمت

ذیل میں ہم ایک دلچسپ مکالمہ جو سیّد ابن حسن صاحب شارق دہلوی اور اُنکی بیگم صاحبہ کے درمیان ہوا تھا انیس نسواں کے ناظرین اور ناظرات کی دلچسپی کے لئے شائع کرتے ہیں۔ تصویر کے دونوں رُخ ملاحظہ کرنے کے بعد اگر کوئی صاحب اس موضوع پر کوئی مضمون لکھ کر ہمارے پاس جلد بھیجینگے تو ہم انشاءاللہ آئندہ کسی رسالہ میں درج کر دیں گے۔

(تصویر کا ایک رخ)

میرا خیال ہے کہ ہندوستانی لڑکیوں کو سرکاری وغیر سرکاری ملازمتوں۔ آزاد پیشوں اور صنعت وحرفت کے کاموں میں ضرور حصہ لینا چاہئے۔ اُن کے لئے زندگی کا ہر شعبہ اسی طرح کُھلا ہوا ہونا چاہئے جس طرح لڑکوں کے لئے کُھلا ہوا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری قوم ایک غریب اور مفلس قوم ہے اور اُس کے مرد تنہا کماتے کماتے مرے جا رہے ہیں۔ یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ گاڑی کا صرف ایک پہیہ ساری گاڑی کو کھینچ رہا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے دیس کا افلاس اور اقتصادی بدحالی کسی طرح جانے کا نام نہیں لیتی۔ اگر عورتیں بھی مردوں کی طرح میدان عمل میں آکر قوم کا ہاتھ بٹانے لگیں گی اور محنت کرکے پیسہ پیدا کرینگی تو ہماری تنگ دستی کے کم ہو جانے کی توقع ہو سکتی ہے۔ اکثر بہنوں کا بہت سا فالتو وقت تقریباً بے کار ضائع ہوتا ہے۔ گھر کا کام کر چکنے کے بعد میں نے بعض بہنوں کو گاؤ تکیہ کے آگے پان کھاتے ہوئے اور بعض کو بی ہمسائی سے باتیں کرتے دیکھا ہے۔ مجھے کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی کہ آخر کیوں ہم عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں قید کرکے اُن کی فطری قابلیتوں سے مُلک اور قوم کو محروم کر دیں ایسا کرنے سے ہندوستانی عورتوں کے دل میں جو اپنی بے بسی اور لاچاری کا ایک جذبہ

پیدا ہو گیا ہے اور اُن کے دماغ میں جو اپنے تئیں حقیر اور بے کار محض سمجھنے کے نقوش مرتسم ہو گئے ہیں وہ ایک آزاد اور ترقی پسند قوم کی معزز خواتین کے شایان شان نہیں ہے۔
اگر ہماری لڑکیاں اور عورتیں مردوں کے دوش بدوش تعلیم پاکر زندگی کی گاڑی چلانے میں اُن کی مدد کریں گی تو اس سے اُن میں اپنے قدموں پر آپ کھڑے ہونے اور اپنی زندگی کا بوجھ آپ اُٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی اب تک تو یہ مردوں ہی کے سہارے پر زندگی کے دردبھرے دن بسر کر دیتی ہیں اور اُن میں وہ اعتماد نفس مطلق پیدا نہیں ہوتا جو ایک انسان میں ضرور پیدا ہونا چاہئے اور جسے ڈاکٹر اقبال نے لفظ خودی سے تعبیر کیا ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ بات مطلق نہیں آتی کہ عورتوں کو ذمہ داری کے کاموں سے محض اس بنا پر محروم رکھا جائے کہ وہ عورتیں ہیں بڑے بڑے عہدوں کے فرائض اور ذمہ داریاں ہم عورتوں کے سپرد اس لئے نہیں کرتے کہ مُبادا یہ بوجھ اُن سے نہ اُٹھ سکے۔ حالانکہ ہمارا ایسا سمجھنا درحقیقت سوء ظن پر مبنی ہے۔ یہ درست ہی کہ ہماری نیم تعلیم یافتہ مغرب کی نقال لڑکیاں بھاری بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کی سکت نہیں رکھتیں اور اُن میں کسی معقول کام کو حسن و خوبی سے انجام دینے کی اہلیت ابھی پیدا نہیں ہوئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اُن میں یہ اہلیت کبھی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر ہم فراخ دلی سے کام لے کر اُن کو مواقع بہم پہونچائیں تو بلا شبہ ایک تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وقت تو ہماری مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس نے ورزش کر کے ایک اپنا ہاتھ تو مضبوط بنا لیا ہو اور دوسرا بے توجہی سے چھوڑ کر سکھا لیا ہو۔

کیا یہ ممکن نہیں ہی کہ ہندوستان کے مرد اس قدر روادار ہو جائیں کہ معاشرت کے سب شعبے اور حکومت اور دیگر اداروں کے محکمے اور فوج اور سول کی زبردست اہم اور وزنی ملازمتیں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے کھلی چھوڑ دیں کیا انصاف کی رو سے آزادانہ مقابلہ کر کے اپنی قابلیت اور اہلیت سے ملک اور قوم کی خدمت کرنے کا حق عورتوں کو نہ ملنا چاہئے۔

اس سوال کا جواب میں آپ کی طبع انصاف پسند پر چھوڑتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ عورتیں زندگی کے ہر کام میں مفید ثابت ہو سکتی ہیں اگر ہم غیر جانب دار ہو کر صرف اتنی سی بات مان لیں کہ آزادانہ مقابلہ کرنے کا حق عورتوں کو ملنا چاہئے۔ محض تعصب کی وجہ سے اُنہیں ناقص العقل سمجھنا شاید موجودہ مہذب زمانے میں مناسب نہیں ہے۔

جمہوریہ روس نے عملی طور پر یہ بات ثابت کر دی ہے کہ عورتوں میں بھی ہر کام کرنے کی قریب قریب اتنی ہی صلاحیت موجود ہے جتنی مردوں میں وہاں ملازمتوں اور پیشوں کے دروازے عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے یکساں کھلے ہیں اور غالباً اسی آزادی کا نتیجہ ہے کہ ڈاکٹری اور انجینیری کے محکموں میں ساٹھ فی صدی عورتوں کا راج ہے اور ہر خاتون انجینیر اور لیڈی ڈاکٹر نے اپنی قابلیت اور ہنر سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ کسی طرح ایک مرد انجینیر سے کم نہیں ہے۔ اُنہوں نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اگر اُن کو بھی موقع دیا جائے تو وہ اپنی فطری استعداد سے تہذیب اور انسانیت کی بلند عمارت میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ پولیس ریلوے۔ فوج اور دفتروں میں وہ اچھی طرح کام کر سکتی ہیں۔ اور حوا کی یہ بہادر صاحبزادیاں گھر سے باہر بھی اپنے چھپے ہوئے جوہروں سے قومی ذہانت اور طباعی میں چار چاند لگا سکتی ہیں عورتوں کے ملازمت اور دیگر پیشوں میں آجانے کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ مرد اپنا حریف میدان دیکھ کر زیادہ شوق و جستجو اور جوشِ عمل سے آگے بڑھنے کی کوشش کرینگے۔

اور یہ بات ایک مانی ہوئی بات ہے کہ جب تک کوئی مقابل نہ ہو مقابلہ اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہی نہیں ہوتا اور ترقی کی رفتار سست ہوتی ہے ہماری بہت سی بہنوں کو قدرت نے بڑی بڑی دماغی قابلیتیں عطا کی ہیں جو افسوس مواقع نہ ہونے کی وجہ سے خاک میں ملکر خاک ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم انکو ترقی کرنے کا موقع دیں اور اُن کے پیدائشی جوہروں کو اُبھرنے کا سامان مہیا کر دیں تو یقیناً ہم اپنی قوم کے اِن ٹیلی جنسی ایا یعنی عقل کُل کو فائدہ پہونچا سکیں گے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عورتوں مردوں سے کاروبارِ حیات میں مقابلہ کرنا صنفی اختلاف و انشقاق کا

بیچ لینا ہے۔ میں اس کے جواب میں عرض کرونگا کہ مغربی ممالک میں جن عورتوں نے معاشی طور پر آزادی حاصل کرلی ہے وہ لازمی طور پر مردوں سے برگشتہ نہیں ہوگئیں بلکہ انہوں نے قوم اور ملک کی خدمت کی ہے اور ہر معاملہ میں مردوں کا ہاتھ بٹایا اور اُن کی مدد کی ہے۔

عورت اور مرد کی موجودہ تقسیم کار نے صدیوں سے ہمارے قوائے عملیہ میں جو جمود پیدا کردیا ہے وہ ہم سے بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ کم سے کم تجربہ کے طور پر ہی سہی عورتوں کو موقعہ دیا جائے کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی اس دنیا میں آزادی کے ساتھ سانس لے سکیں۔ علم حاصل کرسکیں۔ اب تک اُن کا کام صرف یہ تھا کہ گھر کو خوبصورت بنائیں اور اُنہوں نے یہ کام انجام بھی اچھی طرح دیا اُب اُنہیں یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ "بڑے گھر" یعنی ملک کا انتظام اسی طرح کرسکتی ہیں جس طرح گھر کا کرتی رہی ہیں۔

ہماری ہندوستانی معاشرت کے ہر تمدنی شعبے میں جو یک رنگی نظر آتی ہے وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ فرقہ نسواں کو بھی ہر کام میں مداخلت کرنے کا حق دیا جائے۔ ہماری تہذیب شائستگی فنونِ لطیفہ، آرٹ، لٹریچر اور زبان پر ایک قسم کا مردانہ پن چھایا ہوا ہے اور ان میں وہ نسائیت۔ لوچ۔ نزاکت اور حسن موجود نہیں جو غالباً اُس وقت ہوتا جب عورتوں کا بھی ہماری قومی تعمیر میں برابر کا حصہ ہوتا۔ اگر ہمیں اپنی کلچر سے یہ نامحبوب کُھردرا پن دور کرنا ہے اور طبقۂ نسواں کے اشتراکِ عمل سے خوش سلیقگی کا عنصر پیدا کرنا ہی تو یقیناً ہمیں اپنی بیگمات کو آزادی دینی ہوگی اور اُنہیں مردانہ پیشوں اور ملازمتوں کے لئے تیار کرنا ہوگا۔ جس قدر آج ہماری عورتیں کمزور ہیں اُسی قدر ہماری مدد کی اُن کو زیادہ ضرورت ہے۔ میں اپنے بھائیوں سے انسانیت کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی تنگ نظری۔ تعصب اور رواجی پابندیوں کو چھوڑ دیں عورتوں کو ہر شعبے میں خودمختار زندگی گذارنے کے قابل بنانے میں مدد دیں۔ ہندوستانی عورت کا

حسن اُس کی حق پرستی میں پنہاں ہے اُسے موقعہ دیجئے کہ وہ دنیا کو زیادہ خوبصورت زیادہ حق پرست اور زیادہ پُرامن بنانے میں مدد دے۔

سید ابن حسن شارق دہلوی

تصویر کا دوسرا رُخ

(از بیگم شارق)

میرا خیال ہے کہ ہندوستانی لڑکیوں کا عام طور پر نوکریاں کرنا اور مردانہ پیشوں میں سرگرمی سے حصہ لینا ہرگز زیبا نہیں ہے اور نہ یہ ہمارے ملک کی دیرینہ روایات کے شایانِ شان ہے کہ عورتیں مردوں سے مقابلہ اور مجادلہ کریں۔ ملک کی افلاس اور تنگدستی کا صرف یہی ایک علاج نہیں ہے کہ عورتیں پڑھ لکھکر اور مردوں کی حریف بن جائیں اور گھر بار تج کر ملازمتوں کی ہو رہیں۔ غالباً دیس کے سب سے زیادہ درمند لیڈر مہاتما گاندھی کا یہ کہنا کہ غریبی کا علاج دیسی اور گھریلو صنعتوں سے کیا جائے ایک حد تک دور اندیشی پر مبنی ہے چھوٹے پیمانہ پر دستکاری کا رواج ہمارے ملک میں ہمیشہ سے رہا ہے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اب بھی ہماری مالی پریشانیاں اس سے دُور نہ کی جا سکیں میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مردانہ پیشوں کے اختیار کرنے کے بارے میں جو ہمیں نصیحت کی جاتی ہے اُس میں اہلِ مغرب کی مثالیں کس لئے دی جاتی ہیں ہندوستان کی عورتیں مغربی ممالک کی عورتوں سے کسی طرح کام کم نہیں کرتیں چند شہری نواب زادیوں کو گاؤ تکیہ یا پلنگ پر بیٹھے ہوئے چھالیہ کترتے اور پان کھاتے یا پڑوسن سے گپیں ہانکتے ہوئے دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ سارے ہندوستان کی عورتیں ایسی ہی بے فکر اور وقت کی ضائع کرنے والی ہیں۔ میرے خیال میں ناانصافی ہے۔ جو یا تو لاعلمی پر مبنی ہے یا پھر تجاہل عارفانہ ہے۔

اور صریح طبقہ اناث کی توہین ہے ہمارے دیہات کی محنتی اور جفاکش عورتیں اور کم عمر لڑکیاں جسقدر کام کرتی ہیں شاید

جاپان کو چھوڑ کر اور کسی ملک کی عورتیں اسکا عشر عشیر بھی انجام نہیں دیتیں۔ تقسیم عمل میں جو حصہ ہندوستان میں ہمارے لئے صدیوں سے مقرر کر دیا گیا ہے یعنی گھر کی صفائی اور دیکھ بھال۔ بچوں کی پرورش و تربیت وہ نہایت موزوں اور صدیوں کے ارتقار کا نتیجہ ہے۔ اگر اس نظام میں کچھ خرابیاں پیدا ہو گئیں ہیں تو وہ آسانی سے دُور کی جاسکتی ہیں لیکن مغرب کی کورانہ تقلید کے اندھے جوش میں جو شاید دیوانگی کے درجہ تک پہونچ گیا ہے پرانے نظام کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دینا شاید دانشمندی نہیں دفعتاً کسی معاشرت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کرنا ہرگز خطرات سے خالی نہیں کہا جاسکتا۔ اچانک تبدیلی یقیناً بے چینیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ترقی کے لئے ہر ہر قدم پر روایات سابقہ سے مفاہمت اور سمجھوتہ کرنا پڑتا ہی میانہ روی اور نرم رفتاری سے انجام و نتائج پر نظر رکھکر آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھانا ہمیشہ عقلمندوں کے نزدیک انقلاب کے طوفانی جھکڑوں سے زیادہ مفید اور پائدار رہتا ہی۔ عورت اور مرد کو ایک پلیٹ فارم پر لانے والے اس بات کو ضرور ذہن میں رکھیں کہ کسی ملک سے ہر قسم کی مادی اشیاء، علم۔ ہنر۔ فن وغیرہ مانگے لی جاسکتی ہیں لیکن کسی ملک کی تاریخ ہرگز مستعار نہیں لی جاسکتی۔ روس کی مثال دینے والے یہ بات نظرانداز کر دیتے ہیں ہندوستان جیسے پتی ورتا دیش میں جہاں عورتیں مردوں کی چتا پر غالباً اب بھی جل جاتی ہیں جنسی مساوات ایک بے وقت کی راگنی ہے۔ ہم اپنی معاشرت اور تمدن کو یک لخت کہیں نہیں پھینک سکتے۔ نہ تو ہندوستانی عورتیں ایسی شتر بے مہار بن جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور نہ وہ خود اس کے لئے تیار ہونگی۔ مردانہ پیشوں میں عورت کے دفعتاً آجانے سے ہماری سماج میں ایک زلزلہ سا آجائیگا۔ گھر بار راوندھا پڑا ہوگا اور بیوی آفس میں ٹائپ کر رہی ہونگی۔ بال بچے نوکروں پر پڑے ہونگے اور بیگم صاحبہ اپنی ملازمت کے فرائض انجام دینے باہر تشریف لے گئی ہونگی۔

میرا عقیدہ ہے کہ ڈاکٹری جراحی اور معلمی کے پیشوں کو چھوڑ کر اور کسی شعبۂ حیات میں

مردوں سے جنگ کرنا مناسب نہیں ہے یا فی الحال مناسب نہیں ہے۔ نوکریاں مردوں کے ہی لئے ایسی کونسی زیادہ ہیں جو عورتیں بھی حاصل کرلیں گی۔ اس کی مثال تو ایسی ہوگی کہ ایک ہڈی پر دو کتے ٹوٹ پڑیں

جنسی اور طبقاتی جنگ کو اس امن پسند ملک میں دعوت دینے والے اپنے جوش نبرد آزمائی میں یہ بات بھی بھول جاتے ہیں کہ اس طرح عورت مرد کی حریف نہیں خود اپنی حریف بھی بن جائے گی وہ جو ایک پرانی مثل ہے کہ کوا چلا ہنس کی چال پر اپنی بھی بھول گیا۔ وہ اس پر پوری اُترے گی۔ مردوں کی نقالی سے وہ اپنے وہ نسائی ہتھیار بھی کھو بیٹھے گی۔ جس سے وہ ظالم مردوں کے طبقے سے جنگ کرتی اور اُسے مسخر کرتی ہے میری مراد اُسکے فطری حُسن اور نسائیت سے ہے جن ممالک میں صنف نازک نے مردانہ پن اختیار کرلیا ہے اُن میں عورتوں کی نزاکت نرمی شیرینی حُسن اور زیبائی کا تو دیوالہ نکل گیا ہے۔ مردوں کے سخت اور جفاکشی کے کاموں نے اُس کے اعضاء اور طبائع پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے چنانچہ اب نہ تو اُس میں عورتوں کی حقیقی لطافت ہے جو دراصل اُس کا زیور ہوا کرتی ہے اور نہ مردوں کا سا تہوّر اور اولوالعزمی پیدا ہوئی ہے جو خاص مردوں کا حصہ ہے۔

اس کے علاوہ جن جن ملکوں میں عورتیں مردانہ پیشہ کرتی ہیں وہاں ہوٹل رستوراں میں کھانا کھانے کا رواج ہے۔ نہ تو گھر پر عمدہ رسوئی ہوتی ہے اور نہ مرغ پلاؤ اور شامی کباب کو مردوں کی چٹوری زبانیں طلب کرتی ہیں۔ بچوں کی پرورش بھی ماؤں کے لئے ضروری نہیں ہے۔ حکومتوں کی طرف سے نرسنگ ہوم کھلے ہوئے ہیں چند روپیہ ماہوار دیکر بچے اُن میں داخل کردئے جاتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ان ممالک کا سارا نظام معاشرت ہی مختلف ہے۔ اب ہم لوگ یا تو اُن کی دیکھا دیکھی اپنا سارا نظام حیات ہی یکسر بدل ڈالیں جسے یک لخت اُکھاڑ پھینکنے کے کم از کم مجھے تو معقول اسباب ابھی نظر نہیں آتے یا پھر اسی اعتدال کے راستہ پر پڑلیا جائے اور عورت کو رفتہ رفتہ اُنکی جبلی خصلتوں کے مطابق پیشوں کیلئے تیار کیا جائے اور خاص خاص محکموں تک ہی

اُنکی رسائی محدود کی جائے یہی وہ تجویز ہے جسے میں اپنے ملک ہندوستان کے لئے مناسب سمجھتی ہوں۔

میرے نزدیک عورتوں کے جوق جوق مردانہ پیشوں میں آنا تو کسی حال میں بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ اگر عورتیں کسی دفتر کی پچاس ملازمتوں پر حق نیابت کی رو سے قبضہ کرلینگی تو ظاہر ہے کہ پچاس مرد ضرور بیکار ہو جائیں گے بات وہیں کی وہیں رہی۔ آخر یہ کونسی عقلمندی ہے کہ ہم اپنے جسم کا کمزور عضو ٹھیک کرنے کے لئے تندرست اور فربہ عضو کو بھی برباد کردیں ممکن ہو کہ کمزور عضو جلد ٹھیک نہ ہو یا سرے سے ہو ہی نہیں تو ایسی صورت میں ہم نے اپنے فربہ حصہ جسم کو بھی مفت میں خراب کیا۔

ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ زنانہ مسائل پر بحث کرتے ہوئے حضرت آدمؑ کے یہ شجاع فرزند مربیانہ لب ولہجہ کیوں اختیار کرلیتے ہیں۔ اگر ہندوستانی عورتیں آزاد ہونے اور مرد کا حریف بن جانے کی قابلیت اور اہلیت اپنے میں رکھتی ہیں تو وہ بغیر مردوں کی امداد کے ایسا کرلیں گی۔ وہ مردوں کے ہاتھ کی دی ہوئی بھیک نہیں لینا چاہتیں وہ جو کچھ لیں گی خاص اپنے قوت بازو سے خواہ آزادی ہو یا ملازمت۔

(بیگم سید ابن حسن شارق گوالیار)

یاالٰہی کیا قیامت ہے کہ ہر خاتون قوم
جان و دل سے مغربی تہذیب کی دلدادہ ہے

چھوٹتے جاتے ہیں رفتہ رفتہ اسلامی شعار
جس کو دیکھو کفر و بدعت کی طرف آمادہ ہے

محلس نسواں میں اب وہ درس قرآنی کہاں
رنگ رلیاں ہیں ترنم اور شغل بادہ ہے

اب تھیٹر اور سینما ہی یا کلب کے کھیل ہیں
اب نہ شوق ذکر ہے اور نہ وہ سجادہ ہے

زلفِ مشکیں کاٹ دی سر سے کہ بارِ دوش تھی
خاک ملنے کے لئے عارض بھی اب آمادہ ہے

نیم عریاں پھرتی ہو لڑکی تو وہ لڑکی نہیں
جسم نسوانی میں اک ملبوس صاحبزادہ ہے

ہم مسلماں ہیں ہمیں کیا فیشنِ مغرب سے کام
ہم بھی سادہ ہی رہیں اسلام جیسے سادہ ہے

ثریا خانم
(خاتون)

عورت

آنے والی نسلوں کی امانت دار

(میں نے اپنے مضمون "بعنوان پردہ" مطبوعہ انیس نسواں بابت مئی ۳۹ء میں عرض کیا تھا کہ جس تعلیم کی ضرورت عورت کو اپنے اصلی فرائض کی ادائگی کے لئے ہے اُس کے حاصل کرنے میں پردہ کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ مروّجہ تعلیم کا لڑکیوں پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔ اور کس قسم کی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اس عنوان پر سول ملٹری گزٹ میں ایک مضمون پنجاب کی ایک تعلیم یافتہ خاتون مسز کے ایل رلیا رام کا شایع ہوا ہے اس کا اُردو ترجمہ انیس نسواں کے لئے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ امید کہ طبقۂ نسواں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔)　　عزیز الحق

دنیا میں عورت کی زندگی کا مقصد نسل انسانی کا قائم رکھنا اور اُس کو مضبوط بنانا ہی اس اصول کے پیش نظر آج دنیا کی ہر قوم اپنے نظام تعلیم کو ایسے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کر رہی ہے جو عورت کو اس اہم اور مُبارک ذمہ واری کے زیادہ سے زیادہ لایق بنا سکے۔

عورت آج نہ تو محض گھر کی لونڈی ہے نہ سوسائٹی کے لئے سامان زینت اور نہ آلۂ عشرت بلکہ وہ آنے والی نسلوں کی صلاح و فلاح کی محافظ و ضامن ہے پس جن لوگوں کے ہاتھوں ہمارے مُلک کے مستقبل کی تشکیل زندگی کے مختلف شعبوں میں عمل میں آ رہی ہے ان کو نہایت درجہ خبردار رہنا چاہئے کہ کہیں یہ مُلک بھی ان مشکلات سے دوچار نہ ہو جن کا آزادئ نسواں کی بدولت دوسرے مُلک سامنا کر رہے ہیں۔

وِل ڈیورنیٹ (امریکہ کا ایک مشہور و معروف مصنّف) لکھتا ہے کہ "کسب معاش

کے میدان میں عورت کے قدم رکھنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ گھریلو زندگی تباہ ہوگئی رفتہ رفتہ عورت کے فطری مشاغل اس سے چھین لئے گئے یہاں تک کہ گھر میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہی اور عورت خود بے حیثیت اور پراگندہ خاطر ہو کر رہ گئی۔ جب "گھر" اجڑ گیا وہ گھر جہاں کام کی رونق رہتی تھی اور زندگی بسر ہوتی تھی تو مرد و عورت دونوں نے اُسے خیر باد کہا اور اس طرح وہ آوارہ جو دس ہزار سال سے قائم تھا ایک نسل کے ہاتھوں برباد ہوگیا۔"

جو تعلیم آج کل لڑکیوں کو دی جا رہی ہے وہ ان کو اسی رو میں بہانے والی ہے۔ وہ اُن کو اُن کے زندگی کے مقصد سے غافل کر رہی ہے اور صحت جسمانی کے لحاظ سے بھی اُن کو پہلی نسلوں کی بہ نسبت کمتر بنا رہی ہے یہاں تک کہ اُن کے اندر روز بروز بچے پیدا کرنیکی صلاحیت کم ہو رہی ہے۔

"وہ بچوں کی نگہداشت سے آزاد ہو کر۔ ان مشاغل سے سبکدوش ہو کر جو "گھر" کے اندر دلبستگی اور رونق پیدا کرتے تھے۔ آج اُن کا رُخ کلب کی جانب ہوتا ہے یا دفتر و کارخانہ کی طرف۔ نہایت فخر کے ساتھ وہ مرد کی برابری کرتی ہے نئی روشنی کی ہر عورت ایک ایک کر کے مردانہ عادتیں اچھی اور بُری اختیار کرتی جاتی ہے۔ مرد کی سگرٹ نوشی۔ اُس کی خیالات اس کی ہیٹ حتیٰ کہ اُس کی پتلون کی نقل کرتی ہے۔" اپنے فطری رجحانات و میلانات سے عاری ہو کر اُس کے بازو اور اُس کے دل و دماغ ایک اضطراب آمیز تعطل محسوس کرتے ہیں اور وہ اپنا دن چارپائی توڑنے پوڈر ملنے بال بنانے اور پوشاک بدلنے میں صرف کرتی ہے اور اُس کی رات تفریحات کی نذر ہوتی ہے۔

"نئی تہذیب کے رنگ برنگ مناظر میں سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ان عورتوں کی مہنگی کاہلی ہے باوجود یکہ اولاد سے یا تو ان کی گود خالی ہوتی ہے یا بہت کم ہوتی ہے انکو کئی نوکروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کے فرائض و مناصب کچھ نہیں تاہم ضروریات غیر محدود ہیں۔ ہزار ہا لطیف طریقوں سے وقت گنوانے کے فن میں وہ خاص مہارت رکھتی

ہیں۔ بقول اکبر علیہ الرحمۃ ع کچھ بھی کرتیں نہیں وہ کچھ بھی نہ کرنے کے سوا۔ نتیجہ یہ ہے کہ مرد جان توڑ مشقت پر مجبور ہوتا ہے اور با اینہمہ اس کو پورا احساس ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت سامان مہیا کرنے والے ٹھیکدار (خان ساماں) سے زیادہ نہیں۔

تعلیم و تربیت کسی قوم کی ترقی کے زبردست آلات ہیں پس جن لوگوں کے قابو میں یہ آلات ہیں ان کے اندر اتنی دور بینی ضرور ہونا چاہیئے کہ وہ تعلیم نسواں کی اسکیم اس طریقہ پر تیار کریں کہ ہندی قوم اس بھنور سے محفوظ رہے جس کے اندر آج مغربی قومیں پہنچی ہوئی ہیں۔

جدید تعلیم یافتہ لڑکی شادی کے بعد ایسا محسوس کرتی ہے جیسے کسی پودے کو اپنی جگہ سے اکھاڑ کر کسی غیر مانوس و اجنبی زمین پر لگا دیا جائے۔ نئے حالات سے موافقت پیدا کرنے کے لئے اس کو سالہا سال درکار ہوتے ہیں۔ ریاضی۔ فرانسیسی۔ فارسی۔ اقتصادیات فلسفہ وغیرہ علوم اس کے دماغ کو ضرور روشن کر دیتے ہیں لیکن اس کو اس کے فرائض منصبی یعنی بچوں کی تربیت اور خانہ داری سے بالکل روشناس نہیں کرتے۔ میکالے کے نصاب تعلیم نے جس کا پہلا مقصد کلرک تیار کرنا تھا۔ ہندوستانی معاشرت کی عمارت کو ہلا دیا ہے اور تعجب کا مقام ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ تعلیم کسی مقصد کا محض ذریعہ ہے لڑکیوں کو بھی اس نظام تعلیم کے اندر ڈالدیا گیا اور اس کے انجام پر مطلق نظر نہیں کی گئی۔ آج ہم کو ایسے میکالوں کی ضرورت ہے جو ایک سو سال آگے دیکھ سکیں اور عورتوں کے لئے ایسا نصاب تعلیم تجویز کریں جو ان کو ان نسلی فرائض کی انجام دہی کے لئے تیار کریں جو قدرت نے ان کو تفویض کئے ہیں۔

عورت اور تعلیم

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت　　　ہے حضرتِ انساں کے لئے اس کا ثمر موت

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن　　　کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

بیگانہ رہے دین سے اگر مدرسۂ زن　　　ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

(علامہ اقبال)

خواتین سے خطاب

خان بہادر چودھری خوشی محمد صاحب ناظر فردوسی

مرحبا پیاری بہن ملت کی ہے غمخوار تو — قوم کے گلزار پر ہے ابر گوہر بار تو

گلشن ایجاد میں ہے خندۂ گل کی طرح — اپنی فطرت سے مسرت خیز و نکہت بار تو

ہے تری ہر سانس بستان محبت کی شمیم — عندلیب زار تو ہے اور گل گلزار تو

گر بھنور میں سیل غم کے کشتیٔ دل ڈگمگائے — اک نگاہ لطف سے کرتی ہے بیڑا پار تو

ہے نوائے جانفزا تیری اگر فردوس گوش — ہے رخ سیما سے اپنے جنت دیدار تو

بزم عشرت غم کدہ ہو تو نہ ہو گر شمع بزم — کنج غم ہو عیش ساماں گر بنے غمخوار تو

اہل جنت کا نہ لگتا روضۂ رضواں میں دل — حور بن کر گر نہ ہوتی زینت گلزار تو

جذبہ ہائے دل کا انساں کے رہی محور اُم — جاں بھی تو جاناں بھی تو دلبر بھی تو دلدار تو

شہد سے شیر و شکر سے ہے مگر تیرا خمیر — اس قدر شیریں ادا ہے اور شیریں کار تو

دلربا پیکر میں تیرے رنگ اپنا بھر دیا — ہے وہ نقاش ازل کا بہترین شہکار تو

گود میں تیری پلے ہیں انبیا و اولیا — ظلمت آفاق میں ہے مطلع انوار تو

ہے نظر میں تیری صحن خانہ گلزار بہشت — گھر سے لپٹی ہے مثال سایۂ دیوار تو

سرد مہری سے مثال سبزہ گر مرجھا گئی — ایک چھینٹے سے محبت کے ہوئی بیدار تو

ایک جھونکے سے ہوا کے گو برس پڑتا ہی تو — جلد کھل جاتا بھی ہے اے ابر گوہر بار تو

نصف بہتر مرد کا عورت کو کہتے ہیں مگر — ہے قبائے زندگی کا اس کی پود و تار تو

وقت رخصت اپنی بربادی کا تجھکو غم نہ تھا — ماں پہ فرزند و شوہر کے رہی خونبار تو

خانہ ویرانی اجل کردے تو آکر بعد مرگ — جھانکتی پھرتی ہے اس گھر کے در و دیوار تو

تو ستی کی ریت میں پہنچی مہا بن میں کبھی — شعلہ ہائے نار کو سمجھی کبھی گلزار تو
ہے کسی مندر میں تو مہر و وفا کی مورتی — اور کسی معبد میں عفت کا بنی اوتار تو
ہاتھ میں تیرے رہی اولادِ آدم کی اٹھان — دین و ایماں ملک و ملت کی بنی معمار تو
تا ثریا فی المثل دیوار ٹیڑھی جائے گی — خشت بنیادی نہ رکھے اس کی گر ہموار تو
تو نے پیغامِ رسالت کو کیا اول قبول — سب سے پہلی مومنہ ہے اولیں دیندار تو
گر چمن پیرائے باغ زندگانی تو نہ ہو — سچ تو یہ ہے گلشنِ ہستی میں رنگ و بو نہ ہو

اپنے بیگانے کی تیرے دل میں غمخواری رہے — باغِ عشرت میں ترے دم سے ہوا داری رہے
تجھ سے دنیائے محبت کا رہے ہنگامہ گرم — باپ کی بیٹے کی اور شوہر کی تو پیاری رہے
مِل کے باہم ہم کریں تعمیر قصر زندگی — میری گل کاری رہے اور تیری گلکاری رہے
ہو تواضع اور تمکیں کا وہ باہم امتزاج — پھول سے ہلکی رہے پربت سی تو بھاری رہے
تیرے دم سے گلشنِ عالم میں ای جنس جمیل — گل کی نکہت اور صبا کی نرم رفتاری رہے
تیرے دل کا آئینہ گردِ کدورت سے ہو صاف — ہو غبار آلودہ زنگِ چرخ زنگاری رہے
تیری جوئے شیر سے پیدا ہوں ایسے کوہکن — شوق جانبازی کا جن سے سلسلہ جاری رہے
نیند کے ماتوں کو اس خوابِ گراں سے تو جگا — تیری بیداری سے اِک عالم میں بیداری رہے
سینہ رشکِ طور ہو دل میں خدا کا نور ہو — گو ہوائے دہر ایماں سوز اور زناری رہے
ابن آدم کی نظر میں ہو فزوں تیرا وقار — پاسباں در پر ترے خود تیری خودداری رہے
ہو گیا ہے کارزارِ زندگی دشوار تر — اب نئے ہنگامہ زاروں کی بھی تیاری رہے
دل میں حب اللہ ہو عشقِ رسول اللہ ہو — دیں کی بھی دنیا کے خاکستر میں چنگاری رہے

قوتِ ایماں سے ہے روح و روانِ زندگی
ورنہ ہے گم کردہ رہ یہ کاروانِ زندگی

محسنِ اعظم

حیدرآباد کی ایک محفل میلاد میں جناب نواب مرزا یار جنگ صاحب بہادر نے آنحضرتؐ کی سیرت پر ایک نہایت مفید اور جامع تقریر فرمائی تھی جس کا کچھ خلاصہ ہمارے پاس بغرض اشاعت آیا ہے۔ ہم اس تقریر کو انیس نسواں میں نہایت مسرت کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ ہم کو اُمید ہے کہ انیس نسواں کے ناظرین اور ناظرات اس کو دلچسپی اور شوق سے پڑھیں گے اور ان معلومات سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

محمدؐ رسول اللہ نے کوئی نئی تعلیم دُنیا کے سامنے پیش نہیں کی جس کو لے کر کوہ طور کی چوٹیوں سے موسیٰ آئے یہی وہ ربانی اور رحمانی آواز تھی جو کسی کو چین کے کسی کو ایران کے، کسی کو امریکہ کے اور کسی کو ہندوستان کے میدان میں سُنائی دی۔ اسی صدائے دلنواز کو آقائے کائنات نے چھٹی صدی میں ساری دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس آواز میں اور اس پیغام میں ایک جامعیت تھی اور ساری تعلیمات کا خلاصہ تھا۔ توحید باری آپ کی آساسی تعلیم تھی۔ باری تعالیٰ کے ادب و احترام کو خاص طور پر پیش کیا گیا۔

پہلے زمانہ میں عبادت کے مختلف طریقوں کو کام میں لایا جاتا تھا لیکن کھڑے ہو کر، کہیں بیٹھ کر۔ بہر حال مختلف صورتوں سے عبادت کی جاتی تھی لیکن رسول کریمؐ نے جو نماز پیش فرمائی اس میں کھڑے ہونا، رکوع کرنا، بیٹھنا اور جھک جانا تمام امور داخل کئے گئے۔ آپ نے بتا دیا کہ تمہاری زندگی کا ہر پہلو چاہے کسی حالت میں ہو عبادت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اسلامی تعلیم کی افادیت اور ہمہ گیری بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت رسول نے ایک درمیانی راستہ اختیار کیا نہ اُس میں افراط جائز رکھی نہ تفریط کا حکم دیا۔ ہر دین میں خیرات کی تعلیم ملے گی لیکن آقائے کائنات نے اس میں ایک متوسط طریقہ

بنا کر واضح طور پر بیان کر دیا۔ جو تمہارے پاس ضروریات زندگی سے بچ کر رہ جائے دیدو حالت عافیت میں بتادیا کہ ایک سال گذرنے پر تم صاحب نصاب ہو جاتے ہو۔ لیکن جب عالم جنگ ہو تو اُس وقت جو ضروری احتیاجات سے بچ رہے اُس کو خدا کی راہ میں خرچ کر دو۔ اس کی ایسی صورت ہے کہ پانی جب بہتا رہے صاف رہتا ہے اور جب رُک جائے سڑ کر بو پھیلاتا ہے اور امراض کا سبب بنتا ہے، یہ ضابطہ تھا جس کو رسول کریم نے پیش فرمایا۔

اجتماعیت اور مرکزیت پر فاضلانہ تقریر کرتے ہوئے نواب صاحب نے فرمایا کہ حیات طیبہ کی روشنی میں تعلیمات اسلام کی خصوصیات میں سے اجتماعیت اور مرکزیت بھی ہے۔ جو کسی دین میں نہیں پائی جاتی۔ پانچ وقت کی نمازیں جمعہ کی نمازیں عیدین کے موقع پر اور حج کے زمانہ میں ایک مرکز پر جمع ہونے کا خیال عالم انسانی میں کسی نبی کی تعلیم پیش نہیں کر سکتی۔ جن پانچ چیزوں پر اسلام کی تعلیمات کی بنیاد ہے ان سے ہٹ کر رسول کریم کی ذات دُنیا کے لئے ایک زبردست محسن کی ہے جنہوں نے دنیا پر سب سے بڑھ کر احسان فرمایا اور محسن اعظم کہلائے۔ حضرت رسول کریمؐ کے احسانات کاملہ سے ہم سبکدوش نہیں اُٹھا سکتے!

آپ کے عورتوں پر زبردست احسانات ہیں مردوں نے ان کو اپنی ملک قرار دے لیا تھا باپ، دادا اور چچا وغیرہ کے لئے ایک ہی عورت جائز تھی۔ لڑکیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں۔ اس طرح عورتیں کس مپرسی کے عالم میں گرفتار تھیں لیکن آقائے کائنات نے عورتوں کے خاص حقوق اور مراعات کا خیال رکھا اور ان کے لئے صریح احکام نافذ فرمائے۔

نواب صاحب نے بہنوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تم رسول اللہ کی جتنی شکر گذار ہو سکتی ہو کم ہے۔ آپ نے تمہارے حقوق کو ایسا مستحکم کیا کہ تم کو ہر ایک چیز سے بے نیاز کر دیا۔ ایک اور طبقہ ایسا بھی ہے جو نہایت بے دردی سے کچلا جا رہا تھا وہ غلام تھے۔ جن سے نہایت بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ آپکے ارشادات اور احکامات نے انہیں یہانتک پہونچایا کہ خلیفہ دوم فاروق اعظمؓ جیسی عظیم المرتبت ہستی نے

خلافت کے لئے غلاموں کو موزوں سمجھا اور ان کے لئے تمنا ظاہر کی جو سچے پرستار رسول تھے۔

نبی کریمؐ نے جانور اور انسان کی تمیز میں فرق بتادیا کہ ان دونوں کی ما بہ الامتیاز خصوصیت جاننا ہے جس کے لئے حصول علم کو فرض گردانا۔ صرف فرض ہی نہیں بلکہ اکتساب علم کے لئے چین تک سفر کرنے کا بھی حکم دیا۔

محمد رسول اللہ نے معاشرت کا ایک بہترین معیار پیش کیا تو اُس میں نہ فراط کو پسند کیا نہ تفریط کو اچھا سمجھا۔ حریر دیبا پہنا سے اس لئے منع کیا کہ مردوں میں کہیں کاہلی پن اور سستی جیسی صفات نہ پیدا ہوں اسکی تحریم کا منشا رجہد للبقا کی حکمت پیدا کرنا تھا۔ اسی طرح سونے کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔ مسکین کی امداد کی طرف توجہ دلائی اور اپنے کام کو اپنے ہاتھوں انجام دینے کی طرف متوجہ کیا۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ ہمارے آقائے دو جہاں اپنے ہاتھ سے کپڑوں میں پیوند لگاتے، بوتہ ٹانکتے، پڑوس کی اپاہج اور حاجت مند بڑھیوں کا سودا سلف بازار سے خرید کر لاتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ ہم نے اس سادہ معاشرت کو چھوڑ دیا۔

آئے میں علمار کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ خانقاہوں اور خلوتوں سے نکل کر میدان عمل میں آئیں۔ فکر جدیدہ کے ساتھ تعلیمات اسلام کو جانچیں اور رشد و ہدایت کی روایات کو سرانجام دیں۔ امرا سے مطالبہ ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی طرف توجہ کریں اور اپنی دولت کا صحیح مصرف تلاش کریں۔

عزیزو! آج اگر آپ نے سب تقریروں کو غور سے سنا اور یاد رکھا اور جوش کے ساتھ تہیہ عمل کر لیا تو یقین جانو کہ تمہارا مستقبل روشن ہے۔

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے — ہندو یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال — مرد بے کار و زن تہی آغوش،

(اقبالؒ)

خیرات اور قرآن

(۱)

خیرات ایک ایسی نیکی ہے جو کم و بیش ہر مسلمان خاتون حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے خیرات ایک ایسی برکت اور ثواب کی چیز ہے کہ جس کے حصول کے لئے مسلمان ہزاروں لاکھوں روپے بھی صرف کر دیں تو سیر نہیں ہو سکتے۔ مگر افسوس ہے کہ جس کے حکم سے ہم خیرات کرتے ہیں اُس کے احکام کی تفصیل معلوم کرنے کی پرواہ نہیں کرتے اگر ہم قرآن مجید سمجھ کر پڑھتے اور اُسکے مطالب پر غور کرتے تو ہم پر واضح ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے خیرات کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے ہم کو خیرات کیونکر کرنی چاہئے اور ہماری خیرات کے مستحق کون کون لوگ ہیں۔

خیرات نہ دینے والوں کے لئے تو ارشاد ہے۔

”جو لوگ بخل کرتے ہیں اور وہ دوسروں کو بھی بخل کرنے کی صلاح دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اُن کو دے رکھا ہے اس کو چھپاتے ہیں ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ہماری نعمتوں کی اسطرح ناشکری کرتے ہیں ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے“ (النساء)

گویا خیرات دے کر ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکریہ کا اظہار کرتے ہیں۔ خیرات کرنا یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

کہ جو شخص اللہ کو خوشدلی سے قرض دیتا ہے اللہ اس قرض کو کئی گنا بڑھا کر ادا کرتا ہے۔ اللہ جس کو چاہے تنگدست کر دے اور جس کا رزق وہ چاہے کشادہ کر دے۔ (البقر)

اللہ تعالیٰ سورۃ بقر میں فرماتا ہے:۔

”مسلمانو! صرف یہی نیکی نہیں کہ تم نمازیں اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف کرلو۔ بلکہ اصلی نیکی تو یہ ہے جو اللہ اور روز آخرت فرشتوں اور تمام آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر

ایمان لائے اور وہ اپنا عزیز مال اللہ کی راہ میں اپنے رشتہ داروں یتیموں۔ محتاجوں۔ مسافروں اور مانگنے والوں کو دیتے ہیں اور لوگوں کی گردنیں غلامی کی قید سے چھڑانے میں خرچ کرتے ہیں

یہ احکام بہت صاف ہیں ان میں بتا دیا گیا ہے کہ خیرات کے مستحق کون لوگ ہیں سب سے پہلے تو ہمارے رشتہ دار حقدار ہیں۔ اسی لئے مثل بھی مشہور ہے کہ اول خویش بعدہٗ درویش ان کے بعد یتیموں اور دوسرے لوگوں کا حق ہے جن کی تفصیل اوپر آگئی غلامی کی قید سے لوگوں کی گردنیں تین طرح سے چھڑائی جا سکتی ہیں۔ (۱) کسی غلام کو آزاد کرنا یا کرانا۔ (۲) قرضدار لوگوں کا قرضہ ادا کرنا (۳) کوئی مقروض اگر اپنے قرضہ کی وجہ سے دیوانی کی حوالات میں مقید ہو تو اس کا قرض ادا کرکے اسکو رہائی دلوانا یہ بھی بڑے ثواب کا کام ہے

آغاز اسلام میں اگر کوئی مسلمان اپنے ذمہ قرضہ چھوڑ مرتا تھا اول تو آنحضرت خود ورنہ آپکے صحابہ مرنے والے کا قرضہ ادا کر دیتے تھے۔ کسی مسلمان کے مرنے کی خبر آئی تو آنحضرتؐ کا پہلا سوال یہ ہوتا تھا کہ کوئی قرضہ تو اُس کے ذمہ نہیں رہ گیا۔ اگر قرضہ زیادہ ہوتا تو اُس زمانے کے مسلمان آپس میں بانٹ لیا کرتے تھے۔

خیرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تم سب اللہ کی راہ میں دے ڈالو۔ ہر امر میں اللہ تعالیٰ نے اعتدال کی ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے کہ اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ گردن میں بندھ جائے یعنی خیرات کے لئے تمہارا ہاتھ کھلے نہیں اور نہ ہاتھ اتنا پھیلاؤ کہ حد سے بڑھ جائے۔ اگر تم حد سے بڑھوگے تو لوگ تم کو ملامت بھی کرینگے اور تم تہی دست ہو جاؤ گے۔"

اس سورۃ میں پھر دوسری جگہ ارشاد ہے۔

کہ آدمی خیر خیرات میں نہ تو اس قدر بخل کرے کہ مٹھی کھلے ہی نہیں اور نہ اس قدر زیادہ دیدے کہ ناداری تک نوبت پہنچ جائے۔ اور تکلیف اٹھائے۔ اور لوگ اُلٹی ملامت کریں اور اسکی سخاوت کو فضول خرچی قرار دیں۔

یہی ارشاد سورۂ بقر کی ایک آیت میں ہے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ لوگوں کے ساتھ احسان کرو اللہ احسان کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے خیرات کیوں کردی جائے۔ اس بارے میں ارشاد ہے کہ لوگ اگر خیرات ظاہر کرکے دیں تو یہ بھی اچھا ہے کیونکہ اس سے دوسروں کو خیرات دینے کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور اگر تم خیرات چھپا کردو اور حاجتمندوں کو دو تو یہ بھی تمہارے حق میں بہت بہتر ہے کیونکہ اس میں نام و نمود کا دخل نہیں ہو سکتا (البقرہ)

خیرات میں کیا چیز دی جائے۔ اس کے لئے یہ حکم ہے کہ مسلمانو! خدا کی راہ میں عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے آپ کمائی ہوں اور ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں اللہ کی راہ میں بیکار اور خراب چیز دینے کا کبھی ارادہ بھی نہ کرو۔ یہ بات تم اس طرح سمجھ لو کہ اگر کوئی بُری چیز تمہیں دی جائے تو تم کبھی خوش ہوکر نہ لوگے (البقرہ)

اسی سورۃ میں خیرات کے بارے میں یہ دو احکام اور ہیں۔

(۱) جو کچھ تم اپنے مال میں سے خرچ کروگے قیامت کے دن تم کو پورا پورا بھر دیا جائے گا اور تمہارا حق مارا نہ جائے گا۔

(۲) جو لوگ رات اور دن چھپ کر اور ظاہرا اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اُن کے دئے کا ثواب اُن کے پروردگار کے ہاں برابر ملے گا۔

تسلیم و رضا

ہر شاخ سے یہ نکتۂ پیچیدہ ہے پیدا　　پودوں کو بھی احساس ہے پہنائے فضا کا
ظلمت کدۂ خاک پہ شاکر نہیں رہتا　　ہر لحظہ ہے دانے کو جنوں نشو و نما کا
فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند　　مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا
جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے　　اے مرد خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے

(علامہ اقبال مرحوم)

زبانِ خلق

(سید ابن حسن صاحب شارق دہلوی از جودھپور)

ماہ اپریل کا "انیس نسواں" دیکھنے میں آیا۔ اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ چالیس کروڑ مسلمانوں کی عورتوں کے لئے بہترین ادبی صحیفہ کونسا ہے تو میں فوراً جواب دوں گا کہ "انیس نسواں" ہندی ہے۔ ہماری خواتین کو جس قسم کی مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے اُس کی کمی ایک عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا رحم فرما کر شیخ محمد اکرام صاحب کے دل میں یہ خیال ڈال دیا۔ میں ابھی تک ملت اسلامیہ سے اس قدر مایوس نہیں ہوا ہوں کہ مجھے انیس نسواں کے شاندار مستقبل میں شبہ ہو۔ صاحب مقدور نہیں اس اعلیٰ درجہ کے رسالہ کو خرید کر نادار اور بے مایہ طبقہ میں تقسیم کریں اور ہر لائبریری میں جاری کرایں۔ یہ اسلام کی بہترین خدمت ہے۔ الفاظ میں قدرت نہیں ہے کہ وہ اس رسالہ کی جیسے بجائے رسالہ کے آئینۂ اسلام کہنا زیادہ موزوں ہوگا تعریف کرسکیں۔ شاید میرا یہ کہنا مبالغہ یا خوشامد سمجھا جائے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مجھے شیخ صاحب سے شرفِ نیاز بھی حاصل نہیں ہوا ہے تاہم جن اعلیٰ مقاصد کی اشاعت یہ نورانی پرچہ کر رہا ہے وہ میرے خیال میں حق و صداقت پر مبنی ہیں اور حق کی حمایت بہر حال ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اگر ان الفاظ کے پڑھنے والوں کو میرے الفاظ کی کچھ بھی قدر و قیمت ہے تو وہ سب سے پہلا کام یہ کریں کہ انیس نسواں کے خریدار ہو جائیں:۔

قیصر جہاں از لکھنؤ

رسالہ انیس نسواں کی جسقدر شہرت سُنی تھی اُس سے بڑھکر نکلا۔ ایسے معیار اور ان خصوصیتوں کے رسالے کی بہت ضرورت تھی۔ مجھکو تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ عام افسانے اس میں نہیں ہوتے آپکا مذاق اعلیٰ تعلیم و تجربہ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے

نقد و نظر

مخلوط تعلیم کی مخالفت کرنے کے لئے ایک دُنیا آمادہ ہے یورپ اور امریکہ کے بعض دور اندیش مدبروں نے بھی تجربہ کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ لڑکیوں کے لئے سکول اور کالج لڑکوں سے الگ ہونے چاہئیں۔ لیکن برہما کی لڑکیوں کی جسارت دیکھئے کہ وہ اس بات پر مصر ہیں کہ ہم تو لڑکوں کے ساتھ ہی مل کر پڑھینگی۔ ان کے انوکھے اصرار کی یہاں تک نوبت پہنچی ہی کہ اُنہوں نے جابجا مظاہرے شروع کر دئے اور سُنا ہے کہ ہڑتال بھی کی۔
ابھی تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اُنہوں نے اپنا دلچسپ مطالبہ ارباب اقتدار سے منوالیا یا نہیں

بیگم مولٰنا محمد علی نے ایک اپیل شائع کی ہے کہ مولٰنا محمد علی نے جس مشن کے لئے اپنی تمام زندگی وقف کر دی تھی وہ یہ تھا کہ ملت اسلامیہ کے منتشر شیرازے کو ایک مرکز پر متحد اور مربوط کیا جائے۔ وہ کہتی ہیں اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں آنے والے حالات میں زندہ رہنا ہے تو اُن کو چاہئیے کہ آپس کے تفرقوں کو دور کریں۔ اور خدا کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں اگر اپنے تمدن اپنی تہذیب اپنی زبان اور اپنی روایات گذشتہ کو زندہ رکھنا منظور ہے تو ان کو آپس میں رشتۂ اتحاد قائم کرنا چاہئیے۔
مصر کی نسوانی تحریک کو میڈم زاغلول پاشا نے بہت فروغ دیا تھا۔ میڈم فہمی نے بھی ترقی نسواں کے لئے بہت کوشش کی کتابیں لکھیں لکچر دئے غرض ہر طرح سے مصر کی مسلمان عورتوں میں ترقی کی روح پھونک دی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آجکل متوسط طبقہ کی مصری خواتین قانون طب تعلیمات وغیرہ کے محکموں میں کام کرتی نظر آتی ہیں
بعض مصری خواتین اخبار اور رسالوں کے ذریعہ سے اپنی معاش پیدا کرتی ہیں مگر ہندوستان

کے مسلمانوں میں اپنی روزی کے لئے کام کرنا عار سمجھا جاتا ہے۔

ٹرکی کی مسلمان عورتیں مصری عورتوں سے بھی بڑھ گئی ہیں۔ اس وقت فوج میں انکی تعداد ایک لاکھ تک پہونچ چکی ہے اور حربیہ فنون میں پوری طرح ماہر ہیں۔ علاوہ فوجی ملازمتوں کے ترکی عورتیں وکیل ڈاکٹر پروفیسر جج تاجر اور بڑے بڑے کارخانوں کی منتظم ہیں اسلام نے اسی لئے مسلمان عورتوں کے لئے کسی کاروبار کے کرنے میں روکاٹیں پیدا نہیں کیں

محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ کو کون نہیں جانتا۔ آپ کا نام نامی نسوانی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو اپنے نامور شوہر کی بے وقت وفات کا صدمہ اُٹھانا پڑا۔

حال میں آپ نے ایک مضمون کے ذریعہ سے کچھ نصیحتیں اپنی بہنوں کے لئے شائع کی، ہیں وہ لکھتی ہیں کہ اُن کو اپنے شوہر کی قدر و عزت کرنی چاہئے۔ تکلیف میں شوہر کا ساتھ دیں اُس کا دل خوش رکھیں شوہر کی کمائی کو کفایت شعاری سے خرچ کریں اُس کو قرضدار کر کے فکرمند نہ ہونے دیں نئے فیشن کی اکثر لڑکیوں کو جوانی کے زمانے میں کچھ خیال نہیں رہتا وہ سوچے سمجھے بغیر اپنے شوہر کی کمائی کو اندھا دھند خرچ کرتی ہیں اور قرضدار ہو جاتی ہیں۔ میری نصیحت یہ ہے کہ وہ کفایت شعاری اور سادگی اختیار کریں۔

خوشی کی بات ہے کہ کلکتہ میں نیا زنانہ کالج مسلمان لڑکیوں کے لئے ۲ جولائی ۳۹ء سے کھولا جا رہا ہے۔ ایف اے تک کی تعلیم کا انتظام ہے۔ مسلمان لڑکیوں کو دس دس روپے کے دس وظیفے بھی ملیں گے کالج کے ایک ہوسٹل کا بھی انتظام ہوگا۔ ہم کو امید ہے کہ مسلمان لڑکیوں کو تعلیم دینے والی ایسی پروفیسر مقرر ہونگی جو اسلامی تربیت سے خود بھی آراستہ ہوں اور مسلمان لڑکیوں کو بھی اسی تربیت میں رنگ دیں

مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن ہیں اور تم اُنکی چولی ہو" (البقر)
ایڈیٹر- شیخ محمد اکرام بیرسٹر ایٹ لا- اسسٹنٹ ایڈیٹر- مسز محمد اکرام

(۴۸۶)

جولائی ۱۹۳۹ء — جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ

انیس نسواں

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دلاویز مخزن

جو دہلی سے ماہوار شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک پانچ روپے (صہ)، سستا ایڈیشن تین روپے (سے)، فی پرچہ ۸؍

جلد (۲) — نمبر ۱

فہرست مضامین

سورۃ النساء کے مطالب

(۶)

اے رسول! اِن لوگوں کو جو ہم نے حکم دیا ہے کہ تمہاری اطاعت کریں اور تمہارا حکم مانیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جو صرف انہی کے ساتھ ہوئی ہو ہم نے جس کسی کو بھی دنیا میں نبی بنا کر بھیجا ہے۔ تو اس کیلئے بھی یہی کیا ہے۔ کہ ہمارے حکم سے اس کی اطاعت کیجائے اور پھر جب ان لوگوں نے تمہاری نافرمانی کر کے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیا تھا تو اگر اسی وقت تمہارے پاس حاضر ہوگئے ہوتے اور خدا سے اپنی نافرمانی کی معافی مانگ لیتے۔ اور خدا کا رسول بھی انکی معافی کے لئے دعا کرتا تو یہ لوگ دیکھ لیتے کہ خدا بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے اور ہر حال میں رحمت فرمانے والا ہے اے پیغمبر! تمہارے ہی رب کی ہم کو قسم ہے کہ جب تک یہ لوگ اپنے باہمی جھگڑے تم ہی سے فیصلہ نہ کرائیں اور صرف فیصلہ ہی نہیں بلکہ جو کچھ تم طے کر دو اس سے کسی طرح بیزاری کا اظہار نہ کریں اور جو کچھ تمہارا فیصلہ ہو اسکو سر اور آنکھوں پر رکھیں۔ غرض جب تک تمہارے حکم کی پوری طرح پیروی نہ کریں گے اس وقت تک انکو ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ اور دیکھو اگر ہم ان کو حکم دیتے کہ اپنے آپ کو ہلاک کرو۔ یعنی لڑائی میں لڑتے لڑتے قتل ہو جاؤ۔ یا ہم یہ حکم دیتے کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہو۔ تو اے پیغمبر جانتے ہو انکا کیا حال ہوتا؟ ہم خوب جانتے ہیں کہ چند آدمیوں کے سوا کوئی بھی ہمارے حکم کی تعمیل نہ کرتا حالانکہ جس بات کی انکو نصیحت کیجاتی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو اس میں انہی کے لئے بہتری تھی اور اس کی وجہ سے دین پر بھی مضبوطی کیساتھ جمے رہتے۔ اگر یہ ایسا کرتے تو ہم ان کو اپنی طرف سے بہت اچھا انعام دیتے اور انکو ایسی راہ لگا دیتے جو انکی کامیابی کی سیدھی راہ ہوتی۔ اور جس کسی نے اللہ

اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو بلا شبہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر خدا نے اپنی نعمتیں بخشیں، وہ کون ہیں؟ خدا کے بھیجے ہوئے نبی ہیں. جو ہمیشہ سچ اور خدا کی راہ میں جان دینے والے ہیں اور دوسرے نیک بندے ہیں جس کے رفیق ایسے لوگ ہوں وہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔

یہ اللہ کا فضل ہے اور انسان کا حال اللہ خوب جانتا ہے۔

مسلمانو! جہاں تک ہوسکے اپنی جان کی حفاظت کرو۔ اور اپنی طرف سے پوری احتیاط کرو۔ جب دشمن کے مقابلے میں نکلو تو دستے دستے بنکر نکلو یا سب اکٹھے ہوکر نکلو۔

مسلمانو! دیکھو تم میں ایسے آدمی بھی ہیں اگر جہاد کا اعلان ہوجائے تو وہ ضرور پیچھے ہٹ جائیں گے پھر تم پر اگر کوئی مصیبت آجائے تو خوش ہوکر کہیں گے کہ خدا نے ہم پر بڑا ہی احسان کیا کہ ہم نے ان مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا۔ اور اگر تم پر خدا کوئی مہربانی فرمائے تو رشک اور حسد سے جل مرینگے گویا تمہارے ساتھ کبھی کوئی راہ رسم ہی نہ تھی۔ اور بے اختیار کہنے لگیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمانوں کے ساتھ ہوتے تو ہمکو بھی اتنی بڑی کامیابی حاصل ہوتی۔ تو دیکھو! جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی یعنی جان تک اللہ کی راہ میں دے، ڈالنے کے لئے موجود ہیں تو انکو چاہیے کہ اللہ کی راہ میں دشمنوں سے لڑیں اور جو خدا کی راہ میں دشمنوں سے لڑے اور پھر مارا جائے یا غالب آجائے تو ہر حال میں اس کو بڑا اجر ملیگا۔

مسلمانو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے اور ان بے بس مردوں عورتوں اور بچوں کو دشمنوں کے ہاتھ سے نہیں بچاتے یہ مظلوم عاجز آکر خدا سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے خدا ہمیں اس بستی یعنی مکہ سے نکال کر کہیں اور ہی پہنچا دے یہاں کے لوگ تو ہم پر بہت ظلم توڑ رہے ہیں۔ اے خدا تو خود ہی اپنی طرف سے کسی کو ہماری مدد اور حمایت کے لئے کھڑا کردے جو ایمان رکھتے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑنے سے جان نہیں چراتے اور جو کافر ہیں یعنی دین اسلام سے ہی منکر ہیں وہ شیطان کی

راہ میں لڑتے ہیں۔

مسلمانو! تم شیطان کے حمایتوں سے لڑو اور انکی طاقت اور کثرت کی کچھ پرواہ نہ کرو شیطان کا مکر اور اسکی تدبیریں کتنی ہی مضبوط دکھائی دیں لیکن حق کے مقابلے میں کام آنے والی نہیں۔

اے پیغمبر کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ جنگ اور خون ریزی سے اب ہاتھ روک لو اور اب تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ تم فقط نماز پڑھتے رہو اور زکواۃ دیتے رہو پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم دیا گیا تو ایک گروہ ان میں سے ایسا کمزور اور بزدل نکلا کہ وہ انسانوں سے بھی اس طرح ڈرنے لگا جس طرح کوئی خدا سے ڈرتا ہے بلکہ خدا سے بھی زیادہ ڈرتا ہے۔ پھر یہ لوگ گھبرا کر خدا سے شکایت کرنے لگے کہ اے خدا تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا ہم کو تھوڑے دنوں تو اور مہلت دی ہوتی

اے پیغمبر ان لوگوں سے کہدو کہ جس دنیا کے پیچھے تم مرے جا رہے ہو۔ جس دنیا کی محبت میں تم موت سے بھاگتے ہو اس کے فائدے عارضی ہیں اور بہت کم ہیں اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو اس کے لئے آخرت میں بہت بڑا سرمایہ ہے۔ وہاں کسی کی رائی بھر بھی حق تلفی نہ ہوگی۔

مسلمانو! یہ یاد رکھو تم کہیں بھی ہو موت تو تمہیں چھوڑنے کی نہیں بڑے بڑے بلند اور مضبوط قلعوں میں بھی جا چھپو گے تو موت کے ہاتھوں تم بچ نہیں سکتے۔

اے پیغمبر جب ان لوگوں کو کچھ نفع پہنچ جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ خدا نے ہماری کوششوں کا صلہ دیا ہے۔ لیکن جب کوئی انکو تکلیف یا نقصان پہونچتا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ یہ سراسر تمہاری طرف سے ہے۔

اے پیغمبر، تم ان کو سمجھا دو اور کہدو کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہے کیونکہ اس نے ہر حالت اور نتیجہ کے لئے قانون اور قاعدے مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جو کچھ پیش آ ہی

یہ انہی قاعدوں اور قانوں کے مطابق ہوتا ہے۔

پھر افسوس تو اس بات پر ہے کہ ان لوگوں کی عقلوں کو ہو کیا گیا ہے جو سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

اصلی حقیقت تو یہ ہے کہ جو بات تمہارے نفع اور بھلائی کی پیش آتی ہے وہ تو خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور جو نقصان کی ہوتی ہے وہ تمہاری اپنی طرف سے اور تمہارے اپنے افعال اور بدعملیوں کا نتیجہ ہے اے پیغمبر ہم نے تمہیں لوگوں کے پاس اپنا پیام دے کر بھیجا ہے۔ اور پیغام لیجانے والے کا تو یہی کام ہے کہ پیغام پہنچا دے۔ تم لوگوں کی نافرمانیوں اور بدعملیوں کے لئے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اور تمہارے پیغامبر ہونے کا تو اللہ خود گواہ ہے۔

جس کسی نے اللہ کے رسول کے حکموں کو مانا تو اُس نے اصل میں اللہ کی اطاعت کی اور جس نے اللہ کے حکم سے منہ موڑا تو اے پیغمبر ہم نے تمہیں انکا پاسباں یا چوکیدار تو بنا کے نہیں بھیجا کہ انکی بدعملیوں کے لئے تم جوابدہ ہو۔ اور انکو اپنی اطاعت کے لئے مجبور کرو۔ اور دیکھو یہ لوگ جب تمہارے سامنے آتے ہیں تو تمہاری ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور تمہاری سب باتیں مان لیتے ہیں اور یہانتک کہدیتے ہیں کہ آپ کا حکم ہماری سر اور آنکھوں پر۔ لیکن جب تمہارے پاس سے اُٹھکر باہر جاتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض لوگ رات کیوقت جلسے کرتے ہیں اور جو کچھ تم کہتے ہو اسکے خلاف مشورے اور تجویزیں کرتے ہیں۔ ان کے رات کے جلسوں کی سب کارروائیوں کا حال اللہ کو معلوم ہے اور یہ سب کارستانیاں ان کے اعمال میں لکھی جا رہی ہیں پس جب ان لوگوں کا یہ حال ہے تو تم بھی ان کی پرواہ نہ کرو۔ اور صرف اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہی تمہارا کارساز حقیقی ہے

کیا یہ لوگ قرآن مجید کے مطالب پر غور و فکر نہیں کرتے اور اللہ کی دی ہوئی عقل سے کیوں کام نہیں لیتے۔

یاد رکھو کہ اگر یہ قرآن کسی دوسرے کی طرف سے آیا ہوتا اور اللہ کی طرف سے نہوتا۔

تو یہ ضروری تھا کہ اس میں بہت سے اختلافات ہوتے اور یہ جو تم شروع سے لیکر آخیر تک ایک ہی رنگ اور ایک ہی انداز دیکھتے ہو اگر قرآن کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو یہ یکسانیت ہرگز نہ ہوتی۔

اے رسول! جب کبھی ان لوگوں کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو سب میں مشہور کر دیتے ہیں اگر یہ اُسے لوگوں میں پھیلانے کی جگہ اللہ کے رسول کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جو اُنہیں بر سر حکومت ہیں اور بات کی تہ تک پہونچ جانے والے ہیں وہ اسکی حقیقت معلوم کر لیتے اور غلط خبر کے مشہور ہونے کی نوبت نہ آتی۔

اور دیکھو مسلمانو! اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے صرف چند آدمیوں کے سوا سب کے سب شیطان کے پیچھے لگ لئے ہوتے تو اے پیغمبر تم اس بات کی مطلق پرواہ نہ کرو کہ یہ لوگ تمہارا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں تم تو اللہ کی راہ میں دشمنوں کے ساتھ لڑو۔ تم پر تمہاری ذات کے سوا اور کسی کی ذمہ داری نہیں ہاں ان لوگوں کو جو ایمان والے ہیں۔ لڑائی کے لئے ترغیب دو۔ عجب نہیں کہ اللہ کافروں کے زور کو روک دے اور اللہ ہی کا زور سب سے زیادہ قوی اور اس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے۔

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بَن ہو گئیں

سطوتِ توحید قایم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

دہر میں عیشِ دوام۔ آئیں کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں

خود تجلّی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نا امیدِ نورِ ایمن ہو گئیں

اُڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بُلبلیں گلزار میں
دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشیمن ہو گئیں

وسعتِ گردوں میں تھی ان کی تڑپ نظارہ سوز
بجلیاں آسودۂ دامانِ خرمن ہو گئیں

دیدۂ خونبار ہو منت کشِ گلزار کیوں!
اشکِ پیہم سے نگاہیں گل بدامن ہو گئیں

علامہ سر اقبال رح

ہمارا اسلام

مسلمانوں کو اور مسلم خواتین کو سمجھ لینا چاہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بالکل بے نیاز ہے نہ اسکو ہماری عبادت کی ضرورت نہ وہ ہماری نماز کا محتاج اگر ہم کفر والحاد کے عمیق غاروں میں پڑے ہیں تو اس کو پرواہ نہیں اگر ہم اس کے بتائے ہوئے سیدھے رستے پر چلیں گے تو اس پر کوئی احسان نہیں اگر ہم ادہر ادہر بھٹکے پھریں گے تو اس کا خمیازہ ہم خود بھگتیں گے یہ تو اُس کا اپنے بندوں پر بڑا احسان ہے کہ اس نے ایک سیدھا رستہ بتادیا تاکہ ہم دنیا میں ٹھوکریں نہ کھاتے پھریں اور ایسے قواعد اور ایسے اصول بتا دیئے کہ اگر ہم انکی پابندی کریں تو دین و دنیا میں کامیاب زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اور قرآن ہمیں صرف اچھا دین دار بنانے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ ہم کو دنیا میں ایک کامیاب مہذب اور نیک انسان کیطرح زندگی بسر کرنیکی تعلیم دینے کے لئے آیا ہے۔ یہ تو مسلمانوں کے لئے دستور العمل ہے مگر افسوس کہ ہم نے قرآن کی رہنمائی سے فائدہ نہ اٹھایا۔

انگلستان کا مشہور مصنف کارلائل اسی قرآن کی نسبت لکھتا ہے "کہ قرآن کے احکام اس قدر عقل وحکمت کے مطابق ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ دنیا میں ایک پاکیزہ زندگی بسر کر سکتا ہے شریعت اسلام اعلیٰ درجے کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے"

مغربی تعلیم وتہذیب کے دلدادہ مسلمان مذکورہ بالا الفاظ ہی کو غور سے پڑھکر قرآن پر بھی اک نگاہ غائر ڈالیں اور دیکھیں کہ قرآن میں عقل و دانش کے خزانے کتنے بھرے پڑے ہیں اور اس بات پر غور کریں کہ ساڑھے تیرہ سو برس سے جن قوانین میں ترمیم کی ضرورت نہ ہوئی ان میں کیا کیا خوبیاں ہونگی۔ دوسرے مذاہب کے قوانین میں ہر زمانہ کی ضروریات کے مطابق

برابر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں لیکن ایک قرآن اور صرف قرآن ہی ایسی متبرک کتاب ہے جو انسانی قلم کی دستبرد سے محفوظ ہے اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوسکتی اور نہ قیامت تک ہوگی کہ ایک نقطہ بھی ادھر کا اُدھر کرسکے قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنا تو کجا ہم اسکی تلاوت بھی تو اس طرح نہیں کرتے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کیا یہ اسکے حکم کی صریح نافرمانی نہیں۔ ہمارے پروردگار کا تو یہ ارشاد ہو کہ ہم نے قرآن کو اس لئے آسان کردیا ہے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔ القمر۔

کیا ہم کو کبھی اس حکم کی تعمیل کا بھی خیال آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے مطالب پر غور کرنے کے لئے بار بار تاکید فرمائے اور ہم کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے رہیں اگر ہم کو واقعی یہ یقین ہوتا کہ ہم کو اک دن اس احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونا ہے تو ہماری یہ مجال نہ ہوتی کہ ہم الٰہی احکامات کیساتھ یوں لاپرواہی کریں اللہ تعالیٰ کا تو یہ ارشاد ہو کہ اللہ کے دین کی رسّی کو سب مل کر مضبوط پکڑے رہو اور فرقہ بندیاں نہ کرو۔

آپس میں پھوٹ نہ ڈالو حقیقت میں ایمان لانے والے سب بھائی بھائی ہیں پس تم اپنے بھائیوں میں صلح کرادیا کرو۔

کیا کبھی ہم نے ان احکام کی طرف توجہ کی یا ان حکموں کو ہم کبھی خاطر میں لائے۔ کیا ہم ان نافرمانیوں کا نتیجہ نہیں بھگت رہے ہے کیا ہماری غفلتیں اور لاپرواہیاں ہمارے موجودہ ادبار اور نفاق کا باعث نہیں ہیں۔

قرآن سے غفلت کرنے کی سزا ہم کو کافی مل گئی ہم اس کی رہنمائی سے محروم ہوگئے اور دنیا میں نہایت ذلت اور رسوائی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

کیا یہ اس قوم کی حالت ہے جو دنیا بھر کی قوموں پر حکومت کرنے کے لئے منتخب ہوئی تھی، کیا قرون اولیٰ کے مسلمان قرآن کو اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح ہم پڑھتے ہیں

کیا قرآن پر عمل کر کے انہوں نے دنیا کی امامت نہیں کی۔

لیکن وہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا فرمان سمجھکر پڑھتے تھے۔ رات کو اس کے معنوں پر غور کرتے تھے اور دن کو عمل کیا کرتے تھے۔ آجکل کیطرح قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے تک محدود نہ تھا۔ محض برکت وثواب کے لئے نہ تھا آجکل کے مسلمان اگر کوئی حقیقی ترقی کرنے کے خواہشمند ہیں تو انکو اپنے اپنے محلوں کی مسجدوں میں قرآن مجید کے باقاعدہ درس کا انتظام فوراً کرنا چاہیئے۔

محمد اکرام

وطنیت

(علامہ سر اقبال رحہ)

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف وستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی
ہے ترکِ وطن سنتِ محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اسی سے

حقّانی لوری

نسخہ خواب آور

(از خان بہادر چوہدری خوشی محمد صاحب بی اے ناظر فردوسی)

چھ ماہ سے سر عبدالقادر رئیس اور مجھ میں انیس نسواں کی قلمی خدمت کے میدان میں رسّا کشی ہو رہی ہے ارادہ تھا کہ جبتک دم میں دم ہو پیچھے نہ ہٹوں اور یہ رسّا ہاتھ سے نہ چھوٹے مگر افسوس ہے کہ صحت کی کمزوری کی وجہ سے اب مجھے ہار ماننی پڑے گی۔

تین چار روز ہوئے آپکا گرامی نامہ پہنچا۔ اسمیں نظم و نثر کا کوئی تقاضا نہ تھا۔ مگر ع خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید۔ میں اس کو حسن طلب کا لطیف ترین پیرایہ سمجھا اور کچھ رطب و یابس کی تلاش کرنے لگا مگر دماغ اور بستۂ شعر سازی دونوں خالی تھے سوتے وقت آپکی یاد دہانی یاد آئی اور اسیوقت میں ایک منظوم نسخہ خواب آور اکثر استعمال کیا کرتا ہوں خیال آیا کہ یہی پیٹنٹ نسخہ انیس کی نذر کیوں نہ کر دوں۔

عہد حاضر کی بہت سی برکات خاص ہیں جنمیں سے ایک یہ بھی ہو کہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو ہاتھ پاؤں استعمال کرنیکا موقعہ کم ملتا ہو۔ مگر دماغ غریب دائمی کوشش اور کاوش میں مبتلا اور پیہم دواں رہتا ہو اور اس دماغی پریشانی سے نیند خراب ہو جاتی ہو۔ میری نیند بفضلہ تعالیٰ عموماً اچھی رہتی ہو۔ لیکن اگر کبھی فکر شعر یا فکر علایق کا کوئی سلسلہ نیند میں مخل ہو تو اسکو توڑنے کے لئے میں نے دو ایک لوریاں تصنیف کر رکھی ہیں جنکے گنگنانے سے اور ہلکی سی تھپکی کا تال دینے سے جلد نیند آجاتی ہے۔ عموماً چھوٹے بچوں کے لئے لوریوں کا استعمال کیا جاتا ہو۔ مگر فی زمانہ جوان اور بوڑھے لوری کے زیادہ محتاج ہیں۔ میں عموماً حقانی قسم کی لوریوں کا استعمال کرتا ہوں جو نیند بھی لاتی ہیں اور عبادت کا بھی کام دیتی ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ اسی قسم کی لوری کا استعمال کیا جائے۔ ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق لوری تصنیف کر سکتا ہو شاعرانہ تکلف اور تخیل کی کوئی ضرورت نہیں۔ غرض صرف یہ ہو کہ خیالات پریشان کا سلسلہ توڑ دیا جائے پھر نیند فطرت کے تقاضے سے خود حاضر ہو جاتی ہو۔ لوری ہدیہ ناظرات و ناظرین انیس کیجاتی ع

سر مہ مفت نظر ہوں میری قیمت کیا ہے۔

"حقانی لوری"

وزن فاعلن ۔ فاعلن ۔ فاعلن ۔ فاعلن

میرے مولیٰ ہے مجھکو تری جستجو　　تیری دھن میں ہوں پیہم رواں سو بسو
دل سے ہر دم یہی ہی مری گفتگو
اللہ ہو اللہ ہو ۔ اللہ ہو اللہ ہو!

میں ہوں کھیتی تری میرا حاصل ہی تو　　میں تری موج ہوں میرا ساحل ہی تو
میں تری آرزو تو میری آرزو
اللہ ہو ۔ اللہ ہو ۔ اللہ ہو ۔ اللہ ہو

میں ہوں تیری کرن مہر انور ہے تو　　میں ترا آئینہ میرا جوہر ہے تو
میں ترے روبرو تو مرے روبرو ا
اللہ ہو ۔ اللہ ہو ۔ اللہ ہو ۔ اللہ ہو

میں ہوں جوئے رواں تو یم بیکراں　　تو ہے منزل میری میں ترا کارواں
تو ہے میرا چمن میں تری رنگ و بو
اللہ ہو ۔ اللہ ہو ۔ اللہ ہو اللہ ہو!

میں ہوں تیری جھلک قلزم نور تو:　　میں شرر کی چمک جلوۂ طور تو!
ذرہ ناچیز میں مہر رخشاں ہی تو
اللہ ہو ۔ اللہ ہو ۔ اللہ ہو ۔ اللہ ہو

تو نے حسن ازل آشکارا کیا　　مجھکو پیدا کیا اپنا شیدا کیا
جسم خاکی کو دی عشق سے آبرو
اللہ ہو اللہ ہو ۔ اللہ ہو اللہ ہو

لوح دل پر ترا نقش ہر دم رہے　　لذت درد سے آنکھ میں نم رہے
یہ ہو میری نماز اور یہ میرا وضو
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو ۔ اللہ ہو

اپنے ناظر کی آنکھوں کو جلوہ دکھا　　رخ سے پردہ اٹھا رخ سے پردہ اٹھا
طور سینہ کو روشن کرے شعلہ رو
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو ۔ اللہ ہو

گھونگٹ

گھونگٹ، ہندی زبان کا لفظ ہے اور ہندوستان کے رہنے والوں کی ایک پرانی رسم کی یادگار ہے جس کے رو سے عورت کے لئے اپنا چہرہ مرد سے چھپانا لازم تھا۔ اور وہ اس طرح کہ جو دوپٹہ سر پر ہوتا تھا۔ اس کا اوپر کا سرا چہرہ پر اس طرح ڈال لیا جاتا تھا۔ کہ سارا چہرہ چھپ جاتا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی چہرے سے بہت نیچے تک بھی دوپٹے کا یہ حصہ لٹکتا رہتا تھا یہ ہندوستان کا پرانا پردہ تھا۔

جب مسلمان ہندوستان میں آئے تو وہ پردے کے متعلق اپنے اپنے وطن کے خیالات اور رسمیں ساتھ لائے۔ جن میں عرب کے اثر کے ساتھ ایران کا اثر ملا ہوا تھا۔ خاندان مغلیہ کے دورِ حکومت میں جب مسلمانوں کی حکومت دو تین صدیوں کے لئے مسلسل رہی اور ہندو مسلمانوں میں بہت سا میل جول شروع ہوا تو دونو ایک دوسرے کی رسموں سے متاثر ہوئے اور جب باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں کے علاوہ ملک کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد نے مذہب اسلام کو قبول کیا تو وہ بعض رسمیں اپنے بزرگوں کی دیر تک نباہتے رہے اس طرح دونو قوموں کے پردے کے مجموعہ سے وہ پردہ وجود میں آیا۔ جو ہندوستان میں مروّج ہے اور جو مسلمانوں کے بڑے گھرانوں کے علاوہ بہت سے ہندو امرا اور شرفا کے ہاں اب تک پایا جاتا ہے۔

اس مضمون میں پردہ کے موافق یا خلاف بحث مقصود نہیں ہے۔ یہ بحث مدت سے جاری ہے اور ابھی دیر تک چلے گی ہر چیز میں کچھ منافع اور کچھ نقصان ہوتے ہیں۔ ان کا موازنا کرکے ہر شخص کو اپنی رائے قایم کرنی چاہیے۔ کہ کونسا پلڑا بھاری ہے۔ اور اس کی حدود میں کیا ترمیم ضروری ہے۔ یا ترمیم کہاں تک ہو سکتی ہے۔

آج میں صرف اس مسئلے کے تاریخی پہلو پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ نظریہ عام طور پر قایم ہوتا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے یہاں کے باشندے پردے کو نہیں جانتے تھے۔ اور بعض نے مسلمانوں سے ڈر کر عورتوں کو اُن سے چھپ کر رہنے کی ہدایت کی۔ اور بعض نے اُن کی رسم کی نقل کر لی۔ اب جو زمانہ کا رنگ بدلا۔ اور انگریزوں کا دَور دَورہ ہوا تو اکثر ہندو مرد اور عورتیں جب پردہ کا ذکر آتا ہے تو بڑے فخر سے انگریزوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ہمیں تو اس رسم سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یہ صرف مسلمانوں کی فتوحات کی یادگار ہے اور ہم اس سے بیزار ہیں۔ بلکہ بعض منچلے لڑکے اور لڑکیاں اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو مطعون اس کی وجہ سے بھی کرتے ہیں

ہندوؤں سے پہلے یہ خیال بعض انگریزی پادریوں نے اور تاریخ دانی کے دعوی رکھنے والوں نے پھیلایا۔ اور ہندوؤں نے اس موجودہ حالات کے موافق پاکر اسے اپنا لیا۔ حال میں ایک انگریز مصنفہ مس فاربس صاحبہ کی ایک تازہ تصنیف[1] میری نظر سے گزری ہے جس میں اس نے ہندوستان کی بہت سی ریاستوں کی سیاحت کے بعد اپنے حالاتِ سفر لکھے ہیں۔ مصنفہ کے قلم میں زور اور بیان میں رنگینی ہے مگر اس نے ہندوستان کی ریاستوں کو دیکھتے وقت انصاف کی عینک لگانے کے بجائے اسے اُتار کر رکھدیا ہے اور جابجا اُن کا حال بتانے میں ٹھوکر کھائی ہے جن باتوں پر اس کتاب میں نکتہ چینی ہوسکتی ہے اُن کے بیان کا تو یہ موقعہ نہیں۔ مگر پردہ کی بابت جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کے بعض حصے ایسے ہیں کہ ان پر نظر تحقیق ڈالی جائے تو مناسب ہوگا۔

ریاست حیدرآباد کا ذکر کرتے ہوئے مس صاحبہ فرماتی ہیں۔

"گو مسلمانوں میں بھی تمدنی امتیازات موجود ہیں۔ مگر یہ امتیازات ہندوؤں کی ذات پات

---

[1] اس کتاب کا نام ہے "انڈیا آف دی پرنسز" یعنی ہند کا وہ حصہ جو والیان ریاست کے زیر حکومت ہے۔ مصنفہ کا نام مس روزیٹا فارس ہے۔

کی رسم کی طرح مذہبی بنیاد پر مبنی نہیں ہے۔ اسلام کی اخوت اسکی ایک بہت زبردست صفت ہے مگراب یہ صرف مردوں تک محدود ہے۔ کیونکہ غریب طبقے کی عورتیں جو بہت سختی سے پردہ کی پابند ہیں اُن کی صحت پر بھی اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ اور ان کے ذہنی قویٰ پر بھی"۔

مس فاربس صاحبہ کی قوت مشاہدہ کے کیا کہنے ہیں اور انہوں نے انگلستان سے بغرض سیاحت اتنی دور آکر اور والیان ریاست کی مہمانداری سے لطف اندوز ہو کر کیسی اچھی معلومات اپنے ملک والوں کے لئے حاصل کی ہیں۔ انہوں نے اپنی طرف سے تو اسلام کو داد دینے کی کوشش کی مگر طبیعت نے پوری داد دینی گوارا نہ کی۔ اسلئے فرماتی ہیں کہ عورتوں کا اخوت میں اب کچھ حصہ نہیں۔ گویا مانتی ہیں کہ پہلے کبھی تھا۔ اگر تھا اور وہ اسلام کا جزو تھا اور کسی حد تک ہندوستان میں آکر کھو یا گیا تو انہیں چاہئے تھا کہ دریافت کرتیں۔ کہ وہ کیا اثرات تھے جنکے سبب اسلام اپنی اس زبردست صفت کا آدھا حصہ کھو بیٹھا۔ مگر انہیں اتنی گہری تحقیقات کی کیا حاجت ہے۔ ایک فرمانرا قوم کی فرد ہیں جو چاہیں لکھدیں۔ سند ہو جائیگا اور انگریز تو خیر ان کی بات کو تسلیم کرینگے ہی۔ بہت سے ہندوستانی یہ کہنے کو تیار ہو جائیں گے کہ ایک بڑی صاحب تصنیف خاتون نے سیاحت ہند کے بعد یہ لکھا ہے کہ عورتیں اسلامی اخوت سے باہر ہیں۔

یہ تو ان کی خوش فہمی کا ایک پہلو ہے۔ دوسرا اس سے بھی بڑھکر یہ کہتی ہیں غریب عورتوں میں زیادہ سخت پردہ ہے۔ حالانکہ جو شخص ہندوستان کے حالات سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے۔ کہ غریب مسلمان جو زراعت پیشہ ہیں یا جو دستکاری کرتے ہیں۔ ان کی عورتیں زیادہ تر اپنی ضروری کاموں کو انجام دینے کی خاطر پردے کی زیادہ پابند نہیں وہ محنت سے زندگی بسر کرتی ہیں اور بہت نیک ہیں اپنے مردوں کے کام میں مدد دینے کے لئے فصلوں کے بونے اور کاٹنے کے دنوں میں کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔ مردوں کا کھانا لیکر باہر جاتی ہیں سروں پر پانی اٹھا کر لاتی ہیں۔ اگر غریب جلاہوں کو دیکھو تو اُن کے ساتھ انکی بیویاں

بہنیں اور بیٹیاں تانا بانا تننے اور کئی اور کام کرنے میں مصروف ہوتی ہیں عورتیں سودے سلف کے لئے کھلے منہ باہر جاتی ہیں اب ذرا غور کیجئے۔ کہ مس صاحبہ نے اُن کو تو پردہ میں بٹھا دیا اور بعض خوشحال گھرانوں کی پردہ دار عورتوں کی صحت کی کمزوری جس کی کہیں سے باتیں سُن رکھی تھی وہ غریب مسلمان عورتوں کے حصہ میں دیدی حالانکہ واقع میں محنت مزدوری کرنے والی عورتیں صحت کے اعتبار سے اپنی دوسری بہنوں سے عموماً بہتر ہوتی ہیں۔

اسی فقرے میں مس صاحبہ نے مورّخانہ انداز سے یہ درافشانی فرمائی ہے:۔

"امید کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات کا یہ ترکہ۔ جو قدیم ہند کے رواج کے بالکل مغائر ہے۔ ناپید ہو جائے گا۔ کیونکہ اس جنگ وجدال۔ جہالت اور بیرحمانہ ظلم کے دور کا خاتمہ ہو گیا ہے جس میں اس کا آغاز ہوا تھا"

واہ۔ کس خوبی سے حق مہمان نوازی ادا کیا ہے۔ اور تاریخ دانی کے تو کیا کہنے مس صاحبہ کو اور ان کے ہم خیالوں کو آگاہ کرنے کے لئے میں نے ضروری سمجھا ہے کہ لمبی چوڑی دلائل کی بجائے انہیں اتنا جتا دیا جائے کہ پردہ تو فارسی کا لفظ ہے اور مسلمانوں کے ساتھ آیا۔ مگر گھونگٹ اُن کے آنے سے پہلے موجود تھا۔ اور خالص ملکِ ہند کی پیداوار ہے۔

گھونگٹ کے متعلق ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ ملک کے رواج کے مطابق گھونگٹ نہ صرف گھر سے باہر نکلتے وقت اور کوچہ و بازار میں چلتے وقت منہ کو ڈھانکے رکھتا تھا۔ اور اب تک کہیں کہیں رکھتا ہے، بلکہ گھر کے اندر بھی اپنے بڑوں سے چہرہ چھپانے کے کام آتا ہے دلہن اپنے دولہا کے باپ سے اور اسکے بڑے بھائی سے اکثر منہ چھپاتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ پردے کا یہ حصہ ہندوؤں میں کسی دوسری قوم کے ڈر سے نہیں پیدا ہوا بلکہ حیاداری کے خیال سے جاری ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ آپ کہیں کہ یہ حیا بے معنی حد تک جاتی ہے۔ یا ایسے شخصوں سے ہے جن سے زیادہ شرم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسے میں مانتا ہوں مگر اس سے یہ تو پتہ چلا کہ رواج کی اصل بنیاد کیا تھی۔ اور یہ نظریہ درست نہیں کہ مسلمانوں

کے ڈر سے وہ چہرے جو بے دھڑک کھلے رہتے تھے گھونگٹ میں چھپ گئے اس رواج کی ایک اور مثال بھی غور طلب ہے۔ آپ لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ بیکانیر کی طرف کی بعض غریب اور مزدور ہندو عورتیں جو اپنے مردوں کے ساتھ مزدوری ڈھونڈھنے کو نکلتی ہیں اور شمالی ہند کے اکثر شہروں کی زیر تعمیر عمارتوں پر مزدوری کرتی ہیں۔ عموماً کام کے وقت جب ان کے سروں پر بھاری بھاری ٹوکریاں مٹی یا اینٹوں کی ہوتی ہیں۔ چہرے پر لنبا گھونگٹ ڈالے ہوئے ہوتی ہیں۔ اُن پر بہت رحم آتا ہے۔ اور ان کی مشق کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ گھونگٹ کے ساتھ بوجھ اٹھائے ہوئے وہ کیونکر سیڑھیوں پر چڑھ جاتی ہیں اور جلد جلد اتر آتی ہیں اُس وقت ان کے ساتھ کام کرنے والے انکے اپنے گھروالے یا بھائی بند ہوتے ہیں۔ جس صورت میں سوائے قدیم رواج کی پابندی کے کوئی اور وجہ اس عجیب پردے کی سمجھ میں نہیں آسکتی اس کے برعکس اسی طبقے کی مسلمان عورتیں جو کھیتی باڑی کے کام میں اپنے مردوں کے ساتھ مصروف محنت ہوتی ہیں۔ وہ بالکل گھونگٹ کا تکلف نہیں کرتیں البتہ ایک موقعہ ہے جہاں ہندوؤں کے گھونگٹ کا اثر مسلمانوں کے بھی کئی گھروں میں آگیا ہے۔ دلہن کو جب بیاہ کے لئے بنایا سنوارا جاتا ہے تو وہ اپنے دوپٹے کو چہرہ کے آگے سرکاکر اور سر نہوڑا کر بیٹھ جاتی ہے جس سے شرم و حیا کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ اُس وقت عورتوں کے جھنڈ میں ہوتی ہے۔ اور مرد عموماً وہاں موجود نہیں ہوتے اس سلسلے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہندوؤں کے ہاں دولہا کے چہرہ پر بھی سرخ کپڑا ڈال دیتے ہیں جب وہ شادی کے کپڑے پہن کر دلہن کے گھر برات لیکر جانے کو گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ گو اسے اس حالت میں سواری میں مشکل پیش آتی ہے۔ گویا پرانا ہندی تخیل یہ ہے کہ دولہا جسے عام طور پر پردہ کی ضرورت نہیں۔ وہ بھی جس دن زیادہ آراستہ پیراستہ ہو تو اسے نگاہوں کی زد سے بچانے کے لئے اس کا چہرہ ڈھانکنا چاہیئے۔ ان مثالوں کے ذکر سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ میں ایسے رواجوں کو اچھا سمجھتا ہوں۔ یا ان کی تائید کرتا ہوں۔ میں نے ان کی طرف صرف اس لئے توجہ دلائی ہے کہ انکی

موجودگی سے رواج کی تاریخی اصلیت پر روشنی پڑتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر ملک اور ہر رسم۔ اپنے اپنے ملک کے جدا جدا رواج ہوتے ہیں اسی طرح ہر زمانے کی رسوم الگ الگ ہیں۔ پرانے زمانے کا تخیل اور تھا اب اور ہے پرانے تخیل کو اسی شعر میں دیکھئے۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم

یعنی شاعر اپنے محبوب سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میری اپنی آنکھ بھی تجھے بیباکانہ دیکھے اور تیری بات ہو تو اس کا ایسا پردہ چاہتا ہوں کہ میرا اپنا کان بھی وہ باتیں نہ سن پائے۔ مبالغہ کی انتہا ہے۔ مگر اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جن کے خیال اس مبالغہ تک جا سکتے تھے وہ عمل میں اس رنگ سے بالکل خالی کیونکر ہو سکتے تھے۔ وہ زمانہ تھا کہ جن چیزوں کو عموماً چھپایا نہیں جاتا انہیں بھی چھپاتے تھے۔ اور اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ جو مسلمہ طور پر چھپانے کی چیزیں تھیں انھیں بھی کسی نہ کسی بہانے سے دکھانے کا شوق ہے۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے اتنا اور جتا دینا چاہتا ہوں کہ مس فارس صاحبہ نے اپنی کتاب میں پردہ پر کم از کم دس بارہ جگہ چوٹ کی ہے۔ اور بار بار مسلمانوں سے چھیڑ کی کوشش کی ہے۔ مگر چونکہ ان کی نگاہ محققانہ نہیں ایک آدھ جگہ بھولے سے ایسی باتیں بھی بیان کر گئی ہیں۔ جو اُن کے نظریہ کی تائید نہیں کرتیں۔ بلکہ یہ واضح کرتی ہیں کہ اس ملک کی پرانی قوموں میں عجیب عجیب وجوہات مرد سے منہ چھپانے کی موجود تھیں۔ چنانچہ یہ دلچسپ حصہ ملاحظہ ہو جیتو کے علاقہ میں بھیل قوم کے جو لوگ آباد ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:۔

"ان میں سے بعض مور کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ پرند اُن کے خیال میں ایک دیوتا ہے کہ انکی عورتیں مور کو دیکھ کر چہرہ پر گھونگٹ ڈال لیتی ہے۔ اور اگر اُس کی دُم پر بھی نظر پڑ جائے تو منہ دوسری طرف پھیر لیتی ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے پرانے رواج پر جب مغلیہ زمانے کے فیشن کا رنگ چڑھا تو اس سے پردہ کا ایک نیا ہندوستانی نمونہ پیدا ہوا جو اپنا جواب نہیں رکھتا۔ یعنی پردہ اس حد تک پہنچ گیا کہ کئی جگہ بیوی کا نام بھی داخل پردہ ہو گیا۔ بلکہ اسکی طرف سیدھا یا صاف اشارہ کرنا بھی نامناسب سمجھا جانے لگا۔ بیوی کا نام "محل" ہو گیا۔ یا "گھر کے لوگ" بن گیا۔ اور شرافت کا معیار یہ قرار پایا کہ حتی الوسع مستورات کا ذکر مردوں کے مجمع کے روبرو نہ آئے اس کا تجربہ مس فاربس صاحبہ کو بھی ہوا اور اچھا ہوا کہ پٹیالہ میں ہوا۔ وہاں کے مہاراجہ صاحب (جو تھوڑا عرصہ ہوا فوت ہوئے) کے متعلق مس صاحبہ نے یہ دلچسپ فقرہ کہا ہے۔

مہاراجہ صاحب جب اپنے گھرانے کی بات کرتے ہیں تو عورت کا ذکر تک نہیں کرتے۔ کیونکہ پٹیالہ میں بیویاں اور بیٹیاں سختی سے زنانہ کی چاردیواری کے اندر علیحدگی میں رکھی جاتی ہیں وہ ایک گھر سے دوسرے گھر کو بھی جائیں تو ان کی گاڑی کے گرد ایک بڑا قرمزی رنگ کا کپڑا باندھا جاتا ہے اور مہاراج کے گھرانے کی عورتوں کی گاڑی کے کپڑے پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ تاکہ کسی کی نگاہ پردے کے اندر کی ذراسی حرکت پر بھی نہ پڑ سکے"

مصنفہ کے قلم نے یہ فقرہ تو لکھدیا مگر اُن کا دماغ اس کے قدرتی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا کہ جب مغل بادشاہوں کا عروج تھا اور وہ اپنی شان کے اظہار کے لئے اپنی مستورات کے پردہ میں تکلیف کے پہلو نکالتے تھے تو ہندوستان کے راجے مہاراجے اُن کے ڈر سے نہیں بلکہ شان و شکوہ دکھانے کے لئے اُن کے برابر بلکہ بڑھکر قدم مارنے کی کوشش کرتے تھے اور وہی حالت تھی جو اب دوسری طرح نظر آرہی ہے کہ بے پردگی یا نیم برہنگی کے شوق میں جہاں تک مغرب کی قومیں جا رہی ہیں اُن کے ہندوستانی پیرو ان سے بھی دو قدم آگے نکلنے کو آمادہ ہیں اب گھونگھٹ کی خیر نہیں۔ چراغ سحری ہے کوئی دن کا مہمان ہے۔

عبد القادر

بچپن میں دینی تعلیم

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ بچپن کی تعلیم پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ اس لئے یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ مذہبی تعلیم سب سے پہلے شروع کی جائے تاکہ وہ بچے کی فطرت میں راسخ ہو کر اس کی فطرت ثانی بن جائے۔ جنہیں اپنے عمر کے ابتدائی سالوں میں مذہب اور اس کی اہمیت کا سبق مل چکا ہے اور جنکے دلوں میں بچپن میں اس کی عظمت کا نقش بٹھا دیا گیا ہے وہ تمام عمر اس کو فراموش نہ کر سکیں گے۔ چاہے آگے چل کر ان کو کیسے ہی لوگوں سے سابقہ پڑے چاہے۔ ان کا ماحول کتنا ہی مذہب سے نا آشنا ہو اور وہ بظاہر اس اثر سے کتنے ہی مرعوب ہو جائیں لیکن ان کے دل کی گہرائی میں مذہب کی عزت مذہب کی ضرورت اور مذہب کی محبت قائم رہے گی اور جب کبھی انکو نئی جذباتی ہیجان یا ناکامی کا سامنا پڑے گا اسوقت وہ بچپن کا قایم کیا ہوا اعتقاد و بچپن کی سکھائی ہوئی دعائیں تسکین خاطر کا موجب ہونگی۔

لیکن مذہب کے ساتھ یہ عمر بھر کا لگاؤ پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے کہ مذہبی تعلیم صیح طور پر اور دلکش طریقے سے دی جائے۔ گذشتہ بیس سالوں میں بچوں کی تعلیم دینے کے طریقے میں ایک عظیم الشان تبدیلی ہوئی ہے اور اب کل اسکولوں اور کالجوں میں جدید معلومات نفسیات کے مطابق بچوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ ہندوستان میں گرچہ بیشتر اسکول و مدرسے ابھی تک قمچیاں لگا لگا کر ہی سبق یاد کرانے کو تعلیم کا بہترین طریقہ سمجھے ہوئے ہیں تاہم وہاں بھی نئے وضع کے اسکول جگہ جگہ قایم ہو رہے ہیں۔ اور صاحب استطاعت اور نئے فیشن کے لوگ اپنے بچوں کو انہی اسکولوں میں بھیجتے ہیں اور عنقریب زیادہ تعداد میں بھیجا کریں گے۔ یہ ماڈرن اسکول چونکہ عموماً انگریزی ہوتے ہیں انہیں مذہبی

تعلیم اگر سرکاری ہوئے تو ہوتی ہی نہیں ہے۔ اور اگر مشنری ہوئے تو عیسائیت کی دیجاتی ہو جو مسلمان والدین تعلیم کی بہتری کے خیال سے اپنے بچوں کو ان اسکولوں میں بھیجتے ہیں۔ انکو الزام دینا درست نہیں کیونکہ دنیوی تعلیم کا ایسے اسکولوں میں ہندوستانی اسکولوں سے اسقدر زیادہ اچھا انتظام ہوتا ہے کہ انکی یہ خواہش سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن جہاں وہ جدید تعلیم و تہذیب کے سیکھنے کو اتنا ضروری سمجھتے اور اسکے سکھلانے کے لئے ہر ممکن انتظام کرتے ہیں وہاں انکو اپنے مذہب کے آئین روایات کے سکھانے کا بھی کچھ انتظام کرنا چاہئے اور اسکے لئے صرف یہ کافی نہیں کہ گھر پر ایک مولوی صاحب کو مقرر کر لیا جائے کہ وہ اردو قران شریف پڑھا دیا کریں گرچہ سکول میں کوئی انتظام نہ ہونے سے یہ بھی بہتر ہے۔ لیکن جہاں بچے کو دوسری چیزوں کی تعلیم ماڈرن اسکول کے دلچسپ طریقے اور اتنے دلکش ماحول میں ہوتی ہو اسکو ایسے خشک طریقے کی پڑھائی سے کیا مناسبت پیدا ہوسکتی ہے اور اگر مذہب سے وابستگی پیدا کرنی ہے جو مرتے دم تک نہ چھوٹے تو اسکے لئے مذہب کو جہاں تک ممکن ہو دلکش صورت میں بچے کے سامنے پیش کرنا چاہئے بچپن کے نقوش یعنی محسوسات سب سے ضروری چیزیں ہیں۔ عقل کے رو سے فیصلہ کن اور رہنمائی ہوئی دلیلیں ہیں اور مذہب کے مطابق بچے کے احساسات کو خوش آیند بنانیکی صورت یہ ہے کہ مذہبی تعلیم خشک اور بے مزہ طریقہ سے اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ جبریہ طور پر ہرگز نہ دی جائے بلکہ اس طرح سے کہ اس سے بچے کو خوشی اور اس کے ننھے سے دل میں بھی جو خواہشات اور دھڑکے ہوتے ہیں ان سے اطمینان حاصل کرنے کا ذریعہ ہو۔

عام طور سے مذہبی تعلیم اس صورت سے دی جاتی تھی اور اب تو مرے سے ناپید ہے کہ بسم اللہ کرا کے قاعدہ بغدادی شروع کرا دیا گیا ختم کلام مجید کے بعد اردو پڑھائی شروع کی گئی یعنی راہ نجات اور بہشتی زیور وغیرہ پڑھا دی گئیں اور یہی مسئلے مسائل کی کتابوں کا کا پڑھا دینا مذہبی تعلیم قرار پائی۔ ایسی تعلیم جا ہے آجکل اصول نفسیات کے مطابق بچے کے

لئے کتنی ہی خشک کیوں نہ ہو اس زمانے میں اس سے بچے کے احساسات پر کوئی برا اثر نہیں پڑ سکتا تھا کیونکہ اس کی تمام تر تعلیم اسی صورت سے ہوتی تھی۔ لیکن جب کہ ابکی دوسری تعلیم زیادہ دلچسپ طریقے سے ہو رہی ہو تو ظاہر ہے کہ صرف مذہبی تعلیم کے اس صورت سے دیئے جانے سے مذہب کے متعلق اس کے پہلے احساسات یہ پیدا ہونگے کہ مذہب ایک خشک اور بےمزہ فرض ہے

اس کے برخلاف اگر مذہبی تعلیم اس طرح شروع کی جائے کہ جیسے ہی بچے باتیں کرنے لگیں۔ انہیں چھوٹے چھوٹے حمد و نعت سکھائے جائیں۔ بچے گانے کے بہت شوقین ہوتے ہیں اور بغیر کسی خاص کوشش کے نظمیں یاد کر لیتے ہیں۔ انہیں لفظی ترنم اور موسیقی بہت بھاتا ہے اگر انکی پہلی نظمیں حمد و نعت اور قومی ترانا ہوں گے تو خود انکی مذہبی تعلیم کی یہ پہلی صورت انکی فطرت کے بالکل ہی مطابق اور اس کے خوش کرنے والی ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ اسکے اولیں احساسات مذہبی ہوں گے اور آئندہ زندگی میں جب بچپن کا زمانہ یاد آئے گا تو وہ یاد مذہب کے متعلق ہوگی اور اس طرح مذہب زندگی کے سب سے بہترین زمانہ کا حصہ اور حسین منظر نظر آئے گا۔

چھوٹے بچوں کے لئے پہلے آسان نظمیں بےشک ضروری ہیں لیکن بچے کچھ فطرتی طور سے شروع ہی سے شعر کا درست مذاق رکھتے ہیں اور مشکل لیکن شاعرانہ معیار پر پوری اترنے والی نظمیں بہ نسبت آسان لیکن پھیکی نظموں کے جلد حفظ کر لیتے ہیں۔ اقبال کے ترانے اور حفیظ کی نظمیں بچوں کے لئے بہت ہی موزوں ہیں۔ معنی کے سمجھانے پر شروع میں چنداں توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکی ہوں دلیل اور معنی اس عمر میں چنداں اہمیت نہیں رکھتے صرف جذبات کو متاثر کرنے کی کوشش چاہیئے بچہ جیسے بڑا ہوگا۔ خود بخود معنی سمجھ لے گا لیکن ۳ برس کی عمر سے جس لڑکے نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ یہ گایا ہے کہ ع

تیغوں کے سایہ میں ہم پل کر جواں ہوتے ہیں !
آساں نہیں مٹانا نام ونشاں ہمارا !

اس بچے کے دل سے اسلام کی عظمت اور نقش مشکل ہی سے مٹے گا۔ اور جس بچے نے زبان کھلتے ہی ع

مرحبا سید مکی مدنی والعربی !
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

کہا ان کی زبان ہمیشہ ہی سرور کائینات کے نام پر درود اور سلام بھیجا کریگی ذرا اور سمجھ آنے کے بعد کلمہ و درود پھر سورہ فاتحہ آیت الکرسی اور اسی طرح بتدریج تمام نماز کی سورتیں یاد کرادی جاسکتی ہیں اور بغیر بچہ کے محسوس کئے ہوئے ۴ ساڑھے ۴ سال تک نماز اسکو آجانی چاہئے بچے عموماً بہت ہی ذہین ہوا کرتے ہیں۔ اگر مائیں خود انکو ایک ایک آیت کرکے سورتیں یاد کرائیں تو ان کے تو ذہن پر کچھ بھی بار نہ پڑے گا۔ لیکن کوشش تو یہ ہے کہ نہ صرف بغیر کسی بوجھ کے ابتدائی مذہبی تعلیم دی جائے بلکہ مذہب سے متعلق احساسات نہایت ہی خوش آیند ہوں۔ اسلئے ابتدائی مذہبی تعلیم ماں کو دینی چاہئے اور شفقت مادری کی یاد کے ساتھ ملحق ہونی چاہئے۔ بچے کو سلاتے وقت لوریوں اور کہانیوں کے بعد مذہب کی اہمیت اور مذہب کے معنی بچے کو چند منٹوں کو ہر روز بتادینی چاہئے اور ایک آدھ آیت پڑھا دینی چاہئے۔ اس عمر میں بچے کو مذہب کا فلسفہ یا مسائل کی باریکیاں بتلانی نہیں ہیں کہ ماں کو عالم فاضل ہونے کی ضرورت ہو۔ صرف ایسی سیدھی سادھی باتیں کہ "اللہ میاں سب کو دیتے ہیں" اور انہوں نے ہمیں سب اچھی اچھی چیزیں دیں ہیں۔ وہ اچھی باتوں سے خوش ہوتے ہیں" وغیرہ ہی کافی ہیں۔ جس کے بعد بچے سے جو آیتیں اسکو یاد ہوئیں انکو پڑھوا کر سلا دینا چاہئے۔ دعا اور آیتوں کے متعلق اسکو بتانا چاہئے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا شکرانہ ہے۔

ابتدائی مذہبی تعلیم صرف ماں ہی اس طرح دے سکتی ہے کہ عمر بھر نہ بھولے اور اس کو دینے کے لئے کسی خاص لیاقت کی ضرورت نہیں البتہ ماں کو حقیقی معنوں میں پابند مذہب ہونے کی بے شک ضرورت ہے۔ گر اسکے اپنے دل میں مذہب کی وقعت نہیں تو وہ ہرگز بچے کے دل میں مذہب کا وقار پیدا نہیں کرسکتی۔ صحیح طریقہ سے مذہبی تعلیم کا پانا تو درکنار آجکل تو انگریزی اسکولوں میں جانے والے بچے مذہبی تعلیم سے یکسر محروم اور مذہبی روایات سے قطعی ناآشنا ہیں ان کے متعلق صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ والدین جو دنیوی تعلیم کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کرتے ہیں اور مذہبی تعلیم کی طرف سے قطعی غافل ہیں اپنے بچوں کے حق میں بہت برا کر رہے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو دنیا کی سب سے قیمتی چیز سے محروم کر رہے ہیں وہ انکو ہر وہ چیز دے رہے ہیں جس سے کہ وہ دنیا میں کامیاب ہوسکیں لیکن وہ ایک چیز نہیں بتاتے جو کہ اسوقت کام آنے والی ہے جب کہ امید بھی ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اور جبکہ دنیا تاریک نظر آتی ہے۔ ایمان خدا پر، اعتقاد رکھے رسول اور اس کے کلام پر۔ یقین اس دنیا کے بعد آخرت پر اور امید رکھنی چاہئے کہ مستقبل کتنا ہی تاریک نظر آئے۔ نیکی اور سچائی آخر میں ضرور کامیاب ہوگی۔ یہ چیزیں زندگی کے جدوجہد میں جیومیٹری اور الجبرا سے زیادہ کارآمد اور فیشن اور نمایش کے شوق سے زیادہ ضروری ہیں انکے علاوہ مذہب اور اخلاق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جو حضرات مذہب کی ضرورت تو نہیں مانتے وہ بھی اخلاق کے قائل ہیں مگر مذہب کے بغیر اخلاق کا قایم رہنا ناممکن ہے۔ شک ہو تو یورپ کو دیکھئے کہ آخری صدیوں میں مذہبی اعتقادات کمزور ہونے لگے۔ اب بیسویں صدی میں اخلاق کا معیار کس درجے پر آپہنچا ہے۔

شائستہ اختر (از لندن)

کرتے ہو تم خوشامدِ دنیا بڑھا کے ہاتھ
اللہ کی طرف نہیں اٹھتے دعا کے ہاتھ

اسلامی رواداری

(از علامہ سید خاں بہادر علامہ سید نجم الدین احمد جعفری)

نبی کریم نے اپنی زندگی میں مذہبی رواداری کا بہترین نمونہ پیش کیا چنانچہ فتح مکہ کے بعد عہد نامے مکہ کو ملاحظہ کیجئے۔ مکہ والوں میں وہ جباران قریش اور دشمنان اسلام تھے جنہوں نے تیغ وسنان سے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، جن کی زبانیں اُن پر گالیوں کی بوچھار کرتی تھیں۔ جنہوں نے انکی راہ میں کانٹے بچھائے تھے اور وعظ کے وقت آپکی ایڑیوں کو لہولہان کر دیتے تھے۔ جن کے حملوں کا سیلاب دنیا کی دیواروں سے آ آکر ٹکراتا تھا۔ جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر سینہ پر گرم پتھر رکھدیتے تھے۔ اس وقت ہزیمت خوردہ غنیم کی شکل میں آپ کے سامنے کھڑے تھے اور آپ ان سے دریافت فرمارہے تھے کہ "تم کو کچھ معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں" اشقیا اور سنگدلوں کے اس مجمع نے جواب دیا کہ "آپ شریف زادے اور شریف بھائی ہیں" ارشاد ہوا کہ "جاؤ تم پر کچھ الزام نہیں۔ تم سب آزاد ہو"

کیا اس سے بڑھکر فیاضانہ رواداری کوئی مذہب یا کوئی ہادی اپنے دشمنوں کے ساتھ روا رکھ سکتا ہے؟

حضرت عمرؓ نے بھی وہی اصول صلحنامہ بیت المقدس کے وقت پیش نظر رکھا اس معاہدہ کی رو سے غیر مسلموں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی۔ یہانتک کہ خود انکی عبادت گاہوں کی نگرانی کا فرض مسلمانوں پر عائد کیا گیا تھا مصر کی فتح کے وقت بھی اسی اصول پر عمل کیا گیا۔ اور تمام جائدادیں اور جاگیریں جو مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی تھیں اہل مصر کو واپس کر دی گئیں اور انہیں انکا مالک تسلیم کر لیا گیا۔ یہیں پر ایک اور تاریخی واقعہ قابل ذکر ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ

یں حمص کے فتح ہونے کے چھ ماہ بعد جب مسلمانوں کو بعض انتظامی مصلحتوں کی وجہ سے اپنی فوج وہاں سے ہٹانی پڑی تو وہاں کے عیسائیوں اور یہودیوں کو یہ شبہ ہوا کہ شاید مسلمان ان کا ملک چھوڑ رہے ہیں۔ انھوں نے رو رو کر ان سے التجا کی کہ خدا کے واسطے ہمیں رومن ظالموں کے پنجوں میں نہ پھنساؤ۔ حالانکہ رومی انہیں کے مذہب کے تھے اتنی ہی قلیل مدت میں مسلمانوں کے طرز حکومت و اخلاق نے حمص کے باشندوں پر جو اچھا اثر ڈالا تھا اور جس نے انہیں مجبور کیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے رو رو کر شہر نہ چھوڑنے کی التجا کریں مسلمانوں کے حکومت کے فطری اصول کا ایک ادنیٰ مظاہرہ تھا۔

اسلام مذہب میں جبر کی قطعاً اجازت نہیں دیتا بلکہ سختی سے ممانعت کرتا ہے قرآن میں میں ایک جگہ سے زیادہ اس مسئلہ پر صاف صاف احکام موجود ہیں مثلاً۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (مذہب میں جبر و اکراہ نہیں ہے کیونکہ روشنی تاریکی سے از خود متمیز ہو سکتی ہے) ایک اور جگہ ہے لکم دینکم ولی دین (تمہارے لئے تمہارا مذہب اور ہمارے لئے ہمارا مذہب) ان چند الفاظ میں تو فی الحقیقت قرآن نے اسلام کی تعلیم کی سچی روح پیش کر دی ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کی۔ ایک اور جگہ اس سے زیادہ صاف الفاظ میں کہا گیا ہے۔

نحن اعلم بما یقولون وما انت علیھم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔ ہم جانتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں مگر انہیں جبر سے کوئی بات قبول نہ کراؤ۔ قرآن انکے سامنے پیش کرو اس کے محاسن یقیناً ان کے دل میں گھر کریں گے)

اسلام کے ان اصولوں کی نبی کریم پوری پیروی فرماتے تھے۔ چنانچہ اسلامی فوجیں جب جنگ پر جاتی تھیں تو آپ ان الفاظ میں ہدایت کرتے تھے "دیکھو کسی کے مذہب کی تحقیر نہ کرنا اور کسی شخص کی امانت میں خواہ وہ کسی مذہب کا کیوں نہ ہو خیانت نہ کرنا اگر تم نے ایسا کیا تو میں حشر کے دن اس کے طرف سے تم سے مواخذہ کرونگا"

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر پھر اسلامی لڑائیاں کیوں ہوئیں ؟ اسلامی تاریخ ہی کا مطالعہ اس سوال کا بھی جواب دے سکتا ہے۔ ان لڑائیوں کا اصل مقصد جبر و استبداد نہ تھا انکا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی نصیب ہو۔ تاریخ اسلامی کا مطالعہ ہر منصف مزاج شخص پر یہ امر واضح کر دیگا کہ نبی کریم اور انکے چند جانشینوں کے زمانے میں جتنی لڑائیاں ہوئیں وہ مدافعانہ تھیں یہ واقعہ ہے کہ نبی کریم اور انکی مختصر جماعت نے کفار کے ہاتھوں سخت سے سخت مصیبتیں اٹھائیں اور اُف نہ کی یہی نہیں آپکو مجبور ہو کر اپنے عزیز وطن سے ہجرت کرنی پڑی اور ایک غیر مقام پر رہنا پڑا یہی نہیں آپ کے ہم وطنوں نے آپ کو چین لینے نہ دیا۔ اور آپ کی مذہبی تلقین میں مانع اور جان کے درپے ہوئے۔ اندریں حالات جنگ میں شرکت ناگزیر ہو گئی۔ جنگ بدر میں حملہ آوروں کی تعداد ایک ہزار تھی مگر مسلمان صرف تین سو بارہ تھے جن کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔ اور چند اونٹ، کچھ تلواریں اور کچھ کھجور کی لکڑیاں تھیں۔ برخلاف اسکے حملہ آور ہر طرح کسے آلات جنگ سے مسلح تھے اسکے باوجود حق کی فتح ہوئی۔ تقریبًا یہی حال بعد کی دیگر جنگوں کا بھی تھا۔

ان تعلیمات کا یہ نتیجہ تھا کہ قرن اولیٰ کے مسلمان جہاں جہاں گئے انھوں نے دوسروں کے مذہب کی حرمت کی اور کبھی کسی کو جبرًا مسلمان نہ کیا۔ لین پول لکھتا ہے کہ عربوں کو اسپین فتح کرنے کے بعد اسپین والوں سے کوئی دقت نہیں پیدا ہوئی۔ اسپین والے انکے عہد میں اس سے زیادہ قانع تھے جتنا کہ اپنے ہم مذہبوں کے عہد میں اسکی وجہ یہ تھی کہ جہاں یونان یہودیوں کو تبدیل مذہب کرنے کے لئے طرح طرح ایذائیں دیتے تھے۔ مسلمانوں نے انھیں اپنے مذہبی ادائیگی کیلئے آزاد چھوڑ دیا "سی۔ ایچ بیکر بڑا مصنف جو خود بھی عیسائی ہے لکھتا ہے کہ عیسائیوں کی اس گھڑی ہوئی کہانی پر توجہ نہ کرنی چاہیے کہ مسلمانوں نے اپنا مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا کیونکہ یہ بالکل واقعہ کے خلاف ہے"

بنی امیہ کے حکمران منصور اور مہدی کے بارے میں فلبی لکھتا ہے کہ" انھوں نے کبھی کسی

قسم کا تعصب غیر مسلموں کے ساتھ نہیں برتا۔ اور ہارون رشید کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ انہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ وہ اپنا لباس مسلمانوں سے جدا رکھیں تاکہ وہ اگر شراب پیتے ہوں یا ایسا کوئی کام کرتے ہوں جو ان کے مذہب میں جائز ہے تو پولیس مسلمان سمجھ کر ان کو گرفتار نہ کرے" ہاروں رشید کے وقت شارلنگ Sharling کی طرف سے ایک وفد آیا کہ بیت المقدس کے زیارت کے لئے جو عیسائی جاتے ہیں انکو خاص سہولتیں دیجائیں۔ ہاروں رشید نے سب منظور کر لیا اور جواہرات سے ہدیہ کے ساتھ انکو واپس کر دیا۔

رچارڈ ڈاوے لکھتا ہے کہ عیسائیوں کا دستور تھا کہ جہاں جہاں مسلمانوں کو گرفتار کرتے تھے انکو قتل کر ڈالتے تھے یا طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے۔ اور اکثر انکی پگڑیوں کو سروں میں کیل سے ٹھوک دیتے تھے۔ لیکن برخلاف اسکے ترکی سلطان اپنے قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کرتے تھے چنانچہ محمد ثانی کے بارے میں لکھا ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ کسی جگہ اتنا اچھا برتاؤ نہیں ہوتا تھا جتنا محمد ثانی کے عہد میں"

دور کیوں جایئے خود ہندوستان کی حالت دیکھئے تو میں چالنج کرتا ہوں کہ کوئی شخص ثابت کر دے کہ ہندوستان میں ایک جنگ بھی اسلئے کی گئی کہ تلوار سے اسلام پھیلایا جائے بھلا یہ ہو سکتا تھا۔ کہ ٹھاکر اور برہمن ایسی مغرور قومیں دباؤ سے اپنا مذہب چھوڑ دیں اور جوق جوق اسلام میں آجائیں میریڈتھ ٹاون سنڈ سچ کہتا ہے کہ انسان اتنا کمینہ نہیں ہے کہ اتنا بڑا دباؤ برداشت کر سکے فی الحقیقت یہاں اسلام علما صلحا اور صوفیائے کرام کی وجہ سے پھیلا جن میں خاص طور پر قابل ذکر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ ہیں سلطنت نے کبھی اسکی طرف توجہ نہ کی بلکہ برخلاف اسکے ٹامسر و اور ڈیلا دیلے کہتے ہیں کہ "جہانگیر مذہب کو تبدیل کرنے والوں کو پسند کرتا تھا۔ چنانچہ ڈیلا ویلے کا پارسی نوکر اس لئے مسلمان ہو گیا کہ بادشاہ خوش ہوگا۔ مگر جہانگیر نے جب سنا تو اسکو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا،

فی الحقیقت بہت سے مسلمان بادشاہوں نے ہندو مندروں میں برابر جاگیریں دیں میں نے خود اورنگ زیب کے فرمان اجودھیا میں دیکھے ہیں اور آج بھی ایک چھوٹی سی سلطنت جو مغلوں کی یادگار ہے یعنی حیدرآباد اسمیں مسلمانوں سے کہیں زیادہ جاگیریں ہندوں کو ملی ہوئی ہیں۔ خاصکر انکے منادر اور دوسرے مذہبی کاموں کے لئے۔ ڈاکٹر سی پرشاد اپنی کتاب تاریخ جہانگیر میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں بڑی بڑی رواداری برتی اور مذہبی آزادی دی۔ محمد بن قاسم کا عہد حکومت اس لحاظ سے ایک زرین عہد تھا اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہاں ان سب بادشاہوں کے عہد میں قطعی مذہبی آزادی تھی ریورنڈ ایڈورڈ ڈیٹری ایک عیسائی سیاح لکھتا ہے کہ "جہانگیر اور شاہجہاں اپنی مسلم اور غیر مسلم رعایا میں کسی قسم کا فرق نہیں کرتے تھے۔ اور جب میں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوتا تھا تو مجھے باپ کہہ کے پکارتے تھے"

میریڈیتھ ٹاؤسنڈ ایک دیگر مصنف اپنی کتاب ایشیا اور یورپ میں لکھتا ہے کہ "ہندوستان میں اسلام کے پھیلنے کی وجہ مذہب سے عقیدت تھی اور انگلستان میں یہ جو عام خیال ہے کہ ہندوستان میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا صریح غلط اور بے بنیاد ہے جسطرح چین افریقہ اور اسپین میں اسلام محض تبلیغ سے پھیلا اسی طرح ہندوستان میں بھی پھیلا"

دہلی مسلمانوں کا دارالسلطنت قریب سات سو برس کے رہا لیکن آجتک دہلی اور مضافات میں ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں سے ہمیشہ زیادہ رہی ہے اور اب بھی ہے۔ اگر مسلمانوں نے تبدیل مذہب کے لئے کسی قسم کا تشدد کیا ہوتا تو آج دوسرا ہی سماں نظر آتا۔ فی الحقیقت شبلی کا یہ شعر ہمارے اس دور حکومت پر پورا پورا صادق آتا ہے ؎

کبھی ہم نے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پر
مگر وہ حکمرانی جس کا سکہ جان و دل پر تھا

(از محمد اسد خاں صاحب اسد ملتانی بی اے)

دل اے مسلم ترا اس عشق کا نخچیر ہو جائے
کہ جس سے کائنات دو جہاں تسخیر ہو جائے

ہے یہ بھی ایک مظہر رحمۃ للعالمین کا
پھر اسلامی اخوت کیوں نہ عالمگیر ہو جائے

نبی کا اسوۂ حسنہ تجھے یہ درس دیتا ہے
کہ تیری زندگی قرآن کی تفسیر ہو جائے

مسلمانوں کی ذلت دیکھکر دل کانپ جاتا ہے
کہیں دنیا میں دین حق نہ بے توقیر ہو جائے

تری کوتاہیوں سے قول حق پر حرف آتا ہے
دعائے مرد مومن اور بے تاثیر ہو جائے

دکھا وہ گرمی رفتار میدان محبت میں
ترے نقش قدم کی خاک بھی اکسیر ہو جائے

وہ تسلیم و رضا جس سے عمل میں جان پڑتی ہے
قیامت ہے کہ تیرے پاؤں کی زنجیر ہو جائے

تری یہ شان ہے دنیا میں اے اللہ کے نائب
تری تدبیر دست و بازوئے تقدیر ہو جائے

اسد ایسا مصنف کم نہیں مرد مجاہد سے
کہ جس کے ہاتھ میں آکر قلم شمشیر ہو جائے

اسوۂ حسنہ

(از امجدی بیگم صاحبہ منصوری ادیب عالم)

یوں تو قرآن کریم میں اور انبیائے کرام کی زندگیوں کو بھی سراہا گیا ہے مگر اللہ نے انکی زندگی کو تمام بنی نوع انسان کیلئے نمونہ اور مرکز قرار نہیں دیا پہلے انبیا اپنی اپنی امت کی رہنمائی اور خاص خاص مفاسد کی اصلاح کیلئے آئے اور خاص ہی خاص پہلوؤں پر روشنی ڈالتے رہے کسی نے چرندو پرند اور جن وانس پر حکومت کی کسی نے فقر و فاقہ میں زندگی بسر کر کے انتہائے صبر و تحمل کا نمونہ پیش کیا اور کسی نے تیغ جلال بنکر جہاد کا فرض ادا کیا مگر آخر کار غار حرا سے ایک ایسا آفتاب طلوع ہوا جس کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔ یہ ذات اپنے انبیائے متقدمین کی تمام صفات کا مجموعہ تھی حضرت یوسف کی حیا بھی تھی اور حضرت ایوب کا صبر بھی حضرت ابراہیم کی توحید پرستی بھی تھی اور حضرت عیسیٰ کا حلم و بردباری بھی جب ایک ذات اسقدر متعدد صفات کی جامع ہوئی تو بعثت انبیا کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور آپ ختم المرسلین ہوئے۔ رسول کریم کی زندگی فقیری سے لیکر شہنشاہی تک کے تمام مدارج پر حاوی ہے اور خانہ داری سے لیکر اہتمام سلطنت تک انسانی زندگی کا کونسا شعبہ ہے جسپر اسوہ نبوی نے بے نظیر روشنی نہیں ڈالی ہو اللہ نے آپکو اپنے کلام کی مکمل و اکمل تصویر بنا کر بھیجا تھا جس نے بنی نوع انسان کو قیامت تک فراموش نہ ہونے والا پیغام دیا آپکا ہر ایک عمل قرآن کے تحت میں تھا۔ یعنی قرآن اور محمدؐ ایک ہی حقیقت کے دو رخ تھے ایک علم اور دوسرا عمل ایک آفتاب اور دوسرا اسکی تجلی۔ اور آپ علم بھی وہ علم تھا کہ جب آپکو کتاب دیگئی اور کہا گیا کہ پڑھو تو آپ نے جواب دیا کہ "میں ناخواندہ ہوں اور نہیں پڑھ سکتا" اسپر کہا گیا کہ اپنے خالق کا نام لیکر پڑھو اس کے بعد حضور کو وہ علم بخشا گیا جو پہلے کسی انسان کو نصیب نہیں ہوا تھا اور یہ

علم انکے عمل کا رہنما تھا جب خدا کے اس آخری پیغام رساں نے اعلان حق کیا تو ہیر تمسخر و استہزا کیا گیا اور پھر جب رفتہ رفتہ یہ تحریک ربانی بڑھی تو ترغیب و تحریص کا آغاز ہوا تو رسول نے کہا اگر تم میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج رکھدو تب بھی میں اعلان حق کو نہیں چھوڑونگا اس کے بعد ایذا و تشدد کا دور شروع ہوا اور یہ سلسلہ قاتلانہ حملوں تک پہنچا۔ مگر وہ منظر بھی کیا عجیب ہوگا جب حضور نے اپنے اقربا کو جمع کیا اور انکو پیغام الہی سنایا اور ان سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی ہے جو میرے ساتھ ہو" اسوقت تمام مجلس میں سکوت چھا گیا۔ لیکن طلسم سکوت کو یک بیک جناب علی مرتضیٰ کی پر جوش آواز نے توڑا انہوں نے کہا" یا رسول اللہ میں حاضر ہوں" اسی مجلس میں ابو طالب بھی موجود تھے جنکے سامنے کسی کو لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی لیکن ایک امی اور ایک نوعمر لڑکے کا عرب کے مروجہ قوائد کو پیغام جنگ دینا تمام مجمع کو مضحکہ خیز معلوم ہوا سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ مگر یہ خندہ بہت جلد تردد کی صورت میں بدل گیا اور آنحضرت پر خوفناک مظالم شروع ہوئے جسکو وہی ذات برداشت کر سکتی تھی۔ دنیا میں ہر انسان تشدد اور سخت کلامی سے بقدر اپنی ذکاوت حس متاثر ہوتا ہے۔ لیکن وہ ہستی جس کی ذکاوت حس کا یہ عالم تھا کہ دوسروں کے جذبات و احساسات کو خفیف سے خفیف ٹھیس پہنچانا بھی آپکو ناگوار تھا اور پاس خاطر کا اسقدر خیال رکھتے تھے کہ ہمیشہ سلام اور مصافحہ میں تقدیم آپ کا شعار تھا آپ سائل کا سوال رد نہ کرتے تھے اور اگر کچھ پاس نہیں ہوتا تھا تو اس طرح عذر خواہ ہوتے تھے جیسے گویا آپنے قصور کیا ہے اور معافی مانگ رہے ہیں۔ رحم کا یہ حال تھا کہ جب کوئی قصوروار آپسے عفو کا طالب ہوتا تھا تو خود آپکی گردن مبارک شرم سے جھک جاتی تھی۔ اس وضع کی حساس طبیعت کو ذراسی بے مہری بھی درد و کرب میں مبتلا کرنے کے لئے کافی ہے لیکن اشاعت دین کے لئے جو تکلیفیں آپکو اٹھانی پڑی ہیں آپنے سبکو برداشت کیا اور ماتھے پر شکن نہیں پڑی قوم نے آپکو گالیاں دیں۔ آپکے راستے میں کانٹے بچھائے جسم مبارک پر نجاستیں ڈالیں۔

ابولہب آپ کا چچا تھا جس نے آپ کی پیدائش پر اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کیا تھا مگر اب وہی چچا آپ کا بدترین دشمن تھا اور چچی کا یہ عالم تھا کہ بھتیجے کی راہوں میں کانٹے بکھیر دیتی تھی مگر منزل حق کے رہ نوردی کی آبلہ پائی کے لئے یہی فرش موزوں تھا آپ بغیر شکوہ وشکایت کے اپنے پیروں سے بھی کانٹے نکالتے اور دوسرے راہ گیروں کے راستے سے بھی کانٹے ہٹا دیتے تھے۔

اپنے اقرباسے کم وبیش ہر شخص کو محبت ہوتی ہے اور پھر رسول پاک جیسا دردمند انسان جس کی آنکھیں اغیار کی تکلیف پر برس پڑتی تھیں اسکو اپنوں سے کتنی محبت نہ ہوگی اس نازک وقت پر اپنے عزیزوں کی کج ادائی آپ کے شفیق ورحیم دل کے لئے کیسی صبر آزما تھی مجنون ساحر اور شاعر کے آوازے کسنے والی جماعت آپ کے ساتھ رہتی تھی ایک روز جب آپ کعبہ میں مصروف نماز تھے تو عقبہ نے آکر گردن مبارک میں ایک کپڑا ڈالا اور بڑی سختی سے حضور کا گلا گھونٹنا شروع کیا لیکن آپ بارگاہ الٰہی میں اطمینان کے ساتھ سجدہ ریز رہے۔ آپ کے علم وتحمل نے اس تمام سامان عذاب عقوبت کو شکست دی اور ثابت کر دیا کہ ظلم کرنے والے مظلوم سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں رسول نے تسلیم ورضا کی جو شان دکھائی ہے اسکے لئے اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہدے کہ بیشک میری نماز اور میری عبادت اور میری زیست اور میری موت سب رب العالمین کی راہ میں ہیں جس کا کوئی شریک نہیں مجھے اس کا حکم دیا گیا اور میں اُس کے فرمانبرداروں میں پہلا فرمانبردار ہوں
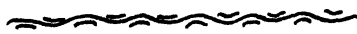
چولی دامن کا رشتہ

مسلمانو! تمھاری بیبیاں تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو (البقر) اس کے مفہوم کو مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم نے اپنے بامحاورہ ترجمہ میں یوں ادا کیا ہے کہ "مسلمانو! تمھاری بیبیاں تمھارے دامن ہیں اور تم ان کی چولی ہو"۔ انیس نسواں کا سرورق ہر ماہ اسی ترجمہ سے مزین ہوتا ہے اور مسلمانوں کو رفاقت کے اس رشتہ کی طرف متوجہ کرتا رہتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی میں روز ازل سے قائم فرما دیا ہے۔ حضرت آدم کو جب بہشت میں رہنے سہنے کی اجازت ہوئی تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے آدم! تم اور تمھاری بی بی بہشت میں چین سے رہو سہو اور جہاں کہیں سے تمھارا جی چاہے کھاؤ پیو مگر اس درخت کے قریب نہ جانا۔ اگر ایسا کرو گے تو یاد رکھو کہ تم ہی کو خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

چنانچہ جب نافرمانی کی سزا ملی تو دونوں کو ملی۔ دونوں کو حکم ہوا کہ تم بہشت میں سے نکل جاؤ۔ تم تو خود ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک دوسرے کو کاٹے کھاتے ہو۔ تمھارا یہاں ٹھکانا نہیں۔ چلو تم اب زمین پر جا کر آباد ہو اور وہاں تمھارا ایک وقت خاص تک ٹھکانا ہوگا۔ زندگی بسر کرنے کے لئے تمھاری ضروریات کا سامان بہم پہنچا دیا جائے گا۔" حضرت آدمؑ کی توبہ جب قبول ہوگئی تو پھر یہ ارشاد ہوا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ اور یاد رکھو کہ اگر ہماری طرف سے تم لوگوں کے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو اُس کی تعمیل کرنا۔ یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ ہمارے حکم بجا لائیں گے تو آخرت میں اُن کو کوئی خوف وخطر نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہوں گے۔ لیکن جو لوگ ہماری نافرمانی کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے تو ان کو یہ سزا دی جائے گی کہ وہ دوزخ میں رہیں۔ دوزخ ہی ان کا مستقل ٹھکانا ہوگا۔" (البقر)

یہ چولی دامن کا ساتھ روز ازل سے ہی شروع ہوا تھا۔ لیکن مردوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مطلق پروانہ کی اور اس رشتہ رفاقت کی قدر نہ کی۔ عورت کو رفاقت کے قابل ہی نہ سمجھا گیا جس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہاتھ مفلوج ہوکر بیکار رہ گیا اور صدیوں تک دنیا نے اس عضوِ معطّل کی خبر نہ لی۔

یہ تو قرآن مجید کا اعجاز تھا کہ مدتوں کی ایک بیکار چیز کو جو مرد کی غفلت سے گلدستۂ طاقِ نسیاں ہو چکی تھی۔ پھر قعرِ پستی سے نکال کر مرد کے پہلو بہ پہلو جگہ دی۔ یہ ایک کھُلی ہوئی حقیقت ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا نے جس حقارت اور ذلّت سے عورت کو دیکھا اس کا دُہرانا بھی ہمارے لئے ناگوار ہے۔ انتہائی تحقیر و تذلیل کے اظہار کے لئے فقط یہی بیان کر دینا کافی ہے کہ عورت کی ہستی اسقدر ناپاک متصور ہوتی تھی کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت سے بھی جبرًا محروم کر دی گئی تھی۔ کیا مجال کہ وہ اپنے رب کو ایک سجدہ کر سکے۔ مگر قرآن نے دنیا پر واضح کر دیا کہ خدا نے نوعِ انسانی کو مرد اور عورت کی دو جنسوں میں تقسیم کر دیا ہے اور دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی اپنے اپنے فرائض اور اپنے اپنے اعمال رکھتے ہیں کارخانہ معیشت کے لئے جس طرح ایک جنس کی ضرورت تھی ٹھیک اسی طرح دوسری جنس کی بھی ضرورت تھی۔ انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے یہ دو مساوی عنصر ہیں جو اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک مکمل زندگی وجود میں لائیں۔ البتہ اللہ نے ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں فضیلت دی ہے اور ایسی ہی فضیلت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے۔ مرد عورتوں کی ضروریاتِ زندگی کے قیام کا ذریعہ ہیں اس لئے مرد کو عورت کا گارڈین یعنی محافظ و سربراہ قرار دیا۔

پھر قرآن عورتوں کو یہ تسلی دیتا ہے کہ عورتیں اس خیال سے دلگیر اور آزردہ نہ ہوں کہ وہ مرد نہ ہوئیں۔ اور مردوں کے کام ان کے حصہ میں نہ آئے۔ وہ یقین کریں ان کے لئے بھی عمل و فضیلت کی ساری راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ چولی دامن کا ساتھ ایسا نہیں ہوتا کہ الگ ہو سکے۔ اگر یہ رشتہ منقطع ہوا تو چولی اور دامن دونوں بیکار۔ نہ تو دامن ہی چولی کے بغیر کار آمد ہے اور نہ چولی بغیر دامن کے کام کر سکتی ہے چولی دامن مل کر ہی ایک مکمل چیز بنتی ہے۔ اور ان کی متفقہ کوشش ہی منشائے الٰہی کے اس مقصدِ عظیم کی تکمیل کر سکتی ہے جو صانعِ حقیقی کو عورت اور مرد کی خلقت سے مقصود تھا۔ چولی دامن کے رشتہ سے دو زندگیاں ایسی وابستہ اور مربوط ہوتی ہیں گویا یہ سمجھنا چاہئیے کہ دو جسموں میں ایک روح ہوتی ہے۔ کارزارِ حیات کی کٹھن منزل کو طے کرنا اور اس کی ذمہ داریوں اور دشواریوں کے بوجھ کو کامیابی کے ساتھ

اٹھانا چولی دامن کے اتفاق و اتحاد پر موقوف ہے۔ دنیا و دین میں کامیابی چولی دامن کی متفقہ کوشش پر منحصر ہے۔ اس رشتہ رفاقت کو زیادہ استوار و مضبوط بنانے کے لئے ارشاد ربانی ہے :-

مسلمانو! ہم نے تمھارے لئے تمھاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کی ہیں۔ تاکہ تم کو ایک دوسرے سے تسکین ہو اور راحت ملے۔ اور تم میاں بیوی میں ہم نے محبت و اخلاص بھی پیدا کر دیا (تاکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری کرتے رہو) جو لوگ سوچ اور سمجھ سے کام لیتے ہیں اور قرآن کے احکام پر غور و فکر کرتے ہیں تو ان کے لئے انہی آیات میں خدا کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں (الروم)

قرآن مجید کے انہی احکام کا نتیجہ تھا کہ مرد عورت کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور صحیح معنوں میں اس کو رفیقہ حیات قرار دیا۔ عورت نے اپنی قدر افزائی دیکھی تو ہر طرح سے رفیقہ حیات بن کر دکھایا۔ کہاں کہاں کام نہ آئی۔ کس کس جگہ حق رفاقت نہ ادا کیا۔ کیا کیا افتاد نہ جھیلی۔ میدان جنگ اور کارزار ہستی میں مرد کی رفاقت کا پورا حق ادا کیا۔ جان و مال سے دریغ نہ کیا ایثار میں مرد سے کبھی کم نہیں رہی۔ مرد اگر میدان جنگ میں جا کر اللہ کی راہ میں جانیں قربان کرتے تھے تو عورتیں ان کے پیچھے ان کے گھر بار اور مال کی پوری حفاظت کرتی تھیں اور شوہر کی سب ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر مردانہ وار اٹھاتی تھیں۔ بچوں کی تربیت خالص اسلامی رنگ میں ایسی رنگ دیتی تھیں کہ خالد بن ولید اور محمد بن قاسم کی یاد اب بھی مسلمانوں کو تڑپا دیتی ہے۔ ایسی ایسی بھی تو مائیں تھیں جنہوں نے قوم کو ایسے ایسے لال دئے جن پر اسلام قیامت تک فخر کرے گا۔

اپنے اہم فرائض کو انجام دینے کے بعد اگر کچھ وقت بچ رہتا تھا تو سر بکف ہو کر میدان جنگ میں بھی پہنچ جاتی تھیں۔ وہاں بھی بیبیوں کام کرتی تھیں جن کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ افسردہ دلوں کو ہمت بندھاتی تھیں شکستہ دلوں کو تسکین دیتی تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کر کے ان کو پھر میدان جنگ کے لئے تیار کرتی تھیں۔ غرضیکہ ہر جگہ رفاقت کا حق ادا کیا۔

چولی دامن کا رشتہ تو اب بھی میاں بیوی کے دم کے ساتھ ہے مگر دونوں میں سے کسی کو اس رشتہ کی

قدر معلوم نہیں۔ اسلام کے نام لیوا اب بھی موجود ہیں۔ ان ماؤں کی بیٹیاں بھی موجود ہیں مگر وہ روح نہیں رہی جس نے اس رشتہ کو استوار کر دیا تھا۔ اس چولی دامن کے ساتھ نے دنیا کو کیا کیا نہ دکھا دیا۔ اب بھی گذشتہ عظمت کی قصیدہ گوئی اور اس کے جاتے رہنے پر مرثیہ خوانی نہ کی جائے تو کھوئی ہوئی چیز تلاش سے پھر مل سکتی ہے۔ زبانی جمع خرچ سے نہ ملے گی۔ بیکار رونے دھونے سے نہ ملے گی۔ صرف ہمت اور استقلال سے فوراً کھڑے ہو جانے کی ضرورت ہے۔ سرچشمۂ ہدایت ہمارے پاس ہے ہر گھر میں ہے۔ پہلے تو کہیں اونٹ کی ہڈیوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر تھا۔ اب تو کئی کئی رنگوں میں سنہری اور روپہلی حروف میں مزین اور مطلّٰی موجود ہے۔ مگر پہلے ہر مسلمان کے جسم میں بلکہ رگ رگ میں اس کی روح سرایت کئے ہوئے تھی۔ اب جھلاتے ہوئے جزدانوں میں اک زینت محفوظ ہو کر رہ گئی ہے یہ خوبصورت اور رنگین کتاب سنہری جلد والی لڑکیوں کو جہیز میں دے کر والدین کس قدر اطمینان کا سانس لیتے ہیں کہ ایک بوجھ تھا جو ہلکا ہو گیا۔ مسلمان قرآن مجید کے اوراق کی ہوائیں بہت لے چکے۔ برکت و ثواب کے ڈھیر جمع کر چکے۔ لاکھوں دلوں میں محفوظ ہو چکا۔ ہر ماہ صیام میں کئی کئی ختم کرا چکے۔ اسلام کی نقل اک دنیا کو دکھا چکے۔ اپنی ترقئ معکوس سے غیر اقوام کے طعنے سُن چکے۔ نعوذ باللہ قرآن کی بے تاثیری کی تشہیر بھی کر چکے۔ مسلمان اگر دل سے چاہتے ہیں کہ اسلام پھر زندہ ہو تو قرآن پر عمل شروع کریں زمانۂ جاہلیت کے بعد قرآن کے عمل ہی نے عرب کے بادیہ نشینوں میں وہ روح پھونک دی تھی جس پر قیامت تک مسلمان فخر کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس چولی دامن کو جس رنگ میں رنگ دیا وہ اللہ کا اپنا رنگ تھا۔ خداوند کریم خود فرماتا ہے کہ اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے۔ پہلی صدی کے مسلمان سب اسی رنگ میں رنگے جاتے تھے اُن کا جینا اُن کا مرنا غرض ان کی ہر بات اللہ ہی کے لئے ہوتی تھی۔ اس رنگ میں رنگے جانے کے لئے کوئی امتیاز نہ تھا۔ مسلمانوں کی ہر کامیابی کا راز اسی رنگ میں مضمر تھا۔ اسی رنگ نے مسلمانوں کو دوسری قوموں سے ممتاز کر دیا تھا۔ اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے مسلمان روئے زمین پر حکومت کرنے کے قابل سمجھے گئے تھے۔ اس رنگ میں رنگے ہوئے مسلمانوں کا اک ایسا ممتاز کیریکٹر بن جاتا تھا جس کی

شان امتیازی ہی الگ ہوتی تھی۔

مفصلۂ ذیل آیتہ میں ان خصائل کا ذکر ہے جن میں چولی اور دامن رنگے جاتے تھے۔

بیشک	مسلمان مرد	اور	مسلمان عورتیں
۲	ایمان والے مرد	اور	ایمان والی عورتیں
۳	فرمانبردار مرد	اور	فرمانبردار عورتیں
۴	سچ بولنے والے مرد	اور	سچ......بولنے والی عورتیں
۵	صبر کرنے والے مرد	اور	صبر کرنے والی عورتیں
۶	عجز وخاکساری کرنیوالے مرد	اور	عجز وخاکساری کرنیوالی عورتیں
۷	خیرات کرنے والے مرد	اور	خیرات کرنے والی عورتیں
۸	روزہ رکھنے والے مرد	اور	روزہ رکھنے والی عورتیں
۹	اپنی عصمت کی حفاظت کرنیوالے مرد	اور	اپنی عصمت کی حفاظت کرنیوالی عورتیں
۱۰	خدا کی یاد میں رہنے والے مرد	اور	خدا کی یاد میں رہنے والی عورتیں

بیشک ان سب کے لئے بڑے بڑے انعام ہیں اور اُن کے سب گناہ بھی معاف کر دئے جائیں گے۔

یہ تھیں وہ دس صفات جو ہر مسلمان میں خواہ عورت ہو خواہ مرد اک شان امتیازی ویگانگت پیدا کر دیتی تھیں۔ مساوات کی روح اور رفاقت کی شان کس خوبی سے اس آیتہ پاک میں جھلک رہی ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیتہ میں مرد اور عورت میں رفاقت کا رشتہ قائم رکھتے ہوئے مساوات کو برابر ملحوظ رکھا ہے ان خوبیوں کے حاصل کرنے کا حق مرد اور عورت دونوں کو بلا امتیاز حاصل ہے۔ وہ اخلاق یہی تھے جنہوں نے عرب کے وحشی انسانوں میں اخلاق اسلامی کی روح پھونک دی تھی۔

مسلمان خواتین اگر غور کرکے دیکھیں گی تو ان اخلاق کا حاصل کرنا کچھ مشکل بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو خود فرماتا ہے کہ ہم کسی کو ایسی تکلیف نہیں دیتے جو وہ برداشت نہ کر سکے۔

مسلمان خواتین اگر قرآن کو طوطے کی طرح پڑھنے کی بجائے اُس کے مطالب پر غور وفکر کرنے کی

عادت ڈال لیں یعنی جب تک کسی آیتہ کا مطلب بالکل صاف طور پر سمجھ میں نہ آجائے اس آیتہ کے ترجمہ کو بار بار پڑھتی جائیں تو قرآن پر عمل کرنا آسان ہوجائے گا۔ ہم دنیا کے دھندوں میں اگر گیارہ گھنٹے صرف کرتے ہیں تو کیا ہم ایک گھنٹہ بھی اپنے پروردگار کے کلام پاک اور احکام کے سمجھنے میں صرف نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں چولی اور دامن کے فرائض یوں واضح فرمائے ہیں۔

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور لوگوں کو نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں۔ بیشک ایمان والے مرد اور ایمان والی عورت کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو بہشت میں جگہ دے گا۔

مسلم خواتین اگر دل سے اسلام پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کو یہ بھی یقین ہونا چاہئیے کہ خدا ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ وہ ہماری ہر بات کو سُنتا ہے اور ہر کام کو دیکھتا ہے۔ ہماری کوئی بات اس سے چھپی نہیں رہ سکتی وہ دلوں کے حال بھی جانتا ہے۔ اس لئے ہم جو کچھ کریں یا اپنی زبان سے کہیں تو دل میں یہ یقین رکھیں کہ خدا برابر دیکھ رہا ہے۔ اگر ہم برائے نام مسلمان نہیں تو ہم کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئیے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ کو ہر وقت خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم واقعی کسی زبردست ہستی پر ایمان رکھتے ہیں تو کیا یہ ہمارا فرض نہ ہونا چاہئیے کہ ہم اس کا حکم بجا لائیں اور اپنے فرائض کو خلوص سے سرانجام دیں۔

مندرجہ بالا آیات سے صاف واضح ہے کہ مرد اور عورت کی رفاقت قائم کرنے سے اللہ تعالےٰ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں دونوں نہ صرف خود نیک کام کریں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی نیک کام کرنے کی ہدایت کریں۔ مرد اگر مردوں کو نیک کام کرنے کی رغبت دلائیں تو عورتوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ دوسری عورتوں کو نیک کام کرنے کی ہدایت کریں اور بُرے کاموں سے روکیں۔ اب مسلمان عورتیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کریں اور دیکھیں کہ وہ کہاں تک اس حکم کی تعمیل کرتی ہیں کبھی اُن کو خیال بھی آیا کہ خداوند کریم کے اس ارشاد سے کیا غرض ہے۔

آیتہ کا ترجمہ بہت صاف ہے۔ اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں ہے مسلمان عورتوں کو صریح

حکم دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو نیک کام کرنے کی ہدایت کریں اور برے کاموں سے روکیں۔ کیا کبھی مسلمان خواتین نے اپنے گھر میں اس حکم کی تعمیل کی؟ کیا اپنے محلہ کی عورتوں کو انہوں نے کبھی نیک کام کرنے کی ہدایت کی اور برے کاموں سے روکا۔ کیا کبھی انھوں نے محلہ کی عورتوں کو سمجھایا کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور ان کے حکم مانیں اور برے کام نہ کریں۔ اگر پڑھی لکھی مسلمان خواتین اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اپنے اپنے محلہ کی اصلاح کی کوشش شروع کر دیں۔ جاہل اور اَن پڑھ عورتوں کو بھی خدا کے بتائے ہوئے رستہ کی طرف رہنمائی کریں اور اُن کو بھی اپنے فرائض سے آگاہ کریں تو مسلمانوں میں جہالت کا نام بھی نہ رہے تعلیم عام ہو جائے۔ ہر گھر میں اسلام کا نور جگمگاتا نظر آئے۔ بچوں کی تربیت بھی اسلامی رنگ میں ہو۔ اگر چولی اپنے فرائض سنبھالے اور دامن اپنے تو اس رفاقت پر ہر طرف سے تحسین کے پھول برسنے لگیں۔ اللہ کا وعدہ تو آج بھی خلافت کا تاج مسلمانوں کے سر پر رکھدے مگر مسلمان اس تاج کی لاج رکھنا بھی تو سیکھ لیں ✦

محمد اکرام

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے

کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے

سینہ ہے تیرا امیں اُس کے پیامِ ناز کا
جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

اب تلک شاہد ہے جس پر کوہ فاراں کا سکوت
اے تغافل پیشہ! تجھکو یاد وہ پیماں بھی ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

(علامہ اقبال رح)

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو

دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر
جو اہل ہیں اس کے اُن کی تعظیم بھی کر

"ذہنیت"

(از محترمہ حامدہ بیگم صاحبہ خیریہ دہلوی)

کچھ عرصہ ہوا اخباروں میں لفظ ذہنیت کا بڑا چرچا ہوتا تھا۔ طرح طرح سے اس کا ذکر ہوتا تھا کہیں ہندو ذہنیت کا ذکر ہے تو کہیں مسلم ذہنیت کا۔ میں عرصہ تک اس سوچ میں رہی کہ یا اللہ ذہنیت کسے کہتے ہیں۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ آخر ایک اخبار میں کسی ہندو لیڈر کا اعتراض مسلم ذہنیت پر کچھ ان معنوں میں نظر آیا کہ کسی شہر کی میونسپلٹی کے مسلمان ممبروں نے زور دے کر یہ تجویز پاس کرائی کہ شہر میں جا بجا پیشاب خانے بنے ہوئے ہیں وہ قبلہ رخ نہ بنائے جایا کریں۔ اور ممبروں نے زور دے کر یہ تجویز پاس کرائی کہ شہر میں جو پاخانے بنے ہوئے ہیں ان کا رخ بدل دیا جائے۔ اس پر یہ الفاظ دیکھنے میں آئے کہ یہ مسلم ذہنیت لغو اور ناقابل برداشت ہے اس کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کو دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ ذہنیت کے معنی شاید مذہب یا اعتقاد کے ہیں۔ ہر قوم اپنی قومیت کے لحاظ سے کسی نہ کسی خاص اصول و فروع کی متبع ہے۔ کانگریسی ذہنیت کھدر پہننا اور چرخہ کاتنا او حکومت سے عدم تعاون کرنا ہے سوراجی ذہنیت کا کونسلوں میں جا کر حکومت کے انتظام میں خرابی اور نقائص کا ظاہر کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص اِن خیالات کے بزرگوں پر اعتراض کرے تو وہ بُرا مان جائیں۔ معترض کو بیوقوف۔ جاہل۔ دشمن ملک و قوم۔ اور نہ معلوم کیا کیا خطاب عطا فرمائیں۔ خیر۔ غرض یہ کہ جو کھدر چرخہ اور عدم تعاون اپنے عقائد میں شامل کرلے وہ کانگریسی ہے۔ اور کونسلوں میں جا کر نظام میں ابتری ڈالنے کا قائل ہو وہ سوراجی پارٹی کا ہے۔ کیونکہ ہر دو پارٹی کے لیڈروں نے اپنی اپنی جماعت کی یہی شناخت رکھی ہے اور یہی عقیدہ قائم کیا خواہ کسی کی سمجھ میں خوبیاں آئیں یا نہ آئیں۔ اسلام نے بھی اپنے متبعین کیلئے خاص خاص باتیں مقرر کی ہیں۔ مثلاً توحید۔ رسالت۔ ارکان۔ اخلاق اور معاملات وغیرہ کو خاص سانچے میں ڈھالا۔ امتیاز قومی کیلئے علاوہ اخلاق و معاملاتِ خاص کے فوری شناخت کے لئے ڈاڑھی اور عورتوں کے لئے پردے کی قید لازمی ٹھیرا دی۔ تاکہ مسلمان مرد اور عورت دور سے ہی علیحدہ پہچانے جا سکیں

جس طرح فوج و پولیس کی وردی کانگریسی اور خلافت کی کھدر پوشی وغیرہ ۔

حکومت عیسائی ہے اور شاہی مذہب رعایا میں جلد سرایت کیا کرتا ہے اور ہر بادشاہ کو یہی خواہش ہوتی ہے کہ رعایا کی ذہنیت کم سے کم اتنی تو تبدیل ہو جائے کہ ہماری باتیں رعایا کو بُری نہ معلوم ہوں۔ لہٰذا طرح طرح کے پردوں میں یہ کوشش جاری ہوتی ہے ۔ مگر ذہنیت اس وقت تک تبدیل نہیں ہو سکتی جب تک اپنی ذہنیت مشتبہ نہ ہو جائے اور اس کی وقعت کم نہ ہو جائے ۔ اور جب یہ کیفیت شروع ہو جاتی ہے تو پھر اس قوم کا بحیثیت قوم خدا حافظ ہے ۔ اس کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے ۔ وہ کمزور ہونے لگتی ہے اور دوسری قوم میں جذب ہوتی چلی جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ ایک دن مذہب بھی رخصت ہو جاتا ہے۔ اور ایسی قوم کی مثال دھوبی کے کُتے کی سی ہو جاتی ہے کہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ۔ اس حالت سے کہیں بہتر وہ ہے کہ علی الاعلان جو مذہب پسند ہو مجموعی حیثیت سے اختیار کر لیا جائے ۔ اور حقیقی اور سچے ہی خواہ وہ لوگ ہیں جو ایکدم اپنے مذہب کو پیش کر دیں اور جو قبول کریں ان کو اپنی برادری میں شامل کرتے جائیں۔

آج ہم مسلمان اسی ذہنیت کے پھندے میں پھنس گئے ہیں اور تھیٹر اور اسی طرح کے مختلف سامان تفریح کے ذرائع سے اپنا اثر ڈالتی چلی جا رہی ہے ۔ اس لئے ہم اسلام سے اسقدر دور ہو گئے ہیں کہ اس کی تلقین کردہ ذہنیت سمجھنے سے ہمارے دماغ عادی ہو چکے ہیں اور ہم ان امور کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے بھی قابل نہیں رہے ۔ جن کی بدولت اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے وحشی اور غیر مہذب تہذیب و تمدن کے استاد جو قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر فائز ہو گئے تھے ۔ ایک جانور ہوتا ہے جس کو تیتر کہتے ہیں اُس کی فطری ذہنیت ہے کہ درختوں کے جھنڈوں میں رہتا ہے اور آدمی کو اپنا دشمن سمجھکر اس سے بھاگتا ہے ۔ مگر جب بچہ سا لاکر اس کو پنجرے میں رکھا جائے تو وہ اس ذہنیت پر آجاتا ہے جو اس کو پنجرے میں رکھنے والا انسان اس میں پیدا کر دیتا ہے ۔ اور وہ تیتر اپنے قیدخانے (پنجرے) کے پیچھے پیچھے بھاگا پھرتا ہے اور جس سے وہ بھاگتا تھا اُس کی سیٹی پر آواز دینے لگتا ہے اور اب اس کو پنجرے کی قید جنگل کی آزادی سے کہیں زیادہ عزیز ہو جاتی ہے ۔ اور اس قید کی بُرائیاں اب اُس کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتیں ۔ کیونکہ ذہنیت کا یہی خاصہ ہے ۔ یہی کیفیت حضرت انسان کی ہے کہ اگر کوئی غیر عقیدے والا کسی دوسرے کے عقیدہ کی کیسی ہی بُرائیاں ثابت کرے

مگر وہ اُس کے ہرگز سمجھ میں نہ آئیں گی۔کیونکہ وہ اس کا عادی ہو چکا اور وہ ذہنیت اُس کے دل میں گھر کر چکی ہے۔ اسی کو اعتقاد کہتے ہیں۔

راستہ چلنے والوں کو مسافر اور چلتا ہوا کہا جاتا ہے خواہ وہ غلط راستہ پر ہوں یا سیدھے۔ اور جو صحیح راستے پر چلتے ہیں وہ منزل مقصود پر جا پہنچتے ہیں اور غلط راستے والے بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح ذہنیت کا حال ہے۔اگر صحیح ہوئی تو باعثِ ترقی اور عروج ہوتی ہے ورنہ ادبار تنزل کے گڑھے میں گرادیتی ہے قوم جب پستی اور گمنامی کے قریب پہنچ جاتی ہے تو پھر اُس میں ایک جذبۂ ترقی پیدا ہوتا ہے۔خوش نصیب تو وہ ہوتے ہیں جو قوموں کی ترقی اور زوال کے اصلی باعث دریافت کر لیتے ہیں اور کسی قوم کی چمک دمک سے متأثر نہیں ہوا کرتے۔مثلاً اگر تاریخ کی صفحہ گردانی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ابتدا ترقی میں قوم ہمہ تن عمل ہوتی ہے مگر جُوں جُوں ترقی ہوتی جاتی ہے اور تمدن بڑھتا جاتا ہے اسی تناسب سے قوم میں عیش پسندی اور آرام طلبی آتی جاتی ہے۔جب یہ آثار ہوں تو سمجھنا چاہئیے کہ یہ قوم ادبار اور تنزل کی طرف جا رہی ہے۔ ایسی قوم کی کورانہ تقلید کرنا اپنے آپ کو قعرِ مذلت میں گرانا ہے۔

سب سے پہلے ہم عورتوں کو اس سوال پر خوب غور کرنا چاہئیے کہ قوم کی فلاح وبہبود اور ترقی کے لئے ہم کیا کر سکتے ہیں اور یہ مقصد کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔

(۱) ہم مدارس یا کالج کی موجودہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اور میدان سیاست میں مردوں کے دوش بدوش کھڑے ہو کر یا انجمنوں کمیٹیوں میں تقاریر کر کے قوم کی فلاح وبہبود کا باعث ہو سکتے ہیں یا ــــ

(۲) امور خانہ داری اور بچوں کی تربیت اور ابتدائی تعلیم کے فن کو عملی طور پر حاصل کر کے اور تقسیم کار کے اصول پر پابند ہو کر مردوں کو گھر اور بچوں کی فکر سے سبکدوش کر کے میدان سیاست ومعاش میں دلیرانہ جنگ کے لئے آزاد کر کے قوم کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

کیا ہماری تعلیم اب اتنی کافی ہوگئی ہے کہ امور خانہ داری اور تربیت اطفال پر دوسرے لوگوں کے خیالات کو پرکھ سکیں اور اپنی بہنوں کو فائدہ پہنچا سکیں اور گھر کا نظام قائم رکھ سکیں اور بچوں کی ابتدائی تعلیم کا سرانجام کر سکیں۔یا بی۔اے اور ایم۔اے کی ڈگری یا یورپ کا کوئی ڈپلوما حاصل کرنا ضروری ہے۔

بہنیں ہماری معروض پر غور فرماکر صحیح ذہنیت قائم فرمائیں تاکہ ہم مستورات کے لئے کوئی اصول تو قائم ہو جائے جس پر ہم خود عامل ہو کر اپنے بچوں کو چلائیں یہ فیصلہ ہم کو کرنا ہے۔ مرد جو نسوانیت کے مخصوص خواص سے واقف نہیں اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ بہت سے امور ضروری ایسے ہیں کہ مردوں کے ذہن میں بھی نہیں آسکتے۔ اور اُن کی نظر وہیں تک پہنچ کر رہ جاتی ہے جہاں تک ہم میں اور اُن میں مطابقت ہے۔ لہٰذا ہم کو تمام بیرونی اثرات سے علیحدہ ہو کر اور اپنی مکمل خصوصیات پر خاص توجہ کرکے فیصلہ کرنا چاہئے

(حامدہ الخیریہ دہلوی)

مستقبل

یہ موجودہ طریقے راہئیے ملکِ عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

نئے عنواں سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے

نہ قانونوں میں رہ جائے گی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اِس طرح سے حاجبِ وئے صنم ہوں گے

بدل جائے گا اندازِ طبائع دورِ گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہوں گے

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہوں گے

عقائد پر قیامت آئے گی ترمیمِ ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پُتلے صنم ہوں گے

بہت ہوں گے مُغنّی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے اِس لئے بے تال سم ہوں گے

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہوں گے

بدل جائے گا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے

گذشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہوں گے

کسی کو اِس تغیّر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اُنہی کے زیر و بم ہوں گے

تمھیں اِس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اکبر الٰہ آبادی

بے پردگی اور اخلاق

(محمد اسد خاں - بی - اے - ملتان)

پردہ کے مخالفین کے ساتھ جب بھی پردہ کے متعلق اخلاقی نقطۂ نظر سے گفتگو کی جائے تو اُنکا سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ پردہ کا اخلاق سے کیا تعلق؟ کیا پردہ نہ کرنے والی عورتوں کی اخلاقی حالت اچھی نہیں ہوتی؟ اِس سوال کو سُن کر پردہ کے حامی کچھ گھبرا سے جاتے ہیں کیونکہ انہیں یہ جواب دینے میں تامل ہوتا ہے کہ واقعی ایسی عورتوں کی اخلاقی حالت اچھی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو اس جواب کے درست ہونے میں کچھ شک نہیں رہتا۔ بشرطیکہ یہ پہلے طے کرلیا جائے کہ اخلاقی حالت سے مراد کیا ہے۔

مشکل یہ ہے کہ عام طور پر جب بھی اس قسم کا سوال آتا ہے۔ ہمارا خیال فوراً مغربی تہذیب و تمدن کی طرف چلا جاتا ہے اور ہم اخلاقی حالت کا اندازہ اہلِ مغرب ہی کے آداب معاشرت کے مطابق کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ معیار ہمارے لئے بالکل صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ میں اپنے ایک پچھلے مضمون[1] میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کرچکا ہوں۔ ایک مسلمان مرد یا عورت کے لئے کسی چیز کی اچھائی یا بُرائی کا معیار محض قرآن و سُنّت ہے۔ اس کے علاوہ کوئی صورت بھی قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

جب کلام پاک اور سنّت رسولؐ کے معیار کے مطابق عورتوں کے اداب و اخلاق کا اندازہ کیا جائے تو ہمیں کم از کم یہ تین باتیں صاف دکھائی دیتی ہیں:۔

(۱) عورتوں اور مردوں کا آزادانہ میل جول ممنوع ہے۔

(۲) عورتوں کا اپنی زینت کی نمائش کرتے پھرنا جاہلیت کی رسم ہے۔

(۳) عورتوں کا غیر محرم مردوں سے ہاتھ ملانا بالکل ناجائز ہے۔

[1] مضمون بہ عنوان "اچھائی اور بُرائی کا معیار" مطبوعہ انیس نسواں بابت ماہ جون ۱۹۳۹ء

یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جن میں تعلیمات اسلامی کی رُو سے کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ چہرے اور بازو کے چھپانے یا ظاہر کرنے کے بارے میں بحث کی جا سکتی ہے۔ اس میں بھی گفتگو ہو سکتی ہے کہ محض چہرہ زینت میں داخل ہے یا نہیں لیکن میں نے دیدہ و دانستہ ان مختلف فیہ باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف وہ باتیں پیش کی ہیں جن میں جائز اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں جو شخص بھی اسلام کی صداقت پر یقین رکھتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے احکام کا پابند سمجھتا ہے وہ ان تینوں باتوں کے ماننے پر مجبور ہے۔

اِس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے اسلامی معاشرت باقی تمام مذاہب و اقوام سے ایک امتیازی خصوصیت رکھتی ہے دوسری قوموں میں ان باتوں کو بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ بعض تو انکو لازمۂ تہذیب قرار دیتی ہیں لیکن اسلامی معاشرت میں چونکہ یہ باتیں مذہب کی رُو سے ناجائز ہیں لہٰذا لازمی طور پر خلافِ اخلاق ہیں۔ اس صورت میں یہ جواب دینے میں کیا تامل ہو سکتا ہے کہ بے پردہ عورتیں اسلام کے معیارِ اخلاق پر ہرگز پوری نہیں اُترتیں۔

یہاں اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دیہات کی جو مسلمان عورتیں پردہ نہیں کرتیں اُن پر تو کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا لیکن شہری عورتیں جب پردہ اُٹھا دیں تو وہ ملامت کا نشانہ کیوں بن جاتی ہیں؟

اگر اُوپر دئے ہوئے معیارِ اخلاق سے جانچا جائے تو اس فرق کا راز فوراً سمجھ میں آ جاتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ دیہات میں جہاں کہیں پردہ نہیں ہوتا وہاں کم از کم مسلمان عورتوں میں بالعموم اُوپر بیان کی ہوئی تینوں باتوں کی احتیاط ضرور پائی جاتی ہے۔ عورتیں اپنے عزیز و اقارب سے ملتی ملاتی ہیں مگر غیر محرموں سے آزادانہ میل جول نہیں ہوتا۔ چہرے پر اگر برقعہ یا چادر نہ ہو تو کم از کم اوڑھنی کا گھونگٹ ضرور ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی فطری سادگی یا بعض حالتوں میں افلاس کے باعث زینت کی نمائش قریب قریب مفقود ہوتی ہے۔ غیر مردوں سے ہاتھ ملانے کا رواج بھی نہیں ہوتا۔

اِس کے برعکس شہروں کی بے پردہ عورتیں زیادہ تر وہی ہوتی ہیں جو مغربی تہذیب سے متأثر ہو کر پردہ اُٹھا دیتی ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مردوں کی سوسائٹی میں برابر کی شریک رہتی ہیں غیر محرم مردوں سے ہاتھ ملانا اُن کے لئے بالکل معمولی بات ہوتی ہے۔ چہرے کی عُریانی کے جواز کے لئے تو کلام اللہ کا سہارا بھی لے لیا جاتا ہے لیکن سُرخی اور پوڈر سے چہرے کی زینت بڑھانے، زرق برق لباس

پہننے اور اپنے حسن و آرائش کی کھلے بندوں نمائش کرنے میں اس کے صریح اور واضح احکام بالکل پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

گویا دیہات کی عورتیں بے پردہ ہونے کے باوجود بڑی حد تک اسلامی معیارِ اخلاق پر پوری اُترتی ہیں لیکن شہروں کی بے پردہ عورتیں اس معیار کے عین برعکس ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دیہاتی عورتوں کا اعتراض سے محفوظ رہنا اور شہروں کی بے پردہ عورتوں کی مذمت بالکل حق بجانب ہے۔

آج ہم نے صرف اسلام کے بلند معیارِ اخلاق کے مطابق بے پردگی کا جائزہ لیا ہے۔ اگلی دفعہ یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ بے پردہ عورتیں عام معیارِ اخلاق پر کہاں تک پوری اُتر سکتی ہیں۔

انصاف پسندی

سعادت بڑی اس زمانے کی تھی یہ — کہ جھکتی تھی گردن نصیحت پہ سب کی
نہ روتے تھے خود قولِ حق سے خموشی — نہ لگتی تھی حق کی اُنہیں بات کڑوی

غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا
خلیفہ سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

نبی نے کہا تھا جنہیں فخرِ اُمت — جنہیں خلد کی مل چکی تھی بشارت
مسلّم تھی عالم میں جن کی عدالت — رہا منتظر جن سے تختِ خلافت

وہ پھرتے تھے راتوں کو چھپ چھپ کے دردر
کہ شرمائیں اپنا کہیں عیب سن کر

مگر ہم کہ ہیں دام و دد ہم سے بہتر — نہ ظاہر کہیں ہم میں خوبی نہ مضمر
نہ قرآن و امثال میں ہم موقر — نہ اجداد و اسلاف سے ہم میں جوہر

نصیحت سے ایسا برا مانتے ہیں
کہ گویا ہم اپنے کو پہچانتے ہیں

اُسے جانتے ہیں بُرا اور دشمن — ہمارے کرے عیب جو ہم پہ روشن
نصیحت سے نفرت ہے ناصح سے اَن بَن — سمجھتے ہیں ہم رہنماؤں کو رہزن

یہی عیب ہے سب کو کھویا ہے جس نے
یہی ناؤ بھر کر ڈبویا ہے جس نے

(حالی)

عورتیں اور اقتصادی ضرورتیں

مندرجہ ذیل مضمون کے مطالعہ سے پہلے ہم اسلام کا نکتۂ خیال بھی واضح کردینا چاہتے ہیں کہ اسلام نے مسلم خواتین کو تجارت یا کسی اور کاروبار کے کرنے سے ممانعت نہیں کی۔ یہی وجہ تھی کہ قرون اولیٰ میں مسلمان عورتیں تجارت اور دیگر کاروبار میں کامیاب زندگی بسر کرتی تھیں۔ جس قوم کے مرد ہی مبتلائے ادبار ہوں تو اس کی عورتیں کیا ہوں گی۔ ورنہ اسلام نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ڈنکے کی چوٹ یہ کہدیا تھا کہ جب تک کوشش نہ کی جائے گی کوئی کامیابی نہیں ہوسکتی۔ اور جب تک تم اپنی حالت کو خود نہ بدلوگے کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ ان احکام کے ہوتے ہوئے بھی اگر مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں گے تو زمانہ کی ترقی کے ساتھ کیونکر نبھ سکتے ہیں۔ اسلام جمود کی تلقین نہیں کرتا بلکہ مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر قسم کی جفاکشی اور استقلال کی روح پھونکتا ہے۔ اگر ہم خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور زمانے بھر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں تو اس میں اسلام کا قصور نہیں ہے۔

اِس کائنات میں کوئی چیز خواہ بے جان ہو بیکار نہیں تو جاندار مخلوق خاصکر انسان جس کو اشرف المخلوقات ہونے کا فخر ہے کس طرح بیکار ہوسکتا ہے۔ انسان کی ذیل میں مرد اور عورت بچے سب ہی آگئے۔ مرد کو اسی وقت کار آمد سمجھا جاتا رہا ہے جب تک کہ وہ اپنے گھر والوں کے لئے پیسہ لائے ورنہ وہ نکھٹو کہلاتا ہے۔ عورت اسی وقت کار آمد سمجھی جاتی رہی جب تک کہ وہ افزائش نسل میں حصہ لے کر پرورش اطفال اور گھر کے کاروبار کے فرائض کو اچھی طرح انجام دیتی رہی۔ بچوں کا کام طفولیت میں ماں باپ کا دل بہلانا اور پھر اُن کا ہاتھ بٹانا تھا مگر یہ تقسیم کار زمانۂ جاہلیت کے لئے موزوں تھی۔ اُس زمانہ میں انسان کی ضروریات محدود تھیں۔ جھونپڑیوں یا کچے مکانوں میں رہنا۔ موٹا جھوٹا کپڑا پہننا اور سیدھا سادا کھانا کھانا انسان کی کل ضروریات کو پورا کردیتا تھا جیسا کہ اب بھی غیر متمدن قوموں کی زندگی کو دیکھکر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ تہذیب نے انسان کی ضروریات کو بڑھادیا۔ کچے مکانوں کی بجائے محلات تیار ہوگئے۔ گاڑھے اور گزی کی جگہ اطلس و دیبا نے لے لی کھانیں

طرح طرح کے اختراع نے اس کی لذّت کو دو بالا کر دیا۔ چنانچہ اِن ضروریات کے بڑھ جانے سے زندگی کے اخراجات میں بےحد اضافہ ہو گیا۔ اس سے قبل امیر غریب کا فرق نہ تھا۔ تہذیب نے دو طبقے پیدا کر دئے۔ ایک اُمرا کا۔ دُوسرا غربا کا۔ چونکہ تہذیب اور تمدّن کا گہوارہ ہمیشہ بڑا شہر رہا۔ اِس لئے گاؤں والے آج تک قدیم طرز کی زندگی کے جو کم خرچ اور پُرامن تھی' پیرو ہیں۔ اُن میں بھی امیر غریب کا تفاوت ہے مگر نہ اسقدر کہ جسقدر شہروں میں ہے۔ ایشیائی تہذیب کے بعد یورپین تہذیب کا دَور دَورہ ہوا۔ اس تہذیب کی بناء سائنس کی ایجادات و معلومات پر ہے۔ پہلے بھاپ سے کام لیا گیا اور دُھوئیں کی گاڑی یعنی ریل نکلی۔ دُخانی کشتیاں تیار ہوئیں پھر بجلی نے ریل گاڑی کی بجائے موٹر کار اور ہوائی جہاز کی سواریاں مُہیّا کر دیں۔ تار برقی نے دنیا کو متحیّر کر دیا۔ اب ہوائی خبر رسانی اور ریڈیو نے دنیا کی بالکل کایا پلٹ دی۔

اِن ایجادات نے جس تہذیب اور تمدّن کو موجودہ دنیا کے سر تھوپا ہے اِس میں خرچ ہی خرچ ہے۔ حتّٰی کہ پہلے جس آمدنی کے لوگ امیر کبیر کہلاتے تھے وہ اب متوسط الحال کہلانے لگے اور جو متوسط الحال تھے وہ غریب کہلائے گئے اور جو غریب تھے اُن کو اب بے روزگار والے کہا جاتا ہے۔ متوسط الحال طبقہ کے دو حصّے ہو گئے۔ ایک طبقہ اُمراء سے کچھ نیچے ہے اور دوسرا غرباء سے کچھ اُوپر۔ غرضیکہ موجودہ تہذیب نے نصف درجن معاشرتی طبقات پیدا کر دئے۔ انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے سے اعلیٰ درجہ والوں کی نقل کرتا ہے۔ مثلاً اگر اُمراء کی عورتیں سونے کے زیور استعمال کریں یا جواہرات پہنیں تو غرباء کی عورتیں ملمع کے زیورات استعمال کریں گی اور جھوٹے جواہرات سے اپنے آپ کو آراستہ کریں گی۔ یہی حال دوسری فرمدنیات کا ہے۔ اور اس نقالی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس نسبت سے تہذیب اُمرا کا خرچ بڑھا دیتی ہے تقریباً اسی نسبت سے غریبوں کا خرچ بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور متوسط الحال طبقہ کے لوگوں کا سب سے بُرا حال ہوتا ہی کیونکہ اُن کی شرافت متقاضی ہوتی ہے کہ وہ اُمراء کے قدم بہ قدم چلیں لیکن اُن کی آمدنی اُن کے اس تقاضائے شرافت کا ساتھ نہیں دے سکتی اور اُن کو اپنے معیارِ شرافت کو قائم رکھنے کے لئے قرض کے اندھے کوئیں میں کودنا پڑتا ہے۔ کتنے شریف خاندان ایسے ہیں جو اس قرض کے چکّر سے نکلے ہوں ایک دفعہ قرض لیا اور ہمیشہ کے لئے شرافت کا تمدّنی معیار رخصت ہو گیا۔

موجودہ تہذیب و تمدن جواب کسی خاص برِاعظم یا قوم تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام نبی آدم اس نعمت سے متمتع ہو رہے ہیں مدتوں کی ارتقائی کیفیت کا نتیجہ ہے اور خواہ کوئی اسے پسند کرے یا نہ کرے کسی فردِ بشر کو اس سے مفر نہیں ہے۔ ناصح اور واعظ غل مچاتے رہیں کہ لوگو اس بلا سے بچو لیکن وعظ و نصیحت سے یہ بلا دُور نہیں ہو سکتی۔ اس کا علاج ایک ہی ہے کہ اگر مہذب کہلانا ہے اور متمدن دنیا کی آرام و آسائش دینے والی ایجادات سے متمتع ہونا ہے تو روپیہ پیدا کرنے کی قوت کو جس طرح بھی ہو بڑھایا جائے۔ اگر گرمی میں درخت کے نیچے پڑے رہنے کی بجائے خس کی ٹٹیوں اور بجلی کے پنکھے کے نیچے سونا منظور ہے تو زیادہ عقل کو استعمال کرنے والی مزدوری کیجئے۔ کم آرام لیجئے اور بہت روپیہ پیدا کیجئے۔ اگر ایک آدمی کنبے کو موجودہ زمانہ کی زندگی کے آرام کے معیار سے نہیں رکھ سکتا تو کنبے کے ہر مرد کو اپنی کمائی کی قوت بڑھا کر کنبے کی آمدنی میں معتدبہ اضافہ کرنا چاہئے اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو عورتوں اور بچوں کو بھی مردوں کے ساتھ خاندان کی دولت کو بڑھانے میں حصہ لینا چاہئے۔

آمدم برسر مطلب یعنی کیا عورت کو ملازمت یا مزدوری کر کے خاندان کے معیار شرافت کو قائم رکھنا چاہئے (یہاں لفظ شرافت عصبی معنوں میں نہیں بلکہ اقتصادی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے) اس سوال کا جواب دیتے وقت اُن تمدنی اور معاشرتی مدارج کا خیال رکھنا ضروری ہے جن کا اوپر ذکر آیا ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہو جائے گا کہ بعض طبیعتوں کے لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً جو لوگ بے انتہا امیر ہیں اور جن کی ضروریات کے مقابلہ میں اُن کی آمدنی بدرجہا زیادہ ہے۔ اُن کی عورتیں تو بجائے خود رہیں اُن کے تو مردوں کو بھی ملازمت یا مزدوری کی ضرورت نہیں۔ شوقیہ جس کا جو جی چاہے کرے اسی طرح غرباء کے لئے بھی یہ سوال نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ اُن کی آمدنی باوجود اُن کی محدود ضروریات کے اسقدر قلیل ہے کہ اُن کے ہاں اگر مرد یا عورت دونوں مل کر ملازمت یا محنت مزدوری کے ذریعہ اپنی آمدنی میں اضافہ نہ کرتے رہیں تو اُن کو دو وقت کی روٹی ملنی بھی مشکل ہے۔ بعض غریب عورتیں ایسی ہیں جن کا مدد کرنے والا کوئی مرد نہیں ہے۔ اس لئے لامحالا اُن کو خود کمائی کرنی پڑتی ہے۔

سوال یہ محض متوسط الحال طبقہ کے متعلق ہوسکتا ہے خواہ وہ امیروں کے برابر ہوں یا غریبوں سے اعلیٰ
اگر وہ امیروں کے لگ بھگ ہیں تو اُن کو امیروں کی نقل کرنے اور اپنے آپ کو مہذب کہلوانے کے لئے
اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے اور اگر وہ غریبوں کے آس پاس ہیں تو اُن کو اپنے سے اعلیٰ
متوسط الحال طبقہ کی نقل کرنے میں خرچ کا زیر بار ہونا پڑتا ہے اور اسی کو اقتصادی طور پر معیار شرافت
رکھا گیا ہے۔ اِس سوال کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جہاں محض مردوں کی آمدنی سے کام نہیں چلتا
یعنی معیار تمدن قائم نہیں رکھ سکتا یا جہاں سرے سے مرد ہیں ہی نہیں تو وہاں عورتوں کو گھر پر بیگم
صاحب کہلانے کے لئے ایسی ملازمت یا مزدوری کرنی لابُد ہے جو اُن کی شایانِ شان ہو۔ ہر شخص
کی ضرورت جداگانہ ہوتی ہے اور ہر خاندان کے حالات علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اس لئے کوئی ایسا قاعدۂ کلیہ
بنانا جس کا اطلاق ہر عورت پر ہو ناممکن ہے۔ کون کون سی ملازمت اور پیشے شریفانہ ہیں اِس کے متعلق بھی
کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جاتا کیونکہ ضروریات زمانہ کے ساتھ پیشے یا ملازمت کی شرافت کا معیار بھی بدلتا
رہتا ہے۔ اب سے پچاس سال قبل خود شریف مردوں کے لئے محض ملازمت کرنا خواہ وہ کسی درجہ
کے ہوں معیوب تھا اور مزدوری یا دُکانداری کو تو اسقدر ذلیل سمجھا جاتا تھا کہ امیر سے امیر دُکاندار
کو غریب سے غریب شریف اپنے سے نیچے درجہ کا انسان سمجھتا تھا۔ مگر آجکل برعکس معاملہ ہے اور معیار شرافت
قطعًا بدل گیا ہے جن شریف مردوں نے ملازمت اور تجارت کو اُس وقت اپنے شایانِ شان نہ سمجھا اُن کی
اولاد اب شرفاء کے زمرے سے بھی نکل گئی اور جن ملازمت و تجارت پیشہ لوگوں کا شمار اس وقت کے شرفاء میں
نہ تھا وہی طبقہ اب شرفاء کے لئے باعث زینت بن رہے ہیں اور کسی کے ع لغو برتو اے چرخ گردانی لغو۔
کہنے سے ان کی عزت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ اب شریف مرد بھی جوق جوق تلاش ملازمت میں سرگرداں
ہیں اور تجارت و مزدوری کو عین باعث فخر سمجھتے ہیں لیکن عورتوں کے متعلق جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے تو چوں و
چرا کی جاتی ہے۔ اب سے پچاس برس بعد یہ حرکت ناعاقبت اندیشانہ اور دُور اندیشی کے خلاف سمجھی جائے گی۔ مگر
"پھر پچھتائے کیا ہوت۔ جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔" اور جو برادران وطن اس وقت دُور اندیشی سے کام
لے کر عورتوں کو ملازمت اور تجارت و مزدوری میں لگا رہے ہیں وہ یقینی طور پر تمدن اور معاشرت میں آگے

بڑھ جائیں گے اور اب بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ مثلاً لالہ رگھناتھ سہائے کالج میں دو سو روپے ماہوار کے پروفیسر
ہیں اور اُن کی بیوی بھی سول ہسپتال میں دو سو روپے ماہوار کی ڈاکٹر ہیں اس لئے دونوں کی آمدنی چار سو
روپے ہے اور پچھتر روپے ماہوار کی کوٹھی میں رہتے ہیں۔ اُن کے پاس ایک چھوٹی سی موٹر کار بھی ہے۔ اُن کا
فرنیچر آرام دہ اور قیمتی ہے۔ اُن کے پاس ایک ریڈیو سٹ بھی ہے۔ وہ سنیما میں بھی تفریح کے لئے جاتے ہیں۔
گرمیوں میں پہاڑ پر بھی ہو آتے ہیں اور ہر طرح آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور عزت دار طبقہ میں شمار ہوتے ہیں
برخلاف اس کے مولوی عبدالعلیم صاحب ہیں یہ بھی وہی تنخواہ پاتے ہیں مگر یہ اس آرام سے زندگی بسر نہیں کر سکتے اسوجہ سے کہ
اُن کی بیگم صاحبہ ملازمت کرنا عار سمجھتی ہیں اُنہوں نے اپنے معیارِ زندگی کو مجبوری کم کر رکھا ہے لہٰذا اُنکی تمدنی حالت بھی کم ہو گئی ہے
اگر عورتیں گھر سے باہر نکل کر ملازمت اور مزدوری و تجارت کرنے لگیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ گھر کون چلائے گا۔ بچوں کو
کون پالے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس قسم کی ضروریات ہوتی ہیں اسی قسم کا انتظام ہو جاتا ہے
اور رفتہ رفتہ سارا ماحول بدل جاتا ہے۔ ہم اس تقسیم کار کے عادی ہیں جس میں عورت بچے پالنے اور خانہ داری
کی ذمہ دار تھی۔ اگر عورتیں یہ ذمہ داری چھوڑ کر دوسری ذمہ داری لے لیں تو یہ ضروری ہے کہ خانہ داری اور
پرورش اطفال کے لئے ملک کو کوئی اور انتظام کرنا ہوگا۔ کھانا پکانا ہوٹلوں کے سپرد ہوگا اور پرورش اطفال ہسپتالونکے
اب بھی متمدن ممالک میں یہی دستور ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ اس وقت یہ صرف اس طبقہ کے لوگوں کے لئے ہے جن کو
اتنی وسعت نہیں ہے کہ خود ملازم رکھکر ان ضرورتوں کو پورا کریں یا جن کو ملازموں کے کام سے تسلی نہیں ہے۔ ایک
زمانہ ایسا بھی آسکتا ہے جب شرافت کا معیار یہ ہو جائیگا کہ خود بچوں کو پالنا اور گھرداری کرنا خلاف شرافت سمجھا جائے گا اور وہی
شریف کہلائیں گے جن کے بچے پرورش گاہ اطفال میں پلے ہوں۔ میں اور آپ یہ چیختے چیختے مر جائیں گے کہ لعنت ہے
اس زندگی پر جس میں ماں باپ بچوں سے جدا ہوں۔ لیکن ہمارے مرنے کے بعد کوئی اس کو رونے والا بھی نہیں رہے گا
حقیقت یہ ہے کہ اس چرخ نیلوفری کی گردش عجب عجب رنگ دکھاتی ہے۔ اور کس کو معلوم ہے کہ دنیا میں کل کیا
ہوگا۔ مگر اہلِ دنیا کا یہ خاصہ ہے کہ جس چیز کے وہ عادی نہیں ہیں اُس کو نفرت سے دیکھتے ہیں اور بُرا کہتے ہیں۔ ایک
نئی نسل پیدا ہوتی ہے وہ نئے ماحول میں پرورش پاتی ہے اور اس نئے ماحول کی عادی ہو جاتی ہے اور جس چیز کو گذشتہ
نسل بُرا سمجھتی تھی اُسیکو اچھا سمجھنے لگتی۔ دنیا اسیطرح چلتی رہی ہے اور اسیطرح چلتی رہیگی۔ اسی کا نام ارتقا ہے۔ اللہ بس

دَورِ حَاضر کی صنفِ نازک

دَورِ حاضر میں ترقی نسواں کا مسئلہ جیسا عالمگیر ہو رہا ہے اُسی طرح پردہ کا اختلاف بھی بڑھتا جاتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ مغربی تعلیم و تہذیب اور طرز تمدن نے اس طبقہ کو مغرور بے قابو بنا دیا حالانکہ تعلیم و تربیت کا ہرگز یہ منشا نہیں خواہ مغربی ہو یا مشرقی۔ عورت سے مراد صرف ستر عورت نہیں بلکہ اس کا ہر حصہ جسم ستر میں داخل ہے۔ عورت کے لفظی معنی خود چھپنے اور چھپانے کے ہیں۔ شارع اسلام نے اس زمانہ میں پردہ کا حکم نافذ فرمایا جبکہ عرب کی شریف زادیاں بازاروں میں بے نقاب گھومتی پھرتی تھیں جس کی وجہ سے ہر روز ایک نیا فساد اُٹھ کھڑا ہوتا اور ایسے بے پناہ مناقشے و مناظر پیدا ہو جاتے تھے جس سے قبائل کے قبائل بدنام و برباد ہو جاتے تھے۔ جب آنحضرت صلعم کا دَورِ مبارک آیا تو آپ نے ان بداعمالیوں کے انسداد کے لئے پردہ کا حکم صادر فرمایا۔ اِس فرمان واجب الاذعان نے بہت ساری برائیوں کا ازالہ کر دیا۔ جب تک اسلام زندہ رہا حامیانِ اسلام نے احکام شریعت کی ہر طرح حفاظت کی۔ یہ تحفظ اس وقت تک عمل میں آیا جب تک کہ تابعین و تبع تابعین کا دَور دَورہ رہا جب ان تمام بزرگوں نے یکے بعد دیگرے داعیٔ اجل کو لبیک کہدیا تو گویا قصر اسلام کا سنگ بنیاد ہلنے لگا لیکن معمارانِ ملت نے یہ عمارت کچھ ایسی پختہ بنائی تھی کہ اس کا اِنہدام ناممکن ثابت ہوا۔ مگر فی زمانہ نہ وہ مسلمان باقی رہے اور نہ وہ جوش ملت۔ اولاً طبقہ ذکور نے اوامر و نواہی سے بے اعتنائی شروع کی۔ احکام شریعت کی پابجائی میں تساہل و تاویلات اختیار کئے جانے لگے۔ جب زُمرۂ اُناث نے دیکھا کہ تعلیم و تربیت سے مرد گمراہی اَخذ کر رہے ہیں تو عورتوں نے بھی آہستہ آہستہ چادر سے پاؤں پھیلانا شروع کیا۔ اِس کے علاوہ اِس شوخی و آزادی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ زمانہ حاضرہ میں غریب گھرانے کی لڑکیوں کو بر ملنا ہی مشکل ہو گیا ہے۔ کوئی شخص حامی نہیں بھرتا کہ اُن بیچاریوں کی زندگی کا بوجھ سہار سکے۔ والدین سینے پر سِل کی طرح عمر بھر رکھے ہوئے ساتھ دینے سے تنگ آجاتے ہیں۔ اگر سو دو سو یا ہزار دو ہزار کا مطالبہ ہو تو بیچارے کسی نہ کسی طرح تکمیل کر ہی لیتے لیکن تعلیم یافتہ مردوں کی چشم حرص تو خاک گور کے سوا کسی اور شے سے بھر نہیں سکتی۔ بدیں وجہ کسی کو

موٹر کی خواہش ہے تو کوئی ولایت جانے کے اخراجات طلب کرتا ہے۔کسی کی تمنا ہے کہ وہ بیوی کی ملکیت سے کوئی بھاری دُکان کھول بیٹھے۔کوئی اپنی تعلیمی اخراجات کا بوجھ اپنے خسر کے کمزور شانوں پر رکھ دینا چاہتا ہے۔غرض ازدواجی جھگڑوں نے عورتوں کو بھی اس پر آمادہ کر دیا وہ بھی تعلیم حاصل کرکے مردوں کے ہم قدم ہوں۔ ملازمت کرنے اور روپیہ کمانے میں اُن سے مساوات حاصل ہو۔آخرش وہی ہوا۔خدا نے اس طبقہ کی پرورش و پرداخت کا پھندا مردوں کے گلے میں ڈال رکھا ہے۔جب مرد اس پھندے کو کاٹ کر اپنی گردنوں سے الگ کر دینے لگے تو عورتوں کو اپنی گذربسر کی تدابیر سوچنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔اس پر بھی اگر مردوں کو اپنی خودداری اور ذمہ داریوں کا خیال ہوتا تو عورتوں کو اس قدر آزادی اور بے حجابی حاصل نہ ہوتی۔صرف طعن و تشنیع سے کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ناموس کی حفاظت میں ہمہ تن سرگرم عمل ہونا چاہئے۔

(لطف النسا بیگم اثیمہ)

اے بنی نوع انسان! تم سب کا معبود وہی ایک خدا ہے۔اُس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور وہ بڑا ہی رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔
اگر غور سے دیکھو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہر جگہ بکثرت نظر آئیں گی۔
مثلاً اِسی آسمان کے طبقوں اور اِسی زمین کے پردوں کی ساخت میں ہر رات کے بعد دن کے آنے میں اور ہر دن کے بعد رات کے آجانے میں اور پھر جہازوں میں جو سمندروں میں دوڑتے پھرتے ہیں جن کے ذریعہ سے لوگوں کو ہر طرح کے فائدے پہنچتے ہیں اور اُس پانی میں جو اللہ آسمان سے برساتا ہے۔پھر اُس پانی سے ویران زمین سرسبز اور شاداب ہوتے میں اور ہر قسم کے جانوروں اور حیوانوں میں جو خدا نے روئے زمین میں پھیلا رکھے ہیں۔اور ہواؤں کے چلانے میں اور زمین اور آسمان کے درمیان اُس کے حکم سے بادلوں اور گھٹاؤں کے چھا جانے میں اگر غور سے اور عقل سے کام لیا جائے تو لوگوں کو بہت سی نشانیاں اُس کی قدرت کی نظر آئیں گی۔

البقر۔

مغربی آفتیں

(۱)

ناول اور افسانے

فارسی کے مشہور شاعر انوری کے ایک مشہور شعر کا مطلب ہے کہ ہر آفت اور مصیبت جو آسمان سے اُترتی ہے سب سے پہلے یہ دریافت کر لیتی ہے کہ انوری کا گھر کہاں ہے۔ اِسی طرح مغربی آفتیں جس وقت مغرب سے طلوع ہوتی ہیں تو سیدھا مشرق کا رخ کر لیتی ہیں۔ اور مشرق میں نازل ہوتے ہی پہلے مسلمانوں کے گھر ڈھونڈ لیتی ہیں۔ مسلمانوں کی ضرب المثل مہمان نوازی بڑی گرمجوشی اور فراخ دلی سے ہر ایسی نئی آفت کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہوتی ہے۔

کوئی ایک آفت ہو تو صبر بھی کر لیں مگر یہاں تو ہر نئی آفت کی آماجگاہ مسلمانوں ہی کے گھر بنجاتے ہیں مسلمان عورتوں میں خدا خدا کر کے تعلیم کا چرچا شروع ہوا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ تعلیم یافتہ خواتین نظر آنے لگی ہیں۔ گو اس کی تعداد ابھی کم ہے۔ بہت سی لڑکیاں تو پانچ سات جماعتیں پاس کر کے اپنے آپ کو فارغ التعلیم سمجھنے لگ جاتی ہیں۔ البتہ مسلمان لڑکیاں اب کافی تعداد میں مدرسوں میں نظر آتی ہیں۔ اگر ان کی تعلیم جیسی کچھ بھی میسر ہے جاری رہی تو آٹے میں نمک ضرور متصور ہوں گی۔

موجودہ طرز کی تعلیم اپنی جلو میں جو خرابیاں لاتی ہے اُن میں سے کس کس کا رونا روئیں۔ ایک زمانہ ہمارے دیکھتے دیکھتے ایسا گذرا ہے کہ جو مسلمان لڑکیاں کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ گئی تھیں اُنھوں نے وہ ناول خوانی کی کہ کوئی ناول کیسا بھی ہو اُنھوں نے نہ چھوڑا۔ اِس کثرت سے گندے اور مخرب اخلاق ناول ماں باپ کی آنکھوں کے سامنے پڑھے جاتے تھے مگر کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اعلیٰ تعلیم اور اُس کا مقصد ہاتھ سے جاتا رہا۔ عشق و محبت کی داستانیں جو اُن ناولوں میں پڑھی گئی تھیں دہرائی جانے لگیں۔ اگر ناول نگار صاحبان اپنے ناولوں کے ذریعہ سے ہی اچھے اخلاق کی تعلیم دینا اپنی تصانیف کا مقصد قرار دے لیتے

تو بسا غنیمت تھا لیکن ان کو عام مذاق بگاڑ کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا تھا۔ اِس لئے چُن چُن کر ایسے انگریزی ناولوں کے ترجمے شائع کئے گئے جن کو انگلستان میں بھی کوئی بھلا آدمی خود پڑھنا تو درکنار اپنے گھروں میں بھی اُن کا آنا معیوب سمجھتا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کی اِس غفلت کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ناول پڑھنے کی چاٹ تو لگ ہی چکی تھی اب ناولوں کی جگہ افسانوں نے لی۔ چنانچہ موجودہ دَور افسانہ نویسی اور افسانہ خوانی کا ہے۔ ناول چونکہ طویل ہوتے تھے اِس لئے لمبی داستانوں نے مختصر ہو کر افسانوں کی صورت اختیار کر لی اور جہاں جہاں یہ زہریلے افسانے پہنچے جراثیم پھیلتے گئے۔ زنانہ اور مردانہ رسائل میں ایسے ایسے افسانے شائع ہو رہے ہیں کہ کسی شریف گھرانے میں جہاں کنواری لڑکیاں بھی رہتی ہوں ان کا جانا خالی از نقصان نہیں اس بارے میں اگر احتیاط نہ کی گئی تو یہ افسانے اپنا زہریلا اثر ضرور پھیلاتے رہیں گے۔ آج کل رسائل کی پرورش انہی افسانوں کی تعداد پر منحصر ہے۔ جو جو خرافات ان افسانوں کے ذریعہ سے شائع ہو رہے ہیں۔ ہم ان کا یہاں ذکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اور نہ ان کے اقتباسات کا نمونہ پیش کر کے انیس نسواں کے فائل کو ملوث کرنا چاہتے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا ہمارے خان بہادر مکرم چودھری خوشی محمد صاحب ناظر فردوسی نے اپنے ایک مضمون میں ذیل کی عبارت لکھی تھی۔ اندیشہ ہے کہ تھوڑے عرصہ کے لئے انیس نسواں کے راستہ میں چند مشکلات حائل ہوں اور وہ یہ ہیں کہ عہد حاضر کے صحافتی لٹریچر نے نوجوان ناظرین و ناظرات کا مذاق پست کر دیا ہے۔ اور اگرچہ ماہوار رسالوں اور اخبارات کی تعداد میں بہت ترقی ہو گئی ہے اور طباعت و کتابت بھی عموماً دیدہ زیب نظر آتی ہے لیکن معنوی اور اخلاقی نکتۂ نظر سے سوائے خاص مستثنیات کے ایک دفتر بے معنی شائع ہو رہا ہے جس کے ہیجان انگیز اور بقول معروف سنسنی خیز افسانے جن کا انجام عموماً قتل یا خودکشی پر ہوتا ہے اور عُریاں تصاویر اور ہوس پرور مضامین اور عاشقانہ غزلیں وغیرہ دلچسپی کا مواد بہم پہنچاتے ہیں اور یہ رسالے تعلیم یافتہ گھروں میں عموماً خواتین اور لڑکیوں کی نظر سے بھی گذرتے ہیں۔ ایسے "دلچسپ" لٹریچر کے مقابلہ میں ایک نہایت متین صحیفہ دینی پند و موعظت و اسلامی روایات کا پیش کیا جا رہا ہو تو یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ

اس کا ایسا خیر مقدم نہ ہو جو شاعروں کی مجلس میں ناصح مشفق کا ہوا کرتا ہے۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہماری تعلیم یافتہ جماعت کے قلوب اب بھی اسلامی تعلیم کی محبت سے خالی نہیں اور صحافت کے موجودہ طوفان بے تمیزی میں انیس نسواں کی خاص قدر شناسی ہوگی اور لڑکیوں کے والدین کو خود معلوم ہو جائے گا کہ انیس نسواں کا مطالعہ اُن کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ فصلی بخار میں کونین کا۔ دو ایک پرچوں کے بعد خود ان کو انیس نسواں سے انس ہو جائے گا۔"

اس میں شک نہیں کہ چودھری صاحب موصوف نے موجودہ افسانوں کی نسبت بالکل صحیح اور قابل قدر رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ انیس نسواں اعلیٰ درجہ کے اخلاق آموز افسانے درج کرنے کے خلاف نہیں۔ چنانچہ دو ایک افسانے انیس نسواں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کا معیار بہت بلند تھا عشق و محبت کے سنسنی خیز واقعات قطعاً اُن میں مفقود تھے۔ آئندہ بھی یہی معیار مدنظر رہے گا۔

انیس نسواں کی پڑھنے والیاں جو متوقع ہیں کہ انیس نسواں میں بھی ایسے ہی مکروہ اور اخلاق سوز افسانے شائع ہوں تو اُن کی توقع بیجا ہے۔ ہم یقیناً ملک کی مروجہ بد مذاقی کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں گے اور ہر قدم پر اس بد مذاقی کی بیخ کنی کی کوشش کریں گے۔

ہم تو یہاں تک احتیاط کر رہے ہیں کہ انیس نسواں میں کوئی ایسا اشتہار بھی شائع نہ ہو جس کا شریف گھرانوں کی لڑکیوں کی نظر سے گذرنا مناسب نہ ہو +

(محمد اکرام)

ایک سوال

شکر ہے راہ ترقی میں اگر بڑھتے ہو
یہ تو بتلاؤ کہ قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

شیخ صاحب کا تعصب ہے جو فرماتے ہیں
اونٹ موجود ہے پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو

یہ سوال ان کا ہے البتہ بہت بامعنے
کہ سمجھ بوجھ کے قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

عورت قبل اسلام

(از نواب سیّد سردار بیگم اختر حیدر آبادی)

ناشناسِ رنگ و بُو تھی شاہدِ رعنا تھی
قبلِ اسلام "آہ" عورت زینتِ دنیا نہ تھی

حُسن تھا لیکن حجابِ جہل میں مستور تھا
یعنی یہ لیلیٰ نگاہِ قیس میں لیلےٰ نہ تھی

کل فضائے میکدہ تھی ناشناسِ کیف و رنگ
سینۂ مینا کے اندر آتشِ صہبا نہ تھی

مرد سمجھا تھا اِسے تفریح کا اِک مشغلہ
صنفِ نازک آسمانِ زیست کا تارا نہ تھی

اس کے جلووں سے تھا رنگیں دامنِ گلشن مگر
یہ کلی احساسِ رنگ و بُو کا افسانہ نہ تھی

صنفِ نازک کو زمانہ جب بہت ٹھکرا گیا
حُسن کی تقدیر پر قدرت کو رحم آ ہی گیا

بعد اسلام

یک بیک چمکیں شعاعیں جلوۂ توحید کی
پردۂ اوہام اُٹھا دیر کی ظلمت مٹی

صنفِ نازک قعرِ ذلت سے اُٹھی مستانہ وار
اور جھکائی مرد نے اپنی جبینِ سرکشی

یہ ہوئی جب بہرہ ور اسلام کی تعلیم سے
مرد کو کہنا پڑا اِس کو شریکِ زندگی

دستِ فطرت نے اسے اِک ایک نعمت بخشدی
ہمّت و پاکیزگی، عصمت و دوشیزگی،

خالد و ضرار نکلے پھر اسی آغوش سے
اُس نے بچّوں کو سکھایا اپنے فقرِ حیدری

یہ کہیں پر عائشہؓ بن کر ہوئی پھر گرم کار
اور کبھی یہ جنگ کے میدان میں خولہ بنی

راہِ حق میں گردنِ تسلیم اس کی خم ہوئی
کربلا میں لُٹ گئی پھر بھی نہ یہ برہم ہوئی

عہدِ حاضرہ کی عورت

آج لیکن اب وہی عورت ہے محوِ رنج دوش | اَب نہ وہ ہمت نہ وہ جرأت نہ وہ جوش و خروش

ہاں مگر تزئین و آرائش کا اُس کو ہی خیال | خدمتِ ملک و وطن اُس کیلئے ہی خواب دوش

غفلتوں نے اُس کو مجبور و مقید کر دیا | بھول بیٹھی اپنے کو یہ خواہش جمال و گل بدوش

زندگی کو اُس نے سمجھا ہے جمودِ زندگی | زندگی کہتے ہیں کس کو یہ کہاں اب اُس کو ہوش

اے خدا پھر صنفِ نازک کو عمل دے جوش دے
نشۂ غفلت میں ہے سرشار اُس کو ہوش دے

استقلال

یہ اک خارکش صبر و ہمت میں کامل | یہ کہتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل

کہ جن سختیوں کا اُٹھانا ہے مشکل | وہی ہیں کچھ اے دل اُٹھانے کے قابل

حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا
نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا

نہیں سہل گر صید کا ہاتھ آنا | تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا

نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اُٹھانا | ذرا تیز ہانکو جو ہے دور جانا

زمانہ اگر عزم سے زور آزما ہے
تو وقت اے عزیز وہی زور کا ہے

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے | جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے

خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے | کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو

تمھیں اپنی مشکل کو آساں کرو گے | تمھیں درد کا اپنے درماں کرو گے

تمھیں اپنی منزل کا ساماں کرو گے | کرو گے تمھیں کچھ اگر یہاں کرو گے

چھپا دستِ ہمت میں زورِ قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

(حالی)

خاتونِ جدید کی ستم ظریفی

ہمارے مکرم مولوی عزیز الحق صاحب عزیز۔ بی۔اے۔بی۔ٹی نے مفصلۂ ذیل مضمون انگلستان کے رسائل "جونیر لیگ میگزین" اور "برٹیڈ" سے ترجمہ کر کے بغرض اشاعت ارسال فرمایا ہے۔ جس کو ہم شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ اصل مضمون کی لکھنے والی ایک انگریز خاتون ہیں جنہوں نے انگلستان کی خاتون جدید کی بعض خصوصیتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کی اشاعت سے عزیز صاحب کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ کہیں ہندوستان کی مسلم خواتین بھی خاتون جدید کی کورانہ تقلید میں یہ خوبیاں نہ سیکھ جائیں +

ہیتھ اینسورتھ رقمطراز ہیں۔ بیبیوں کی زبان سے اُن کے شوہروں کی یہ شکایتیں سُنتے سُنتے میرے کان پک گئے کہ :۔

"مرد بیوی کو گھر کی مرغی دال برابر تصور کرتے ہیں"۔

"مرد بیوی کے محسوسات سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے"۔

"مرد ترقیٔ نسواں کی راہ میں حائل ہیں۔ گھریلو زندگی کی مسرت کے خود دشمن ہیں۔ عورت کی انفرادیت کو اس طرح کچل ڈالتے ہیں جیسے کہ پالا ہری بھری کھیتی کو"۔

میری رائے میں یہ شکایتیں لغو ہیں اس میں مردوں کا کوئی قصور نہیں۔

آجکل کی عورت کو اپنی جدید ترقی اور ذہانت پر بڑا ناز ہو گیا ہے لیکن اس کو یہ نہیں معلوم کہ یہ تعلیم و ترقی عورت کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ ذہین عورتوں کو یہ نعمتیں ہمیشہ میسر رہی ہیں۔ چند صدی قبل عورت خرید اشیاء میں ماہر ہوتی تھی۔ خانگی امور میں گہری دلچسپی لیتی تھی۔ سوسائٹی کے معذور محتاج افراد سے ہمدردی رکھتی تھی۔ تہذیب اور شائستگی کے زیور سے آراستہ ہوتی تھی۔ خاوند کی عزت کرتی تھی اس کا پورا اعتماد اس کو حاصل تھا۔ اُن کی آرزو اُن کی غفلت کا شکار نہ ہوتی تھی۔ آج کتنی

عورتیں ہیں جو اس معیار پر پوری اُتر سکتی ہیں۔
کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ چودھویں صدی میں یورپ کی عورتوں کو تجارتی انجمنوں میں جنہیں "گلڈ" کہتے تھے۔ پورے پورے اختیارات حاصل تھے۔ تقریباً ہر تجارتی انجمن کی ممبر بن سکتی تھیں۔ ممبری خرید سکتی تھیں ترکہ میں یا بطور ہدیہ کے حاصل کرسکتی تھیں اور جس کے نام چاہتیں منتقل کرسکتی تھیں۔ اپنے نام سے تجارت اور صنعت وحرفت کے کارخانے چلا سکتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کے خاوندوں کو بھی اُنکے معلات میں دخل نہ ہوتا تھا مختصر یہ کہ سوائے چوکیداری کے کوئی کام ایسا نہ تھا جو وہ نہ کرسکتی ہوں۔ پھر کیوں یہ سب اختیارات ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتوں نے اپنے اختیارات خوش اسلوبی سے استعمال نہیں کئے۔ ای۔ ریش صاحب نے اپنی تصنیف "عورت مختلف زبانوں میں" میں لکھا ہے کہ عورتیں بداخلاق بدطینت اور بدتہذیب ہوگئیں سخت کلامی ان کا شیوہ بن گیا۔ میخانوں اور بدنام گھروں کی رونق ان کی ذات سے رہ گئی ہے۔ اور آوارگی کے دوسرے ٹھکانوں میں ان کا وقت زیادہ تر ہیں کٹنے لگا۔ ان کا رویہ متکبرانہ اور بیباکانہ ہوگیا۔ انہوں نے خود اپنی ذاتی اغراض کی خاطر خاندانی اور قومی مفاد کو قربان کردیا۔

کیا تاریخ کی شہادت سے ہم کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتے۔ مرد بالعموم جذبات کے لحاظ سے سادہ اور صاف دل ہوتے ہیں۔ جب بیوی اپنے شوہر کو ہر وقت یہ طعنہ دے کہ تمھارے دل میں میری قدر نہیں گو وہ اس کا جواب اکثر یہی دیتا ہے کہ قدر نہ ہوتی تو میں تم سے شادی کیوں کرتا۔ لیکن اس جواب کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ آج جبکہ عورت پکار پکار کر اعلان کررہی ہے کہ وہ مرد سے ذہانت وقابلیت میں کسی طرح کم نہیں تو شوہر کم ازکم یہ توقع ضرور کرسکتا ہے کہ اُس کے گھر کا انتظام تو معقول ہو۔ ایک صاف سُتھرا گھر ہو اور لذیذ کھانا میسر آئے۔ گھر میں اگر دن بھر کے تھکے ہارے شوہر کو لذیذ کھانا میسر آجائے تو غریب کو کونسی ایسی نعمت غیر مترقبہ ہاتھ آگئی کہ اس پر ناچنے لگے۔ شوہر کی دن بھر کی محنت مشقت کی داد بیوی بھی کہاں دیتی ہے۔ اور کسی عورت کی یہ شکایت کہ میرا شوہر میرے جذبات کی قدر نہیں کرتا ایک بے معنی سی چیز ہے۔ غالباً اس سے یہی مراد ہوگی کہ وہ اس کی ہر وقت مدح سرائی کیوں نہیں کرتا رہتا اسکی

باتیں سننے کے لئے ہمہ تن گوش کیوں نہیں رہتا اور اس کی حمد و ثنا کے لئے اس کی زبان ہر وقت کھلی کیوں نہیں رہتی۔ اِس قدر افزائی کے شوق میں عورتیں بالعموم تین باتیں بالکل نظرانداز کر دیتی ہیں اوّل یہ کہ عورتوں کا پورا پورا مزاج داں وہی شوہر ہو سکتا ہے جس کا وقت زیادہ تر عورتوں ہی کی صحبت میں گذرے اور عورتوں کی ناز برداری میں خاص طور پر مشاق ہو۔ جو عورت ایسے شوہر کی خواہشمند ہوتی ہے اس کو وہ میسر تو ضرور آ سکتا ہے مگر صرف چند روز کے لئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو بوؤگی وہی کاٹوگی۔ شوہر تو دل سے اسی وقت بیوی کی قدر کرے گا جب وہ دیکھیگا کہ بیوی بھی اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اگر کسی بیوی کی خواہش ہے کہ اس کا شوہر اُس پر دل و جان سے فدا ہو تو اسکو بھی اپنا طرز عمل بدلنا چاہیئے۔ جب تک یہ نہ ہوگا شوہر کیوں کہے کہ خانہ داری میں تم اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہو کہ کمروں کی ترتیب و زینت کی اس کو پروا نہ ہو۔ اس کی اپنی ذاتی استعمال کی چیزیں ضرورت کے وقت اس کو نہ ملیں اور ہر مہینے بلوں کا ایک انبار عظیم اس کے سامنے رکھا جائے۔

شوہر کیوں کہے کہ تم حور کی مانند حسین ہو جبکہ ممکن ہے کہ وہ بیوی کے ہیٹ اور لباس سے بیزار ہو۔ اس کے بالوں کے طرز کو چھچھورا پن سمجھتا ہو اور اس کے لانبے لانبے رنگیں شکاری ناخنوں سے اسکو نفرت ہو۔ وہ یہ کہے کہ میری راحت تمھارے دم کے ساتھ وابستہ ہے۔ جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ بیوی اسکی مفلسی اور ناداری کے دلخراش طعنوں سے اُس کو بد دل کر دیتی ہو۔ اُس کی ظاہری وضع قطع پر نکتہ چینی اور اعتراض کر کے اُس کی ہنسی اُڑاتی ہو۔ اور شوہر کی بعض ناکامیوں اور کوتاہیوں کا وظیفہ بنا کر اس کو کبیدہ خاطر رکھتی ہو۔

تیسری بات جو ایسی عورتیں اکثر فراموش کر دیتی ہیں وہ یہ ہے کہ شوہر بھی آخر انسان ہے۔ وہ بھی حوصلہ افزائی اور محبت کے انتہائی بھوکے ہوتے ہیں جتنا کہ بیویاں۔ ایک نہایت ہی فرسودہ مثل ہے کہ مرد محض بڑے بچے ہوتے ہیں اور ہر عورت کو جاننا چاہیئے کہ بچّوں کو اپنی مرضی اور مزاج کے مطابق چلانے کے لئے محبت دلداری اور ہمت افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں شوہر اگر بیوی کی تعریف کرے تو اس کو صلہ کیا ملتا ہے۔ فرض کیجئے کہ وہ اپنی بیوی سے

کہتا ہے "تم کس قدر حسین معلوم ہوتی ہو۔ یہ نئی پوشاک بہت خوشنما ہے"۔ ننانوے فی صدی اُس کو یہ جواب ملے گا۔ "تم ہزار دفعہ یہ چیتھڑے دیکھ چکے ہو۔ یا یہ جواب ہوگا کہ ہاں یہ لباس ہے تو نیا مگر مجھکو ٹھیک ٹھیک نہیں آتا۔ جو پوشاک میں خریدنا چاہتی تھی اس کی قیمت ذرا زیادہ ہے"۔ میرے نزدیک شوہر کی باتوں کے یہ جواب نہ ہمت افزا ہیں اور نہ انسے دلداری مقصود ہے۔ دلداری کی خوبی تو خصوصیت کے ساتھ بیبیوں میں ناپید ہوتی جاتی ہے۔ جس نفرت انگیز بداخلاقی کے ساتھ وہ شوہروں کے ساتھ پیش آتی ہیں وہ عام دوستوں کے ساتھ بھی روا نہیں رکھی جاسکتی۔ مثال کے طور پر اگر ایک دوست کوئی نہایت ضروری چیز لانے کا وعدہ کرے اور پھر وہ لانا بھول جائے تو بیوی کیا کرے گی؟ یقیناً کوئی خوش اخلاقی کی بات کہے گی خواہ دل میں کتنا ہی کڑھ رہی ہو۔ لیکن ایسی ہی حالت میں شوہر کی کیا گت بنے گی؟ جو الفاظ بیسیوں مہمانوں کی موجودگی میں شوہروں کو کہے گئے ہیں اور جو خود میں اپنے کانوں سے سن چکی ہوں۔ مَیں یہاں اگر اُن کو دُہراؤں تو مجھکو ناگوار ہیں۔ اُسپر طرہ یہ ہے کہ ہر چیز کا الزام شوہر کے سر تھوپا جاتا ہے۔ لیکن سالہا سال کے گہرے مشاہدہ کے بعد مَیں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ ننانوے فیصدی خانگی جھگڑوں کی ابتدا بیوی کی طرف سے ہوتی ہے یا کسی ایسی بات سے جو خاوند کے منہ سے اتفاقیہ نکل جاتی ہے لیکن بیوی میں اگر ذرہ برابر بھی تحمل و بُردباری ہو تو وہ اس بات کو سُنی اَن سُنی کرسکتی ہے یا نہایت نرمی سے اس کا جواب دے سکتی ہے۔

مرد جملہ اخراجات کا کفیل ہوتا ہے اور اس کو معاوضہ کیا ملتا ہے۔ بسا اوقات ایک چڑچڑی اور خود غرض بیوی جس کو اپنی دلچسپیوں سے ہی اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ شوہر کی مشترکہ ذمہ داریوں میں شرکت کرسکے اور جس کے دل کے افق پر اُمنگوں اور آرزوؤں کا ایک ایسا غبار ہوتا ہے کہ وہ خود بھی یہ طے نہیں کرسکتی کہ اس کی خواہش کیا ہے۔ پھر بھلا جب وہ خود اپنے آپ کو سمجھنے سے قاصر ہے تو اُس کے شوہر کا کیا قصور +

شہید رسوم

آج ہم ذیل میں ایک دلچسپ افسانہ کی پہلی قسط شائع کرتے ہیں جو ہمارے کرم فرما جناب اجمل مرزا صاحب ہمایوں دہلوی نے دہلی کی ٹھیٹھ زبان میں لکھا ہے اور بڑی تلاش اور کاوش سے ان رسوم کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کسی زمانہ میں مغلیہ خاندان کے اراکین قلعہ کے اندر ملحوظ رکھتے تھے۔ یہ سرگزشت دہلی کی ایک معزز خاتون کی ہے مگر میرزا صاحب کے قلم نے اس میں ایک خاص دلکشی پیدا کر دی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ انیس نسواں میں اس افسانہ کی اشاعت ہمارے ناظرین اور ناظرات کی دلچسپی کا باعث

نوٹ۔ آجکل کی نئی تانتی میں ریت رسم کی وہ شد و مد تو نہیں ہے کہ جو پہلے لوگوں میں تھی مگر اب بھی جو دو چار گنے چنے اور بچے کھچے گھرانے باقی ہیں وہ کچھ کمی بھی نہیں کرتے یہ لوگ آج بھی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بغیر ریت رسم کے بیاہ شادی اونگتے اُداس معلوم ہوتے ہیں۔ ریت کی چھل پیری اور رسموں کا بھوت یہ دونوں مسلمانوں سے کچھ اس طرح چمٹے ہیں کہ کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتے پیچھا چھوڑیں بھی کس طرح۔ ان کی مثال تو گھر کی بلا اور گھٹ میں میٹھی دوا کی سی ہے جو اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ جب مسلمانوں نے ہندوستان میں آکر سکونت اختیار کی ہے تو اکثر چھڑے آئے تھے۔ یہاں آکر ان نومسلموں کی عورتوں سے شادیاں کیں کہ جن کی گھٹی میں ہندوانہ رسوم و عقائد پڑے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بھی ہندوانہ رسم و رواج قبول کئے پھر یہ کہ آدمی جہاں رہتا سہتا ہے وہیں کی بول چال اور خوراک پوشاک بھی اختیار کر لیتا ہے۔ ایک پرانی کہاوت چلی آتی ہے جیسا دیس ویسا بھیس چنانچہ مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کے بہت سے قاعدے اور طریقے اختیار کئے۔ پھر سونے پر سہاگا یہ ہوا کہ اکبر نے استحکام سلطنت کے لئے ہندوؤں میں بیاہ شادی کا سلسلہ جاری کر دیا اسکی وجہ سے بھی

مسلمانوں کو بہت سے ہندوانہ عقائد و مراسم کو قبول کرنا پڑا۔ اگرچہ اب مسلمانوں کو توجہ ہوگئی ہے کہ وہ ان مذموم رسوم کی پیروی ترک کریں مگر ابھی صرف اتنا ہی ہوا ہے کہ بعض بعض گھروں میں کچھ کمی ہوگئی ہے لیکن اب بھی ایسے خاندان موجود ہیں کہ جنہوں نے ان خلاف شرع رسموں کے لئے گھر پھونک تماشہ دیکھا۔ کئی نے اس کو اصل کر دکھایا ہے۔ شہید رسوم میں دہلی کے ایک ایسے ہی خاندان کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ جو قدیم وضع کا پابند ہے اور محض وضعداری کو نبھانے کے لئے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اس افسانہ میں جن رسومات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس سے مقصد صرف ان رسوم کی بیہودگی اور لغویت ظاہر کرنا ہے۔ تاکہ مسلمان ان کی لغویت محسوس کر کے اسراف سے بچیں جس کے لئے خداوند کریم نے قرآن شریف میں بھی لا تسرفوا کا حکم بار بار فرمایا ہے اگر مسلمان اس ارشاد ربانی کی پیروی کرتے تو آج رسوائے عالم نہ ہوتے۔ اجمل مرزا۔

مثل مشہور ہے کہ بیاہی بیٹی پڑوسن داخل۔ اگر خدا بخاری اماں جان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جنہوں نے اپنے اوپر کفا جفا کی مگر سسرال میں ہر طرح میرا مان رکھا۔ ہر ایک تیج تہوار پر مجھ کو بھرا بھگتا۔ لیکن اماں جان کا یہ آئے دن کا لین دین بھی میرے لئے جی کا جنجال ہوگیا تھا بیاہ کے بعد جو چاؤ چونچلے میرے میکے کی طرف سے ہو رہے تھے وہ میری جٹھانیوں کو نصیب نہ تھے۔ رشک کی آگ ہی کیا کچھ کم ہوتی ہے مگر یہاں معاملہ رشک سے حسد اور حسد سے بغض اور بغض سے بغض للہی تک پہنچ چکا تھا تمام سسرال میں لے دے کر میری چھوٹی نند بی کلثوم کا ایک دم ایسا تھا کہ جس کو چوتھی چالوں تک تو میں نے اپنا رفیق اور ہمدرد سمجھا۔ مگر چند دن بعد وہ بھی جٹھانیوں کے بہکانے سکھانے میں آکر طوطے کی طرح آنکھیں بدل گئی وہ نند جس کو کبھی بھابی کے نام کی رٹ تھی اور جس کا کبھی بھابی بھابی کہتے منہ خشک ہوتا تھا اب اس کی زبان طعن تشنیع کے لئے قینچی کی طرح چلتی تھی اور میری یہ حالت تھی کہ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم منہ میں گھنگنیاں بھرے خاموش تھی سب کچھ سنتی تھی اور دیکھتی تھی مگر زبان سے اُف نہ نکالتی تھی۔

مجھے ساتواں مہینہ شروع ہوا تو ساس نند جٹھانیوں کی زبان پر ہر وقت یہی تھا کہ اب دلہن کے میکے والے سدھوڑے لے کر آئیں گے۔ رات دن سدھوڑ سدھوڑ کی آوازیں سنتے سنتے میرے کان پک گئے تھے

کئی دفعہ دل میں آیا کہ لاؤ اماں سے کہلوا بھیجوں کہ اماں جہاں تم نے میری شادی کی ہے اور ہر ریت رسم پر روپے کو پانی کی طرح بہایا ہے وہاں اس سڈھور کے منہ کو بھی جُھلسا دو مگر جب میکے کی مالی حالت کا خیال کرتی تھی تو چپ ہو جاتی تھی۔ لیکن واہ ری ماں بغیر میرے کہے سڈھور لیکر آئی اور سڈھور بھی اس آن بان سے آیا کہ ساس نند اور جٹھانیوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سڈھور میں عام طور پر سات ترکاریاں ہوتی ہیں مگر خدا بخشے اماں نے کوئی موسمی ترکاری نہیں چھوڑی تھی۔ موسم کے تمام پھل موجود تھے سڈھور کا تمام سامان میوہ پھل اور جوڑا وغیرہ اکیس سینیوں میں تھا اور ہر ایک سینی پر زرین خوان پوش ڈھکے ہوئے تھے۔ مکان کے صحن میں چماریاں سروں پر سینیاں لئے کھڑی تھیں۔ میں نے اپنی نند سے کہا۔ بوا کلثوم ذرا اس سامان کو کہیں رکھواؤ آخر یہ بچاریاں کب تک کھڑی رہیں گی۔ یہ سُن کر کلثوم بولیں "او ہوا اپنے میکے کی چماریوں کا بھی کتنا خیال ہے"۔ اس وقت میری ساس اور نند کے چہرہ پر تو خوشی تھی مگر دونوں جٹھانیوں کے تیوروں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر اُن کا بس چلے تو اسی دم تمام سامان میں دیا سلائی دکھا دیں۔

میں بھی اس تمام ساز و سامان کو دیکھکر بظاہر تو خوش ہو رہی تھی مگر دل میں سوچ رہی تھی کہ خدا جانے یہ سب سامان اماں نے کس طرح کیا ہوگا اور کیا بچا ہوگا۔ آخر مجھ سے نہیں رہا گیا تو میں نے اماں سے علیحدگی میں کہا۔ اماں تم کب تک مجھے اسطرح بھر و کھگتو گی۔ آخر تم کو میری دو بہنوں کو اور بھی بیاہنا ہے۔ جواب میں اماں نے صرف اتنا کہا۔ "اُن کی قسمت کا بھی اللہ دے گا"۔

سُہانے وقت یعنی سہ پہر کو مجھے نہلایا دُھلایا گیا۔ سڈھور کا جوڑا پہنایا گیا۔ اماں نے یہ جوڑا بھی ایسا بھاری بھر کم دیا تھا کہ بالکل ریت یا چوتھی کا جوڑا معلوم ہوتا تھا۔ پُشت ماہی کے جال کا سُرخ ریشمین دوپٹہ تھا ہر ایک خانہ میں پھول ٹنکے ہوئے تھے۔ دونوں پلوؤں پر زر دوزی کیریاں تھیں۔ اسی ساتھ کا کلیدار پائجامہ تھا۔ کلیوں پر ٹھپکی کے گوکھرو کی چھڑیاں تھیں اور پائنچوں پر زر دوزی دیکھست بھول۔ کرتہ بھی اسی شان کا تھا۔ جوڑے کو دیکھکر بڑی جٹھانی نے بادل نخواستہ اتنا ضرور کہا۔ "بوا جوڑا تو بڑا بہا ردار ہے"۔ جواب میں اماں نے کہا۔ "بوا غریب یا غریب جو کچھ ہوسکا وہ لے آئی۔ یہ تم لوگوں کی شرافت اور قدر دانی ہے کہ ہمارے تھوڑے کو بہت سمجھتی ہو"۔ چھوٹی جٹھانی ہنس کر بولیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دُولہا کی بہن کو

نیگ میں کیا ملتا ہے سا اماں نے کہا۔" بوا جو کچھ میسر ہے وہ نند کے نیگ میں بھی دوں گی"۔ یہ سُن کر بی کلثوم بولیں۔" اماں جان میں تو ایک اشرفی سے کم نہیں لوں گی"۔ جواب میں اماں نے کہا۔" بیٹی کلثوم میں لاکھ مفلس کنگال سہی مگر اتنی گئی گذری بھی نہیں ہوں کہ تم مجھ کو صرف ایک اشرفی کے قابل سمجھو"۔ یہ سُن کر کلثوم کچھ شرمندہ سی ہوگئیں۔ تھوڑی دیر بعد اماں نے کہا۔" لو بوا اب گود بھرو"۔

نند اور جٹھانیوں نے میری گود میں سات ترکاریاں میوہ اور ناریل ڈالا۔ اماں نے دعا دی "بیٹی خدا کرے تیری گود بال بچوں سے ہری بھری رہے اور تجھ کو اچھا پھل ملے"۔ یہ دعا دیتے ہوئے اماں نے نند کے نیگ کی پانچ اشرفیاں میری گود میں ڈالدیں۔ اشرفیوں کے ساتھ گود کا میوہ اور ترکاریاں بی کلثوم کے حصہ میں آئیں۔ کلثوم نے جلدی سے ناریل توڑا ناریل کی سفید گری کو دیکھکر کلثوم نے کہا "اُجلا پھل" یعنی بیٹا ہوگا۔ بی کلثوم نے سب کو ٹکڑا ٹکڑا ناریل بانٹا اور سب نے بیٹا ہونے کی مبارکباد دینی شروع کردی۔ جب مبارکباد و سلامت کا شور ختم ہوا تو چمپا دائی نے میری اماں سے کہا" بیگم صاحب مبارک ہو جھنڈولا اُجلا نکلا ہے خدا نے چاہا تو جھنڈولا ہی ہوگا۔

گود بھرائی کی رسم ختم ہوئی سب مہمان رات تک اپنے اپنے گھروں کو سدھارے۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ اس گود بھرائی میں خدا جانے گھر کون کون سی چیزوں سے خالی ہوا ہوگا اور اماں نے کیا کیا چیزیں اَونے پَونے بیچی ہوں گی جب میں پاؤں پھیرنے میکے گئی تو معلوم ہوا کہ اس گود بھرائی میں چندن ہار نے بازار دیکھا ہے۔ یہ سُن کر دل پر سانپ لوٹ گیا۔

اماں کے چندن ہار کا زخم ابھی بھرنے نہیں پایا تھا کہ نواں مہینہ شروع ہوتے ہی بڑی جٹھانی نے نوماسے کی ہانک لگائی۔ اب تو مجھ سے بھی ضبط نہ ہوسکا میں نے ساس کے سامنے جٹھانی سے کہا۔ دنیا میں یہی دستور ہے کہ ستوانسے کے بعد نوماسہ نہیں ہوتا۔ دونوں میں سے ایک رسم ہوتی ہے۔ چھوٹی جٹھانی بولیں "دلہن یہ تو مت کہو۔ کرنے والے تو پانچویں مہینے بھی سدھورے کرآتے ہیں اور پھر ستوانسا اور نوماسا بھی کرتے ہیں"۔

جٹھانی کے یہ لفظ سنکر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ دل میں آیا یہ پوچھوں کہ تمھارے

اماں باوا نے کیا کچھ کیا ہے جو تم یوں بڑھ بڑھ کر بول بول رہی ہو۔ مگر میں خون کا سا گھونٹ پی کر چپ ہو گئی۔ اتفاق دیکھو کہ اسی وقت اماں جان بھی مجھ سے ملنے آئیں۔ اماں کی شکل دیکھکر چھوٹی جٹھانی چلائیں۔ "شاید آج بھابی کے نوماسہ کی تیاری سے فرصت ملی ہوگی جو ادھر آنکلیں"۔

چھوٹی جٹھانی کا یہ فقرہ نیزہ کی طرح کلیجہ میں لگا۔ میں نے فوراً اماں کی طرف گھور کر دیکھا۔ اس گھورنے کا مطلب یہ تھا کہ جب ستوانسا ہو چکا تو نوماسہ نہیں ہوگا مگر میرے گھورنے کا اماں پر کیا اثر ہوتا انہوں نے تو قلعہ میں آنکھیں کھولی تھیں اور لال قلعہ کی ریت رسم دیکھی تھی۔ اماں ہنس کر بولیں "ہاں ہاں بیٹی بغیر تمھارے کہے بھی مجھے اپنی بچی کے نوماسے کا خیال ہے"۔ میں نے اماں سے بگڑ کر کہا۔ "اماں آخر تمھیں ایسا کون سا گنج قارون مل گیا ہے کہ ستوانسا بھی کر چکیں اور اب نوماسہ بھی کروگی دنیا جہان میں یہ قاعدہ ہے کہ ستوانسا یا نوماسا دونوں میں سے ایک چیز ہوتی ہے۔ اماں نے کہا "بیٹی ہم تو قلعہ کی رسمیں جانتے ہیں۔ قلعہ میں تو ستوانسا بھی ہوتا تھا اور نوماسا بھی"۔ میں نے بگڑ کر کہا "جبھی تو سلطنت گئی اور لال قلعہ اُجڑا" میں آگے بھی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اماں نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "قہر درویش برجان درویش" مجھے خاموش ہونا پڑا۔ مگر اس داؤں کے چلنے سے بڑی جٹھانی اور چھوٹی جٹھانی بہت خوش تھیں

یہاں سے جاتے ہی اماں نے نوماسے کی تیاریاں شروع کر دیں اور آٹھ دن بعد بہت دھوم دھام سے نوماسا لے کر آئیں۔ اماں نے نوماسہ کا سامان ستوانسے بھی بڑھ چڑھ کر کیا تھا مسّی۔ عطر پھول چاندی کی نہرنی نقرئی پیالی سات رنگ کا میوہ سات قسم کی ترکاریاں۔ غرض سبھی کچھ موجود تھا اور اس دفعہ جو جوڑا آیا تھا وہ پہلے سے بھی بھاری بھر کم تھا۔ بند رومی جال کا دوپٹہ تھا کمخواب کا کلیوں دار پائجامہ۔ پائنچوں پر زردوزی بیٹھا ٹنکا ہوا تھا۔ اس تمام سامان کو دیکھکر جو کچھ میرے دل پر بیت رہی تھی وہ اللہ ہی جانتا تھا۔

گود بھرائی کے بعد دائی نے چاندی کی نہرنی اور نقرئی پیالی لی اور پھر بھی اماں سے پیٹ پر تیل ملائی کا حق مانگا۔ اماں نے پانچ روپے سے اُس کے منہ کو بھی جھلسا۔ پہلے بی کلثوم کو اماں نے نیگ میں پہلے پانچ اشرفیاں دی تھیں مگر اس دفعہ سات دی گئیں۔ سو روپے پنجیری کے میری ساس کے ہاتھ میں رکھے اور کہا "بہن یہ رقم تمھاری شان کے لائق تو ہے نہیں مگر ہم کو یہی میسر تھا۔

میں اپنی آنکھوں سے اپنی ماں کا گھر لٹتا دیکھ رہی تھی مگر دم بخود تھی۔ ع جو کچھ خدا دکھائے وہ لاچار دیکھنا
تاہم میں نے دل میں یہ سوچ لیا تھا کہ اس دفعہ جب اماں کے گھر پاؤں پھیرنے جاؤں گی تو خوب دل کا بخار نکالوں گی۔

دوسرے دن ہماری ساس نے پنجیری کا سامان گوند مکھانے سونٹھ گھی سوجی اور کھانڈ وغیرہ منگائی۔ صبح سے رات تک گوند مکھانے بھنتے رہے۔ دوسرے دن سوجی کے بھوننے کا نمبر آیا۔ تیسرے دن میں پنجیری ساتھ لے کر پاؤں پھیرنے کے لئے میکے گئی اور اماں سے کہا۔ آخر تمھیں کبریٰ اور صغریٰ کا بھی کچھ خیال ہے ان کو بھی تو بیاہنا ہے ان کے حق کا بھی تو کچھ خیال رکھو۔ خدا جانے میں جوش میں کیا کیا کہہ رہی تھی اور کیا کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اماں جان بگڑ کر بولیں "لڑکی تو ہماری نصیحت کنندہ نہیں ہے"۔ بس اتنا کہہ کر اماں نے سدا بہار سے کہا "جا ذرا دیوانخانہ میں سے کمیدان صاحب کو بلالا"۔

سدا بہار ابا جان کو ساتھ لے کر گھر میں آئی۔ اماں نے ڈیوڑھی کے قریب ہی ابا جان سے کوئی پانچ منٹ گفتگو کی ہوگی کہ ابا جان پھر دیوان خانہ میں چلے گئے۔

دوسرے دن صبح کو میں کیا دیکھتی ہوں کہ گھر کا سارا صحن ترکاریوں سے پٹا پڑا ہے۔ میں نے بے چین ہو کر اماں سے پوچھا "اچھی اماں جان یہ اتنی ساری ترکاری کس لئے آئی ہے۔ اماں جان نے جواب دیا۔ "یہ تیری سسرال سے جو پنجیری کے خوان آئے ہیں تو کیا یہ خالی جائیں گے"۔ یہ سنکر میں نے ایک آہ بھری۔ میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اماں جان نے بگڑ کر کہا "خدا جانے اس لڑکی میں موئی کس فقیرنی کی ارواح گھس گئی ہے"۔ میں پھر کچھ کہنے کے لئے آمادہ ہوئی تھی کہ اماں جان پھر ڈپٹ کر بولیں "دیکھ عذرا خبردار جو اس موقع پر کوئی بھلا برا کلمہ زبان سے نکالا ہوگا۔ تیری تو بالکل وہ مثل ہوگئی ہے کہ داتا دے اور بھنڈاری کا پیٹ پھٹے۔ بس تم خیر سے اپنی سسرال سدھارو"۔

اس وقت اماں کے تیور کچھ ایسے بگڑے ہوئے تھے کہ میں نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ مگر میں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ ایک دو دن بعد آ کر اماں سے اس سلسلہ میں گفتگو کروں گی۔ مگر۔ مادر چہ خیالیم و فلک در چہ خیال۔ میرے میکے میں آتے ہی سسرال میں اندرون خانہ یہ سازش ہوئی کہ جاپا میکے میں ہو

اور میری ماں کا گھر خوب لٹے۔ میری دونوں جٹھانیوں نے ساس کو یہ مشورہ دیا کہ دلہن کا پہلا جاپا ہے جننا اور مرنا برابر ہوتا ہے اگر خدانخواستہ کچھ اونچ نیچ ہوگئی تو بدنامی کا ٹھیکرا ہمارے سر پھوٹے گا۔

دونوں جٹھانیوں نے ساس کے کان میں یہ افسوں پھونکا اور وہ ڈولی میں بیٹھ کر اماں کے پاس آئیں اور باوجود میری مخالفت کے یہی طے ہوا کہ جاپا اماں کے گھر ہوگا۔ اس بات کے طے ہوتے ہی چمپا دائی کا ڈیرا ڈنڈا اس گھر میں آگڑا اور میرے پلنگ کے برابر اس کا کھٹولا بچھ گیا۔ ساتھ خیر سے وضع حمل ہونے کے لئے نیازیں مانی گئیں۔ لڑکا پیدا ہونے کے واسطے تعویذ گنڈے اور ٹونے ٹوٹکے شروع ہوئے درگاہوں اور خانقاہوں پر جاکر منتیں مانی گئیں۔ پیروں فقیروں اور درویشوں کے ہاں بھاگ دوڑ شروع ہوئی۔ ان تمام کاموں کی کرتا دھرتا چمپا تھی اور دونوں دونوں ہاتھوں سے اماں کو خود بھی دھڑی دھڑی کرکے لوٹ رہی تھی اور اوروں سے بھی لٹوا رہی تھی۔ اماں کو کبھی یہ خبر دی جاتی تھی کہ پرانے قلعہ کے پاس پیر مٹکے شاہ کے مزار پر ایک بزرگ آئے ہیں جو بیٹا دیتے ہیں۔ کبھی یہ پرچہ لگتا تھا کہ روشن چراغ دہلی میں ایک سادھو براجمان ہیں اور دنیا اولاد نرینہ کے لئے اُن کی طرف اُلٹی پڑتی ہے۔

غرض اِس قطامہ نے اماں کو پھرکی کی طرح نچا رکھا تھا۔ اور اماں جلے پاؤں کی بلی کی طرح اِدھر اُدھر دوڑی دوڑی پھرتی تھیں + باقی آئندہ۔　　　(اجمل مرزا ہمایوں دہلوی)

ثمرۂ اتفاق

اگر بھولتے ہم نہ قولِ پیمبر　　　کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور　　　معین اُس کا خود ہے خداوند داور
تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی　　　فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی
وہ گھر جس میں ہوں دل ملے سب کے باہم　　　خوشی ناخوشی میں ہوں سب یار و ہمدم
اگر ایک خوش دل تو گھر سارا خرم　　　اگر ایک غمگیں تو دل سب کے پُرغم
مبارک ہے اُس قصرِ شاہنشہی سے　　　جہاں ایک دل ہو مکدر کسی سے

(حالی)

زبانِ خلق

طلوعِ اسلام دہلی۔ ماہ جون ۱۹۳۹ء

"انیس نسواں" اِس نام کا ایک زنانہ رسالہ شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹرایٹ لا اور ان کی بیگم صاحبہ کی ادارت میں گذشتہ جنوری سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ یُوں تو مسلمانوں میں تعلیم نسواں کی روزافزوں ترقی کے ساتھ زنانہ رسائل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور اسوقت تک بہت سے معیاری رسالے جاری ہو چکے ہیں لیکن ہمارے اکثر زنانہ رسالے مغربی تعلیم کا نتیجہ ہیں اور اسی لئے مغربی تہذیب اور تمدن سے بہت کچھ متأثر ہیں۔ اُن کے سامنے مشرقی عورت کی ترقی کا معیار بالکل یا ذرا سی ترمیم کے ساتھ وہی ہے جس کا نمونہ مغرب کی آزادی پسند عورت پیش کرتی ہے لہٰذا بعض تو کھُلے بندوں ہماری نسوانی دنیا میں تہذیب فرنگ کی تبلیغ واشاعت کرتے رہتے ہیں لیکن بعض ایسے رسائل جو مشرقی نسوانیت کی علمبرداری نہیں کرتے ہیں۔ بالعموم کسی واضح نصب العین کے نہونے کے باعث غیر محسوس طور پر مغربیت کی طرف پھسلتے چلے جاتے ہیں۔

یہ دیکھکر مسرت ہوتی ہے کہ انیس نسواں تمام زنانہ رسالوں سے الگ ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور ایک نمایاں کمی کو پورا کرتا ہے۔ اس نے قرآن پاک کے مقرر کردہ معیار کو سامنے رکھکر خواتین اسلام کو خالص اسلامی زندگی کی طرف متوجہ کرنیکا بیڑہ اُٹھایا ہے یہ کام جسقدر مبارک ہے اسی قدر نازک بھی ہے لیکن اسوقت کے چار پرچوں میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ بہت کچھ قابل اطمینان اور اُمید افزا ہے رسالہ کی ظاہری صورت بھی دیدہ زیب ہے

اخبار "انقلاب"۔ سالنامہ ۱۹۳۹ء

قارئین شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا کے نام سے ناواقف نہ ہوں گے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جو رسالہ مخزن کے اجرا میں شیخ عبدالقادر کے دست راست تھے۔ آپ مدت دراز سے گوشہ نشین تھے لیکن اب آپ نے اور آپ کی بیگم صاحبہ محترمہ نے انیس نسواں کے نام سے ایک زنانہ رسالہ جاری کیا ہے۔

آجکل ہندوستان میں مردانہ اور زنانہ رسالوں کی بھرمار ہے لیکن خدا جانے کیا وجہ ہے وہ سلاست

اور سادگی اور زنانگی جو پُرانے "مخزن" میں نظر آیا کرتی تھی وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی البتہ انیس نسواں میں تھوڑی سی جھلک نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہ رسالہ بھی انہی مبارک ہاتھوں میں ہے جنہوں نے اُردو میں ادبی تحریک کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ رسالہ حسن ترتیب زبان کی سلاست اور سادگی اور مضامین کی افادی حیثیت کے اعتبار سے بہت پسندیدہ ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ہندوستان کی دنیائے نسواں بہت جلد اسطرف متوجہ ہو جائیں گی۔ پچھلے دنوں سر عبدالقادر نے لندن سے اس رسالہ کے لئے لکھکر بھیجا۔ اور یقین ہے کہ صاحب موصوف کی مستقل توجہ اس رسالہ کی طرف مبذول رہے گی۔

اشارات

الحمدُ اللہ کہ انیس نسواں کی پہلی ششماہی بخیر و خوبی ختم ہوئی۔ اس قلیل عرصہ میں انیس نسواں کی ناچیز خدمات کا اعتراف ان خطوط سے ہوتا رہتا ہے جو زبان خلق کے تحت میں شائع ہوئے۔ ہم ان محترم اور معزز ہمعصروں کے بھی شکر گذار ہیں جنہوں نے اپنے قیمتی صحیفوں میں انیس نسواں پر ریویو شائع کر کے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی انیس نسواں کا حلقۂ اشاعت نے گو توقع سے زیادہ ترقی کی ہے لیکن ابھی اس قابل نہیں ہوا کہ اپنے اخراجات کا خود متحمل ہو سکے۔ اس مسبب الاسباب کے ہم بے انتہا شکر گذار ہیں کہ رسالہ سب حلقوں میں مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ ورنہ آجکل کی کساد بازاری میں اس قدر کامیابی کی توقع نہ ہو سکتی تھی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے معاونین اگر ترقی اشاعت کی طرف بدستور متوجہ رہیں گے تو دوسری ششماہی پہلی سے زیادہ کامیاب رہے گی۔ اس پرچہ سے انیس نسواں کی دوسری جلد شروع ہوتی ہے۔

ہم بیگم صاحبہ محترمہ نواب صادر یار جنگ بہادر (علیگڑھ) کے بہت شکر گذار ہیں کہ انہوں نے انیس نسواں کو پسند فرما کر دس رسالوں کا سالانہ چندہ مبلغ پچاس روپے ارسال فرمایا ہے۔ امید ہے کہ دوسری ذی قدر بہنیں بھی اس نیک مثال کی تقلید کریں گی۔ بیگم صاحبہ محترمہ نے سات زنانہ اسکولوں کے

نام تو تحریر فرماوئے تھے جن کے نام رسالہ جاری کردیا گیا ہے۔ تین چندوں کے۔ پندرہ روپے ہمارے پاس جمع ہیں۔ اُن کی ہدایت کے مطابق پانچ پرچے قسم دوم ان مسلم خواتین کے نام جاری کئے جائیں گے جن کو انیس نسواں کے پڑھنے کا شوق تو ہے لیکن رسالہ خریدنے کی اُن میں استطاعت نہیں۔ اسلئے اس اعلان کے ذریعہ سے ہم اطلاع دیتے ہیں کہ جو خواتین بیگم صاحبہ محترمہ کے اس فیض سے مستفیض ہونا چاہیں وہ ہمارے پاس اپنی درخواست جلد بھیجدیں۔ پہلی پانچ درخواستوں پر غور کرنے کے بعد ایک سال کے لئے انیس نسواں (سستا ایڈیشن) جاری کردیا جائے گا۔

مولوی محمد احمد کاظمی صاحب ایم۔ ایل۔ اے جو قانون خلع پاس کرا کے مسلم خواتین پر احسان کرچکے ہیں اب اسمبلی میں قاضی ایکٹ پیش کرنے والے ہیں۔ اگر یہ ایکٹ پاس ہوگیا تو مسلمانوں کے تمام شرعی معاملات شرعی قاضیوں کے ذریعہ سے شرع اسلام کے مطابق طے ہوا کریں گے۔

اب حال میں ڈبلن کے ایک پروفیسر صاحب نے اپنے دماغ کی جدت طرازی کا یہ ثبوت دیا ہے کہ انہوں نے اپنی حسین و جمیل بیگم کو طلاق دے دی ہے۔ پروفیسر صاحب کا یہ بیان ہے کہ جب سے اُن کی شادی ہوئی ہے انکی علمی ترقی رُک گئی ہے جبتک وہ اپنی بیوی کو الگ نہ کردینگے وہ کوئی ترقی نہیں کرسکتے اسلئے میں حُسن پر علم کو ترجیح دیتا ہوں

انیس نسواں کے ناظرین و ناظرات یہ سنکر خوش ہونگے کہ آنریبل سر شیخ عبدالقادر صاحب لندن میں پانچ سال تک اپنے عہدہ کے فرائض سے سبکدوشی حاصل کرکے ہندوستان واپس تشریف لا رہے ہیں۔ امید کیجاتی ہے کہ پی اینڈ او کے کموورن جہاز سے انشاء اللہ ۱۷ اگست کو ساحل بمبئی پر قدم رکھیں گے۔ انیس نسواں شیخ صاحب کی مراجعت وطن کی مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خدا خداکریم شیخ صاحب کو تادیر سلامت رکھے اور یہ پودا جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اُن کے زیر سایہ پروان چڑھے۔ امید ہے کہ شیخ صاحب کے قلمی احسانات کا سلسلہ بدستور جاری رہیگا۔ اوران کے یورپ کے مشاہدات اور تجربات انیس نسواں کی دلچسپیوں میں وقتاً فوقتاً اضافہ کرتے رہیں گے ہم شیخ صاحب کی خدمت میں انیس نسواں کی ناظرات کی طرف سے دلی شکریہ پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیش بہا مضامین سے اُن کو مستفید فرمایا

یہ رسالہ

کون پڑھے؟

عورتیں پڑھیں۔ مرد پڑھیں بوڑھے پڑھیں۔ جوان پڑھیں۔ لڑکے پڑھیں۔ انگریزی خواں پڑھیں۔ اردو داں پڑھیں:۔

کیوں پڑھے؟

اس کا اخلاقی حصہ جو زیادہ تر کلام اللہ کی تفسیر سے ماخوذ ہوتا ہے عورت مرد بوڑھے جوان سب کے لئے یکساں مفید ہے۔
اس کے ادبی حصہ میں اساتذہ اردو کے کلام کا جو انتخاب شائع کیا جاتا ہے وہ عام دلچسپی رکھتا ہے۔ اور بلند پایہ ہوتا ہے
اس میں جو طبع زاد نظمیں شائع ہوتی ہیں۔ ان میں خاص دلاویزی ہوتی ہے۔
اس کے مضامین نثر لکھنے والوں میں ملک کے مشہور ترین نثر نگار ہیں۔ ممتاز مسلم خواتین رسالے کو ہر طرح سے مفید اور دلچسپ بنانے میں کوشاں ہیں۔

رسالہ کا نام انیس نسواں کیوں رکھا گیا؟

اس رسالہ کے مدیر اور مدیرہ کا خیال ہے کہ دہریت کے جس سیلاب سے اہل ملک کو بچانا مقصود ہے۔ اس کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اصلاح گھر سے شروع ہو۔ اس لئے عورتوں کو مذہبی امور کی طرف متوجہ کرنا اور انہیں روایات قدیمہ کے مفید حصے کو قایم رکھنے کا خیال دلانا ضروری سمجھا گیا۔ ایک تو اس لئے کہ اُن میں ابھی وہ مُضر اثرات عام نہیں ہوئے جو بعض نوجوان مردوں کے سر میں سمائے ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ قدرتی طور پر زیادہ نرم دل اور اثر پذیر ہیں۔ تیسرے آئندہ نسل کی ذمہ داری دراصل اُن پر ہے۔ وہ آنے والی نسل کی مائیں ہیں۔ اُن کے خیالات درست رہیں تو اُن کے بچوں کے خود درست ہو جائیں گے اور گھروں میں اُن کا اثر ابھی اس قدر باقی ہے کہ اُن کے شوہر اور اُن کے بھائی بھی اُس اثر سے باہر نہیں رہ سکتے۔

کون پڑھے اور کیوں پڑھے کے ایک معنی اور بھی ہیں۔ یعنی کسی کو کیا غرض پڑی ہے۔ کہ اسے پڑھے۔ اور اس میں کیا رکھا گیا ہے کہ اسے پڑھا جائے۔ مگر اس معنی سے "انیس نسواں" خدا کے فضل سے ابتدا ہی سے بے نیاز ہو گیا ہے۔ کیونکہ اُس کی طباعت دیدہ زیب ہے اور مضامین ایسے چیدہ ہوتے ہیں کہ جو دیکھتا ہے پڑھنے لگتا ہے۔
آپ بھی منگوا کر دیکھیں اور پسند آئے تو ضرور خریدیں۔ امید ہے کہ آپ خود دیکھ لیں گے کہ آپ کا چندہ ٹھکانے لگ رہا ہے۔ اور آپ کے داموں کے عوض اُن سے زیادہ قیمتی ادبی اور اخلاقی جواہر آپ کی خدمت میں ہر مہینے پیش کئے جاتے ہیں۔

مجھ کو خط لکھئے فوراً تعمیل ہوگی

(شیخ احمد اکرام منیجر رسالہ انیس نسواں دہلی)

"مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن ہیں اور تم انکی چولی ہو" (البقر)

ایڈیٹر۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا۔ جائنٹ ایڈیٹر۔ مسز محمد اکرام

شعبان المعظم — ستمبر ۱۹۳۹ء

انیس نسواں

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دلاویز مخزن

جو دہلی سے ماہوار شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک پانچ روپیہ صرف فی پرچہ آٹھ آنہ ۸ر

جلد ۲ — نمبر ۳

فہرست مضامین

۷۸۶

سُورۃ النسائ کے مطالب

جو مرد اور عورتیں اور بچے اسقدر بے بس ہیں کہ اُنسے کوئی حیلہ کرتے نہیں بن پڑتا اور نہ انکو باہر نکل جانے کا کوئی رستہ سوجھ پڑتا ہے تو امید ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو معاف کردے اور اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اور جو شخص خدا کی خاطر اپنا وطن چھوڑے گا۔ تو روئے زمین میں اسکو رہنے سہنے کے لئے وافر جگہ اور ہر طرح کی کشائش ملے گی اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرکے نکلے پھر اسکو آئے موت تو اللہ کے ہاں اس کا اجر ثابت ہو چکا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

مسلمانو! جب تم جہاد کے لئے کہیں جاؤ اور تم کو اندیشہ ہو کہ نماز پڑھنے میں کہیں کافر تم سے لڑائی کی چھیڑ چھاڑ کریں۔ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم نمازیں سے کچھ گھٹا دیا کرو۔ کافر تو تمہارے واقعی کھلے دشمن ہیں جہاں ان کا بس چلے گا۔ وہ تم کو کبھی اطمینان سے نماز پڑھنے نہ دینگے اور اے پیغمبر جب تم مسلمانوں کے ہمراہ ہو اور امام بنکر انکو نماز پڑھانے لگو تو مسلمانوں کی ایک جماعت تمہارے پیچھے کھڑی ہو اور اپنے ہتیار لئے رہیں اور پھر جب سجدہ کرچکیں تو پیچھے ہٹ جائیں اور دوسری جماعت جو ابتک شریک نماز نہیں ہوئی آکر تمہارے ساتھ نماز میں شریک ہوں اور ہوشیار رہیں اور اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لئے رہیں۔ کافر تو یہ چاہتے ہیں کہ تم ذرا بھی اپنے ہتھیاروں اور سامان جنگ سے غافل ہو جاؤ تو فوراً تم پر حملہ کردیں۔ اور اگر تم لوگوں کو مینہ کیوجہ سے کوئی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اگر تم اپنے ہتھیار اُتار رکھو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ البتہ تم کو دشمنوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اللہ نے کافروں کے لئے تو ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

پس جب تم خوف کیحالت میں اپنی نماز پوری کرچکو تو اس کے بعد کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ اس کی یاد سے غافل نہو۔ اور جب تم دشمن کی طرف سے بیخوف ہو جاؤ تو پھر معمول

کے مطابق اپنی نماز پڑھو کیونکہ مسلمانوں پر وقت پر نماز پڑھ لینا فرض ہے۔

مسلمانو۔ دشمنوں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو اور اگر تم کو لڑائی میں تکلیف ہوتی ہے تو یاد رکھو کہ انکو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ مگر تمہاری حالت انسے بہتر ہے اسلئے کہ تم کو اپنے اللہ سے وہ وہ امیدیں ہیں جو انکو نہیں۔ اللہ سب کا حال جانتا ہے اور سب باتوں سے باخبر ہے اور سب حکمتوں کو سمجھتا ہے اے پیغمبر ہم نے جو کتاب برحق یعنی قرآن تم پر نازل کیا ہے تو اس لئے کہ جیسا تم کو خدا نے بتا دیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکا دیا کرو اور دغا بازوں کی کبھی طرفداری نہ کرو۔ اگر کوئی بھول چوک ہو بھی جائے تو اللہ سے معافی مانگو کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اور جو لوگ دوسروں کو دغا دیتے ہیں وہ اصل میں اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں ایسے لوگوں کی طرف ہو کر لوگوں سے نہ جھگڑا کرو کیونکہ اللہ دغا باز قصوروار کو دوست نہیں رکھتا یہ ایسے احمق ہیں کہ لوگوں سے تو پردہ کرتے ہیں اور خدا سے پردہ نہیں کرتے۔ حالانکہ جب راتوں کو ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں تو خدا ان کے پاس موجود ہوتا ہے۔ اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ کو معلوم ہے۔

مسلمانو۔ سنو تم نے یہاں اس دنیا کی زندگی میں ان کی طرف سے بحث کر لی مگر یہ تو بتاؤ کہ قیامت کے دن انکی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑے گا اور کون انکی وکالت کریگا جو شخص کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے (جھوٹی قسم وغیرہ سے) پھر اللہ سے معافی مانگ کر اپنا گناہ بخشوالے تو وہ دیکھیگا کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور جو شخص کوئی برا کام کرتا ہے تو وہ اپنی جان کے لئے برا کرتا ہے۔ وہ اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے۔ اللہ تو سب کا حال جانتا ہے اور سب حکمتوں سے واقف ہے اور جو شخص خود تو کوئی خطا یا گناہ کرے اور پھر اپنا قصور کسی بیگناہ پر تھوپ دے تو اس نے صریح بہتان اور گناہ کا بوجھ اپنے اوپر ڈالا۔

اور اے پیغمبر اگر تم پر اللہ کا فضل اور اسکی مہربانی نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ ارادہ کر ہی چکا تھا کہ تم کو بہکا دے۔ یہ لوگ تو اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور تم کو یہ لوگ کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ اللہ نے تم پر قرآن مجید اتارا ہے اور فہم سلیم دیکر تم کو ایسی حکمت کی باتیں سکھا دی ہیں جو پہلے تم کو معلوم نہ تھیں۔ اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

ان لوگوں کی سرگوشیوں اور سازشی مشوروں میں کبھی کوئی نیکی کی بات نہیں ہوتی مگر ہاں جو خیرات یا کسی اور نیک کام یا لوگوں میں میل ملاپ کی صلاح دے یہ البتہ نیکی ہے۔ اور جو شخص خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسے نیک کام کرے گا تو ہم قیامت کے دن اس کو بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

اور جو شخص راہ ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد پیغمبر سے الگ رہے اور مسلمانوں کے رستے کے سوا کسی دوسرے رستے پر چلے تو جو رستہ اسنے اختیار کرلیا ہے ہم اس کو اسی راستے پر چلانے جائینگے اور آخر کار اسکو جہنم میں لیجا داخل کریں گے۔ اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ اگر اللہ کے ساتھ کسیکو شریک کیا جائے تو اللہ یہ گناہ ہرگز معاف نہ کریگا۔ اس کے علاوہ جو چاہے معاف فرمادے۔

جس نے اللہ کے ساتھ کسیکو شریک کیا تو وہ سیدھے رستے سے بہت دور بھٹک گیا یہ مشرک خدا کے سوا تو بس عورتوں[1] ہی کو پکارتے ہیں۔ وہ اس شیطان سرکش کے کہنے میں آکر انکو پکارتے ہیں جب خدا کی لعنت اور پھٹکار اس پر پڑی تو کہنے لگا کہ میں تو تیرے بندوں سے ایک مقررہ حصہ تو ضرور ہی لے کر رہونگا۔ اور ان کو ضرور بہکاؤنگا اور انکو امیدیں بھی ضرور دلاؤنگا اور انکو ایسا بہکاؤنگا کہ وہ میرے کہنے پر چلنے لگیں گے میری ہدایت کے مطابق بتوں کی بھینٹ کے جانوروں کے کان بھی ضرور چیرا کرینگے۔ میں انکو بہکاؤنگا تو میرے ورغلانے

[1] عورتوں سے مراد یہ اں بت ہیں جس طرح ہندو دیویوں کو مانتے ہیں اسی طرح عرب میں بھی لات وعزا وغیرہ کو دیوی اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھکر انکی پرستش کرتے تھے۔

خدا کی بنائی ہوئی صورتوں کو بھی ضرور بدلا کریں گے۔ اور جو شخص خدا کے سوا شیطان کو دوست بنائے اور اس کی پیروی کریگا تو وہ بہت نقصان اٹھائے گا۔ شیطان انکے ساتھ وعدے کرتا ہے اور امید یں دلاتا ہے مگر شیطان کے وعدے تو نرا دھوکہ ہی دھوکہ ہیں۔

یہ ہیں وہ لوگ جن کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے اور وہاں سے بھاگ کر یہ کہیں جا نہیں سکیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہم عنقریب انکو بہشت کے ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان کے ساتھ یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا اور کون ہوسکتا ہے۔

مسلمانو! تمہاری عاقبت محض تمہاری آرزوؤں سے اچھی نہیں ہوسکتی اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں سے ہوسکتی ہو لیے اپنے اعمال اچھے ہونے چاہیں۔

جو شخص برے کام کرے گا انکی سزا پائے گا اور خدا کے سوا اس کو نہ تو کوئی حمایتی ہی ملیگا اور نہ مددگار۔ اور جو شخص نیک کام کرے گا۔ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا۔ تو ایسے ہی لوگ جنت میں جائیں گے۔ اور اس میں کسی کا ذرّہ بھر حق نہ مارا جائیگا۔ اور اس شخص سے کس کا دین بہتر ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر جھکا دیا۔ اور وہ اچھے عمل بھی کرتا ہے اور ابراہیم کے مذہب پر چلتا ہے کہ وہ ایک ہی خدا کے ہو رہے تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا تھا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور ان سب چیزوں پر اللہ ہی کا قبضہ ہے اور وہی مالک ہے۔

اے پیغمبر۔ لوگ تم سے یتیم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنیکے بارے میں حکم مانگتے ہیں تو تم ان سے کہدو کہ اللہ تم کو ان کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دیتا ہے اور پہلے بھی اجازت ہی تھی اور اس سے پہلے قرآن کے ذریعہ سے جو حکم تمکو دیا جا چکا ہے وہ درصل یتیم عورتوں کے بارے میں ہی جنکو تم انکا حق جو ٹھیرایا گیا ہے۔ نہیں دیتے اور باوجود اس کے کہ تم کو ان کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش ہے

لے سر پر منت کی چوٹی رکھنا اور گودنا اور اس قسم کی اور باتیں خدا کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنا ہے۔

اور نیز خدا بے بس بچوں کے بارے میں بھی حکم دیتا ہے کہ ان کے حقوق کی حفاظت کرو اور یتیموں کے حق میں خاص طور سے انصاف کو مدِنظر رکھو۔ یتیموں کے ساتھ کسی قسم کی بھی نیکی کروگے تو وہ اللہ سے کبھی مخفی نہیں رہ سکتی۔ اللہ تمکو اس کا اجر دیگا۔

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی دونو میں کسی پر کچھ گناہ نہیں کہ اصلاح کی کوئی بات ٹھیرا کر آپس میں صلح کرلیں اور صلح ہر حال میں بہتر ہوتی اور تھوڑا بہت بخل تو سب کی طبیعت میں ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے رہو اور سخت گیری سے بچے رہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اسکی سب خبر ہے۔

آوازِ غیب

آتی ہے دمِ صبح صدا عرشِ بریں سے
کھویا گیا کس طرح ترا جوہرِ ادراک

کس طرح ہوا کند ترا نشترِ تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ خس و خاشاک؟

مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں!
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

اب تک ہے رواں گرچہ لہو تیری رگوں میں
نے گرمیٔ افکار۔ نہ اندیشۂ بیباک

روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں بیں نہیں ہوتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہِ پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

سر اقبال رح

رباعی

مری شاخِ امل کا ہے ثمر کیا!
تری تقدیر کی مجھکو خبر کیا

کلی گل ہے محتاجِ کشود آج!
نسیمِ صبح فردا پر نظر کیا

شمع ہدایت

سورۃ المائدہ میں ارشاد ربانی ہے کہ "اے پیغمبر ہم نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا۔ اور ہم نے اپنا احسان اور نعمت ختم کر دی اور ہم نے تمہارے لئے اسلام کو پسند فرمایا" پھر دوسری جگہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے کہ "جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی پیروی کریگا تو خدا کے ہاں اس کا وہ دین مقبول نہیں ہوگا۔ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا"

ان ارشادات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ دین الٰہی صرف اسلام ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جو اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ جو لوگ دین اسلام پر نہ چلیں گے وہ قیامت کے دن نقصان اٹھانے والوں میں ہونگے۔ یہ ارشاد الٰہی ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل بسر و چشم کرے۔ مسلمان کہلانے کا وہی حق رکھتا ہے جو اسلام پر ایمان لائے۔ چنانچہ ظہور اسلام کے بعد جو لوگ اسلام لائے وہی دین و دنیا میں کامیاب ہوئے انہی مسلمانوں نے دنیا بھر میں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ اللہ نے اپنے وعدہ کے مطابق دنیا کی امامت اور حکومت انہی مسلمانوں کو دی تھی۔ اسلام کا نام روشن ہوا تو انہی مسلمانوں کی وجہ سے جہاں جاتے تھے کامرانی انکا استقبال کرتی تھی۔ جاہ و جلال اور دولت و اقبال انکے پیچھے پیچھے ہوتے تھے۔

کیا فضل کردگار تھا کیا اس کی شان تھی   اسلام تھا کہ دولت و ثروت کی کان تھی

مولٰنا شبلی مرحوم نے قوم کو خطاب کرکے عہد گزشتہ کا بہت اچھا نقشہ ایک نظم میں کھینچا ہے

یوں بھلانیکو تو ہم دل سے بھلاتے ہیں مگر   یاد آجاتے ہیں پھر بھی ترے اگلے جوہر

وہ بھی اک دن تھا کہ جس سمت سے ہوتا تھا گذر   ساتھ چلتے تھے جلو میں ترے اقبال و ظفر

تو کبھی روم میں قیصر کو مٹا کر آئی
کبھی یورپ میں نئے فتنے اٹھا کر آئی

تھے نقیبوں میں ترے دولت و اقبال و حشم
تیرے حملوں سے دہل جاتا تھا سارا عالم
ایشیا کا جو کیا تو نے مرقع برہم
جا کے یورپ کے افق پر بھی اڑایا پرچم
کر دیا دفتر تاتار کو ابتر تو نے
نیزہ گاڑا تھا جگر گاہ ختن پر تو نے

کون تھا جس نے کیا فارس و یوناں تاراج
کس کی آمد میں فدا کر دیا جے پال نے راج
کس کو کسریٰ نے دیا تخت و زر و افسر و تاج
کس کے دربار میں تاتار سے آتا تھا خراج
تجھ پہ اے قوم اثر کرتا ہے افسوں جن کا
یہ وہی ہے کہ رگوں میں ہے ترے خون جنکا

ہمنے مانا بھی کہ دل سے یہ بھلا دیں قصے
یہ سمجھ لیں کہ ہم ایسے ہی تھے اب ہیں جیسے
کبھی بھولے بھی سلف کو نہ کریں یاد مگر
یادگاروں کو زمانے سے مٹائیں کیونکر
مرد شیراز و صفاہاں کے وہ زیبا منظر
بیت حمرا کے وہ ایوان وہ دیوار وہ گھر
مصر و غرناطہ و بغداد کے ایک ایک پتھر
اور وہ دہلی مرحوم کے بوسیدہ کھنڈر
ان کے ذروں میں چمکتے ہیں وہ جوہر اب تک
داستانیں انہیں سب یاد ہیں از بر اب تک
پوچھتا ہے جو کوئی ان سے نشانی تیری
یہ سنا دیتے ہیں سب رام کہانی تیری

آہ آج بھی تو مسلمان اسلام کے پیرو ہیں۔ وہی خدا ہے اور وہی رسول وہی قرآن ہے اور وہی کعبہ وہی نمازیں ہیں اور وہی دعائیں مگر سچ پوچھو تو مسلمانوں کو نہ خدا کا پاس ہے نہ رسول کا نہ قرآن پہ وہ ایمان ہے نہ کعبہ سے وہ عقیدت۔ نمازیں پڑھنے کو پڑھتے ہیں مگر نہ نمازوں میں وہ خشوع ہے نہ دعاؤں میں وہ تاثیر ہے۔

اگر ہم اللہ کے حکموں کی تعمیل اپنا فرض نہ سمجھیں تو کیا ہم خدا کے فرماں بردار بندے کہلا ئینگا

حق رکھتے ہیں اگر ہم رسول کے احکام سے روگردانی کریں تو کیا یہ اللہ کے رسول کی متابعت ہے قرآن پر عمل تو کجا ہم اسکو پڑھکر سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔

ہماری نمازیں محض دفع الوقتی کیلئے ایک فرض ہوکر رہ گئی ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ کس بات کا اعتراف ہے اور کس بات کا اعتذار مسلمان غور کریں کیا یہی وہ اسلام ہے کہ جس کی پیروی ہم پر خدا نے فرض کی تھی۔ کیا یہی وہ اسلام ہے کہ جس کی تکمیل کرکے اللہ نے مسلمانوں پر خاص احسان کیا تھا۔ کیا یہی وہ آخری دین الہٰی ہے جس کے ہم نام لیوا رہ گئے ہیں۔

اصل اسلام ہماری نظر سے اوجہل ہے فروعات میں ہم الجھ رہے ہیں۔ اسلام کا وجود باقی ہے مگر روح مفقود ہو چکی ہے۔

غیر مذاہب کے لوگ اگر اصل اسلام دیکھنا چاہیں تو ہم اسلام کی نقل کرکے یہ ضرور دکھا سکتے ہیں کہ اسلام میں نماز اس طرح پڑھی جاتی تھی۔ ہم بتا سکتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ جو کبھی اسلام میں ایک بڑی ضروری چیز تھا اب بھی نماز سے قبل اسی طرح پڑھا جاتا ہے۔ خواہ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے مگر اس کی نقل ضرور کیجاتی ہے۔ امام کے ہاتھ میں عصا کا ہونا بھی ضروری ہے اور خطبہ کے دوران میں ایک مرتبہ امام کا منبر پر بیٹھنا داخل سنت ہے۔ نماز میں قیام قعود رکوع و سجود کی نقل ہم خوب کرسکتے ہیں۔ قرآن کی دعائیں ازبر یاد ہیں بلا سوچے سمجھے آمین بھی کہتے جائیں گے حج کا فریضہ بھی بشرط توفیق ایک مرتبہ یا چند مرتبہ ادا کرکے حاجی کہلانے کا حق حاصل کر لینگے۔

ہم ہر نماز میں اللہ سے کہتے ہیں" الہٰی ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھسے مدد مانگتے ہیں۔ مگر ہمارا عمل یہ ہے کہ ہم کسی چیز کو خدا کا شریک بنانے میں تامل نہیں کرتے ہم پیروں فقیروں درگاہوں اور مزاروں سے مرادیں مانگتے ہیں اور انکو سجدے کرتے ہیں۔ کیا یہ خدا کے احکام کی صریح نافرمانی نہیں۔ زبان سے ہم کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ انہی نافرمانیوں کی سزا میں ہم پر عتاب الہٰی ہو رہا ہے۔ مگر ہم کو عبرت نہیں ہوتی اپنے اعمال کی سزا ہم بھگت رہے ہیں لیکن پھر بھی ہم اپنی اصلاح کیطرف مائل نہیں ہوتے اگر ہم قرآن سمجھکر پڑھیں تو ہم کو وہ شمع ہدایت

دکھائی دے جو ہماری رہنمائی کے لئے اللہ نے ساڑھے تیرہ سو برس سے روشن کر رکھی ہے۔
اسی لئے ہم قرآن مجید سمجھکر پڑھنے کی بار بار تاکید کر رہے ہیں کہ مسلم خواتین کی آنکھیں کھلیں اور انکو معلوم ہو کہ وہ سیدھا راستہ کونسا ہے جس کے لئے ہر رکعت میں اللہ سے دعا کیجاتی ہے کہ الہیٰ توہمکو ان لوگوں کا سیدھا رستہ دکھا جنکو تونے اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا الہیٰ ان کا رستہ نہ دکھا جن پر تو ناراض ہوا اور وہ تجھ سے گمراہ ہوئے آمین۔

محمد اکرام

کلام اقبال

ضمیرِ مغرب ہے تاجرانہ ضمیرِ مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ
کنارِ دریا خضر نے مجھ سے کہا باندازِ محرمانہ
سکندری ہو قلندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحرانہ
حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ خانقاہی
انہیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق نہ ہو سنگِ آستانہ
غلام قوموں کے علم و عرفاں کی ہے یہی رمز آشکارا
زمیں اگر تنگ ہے تو کیا ہے فضائے گردوں ہے بیکرانہ
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ
میری اسیری پہ شاخِ گل نے یہ کہہ کے صیاد کو رلایا
کہ ایسے پرسوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ

علامہ سر اقبال مرحوم

مذہب منڈی*

تین چار برس سے یورپ میں مذہبوں کی ایک منڈی لگتی ہے آپ شاید کہیں کہ مذہب کو منڈی سے کیا واسطہ۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جہاں منڈی ہے وہاں مذہب کا زیادہ کام نہیں۔ منڈی میں چالاکی کامیابی ہے اور دھوکہ دینے میں نفع سمجھا جاتا ہے اور مذہب کو ماننے والے عموماً منڈی کے معمولوں سے بے خبر اور اکثر بے زر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں گہرا لگاؤ ہے۔ اور آج کل کی دنیا میں بہت سی خرابیاں اسی لئے پیدا ہوئی ہیں کہ لوگوں نے ان دونو کو الگ کر رکھا ہے۔ ایک جگہ پیٹ بھر کر بے صولی کر لیتے ہیں اور دوسری جگہ جاکر تھوڑی دیر خدا کا نام لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم دنیا اور دین دونو کے فرائض ادا کر چکے ہیں۔ ہمارے ہادیٔ برحق کا یہ طریق نہیں تھا۔ ان کے صول کے مطابق منڈی میں بھی پورا تولنا اور سچ بولنا ضروری تھا اور مسجد میں بھی یہ دعا مانگنے کا حکم تھا کہ اے خدا ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی دے اور اگلی زندگی میں بھی بھلائی دے حضرت محمدؐ نے درجہ پیغمبری پانے سے پہلے امین کا لقب حاصل کیا اور پیغمبری کے زمانے میں یہ پیغام انسانوں تک پہنچایا کہ جو وعدے کرو ان کو پورا کرو۔ اور کسی کا کچھ دینا ہو تو پابندی سے ادا کرو۔ اس لئے میرے خیال میں مذہب اور منڈی آپس میں متضاد نہیں ہیں

جب سر فرانسس ینگ ہز بنڈ نے یہ سوسائٹی قایم کی اور بعض اور مسلمانوں کے ساتھ مجھے اس میں شریک ہونے کی دعوت دی تو میں نے کچھ تامل کیا۔ تامل اس وجہ سے تھا کہ یورپ میں مذہب کی طرف میلان کم ہے اور اسلام کے خلاف تعصب زیادہ اور جلسے میں اکثریت ہمارے موافق

---

* ورلڈ کانگرس آف فیتھز" کے نام سے ایک مجلس ۱۹۳۶ء میں لندن میں قایم ہوئی ۱۹۳۹ء میں اس کا جلسہ فرانس میں ہوا اس کا نام میں نے "مذہب منڈی" رکھا ہے۔

نہیں ہو گی۔ تو اس صورت میں شاید ہمیں کسی خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مگر ذرا غور کے بعد یہ خیال آیا کہ یورپ کی مذہب سے بے پروائی اور اسلام کے متعلق بیزارخی ہی وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر مسلمانوں کو چاہئے کہ جہاں ایسا مجمع ہو۔ اُس میں جائیں اور جو صداقت ان کے پاس موجود ہے اسے پیش کریں ؎

بازار مصر میں چل۔ یوسف کا سامنا کر
کھوٹے کھرے کا سودا کھل جائیگا چلن میں

یہ خیال آتے ہی میں نے بازار مذاہب میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

پہلا جلسہ لندن یونیورسٹی کے ہال میں ہوا اور دو ہفتے رہا۔ مختلف مذاہب کے نمائندوں نے تقریریں کیں۔ اس جلسہ میں یہ اصول رکھا گیا ہے کہ جو تقریریں اس جلسے میں کی جائیں وہ ایک مقررہ موضوع سے تعلق رکھتی ہوں۔ صرف اپنے اپنے مذہب کا وعظ نہ ہو مثلاً پہلے جلسے میں یہ موضوع تھا کہ مذہب کے ذریعے دنیا بھر کی اقوام میں رشتہ دوستی کیونکر قایم ہو سکتا ہے اس موضوع پر ہر شخص اپنے اپنے مذہب کے زاویۂ نگاہ کو بیان کرے اس سلسلے میں مسلمانوں کی طرف سے چار تقریریں اسلام کے متعلق ہوئیں ایک جناب شیخ المراغی صاحب کی جو جامع الازہر کے افسر اعلیٰ ہیں۔ ایک جناب عبداللہ یوسف علی کی ایک جناب خالدہ ادیب خانم کی اور ایک میری دوسرے برس کا جلسہ اکسفورڈ یونیورسٹی میں ہوا اس میں اسلام پر ایک بسیط مضمون بیگم امیر الدین صاحبہ نے پڑھا جو ہندوستان سے اس جلسے میں شریک ہونے کے لئے آئی تھیں اور بھی مختصر تقریریں ہوئیں جن میں جناب عبداللہ یوسف علی صاحب کی بھی تقریر تھی۔ تیسرا جلسہ کیمبرج یونیورسٹی میں ہوا جس میں پھر ایک مضمون اسلام کے متعلق میں نے پڑھا اور ایک پر اثر تقریر یوسف علی صاحب نے کی ایک اس مجلس کو پیرس کی یونیورسٹی سے بلاوا آیا اور اجلاس وہاں قرار پایا۔ اس یونیورسٹی کا نام سوربون ہے اور اس کا شمار دنیا کی پرانی اور اہم ترین درسگاہوں میں ہے۔ میں خوش ہوں کہ میں قیام یورپ کو ختم کرنے سے پہلے اس اجلاس میں شریک ہو سکا

---

[1] شیخ المراغی خود نہیں آسکے تھے اسلئے اُن کی تقریر ان کے چھوٹے بھائی نے پڑھ کر سنائی تھی۔

عبداللہ یوسف علی صاحب بھی اس میں شریک تھے ایک بزرگ شمال افریقہ سے خاص طور پر بلائے گئے تھے ان کا نام نامی جنرل حسین حسنی عبدالوہاب ہے یہ جامع صفات بزرگ ہیں جن کے آنے کا بہت اچھا اثر اس جلسے پر پڑا۔ ان کے علاوہ ایک اور عالم شیخ دراز نامی نے جو الازہر کے فارغ التحصیل ہیں اور شیخ المراغی صاحب کی طرف سے شریک جلسہ تھے۔ تقریر کی۔ اور چند مختصر تقریریں میں نے کیں۔ اس جلسے کی چند باتیں قابل ذکر ہیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ کسی حکومت کی طرف سے اس جلسۂ مذاہب کی حوصلہ افزائی ہوئی ہو فرانس کی حکومت نے خوشی سے اس جلسے کے پیرس میں منعقد ہونے کو قبول کیا۔ اور موجودہ وزارت کے ایک رکن نے اس کی سرپرستی کی اور ایک دوسرے وزیر نے افتتاحی جلسے کی صدارت کی سوربون یونیورسٹی کے صدر نے ایک مبسوط تقریر کی جس میں جلسۂ مذاہب کے اراکین کا خیر مقدم کیا ایک ہمدردانہ پیغام صدر جلسہ کے نام ہز مجسٹی شاہ انگلستان کی طرف سے موصول ہوا۔ جو سر فرانسس نے بڑھ کر سنایا اور ایک حوصلہ افزا پیغام ہز اگزالٹڈ ہائی نس حضور نظام کی جانب سے پہنچا جس اعلان کا فرض میرے سپرد کیا گیا۔ میں نے اپنی تقریر میں حضور نظام کو جو محبت مذہب سے ہے اور جو رواداری اور حوصلہ افزائی وہ دوسرے مذاہب کی کرتے ہیں۔ اس کا مناسب تذکرہ کیا۔

ہندو دھرم کے متعلق پروفیسر داس گپتا نے تقریر کی۔ اور اس پر جو بحث ہوئی اس کا آغاز میرے ذمہ تھا۔ یہ تقریر اپنشد کے فلسفہ پر مبنی تھی۔ اور بہت پسند کی گئی کیتھولک عیسائیوں کی طرف سے پہلے تین سالوں میں کوئی نمائندہ حیثیت رکھنے والے اصحاب شریک جلسہ نہیں ہوئے تھے۔ اس مرتبہ موسیو ماری تیں۔ جو فرانس کے ایک بلند پایہ فلسفی اور مذہبی تصانیف کے مصنف ہیں نہ صرف جلسے میں شامل تھے بلکہ انہوں نے ایک عالمانہ مضمون پڑھا بعض کیتھولک ان کے شریک جلسہ ہونے پر معترض بھی تھے۔ مگر انہوں نے پروا نہیں کی۔

موسیو میگنوں جو فرانس کے مشہور ماہر علوم شرقیہ ہیں اور عربی داں ہیں مقامی استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے۔ یہ بھی کیتھولک مذہب رکھتے ہیں۔

استقبالیہ کمیٹی کے نائب صدر موسیو لے کومب تھے یہ سنسکرت کے عالم ہیں اور ان کا مذہب بھی کیتھولک ہے

انگلستان کے مشاہیر میں سے لارڈ سیموئیل شریک جلسہ تھے۔ یہ پہلے بھی شامل ہوتے رہے ہیں اور ہمیشہ نہایت فصیحانہ تقریر کرتے ہیں۔ اس مرتبہ بھی ان کی تقریر بہت بلند پایہ تھی گو اس میں فلسفہ کا عنصر مذہب سے زیادہ تھا۔ یہ یہودی الاصل ہیں، مگر انہوں نے یہودی مذہب کے متعلق بیان کو اپنے ایک دوسرے معاصر کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

سر ڈینی سن راس جو پہلے کلکتہ مدرسہ کے پرنسپل تھے اور تھوڑا عرصہ ہوا لندن کے مدرسہ علوم مشرقیہ کی صدارت سے فارغ ہوئے ہیں۔ موسیو ماری تیں کے لکچر کے صدر تھے اور انہوں نے اپنی تمہیدی اور آخری تقریروں میں جلسے کے مقاصد سے اپنی پوری ہمدردی کا اظہار کیا۔

بدھ مذہب کی طرف سے جناب بھیکو تنیلا صاحب کی تقریر تھی جس میں مجھے بھی بدھ مذہب اور اسلام کے متعلق اظہار خیالات کا موقع ملا۔

اس جلسے کے بعض مشاہدات کی بابت کچھ لکھنے سے پہلے چند الفاظ جرنیل عبدالوہاب صاحب کی نسبت لکھنے ضروری سمجھتا ہوں۔ ان کا سن غالباً ساٹھ برس کے قریب ہوگا قد لمبا۔ بدن دُبلا پتلا چہرہ سے ذہانت ٹپکتی ہے عادات اور اخلاق اور خیالات میں وہ اسلام کا ایک اچھا نمونہ ہیں پہلی صفت تو ان میں یہ کہ تلوار کے بھی دھنی اور قلم کے بھی دھنی۔ اس کے ساتھ پابند مذہب عربی میں تاریخ ٹیونس کے مصنف ہیں۔ فرانسیسی میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ مذاہب میں ان کی تقریر فرانسیسی میں تھی مطالعہ کا بہت شوق رکھتے ہیں۔ پیرس میں بھی فرصت کے وقت پرانی کتابیں ڈھونڈھتے رہتے تھے اور ایک دو نادر کتابیں اس مرتبہ بھی ان کو ہاتھ لگیں۔ مجھے ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی انہیں حدیث شریف کا بھی بہت شوق ہے اور بات بات پر حدیث سے استناد کرتے ہیں مصر و شام میں عربی زبان کی ترقی کے لئے ایک مجلس ہے یہ اسکے ایک رکن ہیں وہ ابھی مشرق کیطرف عرب سے آگے نہیں گئے۔ مگر ہندوستان جانے کا شوق رکھتے ہیں۔

اب جلسے کے مشاہدات کو لیجئے اوّل یہ کہ اس پیرس کے سوا جسے ہر سیاح دو چار دن کی سیر میں دیکھتا ہے اور جس کے لہو ولعب کی داستانیں مشہور ہیں۔ کوئی اور پیرس بھی ہے جسے پیرس کی روح کہہ سکتے ہیں اور وہ روح ابھی زندہ ہے۔ اور اسی کی بدولت پیرس اور فرانس ابھی زندہ ہے گو فرانس نے مدت ہوئی مذہب اور ریاست کا رشتہ منقطع کر دیا اور یورپ کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں کے نوجوانوں میں بھی مذہب سے بے پروائی عام ہے تاہم اس جلسے میں یہ پتہ چلا کہ کیتھولک مذہب کی قوت اب بھی بہت ہے اور پادریوں کا اثر بہت کچھ باقی ہے۔ اس کے سوا پادریوں کے متعلق یہ معلوم ہوا۔ کہ زمانہ کے بدلنے کے باوجود ان کی تنگ خیالی نہیں بدلی اور وہ جلسۂ مذاہب جیسی تحریکوں کی مدد کرنے سے گریز کرتے ہیں کہ کہیں ان کے پیرو دوسرے مذاہب کی خوبیوں سے متاثر نہ ہو جائیں۔ یہ بات انگلستان کے جلسو میں بھی نظر آئی تھی کلیسائے انگلش کے بڑے بڑے پادری ان جلسوں میں نہیں آتے تھے مگر جو پادری کلیسا کی پابندی سے نکل چکے ہیں وہ شامل ہوتے ہیں بڑے پادریوں کا یہ رویہ دیکھکر مجھے تعجب ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انکا مذہب سب سے بہتر ہے۔ پس انہیں کیا ضرورت ہے کہ دوسرے مذاہب کے خیالات معلوم کریں۔ مگر عام طور پر ان کے اس رویہ کے یہ معنی سمجھے جا رہے ہیں کہ وہ دوسرے مذاہب کے ساتھ موازنہ میں پیش ہونے سے جھجکتے ہیں اور یہ صریح علامت کمزوری دل کی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایشیائی مذاہب کیلئے کھلے میدان میں آنا ان کی نسبت بہتر اثر پیدا کر رہا ہے میں نے دیکھا کہ اکثر سامعین جلسوں سے نکلتے وقت کسی نہ کسی مشرقی مقرر کی تعریف کرتے ہوئے جاتے تھے۔ اور ان کو مشرقی مذاہب کے متعلق مزید واقفیت پیدا کرنے کا اب بہت شوق ہوتا جاتا ہے

اس جلسے کے مقرروں میں ایک صاحب ملک سویڈن کے ہیں۔ وہاں کے سائنس داں علماً میں سے ہیں اور دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے بھی بڑے آدمی ہیں۔ ایک دن بعض مشرقی حضرات کی تقریروں کے بعد جب ہم باہر آئے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ اپنے خیالات کے ذریعے ہم پر غالب آتے جاتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ شاید ابھی تو یہ خیال مبالغہ سے خالی نہیں۔ لیکن اگر کسی دن سچ ہو جائے تو تعجب نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ خود عیسوی مذہب بھی تو مشرق ہی کا

دیا ہوا ہے اور مشرق ہمیشہ مذہب کا منبع رہا ہے۔

شرکائے جلسہ میں ایک نوجوان عالم مجھے ملا جس کا نام مسکارو ہے اور ہسپانیہ کا رہنے والا ہے۔ حال میں جو جنگ وہاں ہوئی اس سے پہلے وہ بارسیلونا میں پروفیسر تھا۔ کیمبرج کا پڑھا ہوا ہے اور انگریزی اور فرانسیسی کے سوا سنسکرت بھی جانتا ہے۔ وہ انقلاب میں وہاں سے اسے نکلنا پڑا اور آندنوں کیمبرج میں مقیم ہے۔ اس کو شوقِ علم اعلیٰ درجہ کا ہے۔ اس نے بدھ مذہب کے متعلق اپنی تقریر میں ایک نکتہ بیان کیا۔ اس نے کہا کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بدھ مذہب والے خدا کو نہیں مانتے۔ اسلئے کہ جب گوتم بدھا سے کسی نے خدا کے متعلق سوال کیا تو اس نے سکوت سے کام لیا۔ موسیو مسکارو کا خیال ہے کہ اس سکوت کے معنی ہستی باری تعالیٰ سے نفی یا انکار نہ تھے۔ بلکہ یہ کہ وہ ہستی جو احاطہ بیان میں محیط نہیں ہو سکتی۔ اس کی تعریف لفظوں میں کیونکر کی جائے۔ بدھ مذہب کے نمایندے نے ایک حد تک اس خیال کی تائید کی۔ اس سے مجھ پر یہ اثر ہوا کہ اگر بدھ مذہب میں خدا کے متعلق گوتم بدھ کے سکوت کی یہ توجیہ درست ہے۔ تو دنیا کے ایک بہت پھیلے ہوئے مذہب کے متعلق غلط فہمی رفع ہو گئی۔ اور اگر یہ نئی بات ہے۔ اور پہلے انکاری رہا ہے تو اس مذہب کے مغربی قدر دان اور مشرقی نام لیوا حقیقت اصلی کے قبول کرنے پر مجبور ہوتے جاتے ہیں۔ موسیو مسکارو کی بابت یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ انہیں اب عربی کی تحصیل کا خیال ہو رہا ہے۔ عربی الفاظ کا تلفظ وہ بہت اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں۔ اور ایک گفتگو میں چند عربی اقوال جو انہوں نے مجھ سے سُن کر پسند کئے ان کو خوب یاد ہو گئے۔

اسی جلسے میں ایک انگریز خاتون ملیں جن کے خاندان کو ہندوستان سے سلسلۂ ملازمت میں پرانا تعلق ہے۔ کچھ عرصہ ہوا وہ ہندوستان میں سیر کو گئیں۔ اور جیسا کہ ان لوگوں کو شوق ہے انہوں نے ایک کتاب[1] میں اپنے مشاہدات قلمبند کر کے شائع کئے۔ پیرس میں وہ کتاب انہوں نے مجھے دکھائی۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے ہندو دھرم کے متعلق کئی جگہ بہت تعریفی کلمات لکھے

---

[1] کتاب کا نام مسٹک انڈیا ہے اور مصنفہ کا نام مس ہنوا ہے۔

ہیں۔ لیکن اسلام کے متعلق اظہار خیال میں جابجا ٹھوکر کھائی ہے۔ میں نے یہ بات اُن سے صاف طور پر بیان کی۔ انہوں نے میری تنقید بہت ٹھنڈے دل سے سنی اور اس امر کا اعتراف کیا کہ انہوں نے غلطی کھائی۔ اپنی کتاب لیکر جابجا وہ فقرے جن میں اسلام سے ناانصافی کی گئی تھی قلم زن کر دیئے اور مجھ سے کہا کہ وہ آیندہ اشاعت میں ان غلطیوں کی اصلاح کر دیں گی۔ اس مستعدانہ رضامندی میں انکی اپنی طبیعت کی عمدگی کے علاوہ جلسۂ مذاہب کا اثر جلوہ نما تھا۔ ایک اور انگریز خاتون اسی جلسے میں ملیں۔ ان کا نام مِس سٹوری ہے انہوں نے سالہا سال سے جنیوا میں یہ کام اپنے ذمے لے رکھا ہے کہ مختلف اقوام کے طلبا۔ کی ایک انجمن اپنے ذاتی صرف سے بنائی ہے اور اُن ایک دوسرے سے دوستانہ برتاؤ کی تلقین کرتی رہتی ہیں اور ان کے قیام کے دوران میں انہیں صلاح و مشورہ سے مدد دیتی ہیں اس خاتون کے ساتھ مذہب کے متعلق تبادلۂ خیالات کا مجھے موقع ملا تو معلوم ہوا کہ وہ مذہب کی حقیقت کی دل سے معترف ہیں مگر اسے عیسویت تک محدود نہیں سمجھتیں انہوں نے بہت سے مذاہب کا مطالعہ کیا ہے اور ان کا اپنا ایک بڑا کتب خانہ ہے اگرچہ انہیں بہائی مذہب سے بہت دلچسپی ہے مگر انہوں نے بہائی مذہب اختیار نہیں کیا۔ جب انہوں نے ایک مسلمان کی تقریر سنی کہ پیغمبر اسلام کا یہ اعلان تھا کہ وہ کوئی نیا مذہب نہیں لائے تھے۔ بلکہ اسی مذہب کی تکمیل کے لئے آئے تھے جو حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ تو انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ اس صداقت کو مانتی ہیں۔ اس سال کے جلسۂ مذاہب کے خیالات کا یہ خاکہ نامکمل رہ جائیگا اگر حاضرین جلسہ کے پیرس کی مسجد میں جانے کا ذکر نہ کیا جائے۔

جلسہ کے اوقات کے بعد مقامی استقبالی کمیٹی نے کئی قابل دید مقامات کے دکھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ ایک دن ورسائی کے محلات اور باغ کو دیکھنے گئے اور وہاں کے میئر صاحب نے ہم لوگوں کا استقبال کیا۔ دوسرے دن سٹے[1] یونیورسٹیز دیکھنے گئے اور وہاں کے افسر اعلےٰ

---

[1] یعنی۔ یونیورسٹی کا شہر۔ یہ ایک نئی چیز چند سال سے قایم ہے۔ دو ہزار پانچسو طلبہ اور طالبات مختلف ملکوں کے اس شہر میں مقیم ہیں۔ اس کا حال بیان کرنیکے لئے ایک علیحدہ مضمون درکار ہے۔

نے ساتھ ہو کر سیر کرائی۔ ایک دن مسجد دیکھنے گئے۔ یہ مسجد بہت خوبصورت اور شاندار ہے یہ الجزائر اور مراقش کی مسجدوں کے نمونے پر بنی ہے۔ اسکے وسط میں ایک خوبصورت حوض ہے وضو اور غسل کے لئے علیحدہ موزوں جگہیں بنی ہیں۔ بڑے گنبد کی چھت لکڑی کے عمدہ کام سے آراستہ ہے۔ باہر خوبصورت ٹائیل ہے اور یہ سب مصنوعات شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی صناعی کا نتیجہ ہیں۔ یہ مسجد بڑی لاگت سے تیار ہوئی ہے۔ گویا فرانس کی طرف سے ان مسلمان سپاہیوں کی یادگار ہے۔ جو جنگ عظیم میں فرانسیسیوں کے دوش بدوش لڑائی میں شریک تھے یا کام آئے ہمارے ساتھ جو انگریز اراکین جلسہ گئے تھے۔ وہ اسے دیکھکر یہ کہتے تھے کہ انگریزوں نے کیوں ایسی مسجد لندن میں بنانے کے لئے مدد نہیں دی۔ میں نے کہا اس کا جواب آپ دیں یا آپ کی قوم ہم تو اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ فرانس والوں نے اپنے جذبۂ شکرگزری اور اپنی کم تعصبی کو اچھی صورت دی ہے مسجد کو دیکھکر سب عیسائی زن و مرد بہت متاثر ہوئے۔ کوئی وہاں پر امن فضا کی تعریف کرتا تھا۔ کوئی یہ کہتا تھا کہ باوجود تصاویر اور بتوں سے خالی ہونے کے آرٹ کا اچھا نمونہ ہے کوئی در و دیوار پر خوبصورت عربی حروف لکھے ہوئے دیکھکر اُن کی خوبی کا مداح تہا ایک کمرہ مطالعہ کے لئے مخصوص تہا اور اس میں چھوٹا سا کتب خانہ۔ جب ہم اس میں گئے تو دیواروں پر چند خوشخط قطعات چوکھٹوں میں لگے ہوئے آویزاں تھے۔ ان میں یہ حدیث شریف تھی الاعمال بالنیات چند ساتھیوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس قطعے میں کیا لکھا ہے۔ میں نے انہیں اس کا ترجمہ کر کے بتایا۔ کہ یہ ہمارے پیغمبر برحق کی مشہور حدیث ہے جس سے امام بخاری کا مجموعہ احادیث شروع ہوتا ہے۔ یعنی انسان کے کام ان نیتوں پر منحصر ہیں جن سے وہ کئے جائیں۔ ان سب نے کہا کہ کیسا سچا اور درست اصول ہے جس پر سب قوانین ملکی اور اخلاقی کا مدار ہے۔ مسجد کے اندر یہ سب لوگ گھوم رہے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کے در و دیوار ان کے دلوں کو کچھ پیغام دے رہے ہیں۔ شاید کسی دن یہ پیغام۔ جو باہر نکل کر اکثر بھول جاتے ہیں۔ کچھ اثر دکھائیں۔

مذہب منڈی کے اس مختصر سے حال کو ختم کرنے سے پہلے اسکے بانی کا کچھ ذکر کر دینا مناسب ہے

سر فرانسس کا نام کسی اچھے وقت ینگ ہز بنڈ رکھا گیا ہوگا۔ اس بڑھاپے میں جوان کا لقب ٹھیک انکے لئے زیبا ہے۔ ستر برس سے زیادہ عمر ہے۔ سر کے بال سفید۔ موچھیں سفید۔ بھویں پوری سفید مگر ہمت جوانوں سے بھی زیادہ۔ اوائل عمر میں فوج میں افسر تھے پھر تبت لاسہ وغیرہ میں سیاحی کرتے رہے اور اپنی سیاحت کے متعلق کئی کتابیں لکھیں اب مذاہب کے مطالعہ میں منہمک ہیں وہ ہر موقعہ پر یہ واضح کر دیتے ہیں کہ ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ مختلف مذاہب ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں۔ یا ان کو ملا جلا کر کوئی نیا مذہب قایم کیا جائے بلکہ صرف یہ کہ سب ایک دوسرے کی قدر کرنا سیکھیں۔ ہر مذہب کے پیشوا کی عزت کریں اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اور جو صداقتیں مشترک ہوں اُن کو باہمی اتحاد کا ذریعہ بنائیں۔ اس بنیاد پر وہ ہر مذہب سے کہتے ہیں کہ ہماری منڈی میں آؤ۔ اور "ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است" اسکے ساتھ یک رنگی کا سبق سیکھو۔

عبدالقادر

احکام پر خدا کے جبتک تو گامزن تھی — اے قوم کامیابی ادنیٰ تھا کام تیرا

ڈنکا بجا ہوا تھا مشرق سے تا بہ مغرب — سکہ جما ہوا تھا تا روم و شام تیرا

اے قوم وہ نکلنا تیرا عرب سے باہر — تنظیم وہ جہاں کی وہ انتظام تیرا

تھا وہ بھی اک زمانہ تیری ترقیوں کا — دنیا تھی دوست تیری عالم غلام تیرا

ملبوس سوف کا تھا اے قوم تیرے بر میں — سوکھی سی دو کھجوریں تھا یہ طعام تیرا

باد سموم کا بھی جھونکا ہے آج مشکل — تھا عطر بیز عالم مسلم مشام تیرا

اے قوم مٹ کے تجھکو ہم خود مٹا چکے ہیں — یونہی برائے نام اب باقی ہے نام تیرا

پیچھے کبھی نہ ہٹتے میدان میں عمل کے — ہوتے اگر ہم عامل سنکر کلام تیرا

رگ رگ میں اپنے دوڑے پھر وہ مئے اخوت

منہ سے لگائیں پھر ہم اے قوم جام تیرا

نواب محمود عبدالقدیر حیدرآبادی

مسلم خواتین یورپ سے کیا سیکھ سکتی ہیں

ہمارے مکرم سردار سید اقبال علی شاہ صاحب نے ازراہ عنایت یہ مضمون ہماری درخواست پر لکھا ہے۔ آپ مدت سے لندن میں مقیم ہیں اور تصنیف وتالیف میں مصروف ہیں آپنے انگریزی میں بہت سی دلچسپ کتابیں شائع کی ہیں جن کی تعداد اس وقت چالیس سے زیادہ ہوگی۔ ان میں ایک آنحضرتؐ کے حالات کے متعلق ہے۔ ایک میں سفر حج کے حالات ہیں۔ جو بہت اچھے پیرائے میں لکھے گئے ہیں۔ ایک میں مرحوم اتاترک غازی مصطفٰے کمال کی زندگی کا بیان ہے۔ آپکے بزرگ افغانستان کے رہنے والے سادات ہیں مگر ایک عرصہ سے آپ کا خاندان ہندوستان میں بمقام میرٹھ مقیم ہے۔ اسلئے گو انکی مادری زبان فارسی تھی مگر وہ اردو بھی خوب جانتے ہیں اسی لئے ایک حد تک فارسی کا رنگ ان کی اردو میں باقی ہے۔ ہم انکی توجہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آیندہ بھی وہ اپنے تجربات زندگی اور مفید خیالات سے ناظرین انیس نسواں کو مستفید فرماتے رہیں گے۔

انگریزی کی مشہور مثل ہے کہ عورت مرد کی ماں ہے۔ اس عام فہم طبعی رشتہ کو ضرب المثل بنانے کا مطلب اگرچہ ارباب دانش پر پوشیدہ نہیں مگر زمانہ کی ردش کو دیکھکر اسکی تفصیل بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جہانتک میں خیال کرسکا یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ اس مثال سے عورت کی اہمیت ثابت کی جاتی ہے یعنی اگر عورت نہ ہو تو مرد کی پیدائش ناممکن ہے۔ یہاں تک بحث سطح پر رہی جب غور کیجیے گا تو انسان اس نکتہ پر پہنچتا ہے۔ کہ اساسی معنی اس اصطلاح کے کچھ اور ہیں، آدمی

زادہ کے حسیات نفسانی اور معنوی کا گہوارہ آغوش مادر ہوتا ہے ماں سے بچہ نہ صرف بولنا سیکھتا ہے بلکہ وہ تمام خصائل جو فطرت میں پنہاں ہوں انکی بالیدگی ظہور میں آتی ہے۔ اور خدا کی قدرت کو دیکھئے کہ ان خیالات اور حرکات کی پرورش اس مجرمانہ طریقہ سے آہستہ آہستہ انسان کے دل میں جاگزیں ہوتی ہے کہ اسکی روحانی رفتار کو بین طور سے نہ ماں محسوس کرتی ہے اور نہ بچہ لہذا جاننا چاہئے کہ یہی وہ راز ہے جو قدرت کو فطرت کی نمایش کا موقع دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ فرانس کا قائد نپولین اور ترکوں کا سالار مصطفے کمال اپنی فتح مندی کو اپنی والدہ کی برکت اور ہدایت کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح ہر شخص کم و بیش اپنے دوران زندگی میں اپنی اصلیت پر عود کرتا ہے اور وہ اصلیت اسکی خاندانی حالت سے وابستہ ہوتی ہے۔

اس امر کو اپنی دلیل مانکر یہ عاصی ایک ایسے عالم خیال میں پہنچا ہے کہ جہاں عورت کا رتبہ اور اسکی طبعی جگہ زندگی انسان میں پوری طرح نمایاں ہوتی ہے یعنی نوع بشر کی زندگانی کے دن اور راتوں کا اوتار چڑھاؤ۔ تاریخوں کا ردوبدل افکار کا تغیر اور قوموں اور نسلوں کا اجتماع و انتشار عورتوں کے تعلیم پر اختتام پاتے رہے ہیں۔ خواتین کی تعلیم سے قوم بنتی ہے اور میں دنیا کی تاریخ کو شہادت میں پیش کر کے اس بات کو ثابت کرنے کا دعویٰ کرتا ہوں کہ عورتوں میں جبتک تعلیم نہ ہو یا کم ہو جائے اسوقت ایک ملت کی حالت گرنے لگتی ہے اسلام کے برگزیدہ لوگو نکی سوانح عمریاں اس امر کی مزید گواہی دینگی اسلئے تعلیم نسواں کی ہندوستان میں پیش رفت کرنا مسلمانان ہند کا فرض ہونا چاہئے۔ جہانتک اخباروں اور ہم وطنوں کے خطوط کے مطالعہ سے یہ فقیر دور افتادہ اندازہ لگا سکا ہندوستان کے مسلمانوں میں اللہ کے فضل سے تعلیم مستورات کی طرف سے اب غفلت نہیں مگر چونکہ اس تعلیم کے راستہ میں نہایت سرعت کی دوڑ ہے تعلیم کے حقیقی معنی سے عوام بے خبر ہو گئے ہیں۔ اساسی مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی لحاظ سے تعلیم کے معنی عام مفہوم تعلیم نہیں ہے۔

تعلیم کا تخیل درس کتاب سے حاصل نہیں ہوتا۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ ان پڑھ آدمی جو کتاب کے

اسلئے سید سے رخ کو بھی نہ پہچان سکتا ہو دماغ کی روشنی کے لحاظ سے تعلیم یافتہ کہلانے کا حق رکھتا ہے۔ اور یہی وہ راز ہے کہ جس نے عالم اسلام کو تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال تاریخ کے حملوں سے بچایا ہے۔ یہی وہ معنوی و وجدانی ولولہ ہے جس نے اسلامیان دنیا دوسرے اقوام و مذاہب کے افراد سے بالاتر ہیں ہمارا دین متین ان باتوں کی تلقین اور تعلیم دیتا ہے جو زندگانی کے پردہ پر بطور مستقل زندہ رہیں ہمارا فلسفہ وہ ہے کہ پرانے زمانہ سے ابتک صادق اور قایم مانا گیا اور آخر تک اسکو کوئی انسانی قوت محو نہیں کر سکے گی۔ وہ کم عقل لوگ جو طبیعات کی چند کتابوں کو پڑھکر یورپ کی بہار پر نثار ہو رہے ہیں درصل اپنے تعلیم روحانی پر عبور نہیں رکھتے اور دنیا کی نمایش کو دیکھکر اندھی تقلید کو باعث افتخار سمجھنے لگے ہیں ان کی بصیرت کے لئے فقیر لکھتا ہے۔ کہ اسلامی تعلیم کے معنی تربیت نفس و جلوگیری میلان ناپسند ہیں۔ اس بارہ میں دیکھو یورپ کا موجودہ نقشہ رکار اوران ممالک یورپ کے اشخاص کے حالت زار پر غور کرو جو اسوقت بحران سیاسی میں گرفتار اور اقتصادی نوت کے باوجود ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں۔ کیا یہ لوگ اس لایق ہیں کہ تم اور ہیں اور ہماری صاحب زادیاں ان یورپین ممالک کی عورتوں کی تقلید کریں اور اپنے ان کارناموں کو جو آبا و اجداد نے انمٹ تاریخ پر لکھے ہیں نظر انداز کر کے اندھونکی مقتدی بنکر کوئیں میں گر پڑیں۔ اے بی بیو اور بہنو میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ یہ بھڑکتی ہوئی آگ جو میں اسوقت اپنے گرد و پیش لندن میں دیکھتا ہوں باعث ہلاکت ہے اور تم ہرگز ہرگز اپنی رفتار اور گفتار کو یورپ کے اثرات کا سبب نہ ٹھہراؤ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو بیشک تعلیم اعلیٰ دیکر انکے دماغ کو روشن کرو۔ مگر ان کے خصائل کو ان حالات اور خیالات پر واپس لاؤ جن سے تمہارے اور میرے اجداد نامور بنے محض انگریزی کی گفتگو اور تحریر میں مہارت حاصل کر لینا بذات خود کوئی خاص مرتبۂ علم پیدا نہیں کر دیتا۔ ان میں کمال پانا فقط ایک زبان پر قدرت پانا ہے تعلیم کے معنی وہی ہیں کہ اسلام کے نفس مطلب کو اپنے دل میں جگہ دیجائے اور اپنی پرانی روایات اور خاندانی وضعداری کی پابندی کیجائے جس نے ہمارے اجداد کو یورپ بہر بہم دانشمندان شرق کا

خطاب عطا فرمایا جو سطحی کیفیتیں نظر آتی ہیں انکو اپنے پاکیزہ تمدن پر ترجیح دینا غلطی ہے بس اُٹھو اور پڑھو کہ تمہاری کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ اسلام میں غیرت کا درجہ بہت بلند ہے اپنے مرکز پر گھومو اور جو باتیں اسلام سے بعید ہوں انکو ترک کرکے اپنی لڑکیوں کو وہ تعلیم دو جو وہ تمہارے اور میرے بعد اپنی اولاد کے لئے بطور ایک اچھے ورثہ کے چھوڑ سکیں

حصولِ معاش

سیّد اقبال علی

جن کو منظور ہے مشکل کو نہ دشوار کریں! چاہئے سعی و مشقّت سے نہ وہ عار کریں
ہو میسر جنھیں وہ خدمت سرکار کریں! ورنہ مزدوری و محنت سرِ بازار کریں

آبرو انہیں سے ہے شان اس میں ہے عزت اس میں
فخر اس میں ہے شرف ہمیں شرافت اس میں

پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں کشتکاری کریں آئینِ فلاحت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آداب سیاحت سیکھیں الغرض مرد بنیں جرأت و ہمت سیکھیں

کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

انبیا پیشہ پہ گزران سدا کرتے تھے اولیا خلق کی طاعت سے ابا کرتے تھے
خدمت جنس سے نفرت حکما کرتے تھے حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے تھے

اپنے ہاتھوں سے ہر اک کام نبیڑا اپنا
کھینچ کر لے گئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہے مردوں نے اسی طرح سے دنیا میں گزر ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
نہ ہوئے غیر کے تا زیست کبھی دست نگر جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جا کے نظر

گئے دل جمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانہ کے نہ شرمندۂ احسان گئے۔

حالیؔ

تندرستی کی تصویر

ذیل کا اقتباس ہمارے محسن مکرم خان بہادر چوہدری خوشی محمد صاحب ناظر فردوسی مدظلہ کی مشہور مثنوی ہیر و رانجھا سے کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی نغمہ فردوس[1] میں شائع ہوئی ہے۔ چودھری صاحب نے اس نظم میں حسن سادہ کا مقابلہ تصنع و آرائش کے حسن سے کیا ہے امید ہے کہ اس کی اشاعت انیس النسواں میں ناظرین و ناظرات کی دلچسپی اور استفادے کا باعث ہوگی۔

ہیر کا جلوہ حسینوں میں نہیں　　وہ چمک زہرہ جبینوں میں نہیں

آب و رنگ حسن جعلی اور ہے　　ہیر کی ہونٹوں کی لالی اور ہے

اس کو رنگ آمیزیوں سے عار ہے　　ہیر فطرت کا گل گلزار ہے

گرچہ غازہ زینت رخسار ہے　　آئینے کے حسن کا زنگار ہے

شاہد شہری ہے مشت استخواں　　ہیر کی رگ رگ میں موج خوں رواں

اس کے چہرے پر ہے رنگ زعفراں　　اس کے عارض پر ہے حسن ارغواں

ہیر کے گیسو وہ بل کھاتے ہوئے　　دوش پر ہیں سانپ لہراتے ہوئے

اس کی آنکھوں میں چمک ہے نور کی　　اس کے ماتھے پر تجلی طور کی

اسکو شوق محفل آرائی نہیں　　وہ کوئی خاتون ہرجائی نہیں　ن معشوق

ہیر سنما کی چمک سے دور ہے　　اسلئے آنکھوں میں اسکی نور ہے

اس کو چٹخارہ کوئی بھاتا نہیں!　　اسلئے دانتوں کو گھن کھاتا نہیں

تندرستی کی وہ اک تصویر ہے　　دودھ مکھن کی وہ اک تعمیر ہے

نوٹ[1] نغمہ فردوس تاج کمپنی لاہور سے دستیاب ہو سکتی ہے ۱۲۔

اسکو آزارِ شکم ہوتا نہیں! اسکو کچھ ٹی۔بی۔ کا غم ہوتا نہیں
اسکو فیشن کی نہیں لاچاریاں! اور نہ بیکاری کی ہیں بیماریاں
محو افسانوں میں وہ ہوتی نہیں ناولوں کو پڑھ کے وہ روتی نہیں
ہیر ہے وہ خوشنما اک بن کا پھول جسکے منہ کو چوم لے گلشن کا پھول

دیوی دریا کی وہ بن کی مورتی
سرو و شمشادِ چمن کی مورتی

زندگیٔ بے عمل

اس طرف تو دیکھ او وارفتۂ حسنِ فرنگ تھا کبھی تیرے لئے احساسِ غیر اللہ ننگ
کشتۂ دورِ غلامی! یہ بھی ہے تجھ کو خبر!! فتح کی ہے سب سے پہلے تو نے آزادی کی جنگ
حیف ہے اُس مردِ غفلت آشنا پر حیف ہے کھا گیا ہو جسکی تیغِ فکر و بیداری کو زنگ
لب پہ آہ مضطرب ہے آنکھ سے جاری ہیں اشک ہو رہی ہے نغمہ ریزی بج رہا ہے جلترنگ
ہیں سمِ قاتل بقائے زندگی کے واسطے نغمہ و عطر و مے و جام و سرور و کیف و رنگ
چاہتے سب ہیں کہ پہنچیں شمعِ مقصد کے قریب پہلے پیدا تو کرے دلمیں کوئی سوزِ پتنگ
بیحسی، بیچارگی، افتادگی، واماندگی ہوشیار او جینے والے یہ نہیں چلنے کے ڈھنگ
عہدِ حاضر میں نہیں، خاکسترِ ماضی میں دیکھ زندگی شعلہ رخ و شعلہ ادا و شعلہ رنگ
تیری غفلت کوشیوں نے آہ چھیڑا ہی نہیں ساز میں اب بھی ہیں تیرے نغمہ ہائے رنگ رنگ
تیرے دستِ آرزو میں تھا کشادِ دو جہاں آہ! لیکن تو نے کرلی اپنی دنیا آپ تنگ

وہ ترا عہدِ سعادت! یہ ترا حالِ زبوں!!!
نوحہ زن ہے تجھ پہ فطرت عقل ہے شاعر کی دنگ

عورت اور تعلیم

بعض حلقوں میں اب بھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عورت کو جس کی دنیا صرف گھر کی چار دیواری تک ہی محدود ہے تعلیم کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر یہ خیال کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ قوم کی ترقی کا دارومدار زیادہ تر عورت ہی کی تعلیم پر ہے۔ سب سے پہلے گھر کو لیجئے۔ بحیثیت بیوی کے عورت کے اولین فرائض تعلیم یافتہ خاوند کے خیالات وعادات کو سمجھنا۔ اور اُسکے لئے آرام و آسائش کے سامان پیدا کرنا ہیں۔ لیکن ان پڑھ عورت انکے سمجھنے کی صحیح قابلیت نہیں رکھتی۔ کئی مثالیں ایسی ہیں کہ میاں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بیوی الف کا نام بے سے بھی واقف نہیں اب بن آئے تو کیسے۔ اگر کبھی بن بھی آئے تو نہ گے اگر بچے کی سب سے پہلی استاد ماں ہے جو عادات گود میں پڑ جائیں وہی تمام عمر ساتھ رہتی ہیں اگر شروع سے بچہ عقل وفہم کی باتیں سنتا ہے تو وہی سیکھتا بھی ہے اور اسی طرح سے کم عمری میں ہی اگر اس کے دل میں تعلیم کا شوق ڈالا جائے۔ تو بڑا ہو کر اس کا رجحان تعلیم کی طرف ہوتا ہے۔ مگر ان پڑھ ماں اپنا یہ فرض بھی بخوبی انجام نہیں دے سکتی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اکثر خاندانوں میں نسل درنسل جہالت اپنا تسلط جمائے رہتی ہے۔ اس کے علاوہ حفظان صحت کے اصولوں سے قطعی ناواقف ہونے کے باعث وہ اولاد کی صحت کا بھی زیادہ خیال نہیں رکھ سکتی نہ ہی خوراک میں اوقات وتناسب کی پابندی کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ہر سال بچوں کی کثیر تعداد موت کے گھاٹ اترتی ہے۔

علاوہ ازیں ہر سال ہزارہا عورتیں زچگی میں مرجاتی ہیں۔ وجہ اکثر گندگی اور جہالت ہوتی ہے مثلاً سند یافتہ دائیوں اور لیڈی ڈاکٹروں کی قلت کے باعث جاہل اور غلیظ دائیوں کے ہاتھوں میں بیچاری عورت کی زندگی سونپ دی جاتی ہے۔ انکے ناجائز اور غلیظ اوزاروں کے استعمال سے عورت اکثر خطرناک بیماریوں کا شکار ہو کر مرجاتی ہے۔ دوسری طرف تعلیم یافتہ عورت ایسے معاملات

ہیں از حد احتیاط سے کام لیتی ہے یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ اگر سب عورتیں لکھنا پڑھنا جان لیں تو صفائی کا خیال خود بخود عام ہو جائیگا۔ پیشہ ور لوگوں کو خود بخود سیکھنا پڑے گا۔ علیٰ ہذا کئی ترقی کی راہیں محض عورت کی جہالت کے باعث بند ہیں۔ بصورتِ دیگر خود بخود بغیر زیادہ کوشش کے اُن پر عمل ہو سکتا ہے۔

عورت معاشرتی کاموں میں بھی بہت دیر تک حصہ لے سکتی ہے۔ اسکے لئے تعلیم کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ محدود تعداد با ہمت خواتین کی کوشش سے اتنی بڑی قوم اور خصوصاً طبقۂ نسواں تاریکی سے نہیں نکل سکتا اس کے لئے بہت سے تجربہ کار ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ حال یہ ہے کہ شہروں کی ننانوے فی صدی عورتیں گھر میں رہ کر بیکار زندگی بسر کر دیتی ہیں۔ انکی ذات سے قوم کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ صحیح ہے کہ انہیں سے اکثر کو گھر میں کام کرنا پڑتا ہے۔ مگر کیا وہ کام اتنا ہوتا ہے کہ انکا تمام وقت اس میں صرف ہو جائے؟ نہیں سب کام کر کے بھی انکے پاس اتنا وقت بچتا ہے کہ اس میں بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ متوسط خصوصاً اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کے ہاں نوکروں کی کمی نہیں ہوتی۔ اور خواتین دن بھر بیٹھ کر باتوں میں گزار دیتی ہیں۔ تمام عمر اُن کا یہی معمول رہتا ہے۔ انکے پاس وقت صرف کرنے کے بہت کارآمد طریقے موجود ہیں۔ مثلاً گھر کے علاوہ گلی و کوچہ۔ شہر و دیہات جہاں تک کوئی ہمت کر سکے حفظانِ صحت کے اصولوں پر پابندی کرنا اور کروانا۔ طریقہ رہائش میں اصلاح۔ طبقہ نسواں کی اصلاح و بہبودی کے لئے گورنمنٹ سے بہتر قوانین کے نفاذ کی کوشش۔ یتیم خانوں و مختلف خیراتی اداروں میں اصلاح خیرات و زکاۃ کے صرف کے بہتر طریقے معلوم کرنا۔ سکولوں کے نصاب میں واجب تبدیلیاں۔ لڑکیوں کے لئے صحیح تعلیم اور مکتبوں کے قیام کی کوشش۔ غرضیکہ کئی اسی قسم کے کاموں میں خواتین کی ہمت اور ایثار کی بہت ضرورت ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر عورتیں اپنے سب قسم کے فرائض کو پوری طرح سرانجام دینا اپنا نصب العین سمجھ لیں تو قوم میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو سکتا ہے سب سے بڑی تبدیلی خود عورتوں میں ہوگی یعنی انکو بے کاری کا مرض کبھی لاحق نہیں ہوگا۔ خیالات وسیع ہونگے۔ تجربہ بڑھے گا۔ اور

اب ہر کام جو ہم نے مردوں کے ذمہ ڈالے ہوئے ہیں۔ ان میں عورت خود بہت حد تک مددگار ہوگی اس تمام بحث سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورتیں پردے سے باہر آجائیں۔ بلکہ پردہ میں رہ کر بھی وہ سب کام بخوبی سرانجام دے سکتی ہیں۔ اور اپنی تعلیم سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھا سکتی ہیں

آجکل جو مغرب زدہ خواتین کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہو رہی ہے۔ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ خواتین اپنی تعلیم سے صحیح طور پر فائدہ نہیں اُٹھا رہیں۔ بلکہ مذہب کی پابندیوں سے نکل کر فیشن پرستی کی رو میں بُری طرح سے بہی چلی جا رہی ہیں۔ خدا کو بھی یہ باتیں پسند نہیں۔ اگر وہ ایسے رفاہِ عام کے کاموں میں جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اپنے وقت کا بیشتر حصہ صرف کریں تو حقوق اللہ اور حقوق العباد یعنی اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق بخوبی ادا کر سکتے ہیں۔

فی زمانہ تعلیم کا ہندوستان میں کافی چرچا ہو رہا ہے۔ اور شہروں میں تو لڑکیاں کثرت سے تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ مگر لڑکیوں کے لئے کارآمد سکولوں کی تعداد ابھی تک بہت محدود ہے۔ اتنے بڑے ملک میں سوائے ایک دو کے کوئی سکول ایسا نہیں جہاں لڑکیوں کو انتظام خانہ داری ہوم نرسنگ وفرسٹ ایڈ، تربیت اولاد وغیرہ کی تعلیم دیجائے اور سندیں و ڈگریاں ملیں میرے خیال میں ایسی تعلیم لڑکی کو اپنا فرض سمجھانے کے لئے بہترین ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ دوسرے سکولوں میں انکو سرے سے بھیجا ہی نہ جائے۔ بلکہ یہ لازمی قرار دینا چاہیئے کہ کالج میں داخل ہونے سے پہلے لڑکی کے پاس صرف میٹرک کی سند ہی نہ ہو بلکہ کسی ڈومیسٹک سکول کی سند بھی موجود ہو۔ اسکے لئے اسکو کالج کے داخلہ میں ایک دو سال کی تاخیر ضرور ہوگی مگر لڑکی کی خانگی زندگی کے لئے یہ ایک دو سال سب سے زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہونگے ان میں سے اکثر تو ایسی تعلیم کے بعد اور دو سال کی مزید تعلیم و تجربہ کے بعد کالج میں جانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کریں گی۔ اگر ماؤں کا میلان لڑکیوں کو ایسی تعلیم دینے کی طرف ہو تو ایسے سکول کھلنے میں دیر نہیں لگ سکتی۔

مغربی ممالک میں بھی جنکی تہذیب ہمارے خیال میں صرف فیشن پرستی ہی ہے۔ ہر ملک کے تقریباً ہر بڑے شہر میں لڑکیوں کے لئے ڈومیسٹک سکول موجود ہیں جن میں خانہ داری کی باقاعدہ

تعلیم ہوتی ہے۔ اور جرمنی میں تو دو سال ہوئے یہ لازمی قرار دے دیا گیا ہے کہ ہر عورت کسی سرکاری یا غیر سرکاری شعبہ میں ملازمت حاصل کرنے کے لئے کسی ڈومیسٹک سکول کی سند یافتہ ہو۔ یا کسی گھر میں دو سال تک بطور منتظمہ کام کر چکی ہو۔ اگر ایسے ممالک میں جہاں عورتیں ہر کام میں مردوں کے ساتھ دوش بدوش حصہ لیتی ہیں اس قسم کے قانون ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں جہاں مرد و عورت کی باہمی رقابت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جہاں اب بھی تقریباً ہر عورت کا مقصدِ حیات شادی اور خانہ آبادی ہے۔ اس کے لئے ایسی تعلیم لازمی قرار نہ دی جائے۔

سیدہ وحید (جنیوا) سوئٹزرلینڈ

زہے نصیب جو دنیا بشر کو جنت ہو — زہے نصیب جو ہو ساتھ نیک بیوی کا

وہ زن علوم کے موتی ہوں جسکے دامن میں — وہ زن پسند ہو جس کو علوم کا گہنا

رخِ صبیح پہ جس کے ہو غازۂ اخلاص — سیاہ آنکھوں میں جس کے ہو شرم کا سرما

اگرچہ لاکھ مخالف ہوا ہو طوفانی! — چراغ عفت و عصمت کبھی نہ ہو ٹھنڈا

کبھی کسی کی برائی کی آرزو نہ کرے! — حسد کے زنگ سے ہو صاف آئینہ دل کا

خدا بڑھائے جو دولت گھٹے غرور اس کا — خدا بڑھائے جو کلفت کرے وہ شکر خدا

شگفتہ دیکھ کے شوہر کو باغ باغ رہے — ملول دیکھ کے شوہر کو ہو ملال سوا

اگر ہو صاحب اولاد تو یہ لازم ہے — خیال بچوں کی تعلیم کا ہو حد سے سوا

نامعلوم

تونگر وہی ہے جو رہتا ہے قانع — غریبوں کی خدمت نہ ہو جسکو مانع

غریبوں سے ہنس ہنس کے کرتے ہیں نفرت — سمجھتے ہیں اپنے کو حقدار دولت

سزاوار ان کو امیری نہیں ہے — جنہیں عادتِ دستگیری نہیں ہے

تونگر غریبوں پہ کیوں نکتہ چین ہے

غریبی کسی کا گنہ تو نہیں ہے

مسز برکت رائے

ہمسائے کے حقوق

ہمسایوں کے متعلق ایک عربی مثل ہے کہ "الجار قبل الدار" یعنی گھر بنانے سے پہلے ہمسایوں کو دیکھ لینا چاہیئے۔ ایک دوسرا مقولہ یہ بھی ہے کہ مکان کی نحوست یہ ہے کہ برے ہمسایوں سے سابقہ پڑے۔ ان اقوال کی اہمیت اور معقولیت کا صحیح اندازہ صرف اسوقت ہی ہو سکتا ہے۔ جبکہ انسان ہمسایوں کے بارے میں کسی سخت امتحان کا ہدف بنے۔

اسلام میں جہاں اخلاق و معاشرت کے ہر جزویات کے متعلق اصول و قواعد مقرر ہیں اور جنسے ہم بدقسمتی سے نہ صرف روگرداں بلکہ قریب قریب ناآشنا ہیں۔ منجملہ انکے حقوق ہمسایہ کی بابت بھی دستور العمل موجود ہے۔ اگر اس پر عملدرآمد کیا جائے۔ تو بہت سے جھگڑوں بکھیڑوں اور مقدمہ بازیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اور آجکل شہروں میں اکثر جگہ ہمسایوں کی جنگ زرگری جو بطور ایک رسم کے ہو گئی ہے۔ اسکا نہ صرف وجود باقی نہ رہے۔ بلکہ روزمرہ کی زندگی ان تکلیف دہ جھمیلوں سے نجات پائے۔ اور کم از کم ہمسائے کی حد تک لوگ امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ صرف سیاسی اور مذہبی مخالفت کا میدان نبرد آزمائی کے لئے باقی رہ جائے کیونکہ گاؤں کی لڑائیاں زیادہ تر املاک وزراعت خاندانیت اور باہمی شراکت کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ لیکن شہری جھگڑے اکثر صرف مکانات کی ہمسائیگی تک محدود ہوتے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے مشتے نمونہ از خروارے۔ چند احادیث شریف معہ ترجمہ و اسناد۔ دربارۂ حقوق ہمسائیگان۔

۱۔ عن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتیٰ ظننت انہ سیورثہ۔ صحیح البخاری ترجمہ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل مجھے ہمیشہ ہمسایوں کی بابت وصیت

کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان گزرا کہ شاید ہمسایوں کو شریک میراث بنادیا جائیگا۔

۲۔ عن ابی شریح ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال واللہ لا یومن۔ واللہ لا یومن واللہ لا یومن قیل ومن یارسول قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ۔

ترجمہ۔ ابی شریح سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں عرض کیا گیا کون اے رسول اللہ۔ فرمایا وہ شخص جسکی برائیوں سے اس کا ہمسایہ مامون نہ رہے۔

۳۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان یومن باللہ والیوم الاٰخر فلا یؤذ جارہ۔ الحدیث (بخاری)

ترجمہ۔ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

۴۔ عن عائشۃ قالت قلت یارسول اللہ انّ لی جارین فالیٰ ایھما اھدی قال الی اقربھما باباً۔ (بخاری)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر میرے دو ہمسائے ہوں۔ تو میں کسکو ہدیہ بھیجوں۔ فرمایا کہ جسکا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔

۵۔ عن ابی ذرّ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا طبخت مرقۃً فاکثر ماءھا وتعاھو جیرانک۔ (مسلم)

ترجمہ ابوذرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شوربہ پکاؤ تو ہمسایہ کی خاطر اسمیں پانی زیادہ کرلو۔

۶۔ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لا یومن عبدٌ حتّٰی یحبّ لجارہ اولاخیہ ما یحب لنفسہ (متفق علیہ)

ترجمہ۔ حضرت انس سے روایت ہے۔ کہ سرکار دو عالم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ مومن نہو گا۔ جب تک کہ اپنے پڑوسی یا اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

دیکھئے کن الفاظ میں حقوق ہمسایہ کی تاکید و توضیح فرمائی گئی ہے! کس طرح انکو باہمی اخوت اور میل ملاپ کے سبق پڑھائے گئے ہیں اور صاف طور پر سمجھایا گیا ہے کہ جبتک تمہاری تکلیف دہی سے تمہارے ہمسائے محفوظ نہ رہیں اسوقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ بتایا گیا ہے۔ کہ ازدیاد محبت کی غرض سے اپنی ہانڈی میں پانی زیادہ کر کے پڑوسی کو شوربہ ہدیہ کرو پھر یہ تفصیل بھی ارشاد ہے کہ جسکا مکان زیادہ قریب ہو اس کا خیال زیادہ کرو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کیسی کیسی باریکیاں اور نکات ہیں۔ سبحان اللہ۔

لیکن ذرا ان مقدس تعلیمات کا مقابلہ آجکل کے مسلمان اہل محلہ سے کیجئے۔ جو آئے دن باہم تو تو میں میں بر پا رکھتے ہیں۔ بات بات پر تکرار جوتی پیزار مقدمہ بازی کے خوگر ہو گئے ہیں کسی صاحب نے دوسرے کی زمین کی طرف روشندان نکال لئے ہیں۔ کسی نے موری کر دی۔ پرنالہ بنا لیا۔ کھڑکیاں قایم کر لیں اپنی دیوار اٹھاتے ہوئے دوسرے کی حد کا کونہ دبا دیا۔ کسی کی بالائی منزل سے دوسرا صحن مد نظر ہو رہا ہے کہیں زمین کی پیمائش اور حد بندی پر جھگڑا ہے۔ انچ دو انچ ادھر ہو گئی یا ادھر اب دونوں فریق آستینیں چڑھائے فتنہ و فساد کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اور ان تمام باتوں پر لڑائی جھگڑے۔ مقدمات کا طومار۔ وکلا اور اہلکاران پر صرفہ بیجا داد و دش۔ پھر دیواریں کی دشمنی ہر وقت زبانی نزاعات العظمۃ للہ گویا محلہ کیا ہوا درندوں کی بستی ہو گیا۔ جہاں ہر وقت ایک کو ایک کے پھاڑ کھانے کا ڈر لگا ہوا ہے۔ امن و آسایش عنقا ہے۔ گھر جہنم کا نمونہ بنے ہوئے ہیں۔ ہر دم یہی فکر کہ کس طرح پڑوسی کو نیچا دکھایا جائے اور کس طرح اپنی دیوار آنکھوں میں خاک جھونک کر ایک بالشت بڑھائی جائے یا اپنا کمرہ مکمل کر لیا جائے۔ یا اپنا پانی دوسرے کی حد میں پہونچا دیا جائے۔ خواہ اس میں ہمسائے کو کتنی ہی تکلیف

کیوں نہ پہونچے اور کیسا ہی نقصان کیوں نہو۔ پھر فریب جھوٹ مکاری زبردستی شہر کی کمیٹی کے ذریعہ کسی تعمیر کو روکنے کے لئے حکم امتناعی نکلوا دینا یا اپنے حکم امتناعی کے خلاف سعی سفارش خوشامد ہر ترکیب اور حیلہ سے کام لینا غرض یہ تمام باتیں معہ شئے زائد کے کلیتاً مباح اور آجکل کے روزمرّہ میں داخل ہیں۔ یہ ان مسلمان اور خالص مسلمان پڑوسیوں کا نمونہ ہے جن کے رحمتہ للعالمین پیغمبر روحی فداہ نے حکم لگا دیا ہو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ پہونچائے۔ پھر لطف یہ ہے کہ یہ قصہ ہماری قوم کے ان جاہل زن و مرد کا نہیں ہے۔ جو عوام کالانعام کہلاتے ہیں۔ اور جھگڑے فساد کو عین مقصد زندگی سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہ حالات ہمارے ملک کے اس تعلیم یافتہ مہذب اور روشن خیال طبقے کے ہیں۔ جو شریف بھی ہیں۔ معزز بھی اور امیر بھی ساتھ ہی اصلاح ملک کے دعویدار بھی لیکن خود اپنی اور اپنے ہمسایوں کی اصلاح سے عاجز و قاصر ہیں۔ گویا بالفاظ دیگر سب کچھ ہیں مگر اچھے پڑوسی نہیں۔

علاوہ ان معمولی نزاعات کے زمانۂ حال کی ایک دوسری مہذب اور ترقی یافتہ شکل ہمسایہ آزاری کی یہ ہے کہ محلہ داروں کے ریڈیو گراموفون۔ راتوں کا شور و شغب۔ شہروں میں دوسروں کی نیند حرام رکھتا ہو۔ اگر ہمارے پاس یہ آلات موسیقی موجود ہیں تو کیا ضرور ہے کہ رات کو گیارہ بجے کے بعد بھی ہمارے ہمسائے اس سے ضرور خواہی نخواہی لطف اندوز ہوں۔ اور اگر ہم گراموفون یا ہارمونیم نوازی پر اتر آئیں تو بلا لحاظ ہمسائیگان رات کے جس حصے تک چاہیں بجاتے رہیں۔ خواہ ہماری دیوار کے نیچے ہی کوئی تندرست یا بیمار نیند کے لئے تڑپ رہا ہو۔ اگر کسی ایک گھر میں شادی ہوئی تو پورے ایک ہفتہ تک ڈھول ڈھماکے سے تمام آس پاس والوں کو رات کا آرام دوبھر ہو گیا۔ اور سکون عنقا۔ بے شک ان تمام تفریحوں سے ہر ایک کو اپنی حسب مرضی و خواہش لطف اندوز ہونے کی آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔ مگر ہر بات میں آئین و آداب ملحوظ رہیں تو کیا حرج ہے؟ تمام محلہ دار

اگر یہ تہیہ کرلیں کہ رات کے دس بجے سے صبح تک وہ کوئی ایسی تفریح نہ کرینگے جس سے ہمسایوں کو تکلیف پہونچے۔ توکیا قباحت کی بات ہے؟ ہمارے غیر مسلم پڑوسی بھی یقیناً ہماری روش سے بہت اچھا سبق لینگے۔ اور ہم نہ صرف بہت اچھے پڑوسی بلکہ بہت اچھے مسلمان کہلائیں گے۔

بہت مبارک ہیں وہ لوگ اور وہ محلے اور وہ بستیاں جہاں امن و آشتی کے ساتھ سب لوگوں کی بود و باش ہے۔ جہاں رہنے والوں کا اصول کم از کم یہی ہے کہ تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش۔ اگر شریک رنج و راحت نہوں تو نہ سہی مگر موجب زحمت بھی نہیں اگرچہ ایسے مقامات شاید چند ہی انگلیوں پر گنے جانے کے قابل نکلیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری معاشرت کا یہ پہلو سب سے زیادہ اندوہ ناک اور سب سے زیادہ قابل اصلاح نظر آتا ہے۔

اگر لوگ اس مسئلہ کو صرف اسلام کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی ہوجائیں تو پوری قوم کا بیڑا پار ہوجائے۔ اللہ تعالی سب کو نیک توفیق عطا فرمائے۔ آمین

راقمہ انیسہ ہارون بیگم شروانیہ از حیدرآباد

دنیا عمل سے چلتی ہے بیٹھے ہیں ایک ہم
آزادیٔ خیال کا ساماں کئے ہوئے

طرز معاشرت کو بدل کر سمجھتے ہیں
بڑھتے ہیں ہم ترقیٔ نسواں کئے ہوئے

پردہ چھٹا ترقی کی راہیں بھی کھل گئیں
عقدے ہیں زندگی کے سب آساں کئے ہوئے

غافل ہیں وہ مسائل تعمیر قوم سے
جو رقص مغربی کا ہیں ساماں کئے ہوئے

منزل کا ذکر کیا ہے کہ راکب ہے بدرکاب
رہوار بدلگام کو جولاں کئے ہوئے

ذہن درست جوہر قابل ہوں جب بہم
آتے ہیں دن ترقی کے ساماں کئے ہوئے

لطیف النسا بیگم

مشرق ومغرب

(۱)

بیرسٹر زاہد کا شمار الہ آباد کے کامیاب بیرسٹروں میں تھا۔ انکی ازدواجی زندگی بھی بہت مسرت افزا تھی اور انکی بیوی صالحہ خاتون تعلیم یافتہ خلیق خوبصورت اور ملنسار تھیں۔

شہر کے باہر دونوں میاں بیوی ایک خوشنما بنگلے میں اپنی زندگی کے دن بہت مسرت وشادمانی سے گذار رہے تھے۔

لیکن انکی باہمی خوشیوں کو ماند کرنے والی صرف ایک یہ چیز تھی کہ انکی شادی کو آٹھ سال کا طویل عرصہ گذر چکا تھا۔ مگر صالحہ کی گود ابھی تک خالی تھی زاہد کی والدہ پوتے کا ارمان دل میں لیکر اس جہان فانی سے رخصت ہوئیں اور یہی ایک خلش تھی جو صالحہ جیسی خوشدل اور چونچال ہستی کو بعض اوقات بےحد افسردہ کر دیتی تھی۔ زاہد کا تو یہ حال تھا کہ جہاں کسی اپنے دوست کے بچے کو دیکھا اور بے اختیار سرد آہ انکے لبوں پر آگئی اب تھوڑے دنوں سے صالحہ خاتون مایوس ہو کر زاہد سے کتنی مرتبہ کہہ چکی تھی کہ میں خوشی سے اجازت دیتی ہوں آپ دوسری شادی کرلیں۔ ممکن ہے خدا آپ کو صاحب اولاد کرے۔ میری قسمت میں تو یہ خوشی نہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں آپ کو اپنا پابند رکھوں۔ اور آپ کی بہتری میں ہارج ہوں آپکی خوشی میری خوشی اور آپکی بہبودی میری بہبودی ہے۔

زاہد ہمیشہ افسردہ تبسم کے ساتھ جواب دیدیتے تھے۔

بیگم تم جو بات کہہ رہی ہو اسکے انجام پر غور نہیں کیا بھلا تم جیسی فرشتہ خصلت اور حسین بیوی پر بلاوجہ کیسے یہ ظلم کروں بخدا اگر میرے دل میں بھی یہ خیال آئے تو میں کبھی بھی اپنے کو معاف نہ کرونگا مشیت ایزدی میں یہ ہے کہ ہم محروم رہیں۔ اگر حکم خدا ہوگا تمکو ہی خدا یہ نعمت عطا کریگا۔ ورنہ اس کی مرضی۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

صالحہ خاتون کو جوں جوں دن گذرتے جا رہے تھے اپنی جانب سے مایوسی ہوتی جا رہی تھی اور ان کے فکر و تردد میں زیادتی تھی۔ اب کچھ دنوں سے تو یہ حالت تھی کہ وہ ہر وقت کھوئی ہوئی سی رہتی تھیں اور ہمہ وقت دلگیر و پریشان نظر آتی تھیں۔ لیڈی ڈاکٹر کے مشورے سے علاج بھی ہوا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور بیچاری ہر ممکن کوشش کر کے ہار گئی اور اب مایوس ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ زاہد کے ساتھ انکی چھوٹی بہن زاہدہ مع اپنے ننھے بچے عابد کے رہتی تھیں۔ زاہدہ جیسی قسمت خدا دشمن کی بھی نہ کرے۔

آٹھ مہینے کی بیاہی ابھی گھونگٹ بھی پورا کھلنے نہ پایا تھا کہ میاں ایک دم گھوڑے سے گر کر مر گئے۔ اور غریب زاہدہ سال کے اندر ہی بیوہ ہو گئی۔ انیس ۱۹ برس کی عمر بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کیسی صابر لڑکی تھی کہ سارا گھر رو بیٹ رہا تھا مگر زاہدہ پتھر کی طرح ساکت تھی۔ میاں کے بعد زاہدہ کو کبھی نے ہنستے یا اچھا کپڑا پہنتے نہیں دیکھا حد تھی کہ غسل کے بعد دنوں بال یونہی روکھے پڑے رہتے جوان کیا لڑکی ہی تھی لیکن واہ واہ نیک کوکھ کی بیٹیاں ایسی ہوتی ہیں مشرق کی آن درصل ایسی ہی خوددار لڑکیوں سے قایم ہے۔ دلوں تو اُس نے کمرے سے قدم نہیں نکالا۔ اس بلا کی گرمی ہیں کہ صحن میں بھی ہوا کا پتہ نہ ہوتا اور پنکھا ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا زاہدہ کو باہر نکلنا قسم تھا۔

سسرال والے زاہدہ کے پاؤں کے نیچے آنکھیں بچھاتے تھے بہو تھی کہ کندن۔ ساس فدا خسر شیدا نندیں اسکے نام کی دیوانی۔ دیورانی جیٹھانیاں پروانہ تھیں۔ اسی حالت میں بچہ ہوا۔ چلہ نہا کر پاؤں پھیرنے بھائی کے ہاں آئی تو میکے والے دیکھ کر حیران رہ گئے دل کے غم نے صورت کو بہت تبدیل کر دیا تھا۔ اس زاہدہ کو جو سرسوں کی مانند زرد ہو رہی تھی تھی اور جسکو اُٹھتے بیٹھتے چکر آتے تھے اس زاہدہ سے کوئی نسبت نہ تھی جو سرخ و سفید تنگ کی توانا تندرست اب سے ایک سال پیشتر ہمجولیوں کے ساتھ چہلیں کرتی پھرتی تھی۔ میکے آ کر زاہدہ کا دل کسی قدر بہل گیا۔ صالحہ خاتون صرف بھاوج ہی نہیں بلکہ اسکی ساتھ کی کھیلی اور سہیلی بھی تھی

گو عمر میں صالحہ زاہدہ سے پانچ برس بڑی تھی لیکن مزاج کی موافقت شروع سے تھی اسلئے دونوں کی دانت کاٹی روٹی تھی اب بھی ہمیشہ کی طرح دونوں ایک دوسرے کی غمگسار و ہمدم تھیں ایک کو شوہر کا غم دوسری کو بے اولادی کا الم دونو گھنٹوں اپنی کہانی کہہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتیں۔

زاہدہ جب کبھی سسرال جانا چاہتی۔ صالحہ گلے میں ہاتھ ڈال کر کہتی۔ زاہدہ یہ اکیلا گھر مجھکو پھاڑ کھانے کو دوڑیگا عابد کی وجہ سے گھر میں رونق ہے میرا دل بھلا رہتا ہے۔

زاہدہ صالحہ کی افسردگی کے خیال سے مجبور ہو کر رہ جاتی۔

بھائی کے ہاں اولاد نہ ہونے کا اسکو بھی بہت ملال تھا۔

اتفاق کی بات عید پر انعام لینے کیلئے زاہدہ کے پاس اُس کی سسرال کی دائی آئی تو باتوں باتوں میں صالحہ کے ہاں اولاد نہ ہونے کا ذکر چلا۔ دائی نے کہا ذرا میرا علاج تو کر دیکھو میں بھی تو دیکھوں کہ بچہ کیونکر نہیں ہوتا۔

صالحہ نے سرد آہ لیکر کہا بوا بڑی بڑی ڈاکٹرنیوں نے علاج کیا سب پاپڑ بیل چکی اب تو میں صبر کرکے بیٹھ گئی۔ میری قسمت میں ہی یہ خوشی نہیں

زاہدہ نے کہا بھابی شاید خدا اپنا فضل کرے بعض وقت خاک کی چٹکی بھی اکسیر ہو کر لگتی ہے۔ آپ دائی کا علاج بھی کر دیکھیں

صالحہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔

دوسرے روز سے ہی دائی کا علاج شروع ہو گیا۔ خدا کے حکم سے کارگر ہوا۔ علاج سے دو ماہ بعد ہی صالحہ کو امید ہو گئی اب صالحہ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔

زاہدہ بھی بہت مسرور تھی۔ اپنی بیوگی کا غم بھی بھائی کے ہاں اولاد ہونے کی خوشی میں بہت کچھ بھول گئی۔ ان دنوں ہر وقت اسکے نازک لبوں پر مسرت کھیلتی رہتی تھی سوتی دائی کو تو مونہہ مانگا انعام دیا گیا۔ اور دن گن گن کر گذرنے لگے۔ خدا خدا کرکے نواں مہینہ

لگا۔ اور زاہدہ نے بھائی بھاوج کی مخالفت کے باوجود خوب دھوم سے بھاوج کی گود بھری اور سارے کنبے میں اور ملنے والوں میں پنجیری تقسیم کی۔ زاہد کو مشرقی رسومات بالکل پسند نہ تھیں لیکن بہن کی خوشی کی وجہ سے خاموش ہو گئے۔ آخر کار وہ مبارک دن بھی آ پہونچا جس روز اللہ نے صالحہ خاتون کی گود ایک با ہوش پر جمال بچی سے بھر دی اس ناامیدی کی حالت میں یہ لڑکی ہزار لڑکوں سے بڑھکر تھی۔ سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بچی کی صورت بھی ایسی موہنی اور دلفریب تھی کہ ہر ایک کا دل موہ لیتی تھی۔ بچی کو ہوتے ہی ایک یورپین گورنس کے سپرد کر دیا گیا جو اسی غرض سے ایک ہفتے قبل ہی بلا لی گئی تھی۔

زاہدہ نے اس کی مخالفت بھی کی کہ بچی ایک عیسائی عورت کے ہاتھوں میں پلے۔ لیکن زاہد اور صالحہ نے اس کان سنا اس کان اڑا دیا۔ زاہدہ بھی خاموش ہو رہی۔ عقیقہ بہت دھوم سے ہوا۔ زاہد نے سب عزیزوں دوستوں کو بہت اعلیٰ پیمانے پر دعوت دی اور بچی کا نام زہرہ جمال رکھا گیا۔ زہرہ ناز و نعم میں پرورش پانے لگی وہ حقیقتاً اسم بامسمیٰ زہرہ ہی تھی عالم شیر خوارگی میں حسن کا یہ عالم دیکھکر دیکھنے والے کہتے تھے کہ جوانی کس قیامت کی ہوگی۔ صالحہ خاتون نظر بد کے خیال سے اسکو بہت کم باہر نکلنے دیتی تھیں۔ لڑکی تھی کہ پری جو دیکھتا تھا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔

زہرہ کے ڈھائی سال بعد صالحہ خاتون پھر بار آور ہوئیں۔ اور اس مرتبہ توام بچے پیدا ہوئے۔ صالحہ کی جان کے لالے تھے خدا خدا کر کے مشکل آسان ہوئی۔ لڑکا تو بہن کی طرح خوبصورت توانا تھا لیکن لڑکی کمزور تھی اور رنگ بھی سانولا۔ لڑکے کے سامنے لڑکی کو کون پوچھتا اس پُرطرہ یہ کہ بیچاری کی صورت میں بھی کوئی کشش نہ تھی ماں باپ نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا اگر زاہدہ کا دم نہ ہوتا تو غریب بچی کی زندگی دشوار تھی۔

یہ بے غوری دیکھ کر نوزائیدہ بچی کو زاہدہ اپنے ساتھ لے گئی۔

خود ہی عقیقہ کر کے صفیہ نام رکھدیا۔ صفیہ چونکہ پیدائشی کمزور تھی۔ اسلئے آئے دن

بیمار رہتی تھی۔ اور زاہدہ کو اس کی نگہداشت بہت غور و خوض سے کرنی پڑتی تھی۔
ننھے عابد کے لئے تو صفیہ کی ذات ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ ایک جیتی جاگتی گڑیا مل گئی تھی گھنٹوں اُسی سے کھیلا کرتا تھا۔

صفیہ نے بھی آنکھ کھول کر عابد کو ہی دیکھا تھا اس لئے اُس کو ہی اپنا بھائی سمجھتی تھی اور زاہدہ کو ماں حقیقی والدین کے ہاں تو وہ مہمانوں کی طرح پھوپی کے ساتھ جاتی تھی۔ وہاں اختر تو خیر تھوڑی بہت مدارات کرلیتا تھا۔ لیکن زہرہ اپنے حسن پر بہت مغرور تھی اس کے سلوک سے غریب صفیہ کی ہمیشہ دل شکنی ہوتی تھی۔

دونوں بہنوں کی تعلیم و تربیت میں بھی زمین و آسمان کا فرق تہا۔ زہرہ جو اب چودہ سال کی ہو چکی تھی فراک پہن کر کانونٹ میں جاتی تھی۔ انگلش اس کی مادری زبان معلوم ہوتی تھی۔ اردو میں روز مرہ کی گفتگو بھی اس کے لئے مشکل تھی۔ پیانو بجانے رقص کرنے برج کھیلنے میں وہ یوربین گورنس کی تربیت کی بدولت مشاق ہو گئی تھی۔ رنگ و روپ لباس اطوار عادات کے لحاظ سے بجائے ایک مسلمان لڑکی کے وہ ایک یوربین مس بابا معلوم ہوتی تھی زاہد اور صالحہ زہرہ کو اس رنگ میں رنگا ہوا دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔

لیکن اسکے برخلاف صفیہ کو پھوپی نے بامعنی قرآن شریف آٹھ سال کی چھوٹی عمر میں ختم کرا دیا تھا۔ دینیات اور فقہ کی تعلیم ایک بزرگ مولوی صاحب اسکو روزانہ دو گھنٹے دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صفیہ جو ابھی پورے بارہ سال کی بھی نہ تھی مذہبی معلومات پر کافی دسترس رکھتی تھی اردو کی تمام اخلاقی کتب اُس کے زیر مطالعہ تھیں اسکا اردو خط بہت اچھا اور نستعلیق تھا چھوٹی چھوٹی کہانیاں بلا تکلف وہ اردو میں لکھ لیتی تھی۔ فارسی میں آمد نامہ اور رخالق باری اسکو پڑہائی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی زمانہ حال کی تعلیم سے بھی وہ معرانہ تھی شریف مسلمان لڑکیوں کے لباس میں ایک مقامی اسکول میں جاتی تھی۔ جہاں پردے کا بہت معقول انتظام تھا اور اسکول کی عمارت میں پانچ برس کا بچہ بھی نہ گھس سکتا تھا۔

گھر پر الگ روزانہ ایک گھنٹے عابد اسکو انگریزی پڑھایا کرتا تھا۔ اور بساط کے موافق اسکی انگریزی کی قابلیت خاصی تھی۔ نماز پانچوں وقت کی پھوپی اپنے ساتھ پڑھواتی تھیں۔ سلائی کشیدہ کاری بھی خالی اوقات میں وہ پھوپی سے سیکھتی تھی اور گڑیا کا جہیز تیار کرانے میں کھیل ہی کھیل میں خاصی اچھی سلائی زاہدہ نے اسکو سکھا دی تھی۔ گھر کے وسیع میدان میں ایک جانب اُسکے لئے بیڈمنٹن کا انتظام تھا جہاں بلا ناغہ وہ شام کو عابد اور اپنی رشتے کی بہنوں کے ساتھ بیڈمنٹن کھیلتی تھی۔ غرضیکہ زاہدہ کی عمدہ تربیت اعلیٰ تعلیم کے ساتھ صفیہ کو کونسی سربلندیوں پر پہونچا رہی تھی۔

(۲)

زمانے کو گذرتے دیر نہیں لگتی وہی زہرہ کل جس کے پیدا ہونے پر خوشیاں منائی جا رہی تھیں اب خیر سے اپنی عمر کی اٹھارویں منزل بھی طے کر چکی تھی اور بیرسٹر زاہد نے آج اپنی چہیتی بیٹی کی سالگرہ اور سکنڈ ایر میں فرسٹ ڈویژن میں آنے کی خوشی میں بہت عظیم الشان ایٹ ہوم (حیدرآبادی محاورہ میں عصرانہ) دیا تھا۔

پریجمال زہرہ کا حسن و شباب موزوں سنگھار اور قیمتی فیشن ایبل لباس میں پھٹا پڑتا تھا ارغوانی رنگ کی بادلہ کریپ کی ساری اور نقرئی بروکیڈ کے چست بلاؤز میں نظر کو خیرہ کر دینے والے جواہرات سے مزین زہرہ آج اس دنیا کی مخلوق میں نہیں معلوم ہوتی تھی۔

صانع حقیقی کی صناعی کا یہ شاہکار دیکھکر ہر ایک مرعوب اور ششدر تھا اور ناز آفریں زہرہ اپنے حسن فسونکار کی فسونکاری سے واقف زہرہ بصد ناز و ادا مہمانوں کی تواضع میں مصروف تھی۔

اُس کے اردگرد فیشن ایبل اور سوسائٹی کے متمول ترین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ شکیل و جمیل نوجوان اس طرح تھے کہ معلوم ہوتا تھا ایک خوبصورت پھول پر بہت سے بھونرے منڈلا رہے ہیں۔ یا شمع پر پروانوں کا ہجوم ہے انمیں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ زہرہ حسن

، وادا کی دیوی زہرہ اسکی شریک حیات بنائی جاسکے اور اسکے لئے انکو خواہ کتنی قربانی کرنی پڑے زہرہ کا ملجانا کافی سے زیادہ تلافی تھی جس نوجوان سے بھی زہرہ مسکرا کر دو تین باتیں کر لیتی تھی وہ اپنے کو خوش نصیب ترین انسان سمجھتا تھا۔

اور جس جانب وہ ایک نگاہ برق پاش ڈال دیتی عقیدتمندوں کے سر خم ہو جاتے غرضیکہ وہ ایک دیوی تھی اور یہ سب پجاری۔

صفیہ بھی اب بچہ نہ تھی۔ بلکہ ماشاءاللہ پندرہ سالہ سانولی سلونی صورت اور دلکش نقش و نگار والی زیرک سنجیدہ اور شرمیلی دوشیزہ تھی۔ خصوصاً اسکی آنکھیں ایسی حسین من موہنے والی تھیں کہ باوجود حسن ہونے کے باوجود زہرہ صفیہ کی نیلگوں آنکھوں پر رشک کرتی تھی۔

چونکہ صفیہ کو یہ پہلا موقع اتنے بڑے اور مخلوط مجمع میں شرکت کرنے کا تھا اسلئے شرم و حیا کے باعث اسکی آنکھیں فرش پر گڑی ہوئی تھیں۔ اور بار بار عابد کے جرأت دلانے کے باوجود اسکو کسی سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اسکی ہر ادائے شرمگیں اور نسوانی وقار کو کئی مشرق پرست اور سنجیدہ طبیعت نوجوان نظر تحسین سے دیکھ رہے تھے مہمانوں کی تواضع کرنے کے باعث ادھر اُدھر پھرنے میں صفیہ کا نازک جسم شاخ گل کے مانند لچک رہا تھا۔

صفیہ سفید سلک کی طلائی کنارے والی ساری اور آستین کے بلاوز میں متحرک ایک آسمانی حور معلوم ہو رہی تھی۔ اُس کے جسم پر بجز ایک ہیرے کی انگشتری۔ اور موتیوں کی مالا کے اور زیادہ زیور نہ تھا اسکی سادگی اور اسکے حیا آمیز دل لبھانے والے انداز بہت دلنشین تھے۔

ہاں ایک صرف زہرہ تھی جسکو صفیہ کی شرمیلی ادائیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ اسوقت بھی وہ حقارت آمیز انداز سے بہت دیر تک صفیہ کو دیکھتی رہی۔ آخر ضبط نہ کر سکی تو اپنی ایک ہم جماعت سہیلی سے مخاطب ہو کر کہا۔ چندے دیکھ تو اس نالایق صفیہ کا گنوارپن خواہ مخواہ شرم سے دوہری ہوئی جارہی ہے۔ پھوپی جان نے بالکل مُلّانی بنا دیا ہے۔ سوسائٹی میں نشست و برخواست بھی نہیں آتی۔ ابھی ابھی مسز لطیفی نے بات کی تو ایسا مختصر اور خشک جواب دیا

کہ مجھے بہت شرم آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس میں بالکل جان نہیں ہے۔

چندرا بولی واقعی تم میں اور صفیہ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ تمہاری بہن اور ایسے دقیانوسی خیالات کی صورت میں فرق ہونے کے ساتھ عادات و مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تم سوسائٹی کا پھول ہو۔ اور صفیہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہے انیسویں صدی میں سانس ہی نہیں لے رہی۔ دوسری لڑکی کاملا بولی۔ ارے تم کل نہیں آئی تھیں چندرے۔

شام کو ہم سب برج کھیل رہے تھے اور صفیہ نماز میں مشغول تھی۔ عجب مردہ دل لڑکی ہے ابھی سے ہر وقت اسکو بوڑھیوں کی طرح اللہ کی دھن ہے۔ زہرہ نے کہا جیسی پھوپی جان خود ہیں ایسا ہی اس لڑکی کو بنا دیا۔ مجھے اس بیوقوف لڑکی کو اپنی بہن کہتے شرم آتی ہے سوسائٹی میں ایسی بے تمیز لڑکیوں کی کیا وقعت ہو سکتی ہے عذرا۔ زہرہ کی خالہ زاد بہن جو ایک ذہین لڑکی تھی بولی، کچھ بھی ہو۔ زہرہ مجھے صفیہ بہت پسند ہے۔ سچ بتانا تمکو دیکھکر کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ تم مسلمان ہو۔ یا تمکو اپنے مذہب سے کچھ بھی لگاؤ ہے۔ لیکن ماشاءاللہ صفیہ کی دینی معلومات اور مذہبی لیاقت قابل تعریف ہے پرسوں یوم النبی میں جو اس نے تقریر کی تو اچھی اچھی قابل خواتین دنگ رہ گئیں۔ تم بھلا وہاں کیوں شریک ہوتیں۔ کوئی تفریحی چیز تو تھی نہیں۔ اسلئے تم صفیہ کی قابلیت کی بابت اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ تمہاری دنیا کھیل کود ہے اسکی دنیا غور و خوض ہے انسانی زندگی کا صرف یہ مقصد نہیں کہ جسم کی آسائش کیلئے روح کی رفعت کا خیال بھلا دیں۔ صفیہ روحانی طور پر بہت بلند ہے دنیاوی لہو ولعب اسکے سامنے بے حقیقت ہیں۔

اور وہ ایک بلند انسان کی طرح ان پر ایک نظر حقارت ڈالتی ہے۔ اسکی سیرت ایک ایسا مہکتا ہوا پھول ہے جس کی بھینی بھینی خوشبو ایک دم نہیں بلکہ رفتہ رفتہ دماغوں پر اپنا اثر کرتی ہے اور پھر ہمیشہ کیلئے بس جاتی ہے۔ زہرہ پتے کی بات سنکر بھنا گئی اور یہ کہتی ہوئی دوسری جانب چلی گئی اوہ مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ میں دوسروں کے خوش کرنے کیلئے

اپنی زندگی کی پرواہ نہ کروں اور ابھی سے اپنے کو بوڑھا بنالوں۔

پیانوں کے ساتھ چند شوقین طبع لڑکیاں گلا آزمائی کر رہی تھیں زہرہ نے بھی سب کے اصرار سے گانا شروع کیا۔ قدرت نے حسن صورت کے ساتھ آواز بھی۔۔۔ زہرہ کو بے حد دلکش عطا کی تھی۔ اُس کا نغمہ شروع ہونے کے بعد ممکن نہ تھا کہ سب کو اپنے میں جذب نہ کرے۔ اور اسوقت تو وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ سب کو ختم کرنے کی کوشش میں تھی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آسمان و زمین بھی اُس کے نغمے کے زیر وبم میں شامل ہیں اتنا بڑا مجمع ایسا ساکن تھا کہ سانس تک کی آواز نہ تھی اس کیف انگیز وقت میں سب اسکے سحر نغمہ سے مسحور اور مست و بے خود تھے۔

صفیہ کے ہاتھ سے پانوں کی نقرئی تھالی چھوٹ کر مرمریں فرش پر گری اور فضا اسکے شور سے گونج گئی۔ سب چونک پڑے۔ اور زہرہ نے بھی گانا بند کر کے نظر اٹھائی جب دیکھا کہ صفیہ نے اسکے سحر آگین نغمے میں خلل اندازی کی ہے تو غصے سے اُس کا منہ سرخ ہو گیا۔ اور ایکدم اس طرح جھپٹی جیسے شہباز غریب چڑیا کو اپنا نشانہ بناتا ہے۔ اور صفیہ جو ندامت سے سر جھکائے کھڑی تھی کرخت لہجے میں کہا۔ جب تم کو اتنے بڑے مجمع میں شرکت کرنے کا سلیقہ نہیں یا بہت شرم آتی ہے تو جاؤ چلی جاؤ یہاں دوسروں کی پریشانی کا سبب بنکر اور اپنا تماشا بنانے سے کیا حاصل ہے۔

یوں تو غریب صفیہ ہمیشہ ہی اپنی بڑی بہن کی سرد مہری اور خفگی کا شکار رہتی تھی لیکن اس بھری محفل میں یہ نا ملائم الفاظ سنکر اسکی خودداری کو بہت ٹھیس لگی اور دوسرے کمرے میں جاکر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی عابد نے جو مہمانوں کو کافی تقسیم کر رہا تھا۔ جب صفیہ کو نہ دیکھا۔ تو زہرہ سے دریافت کیا کہ صفیہ کہاں ہے۔ زہرہ نے تیوری پر بل ڈالکر جواب دیا اُونھ مجھے کیا معلوم یہیں کہیں ہوگی۔ نالائق اتنی بڑی ہوگئی تمیز خاک نہیں۔ عابد نے سمجھ لیا کہ آج بھی حسب معمول زہرہ نے بیچاری صفیہ کی خبر لی ہے۔ اور ہر طرف دیکھتا بھالتا صفیہ جس

کمرے میں بھی پہونچ گیا۔ دیکھا تو صفیہ کی ہچکی بندھی ہوئی ہے۔
عابد نے بہت تسلی دی اور کہا آؤ اپنے گھر چلیں۔ صفیہ کو خود ایک ایک پل اب یہاں بھاری تھا اٹھکر خاموشی سے ساتھ ہولی۔ زاہدہ مخلوط جلسوں میں شرکت نہ کرتی تھیں اسلئے نہ آئی تھی۔ یہ دونوں پہونچے تو انہوں نے حیران ہوکر کہا۔ ہائیں ابھی تو سات بجے ہیں اتنی جلدی پارٹی ختم ہوگئی۔ جو تم دونوں واپس آ گئے۔ صفیہ اب سنبھل گئی تھی مسکراکر کہا پھوپی اماں میرے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ اسلئے چلی آئی عابد بھائی میری وجہ سے آ گئے عابد نے بھی اسکی تائید کی۔ زاہدہ کو زہرہ کی بیہودہ حرکت بتاکر دونوں رنجیدہ کرنا نہ چاہتے تھے۔ اسلئے حسن و خوبی سے ٹال دیا۔ لیکن اسکے بعد صفیہ نے ماں کے ہاں جانا بہت ہی کم کر دیا جب پھوپی بہت کہتیں یا اختر جن کی عابد سے بہت دوستی تھی اصرار کرتے چلی جاتی۔ اور جلد واپس آجاتی تھی۔
زہرہ سے ملنے کا وقت اب کم ملتا تھا۔ کیونکہ عمر کے ساتھ اسکی تفریحات میں اضافہ ہوگیا تھا۔ گھر کی حیثیت زہرہ کی نظروں میں ہوٹل سے زیادہ نہ تھی۔ صبح سے شام تک عیش و عشرت میں چور اور کھیل کود میں مشغول زہرہ کو اتنا وقت ہی کہاں تھا کہ گھر والوں سے بات کرسکتی کئی کئی روز ماں زہرہ کی عاشق زار ماں زہرہ کی صورت تک نہ دیکھتیں۔ ہر پارٹی ڈنر بال میں زہرہ کی ضرورت اتنی ہی تھی جیسے کھیتی کے لئے بارش کی۔ ان مصروفیتوں کی بدولت بی اے بھی وہ نہ کرسکی اور متواتر دو سال فیل ہوکر اس نے تعلیم کو ختم کر دیا۔ اب اس کو مکمل آزادی تھی اور اُس کا سارا وقت لہو ولعب کی نذر تھا۔ قیمتی ساریوں اور بیش بہا تحفوں کی کمی نہ تھی جو اُسکے شیدائی شب و روز پیش کرتے رہتے تھے۔ محض اسلئے کہ حسین و ماہوش زہرہ ایکمرتبہ انکے ساتھ رقص کرے شراب ناب کے دور بھی چلتے تھے ماں باپ کی ہکو ذرہ برابر بھی پرواہ نہ تھی
حیرت کا مقام ہے کہ الہ آباد کے اُس شریف ترین خاندان کی بیٹی جنکا پردہ ایسا تھا کہ دو سال کے بعد لڑکی کی صورت بھی کوئی نہ دیکھتا تھا اور جس خاندان کی لڑکیاں بڑی

ہوکر پالکی میں سسرال جاتی تھیں اس سے قبل باپ کی دہلیز لانگی انہیں نصیب نہ ہوتی تھی اس طرح بے باکانہ کلب میں نامحرموں کے ساتھ رقص کرے اور سید واجد جیسے غیور دادا کی پوتی جنہوں نے محض اسلئے بھتیجی کی صورت نہ دیکھی کہ اس غریب نے شوہر کے کہنے سے ایکمرتبہ اسکے ایک یورپین دوست کے ہاں چاء پی لی تھی۔ یوں نیم عریاں لباس میں ہر جگہ نظر آئے

زاہد اور صالحہ اب دونوں اس لڑکی کے ہاتھوں تنگ آچکے تھے لیکن معاملہ بالکل انکے ہاتھ سے جاتا رہا تھا خود انہوں نے زہرہ کو آزادی دیکر مذہب سے بے بہرہ رکھکر اور ایک عیسائی کے ہاتھوں میں تربیت دلاکر دین و دنیا سے کھو دیا تھا اب کہہ کیا سکتے اور کر کیا سکتے تھے۔ یہ دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹتے۔ کہ دوپہر کو صاحبزادی رشدی انجینر کے ساتھ لنچ کھا رہی ہیں۔ تو سہ پہر کی چائے ڈاکٹر جیندہ کرشنی کے ساتھ پی رہی ہیں ٹینس نواب زادہ اکبر کے ہاں ہے۔ تو ڈنر ظفر آئی سی ایس کے ہاں سارا شہر تھڑی تھڑی کر رہا تھا کنبے والوں نے طعنوں کے مارے ناک میں دم کردیا تھا۔ صالحہ نے اول تو کنبے میں جانا چھوڑ دیا۔ اور کہیں جاتی بھی تو بیچاری ہمیشہ رنجیدہ آتی لیکن زہرہ پر اس کا خاک اثر نہ تھا وہ اپنے رنگ رلیوں میں مصروف تھی اور اسکے عیش و عشرت میں دن دونی رات چوگنی ترقی تھی۔

باقی آیندہ

حمیدہ سلطان از شیلونگ

کلام اقبال

تو ابھی رہ گذر میں ہے قید مقام سے گذر
مصر و حجاز سے گذر پارس و شام سے گذر

جس کا عمل ہو بے غرض اسکی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر

گرچہ ہو دلکشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طائرک بلند بال دانہ و دام سے گذر

کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے کشاد شرق و غرب
تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے گذر

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گذر ایسے امام سے گذر

اقبالؒ

خودداری

خودداری بہت اچھی چیز ہے جب آدمی اپنی ہستی کو کامیاب ہستی خیال کرتا ہے تو دنیا میں کچھ نہ کچھ ترقی کر سکتا ہے اگر ہمنے اپنے آپ کو حقیر و کمزور خیال کر لیا تو بس کچھ نہ ہو سکیگا جب انسان اپنے کو کمزور خیال کرتا ہے تو بیکار ہو جاتا ہے۔ خودداری بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ ہے کہ آدمی اپنے کو تعلیم یافتہ یا حسین یا دولتمند سمجھکر مغرور ہو جاتا ہے اس میں خودداری پیدا ہو کر غرور کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں نہ دولت ہے نہ علم ہے۔ نہ حسن ہے نہ خاندان لیکن اپنے آپ کو ہمچو منے دیگرے نیست سمجھکر جب کسی سے بات کرتے ہیں تو اینٹھ کر کوئی معمولی سے معمولی کام بھی اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے کام کرنا بہت بڑا عیب خیال کیا جاتا ہے خیال ہوتا ہے کہ اگر ہمنے یہ کام کیا تو ہماری شان کے خلاف ہے۔ ہماری ہتک ہے۔ ایسے خیالات چھوٹے کمزور دماغ والوں کے ہوا کرتے ہیں۔ عالی دماغ والوں کے ایسے خیالات نہیں ہوتے جب خدا دولت و ثروت عزت۔ شہرت حسن۔ علم دیتا ہے۔ تو ہمکو چاہئے اور زیادہ جھک جائیں "نہد شاخ پرمیوہ برسرزمین۔"

جو آدمی اپنی خودداری دیپوزیشن کو رکھتے ہوئے اپنے ہاتھ سے کام کرے اپنی ہستی کو دوسروں کی خدمت کے لئے سمجھکر اپنے آپ کو کامیاب بنائے وہ اصل انسان ہے کام کرنے سے عزت نہیں جاتی بلکہ عزت بڑھتی ہے۔ انسان کی قدر و عزت کام سے ہے خدمت سے ہے۔ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔

خصوصًا ہم عورتوں میں تو یہ بہت بڑا عیب ہے کہ ہم اپنے ہاتھ سے کام کرنا عیب خیال کرتے ہیں ہملوگوں چاہئے جہاں تک ہو سکے اپنی خودداری رکھتے ہوئے کام کریں

مسز صغرا ہمایوں
از ہمایوں نگر

نیم عریانی اختیار کئے جا رہی ہیں۔کیا یہ طرز کچھ خوشنما معلوم ہوتی ہے۔بیکار نقل ہے ہم میں سے جو بیبیاں ایسی بیجا اور غیر ضروری ترمیم اپنے لباس میں کرتی ہیں وہ اپنی ذات اور اپنی قوم کے حق میں بہت برا کرتی ہیں۔میرے خیال میں ہمیں اپنے لباس اور اپنی رہائش اور بود و باش کے طریقوں میں غیر ضروری طور پر مغربی معاشرت کی ضرورت نہیں۔اس معاشرت کی تقلید نے ہمکو بیجا اسراف کا عادی بنا دیا ہے۔اور ہم اپنا روپیہ اکثر بیفائدہ چیزوں میں صرف کرتے ہیں۔اس تقلید سے ہم اپنی پرانی طرز معاشرت اور اخلاقی خوبیوں سے دور ہوتے جاتے ہیں۔اور آداب مجلس بزرگوں کا پاس اور لحاظ اور دیگر نسوانی صفات ہم میں سے دور ہوتی جا رہی ہیں۔

علاوہ اس کے ہماری اپنی طرز معاشرت میں بھی طرح طرح کی خرابیاں آگئی ہیں مثلاً پرانی رسوم کی پابندی بیجا نمود و نمائش اور دیگر غیر ضروری چیزوں میں ہم اپنے وقت اور اپنے مال کا بہت سا حصہ ضائع کرتے ہیں اگر وہی روپیہ اور وہی وقت کسی اور مفید کام میں صرف کیا جائے تو اس سے بہت سے قومی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔

اس موقع پر بیجا نہ ہوگا اگر میں اپنے ملک ہی کی دوسری قوموں کی خواتین کا کچھ حال بیان کروں کہ وہ ترقی کے میدان میں ہم سے کسقدر آگے بڑھ گئی ہیں۔اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔کہ بعض ہندو خواتین نے اپنی زندگیاں اپنی قوم کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں کسی نے مذہبی تعلیم کے لئے مدرسہ قایم کر رکھا ہے۔اور کسی نے کوئی کام شروع کر رکھا ہے جن کے ذریعہ سے اپنے علوم اور اپنی پرانی تہذیب کو خاموشی سے زندہ کر رہی ہیں۔ان کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں صحیح معنوں میں اپنے مذہب اور قوم کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔

میں نے خود دیکھا ہے کہ متمول گھرانوں کی عورتیں اپنے گھر بار کی دیکھ بھال سے فارغ ہو کر کوئی نہ کوئی قومی کام کرتی رہتی ہیں جو انہوں نے اپنے ذمے لے رکھے ہیں۔ہندو عورتوں نے مختلف شہروں میں ایسی انجمنیں قایم کر رکھی ہیں جن کا کام اپنی قوم کی غریب اور حاجتمند

عورتوں کو عملی طور پر پہنچا رہی ہیں۔ لاہور میں ایک منگل سبھا ہے اس سبھا کا جلسہ ہر منگل کو ہوتا ہے غریب ہندو عورتوں کو کام سکھایا جاتا ہے انکے ضروریات کا خیال کر کے انکو وظائف دیئے جاتے ہیں۔ جو پڑھنا چاہتی ہیں۔ انکی تعلیم میں ہر طرح سے مدد کیجاتی ہے۔ جو دستکاری کا کام سیکھنا چاہتی ہیں ان کی اس میں مدد کیجاتی ہے۔ تاکہ اس وسیلے سے وہ اپنی روزی کمانے کے قابل ہو سکیں۔

یہ ایک نہایت ادنیٰ مثال اس ایثار کی ہے جو ہندو عورتیں اپنی قوم کی خاطر کر رہی ہیں۔ کیا مسلمان عورتیں بھی غور کریں گی کہ وہ کوئی ایسا کام کہیں کر رہی ہیں انکو سوائے اپنی تن پروری اور اپنے عمدہ لباس اور فیشن کی تقلید کے کسی اور چیز کی بھی فکر ہے۔ کیا اسلام ان کو اسی ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے۔ کیا مردہ قوم ان کی اس لاپرواہی اور خود غرضی سے کبھی زندہ ہو سکتی ہے۔

رفیعہ اختر

مسلمان لڑکی سے!

اے تو کہ ہے اخلاق کے پھولوں کا خزانہ
دُنیا بڑی پُر پیچ ہے، نازک ہے زمانہ

سورج کی کرن، تیرے تقدس کی ہے شاہد
کلیوں کی زباں پر تری عصمت کا فسانہ

نغمہ بہ ہر انداز ہے، برہم کنِ جذبات
بربط کی صدا ہو کہ پپیا لو کا ترانہ

تہذیب گناہوں کے دوراہے پہ کھڑی ہے
تعلیم فقط مکر ہے، اصلاح کا بہانہ

کاغذ کے ہیں یہ پھول، نہ خوشبو، نہ طراوت
افرنگ کی تہذیب کے دھوکے میں نہ آنا

آتے ہیں تری سمت بھڑکتے ہوئے شعلے
شعلوں سے ذرا دامنِ تقدیس بچانا

اسلام کو اب تک ترے کردار پہ ہے ناز
جذبات کو اخلاق کا پابند بنانا

ماہر القادری

عورتیں اور ملازمت

میں دیکھ رہی ہوں کہ آجکل انیس لنسواں میں یہ بحث چھڑ رہی ہے کہ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح ملازمت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے تاکہ گھر میں آمدنی زیادہ آئے اور زیادہ آسایش سے زندگی کٹے۔ میں نے شارق صاحب کا مضمون بھی پڑھا اور مولنا شتاق احمد صاحب زاہدی کا بھی۔ لیکن مجھکو افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ دونوں حضرات مغربی معاشرت کی کورانہ تقلید پر تلے بیٹھے ہیں۔

پہلے ہم کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ آرام میں کونسی خواتین ہیں آیا جو بے پردہ ہیں اور اپنے ذرا ذرا سے کام کے لئے موٹریں دوڑاتی پھرتی ہیں یا جو گھر میں ملکہ کی طرح بیفکری سے بیٹھی ہیں انہیں نہ روزی کمانے کی فکر ہے نہ بازار سے سودا لانے کا خیال۔

اگر ہم غور کریں تو ہمارے لئے ہمارے گھر کے اپنے کام اتنے ہیں کہ اگر ہم انکو خوش اسلوبی اور باقاعدگی سے کریں تو تمام دن پورا ہوجائے اور پھر بھی ایک آدھ کام باقی رہ جائے جب بیبیوں کو اپنی معاش کے لئے یا گھر کی آمدنی بڑھانے کے لئے محنت مزدوری ملازمت وکالت بیرسٹری ڈاکٹری وغیرہ کرنی پڑے گی تو جیسا کہ مردوں کو ہم مصروف دیکھتی ہیں اسی طرح ہم عورتوں کو بھی لازمی طور پر مصروف رہنا پڑے گا۔

مرد جب کچہری یا دفتر سے تمام دن محنت کر کے گھر آتے ہیں تو بہت تھکے ہوئے ہوتے ہیں تمام معقول اور مہذب بیبیاں اس بات کا خیال رکھنا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ کہ ان کو آتے ہی گھر میں وہ آسائش ملے۔ کہ انکی تکان دور ہوجائے۔ گھر کا جھگڑا بکھیڑا یا خانہ داری کی کوئی پریشان کرنے والی بات انکے فوراً نہیں کہی جاتی تاکہ وہ آتے ہی پریشان نہوں۔ اگر ناسمجھ بچے شور کریں تو انکو خاموش کرایا جاتا ہے۔ غرضیکہ کوئی ناگوار بات حتی الوسع نہیں ہونے دیجاتی

جس سے شوہر کا دماغ پریشان ہو۔ ہمدردی اور ملائمی کا خیال مقدم ہوتا ہے۔ جو بیویاں اپنے اس فرض کا احساس رکھتی ہیں وہ ہر طرح کی احتیاط کرتی ہیں۔ اور میاں کا کام جلد جلد اپنے ہاتھ سے کرتی ہیں کہ انکو جلد آرام ملے۔

تعلیم یافتہ مردوں کے دلوں سے پوچھئے کہ جسوقت وہ دن بھر کے کاج کاج سے تھک کر اپنے گھروں میں جاتے ہیں تو وہ کیا چاہتے ہیں آیا یہ چاہتے ہیں کہ بیوی کی صورت بھی ان کو نظر نہ آئے یا آئے تو بیوی آتے ہی انکو پریشان کرنے والی باتیں لیکر بیٹھ جائے فرض کیجئے کہ اگر میاں کچہری جائیں اور بیوی بھی کسی دفتر میں ملازم ہوں بچوں کو کسی نرس یا آیا کے سپرد کر جائیں باورچی خانہ کا انتظام خانساماں کے ذمہ ہو۔ گھر کی صفائی کے لئے علیحدہ نوکر ہوں بڑے بچوں کی نگرانی اور خبر گیری کے لئے علیحدہ ملازم ہوں ایک نوکر سب کام انجام نہیں دے سکتا سینے کے کام کے لئے بھی درزی رکھا جائے۔ کیا یہ توقع ہو سکتی ہے۔ کہ سب نوکر دلسوزی سے کام کرینگے۔ گھر میں ایک بی بی کے نہونے سے اتنے نوکر رکھنے پڑے جب بی بی نوکری کرکے گھر میں آئے گی بچے تو ضرور خوش ہو کر اس کے گلے لگ جائیں گے کوئی کچھ شکایت کریگا کوئی کچھ جھگڑا لے بیٹھے گا۔ چھوٹا بچہ اگر ہوا تو وہ ماں کو ایسا چمٹ جائیگا کہ وہ ماں کو نہ چھوڑیگا۔ مرد کے لئے تو عورت ہر طرح سے آرام پہونچانے کی صورتیں پیدا کرتی ہے۔ مگر عورت جب تھک کر چور ہو کر دفتر سے آئے گی اسوقت اس کے ساتھ ہمدردی کرنے والا کون ہوگا اور اس کی آسائش کا کون خیال کرے گا۔

پھر غریب میاں کو کون پوچھیگا وہ تھکے ہارے الگ پڑے ہیں اور بیوی مردہ ہو کر الگ پڑی ہیں۔ دونو نوکری سے آئے ہیں دونو کو آرام کی ضرورت ہے اگر کوئی میاں ایسی حالت میں بھی یہ توقع کریں کہ بیوی انکی خدمت میں کھڑی رہے تو کیا یہ صریح ظلم نہیں ہوگا اگر بیوی یہ توقع کرے کہ میاں ایسی حالت میں اسکے آرام اور آسائش کی فکر کرے تو یہ اسکی زیادتی اور بے انصافی ہوگی آرام کی دونو کو ضرورت ہے۔ اُدہر بیوی چاہتی ہیں کہ ذرا آرام کرلوں ادہر میاں

چاہتے ہیں کہ آرام کروں کیونکہ دونوں نوکری سے آئے ہیں۔ مگر بچے چین نہیں لینے دیتے نوکر کیا کیا کام کرینگے۔ یا نوکر زیادہ رکھو۔ گویا جو کچھ زائد کمایا وہ سب نوکروں نے کھایا۔

- -

پھر نوکروں کا ملنا کون آسان کام ہے کسی مقام پر تو ملتے ہی نہیں اگر ملتے بھی ہیں تو بڑی بڑی تنخواہیں مانگتے ہیں۔ روز بروز نوکر کمیاب ہوتے جا رہے ہیں۔ ابھی سے نوکروں کی یہ حالت ہے تو آئندہ ترقی کے زمانے میں کیا ہوگی اگر نوکر نہیں رکھتے تو مشکل ہے۔

بقول زاہدی صاحب کے کہ ہوٹلوں سے کھانا کھانا ہوگا اور ہسپتال میں بچے پرورش پائیں گے۔ کیا گھر کی خوشی اسی کا نام ہے۔ میاں بیوی کو شادی کرنے اور گھر بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہی وہ خانگی مسرت ہے جسکو کھو کر یورپ والے اپنی قسمتوں کو رو رہے ہیں۔ خدا وہ حالت ہماری نہ کرے جو آجکل یورپ کی ہو رہی ہے۔

میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ عیسائی ڈاکٹرنیاں یا استانیاں جو شادی شدہ ہوتی ہیں خود تو نوکری پر جاتی ہیں اور بچوں کے باپ انکی دیکھ بھال کرتے ہیں بچوں کو شیشی سے دودھ پلاتے ہیں باورچی خانے کا انتظام کرتے ہیں غرض میاں بیکار رہتے ہیں بیوی برسرکار بات ایک ہی ہے۔ لیکن میاں اس طرح سے کام نہیں کر سکتے جس طرح کہ بیوی کرتی ہے۔

اب ہماری پردہ نشینوں کی حالت سنئے باہر کے لوگ یا اعتراض کرنے والے حضرات سمجھتے ہیں کہ ہم چار دیواری میں مقید ہیں اور ہمکو قید کر کے ایک پنجرے میں ڈال دیا ہے۔ ہم تازہ ہوا سے محروم ہیں اور کہیں آجا نہیں سکتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہم اپنے آپکو گھر کی ملکہ سمجھتے ہیں گھر بھر میں ہماری حکومت ہے۔ اگر کبھی طبیعت خراب ہو یا کبھی سر میں بھی درد ہو تو دن بھر آرام کرتے ہیں۔ گھر کا کوئی کام خود کریں یا نہ کریں صرف انتظام ہم کو کرنا ہے بچوں کی خبر گیری اور گھر کی دیکھ بھال باورچی خانہ کا انتظام اور بڑے بچوں کی تربیت اور انکی ضروریات کو دیکھنا یہ ہمارے معمولی فرائض ہیں۔ بچے مدرسے سے آئیں تو (انکا) کھانا

وغیرہ پہلے سے تیار رکھنا شوہر کے آنے کا وقت ہو تو اس کی چائے وغیرہ کا انتظام یہ ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔ گھروں میں روزمرّہ ہوتے رہتے ہیں۔

ہم اپنے فرائض بھی ادا کرتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا پانچ وقت شکریہ بھی ادا کرتے ہیں خود ہی نہیں بلکہ سب بچے ہمارے ساتھ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر کوئی کتاب یا اخبار پڑھنے کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں سینے پرونے کی ضرورت ہے تو گھر کے کپڑے بھی خود سی لیتے ہیں۔ تفریح کے لئے اپنے کلب میں بھی جاتے ہیں۔

ہمارے لئے ملازمتیں تلاش کرنے والے حضرات نے غالبًا اس خوشی کا اندازہ نہیں کیا جو گھر بھر کو رات کا کھانا کھاتے وقت میسر آتی ہے جب میاں بیوی اور سب بچے ایک وقت میں اکھٹے بیٹھکر کھانا کھاتے ہیں تو وہ کھانا کسقدر خوشگوار ہوتا ہے۔

اب ایک سوال اور رہے کہ عورتیں مردوں کی دست نگر اور محتاج نہ رہیں اپنی روزی خود پیدا کریں تاکہ مردوں کا احسان نہو۔ میں کہتی ہوں کہ دنیا کا کوئی کام ایک دوسرے کی مدد کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم مردوں کی محتاج ہیں تو مرد ہم سے زیادہ عورتوں کے محتاج ہیں اگر مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو بائیکاٹ کردیں تو دنیا کا خاتمہ دور نہیں۔

جولائی کے رسالہ میں ایک مضمون چولی دامن کے رشتہ کے عنوان سے فاضل ایڈیٹر صاحب کا شائع ہوا ہے کس قابلیت سے لکھا گیا ہے اس میں کس خوبی سے بتایا ہے کہ مرد اور عورت کے پیدا کرنے میں خدا کا کیا منشا ہے۔ بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرنے کے لئے ہیں اسلئے وہ انکے محافظ اور گارڈین ہیں اگر ہم کو حالات مجبور کریں کہ ہمکو ملازمت کرکے گھر بھر کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے تو ہم کو عار نہیں ہونی چاہیئے۔ اسلام نے کاروبار کرنے سے عورت کو نہیں روکا مگر یہ بھی نہیں کہ میاں بیوی دونوں روپیہ کمانے کی مشین ہی بن جائیں اور بچوں کی تربیت سے غافل ہوکر ان کو نوکروں کے حوالہ کردیں۔

انسان کا بچہ والدین کا محتاج ہے اگر والدین پرورش نہ کریں تو وہ ایک ہی دن میں ختم ہو جائے ضعیف والدین کی خدمت اولاد اسی طرح کرتی ہے جیسے انہوں نے اولاد کی بچپن میں کی تھی۔ یہ احسان کی بات نہیں جو جو فرائض اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیئے ہیں وہ ہر شخص کو سرانجام دینے ہیں۔ مرد اگر روپیہ کما کر ہم کو دیتے ہیں تو ہم ان کے گھر کا انتظام کرتے ہیں بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اور اس پر ہمارا فرض ہے کہ ہم روپیہ کو کہیں بیجا صرف نہ کریں یہ روپیہ ایک طرح سے امانت ہے جس میں گھر چلانا ہے اور سب کی ضرورتوں کو پورا کرنا اور اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرنا ہے جو ہمیں یہ سب کچھ دیتا ہے۔

ہمارا سب سے بڑا فرض تو اولاد کی تربیت ہے اور انکو مسلمان بنانا ہے۔ بچے اگر مسلمان کے بچے معلوم نہوں تو ہماری تربیت بیکار ہے ہمکو چاہے کہ ہم بچوں کو پکا مسلمان بنائیں تاکہ الحاد کی ہوا انکی جڑوں کو نہ ہلا سکے۔ لڑکیوں کو ایسی تعلیم و تربیت دیں کہ وہ بڑی ہو کر ایسی بیوی اور ایسی ماں بنیں کہ شوہر کے لئے جنت اور بچوں کے لئے مدرسہ ہوں۔

آج کل تو مردوں ہی کو ملازمت نہیں ملتی۔ عورتوں کو کہاں مل جائیں گی۔ چھوٹی چھوٹی آسامیوں کے لئے بیسیوں بی اے۔ اور ایم اے۔ کی درخواستیں آجاتی ہیں تو بیچاری عورتیں کس شمار میں ہیں کہاں کہاں ماری ماری پھریں گی۔

اسلام نے ملازمتوں کا تو کہیں ذکر نہیں کیا البتہ تجارت کی ترغیب دی ہے یہ ہماری غلامانہ ذہنیت ہے کہ نوکریوں کی تلاش کیجاتی ہے۔ اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے تجارت نہ جاتی تو آج کا روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔ اب بھی جب تک مسلمان جاہ طلبی کو چھوڑ کر تجارت کی طرف رجوع نہ کرینگے قوم کی حالت نہیں سنبھل سکتی۔ اگر عورتیں تجارت کا کاروبار کرنا چاہیں تو اسلام مانع نہیں حضرت خدیجہؓ کی تجارت کس قدر کامیاب تھی انکے علاوہ اور بیبیاں بھی تجارت میں کامیاب ہوئی ہیں۔

ساڑھے تیرہ سو برس سے مسلمان خواتین کس عزت سے زندگی بسر کر رہی ہیں اب

ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ اسلام کے ہر شعار سے نفرت۔ کیا بے پردگی سے ہماری خانگی زندگی خوشگوار ہو جائے گی۔ یا ہماری عزت کچھ بڑھ جائیگی۔ یا ہمارا آرام کچھ زیادہ ہو جائیگا بے پردہ عورتوں کے کارناموں پر پہلے نظر ڈالئے کہ انہوں نے پردہ سے باہر نکل کر اپنی خستہ حال قوم کے لئے کیا کیا۔ مسلمان خواتین کی ترقی کی کیا کیا تدبیریں سوچیں اور پھر عملاً کیا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ اعتدال ہی ہمارا اصول ہونا چاہیئے آجکل جو تعلیم یافتہ خواتین بے پردہ ہو کر باہر نکلنے لگی ہیں وہ شرعی حد سے تجاوز کر رہی ہیں انکی سب زینت کھلی رہتی ہے۔ صرف ساڑھی پردے کے لئے کافی نہیں اللہ کا صاف حکم تو یہی ہے کہ اپنی زینتوں کو چھپاؤ اب اگر کوئی اللہ کا حکم نہ مانے تو انکی نافرمانی اور سرکشی انکا نام فرمان بردار عورتوں کی فہرست میں درج نہ ہونے دیگی۔

(محمودہ سلطان انور) از بنارس

پروانہ و جگنو

پروانہ۔ پروانہ کی منزل سے بہت دور ہے جگنو — کیوں آتش بے سوز پہ مغرور ہے جگنو

جگنو — اللہ کا صد شکر کہ پروانہ نہیں میں — دریوزہ گر آتش بیگانہ نہیں میں

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی — میں پائمال و خوار و پریشان و دردمند — تیرا مقام کیوں ہو ستاروں سے بھی بلند

عقاب — تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاک راہ میں — میں تو سپہر کو نہیں لاتا نگاہ میں

اقبالؒ

جشن سالگرہ مبارک

(از محترمہ لطف النساء بیگم صاحبہ اثیمہ (حیدرآباد دکن)

پھر باغ آصفی میں تازہ بہار آئی
بادِ نسیم عشرت پھر مشکبار آئی
گاتی ہوئی خوشی کے نغمہ ہزار آئی
پھولوں کے رنگ و بو پر ہونے نثار آئی
شاہ دکن کو سیر گلہائے تر مبارک

ہر شاخ گل پہ بلبل ہے محو نغمہ خوانی
آتی ہے ہر کلی سے آواز لن ترانی
ہر برگ سے عیاں ہیں آثار شادمانی
پھولوں میں دلکشی ہے غنچوں میں دلستانی
باغ مراد کو یہ رنگ سحر مبارک

ہر نخل نخلِ قدِ محبوب دلستاں ہے
ہر اک درخت کہنہ بھی اندنوں جواں ہے
فصل بہار نو سے ہر دشت گلستاں ہے
بادِ خزاں طرب سے خود آج باغباں ہے
گلشن کو گل مبارک اور گل کو زر مبارک

بادِ صبا گلوں کا جُھولا جُھلا رہی ہے
اور ننھی ننھی کلیوں کو گدگدا رہی ہے
شبنم خوشی سے پھولوں کا منہ دھلا رہی ہے
ہر برگ و بار سے یہ آواز آرہی ہے
قدرت کے یہ مناظر شام و سحر مبارک

سب جشن سال نو سے مسرور ہو رہے ہیں
جام مئے طرب سے مخمور ہو رہے ہیں
دل حُبِ آصفی سے معمور ہو رہے ہیں
اوہام باطلہ سب کافور ہو رہے ہیں
یہ جوش یہ عقیدت ہاں اک دگر مبارک

دورہ کناں رہیگا جبتک یہ چرخ گرداں
جبتک رہیں درخشاں یہ ماہ و مہر تاباں
سیارہ و ثوابت جبتک ہوں نور افشاں
ہوں حکمراں الٰہی دنیا میں شاہِ عثماں
یہ تخت و تاج اثیمہ ہو عمر بھر مبارک

شہیدِ رسوم

(از اجمل مرزا صاحب ہمایوں دہلوی)

ہردیوا کے یہ الفاظ سنکر اماں بگڑ گئیں اور غصے سے کہا "دیکھ رے تو ہر معاملہ میں نہ کودا کر مجھے یہ دخل در معقولات پسند نہیں ہے۔ منہ لگائی ڈومنی کنبہ لائی ساتھ۔"

ہردیوانے اماں کے یہ فقرے سنکر کچھ دیر سوچا پھر کہا "بہو جی میں تو یہ کہتا ہوں......"
ہردیو نے اتنا ہی کہا تھا کہ اماں نے اُسے جھڑک دیا کہنے لگیں "دیکھ رے تو ہمارا نصیحت کنندہ نہیں ہے آیا کہیں سے بڑا ہمدرد بنکر لو جی ہم اِن موئے نوکروں کی باتیں سنیں گے" اماں کے یہ الفاظ سنکر ہردیوا کچھ آزردہ سا ہو گیا اور بہت مایوسی کے ساتھ کہا "خیر بہو جی تم جانو اور تمہارا کام مگر میں اتنا ضرور کہونگا کہ اگر لین دین کی یہی حالت رہی تو ایک دن سر چھپانے کا یہ کھنڈلا بھی رہتا نظر نہیں آتا کمیدان صاحب کا کیا ہے انہوں نے تو آجتک کبھی آگا پیچھا سوچا ہے نہ سوچیں گے یہ چار زیور جو آج گھر میں نظر آرہے ہیں یہ بھی میری دھینگا دھینگی سے بن گئے تھے جو آج کام آگئے" اتنا کہکر ہردیوا تو بڑبڑاتا ہوا باہر چلا گیا۔ ہردیوا کے جانے کے بعد میں نے اماں سے کہا "اماں جان ہردیوا بچارا سچ تو کہتا ہے" یہ سنکر اماں مجھ پر برس پڑیں اور مجھے خوب ہی صلواتیں سنائیں۔

خالہ جان نے یہ تمام لڑائی جھگڑا اور یہ تمام ساز و ساماں اس ننھی سی جان کے لئے ہو رہا تھا جو ابھی پردہ شکم میں پنہاں تھی یہ سب اسی کی آمد آمد کی تیاریاں تھیں آخر وضع حمل کا وقت آپہنچا درد شروع ہوتے ہی بی بی مریم کا پنجہ پانی میں ڈال دیا پھر چھپر کھٹ کا رخ بدلا گیا سرہانا شمال کی طرف کیا گیا اور پائنتی جنوب کی طرف بچاری اماں جان نے فوراً ہی مشکلکشا کا دونا مانا اور انگنائی میں آسمان کے نیچے جا کھڑی ہوئیں اور گود پھیلا کر رو رو کر دعائیں مانگنے لگیں۔

جب بچہ کی پیدائش میں دیر ہوئی تو خالہ جان نے اماں سے کہا "بی آپا بی بی مریم کا پنجہ تو

پورا کھل چکا ہے، پھر بچے کی پیدائش میں دیر کیوں ہو رہی ہے"۔ اماں نے حیران پریشان ہو کر آسمان کی طرف دیکھا خالہ نے کہا "بی آپا میں تو لیسین شریف پڑھتی ہوں"۔ اماں نے کہا "بسم اللہ کرو" خالہ جان نے پیٹ پر ہاتھ رکھکر لیسین شریف پڑھنی شروع کی ابھی ایک رکوع بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ وہ ہستی جو کتم عدم سے نکلکر پردہ شکم میں پنہاں تھی عالم شہود میں آگئی۔ چمپا چلائی کہ "کانٹڑی بیٹی[1] پیدا ہوئی ہے"۔ چمپا کی آواز سنکر چاروں طرف سے مبارک سلامت کا غل مچ گیا اور اماں جان نے پیدائش کے وقت سے دیوان خانہ میں ابا جان کو اطلاع کرائی اور ساتھ ہی یہ تاکید کی کہ پیدائش کا وقت دن اور تاریخ اسی وقت لکھ لیں اور کسی نجومی کو بلوا کر جنم پتر ہ بنوائیں۔

ادہر چمپا اپنے کام میں مصروف تھی اس نے بچہ کا نال کاٹ کر کلاوہ باندھا اور دس روپیہ نال کٹائی کا انعام اماں سے وصول کیا اس کے ساتھ ہی اماں نے چاندی کے کڑونکی ایک جوڑی بھی اس کو دی۔ چمپا ایک ہی گرگ باراں دیدہ تھی چاندی کے کڑوں کو دیکھکر کہنے لگی "سرکار نانی جان بننا آسان نہیں یہ چاندی کے کڑے تو میں کبھی بھی نہیں لونگی"۔ چمپا کے یہ الفاظ سنکر میں سمجھ گئی کہ اس کا دانت اماں کے سونے کے کڑوں پر ہے اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں اماں نے اپنے سونے کے ٹھوس کڑے اتار اسکے حوالے کئے۔ اور میں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔

چمپا کی لوٹ یہیں ختم نہیں ہوئی ابھی آنول کا ٹھیکرا باقی تھا ٹھیکرے میں پان کوئلہ ہلدی کی گرہ اور چاندی رکھی گئی تاکہ آسیب اور پرچھانوے کا اثر نہ ہو اسکے بعد رشتہ کی عورتوں نے حسب مقدور جو کچھ ٹھیکرے میں ڈالا وہ بھی چمپا کے لئے شیر مادر تھا نقدی پر چمپا نے قبضہ کیا اور ٹھیکرا دفن کر دیا گیا۔

بچے کو نہلا دھلا کر سر کو چاروں طرف سے دبا کر گول کیا گیا اور قصابہ باندھ دیا پھر ناک کو ابھارا اسکے بعد مسجد کے مولوی صاحب کو بلایا گیا انھوں نے بچے کے دائیں کان میں اذان دی اور

---

[1] جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو دائی یہ کہتی ہے کہ کانٹڑی بیٹی پیدا ہوئی ہے اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ زچہ کو رنج ہو اور آنول کا جلدی اخراج ہو جائے۔

بائیں میں اقامت کہی یہ بھی اذان دینے کا انعام پانچ روپے لیکر رخصت ہوئے۔

اب ابا جان دیوان خانہ میں سے بچہ کو دیکھنے تشریف لائے ابا نے بچے کی رونمائی میں پانچ اشرفیاں دیں اور شہد چٹایا شہد چٹانے کے بعد میری نندبی کلثوم نے بغیر چونے کا پان اور اجوائن چبا کر اس کی پیک بچے کے منہ میں ٹپکائی اس کے بعد جٹھانی نے یہ آواز لگائی "کہ ساتھ کے ساتھ بچے کا کان بھی چھدوا دیا جائے اماں نے کہا" بوا یہ کان چھدائی تو میں جم ہی جم کرونگی مگر جس کا نام جٹھانی تھا وہ ہر گنوں پوری تھی آخیر اس نے اماں کو بچے کا کان چھدوانے پر آمادہ کر ہی لیا اب سوئی کی تلاش شروع ہوئی مگر خدا کے فضل سے سارے گھر میں کوئی ایسی عورت نہیں تھی کہ سوئی دے سکتی کیونکہ کان چھیدنے کے لئے سوئی اس عورت سے مول لی جاتی ہے کہ جو سہ خصمی ہو بہت تلاش و تجسس کے بعد آخیر ایک عورت ایسی مل گئی کہ جس کے یکے بعد دیگرے تین شوہر مر چکے تھے اس اللہ کی بندی سے منہ مانگے داموں سوئی مول لی گئی اور پچاس روپے نقد سوئی کی قیمت کے اسکو دیئے گئے گھٹی دینے کے بعد اس ننھی سی جان کا کان چھیدا گیا اور سونے کا ایک بندہ ڈال دیا گیا اب یہ بندہ اسوقت تک کان میں پڑا رہیگا جب تک کہ اسکی شادی ہوگی نکاح کے دوسرے دن یہ بندا اس طرح اترے گا کہ بیوی میاں کی چھاتی پر پاؤں رکھکر اس بندے کو اتاریگی اور پھر اس بندے کو فروخت کرکے اس کی شیرینی تقسیم کی جائیگی۔

عالم شہود میں آتے ہی یہ پہلا ظلم تھا جو اس ننھی جان پر ہوا بچے کو شہد تو ابا جان چٹا گئے تھے اس کے بعد گھٹی دی گئی۔ میرے پلنگ کے چاروں طرف انگیٹھیاں دہک رہی تھیں اور کالے دانے کی وہ مارا ماری تھی کہ اللہ کی پناہ نظر بد کے دفعیہ کے لئے ہر وقت اسپند جل رہا تھا۔

شام کو بچہ پیدا ہوا اور تمام رات عورتیں زچہ گیریاں گاتی رہیں میں نے اماں سے ہر چند کہا کہ مجھے نیند آرہی ہے اگر یہ گانا بجانا بند ہو تو دو گھڑی کو آنکھ لگ جائے۔ اماں نے کہا "نہیں بیٹی سونا مت سونے سے زچہ کا خون سُستا جاتا ہے" غرض تمام رات جاگتے گذری۔ صبح ہوتے ہی گھر کی پلی ہوئی بلی کی جو شامت آئی تو وہ بیچاری خرخر کرتی ہوئی میرے پاس آکر لیٹ گئی اماں کی جو بلی

پر نظر پڑی تو دوڑ کر آئیں اور پلنگ پر سے بلّی کو اٹھا کر سدا بہار سے کہا "اری اس بکّٹی[1] کو دیوان خانہ میں باندھ کر آ اور دیکھ ذرا "اجلی"[2] کا بھی خیال رکھیو۔

دوسرے دن بچے کو دودھ پلانے کی رسم اس طرح ادا ہوئی کہ بی کلثوم نے آٹے کے دودھ سے جسمیں دُوب پڑی ہوئی چھاتی ۔اور لٹ دھولائی

اور لٹ دُھلائی اور راہی کا نیگ پانچ اشرفیاں ہماری ساس نے بی کلثوم کو دیں اس کے بعد نند صاحبہ نے بتاشے کا روا پہلے بچہ کے منہ میں ٹپکایا پھر بچہ کو دودھ پلایا گیا۔ دودھ پلانے کے بعد اماں نے سدا بہار سے کہا "اری سدا بہار ذرا جلدی سے دیوان خانہ میں جا اور کیدان صاحب سے کہہ کر اپنی تلوار دیدو زچہ کے سرہانے رکھنی ہے" سدا بہار ابا جان کی تلوار لیکر آئی اور اُس کو میرے تکیئے کے نیچے رکھدیا گیا۔

تلوار رکھنے کے تھوڑی دیر بعد باہر سے ڈھولک کی آواز آئی اماں نے سنکر کہا "شاید اچپل آیا ہے" "اچپل نے ڈیوڑھی میں سے چیخ کر کہا" بڑی سرکار نواسہ مبارک ہو۔

سدا بہار نے اماں سے ہنسکر کہا "سرکار خدا جانے ان ہیجڑوں کو کیسے خبر ہو جاتی ہے" یہ کہتے ہوئے سدا بہار نے دالان کے پردے چھوڑ دیئے اور اچپل مع اپنے سازندوں کے اندر آگئے اندر آتے ہی ڈھولک والے نے ڈھولک پر ہاتھ مار کر کہا "لو میاں اچپل آج سرکار سے دوشالہ لو" اچپل نے کہا۔ ارے ہمارے پاس کیا جاگیریں ہیں ہماری جاگیریں تو یہی سرکاریں ہیں" یہ کہکر اچپل نے جچا گیریاں گانی شروع کیں اور خوب کل کل توڑ کر ناچا۔

اچپل قلعہ کے بھانڈوں میں سے تھا ساٹھ ستر برس کی عمر تھی پانچوں وقت کا نمازی اور چہرے پر سفید ڈاڑھی تھی۔ اچپل دو گھنٹے تک جچہ گیریاں گاتا رہا۔

باقی آیندہ

---

[1] زچہ خانہ میں بلّی کا نام نہیں لیتے اسکو بکّٹی کہتے ہیں اور اسکو زچہ خانہ میں آنے نہیں دیتے۔

[2] زچہ خانہ میں دھوبن کو اجلی کہتے ہیں اور اسکو زچہ کے پاس نہیں آنے دیتے۔

زبان خلق

رسالہ انیس النسواں پڑھا بہت اچھا رسالہ ہے کاغذ لکھائی چھپائی اچھی
سب مضامین لاجواب ہیں بھلا آپ رسالہ نکالیں تو کون براکہہ سکتا ہے
ایک زمانہ تک آپنے مخزن عصمت کی ایڈیٹری کی ہے خدا کرے کہ رسالہ کامیاب
ہو اور عورتیں اس سے فائدہ اٹھائیں

مسز صغرا ہمایوں مرزا
ایڈیٹر رسالہ زیب النسا حیدرآباد دکن

حمیدہ سلطان صاحبہ شلانگ سے تحریر فرماتی ہیں۔

انیس النسواں کا ہر نمبر ماشاراللہ بڑھا چڑھا ہوتا ہے۔اس کے بصیرت افروز مضامین پڑھکر آنکھیں کھل جاتی ہیں۔انیس النسواں کے لئے کوئی کام کرنا آپ پر احسان نہیں بلکہ ہمارا اپنا فرض ہے۔انیس النسواں کا معیار تو تمام زنانہ اور مردانہ رسائل سے بڑھ گیا ہے۔ دوسرے رسالوں سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انیس النسواں تو کچھ چیز ہی اور ہے میری دعا ہے کہ خدا اسکو نظر حاسد سے محفوظ رکھے۔آجتک تمام ہندوستان نے ایسے رسالے کی صورت نہ دیکھی تھی۔

محترمہ مراد بی کڈاپہ مدراس سے لکھتی ہیں

میں محترمہ بہن نفیس دلہن صاحبہ کی بیحد ممنون ہوں کہ جن کی علمی فیاضی نے مجھکو انیس النسواں جیسی بیش بہا چیز سے روشناس کرایا۔خدا گواہ ہے میں نے بہتیرے زنانہ رسائل واخبارات دیکھے ہیں لیکن انیس النسواں یقیناً تمام صحائف میں انوکھا جاذب نظر دلکش اور نہایت مفید رسالہ ہے۔رات کے ساڑھے بارہ بجے تک تمام رسالے جو آپنے بھیجے تھے جب تک پڑھ نہ لئے مجھے چین نہ آیا۔یہ حقیقت ہے کہ جن بہنوں کو میں نے یہ رسالہ دکھایا وہ اسکی ایسی شیدا ہوئیں

کہ اپنا ضروری کام چھوڑکر رسالہ کو دیکھنے لگ گئیں ہیں آپ کے مضامین کا پیرایہ ایسا دلنشین ہوتا ہے کہ اسپر عمل کرنے کے لئے طبیعت بیچین ہوجاتی ہے۔خلوص سے لکھے ہوئے مضامین کا یہی اثر ہونا چاہئے۔میری دلی دعا ہے کہ رسالہ صحیح معنوں میں ہمارا انیس ومونس ثابت ہوا اور اسکا فیض ہمارے طبقے پر عام ہو۔انوار قرآن کی تجویز مجھکو بہت پسند آئی آپ ضرور شائع فرمائیں۔عام مسلمانوں اور خاص کر ہمارے طبقے کے لئے اسکی اشاعت ایک احسان عظیم ہوگا۔میں نے براہ راست محترمہ بہن نفیس دلہن کو بھی شکریہ کا خط لکھا ہے۔انکی نوازشہائے بیحد کی بہت شکرگزار ہوں۔ایک نادار خریدار کا نام بھیجتی ہوں ان کے نام بھی ایک رسالہ جاری فرمادیجئے خدا کرے کہ یہ فیض جاری رہے۔

محترمہ سعیدہ وحید جنیوا (سوٹزرلینڈ) سے رقم طراز ہیں کہ

پردیس میں اپنی زبان کا رسالہ دیکھنے کا موقع ملنا ہی کچھ کم خوشی کا باعث نہیں ہوتا اور پھر انیس نسواں جیسا مذہبی معاشرتی رہنما تو سونے پر سہاگہ ہے اس گراں قدر رسالہ کی اشاعت سے آپ اصلاح تہذیب وتمدن کی گراں بہا خدمت سرانجام دے رہے ہیں جزاک اللہ میری دلی دعا ہے کہ خدا آپکے نیک ارادوں میں برکت دے اور انیس نسواں نہایت ہر دلعزیز ہو۔

اشارات

اگست کا رسالہ دفتر سے روانہ ہوچکا تو ہمکو معلوم ہوا کہ پریس کی غفلت سے رسالہ کی پہلی کاپی کے چھپنے میں کچھ غلطی ہوگئی ہے۔اب بجز اظہار افسوس کے کچھ چارہ نہیں ناظرین اگر اس کاپی کے دونو مضمون ہر صفحہ کا نمبر دیکھکر پڑھیں گے تو اس غلطی پر آسانی سے عبور کرسکتے ہیں۔

انیس نسواں کے پہلے نمبر میں گو ہم نے رسالہ کی مستقل ضخامت ۴۸ صفحوں کی قرار دی تھی۔مگر ہم اسوقت تک ۷۰ صفحہ کا رسالہ برابر شائع کرتے رہے لیکن جنگ یورپ کا غذ بہت گراں

کردیا ہے اس لئے ہم اپنے اعلان کے مطابق رسالہ کی ضخامت ۶۴ صفحوں کی کردینے پر مجبور ہوگئے ہیں۔

اسلام کے بانی صلعم نے اپنی اکلوتی اور چہیتی بیٹی کے جہیز میں روزمرہ کی ضرورت کی چند چیزیں دیکر جہیز کی فہرست کو مکمل کردیا تھا جسکو ہم انیس النسواں میں شائع کرچکے ہیں اس قسم کے جہیز سے آنحضرتؐ کا مطلب صرف یہ تھا کہ یہ مثال غریب والدین کے لئے قائم ہوجائے کہ وہ اپنی لڑکیوں کے جہیز کے لئے پریشان نہوں جو کچھ میسر ہو دیدیا کریں مگر مسلمانوں نے اس نیک مثال کی تقلید کو تو ضروری نہ سمجھا اور ہندوؤں کے رسم و رواج کو ترجیح دے کر انکی رسموں کو اختیار کرلیا۔

مسلمانوں میں لڑکیوں کا رسمی جہیز بھی انکے افلاس کا ایک سبب ہے جہیز کی نمایش کے لئے مسلمانوں کے بہت سے گھرانے مقروض ہو کر تباہ ہوچکے ہیں۔ مسلمان یہ نہیں سوچتے کہ ہندو والدین اگر اپنی لڑکیوں کو جہیز دینے کی ضرورت سمجھتے ہیں تو اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہندو لڑکیاں چونکہ باپ کے ترکے سے محروم ہیں اسلئے والدین اسکی تلافی انکو جہیز دیکر کرتے ہیں اسلام میں یہ رسم ہی نہیں ہے۔ اگر نیا گھر بسانے کے لئے والدین اپنی لڑکیوں کو کچھ فوری ضرورت کی چیزیں مہیا کردیں تو یہ انکی توفیق اور خوشی کی بات ہے ورنہ کوئی رسمی جبر نہیں ہونا چاہئے۔

اسلام کی معاشرتی خوبیوں کا یہ اثر ہے کہ اب ہندوستان میں جابجا جہیز کی رسم کو قانوناً ممنوع قرار دیا جارہا ہے۔ کراچی گورنمنٹ نے حال میں جہیز کے خلاف قانون پاس کیا ہے۔ مگر سُنا ہے کہ مسلمان اس سے مستثنےٰ رہیں گے اور انکو بدستور اس رسم کے ہاتھوں برباد ہوتے رہنے کے مواقع ملتے رہیں گے۔

ہندوؤں کی رسم تھی اور ہندوؤں نے اس رسم کی پیروی میں اپنی تباہی کے آثار دیکھے تو قانون کی امداد سے اس رسم کی بیخ کنی شروع کردی۔ مگر مسلمان لکیر کے فقیر بن چکے! اپنی

تباہی کے سامان کر چکے ہیں۔ وہ رسموں سے کیوں باز آئیں رسموں والے اپنی رسمیں چھوڑ دیں مگر مسلمان تباہ ہو کر اپنی مستقل مزاجی کا ثبوت کیوں نہ دیں۔

چند روز ہوئے ہندو عورتوں کے ہمدرد ڈاکٹر دیش مکھ نے مرکزی اسمبلی میں ہندو عورت کا قانون طلاق کا مسودہ پیش کیا تھا مگر خود ہندوؤں نے اسکی مخالفت کی اور بھائی پرمانند نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ بل یک طرفہ ہے۔ اسمیں مردوں کے حق طلاق کا ذکر تک نہیں جس طرح عورتیں مردوں کے مظالم سے تنگ آئی ہوئی ہیں اسی طرح مرد بھی عورتوں کے جور و ستم کے شاکی ہیں۔

اسلام کی تعلیم تو دنیا بھر کے لئے تھی۔ جو اس تعلیم پر ایمان لے آئے وہ مسلمان کہلائے اور بعض ہیں کہ زمانے کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اسلامی معاشرت کی خصوصیتوں کے قائل ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ اسلام نے آج نہیں ساڑھے تیرہ سو برس پہلے معاشرت کے ہر پہلو پر غور کر کے معاشرت کا ایک معیار قائم کر دیا تھا اس پر بھی مسلمان اگر اپنی معاشرت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں تو وہ مسلمان دوسروں کی نگاہ میں زیادہ ذلیل ہونے کا حق رکھتے ہیں۔

مصطفےٰ کمال پاشا مرحوم نے اسلامی شریعت میں بعض ایسی رخنہ اندازیاں جائز کر دی تھیں جنکو مسلمانوں نے پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھا تھا مگر مرحوم کی زندگی میں کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ تھی عہد عصمت پاشا میں بعض ایسی بیجا آزدیوں کی اصلاح ہو گئی ہے مصطفےٰ کمال مرحوم نے یہ قانون بنا دیا تھا کہ کوئی ایک سے زیادہ شادی نہیں کر سکتا۔

اب یہ قانون منسوخ ہو گیا ہے اور حکومت نے قانون پاس کیا ہو کہ ترکوں کو اسبارے میں احکام قرآنی کی پیروی کرنی چاہیئے یعنی بشرط عدل و انصاف ایک مسلمان چار بیویوں سے شادی کر سکتا ہے۔

"مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن ہیں اور تم انکی چولی ہو" (البقر)

ایڈیٹر - شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا - جائنٹ ایڈیٹر - مسز محمد اکرام

دسمبر ۱۹۳۹ء
ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دلاویز مخزن

جو دہلی سے ماہوار شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ پیشگی پانچ روپے (عہ) مع محصولڈاک ششماہی سے فی پرچہ ۸

جلد ۲	فہرست مضامین	نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النساء کے مطالب

آخری قسط

اے رسول! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح ہم نے (حضرت) نوحؑ اور دوسرے پیغمبروں کی طرف جو ان کے بعد آئے بھیجی تھی اور جس طرح ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عنایت کی تھی۔ اور تمہاری طرح ہم نے کتنے ہی پیغمبر بھیجے تھے جن کا حال ہم اس سے پہلے تم سے بیان کر چکے ہیں اور کتنے ہی پیغمبر اور ہیں جنکا حال ہم نے تم سے اب تک بیان نہیں کیا۔ اور اللہ نے موسیٰؑ سے تو باتیں بھی کی تھیں۔ یہ سب پیغمبر نیک آدمیوں کو بہشت کی خوشخبری اور برے آدمیوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے تھے۔ تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے اور اللہ ہی سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ لیکن جو کچھ اللہ نے تمہاری طرف اُتارا ہے اللہ خود گواہی دیتا ہے کہ تم کو اس کا اہل سمجھکر تم پر اُتارا ہے اور نہ صرف خدا بلکہ فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اور گواہی تو صرف اللہ ہی کی کافی ہے۔ بیشک جن لوگوں نے دین اسلام سے انکار کیا اور راہِ خدا سے دوسروں کو بھی روکا وہ راہ راست سے بہت دور بھٹک گئے۔ جو لوگ حق سے انکار کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اُن کو خدا نہ تو بخشے گا اور نہ اُن کو سیدھا راستہ دکھائیگا بلکہ ان کو دوزخ ہی کا راستہ دکھائیگا۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ کے نزدیک یہ ایک آسان بات ہے۔

اے بنی نوع انسان یہ رسول محمدؐ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے دین حق لیکر آئے ہیں۔ تمہارے لئے بہتری اسی میں ہے کہ تم ایمان لے آؤ۔ اور اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو اللہ کو

اس کی کچھ پرواہ نہیں جو کچھ آسمان وزمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کے حال سے واقف ہے اور ہر بات میں اپنی حکمت رکھتا ہے جو کچھ بھی کرتا ہے اپنی حکمت سے کرتا ہے۔

اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے زیادہ مبالغہ نہ کرو۔ یعنی حد سے زیادہ نہ بڑھو اور خدا کی نسبت ایک لفظ بھی ایسا اپنے منہ سے نہ نکالو جو سچ نہ ہو۔

حق بات تو یہ ہے کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح، اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ خدا کا حکم تھا جو مریم کو دیا گیا اور خدا کا منشا ظہور میں آیا وہ روح خاص تھی جو خدا کیطرف سے دنیا میں آئی۔

اس لئے تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور تین خدا نہ کہو اس عقیدے سے باز آجاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اللہ کی ذات تو ایک ہے اور صرف وہی اکیلا معبود، وہ اس سے پاک ہے کہ اسکے لئے کوئی بیٹا ہو۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور وہی سب کا کارساز حقیقی ہے۔

مسیح کو خود اس بات میں عار نہیں ہے کہ وہ خدا کا بندہ سمجھا جائے اور نہ خدا کے مقرب فرشتوں کو اس میں کچھ عار ہے۔ اور جو شخص خدا کا بندہ ہونے میں عار سمجھے اور غرور و تکبر کرے تو وہ دن دور نہیں کہ اللہ عنقریب سب کو اپنے پاس کھینچ بلائیگا۔ پھر اس دن جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کئے ہیں تو ان کی نیکیوں کا ان کو پورا پورا بدلا دیا جائیگا بلکہ خدا اپنے فضل سے اس میں زیادتی بھی کر دے گا۔ لیکن جن لوگوں نے خدا کا بندہ ہونے میں عار سمجھا تھا اور تکبر کیا تھا تو ان کو اس کی سزا میں ایسا عذاب دیا جائیگا جو بہت دردناک ہوگا۔ اس دن اللہ کے سوا ان کا کوئی نہ دوست ہوگا اور نہ مددگار۔

اے بنی نوع انسان تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل و حجت آچکی اور ہم تمہاری طرف جگمگاتا ہوا نور ہدایت یعنی قرآن بھیج چکے۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے۔ اور اس کا سہارا مضبوط پکڑا تو اللہ بھی عنقریب ان کو اپنی رحمت کے سایہ میں پناہ دے گا۔

اور اپنے حضور تک پہنچنے کے لئے سیدھا راستہ دکھا دیگا۔

اے پیغمبر لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں یعنی ایسے آدمی کی میراث کے بارے میں جس کے نہ تو کوئی باپ ہو نہ اولاد فتویٰ طلب کرتے ہیں اُن سے کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو اور اس کا باپ دادا بھی نہ ہو۔ مگر اس کی بہن ہو تو جو کچھ مرنے والا چھوڑ مرا ہے اس کا آدھا بہن کو دیا جائیگا اور بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو اس کے سارے مال کا وارث وہ بھائی ہی ہوگا۔ پھر اگر بہنیں دو ہوں یا زیادہ تو ان کو اس ترکہ میں سے دو تہائی اور اگر بھائی بہن ملے جلے ہوں کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو دو عورتوں کے حصے کے برابر ایک مرد کا حصہ ہوگا۔

اللہ اپنے احکام تمہارے لئے بہت واضح کر کے بیان کر دیتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔ اللہ کو ہر بات کا علم ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

سورۃ النساء کے مطالب ختم ہوئے

اخلاصِ عمل

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر
کہتے ہیں کہ شیشہ کو بنا سکتے ہیں خارا

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

محروم رہا دولتِ دریا سے وہ غواص
کرتا نہیں جو صحبتِ ساحل سے کنارا

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

اللہ کو پامردیِ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

تقدیرِ اُمم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

اخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

اسلامی معاشرت کے امتیازات

قانون اور قرآن

(۳)

اسلامی معاشرت کے کس کس امتیاز کا ہم ذکر کریں اور کس کس خوبی کو بیان کریں معاشرت کے جس پہلو پر نظر ڈالتے ہیں اسلامی معاشرت کا آئینہ نہایت صاف اور روشن نظر آتا ہے معاشرت کی کسی الجھن کو بغیر سلجھائے نہیں چھوڑا گیا۔ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر جب دنیا جہالت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسلام نے بہترین معاشرت کی تعلیم دی اور ایسے قوانین کی تدوین کی جو روزمرہ کی زندگی کی پوری رہنمائی کرتے ہیں۔ قانون داں حضرات کے لئے آج ہم وہ قوانین بیان کرتے ہیں جنہوں نے اسلامی معاشرت کی بنیاد ڈالی اگر پنڈت جواہرلال نہرو کو اب بھی اس معاشرت میں صرف سٹی کا لوٹا ہی نظر آئے تو پھر بھی ہم یہی کہیں گے کہ اس میں ان کا کچھ قصور نہیں۔

ارشاد ربانی ہے کہ مسلمانو! جب تم ایک مقررہ میعاد کے لئے قرض کی لین دین کرو تو لکھ لیا کرو۔ اگر تم کو لکھنا نہ آتا ہو تو کوئی اور شخص جو لکھنا جانتا ہو تمہاری باہمی قرارداد کو ایمانداری اور انصاف سے ٹھیک ٹھیک لکھ دے۔ لکھنے والے کو چاہیئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح خدا نے اس پر یہ مہربانی کی کہ اس کو لکھنا سکھا دیا اسی طرح اس کو دوسروں کے لئے لکھنے سے بخل یا عذر نہیں کرنا چاہیئے۔ جو شخص قرض لے وہی دستاویز لکھوائیگا اپنا اقرار صاف الفاظ میں بولتا جائے۔ اللہ ہی حقیقی کارساز ہے۔ اس سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے۔ قرض لینے والا قرض دینے والے کے حق میں کسی طرح کی کاٹ چھانٹ نہ کرے یعنی جو قرارداد طے ہوئی ہے وہی لکھوائے۔

اگر قرض لینے والا کچھ کم عقل یا معذور ہو یا خود مطلب ادا نہ کر سکتا ہو تو اس کی طرف سے کوئی مختار دستاویز کا مطلب ایمانداری اور انصاف سے بولتا جائے اور اپنے طرفدار لوگوں میں سے جن لوگوں پر تمہارا اطمینان ہو دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنا لی جائیں تاکہ ان میں سے کوئی ایک بھول جائے گی تو ایک دوسرے کو یاد دلا دیگی۔ جب گواہ شہادت کے لئے بلائے جائیں تو حاضر ہونے سے انکار نہ کریں۔

معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا تو اس کی دستاویز کے لکھنے میں سستی نہ کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بہت ہی منصفانہ اور صحیح کارروائی ہے اور گواہی کا بھی یہ طریقہ بہت ٹھیک ہے اور زیادہ تر قرین قیاس ہے۔ تم اس میں کسی طرح شک شبہ نہ کرو۔

اگر کاروبار نقد دام کے ذریعے ہو جس کو تم ہاتھوں ہاتھ آپس میں لیا دیا کرتے ہو تو اس کے لئے دستاویز لکھنے کی ضرورت نہیں اگر دستاویز نہ لکھو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہاں جب اس طرح کی خرید و فروخت کرو تو احتیاطاً گواہ کر لیا کرو۔ دستاویز کے لکھنے والے کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ کسی گواہ کو اگر ایسا کروگے تو یہ شرارت کی بات ہے اللہ سے ہر وقت ڈرو جو ہمیشہ حاضر اور ناظر ہے۔

اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے معاملات میں صاف رہو اسی لئے تمہیں حسن معاملت کی باتیں سکھاتا ہے اللہ سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اور یہ بھی سن لو کہ اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ ملے اور قرض لینے کی ضرورت پڑ جائے تو اپنی کوئی چیز رہن رکھکر قرض لے لو۔ اگر تم کو ایک دوسرے کا اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے یعنی قرض لینے والے کو چاہیئے کہ قرض دینے والے کی امانت یعنی قرضہ پورا پورا ادا کرے۔

آج کل کی عدالتوں کو اگر کسی گواہ کی گواہی کے لئے بلانا ہو تو سمن کے ذریعہ سے بلاتی ہیں اگر وہ نہ آئے تو وارنٹ سے طلب کرتی ہیں۔ مگر اسلام میں اللہ کا یہ حکم کافی ہے کہ گواہی کو

نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائیگا تو وہ دل کا کھوٹا ہے۔ گواہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں فرماتا ہے۔

" مسلمانو! انصاف کو کبھی ہاتھ سے نہ دو اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو اور سچی گواہی دیتے وقت اللہ کو دھیان میں رکھو خواہ تم کو خود اپنے خلاف یا اپنے ماں باپ کے خلاف یا اپنے رشتہ داروں کے خلاف ہی گواہی دینی پڑے اگر ان میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تم سب سے زیادہ ان پر مہربانی کرنے والا ہے۔ تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ مالدار کی دولت کی طمع میں یا محتاج کی محتاجی اور حاجتمندی پر ترس کھا کر سچی بات کہنے سے جھجکو پس دیکھو کہ تم ان کی خاطر کہیں اپنے نفس کی پیروی نہ کرنے لگو اور گواہی دینے میں سچائی کو ہاتھ سے چھوڑ دو۔ اگر تم گواہی یعنی بہتان لگا کر یا بات کو گھما پھرا کر دوگے یعنی صاف صاف گواہی نہ دوگے یا گواہی دینے سے پہلو تہی کروگے یاد رکھو جیسا کروگے ویسا ہی بھروگے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی سب خبر ہے۔"

قانون کو سمجھنے والے حضرات مندرجہ بالا احکام کو غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہ قانون شہادت کے اصول کس خوبی سے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے اسلام نے بیان کر دئیے تھے آج کل کا مروجہ قانون بعض باتوں میں بالکل بے بس ہے مگر قانون الٰہی ہر مسلمان کو مجبور کرتا ہے کہ شہادت سے کبھی پہلو تہی نہ کرے اور سچی اور بے لاگ شہادت دے۔ خواہ وہ شہادت اس کی اپنی ذات کے خلاف ہو یا اس کے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

اللہ اللہ کیسی کیسی خوبیاں ایک مسلمان کیریکٹر کے لئے ضروری سمجھی گئی ہیں اعلیٰ اخلاق کی یہ معراج ہے کہ دنیا کی دولت کے بیشمار خزانے بھی ایک مسلمان کی شہادت خریدنے سے قاصر تھے اور صداقت پر رحم بھی قربان کیا جا سکتا ہے۔ ایک مسلمان کسی کی جان بچانے کے لئے بھی جھوٹی گواہی نہیں دے سکتا۔ قانونی موشگافیاں اس قانون کے آگے عاجز ہیں۔ اسلام نے معاشرت کے یہ قوانین کچھ آج وضع نہیں کئے بلکہ تیرہ چودہ صدیاں

اس کو گذر چکی ہیں۔ یہی وہ معاشرت تھی جس کے خوگر دنیا بھر میں ممتاز ہوئے۔ اسلامی کیریکٹر کی یہی خوبیاں تھیں جنہوں نے مسلمانوں کو دنیا کی امامت اور حکومت کے لئے متصف کیا تھا ایک حکمران قوم کے لئے صداقت کا معیار ایسا ہی بلند ہونا چاہئیے تھا۔

ہم کو یہ دیکھکر رنج ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں تو ہماری اخلاقی ترقی اور اعلیٰ معاشرت کا یہ عروج تھا اور آج کل ہماری اخلاقی پستی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ اب بھی اگر ہم اس معاشرت کی پیروی نہ کریں گے تو اسلام کی حقیقی روح ہم میں پیدا نہیں ہو سکتی۔

محمد اکرام

کلامِ جوہر

اے مسلماں تو تو مسجودِ ملائک تھا کبھی
پھر یہ شیطاں کی غلامی کیوں تری تقدیر ہے

کیا نہیں واقف ابھی اسلام کی تاریخ سے
اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ہی کی سب تفسیر ہے

ہو محمد کیوں نہ قرآں اور بھی ہم کو عزیز
اُس میں خود تیری جو جیتی جاگتی تصویر ہے

دیں میں اکراہ کیسا ؟ ہاں برائے حفظ دیں
دل میں قرآں ہے ہمارے ہاتھ میں شمشیر ہے

لیس لِلْانسان الّا ما سعیٰ کو یاد رکھ
کر توکّل پھر تری تدبیر ہی تقدیر ہے

یا الٰہی طوقِ لعنت ہو نہ گردن میں وہاں
غم نہیں گر یاں ہمارے پاؤں میں زنجیر ہے

چھوڑ بیٹھا آہ مسلم تو اصولِ زندگی
مغربی تقلید نے کھوئی تری تابندگی

بے نیازی نے تری کھویا تری فطرت کا راز
تھا تقاضا عشق کا مسلم تری پہلی نماز

جب تو محرابِ عبادت میں جھکا بہرِ نماز
عبد اور معبود میں ہونے لگے راز و نیاز

جب اٹھاتا تھا دعا کے واسطے تو اپنا ہاتھ
آیت لاتقنطوا تسکین کو ہوتی تھی ساتھ

پیکرِ آدم کی گل دنیا میں اب باقی نہیں
جام ہے توحید کا باقی مگر ساقی نہیں

چھا گئے ادبار کے بادل تری تہذیب پر
کفر نے بیڑا اٹھایا پھر تری تخریب پر

ہے حوادث کے تھپیڑوں میں ترا بیڑا اسیر
ناخدا! آ ہوش میں ڈوبا ترا تاج و سریر

لامرکزیّت

اسد خاں صاحب اسد ملتانی

سوال

کون ہوگا جسے توحید کا اقرار نہیں کون ہم میں سے محمدؐ کا فدا کار نہیں
کون رکھتا نہیں قرآن کی صداقت پہ یقیں کون اسلام کی شوکت کا طلبگار نہیں
پھر سبب کیا ہے کہ بایں ہمہ ایمان و عمل ہم جہاں میں کسی عزت کے سزاوار نہیں
جس نے اسلاف کو دنیا میں سرافراز کیا کیوں میسر ہمیں وہ دولت بیدار نہیں

جواب

نیک کاموں میں ہیں مصروف بہت لوگ مگر ایک کو دوسرے سے کوئی سروکار نہیں
صاحب سیف بھی ہیں اہل قلم بھی ہیں بہت لیکن افسوس کہ آپس میں مددگار نہیں
باغِ ملت میں ہیں موجود ہر رنگ کے پھول لیکن آراستہ پیراستہ گلزار نہیں
یوں تو چلنے کو چلے جاتے ہیں چلنے والے اک طرف سب کی نگاہیں وہ رفتار نہیں
سرفروشوں کی کمی اب بھی نہیں ملت میں ان سے جو کام لے ایسا کوئی سردار نہیں

قوم ترشی ہوئی اینٹوں کا اک انبار تو ہے　　لیکن اک سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہیں

زیب و زینت کے بھی اسباب مہیا ہیں بہت　　اس عمارت کیلئے جو ابھی تیار نہیں

پوری تسبیح کے دانے ہیں فراہم لیکن　　جسمیں ان سب کو پرو دیں وہی اک تار نہیں

بیشمار انجمنیں ہیں مگر ان کا حاصل　　کچھ بجز تفرقہ و فتنہ و پیکار نہیں

اہل سنت ہیں مگر اہل جماعت ہیں کہاں　　کان سنتے ہیں مگر آنکھ گنہگار نہیں

ہم نے جس چیز کو تنظیم سمجھ رکھا ہے　　وہ بجز کوشش نقالئ اغیار نہیں

ہے اسد ہم میں کمی کوئی تو بس اتنی ہے
اک جماعت نہیں مرکز نہیں سردار نہیں

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش　　اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائیگی

اس قدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار　　نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائیگی

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک　　بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائیگی

شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز　　اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائیگی

دیکھ لوگے سطوت رفتار دریا کا مآل　　موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود　　پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائیگی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

تمدّنِ اسلام کا پیام
بیسویں صدی کی دنیا کے نام

ہمارے مکرم و محترم کرم فرما مولوی عبدالماجد صاحب بی، اے دریاآبادی ایڈیٹر صدق نے یہ مضمون مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بزم تاریخ و تمدن اسلام کے روبرو پڑھا تھا۔ مولوی صاحب نے اس مضمون میں تمدن اسلام کے بحر ذخار کو جس خوبی اور قابلیت سے کوزہ میں بند کیا ہے ہر طرح سے قابل داد ہے۔ ہمکو امید ہے کہ رسالہ انیس نسواں کے ناظرین و ناظرات اس مفید اور دلچسپ مضمون کو غور سے پڑھیں گے اور خود محسوس کریں گے کہ تمدن اسلام کس عظمت اور وقعت کے قابل ہے۔ اور اس کو حقارت سے دیکھنے والے دل میں شرمائیں گے۔ افسوس کہ ہم اس قابل قدر مضمون کو بوجہ طوالت ایک ہی مرتبہ شائع نہیں کرسکتے۔ اس کی دوسری قسط انشاءاللہ جنوری میں شائع ہوگی۔

بچّے مسلم و کافر سب ہی کے گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں مسلمان کے گھر میں جہاں بچہ ہوا۔ اُدھر نہلا دھلا سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ گھر کے کسی بڑے بوڑھے نے، کسی نیک مرد نمازی نے آکر اس کے دونوں کانوں میں اذان و اقامت کہی۔ گویا اللہ کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کا پیام۔ بچّہ کے دنیا میں آتے ہی اُسے سُنا دیا۔ اور پھر کسی نے ایک خرما اپنے دانتوں سے کچُل، اور لعاب دہن سے تر کرکے اُسے ذرا سا چٹا دیا کہ یہ سنت رسولؐ اسلام و ہادیٔ انام ہے ——— یہ سب کیا ہے؟ میری ہی یعنی مخصوص و خالص اسلامی تمدن کی ایک جھلک!

بچہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا۔ ٹانگوں میں توانائی آئی۔ انگنائی میں اندر باہر دوڑا دوڑا پھرنے لگا۔ زبان تلفظ پر کھُلی، پڑھنے بِٹھائے گئے۔ اور جو لفظ اور جو فقرہ سب سے پہلے زبان پر لایا گیا۔ وہ یہ نہیں کہ "الف سے انڈا۔ یہ نہیں کہ "[1] اے فیٹ مین رین"، بلکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہی

[1] انگریزی پرائمر کا ابتدائی فقرہ ہے۔ یعنی ایک موٹا آدمی دوڑا۔

بسم اللہ اس کی بنیادی تعلیم ہے۔ یہی اس کا کنڈر گارٹن، یہی اس کا مانٹیسوری میتھڈ ——
"وہی میری ایک جلوہ آرائی۔"

بچہ نے اب ہوش سنبھالا۔ سیانا ہو کر اب تنہا سفر کرتا ہے۔ ریل پر جا رہا ہے۔ کھانے کا وقت آگیا۔ ناشتہ ساتھ ہے یا تازہ کھانا اسٹیشن سے خریدا۔ ہاتھ دھویا۔ رومال بچھا کھانا رکھا درجہ میں اور بھی ہمسفر ہیں۔ پہلے کے ملاقاتی نہیں۔ اجنبی محض۔ صاحب سلامت تک ابھی نہیں۔ لیکن ان میں سے جو مسلمان نظر آتے ہیں درخواست ان کے سامنے پیش ہو رہی ہے کہ آئیے حضرت کھانا حاضر ہے۔ اُدھر سے جواب ملتا ہے کہ بسم اللہ بارک اللہ۔ آپ نوش فرمائیں۔ نہ چھوت چھات کا سوال۔ نہ ذات برادری کی پوچھ پاچھ۔ کہ اجنبی لوگ اپنے برابر کے ہیں بھی یا نہیں۔ اور نہ تعارف اور انٹروڈکشن کا انتظار —— یہ آخر کیا ہے؟ میرا ہی ایک اور منظر تمدن اسلام ہی کا ایک اور نمونہ۔

بچہ جوان ہوا۔ شادی کے قابل۔ لڑکے اور لڑکی دونوں کی مرضی پا لینے کے بعد ماں باپ تاریخ نکاح مقرر کرتے ہیں۔ دُلہن کے گھر پر دولہا مع اپنی پارٹی کے آئے۔ ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ زنان خانہ میں دلہن۔ مردانہ میں دولہا۔ دلہن نے کسی قدر رو رو کر باضابطہ منظوری وکیل نکاح کو دو گواہوں کے سامنے دی۔ اُنہوں نے محفل میں آکر قاضی کے سامنے دوہرایا۔ قاضی نے خطبہ میں حمد و نعت پڑھی اللہ اور رسول کا کلام سُنایا۔ آیندہ کے فرائض کو اسلام کی مقدس، اور مسلمانوں کی بین الملی زبان (عربی) میں یاد دلایا: نکاح اور اولاد کے برکات بیان کئے، اور شوہر کی زبان سے مہر و قبول کا اقرار کرا کے اللہ سے زوجین کے حسن معاشرت کی دعائیں مانگ رسم نکاح خوانی کو ختم کر دیا —— شروع سے آخر تک نہ پوجا پاٹ نہ مشرکانہ توہمات۔ وہی تمدن اسلامی کی ایک اور نقاب کشائی۔

بچہ بوڑھا ہوا۔ سفر آخرت کی تیاریاں۔ بستر مرگ پر عزیز و قریب سب اکٹھے۔ کوئی کلمہ پڑھ رہا ہے کوئی سورۂ یٰسٓ دم کر رہا ہے۔ کوئی صرف اللہ اللہ سنا رہا ہے۔

کہ جو آواز آنکھ کھولتے ہی دنیا میں سب سے پہلے سُنی تھی۔ دمِ رخصت آنکھ بند بھی اسی نام پر ہو کوئی آبِ زمزم حلق میں ٹپکا رہا ہے۔ کوئی چارپائی قبلہ رُخ کر رہا ہے۔ دمِ آخر ہوا۔ بھائی بھتیجے۔ بیٹے پوتے۔ سب لگے لپٹے ہوئے ہیں۔ کوئی ہاتھ پیر برابر کر رہا ہے۔ کوئی پیر کے انگوٹھے اور آنکھوں پر پٹی باندھ رہا ہے۔ یہ ہو چکا، تو غسل کا پانی نیم گرم تیار ہوا۔ بیر کی پتیاں ڈالی گئیں۔ کفن کا کپڑا آیا۔ اُجلا اُجلا پیراہن تیار ہوا۔ طہارت، وضو۔ غسل۔ سب باقاعدہ اور ترتیب کے ساتھ عمل میں آیا۔ کلمہ کا ورد۔ قرآن کی آیتیں۔ رسولؐ کی بتائی ہوئی دعائیں، برابر جاری۔ کافور جابجا ملا گیا کہ کل جو اعضا حشر میں چمکیں گے۔ اُنکی کچھ دُھندلی سی جھلک تو یہیں نظر آ جائے۔ جنازہ بن ٹھن کر قبرستان روانہ ہوا۔" جیسے گلشن کی آخری ہو بہار"، میت غریب سے غریب کی سہی۔ کاندھا بڑے سے بڑا آدمی دے رہا ہے۔ قبرستان سارے بستی والوں یا سارے محلہ والوں کا ایک۔ یہ نہیں کہ سویلین کا اور ملیٹری والوں کا اور گورے اور کالے کا امتیاز مرنے کے بعد بھی قائم رہے۔ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ بوڑھے اور بچے سب نے مل کر خدائے واحد سے دعا مانگی کہ مغفرت و رحمت اس میت کے بھی شاملِ حال رہے اور ہم سب کے بھی۔ میت کو اگنی دیوتا۔ یا کسی اور دیوی دیوتا کے حوالہ نہیں کیا گیا۔ منتر کسی اور کے نام کے نہیں پڑھے گئے۔ بندہ کا ربط تمام تر و براہ راست معبود ہی کے ساتھ قائم رہا۔ قبر کے مکان میں آرام و احترام کے ساتھ اُتارا۔ قبلہ رُخ کر کے لٹایا۔ اُتارتے وقت آوازیں بلند رہیں بسم اللہ، باللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ۔ زمزم و عرق کیوڑہ کی خوشبو نے مٹی کے گھر میں قصرِ جنت کی دلآویزی پیدا کر دی۔ مکان کے دروازے پہلے لکڑی سے اور پھر مٹی سے بند ہوئے۔ ہاتھ مٹی کے ڈھیلے اُٹھا اُٹھا کر ڈال رہے ہیں۔ اور زبان ذکرِ الٰہی کا زمزمہ تسکین و تسلی سناتی جا رہی ہے کہ اس میں گھبرانے اور ڈرنے کی کون سی بات ہے (منہا خلقنکم) ارے یہ پیاری مٹی تو وہی ہے جس سے سارا گوشت پوست بنا تھا اور بنانے والے کبھی ہم ہی سمجھے۔

بس اُسی کی طرف تو واپس ہو رہے ہو۔ یہ کوئی اجنبی اور نا مانوس چیز تھوڑی ہی ہے، اور واپس کرنے والے بھی ہم ہی ہیں۔ اپنوں سے بڑھ کر اپنے، کوئی غیر نہیں (وفیہا نعیدکم) اور اسی سے ایک دن پھر صحیح و سالم تمہیں برآمد کریں گے، اور پھر وہ بھی ہم ہی ہوں گے۔ سابقہ کسی اور سے پڑنے والا نہیں (ومنہا نخرجکم تارۃً اُخریٰ) چلتے چلتے پھر میت کے حق میں دعائیں، خدائے واحد سے اور پھر قبرستان سے واپسی مسلمان کی روزانہ زندگی کے سارے مناظر۔ پیدائش سے لیکر موت تک اپنی نگاہ کے سامنے لے آئیے، ہر جگہ آپ کو دوسری قوموں سے، دوسری ملتوں سے ایک شان امتیاز نظر آئیگی۔ اطوار و آداب میں، بیداری و خواب میں، وضع و لباس میں بھوک اور پیاس میں صبح بستر سے اُٹھیگا تو ساتھ ہی کہیگا لا الٰہ الا اللہ۔ کھانے پر بیٹھے گا تو لقمہ منہ میں بعد کو رکھیگا پہلے کہیگا بسم اللہ۔ پانی ٹھنڈا حلق سے اُتاریگا تو ساتھ ہی منہ سے نکلیگا۔ الحمد للہ۔ گوشت کے لئے زبان چٹخارہ لیگی تو تلاش حلال جانور کی کرے گا اور اُسے بھی پہلے قبلہ رُخ لٹا لیگا، بسم اللہ اور اللہ اکبر پڑھ لیگا، جب کہیں جا کر چھُری چلائیگا ——— یہ سب اگر میری ہی نشانیاں اور میری ہی جلوہ آرائیاں نہیں ہیں تو آخر کیا ہیں ؟

تعارف کے بعد یاد کر لیجئے اپنے مسلک کے ایک زنّار دار دہری کا یہ تجاہل کہ ہندوستان میں اسلامی تمدن سرے سے ہے کہاں ؟ ———

آفتاب کی روشنی کا۔ روز روشن میں اس سے بڑھ کر انکار کس نے اور کب کیا ہوگا ؟ میں تو جزو ہوں ہر مسلمان۔ ہاں ہندی مسلمان کی بھی زندگی کا اس کی روح میں داخل، اس کی ہر سانس میں شامل

لیکن میری حقیقت اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ جزو ہوں۔ کُل نہیں فرع ہوں، اصل نہیں شعاع ہوں آفتاب نہیں میری اصل و بنیاد جو کچھ ہے وہ دین اسلام ہے ——— دنیا کی کشتِ زار کے حق میں باران رحمت، خالق کا اپنی مخلوق پر سب سے بڑا احسان ——— تمدن اسلام کے معنی یہ نہیں کہ کسی ملک یا زمانہ کی مسلمان آبادی نے اکٹھے ہو کر۔ جغرافی، تاریخی نسلی حالات

کے ماتحت اپنے لئے کچھ دستور وضع کر لئے اور ان کا نام تمدن اسلام رکھ لیا۔ تمدن اسلام نام ہے اسلام کے تمدن کا مسلمانوں کے تمدن کا نہیں۔ میں مصنوع نہیں مخلوق ہوں۔ بندوں کے ذہنی اختراع کا نتیجہ نہیں۔ خالق کے احکام کا آئینہ بردار ہوں میسحی تمدن۔ ہندو تمدن وغیرہ کے الفاظ سے دھوکا کھا کر میرے متعلق یہ نہ فرض کر لیجئے کہ جس طرح وہ نام ہیں دوسری قوموں کے ہزارہا سالہ مجموعی تاریخی روایات کے، حکایات کے، خرافات کے، اسی طرح میں بھی پیدا وار ہوں عرب و عجم کے اختلاط کا۔ یادگار ہوں طغرل، سنجر کے اقتدار کا۔ تمدن اسلام صرف وہ تمدن وہ طرز زندگی ہے جو ثابت ہے قرآن پاک سے اور سنت رسول انام سے۔ اور یا پھر مستنبط ہوتا ہے انہیں دونوں سے۔ ائمہ مجتہدین و اکابر فقہا کے قواعد و اصول سے یہ تصریح اس لئے ضروری ہوئی، کہ کہیں تعزیہ اور علم، براق و ضریح۔ روشنی و آتشبازی، حلوہ و ملیدہ۔ ڈھول اور طنبورہ، چادر اور گاگر کو بھی میرا جزو نہ سمجھ لیا جائے۔ حاشا میں ان سے بری۔ ایک بار نہیں ہزار بار بری!

لوگوں کو یہ دھوکا یوں لگا کہ اسلام کو دوسرے مذہبوں پر قیاس کر لیا گیا۔ اسلام دوسرے موجودہ مذہبوں کی طرح کوئی وردی نہیں کہ اسے اتوار کے دن گرجا جاتے ہوئے یا صبح شام مندر میں پوجا کے لئے جاتے وقت جسم پر ڈال لیا اور واپسی میں اُتار کر ٹانگ دیا اور پھر ہر معاملہ میں آزاد اور بے فکر اور مطلق العنان۔ جو چاہا کھایا پیا۔ جس طرح چاہا رہے سہے، جس سے چاہا ملے جُلے ــــــ یہاں تو قدم قدم پر پہرہ بیٹھا ہوا۔ آزادیوں کا دامن ہر طرف سے سلا ہوا۔ جانور فلاں حرام اور فلاں حلال۔ حلال کو بھی ذبیحہ کے طریق پر اپنے لئے حلال کیجئے۔ ورنہ اس کے ذائقہ سے بھی محروم رہیئے۔ شراب نہ پیجئے۔ افیون سے شوق نہ کیجئے۔ بھنگ بوٹی سے دور ہی کی آشنائی رکھئے۔ سودی کاروبار کے پاس نہ پھٹکئے۔ بیاہو کا کھولکر گھر بھر لینے کا خیال بھی دل میں نہ بسائیے۔ دہلی چوڑی بازار یا لکھنو چوک سے گزرنا ہو تو کوٹھوں کی طرف آنکھ نہ اُٹھائیے۔ مرد ریشم سے اپنے جسم کو زینت نہ دیں۔ عورتیں اپنی

اپنی زیبائش جمال کی چھاؤں بھی نامحرموں پر نہ پڑنے دیں۔ گھر میں بچہ پیدا ہو تو یہ نہ ہو کہ خوشی میں آکر لگے ڈھول پر ڈھول ٹوٹنے، اور طبلہ سارنگی کی آواز سے فضا گونجنے۔ اور کوئی عزیز چل بسے تو یہ نہ ہو کہ افراط غم میں شروع ہو جائیں شریعت کی زنجیریں ٹوٹنی۔ غرض زندگی کا کوئی شعبہ بڑا یا چھوٹا ایسا نہیں جس میں دین فطرت نے انسانی ہوا و ہوس کو آزاد و بے قید چھوڑ دیا ہو اور اس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو طرح طرح کی ہدایات سے جکڑ نہ دیا ہو ——— ٹھیک اس حکیم حاذق کی طرح جو مریض کو کھانے پینے۔ سونے جاگنے۔ چلنے پھرنے دوا، ورزش ہر ہر جزئیہ کی رعایت اپنے دستور العمل میں رکھے ہوئے ہے اور ایک مکمل پروگرام چوبیس گھنٹوں کا آپ کے ہاتھ میں دے چکا ہے۔

عقائد کے بعد اس جامع مفصل، کامل و مکمل نظام عمل کے جتنے جزو کا تعلق براہ راست خالق سے ہے، اس کا نام سہولت کے لئے، عبادت پڑ گیا اور نماز۔ روزہ۔ حج وغیرہ اس کی قسمیں قرار پائیں۔ باقی جن اجزا کا تعلق بندوں کے باہمی میل جول۔ لین دین۔ صلح و جنگ کیل کو د سے ہے۔ اُن کے مجموعہ کا نام ہے تمدن اسلام یا معاشرت اسلامی، اور یہی میں ہوں ——— میں پکار کر کہتا ہوں کہ دنیا بھوک سے تڑپ رہی ہے اور میں ہوں اس کیلئے ایک طاقت بخش غذا۔ دنیا درد سے لوٹ رہی ہے اور میں ہوں اس کے حق میں نسخۂ شفا پریشانیاں جو کچھ بھی چھائی ہوئی ہیں سب اس لئے کہ مجھے چھوڑ رکھا ہے۔ مصیبتیں جتنی بھی آئی ہوئی ہیں سب اس لئے کہ مجھ سے منہ موڑ رکھا ہے۔ یہ دعوے کا اعلان ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ پیام پہنچ جائے۔ بیسویں صدی کی زار و نزار لاغر و بیمار دنیا کے کان تک میرے فرزندوں کے ذریعہ سے۔ علیگڑھ کے جگر گوشوں کے وسیلہ سے۔

دنیا آج نشہ بازی کی جن لعنتوں میں گرفتار ہے اس کی داستان دوہرانے کے لئے بھی وقت چاہیئے۔ افیون۔ چانڈو۔ مدک۔ کوکین۔ ہیروئن، اور سب سے بڑھ کر شراب۔ دنیا کی دولت کا اربوں روپیہ انہیں پر صرف ہو رہا ہے اور پھر بیماریاں اور جرائم جو ان سے پھیل رہے ہیں

اُنکا شمار ہی نہیں لیگ آف نیشنز تجاویز پر تجاویز پاس کرتی چلی جاتی ہے کمیشن پر کمیشن بٹھاتی چلی جاتی ہے مختلف حکومتیں امتناع (پروہبیشن) کے قانون پر قانون بناتی چلی جاتی ہیں اور دنیا کے بڑے بڑے مدبرین کی عقلیں خرچ ہوگئی ہیں ——— میں جب زندہ و توانا تھا میرے عہد شباب میں بھی کوئی دشواری اس قسم کی پیش آئی تھی؟ شراب تو عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی بے اُس کے اُن کے نزدیک جینا محال تھا۔ پھر محمد رسول اللہ ؐ کے زمانہ میں کتنے شرابی حجاز میں نجد میں، یمن میں، سارے ملکِ عرب میں باقی رہ گئے تھے؟ عمر فاروق ؓ کے زمانہ میں عراق۔ ایران۔ خراسان۔ حلب۔ دمشق۔ مصر سب میرے زیر نگیں آچکے تھے۔ اس سارے عرب امپائر میں کتنے افیونی تھے کتنے شرابی؟ جواب دل کی عقیدت سے نہیں تاریخ کے اوراق سے حاصل کیجئے۔ تاریخ بھی شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی کی لکھی ہوئی نہیں۔ اُن کے قلم سے نکلی ہوئی جن کی زندگی کا مشن ہی اسلام۔ تاریخ اسلام کو سیاہ کرکے دکھانا ہے ہمارے ہاں بھی کوئی تیوہار، کوئی مقدس گھڑی ایسی آتی ہے کہ شراب کا چھونا، چکھنا، پینا، جسم پر لگانا بطور شگون ضروری ہو؟

میرے بچے بھی "یوکرسٹ" اور ہولی کے تقدس سے واقف ہیں۔ شراب کے امتناع کے قوانین نافذ کرکے دنیا میرے ہی ناقص اور ناتمام نقالی کی طرف آرہی ہے یا نہیں؟ (باقی آیندہ)

محبت کی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی
جرس بھی، کارواں بھی، راہبر بھی راہزن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب اسکو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے

جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع انجمن بھی ہے

وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی کوہکن بھی ہے

اقبال سحر

مسلمان اور ہندو رسوم

ہم محترمہ عائشہ خاتون صاحبہ کے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے اس مضمون میں مسلمانوں کو ایک نہایت ضروری اصلاح کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ مگر جب تک مسلمان خواتین ہی اپنے گھروں کی اصلاح کیطرف خود توجہ نہ کرینگی ہم نہ اسراف جیسی دشمن اسلام بلا کے ہاتھوں محفوظ رہ سکتے ہیں اور نہ افلاس ہماری رفاقت چھوڑ سکتا ہے۔ ہمکو امید ہے کہ ناظرات انیس نسواں اس اہم اور مفید مضمون کو ضرور توجہ سے پڑھیں گی۔

ہندوستان میں مسلمان آئے تو اس لئے تھے کہ حکومت کریں اور اپنی تہذیب و تمدن سے ہندوستان کو جنت نشان بنا دیں۔ اس میں شک بھی نہیں کہ مسلمان بادشاہ اپنے کارناموں اور اپنی جدوجہد کی مختلف صورتوں سے ہندوستان کو تو جنت نشان بنا گئے۔ مگر ہندوؤں کے رسم رواج کی تقلید نے اُن کو کہیں کا نہ رکھا سلطنت کھوئی اور جاتے جاتے قوم کو بھی تباہ کر گئے آج کل انگریز ہندوستان پر حکمران ہیں مگر آپ دیکھیں گی ہر انگریز ہندوستانی تمدن اور رسم رواج کی تقلید کرنا اپنی توہین سمجھتا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اپنی حکمرانی کے دور میں بعض ہندو رعایا کو خوش کرنے کے لئے نہ صرف قشقہ لگا کر پوجا کی بلکہ ہندو لباس تک اختیار کر لیا اور اپنا تمدن اور اپنی معاشرت اپنی زبان بھی ترک کر دی۔ اور پھر ایسے ہندوستانی بن گئے کہ اسلامی تمدن کی شان بھی ہاتھ سے جاتی رہی مگر ہندو پھر بھی مسلمانوں سے خوش نہ ہوئے۔ وہی مثل ہوئی کہ بکری جان سے گئی مگر کھانے والوں کو مزہ نہ آیا۔ چنانچہ آئے دن اپنے آپ کو مٹا دینے کا کوئی صلہ ملا تو یہ ملا کہ ہندو اور مسلمانوں میں منافرت بڑھ گئی۔ افسوسناک امر تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے رسم و رواج کی تقلید کرنے میں تو کوئی کمی نہ کی لیکن ہندوؤں سے جو باتیں سیکھنے کی تھیں وہ نہ سیکھیں۔ کفایت شعاری اور دولت پیدا کرنے کے ڈھنگ نہ سیکھے۔ تجارت کے کاروبار کیلئے گو اسلام نے ترغیب دی تھی مگر ہندوستان میں آکر تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہی

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج جس طرف دیکھئے ہندوستان کے اندر مسلمان افلاس و ادبار میں مبتلا ہیں۔ ترک رسوم کے متعلق مرد تو اپنی مجبوری یہ کہکر ظاہر کر دیتے ہیں کہ واقعی یہ تمام فضول رسوم قابل ترک ہیں۔ مگر کیا کیا جائے ہماری مستورات نہیں مانتی ہیں۔ اس لئے میں سمجھتی ہوں کہ انیس نسواں میں اس قسم کے مضامین لکھنا نہایت ضروری ہے اگر میری بہنوں نے ہندوانی رسوم کو قطعاً ترک کر دیا تو مجھے یقین ہے کہ ہمارے دن پھر جائیں گے۔ میرے خیال میں اس وقت مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا باعث شادی و غمی کے وہ لغو و فضول رسوم ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے یہ سب رسوم ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ مسلمان جب ہندوستان میں آئے تو اپنے ساتھ کسی قسم کی رسوم نہیں لائے تھے۔ وہ سادہ قسم کی زندگی بسر کرنے والے جفاکش غیور اور بہادر مسلمان تھے۔ مگر یہاں آکر اپنی ساری خوبیاں بھول گئے اور مبتلائے مصائب ہو گئے۔ مسلمانوں کے تیوہاروں میں ایک عید ہے اور ایک بقر عید اور ان دونوں موقعوں پر سوائے عبادت و تشکریۂ الٰہی اور قربانی کے اور کسی بات کا حکم نہیں ہے مگر انہوں نے یہاں آکر دیکھا کہ ہولی دیوالی کے دن ہندوؤں میں ناچ رنگ کے جلسے اور دعوتیں ہوتی ہیں انہوں نے بھی دیکھا دیکھی عید کے دن دعوتیں اور رقص و سرود کی محفلیں گرم کرنی شروع کر دیں مسلمانوں نے دیکھا کہ دسہرہ میں ہندو بڑی شان کے جلوس نکالتے ہیں انہوں نے محرم میں تعزیہ اور علم کے جلوس نکالنے شروع کر دیئے اور ان کے جلوس کی فضول ترجیحوں نے ہندوؤں کے دسہرہ کے جلوس کو مات کر دیا۔ دنیائے اسلام میں کہیں بھی محرم میں تعزیے نہیں بنائے جاتے۔ مگر ہندوستانی مسلمان ہیں کہ اگر ایک سال میں ذرا بھی رکاوٹ ہو تو مارنے اور مرنے پر طیار ہیں اور ایام محرم میں شاید ہی کوئی ایسا سال جاتا ہو کہ کہیں نہ کہیں ہندوستان کے اندر بلوے اور جھگڑے نہ ہوتے ہوں۔ ہندوؤں کے یہاں سال میں بیسیوں میلے ٹھیلے ہوتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی اور کچھ نہ ہوا تو بزرگان دین کے عرس کرنے شروع کر دیئے اور لگے چادریں چڑھانے اور

روپیہ برباد کرنے ہندو اپنے پُرکھوں کو انواع و اقسام کے کھانے کنا گت کے موقعہ پر برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔ مسلمانوں نے جمعہ جمعرات کے دن مُلّانے کھلانے شروع کر دئیے اور شب برات کے دن حلوے پر اپنے بزرگوں کی فاتحہ دلانے کی بنیاد ڈالدی۔ میں نہیں کہتی کہ اپنے بزرگوں کی روح کو تلاوت کلام پاک کا ثواب پہنچانا اور غریبوں کو حسب حیثیت کھانا کھلانا نہیں چاہیئے۔ میرے خیال میں نہایت ضروری ہے مگر یہ کھانا سامنے رکھکر فاتحہ پڑھنا اور برادری کے طعنوں سے بچنے کے لئے رسمی طور پر اس کو ادا کرنا یقیناً قابل اعتراض ہے میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ اگر چار مُردوں کی فاتحہ دلانی ہے تو چاروں کے واسطے علیحدہ علیحدہ خوانوں میں کھانے رکھے جاتے ہیں۔ اور علیحدہ علیحدہ ہر مرحوم کی فاتحہ دلائی جاتی ہے اور لطف یہ ہے کہ بعد فاتحہ بجائے غریبوں کے کھلانے کے کھانا یا تو خود کھالیا جاتا ہے یا برادری میں کھانا تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ صرف ایک بار فاتحہ پڑھ کر چاروں بلکہ سینکڑوں مرحومین کی روح کو ثواب پہنچا دیا جا سکتا ہے۔ اللہ کے یہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ سب کو برابر ثواب پہنچ جائیگا۔ اب یہ خیال کہ جس مرحوم کو جو چیز مرغوب تھی اُسی پر اس کی فاتحہ دلائی جائے۔ محض ایک وہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لن ینال اللہ لحومها ولا دماؤها خدا تک قربانی کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے۔ لیکن
ولکن ینالہ التقویٰ منکم صرف تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔

ہندوؤں کے یہاں تیرھیں ہوتی ہیں مسلمانوں نے سیوم۔ بیسواں۔ چالیسواں کرنا شروع کر دیا اور قند کی باقاعدہ تقسیم اور کھانا کھلانے میں روپیہ خرچ ہونے لگا۔ مسلمانوں کے یہاں کسی عزیز قریب کی موت پر گریہ و بکا اور ماتم کرنے کی بھی سخت ممانعت ہے اور ہر حالت میں صبر و تحمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضور سرور عالم ؐ کے زمانہ میں ایک صحابی کے یہاں موت واقع ہوئی اور انہوں نے زار زار رونا شروع کر دیا۔ دیگر صحابہؓ نے حضور سرور عالم ؐ سے اُن کی گریہ و زاری کا حال بیان کیا اور شکایت کی۔ حضور ؐ نے فرمایا صدمہ سخت ہے

کچھ نہ بولو۔ تیسرے روز پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ صحابی اپنی حالت تباہ کئے لیتے ہیں۔ اب حضور سرورِ عالم نے اُن سے کہلا بھیجا کہ رونا پیٹنا بند کرو اور دنیا کے دھندے میں لگ جاؤ۔ اس روایت سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ تین روز تک مرنے والے کا سوگ کیا جا سکتا ہے اور اسی لئے سوم کا رواج ہے۔ مگر یہ چالیسواں اور برسی ہندوؤں کی تقلید نہیں تو کیا ہے۔ اب شادی بیاہ کے رسوم پر غور کیجئے۔ مسلمانوں کے یہاں تو بفضلہ کوئی ایسی رسم ہی نہیں ہے۔ جس پر اعتراض کیا جا سکے۔ اس لئے کہ نکاح کے وقت تھوڑے چھوارے تقسیم ہو جائیں کافی ہے۔ بہت ہوا تو دعوت ولیمہ ہو گئی۔ لیکن ہندوؤں کی تقلید کرنا لازمی ہے۔ اسی لئے ہندوؤں کی سینکڑوں رسمیں مسلمانوں میں بھی آ گئیں۔ سر پر سہرا ہاتھ میں کنگھنا اور گلے میں بدھی تو دولھا کے لئے ہیں۔ لیکن دلہن غریب کو نکاح سے چند روز پہلے مانیوں بٹھا کر اس کی جو دُرگت بنائی جاتی ہے قابل رحم ہے۔ جلوے کے وقت جو غریب کی گٹھری سی بنا کر مٹی پلید کی جاتی ہے کس قدر افسوسناک ہے۔ لکھنو کے ایک دولت مند گھرانے کی شادی میں مجھے شرکت کا موقع ملا ہے۔ معلوم ہوا کہ چھ بجے شام کے برات آ رہی ہے۔ سہ پہر کو دولہن کو نہلایا گیا اندر بالکل برہنہ صرف چادر اوڑھا کر نقرئی مسہری پر لٹا دیا گیا اور حکم یہ تھا کہ آنکھیں بند کئے پڑی رہے۔ میں نے دولہن کی ماں سے پوچھا کہ یہ کیا مصیبت ہے اور لڑکی کو یہ سزا کس قصور میں دی گئی ہے تو ہنسکر فرمایا کہ دولہا کے گھر سے جو کپڑے آ رہے ہیں وہی اب یہ پہن سکتی ہے اور آنکھیں یوں بند کرائی گئی ہیں کہ اب یہ دولہا کو دیکھنے کے بعد ہی دوسرے کو دیکھ سکتی ہے۔ اتفاق یہ ہوا کہ بجائے چھ بجے شام کے برات رات کے دس بجے آئی۔ ایک میل لمبا برات کا جلوس تھا۔ دولہا میاں ہاتھی پر تھے۔ ہاتھی دلہن کے کمرے کے برابر آیا جبھی ایک ماما نے ایک ٹب میں بھرا ہوا پانی ہاتھی کے پیروں پر بہا دیا۔ میں نے پوچھا یہ کیا تماشہ ہے۔ دولہن کی ماں نے کہا یہ دولہن کے غسل کا پانی تھا اب دولہا ہمیشہ دولہن کا مطیع و فرماں بردار رہے گا۔ دولہن کے باپ نے عظیم الشان بارہ دری بنوائی تھی

اور پہلے سے طے ہو چکا تھا کہ برات کے ساتھ ڈھائی سو آدمی آئیں گے دولہن کے باپ ماشاء اللہ کثیر الاحباب اور لکھنؤ کے معززین میں سے تھے۔ اس لئے اُن کے مہمان بھی ڈھائی تین سو کے قریب شام سے ہی آ چکے تھے۔ ایک دوسرے شامیانہ میں میز کرسی کی ڈھائی سو نشستیں طیار تھیں تیس چالیس خدمت گار وردی پہنے ہوئے کھانا کھلانے کے منتظر تھے۔ برات کے آتے ہی دولہن کی طرف کے مہمان جو شام سے آئے ہوئے تھے میزوں پر کھانے کے لئے بٹھا دیئے گئے اور نہایت پرتکلف اور لذیذ کھانے اُترنے شروع ہو گئے۔ ان سب کا کھانے سے فارغ ہو کر اُٹھنا تھا کہ قیامت صغریٰ کا نمونہ نظر آنے لگا۔ خدمت گار دوسرے صاف برتن رکھنے نہ پائے تھے کہ ساری کرسیاں بھر گئیں دریافت کیا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں تو معلوم ہوا کہ لکھنؤ کے غنڈے ہیں اور ناخواندہ مہمان ہیں۔ تجویز ہوئی کہ اُن کو اُٹھا دیا جائے اُسی وقت دولہ کے ملازم نے کہا کہ یہ سب ہمارے محلّہ کے لوگ ہیں اور سب ہمارے ساتھ آئے ہیں اب بھلا کسکی مجال تھی کہ اُن کو اُٹھا سکے۔ چنانچہ اُنہوں نے کھانا کھایا۔ پھر اسی طرح کی ایک دوسری ٹولی آ بیٹھی اور خدمتگار غریب پریشان ہو گئے۔ خدا خدا کر کے کہیں دو بجے اصل براتیوں کو کھانا ملا۔ اس وقت دولہن کے باپ کی حالت قابل ملاحظہ تھی کہ کسی سے منع نہیں کر سکتے۔ خدا جانے رات میں کیا انتظام کیا اور کس طرح کھانا ختم ہو سکا۔ جہیز میں جو سامان دیا گیا تھا وہ میرے خیال سے بالاتر تھا۔ یعنی دس من تانبہ اور پیتل کے برتن ایک من چاندی کا سامان اور طلائی اور مرصع زیور کی کوئی حد نہیں۔ ایک گھوڑا مع سامان نقرہ دولہ کے لئے تھا۔ مگر رخصتی کے وقت معلوم ہوا کہ دولہ کے بھائی کہہ رہے ہیں کہ موٹر نہ دی تو کچھ بھی نہ دیا اور ہم بغیر موٹر کے واپس نہ جائیں گے۔ اس کشمکش میں گفتگو نے اتنا طول کھینچا کہ برات واپس جانے کو طیار ہو گئی مگر چند بھلے آدمی بیچ میں پڑے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس تمام داستان کے لکھنے سے میرا مقصود یہ ہے کہ لکھنؤ جیسے متمدن شہر میں ایک معزز اور دولت مند خاندان کی بیاہ برات میں اس قسم کی لغویات جب جائز سمجھی جاتی ہوں تو دوسرے مقامات ان بیہودہ رسوم کے لحاظ سے کس شمار قطار میں

ہیں۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ اس شادی میں دولہن کی طرف سے دعوت اور انتظام مہمانداری میں ہزاروں روپیہ خرچ کیا گیا۔ مگر میں نے تو برات میں آنیوالی مستورات کو گھر کے اندر یہی کہتے سنا کہ وقت پر کھانا نہ ملنا تو ایک طرف پان تمباکو کا بھی کچھ انتظام نہیں ہوا اور پانی کے لحاظ سے تو یہ مکان کوفہ بنا ہوا ہے۔ کوئی خبر لینے والا ہی نہیں وہی مثل ہے کہ نام بڑے اور درشن تھوڑے۔ اس قسم کے الفاظ اور فقرے سُنکر مجھے خیال آیا کہ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ لکھا ہے۔

نہ تنہا دن یک عیب نہادن صد عیب

سنتی ہوں کہ غدر سے پہلے ہندوستان کے اندر مسلمانوں کی مالی حالت بہت اچھی تھی اور اس قسم کی تقریبات میں ہزاروں مہمانوں کو بلایا جاتا تھا اور دعوت دی جاتی تھی۔ میں کہتی ہوں کہ اگر یہ سچ ہے تو آپ پہلے اپنی مالی حالت درست کر لیجئے اور پھر یہ رنگ رلیاں کیجئے تو کوئی اعتراض نہ کرے گا مگر اب جبکہ مالی حالت خراب ہورہی ہے اُن لوگوں کی برابری کرنے کی کیا ضرورت ہے اس کے علاوہ دیہات اور قصبہ جات تک میں یہ دستور تھا کہ بیاہ برات کے موقع پر تنور لگ رہے ہیں۔ مٹی کے پیالے میں سالن ہے۔ سقے پانی پلانے اور ہاتھ دہلانے کو کھڑے ہیں اور ہزاروں آدمی کھا رہے ہیں اکثر کو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اب ہزار پانسو آدمیوں کو دعوت دینا اور میز کرسی پر انتظام کرنا ہر طریقہ سے سخت دشوار ہے اور یہی اصلی سبب میزبان اور مہمانوں کے پریشان ہونے کا ہے وہی مثل ہوئی کہ

کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا

اب مجھے افسوس کے ساتھ یہ بھی عرض کر دینا ہے کہ جس شادی کا حال میں نے لکھا ہے اس کو ایک سال ہو چکا ہے۔ اسی شادی میں بی مغلانی نے دولہن کے غسل کا پانی ہاتھی کے پاؤں میں لا ڈالا تھا۔ مگر بے اثر رہا۔ بلکہ آپس میں اختلاف ہے۔ اللہ رحم کرے ہمارے سب کے حال پر اور مسلمان بھائی اور بہنوں کو سمجھ دے۔ دہلی میں دلہن کے دروازہ پر مٹھائی تقسیم کرا کے دولہ کا دیوالہ نکالا جاتا ہے۔ یہ کیا اسی قسم کی بہت سی رسوم ایسی ہیں جو

ہندوؤں سے لئے گئے ہیں۔ ساچق۔ بری۔ بھات۔ برات کا کھانا۔ جہیز میں لڑکی کو فضول اور بیکار قسم کا سامان دینا یہ سب رسوم ترک کرنے چاہئیں۔ اور مسلمانوں کے افلاس میں انہی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ممکن ہے شہروں میں نہ ہو مگر دیہات میں تو مسلمان ہولی دیوالی تک پوجتے ہیں اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ مسلمان اپنی تعلیم بھول گئے ہیں۔ شاید ہی مسلمانوں کا کوئی گھر ہو جہاں قرآن پاک کی ایک جلد نہ ہو مگر یہ قرآن یا تو محض تبرکاً یا مریضوں کو ہوا دینے کے لئے رکھا جاتا ہے اور اگر اس کی تلاوت بھی کی جاتی ہے تو صرف اس طرح کہ کچھ نہ سمجھا جائے۔ میری پیاری بہنوں قرآن ہمارا قانون ہے اگر اس کو سمجھکر پڑھو اور اس پر عمل بھی کرنے لگو تو سب نحوست دور ہو جائے اور تمام فضول رسوم خود بخود ترک ہو جائیں۔ ہم اڈیٹر نسواں کے ممنون ہیں کہ وہ قرآن پاک کے مطالب ہر ماہ شائع کر رہے ہیں اگر بہنیں اس پر غور کیا کریں تو انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب اسلام پر پھر وہی بہار نظر آئے۔

عائشہ خاتون از بدایوں

دوا ہر دُکھ کی ہے مجروح تیغ آرزو رہنا ۔۔۔ علاج زخم ہے آزاد احسان رفو رہنا

شراب بیخودی سے تا فلک پرواز ہے میری ۔۔۔ شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بو رہنا

تھمے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں ۔۔۔ عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم با وضو رہنا

بنائیں کیا سمجھکر شاخ گل پر آشیاں اپنا ۔۔۔ چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں ۔۔۔ غلامی ہے اسیر امتیاز ما و تو رہنا

یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو ۔۔۔ تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجو رہنا

نہ رہ اپنوں سے بے پرواہ اسی میں خیر ہے تیری ۔۔۔ اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خو رہنا

شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی ۔۔۔ سکھایا اس نے مجھکو مست بے جام و سبو رہنا

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

پردہ

کو وہ الم و غم ہے نہ آزار پردہ — پھر بھی یہ تحیّر ہے کہ کیوں بار ہے پردہ

عفّت کا نگہباں ہی تو عصمت کا محافظ — ناموس کا ہر وقت نگہدار ہے پردہ

چھپ جاتے ہیں پردہ میں عیوب اور نقائص — گویا زنانیت کا معیار ہے پردہ

ہندو ہوں مسلمان ہوں کہ عیسائی ہوں نسواں — ہر قوم کے افراد کو درکار ہے پردہ

تیرِ نگہِ بد سے بچا لیتا ہے ہر دم — نسواں کے لئے آہنی دیوار ہے پردہ

ہے باعثِ صد ناز و نعم پردہ نشینی — واللہ عجب نعمتِ غفّار ہے پردہ

گمراہ ہیں خود کرتے ہیں اوروں کو بھی گمراہ — جو لوگ سمجھتے ہیں کہ بیکار ہے پردہ

ہوتی نہیں پردہ کی ضرورت جنہیں محسوس — خود اُن کے خیالات سے بیزار ہے پردہ

ارشاد ہے یہ شارعِ اسلام کا بہنو! — اعمیٰ (اندھوں) سے بھی عورت کو سزاوار ہے پردہ

بھاتی ہیں جنہیں حُسن نمائی کی ادائیں — ہاں ایسی خواتین کو دشوار ہے پردہ

کل تک تو فدا قوم تھی پردہ پہ اثیمہ
اب پردہ نشینوں کا عزادار ہے پردہ

لطف النساء بیگم اثیمہ

مشرق و مغرب

(۵)

مگر صالحہ غریب کی مشکل آگئی۔ زہرہ کو بہت سمجھایا۔ لیکن اُس میں اتنی صلاحیت کہاں تھی کہ اپنے رنگ ڈھنگ چھوڑ دیتی۔ اس پر تو ہر وقت فیشن کا بھوت سوار رہتا تھا۔ ماں کے بکنے جھکنے اور باپ کے خوف سے مانجھے کے کپڑے تو پہن لئے لیکن مائیوں کے دوسرے روز کلب میں ٹینس میچ تھا۔ اس میچ کے لئے زہرہ نے ایک ماہ سے مشق کی تھی۔ بھلا کیونکر نہ جاتی۔ جونہی چار پر گھنٹے کی سوئی آئی مانجھے کے زرد کپڑے اُتار زہرہ سفید ساڑھی لپیٹ اپنی ایک ہندو سہیلی کے ساتھ کلب چلتی ہوئی۔

صالحہ کی خالہ ابھی دہلی سے آکر اُتری تھیں مُنہ ہاتھ دھو کر اُنہوں نے صالحہ سے کہا چائے ناشتہ پھر ہوگا پہلے میں زہرہ کو دیکھونگی۔ کہاں گھُسا دیا ہے بچّی کو۔

صالحہ نے مسکرا کر کہا۔ کل سے وہ اپنے کمرے میں ہے۔ مانجھے کے بعد بھلا کیسے باہر نکل سکتی ہے۔ جاؤ صفیہ خالہ جان کو زہرہ کے پاس لیجاؤ۔ صفیہ کو زہرہ کے جانے کی خبر تھی چپکے سے ماں کے کان میں کہا۔ بی آپا تو چندرا دیوی کے ساتھ ٹینس کھیلنے کلب گئیں۔ آج وہاں میچ ہے۔ صالحہ یہ سنکر دنگ رہ گئی اور کہا تم نے مجھ سے پہلے کیوں نہیں کہا۔ صفیہ نے کہا مجھے تو ابھی نرگس نے بتلایا ہے۔ عذرا باجی پوچھ رہی تھیں تو میں نے بہانہ کردیا کہ آپا کے سر میں درد ہے وہ سو رہی ہیں۔ نرگس کو بھی تاکید کردی ہے کہ کسی سے نہ کہے۔

صالحہ غریب کو اور کچھ بن نہ آیا۔ خود کلب گئی۔ صاحبزادی اب ٹینس کھیل چکی تھیں نصف درجن نوجوانوں کے حلقے میں کھڑی قہقہے لگا رہی تھی اور مائیوں کی رسم کی تشریح بیان کر رہی تھیں۔

صالحہ دیکھکر جل ہی تو گئی۔ایک کہا نہ دو ہاتھ پکڑ کار میں بٹھالیا۔ سارے راستے بکتی جھکتی رہی۔اور پچھلے دروازے سے کمرے میں پہنچا کر اپنی جگہ واپس آئیں۔لیکن بھلا یہ بات کیسے چھپ سکتی تھی۔کوٹھی سارے مہمانوں سے بھری ہوئی تھی۔اڑتی اُڑاتی خبر سب کو پہنچ ہی گئی اور جس نے سُنا دانتوں میں اُنگلی دبالی۔

غرضکہ مانجھے سے نکاح تک کے تین روز گذارنے مشکل ہو گئے۔روز کوئی نہ کوئی نیا گل کھلتا تھا اور صالحہ کو شرمندگی ہوتی تھی۔شرم کرنی زہرہ نے سیکھی نہ تھی۔اس پر اس غریب کا قصور ہی کیا تھا وہ اسی شرم کو جہالت اور اپنے لئے بُرا سمجھتی تھی۔

خدا خدا کرکے وہ سبھ گھڑی آگئی کہ زہرہ جہاں اپنی عمر کی بائیسویں منزل میں بیٹی سے بہو اور لڑکی سے دلہن بنگئی۔سوا لاکھ سکہ چہرہ شاہی کا مہر باندھا گیا اور سب میں مبارک سلامت ہوگئی۔نکاح کے بعد زہرہ کی سہیلیاں اور رشتے کی بہنیں اس کو غسل دلاکر سنوارنے بیٹھیں۔تو زہرہ لباس و زیور دیکھکر بگڑ بیٹھی۔وہ سمجھے بیٹھی تھی کہ قیمتی ساڑھی ہوگی۔ یہاں معاملہ برعکس نکلا۔

ساس اپنی چہیتی بہو کے لئے پرانے رواج کے مطابق سرخ تمامی کی پشواز، اور ڈوپٹہ جس پر مُلمواں کا کام تھا اور گوہر شاہوار ٹانکے گئے تھے لائیں تھیں۔بہت بھاری سبز کمخواب کا کلیدار پیجامہ تھا۔اُنھوں نے یہ لباس بہت شوق سے کئی ہزار کی لاگت سے طیار کرایا تھا۔زیورات بھی سب خاندانی اور بیش بہا تھے اور ساس نے تاکید کردی تھی کہ دلہن کو سب پہنا دیئے جائیں۔اُن بیچاری کو یہ کیا معلوم تھا کہ بہو پوری میم صاحبہ ہیں۔عذرا نے بہت سمجھا بجھا کر راضی کرکے زیور لباس پہنایا۔ناک دلہن کی چھدی ہی نہ تھی۔جڑاؤ نتھ کان میں اٹکا دی گئی۔اور بمشکل بیوی۔تو کو گھنٹوں کی خوشامد کے بعد آراستہ کیا۔صبح سات بجے نکاح ہوا تھا اور گیارہ بجے آرسی مصحف ہوا۔ڈھائی تین گھنٹے اس شیرنی نے سب کے ہاتھ جڑوا دیئے۔جب انسانیت میں آئی غنیمت ہے

کہ آرسی مصحف کے وقت کوئی شرارت نہ کی خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی ۔

بیرسٹر صاحب نے بھاری بھر کم جہیز کے علاوہ بیٹی کو ایک کوٹھی بھی فرنیچر سے آراستہ کرکے دی اور زہرہ بخیر و خوبی سسرال سدھاریں۔ قمر نے اپنے اور زہرہ کے لئے الگ درجہ ریزرو کیا تھا۔ درجے میں بیٹھتے ہی زہرہ نے لباس و زیور اُتار پھینکا اور سادی ساری لپیٹ لی۔ گاڑی چلی تو قمر درجے میں آکر بیٹھے ۔ زہرہ نے کہا واہ صاحب! اچھا بدلہ لیا کب کی دشمنی تھی ایسا لباس میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اُف سانس لینا دشوار ہوگیا تھا ۔

قمر نے ہنس کر کہا۔ معاف کرو زہرہ پیاری واقعی تمکو تکلیف ہوئی۔ والدہ نے خاندانی رواج کے مطابق میرے منع کرنے کے باوجود یہ لباس طیار کرایا تھا۔ اُن کی ناراضگی کے خوف سے زیادہ نہیں کہا۔ وہ میرے اس طرح منگنی کرنے پر ناراض تھیں۔ لڑکپن سے میری نسبت اُنہوں نے خاندان میں کر رکھی تھی لیکن لڑکی تعلیم یافتہ نہ تھی اس لئے میں نے انکار کر دیا جب میں نے اُن کو یقین دلایا کہ میں نے شریف ترین خاندان میں رشتہ کیا ہے ۔جب وہ رضامند ہوئیں اور اب تو بہت خوش ہیں۔ تمہاری والدہ اور ساری خاندان کی خواتین کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ اب تم آرام کرو۔ اُترتے وقت البتہ اس لباس کے پہننے کی پھر زحمت ہوگی ۔

زہرہ ۔ اُو گاڈ۔ میری تو گردن جھکانے سے دُکھ گئی ۔ پھر یہ گنواری لباس مجھے پہننا پڑے گا۔

قمر۔ مسکرا کر کیا کیا جائے ڈارلنگ ان لوگوں کو راہ راست پر لایا بھی تو نہیں جا سکتا۔ ہماری سعادتمندی اسی میں ہے کہ ان کی خوشی جس قدر بھی امکان میں ہو پوری کریں۔ تم کو لکھنؤ میں دو روز تکلیف اُٹھانی پڑیگی ۔

زہرہ چونک کر کیوں؟

قمر۔ ابھی ہم کو والدہ کے ہمراہ شہر کے محل میں جانا ہے ۔ جہاں چند ضروری رسومات

اور کنبے والوں کے دیکھنے کے لئے ٹھہرنا پڑے گا۔ پھر ہم اپنا ہنی مون قیصر باغ والی نئی اور خوبصورت کوٹھی میں منائیں گے۔

زہرہ۔ اُف میں تو سمجھ رہی تھی کہ مشکل ختم ہوگئی۔ یہ بہت نون سینس (واہیات) ہے

قمر۔ واقعی مجھے خود تم سے شرمندگی ہے۔

زہرہ۔ یہ دو روز دو سال سے کم نہ ہوں گے

اس قسم کی باتوں میں راستہ طے ہوا۔ لکھنؤ آنے سے قبل قمر کے اصرار پر زہرہ لباس و زیور سے آراستہ ہو کر بیٹھ گئی۔ گاڑی اسٹیشن پر رُکتے ہی کہاروں نے چاندی کی پالکی درجے سے لگا دی جس پر سرخ کاشانی مخمل کا پردا جگمگا رہا تھا۔

خاندان لوگوں اور عزیز و احباب سے پلیٹ فارم بھرا پڑا تھا۔ زہرہ کے بھاری لباس کو نندوں نے سنبھالا۔ اور ہاتھوں ہاتھ پالکی میں بٹھایا۔ بہت دھوم اور شان سے بارات محل پہنچی۔ ساس نے اس وقت تک بہو کے حسن کی تعریف سنی تھی۔ اب گھونگٹ الٹا تو دلہن کے حسن کو دیکھ کر آنکھیں جمی کی جمی رہ گئیں۔ زہرہ کا حسن سہانے لباس اور زیور میں پھوٹا پڑتا تھا۔

یہ دیکھ کر ان کو حیرت ہوئی کہ دلہن نے آنکھیں کھول رکھی تھیں۔ لیکن اس کے حسن پہ وہ ایسی فریفتہ ہوئیں کہ اس کا خیال بھی نہیں کیا۔ سورۃ ان یکاد ون بہو کے منہ پر پڑھ کر پھونکی۔ چٹاچٹ بلائیں لیں اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ زہرہ کا بس چلتا تو اسی وقت ساس کو دھکا دے دیتی۔ لیکن دل پر جبر کئے بیٹھی رہی۔ جوں توں دن گذرا شام ہوگئی لیکن دیکھنے والیوں کا تانتا لگا رہا۔ رات کے آٹھ بجے ذرا ہجوم کم ہوا تو ساس نے کہا دلہن کو آرام کرنے کے لئے لیجا کر لٹا دو۔ زہرہ کے کان میں یہ آواز پڑی تو دم میں دم آیا کمرے میں پہنچانے کے لئے نندیں ساتھ آئیں۔ اب شرم کرنا زہرہ کے بس کی بات نہ تھی پیشتر اس کے کہ نندیں لٹائیں اس نے ڈوپٹہ اتار پھینکا۔ ابھی دونوں نندیں بھاوج کی

اس بیبا کی کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے پشواز بھی اُتار ڈالی۔ پھر سب زیور جلدی جلدی اُتارا۔ آیا کو کہا میرا ڈریسنگ گون لاؤ۔

نندیں تو یہ رنگ دیکھکر اپنا سا منہ لیکر کھسک گئیں۔ اور زہرہ نے اطمینان سے لباس تبدیل کیا۔ اور پلنگ پر دراز ہو گئی۔ اس کو شروع سے آزادی کی عادت تھی۔ صبح سے بیٹھے بیٹھے واقعی وہ اس وقت کسلمند ہو گئی تھی۔ پھر یہ غصہ الگ تھا کہ صبح سے قمر نے بات بھی نہ پوچھی تھی کھانا آیا اور ساتھ ہی قمر بھی آئے۔ دیکھا کہ بیوی گلابی ڈریسنگ گون پہنے استراحت فرما رہی ہیں مسکرا کر بولے اللہ تم تو اس وقت گلاب کا پھول معلوم ہو رہی ہو۔ زہرہ پھوٹ پڑی خوب خبر لی۔ قمر نے اس کی لایعنی طولانی تقریر کا ہنس کر جواب دیا۔ گھبراؤ نہیں کل تک کی بات ہے۔ پرسوں سے تم کو مکمل آزادی نصیب ہو گی۔ یا رے زہرہ بہت دیر بعد سنبھلی اور کھانا کھایا۔ دوسرا دن بھی آیا اور گذر گیا۔ شب کو قمر نے کہا کہ والدہ نے کہا ہے کل بدھ ہے پرسوں جانا۔ میری خاطر ایک روز تم اور تکلیف اُٹھاؤ۔ زہرہ بگڑ کر بولی میں تو کل ضرور یہاں سے چلی جاؤں گی۔ کیا تم مجھے اس لئے لائے ہو کہ یہاں قید میں سڑا کر مارو۔ ہاتھ بھر لمبا گھونگٹ نکالے میں کب تک قید تنہائی بھگتوں۔ شادی نہ ہوئی مصیبت ہو گئی تمہاری ماں ہیں تم اُن کا حکم مانو۔ میرے بس کی یہ بات نہیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں دکھانے کے اور۔ مسوری میں تم پورے اپ ٹو ڈیٹ صاحب بہادر نظر آتے تھے۔ اب تم نے کینچلی بدل لی۔ قمر نے زیادہ کہنا مناسب نہ سمجھا اور اس وقت خاموش ہو گیا

صبح جو نندیں آئیں تو زہرہ دیکھتے ہی بولی سلمہ اور ریحانہ ڈارلنگ اماں جان سے کہدو آج مجھے کوٹھی جانے کی اجازت دیں۔ دونوں بہنیں الٹے قدموں ماں پاس بھاوج کا سندیسہ لیکر گئیں

بیچاری بوڑھی خاتون بہو کا حکم سُن کر آئیں۔ بیٹھے ہی بیٹھے زہرہ نے سلام کیا اور کہا آج میں کوٹھی جاؤں گی۔ میں بالکل تھک گئی ہوں۔ بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ہوا خوری نہ کرنے سے طبیعت درست نہیں ہے۔

ساس کو بہو کی اس بیبا کی پر غصہ تو ضرور آیا۔ لیکن تھیں زمانہ شناس سنبھل کر بولیں ہنیں دلہن بیٹی آج کوٹھی نہ جاؤ۔ کچھ رشتہ دار بارہ بنکی سے تمہارے دیکھنے کے لئے آج آنیوالے ہیں۔ دوسرے آج بدھ ہے۔ پہلے پہل نوج بدھ کو نئے گھر میں جاؤ۔ کل میں تم کو خود پہنچا آؤنگی خدا تم کو رہنا بسنا نصیب کرے۔ ایک دن کی تکلیف اور سہی۔ اور بیمار ہوں تمہارے دشمن یہ صرف تمہارا خیال ہے۔

زہرہ۔ اوہ اب میں ایک منٹ یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ اس بند جگہ میں مجھے نیند نہیں آتی اگر کوئی آتا ہے آنے دیجئے۔ شام کو میں قمر کے ساتھ آجاؤں گی۔

ساس اس آزادی سے دو دن کی دلہن کو میاں کا نام لیتے دیکھکر سناٹے میں رہ گئیں۔ وہ زہرہ کو ایک تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ لڑکی سمجھتی تھیں اور بیٹے کے انتخاب پر خوش تھیں۔ اب بہو کا یہ رنگ دیکھکر اُن کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ بیٹے کو باہر سے بُلایا کہ بیوی بنو کے ڈھنگ سنائیں۔ بیچارا قمر ابھی رات کی تلخ گفتگو پر غور کر رہا تھا کہ ماں کی طلبی کا پیغام پہنچا۔ فوراً گھر میں آیا۔ دیکھا تو بیوی ماں سے دو بدو ہیں۔ ماں نے قمر کو دیکھتے ہی کہا۔ واہ میاں میں آگے کیا امید رکھوں جب دلہن ابھی میرا کہنا نہیں مانتیں ہے قمر نے نیچی نظریں کئے ہوئے کہا۔ اماں جان آپ کا حکم میرے اور ان کے سر آنکھوں پر لیکن

زہرہ بات کاٹ کر بولی ایسے حکم ماننے کے لئے میں تیار نہیں۔ کسی جاہل لڑکی کو بیاہ لائے ہوتے۔ میں یہاں رہ کر اپنی زندگی تباہ نہیں کر سکتی۔

اب تو ساس سے ضبط نہ ہو سکا بے شرم بہو کی گفتگو نے دل پر تیر و نشتر کا کام کیا۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔ میں خود تم کو اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتی۔ جب تم اسقدر مجھسے بیزار ہو۔ جہاں رہو زندہ اور خوش رہو۔ خدا کی شان ہے۔ میں نے اپنی ساس کے سامنے سات برس گھونگٹ نہ اُلٹا اور میری بہو سات دن شرم نہ کر سکی۔ پھر بیٹے سے مخاطب ہو کر بولیں۔ قمر تم نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ بجائے ایک

شریف زادی کے تم ایک میم صاحب کو بیاہ لائے ہو۔ جن کو ہمارے ساتھ دو چار دن گزارنے مشکل ہونگے۔ جاؤ اپنے گھر سدھارو۔ قمر فیشن ایبل روشن خیال ضرور تھا لیکن سعادتمند اور غیور تھا۔ تربیت اچھی پائی تھی زہرہ کی شکل پر ریجھ کر غلطی کر بیٹھا۔ مگر وہ اس کو ایسا سمجھے نہ سمجھتا تھا۔ اس وقت بیوی کے طرز نے اس کی غیور طبیعت پر ضرب کاری پہنچائی۔ اور ماں کی طنزیہ گفتگو سے گھڑوں پانی اُس پر پڑ گیا۔ سر جھکائے کھڑا رہا مگر زہرہ کو ساس کی خفگی میاں کے ملال کا ذرہ برابر احساس نہ ہوا۔ کار میں جا بیٹھی۔ بہنوں نے کہا جائیے بھائی جان بھابی جان آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ قمر نے کہا اُن کو جانے دو میں بغیر اماں جان کی اجازت کے نہ جاؤں گا۔ واقعی مجھسے سخت غلطی ہوئی۔ اماں جان کے ساتھ یہ برتاؤ کر کے اُنہوں نے مجھکو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔

ماں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ بیٹیا جاؤ میں خوشی سے اجازت دیتی ہوں۔ سدھارو خدا دلہن کو صلاحیت دے اور تم دونوں خوش رہو۔ اب وہ تمہاری بیوی ہے عمر بھر کا ساتھ ہے شریف جس سے قول کرتے ہیں اس کو نباہتے ہیں۔

قمر ماں بہنوں کو رنجیدہ چھوڑ کر خود بھی افسردہ و مضمحل اپنے کئے پر نادم گاڑی میں جا بیٹھے۔ راستہ خاموشی میں کٹا۔ کوٹھی پر پہنچتے ہی زہرہ نے اُتر کر کوٹھی کو دیکھا۔ یہ کوٹھی قمر کے اعلیٰ حسن مذاق کا شاہکار تھی۔ بہت آرام دہ اور عالیشان مغربی مکلّف سامان سے سجی ہوئی منہ سے بول رہی تھی۔ زہرہ کوٹھی دیکھکر بہت مسرور ہوئی۔ قمر کو دیکھا تو وہ ابتک مغموم صبح کے واقعہ پر بیٹھا ہوا غور کر رہا تھا۔ زہرہ کے لئے اس وقت قمر کی رنجیدگی مانع تفریح تھی اس لئے اس نے اپنی مخصوص اداؤں سے اس کی افسردگی کو دور کر کے چھوڑا۔ قمر بہت سیدھی طبیعت کا نوجوان تھا اور زہرہ کو دل سے چاہتا تھا۔ چند ہی گھنٹوں بعد بالکل ہشاش بشاش ہو گیا۔ اور زہرہ کی بیہودگی کو حرف غلط کی طرح بھلا دیا۔

باقی آئندہ

ہماری اُستانیاں

آج کل جو درسگاہیں ہماری لڑکیوں کی تعلیم کے لئے موجود ہیں وہ زیادہ تر میونسپلٹی کے بورڈ سکول ہیں۔ ہر شہر میں یہی سکول زیادہ تر ہیں ان سکولوں میں جو اُستانیاں مقرر کی جاتی ہیں وہ اکثر عیسائی ہوتی ہیں اور بعض جگہ مسلمان بھی ہوتی ہیں۔ ان استانیوں کے تقرر میں جن لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے وہ خود زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہوتے۔ اگر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں تو ان کو مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اگر تعلیم یافتہ مسلمان جن کو اپنے دین کا بھی پاس ہو استانیوں کا انتخاب کریں تو وہ میرے خیال میں بہتر استانیاں منتخب کر سکتے ہیں۔

ہماری بچیاں ابتدائی جماعتوں میں جن استانیوں کے سپرد کی جاتی ہیں وہ یا تو عیسائی ہوتی ہیں یا مسلمان۔ مگر ان کی تعلیم بالکل ناقص ہوتی ہے ان کی لیاقت کا معیار نارمل سکول کے امتحان کا سرٹیفکٹ ہے۔ استانیوں کے تقرر کے وقت صرف اس سرٹیفکٹ کو دیکھا جاتا ہے اور بس۔ نہ ان کے اخلاق نہ ان کے اطوار اور نہ ان کے عام رویہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

مسلمان بچیوں کے لئے مسلمان اُستانیاں بھی ایسی ہی مقرر ہونی چاہئیں جنکو علم دین سے بھی دلچسپی ہو میونسپل بورڈ نے جب مسلمان لڑکیوں کے لئے علیحدہ مدارس کھولے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کمیٹی کے مسلمان ممبر اُستانیوں کے تقرر کا معاملہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ اور عام نصاب میں دینیات کی کوئی کتاب کیوں نہ داخل کیجائے۔

میری رائے میں مسلمانوں کی اپنی غفلت اور لاپروائی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم غلط بنیاد پر رکھی جا رہی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ناقص التعلیم استانیوں کی وجہ سے لڑکیاں کیسی اُٹھ رہی ہیں۔ حیا و شرم تو ان لڑکیوں کے قریب ہی نہیں پھٹکتی۔ حسن تربیت سے کوسوں دور رہتی ہیں۔ اخلاق نام کو نہیں جانتیں دین کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی واقف نہیں ہوتیں

غور کرنے کی بات ہے کہ ہر شہر کی میونسپلٹی ہزاروں روپے مسلمان لڑکیوں کے لئے صرف کرتی ہے۔ لیکن موزوں اور معقول استانیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہماری لڑکیوں کی تعلیم و تربیت ادھوری اور ناقص ہو رہی ہے یہ قصور میونسپلٹی کا نہیں قصور اگر ہے تو ہمارے ان مسلمان ہمدرد اسلام بزرگوں کا ہے جو مسلمانوں کے نمایندے بنکر کمیٹی میں جا کر بیٹھتے ہیں اُن کو تو محض اپنے اعزاز سے مطلب ہے۔ قوم کی خدمت کا سچا جوش اگر ان کے دل میں ہوتا تو کیا وہ مسلم لڑکوں اور مسلمان لڑکیوں کی تعلیم اپنے ہاتھ میں نہ لے سکتے تھے

میں اس مضمون میں صرف میونسپلٹی کے سکولوں کا ذکر کرونگی۔ دوسری قومی درسگاہوں پر پھر لکھوں گی۔ اگر ہم اپنے اپنے فرائض ایمانداری اور دیانت داری سے سرانجام دیں تو ہم شاہراہ ترقی سے دور نہیں جا سکتے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم کو اپنی بنیادی غلطیوں کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ بیشک ایک وقت ایسا بھی تھا کہ مسلمان اُستانیاں میسر نہ آسکتی تھیں مگر اب مسلمان اُستانیاں کافی موجود ہیں۔

مسلمان اُستانیوں کی نسبت ہمکو اپنا معیار اب کسیقدر سخت کرنا پڑے گا صرف وہی اُستانیاں مسلمان لڑکیوں کے لئے مقرر کرنی چاہئیں جو ہماری بچیوں کی تعلیم و تربیت کے اہل ہوں۔ اگر مسلمان ممبران کمیٹی اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے تو یاد رکھیں کہ وہ خدا کے ہاں بھی بد دیانتی کے مجرم ہوں گے اور اپنی قوم کے ساتھ غداری کرنے کے الزام سے بھی بری نہیں ہو سکتے۔ اُستانیوں کے تقرر میں اگر وہ کسی سفارش کا اثر مانیں گے تو اُن کا ضمیر اُن کو ہمیشہ شرمندہ کرتا رہیگا۔

اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان خواتین خود اس طرف توجہ فرمائیں اور زنانہ مسلمان مدرسوں میں جا کر خود دیکھیں کہ اُن کی لڑکیوں کی تعلیم میں کیا کیا نقائص ہیں اور اپنی تنظیم کر کے میونسپلٹی سے بازپرس کریں۔ اور جو مسلمان ممبر مسلمانوں کی صحیح نمایندگی کمیٹی میں نہ کریں اُن کو آیندہ ووٹ ہی نہ دیئے جائیں۔

بیگم محمد اکرام

توکل اور مسلمان

جو شخص یہ چاہے کہ میں کچھ کام نہ کروں اور کامیاب ہو جاؤں۔ جو شخص یہ چاہے کہ اپنے گھر سے نہ نکلوں اور دنیا بھر کی سیاحت ہو جائے۔ جو شخص یہ چاہے کہ میں کھیتی نہ بوؤں مگر مجھے اپنے کھیت میں لہلہاتی ہوئی فصل نظر آجائے۔ جو شخص یہ چاہے کہ میں سیڑھی پر قدم بھی نہ رکھوں اور کوٹھے پر پہنچ جاؤں جو شخص یہ چاہے میں روپیہ نہ کماؤں مگر دنیا بھر کی دولت سمٹ کر میرے گھر میں آجائے۔ جو شخص یہ چاہے کہ بغیر لکھنا پڑھنا سیکھنے کے اس کو بی اے کی سند مل جائے۔ جو شخص ہر وقت چھت کی طرف دیکھتا رہے کہ اب چھت پھٹتی ہے اور سونے چاندی کی بارش ہوتی ہے تو یہ امیدیں اس کے دل کو بہلائے تو رکھ سکتی ہیں لیکن کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ظہور کے لئے ایسے اٹل قاعدے بنا دیے ہیں جو کبھی بدلے نہیں جاتے۔ ہماری مشکلات کا حل ہمارے ارادوں میں کامیابی، ہماری آرزوؤں کا بر آنا صرف ایک قانون قدرت کے ماتحت ہے وہ قانون یہ ہے کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ یعنی جب تک انسان کوشش نہیں کرے گا اس کو کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ قانون ایسا اٹل ہے اور ہمہ گیر کہ یہ کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا۔

بغیر کوشش کرنے کے توکل کا آسرا ڈھونڈھنا قانون قدرت کے خلاف ہے اپنی طرف سے جس قدر ہاتھ پاؤں ہلائے جا سکتے ہوں ہلائے جائیں۔ اس کے بعد نتیجہ خدا پر چھوڑ دیا جائے توکل کا درجہ کوشش کے بعد شروع ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کا ایک شعر ہے۔

ومن طلب العلیٰ من غیر کد

اضاع العمر فی طلب المحال

جس کسی نے کوئی عزت یا بلندی کی جگہ بغیر کوشش اور تکلیف کے حاصل کرنی چاہی تو اس نے اپنی تمام عمر ایک ناممکن چیز کے حاصل کرنے میں ضائع کی۔ مولینا روم فرماتے ہیں "تا توانی جہد کن در کار ہا"، جہاں تک ہوسکے کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں ہلاتے رہو مولانا محمد علی مرحوم فرماتے ہیں۔

لیس للانسان الاماسعیٰ کو یاد رکھ
کر توکل پھر تری تدبیر ہی تقدیر ہے

مسلمانوں نے توکل کے معنی غلط سمجھ رکھے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا تو خدا پر بھروسہ ہے۔ اگر تقدیر میں لکھا ہے تو کام ہو جائیگا۔ ہم بے فائدہ سر کیوں کھپائیں۔ قرآن پر اگر مسلمانوں کو ایمان ہے تو یہ عقیدہ قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ خدا ہی نے یہ فرمایا ہے کہ جب تک کوشش نہ کروگے کامیابی نہیں ہوسکتی۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں محض تعویذ ہماری مشکل کشائی کردیں گے توکل کا یہ غلط عقیدہ مسلمانوں میں بہت پھیل گیا ہے جب تک یہ ان کے دماغوں سے دور نہ ہوگا وہ کاہل اور نکمے رہیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا مسبب الاسباب ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرلیتا ہے تو اس کے اسباب پیدا کردیتا ہے۔ اگر تقدیر میں اس نے کامیابی لکھ رکھی ہے تو تدبیر بھی سیدھی پڑیگی۔ بعض وقت ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جنکی وجہ سے کامیابی حاصل ہوتی ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسباب ہم نہ دیکھ سکیں یا ہم نہ سمجھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا تو ارشاد ہے کہ جب تم کسی کام کا ارادہ مصمم کرچکو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اللہ توکل کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنی ترقی کیلئے اور کھوئی ہوئی عزت اور عظمت کو حاصل کرنے کیلئے قرآن کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنا ہوگا۔ جبتک کاہل اور آرام طلب پیروں فقیروں کی بےتکی باتوں پر سے اعتقاد نہ اٹھ جائیگا ہم کوئی ترقی نہیں کرسکتے۔ کیا ہندؤں کے سوا کسی اور قوم میں بھی ضعیف الاعتقادی پائی جاتی ہے وہ تو اب یہ لکیر چھوڑتے جارہے ہیں مگر مسلمان کبتک اس

سوزِ زندگی

کیا رفعت کی لذت سے نہ دلکو آشنا تو نے — گذاری عمر پستی میں مثالِ نقشِ پا تو نے

رہا دل بستۂ محفل مگر اپنی نگاہوں کو — کیا بیرونِ محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے

فدا کرتا رہا دلکو حسینوں کی اداؤں پر — مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تو نے

تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں — یہ تصویریں ہیں تیری جنکو سمجھا ہے برا تو نے

سراپا نالۂ بیدادِ سوزِ زندگی ہو جا — سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدا تو نے

صفائے دلکو کیا آرائشِ رنگِ تعلق سے — کفِ آئینہ پر باندھی ہے او ناداں حنا تو نے

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے — غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل — بنایا ہے بتِ پندار کو اپنا خدا تو نے

کنوئیں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا — ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے

ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی

علامہ اقبال مرحوم

ترکوں کا معاشرتی انقلاب

ترکی لڑکیوں کے لئے جو نصاب تعلیم حال میں تیار کیا گیا ہے اس میں امورخانہ داری اور نسوانی تہذیب و معاشرت کو ہر بات پر مقدم رکھا گیا ہے۔ اس نصاب کا مقصد حقیقی یہ ہے کہ ترک خواتین جب تعلیم سے فارغ ہو کر نکلیں تو اپنی تعلیم سے ہر طرح کا فائدہ اُٹھا سکیں اور اپنی خانگی زندگی کو پوری طرح خوشگوار بنا سکیں۔ لڑکیوں کو بچوں کی پرورش۔ حفظانِ صحت۔ خانہ داری۔ سینے پرونے کے علاوہ کوئی نہ کوئی صنعت بھی سکھائی جاتی ہے تاکہ بوقت ضرورت وہ اس سے کچھ فائدہ اُٹھا سکیں علاوہ ان مضامین کے ترکی زبان اور مغربی زبانیں بھی سکھائی جاتی ہیں اور جسمانی ورزش کی طرف بھی پوری توجہ کی جاتی ہے۔

تعلیم کی مدت چار سال ہے ابتدائی دو سال میں لڑکیاں مذکورہ بالا مضامین میں تعلیم حاصل کرتی ہیں اور بعد کے سالوں میں اس تعلیم کو عمل میں لانا سکھایا جاتا ہے۔ جب تک عملی تجربہ میں کامیابی نہ ہو فارغ التعلیم ہونے کی سند عطا نہیں کی جاتی۔

ایک اور امر جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ وہاں کی عورتوں کو معاشرت کی اصلاح میں بہت دخل حاصل ہے اور وہ بڑے اطمینان سے زندگی بسر کرتی ہیں اور ملک کی ترقی کیلئے مردوں کے ساتھ نہایت گراں قدر خدمات انجام دیتی ہیں اگرچہ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر بھی نظر آتی ہیں لیکن یہ بات قابل تعریف ہے کہ اُنہوں نے اپنے خانہ داری کے فرائض کو بالائے طاق نہیں رکھ دیا۔

ترکوں کے گھر آئینہ کی طرح صاف ستھرے ہوتے ہیں ان میں امن و سکون کی فضا پائی جاتی ہے اور راحت و آسائش کے جملہ سامان مہیا ہوتے ہیں۔ گھروں میں خدمتگار کم نظر آتے ہیں۔ عورتیں زیادہ تر کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہیں۔ ترک خواہ کتنے ہی آسودہ حال ہوں لیکن

گھر کے متعلق کام کرنے میں ان کو کبھی عار نہیں بڑے سے بڑے گھر میں ایک سے دو تک ملازم دکھائی دیتے ہیں۔ ترک عورتیں خود کام کریں گی یا اپنی نگرانی میں نوکروں سے کام لیں گی۔ ترک عورتیں ایک یہ احتیاط اور کرتی ہیں کہ تمام گھر بار نوکروں کے سپرد نہیں کر دیتیں وہ اُن کا گھر میں زیادہ دخل پسند نہیں کرتیں۔ سونے کے کمرے وہ خود اپنے ہاتھ سے صاف کرتی ہیں اور نوکروں کو سونے کے کمروں میں بہت کم جانے دیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات تو مختلف کام نوکروں سے کرا لیتی ہیں۔ کفایت کے خیال سے مستقل طور پر نوکروں کو نہیں رکھا جاتا۔ کوئی خاص کام کرانا ہو تو اجرت دیکر کرا لیا ورنہ گھر کا کام تو خود ہی کرتی ہیں۔ ترک قوم تعلیم کی بہت دلدادہ ہے۔ اور حکومت کی طرف سے کثرت سے مدارس کھلے ہیں جہاں حکومت کے خرچ سے بہتر سے بہتر تعلیم اور تہذیب کے اسباب جمع کئے جاتے ہیں۔ لوہار اور بڑھئی۔ کسان ہر ایک تعلیم حاصل کرتا ہے اور پھر جب تعلیم حاصل کر لیتا ہے تو اپنے اپنے کام پر لگ جاتا ہے۔ ٹرکی میں بیکاری کا وجود بھی نہیں ہے۔ قوم اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہے۔ بغاوت و شورش کا کسی کو خیال بھی نہیں۔ ملک کے نظام کی ہر شخص تعظیم کرتا ہے اور پابند ہے اور ہر شخص جو کام کرتا ہے یہی سمجھکر کرتا ہے کہ ملک و قوم کی خدمت کر رہا ہے۔

زبیدہ خاتون از کانپور

فرقہ آرائی

دکھا وہ حسنِ عالم سوز اپنی چشم پُر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو۔ رُلواتا ہے شبنم کو

ذرا نظارہ ہی اے بوالہوس! مقصد نہیں اسکا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھکر چشم آدم کو

اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو

شجر ہے فرقہ آرائی۔ تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

نہ اُٹھا جذبہ خورشید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اُڑتی ہے شبنم کو

پھرا کرتے نہیں مجروحِ اُلفت فکرِ درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طور ہوتا ہے

علامہ اقبال

اسلامی رنگ

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو کسی سے مطلق باک نہیں تھا۔ انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اس کے اثر سے بچنا ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ امام صاحب تمام عمر کسی کے احسانمند نہ ہوئے اس وجہ سے آپ کی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی تھی۔ اکثر موقعوں پر وہ اس کا اظہار خیال بھی کر دیا کرتے تھے بن ھبیرہ نے کہ وہ کوفہ کے گورنر اور نہایت نامور شخص تھے اُن سے بلجاجت کہا کہ آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھ پر احسان ہوتا۔ فرمایا میں تم سے مل کر کیا کروں گا۔ مہربانی سے پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں۔ عتاب کرو گے تو میری ذلت ہے۔ تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس جو دولت ہے اس کو کوئی شخص چھین نہیں سکتا۔ خلیفہ منصور اور اس کی بیوی حرہ خاتون میں کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ خاتون کو شکایت تھی کہ خلیفہ عدل نہیں کرتے۔ منصور نے کہا کہ کسی کو منصف قرار دو۔ خاتون نے امام صاحب کا نام لیا۔ اُسی وقت طلبی کا فرمان گیا۔ خاتون پردہ کے قریب بیٹھی تاکہ امام صاحب جو فیصلہ کریں اپنے کانوں سے سُنے۔ منصور نے پوچھا شرع کی رو سے مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ چار۔ منصور خاتون کی طرف مخاطب ہوا اور کہا سنتی ہو۔ پردہ سے آواز آئی ہاں سُنا۔ امام صاحب نے منصور کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ مگر یہ اجازت اس شخص کے لئے خاص ہے جو عدل پر قادر ہو ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہیں خدا خود فرماتا ہے ان لا تعدلو فواحدۃ۔ منصور چُپ ہو گیا۔ امام صاحب گھر آئے تو ایک غلام پچاس ہزار درہم کے توڑے لئے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے۔ اور کہا کہ آپ کی کنیز سلام کہتی ہے۔

اور آپ کی حق گوئی سے نہایت متاثر ہے۔ امام صاحب نے روپیہ واپس کر دیا۔ اور خادم سے فرمایا کہ خاتون سے کہنا کہ میں نے جو کچھ کہا کسی غرض سے نہیں کہا۔ بلکہ میرا فرض منصبی تھا۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ امام صاحب سے ملنے کی غرض سے آئے۔ ان میں سے ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا۔ لوگ رخصت ہو کر چلے تو امام صاحب نے اس شخص سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ اور جانماز کی طرف اشارہ کیا کہ اس کو اُٹھا لاؤ۔ اس نے دیکھا تو ہزار درہم کی ایک تھیلی تھی۔ عرض کرنے لگا میں دولتمند ہوں مجھکو اس کی حاجت نہیں۔ فرمایا تو صورت ایسی بنانی چاہئیے کہ دوسروں کو غربت کا شبہ نہ ہو۔

ایک مرتبہ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے۔ راہ میں ایک شخص ملا جوان کا مقروض تھا اس نے دور سے ان کو دیکھ لیا اور کترا کے دوسری طرف چلا۔ امام صاحب نے پکارا کہ کہاں جاتے ہو وہ کھڑا ہو گیا۔ قریب پہونچے تو پوچھا کہ مجھکو دیکھکر تم نے رستہ کیوں کاٹا۔ اس نے کہا کہ آپ کے دس ہزار درہم مجھ پر آتے ہیں۔ جو مجھ سے اب تک ادا نہ ہو سکے اس شرم سے آنکھ برابر نہیں ہوتی۔ امام صاحب اس کی اس غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔

ایک بار سفر حج میں عبداللہ سہمی کا ساتھ ہوا۔ کسی منزل میں ایک بدوی نے اُن کو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اس پر میرے روپے آتے ہیں اور یہ ادا نہیں کرتا۔ امام صاحب نے عبداللہ سے اس کی حقیقت پوچھی۔ اُنہوں نے قطعاً انکار کر دیا۔ امام صاحب نے بدوی سے پوچھا کہ آخر کتنے درہموں پر جھگڑا ہے۔ اس نے کہا چالیس درہم۔ متعجب ہو کے فرمایا کہ زمانہ سے حمیت اُٹھ گئی۔ اتنے سے معاملہ پر اتنی فضیحت پھر کل درہم اپنے پاس سے ادا کر دئیے۔

ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور اسی ندامت کی وجہ سے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ ان کے ایک دوست نے چندہ کر کے ان کا قرضہ

ادا کرنا چاہا لوگوں نے بقدر حیثیت اعانت کی۔ امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کہ کل کس قدر قرضہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ چار ہزار درہم۔ فرمایا اتنی سی رقم کے لئے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ کہکر پورے چار ہزار درہم خود دیدیئے۔

سنہ ۵ھ میں محمد شاہ نے ہر قسم کے ٹیکس محصول اندبگیا رپروانہ راہداری وغیرہ وغیرہ معاف کر دیئے اور یہ حکم تختیوں پر لکھکر بازاروں میں آویزاں کرا دیا۔ علامہ ابن اثیر نے محمد شاہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی تاجر نے قاضی کے ہاں نالش دائر کی کہ فلاں عامل کو بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ میرے مال کی قیمت دلا دے لیکن وہ ٹال مٹول کرتا ہے۔ قاضی نے اپنے غلام ساتھ کر دیئے۔ اتفاق سے خود بادشاہ محمد شاہ کسی طرف سے آنکلا اور حقیقت حال دریافت کی۔ غلاموں نے کہا مدعا علیہ کو عدالت میں لانے کے لئے جاتے ہیں۔ بادشاہ نے مدعا علیہ کا نام پوچھا۔ غلاموں نے کہا محمد شاہ بادشاہ کو نہایت رنج ہوا اور اسی وقت عامل کو طلب کیا اور سخت تنبیہہ کی۔ اسی واقعہ کے بعد ہمیشہ اس بات پر افسوس کرتا رہا کہ اسی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے کیوں نہ حاضر ہوا تاکہ آئندہ کسی کو حق تسلیم سے عار ہوا کرتا۔

ایک دفعہ امیر معاویہ نے لوگوں کے وظیفہ روک دیئے تھے۔ اس پر ابومسلم خولانی نے سر دربار اٹھکر کہا کہ اے معاویہ یہ تیری کمائی نہیں ہے۔

ابوموسیٰ اشعری کی عادت تھی کہ خطبہ میں حضرت عمرؓ کا نام لیکر ان کے حق میں دعا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی صحابی کا ذکر نہ کرتے تھے۔ جبتہ بن محصن نے عین خطبہ میں کھڑے ہوکر کہا کہ تم ابوبکرؓ کا نام کیوں نہیں لیتے۔ کیا عمرؓ ابوبکرؓ سے افضل ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری نے یہ واقعہ حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے جبتہ کو مدینے طلب کیا۔ جبتہ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ تم نے کس حق سے مجھ کو یہاں طلب کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ابوموسیٰ اشعری سے کیا معاملہ پیش آیا۔ انہوں نے واقعہ کی

حقیقت بیان کی۔ حضرت عمرؓ رونے لگے اور فرمایا واللہ تم برسر حق ہو۔ پھر کہا مجھ سے خطا ہوئی۔

حجاج بن یوسف نے حطیط کو دربار میں بلایا۔ اور کہا کہ تم مجھکو کیا سمجھتے ہو۔ حطیط نے کہا در اصل تو خدا کا دشمن ہے۔ حجاج نے کہا اور امیر المومنین عبدالملک بن مروان۔ حطیط نے کہا اصل تو وہی ہے تو تو اس کی فراغ ہے۔ حجاج نے اس پر نہایت بے دردی اور بے رحمی سے طرح طرح کے عذاب دیکر ان کو قتل کر دیا لیکن انہوں نے اُف تک نہ کی۔ یہ ہستیاں تھیں جو کہ اسلام کے زمانہ کا سچا نمونہ ہیں۔ مرتے مر گئے مگر صداقت فیاضی اور ایثار کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

امت الوحی۔ دہلی

جب علم گیا شوق عزت معدوم
دولت رخصت تو ذوق زینت معدوم

مسجد سے یہ آئی گوش اکبرؔ میں صدا
مذہب جو مٹا زور ملت معلوم

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں
حسن عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں

اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

دنیا سے میل کی ضرورت ہی نہیں
مجھکو اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں

در پیش ہے منزل عدم اے اکبرؔ
اس راہ میں ریل کی ضرورت ہی نہیں

توحید ان کے دلوں میں محفوظ نہیں
اللہ کے ذکر سے یہ محظوظ نہیں

اس فرقۂ نو کو میں نے دیکھا اکبرؔ
اسلام ان کی نظر میں ملحوظ نہیں

تہذیب وہ ہے کہ رنگ مذہب بھی ہو
آزاد وہ ہے کہ جو مودب بھی ہو

تزئین وہ ہے کہ خاکساری بھی ہو ساتھ
اسپیچ وہ ہے کہ اس میں یارب بھی ہو

اسلام ہی کو بس اپنی ملت سمجھو
بیگانہ روش میں اپنی ذلت سمجھو

جو اس کے خلاف رائے رکھے اکبرؔ
خاموش رہو عقل کی قلت سمجھو

بچے کا پہلا مکتب

آئے دن کے واقعات نے اس حقیقت کو کہ بچے کی معلمۂ اوّل اس کا مکتب اور اس کی تمام تربیت ماں کا آغوش اور گھر کا ماحول ہے اتنا صاف کر دیا کہ اب اس بات پر خامہ فرسائی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ہاں نفس مضمون کو سمجھنے کے لئے چند موٹی موٹی باتیں بتا دینی ضروری ہیں۔ طب و علم نفسیات نے ہزارہا تجربات کے بعد یہ ثابت کر دیا ہے کہ بچہ۔ ماں۔ انا جسکا دودھ پیتا ہے اس کے خواص سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ یہ امر علیحدہ ہے کہ کسی بچے میں جذب کا مادّہ زیادہ ہوتا ہے اور کسی میں کم۔ مگر متاثر ہونا قدرتی بات ہے۔

بچہ پیدائشی طور پر ایک چکنے اور صاف ستھرے کاغذ کے مانند ذہن لیکر پیدا ہوتا ہے باہر سے جس قسم کے جس رنگ کے نقش اُس پر ڈالے جاتے ہیں اس کا ذہن خاموشی سے اثر پذیر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں یہ نقش کبھی دیرپا ثابت ہوتے ہیں اور کبھی عارضی یہ دوسرا حصہ بچے کی تعلیم کے متعلق ہے۔ ان دونوں باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد یہ بات صاف طریقے پر واضح ہو جاتی ہے کہ بچے کی قدرتی طریقہ پر عادتیں رجحانات اور خصوصیات تیار ہوں تاکہ وہ آسانی سے کچھ سیکھے۔ گر آئینگی یہ اس کی ماں اور انا کی طرف سے منجملہ اور چیزوں کے مذہب کے متعلق جو عقاید اور خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں وہ بڑی حد تک عام طور پر ماں اور باپ دونوں کے یا خاص طور پر ماں کے ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ خود تو کچھ جانتا نہیں ماں کو جس طریقہ سے مذہبی ارکان اور رسمیں پوری کرتا دیکھتا ہے وہی خود کرنے لگتا ہے۔ اگر ماں کو نماز پڑھتے دیکھتا ہے تو وہ خود بھی قیام قاعدے سجود کی جتنی جسم کی حرکتیں ہیں بجنسہ اُن کی نقل کرتا ہے اس وقت اس کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ قیام کا کیا منشا ہے۔ تعوذ کی کیا ضرورت اور سجدے سے کیا مطلب حل ہوتا ہے۔ ان چیزوں سے خالی ہو کر وہ صرف ان جسمانی جنبشوں کو

بہ نظر غور دیکھتا ہے اور متانت کے ساتھ نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب یہی چیز عمر کے ساتھ ساتھ پختگی حاصل کرتی جاتی ہے اور مذہبی فریضہ کی ادائیگی کے لئے مددگار بنجاتی ہے۔

برخلاف اس کے ایسے ماں اور باپ پر غور کیجیے جو مذہب سے لاپرواہ ہوتے ہیں اس طرف سے ان کے تغافل کا اثر ان کے بچوں پر ظاہر ہوتا ہے اور کچھ ایسے رنگ میں رنگے جاتے ہیں کہ جس کا طرۂ امتیاز لامذہبیت ہے۔

بچپن میں بچوں کو اس بات کی عقل و تمیز حاصل نہیں ہوتی کہ وہ یہ سوچیں کہ اُن کا مذہب کیا ہونا چاہیئے۔ بالعموم یہی عقیدہ ہے کہ بچہ جب تک سن شعور کو نہیں پہنچتا اور اسے مذہب کے معاملہ میں کبھی حجت نہیں ہوتی اور وہ وہی کرتا ہے کہ جو اس کے والدین کرتے ہیں یا جس کی وہ گود میں پرورش پاتا ہے۔ خواہ ماں ہو انا یا آیا۔

پوجا پاٹ کرنیوالے خاندان کے بچے بغیر سکھائے پوجا پاٹ کرنے والے بچے بنتے ہیں موا حد کی اولاد موا حد رہتی ہے ہاں جب بچہ سن شعور کو پہونچتا ہے اور فکر و غور کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ خداوند عالم ہی چاہتا ہے تو اس کی طبیعت بچپن ہوتی ہے اور اس جوان کے دل میں اس قسم کے خیالات پیدا ہونے کا امکان ہے کہ آیا اس کا مذہب صحیح ہے یا نہیں۔ مگر یہ بات شاذونادر ہوتی ہے۔ ورنہ بچپن کے عقاید بدستور چلتے رہتے ہیں۔ اور جب بچپن سے نکلکر جوانی میں قدم رکھتا ہے تو پرانے عقیدے اس کی شخصیت میں ایسے پیوست ہو چکتے ہیں کہ اسے اُن کے ماننے میں ذرا تامل نہیں ہوتا بلکہ اگر کوئی اس بات میں حجت کرے تو وہ تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ دوسرا صحیح بھی کہتا ہے یا غلط۔ اس کی نظر میں ہر استدلال کھٹکتا ہے اور اگرچہ کوئی عیب اس کے مذہب اور عقیدہ میں صاف ثابت ہی کر دیا جائے تو بھی اس کا پرانا عقیدہ سوچنے سمجھنے اور اپنے عقاید کی درستی کرنے ہی نہیں دیتا۔ اس لئے ہمیشہ سے یہ اصول مانا جاتا رہا ہے کہ بچے کا مذہب ماں باپ کا مذہب ہوتا ہے۔

آپ کو خاندان برلاس کے مشہور اور جلیل القدر شہنشاہ اکبر اعظم کا تجربہ یاد ہو گا جو اُس نے مختلف مذہب کے پیروؤں کی کج بحثی سے متاثر ہو کر بچوں پر کیا تھا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قدرت بچے کو کونسا مذہب سکھاتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قدرت سے کوئی بچہ اگر نہایت ہی شکی اور تنقیدی دماغ لیکر پیدا ہوا ہے تو وہ صداقت کی پرکھ کے درپے ہو جاتا ہے ورنہ عام طور پر بچے جوان ہوتے ہیں اور بوڑھے ہو جاتے ہیں اور لکیر کے فقیر ہو کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ دنیاوی اسباب و علل بعض وقت تبدیلی مذہب اور تغیر عقائد کا باعث ہو سکتے ہیں مگر اُن کی گہرائی کچھ نہیں ہوتی اور یہ مادی فائدوں کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور ان کے ختم کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔

ماں باپ کا مذہبی اور غیر مذہبی ہونا انجام کار بچے پر اتنا گہرا اثر ڈالے تو ہم پر فرض ہو جاتا ہے کہ ہم اس طرف خاص طور پر توجہ کریں جہاں ہم دنیا میں اسکو کامیاب بنانے کے لئے دنیوی تعلیم میں سخت کوشش سے کام لیتے ہیں وہاں ہمیں ساتھ کے ساتھ مذہبی معاملات میں نگہداشت بھی سخت ضروری ہے آج جو ننھے ننھے بچے کھیلتے پھرتے نظر آتے ہیں وہ آئندہ نسلوں کے محافظ بننے والے ہیں اس لئے قومی ترقی اور تعمیر کے لئے مذہب کی خوبیوں سے واقف کرانا زندگی کی دوسری تیاریوں کے ساتھ ضروری ہے۔ ورنہ مذہبی لاپروائی کا جو انجام ہمارے سامنے ہے اس سے بدتر حالت پر پہونچنا لازمی ہو جائیگا۔ انجمن آرا بیگم

گو کہ ہو سکتی نہیں یہ نقل وضع مغربی	پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہم قالبی
اپنی تاریخ اپنی ملت سے رہو تم باوفا	بندگی تم کو مبارک صاحبو کم صاحبی
اس عہد میں یہی ہے بس وضع نکوئی	مذہب پر نکتہ چینی ملت کی عیب جوئی
شوق عمل نہیں ہے فکر اجل نہیں ہے	ناصح بنے ہیں اکثر عامل نہیں ہے کوئی
دنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے	غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہے
اس دور میں خوش نصیب ہے اکبر	جس نے قرآن کو کھلا رکھا ہے

خدمتِ خلق

قرآن کریم کی تعلیم کا ایک بڑا مقصد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حق العباد یعنی خدمت خلق کو حق اللہ یعنی خدمت خدا پر ترجیح دی گئی ہے اس وقت تاریخ اسلام سے ایک اقتباس میرے پیش نظر ہے جو کہ مسلمان بہنوں کو اس اسلامی سبق پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دینے کے لئے سپرد قلم کر رہی ہوں۔ سردی کا موسم ہے ہوائیں بلا کی خنکی اور آسمان پر ابر محیط ہے بجلی کی چمک سے ہر شخص اپنی اپنی جھونپڑیوں میں چھپا بیٹھا ہے اور کسی کو باہر نکلنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن ریگستان عرب کے ایک شہر مکہ سے ایک شخص نکلتا ہے۔ گوڈری اوڑھے ہے نصف رات کے قریب تیز رفتار سے چلا جا رہا ہے۔ جاتے جاتے وہ ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ اور داخل ہوتے ہی دبے پاؤں چلنے لگا۔

وہ ہر دروازے پر کھڑا ہوتا اور دروازے کے قریب کان لگا کر کچھ سنتا اور چل دیتا۔ اسی طرح کرتا ہوا وہ تمام گاؤں میں پھر گیا۔ جب وہ گاؤں کے آخری حصہ پر پہنچا تو ایک دروازے پر کان لگائے اور وہاں ٹھہر گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور بدن کانپنے لگا۔ اس نے کچھ سوچا اور سوچنے کی ساتھ ہی اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک شخص نکلا۔ فقیر نے اس شخص سے پوچھا کہ میاں نصف رات کے وقت جبکہ تمام دنیا آرام کر رہی ہے تمہارے گھر سے رونے چلانے کی آواز کیوں آ رہی ہے۔ بتاؤ کیا وجہ ہے۔ کیا تکلیف ہے۔ ممکن ہے میں تمہاری کچھ امداد کر سکوں۔ اس شخص کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور کہنے لگا اے خدا کے نیک بندے میں تیرا شکر گزار ہوں لیکن افسوس کہ تو اس معاملہ میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ فقیر کے اصرار پر مالک مکان نے بتایا کہ اس گھر میں صرف میری بیوی اور میں ہوں میری بیوی کے بچہ

ہونے والا ہے۔ میں مرد ہوں اور اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور اس وقت ہمارے گھر میں کوئی نہیں جو میری بیوی کی خبر گیری کر سکے۔

فقیر نے یہ گفتگو سن کر اُسے تسلی دی اور یقین دلایا کہ میں تمہاری مدد کروں گا اور میں ابھی جا کر کسی دایہ کو لاتا ہوں۔ فقیر واپس لوٹا۔ نصف رات کے وقت شہر تک پہنچا اور اپنی بیوی کو اُٹھایا اور اپنے ساتھ لے چلا۔ اسی مکان کے دروازے پر پہنچکر مالک مکان کو بلایا اور اس سے کہا۔ کہ یہ دایہ حاضر ہے تمہاری بیوی کی ہر خدمت۔ جو اس سے ممکن ہوگی انجام دیگی۔ خود دونوں شخص دروازے پر بیٹھے رہے۔ عین صبح کے وقت جب کہ موذن نے شیریں لہجہ میں

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

کا پیغام پہنچایا۔ کہ اے خدا کے نیک بندو اُٹھو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے مسجد کی طرف دوڑو نماز تمہاری نیند سے اچھی ہے۔ اسی وقت اندر سے آواز آئی کہ اے عمرؓ تمہیں مبارک ہو کہ تمہیں خدا نے بھتیجا دیا ہے۔ عمرؓ کا لفظ سنتے ہی وہ شخص اس گودڑی پوش فقیر کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہنے لگا۔ یا حضرت آپ نے یہ کیا کیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ آپ خلیفہ وقت ہیں اور جسے آپ نے دایہ بتایا وہ اُم المومنینؓ ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ اسلام کا یہی حکم ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہر مسلمان مرد اور عورت کی خدمت کرے۔

بہنوں! یہ ہے وہ اسلامی سبق جو خدا کے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ آج سوچو کہ ہم اس سبق کو کہاں تک بھول چکے ہیں اور ہماری کیا حالت ہے۔

گلشن افروز بیگم از کپورتھلہ

مسلمان

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت ۔۔۔ کرے کہیں منزل تو گذرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا ۔۔۔ ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے ۔۔۔ یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

مخلوط تعلیم

(از واسع النساء بیگم صاحبہ)

میری ایک ہند و سہیلی جو تین سال تک میرے ساتھ حیدرآباد کے ایک زنانہ مدرسہ میں پڑھ چکی ہیں اور اب کوئی تین سال سے جامع پونہ میں زیر تعلیم ہیں۔ یوں تو اس اثنا میں انکے کئی خطوط آئے جس سے مخلوط تعلیم کے نتائج معلوم ہوتے رہے۔ لیکن چند روز ہوئے کہ ان کا ایک تفصیلی مکتوب موصول ہوا ہے جس کا کچھ حصہ مخلوط تعلیم کے اس تاریک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے جو نئی روشنی والی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ جس کی تعریف میں ان کی زبانیں خشک ہوئی جا رہی ہیں۔　　(واسع)

مجھے اس جامع میں شریک ہوئے کوئی تین سال ہوتے ہیں لیکن یقین مانو کہ آجتک مجھے وہ راحت اور سکون نصیب نہیں ہوا جو حیدرآباد کے مدرسہ میں میسر تھا۔ میں نے اپنے میٹرک کے تین سال اس اطمینان اور چین سے ختم کئے ہیں کہ اب بھی اس کی یاد میرے دل میں اسی طرح تازہ ہے جس طرح پہلے تھی۔ مجھے وہاں کا طریقۂ تعلیم اسی لئے بہت پسند آیا کہ وہاں لڑکیوں کو لڑکوں سے بالکل علٰحدہ رکھا جاتا ہے میرے نزدیک اخلاق کے تحفظ کا یہی ایک بہترین ذریعہ ہے حقیقت میں انسان ایک پیکر اخلاق ہے۔ جس میں یہ نہ ہو وہ ایک درندہ سے بدتر ہے مخلوط تعلیم لڑکیوں کے لئے دوستوں کا لامتناہی سلسلہ بہم پہنچاتی ہے جس کی بدولت خیالات ہمیشہ منتشر رہتے ہیں۔ فضول باتوں میں وقت ضائع ہوتا ہے اور ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ الگ۔ دائرہ احباب کی دلچسپی تحفے تحائف کے تبادلے سے شروع ہوتی ہے اور ناگفتہ بہ انتہا تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسے ایسے واقعات مشاہدہ کی آنکھ ہر روز دیکھتی ہے۔ جب میں ان حالات اور اپنے ماحول کو دیکھتی ہوں تو آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

مندرجہ بالا سطور کسی دیہات کی گنواری کی نہیں ہیں کہ میں ان کو جاہلیت پر محمول کروں اور نہ وہ کوئی پردہ نشین خاتون ہیں کہ ہم ان کی نسبت قدامت پرستی اور تنگ خیالی کا وہم و گمان بھی کرسکیں وہ جامعہ پونہ میں لڑکوں کے دوش بدوش اپنے تعلیمی مدارج طے کرتی چلی جا رہی ہیں۔ سڑکوں اور گلی کوچوں میں بے پردا پھرا کرتی ہیں انہوں نے ہمیں جو کچھ لکھا ہے وہ کوئی سماعی حالات نہیں اور نہ اُنہوں نے اس کو کسی اخبار یا رسالے سے نقل کیا ہے تا کہ ہمارے لئے اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی رہے یہ اُن کا آزمودہ نسخہ ہے جس کو اُنہوں نے دو چار مہینے نہیں بلکہ برسوں کے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کے بعد تحریر کیا ہے جو بالکل صحیح ہے۔

یہ طفلِ ناداں غریقِ غفلت ہوائے ذلت میں تن رہے ہیں
سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائے جاتے ہیں بن رہے ہیں

بہار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلموں کو کیا وہ سمجھیں
یہ داغ تو ہیں انہی کے دل پر جو محو رنگِ چمن رہے ہیں

نیا فلک ہے نئے ستارے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے
انہی کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیرِ چرخِ کہن رہے ہیں

یہ آخری صف میں اُگنے والے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے
محلِ حسرت ہیں اُن کے سینے جو زینت انجمن رہے ہیں

رہے ہیں جو برگ وخس کے خوگر انہیں ہو کیوں خار اُن کا منظر
نگاہ تو ہے انہی کی مضطر جو مست سرو سمن رہے ہیں

بہت خفا تھے مسائل دیں کہ ہو رہی ہے ہماری توہین
اب ان کی منطق منا رہی ہے وہ سر جھکائے ہیں سن رہے ہیں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبرؔ
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کی طرح چھن رہے ہیں

بیٹیوں کی قربانی

تاریخ اسلام کا ایک زرّیں ورق

تاریخ انسانیت کا سب سے زیادہ عجیب وغریب واقعہ خدا کی بن جتی زمین (وادی غیرذی زرع) میں اسلام کا ظہور ہے۔ لبنان کی پر بہار وادیوں کشمیر کے سبزہ زاروں، اور عراق اور ہند کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو چھوڑ کر قدرت کی نگاہ انتخاب ایک ایسی بے برگ وگیاہ سرزمین پر پڑی جہاں کے بسنے والوں کی کائنات کھجوروں کے جھنڈ اور ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہ تھی۔ ایک وہ قوم جس کا ایک ایک فرد درندہ صفت وحشی اور خونخوار تھا۔ اسی قوم میں "رحمتہ اللعٰلمین"، کو بھیجا گیا۔ بس یوں سمجھئے کہ کانٹوں کی گود میں ایک پھول کو شگفتہ کیا گیا۔ اور پتھر کی چٹانوں سے آب حیات کا چشمہ بہایا گیا۔

دنیا کی تاریخ کا کتنا عظیم الشان معجزہ ہے کہ وہ قوم جو سیدھے رستہ سے بھٹکی ہوئی تھی گمراہ تھی۔ خونخوار تھی۔ خدا کے سچے رسولؐ کی تربیت سے، ساری دنیا کی رہبر بن گئی۔ وہ تلواریں جو آپس کے جھگڑوں میں اُلجھ کر بات بات پر رنگین ہو جاتی تھیں۔ اب صرف خدا کی راہ میں چمکنے لگیں۔ آمنہ کے لال، فاطمہ کے باپ اور خدا کے سچے رسول محمدؐ عربی نے دماغوں کو نہیں۔ دلوں کو اور ذہنیتوں کو بدل دیا۔ جن ہاتھوں نے بتوں کو پرستش کے لئے بنایا تھا اُن ہی ہاتھوں نے جھوٹے معبودوں کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ اندھیرا، اُجالے سے بدلا گیا۔ موت کو زندگی بنایا گیا اور برائی کی محفل میں سچائی کے فانوس روشن کر دیے گئے۔ انسانیت کا یہ آخری اور بالکل آخری انقلاب تھا جس کے بعد کسی انقلاب کی ضرورت نہ رہی۔

ناموز خواتین} مردوں کی طرح عورتیں بھی اس نعمت عظمٰی سے نوازی گئیں، اور صنف نازک کی

پیشانی جس کو تمدن اور سماج کے ظلم وستم نے سیاہ بنا دیا تھا مسکرا کر چمک اٹھی۔ یہ اسلام تھا جس نے عورت کے رتبہ کو بلند کر کے دنیا کو بتایا کہ سماج کی محفل عورت کے بغیر ویران اور سونی ہے۔ حضرت محمد الرسول اللہؐ نے عورت کو "آبگینہ" سے تشبیہ دیکر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ مردان نازک آبگینوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اسی مقدس تعلیم کا اثر تھا کہ خدیجہؓ۔ عائشہؓ۔ فاطمہؓ سمیہؓ اور اسماءؓ جیسی مقدس خواتین کے نام صنف نازک کی تاریخ کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اپنے زمانہ کی نامور فقیہہ اور محدثہ تھیں بڑے بڑے صحابہ آپ سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔

خنسا کا اسلام } حضرت خنسا رضی اللہ عنہا کا بھی اُن خواتین میں شمار ہے جن پر تاریخ انسانیت فخر کرتی ہے۔ حضرت خنسا زبردست شاعرہ تھیں اپنے اس فن میں یگانہ سمجھی جاتی تھیں۔ حضرت خنسا نے زیادہ تر مرثئے کہے ہیں، اور ہر مرثیہ اپنا جواب نہیں رکھتا اہلِ نظر کا متفقہ فیصلہ ہے کہ خنساء کے برابر کوئی عورت شاعرہ نہیں ہوئی۔

خنساء نجد کی رہنے والی تھیں آفتابِ رسالت کی کرنیں نجد تک پہنچیں تو حضرت خنساء اسی روشنی سے فیض یاب ہونے کے لئے مدینہ منورہ آئیں اور اسلام کی دولت سے مالامال ہوگئیں اور نبیٔ عربی کی چشم کرم نے ان کو "خنساء" سے حضرت خنساء بنا دیا۔

بیٹوں کی قربانی } زمانہ گذرتا چلا گیا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا زمانہ آگیا قادسیہ (عراق) میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا لشکر صف آرا ہوا۔ حضرت خنساء اپنے چار بیٹوں کو لیکر لڑائی کے میدان میں آئیں اور اپنے چہیتے بیٹوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

پیارے بیٹو! تم جانتے ہو کہ یہ دنیا مٹ جانیوالی ہے اور کافروں سے جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اصبرو وصابروا ورابطو

اس لیئے صبح سویرے اُٹھ کر خدا کی راہ میں لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور آخر دم تک جنگ کرو۔

فرمانبردار اور نیک بخت بیٹوں نے خدارسیدہ ماں کی نصیحت سُن کر گھوڑوں کی باگیں اُٹھائیں اور کافروں کی فوج میں شیر کی طرح گھس کر صفوں کی صفیں اُلٹ کر رکھدیں۔ آخر زخموں سے چُور ہو کر میدان میں گرے اور شہادت کا جام پی کر حوض کوثر کے کنارے پہنچ گئے۔

ایک دو نہیں اکٹھے چار جوان بیٹوں کی موت کا المناک سانحہ تھا۔ ذرا کسی بچہ کا کان گرم ہوتا ہے تو ماں تڑپنے لگتی ہے۔ بہن بھائی بیچین ہو جاتے ہیں مگر حضرت خنساء کو ہزار آفریں ہے اُس نیک اور مقدس خاتون نے بیٹوں کی شہادت کا حال سُنکر شکر کا سجدہ کیا۔ وہ بہت خوش تھیں کہ خدا کی امانت کو اُنہوں نے اس طرح خدا کے سپرد کیا۔ کہ آجتک میدان قادسیہ کی وادیاں، حضرت خنساء، اور اُن کے بیٹوں پر درود وسلام بھیج رہی ہیں۔

اسلام کو ہے ناز شہیدوں کے لہو پر
کھیتی اسی پانی سے یہ سیراب ہوئی ہے
ماہر القادری

انگلش ڈریس انور کا جو کل بزم میں دیکھا　　اکبرؔ نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار
معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیر　　تبدیلیٔ صورت کے رہے گر یہی اطوار
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگیگا　　شرماؤ گے کرتے ہوئے اسلام کے اظہار
بیگانہ وشی ہوگی عزیزانِ وطن سے　　بنگلے میں نہاں ہو گے کہیں چھوڑ کے گھربار
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے　　ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ وبہ انکار
آخر کو رہو گے نہ اِدہر کے نہ اُدہر کے　　انگریز بھی کھنچتے رہیں گے قوم بھی بیزار

اکبر الہ آبادی

(۵)

از اجل میرزا اعتصاب حسین ہمایوں

سدا بہار دیوان خانہ میں سے میرے میاں کو بلا کر لائی تو اماں کو ایک اور بات یاد آئی سدا بہار سے بولیں "اری بھاگوان ذرا پھر دیوان خانہ میں جاکر کیدان صاحب سے دو تلواریں لیکر جلدی آ۔ پوچھیں تو کہہ دیجو کہ لڑکی کو تارے دکھائے جارہے ہیں۔ سدا بہار دیوان خانے میں سے تلواریں لیکر آئی میرے اور بچے کے سر سے سموسہ دار کارچوبی ٹپی باندھی گئی سر پر قرآن شریف رکھا گیا۔ چمپا دائی آٹے کی چونک تھالی میں رکھکر لائی۔ اب مجھے حکم ملا کہ بچے کو گود میں لیکر چھپر کھٹ پر سے اترو۔ میں چھپر کھٹ پر سے اتری آگے آگے چمپا چونک اٹھائے چل رہی تھی اور میرے دائیں بائیں دو سہاگن عورتیں ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے ہوئی تھیں۔ میں نے جیسے ہی دالان سے قدم باہر نکالا دونوں سہاگن عورتوں نے میرے سر پر تلوار کی نوک سے نوک ملا کر ایک قوس سی بنا دی۔ صحن میں ایک چوکی بچھی ہوئی تھی حکم ملا کہ اس چوکی پر کھڑے ہوکر آسمان کی طرف دیکھکر سات ستارے گنو۔ جب میں سات ستارے گن چکی تو ایک ڈومنی نے میرے شوہر سے کہا "میاں اب تم خیر سے چھپر کھٹ پر کھڑے ہوکر مرگ مارو۔ میری چھوٹی بہن نے اپنے دولھا بھائی کے ہاتھ میں تیر کمان دی اور انہوں نے ڈومنی کی ہدایت کے مطابق پوری بسم اللہ پڑھ کر چھت کی طرف تیر چلایا مرگ مارنے کے نیگ میں اماں جان نے پانچ اشرفیاں ان کو دیں۔ جب وہ باہر دیوانخانے میں جانے لگے تو ایک مسخری ڈومنی نے کہا "میاں اگر سالیوں نے کمر نہیں پکڑی تو کیا ہے اُٹھی کمر پکڑوائی کا نیگ تو دیتے جاؤ"۔ اتنا کہکر ڈومنی نے میری چھوٹی بہنوں کی طرف دیکھکر کہا

"بیویو! دولہا بھائی کی کمر پکڑو نا"۔ یہ سُنکر صغرا و کبرا شرما کر چُپ کھڑی ہوگئیں۔ میرے میاں نے ڈومنی سے کہا بھئی ہم تو نئی روشنی کے آدمی ہیں ہم کو اس نیگ جوگ کی خبر نہیں ہے۔ یہ سُن کر ڈومنی نے کہا "لو میاں آج میں تمہیں زچہ خانہ کے نیگ بھی بتا دوں"۔ اتنا کہکر اس مسخری ڈومنی نے تال سُر کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ میاں پلنگ بچھوائی جٹھانی کا نیگ۔ چروا چڑہائی ساس کا نیگ۔ سونٹھ گندوائی بھی سالی کا نیگ۔ لٹ دُھلائی دودھ دھلائی یہ نند کا نیگ، کرتہ ٹوپی پہنائی بھی نند کا نیگ مرگ مروائی بچے کے باپ کا نیگ۔ کمر پکڑوائی سالیوں کا نیگ اور ڈھول چھپائی پڑوسن کا نیگ"۔ لو میاں یہ نیگ ہوتے ہیں زچہ خانے کے" میرے میاں نے ہنستے ہوئے دس اشرفیاں نکالکر کبرا کو دیں اور کہا "یہ تم دونوں کا نیگ ہے"۔ اس کے بعد گانا بجانا شروع ہوا۔ بیویاں جو رقم ڈومنیوں کو بیل میں دے رہی تھیں وہی چمپا کی چونک کی تھالی میں ڈالتی جاتی تھیں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے گانے کا سلسلہ جاری رہا اس کے بعد چھپر کھٹ کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا۔ ایک چوکی میز کی طرح لگادی گئی۔ اور اس پر تورہ چنا گیا۔ تورہ میں نورتن سات ترکاریاں طرح بطرح کے کھانے تھے سات سہاگنوں کے ساتھ ملکر میں نے چوبا کھایا۔

رات کے بارہ بجے اماں نے کہا بہنی اب ہمارے قلعہ کی رسم ادا ہوگی۔ دسترخوان بچھا۔ دسترخوان پر سات جگہ دو باقرخانیاں دو لڈو۔ دو دو چھوارے اور بادام رکھے گئے اور سات سہاگن عورتیں دسترخوان پر بیٹھیں ان ہی سہاگنوں میں میری والدہ بھی شامل تھیں۔ میری والدہ نے بچہ کو گود میں لیکر تین دفعہ الحمد اور قل پڑھ کر بچہ پر دم کیا اور بچہ کے ہونٹوں کے سامنے خالی قینچی چلا کر دوسری سہاگن سے کہا "بگیز بچہ"۔ اس نے "بیا بچہ اللہ نگہدار بچہ" کہکر اس کو گود میں لیا اور تین دفعہ الحمد و قل پڑھ کر انہوں نے بھی اسی طرح بچہ کے منہ کے سامنے قینچی چلائی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ساتوں سہاگنوں نے باری باری بچے کو گود میں لیکر یہی عمل کیا "بگیز بچہ"، کی رسم ختم ہونے کے بعد وہ باقرخانیاں وغیرہ ان سہاگنوں

کو دی گئیں۔ تمام رات گھر میں گانا بجانا ہوتا رہا۔ صبح ہوتے ہی ڈیوڑھی پر ڈولیاں لگنی شروع ہوگئیں اور بیگمات اپنے اپنے گھر کو سدھاریں۔

ان فضول رسموں میں میرے والدین کی پونجی جس طرح کھینچ رہی تھی اس کو دیکھکر میں یہ سمجھ رہی تھی ایک دن ہم بالکل کھک ہو جائیں گے۔ یہ سب کچھ جیٹھانی کی سازشوں کا نتیجہ تھا۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ بلا سے جو کرے سو ہو لا ایکدن جیٹھانی سے چھری کٹاری ہو جاؤ اور اسطرح سسرال کو خیر باد کہو اللہ اللہ اور خیر سلا۔

صبح کو ناشتہ پر جیٹھانی نے اماں سے کہا " اماں جان ماشاءاللہ چھٹی تو آپ نے خوب دھوم دھام سے کی " اماں جان کوئی عاجزی اور انکساری کا جواب دینا چاہتی تھیں کہ جیٹھانی پھر بولیں " اگر رتجگہ ہوتا تو پھر اور ہی بہار ہوتی۔ اچھی اماں جان چلّے پر رتجگہ ضرور کیجئیگا " اماں نے کہا بہوئی رتجگہ تو میں جنم ہی جنم کروں گی۔" جیٹھانی نے حیرت سے پوچھا " یہ کیوں "، اماں نے کہا بوا مجھ میں حضرت بیوی کی نیاز دلوانے کی ہمت نہیں اور کچھ بے ادبی ہو جائے تو الٹے لینے کے دینے پڑیں"۔ جیٹھانی نے کہا کیوں اماں جان کیا رتجگہ میں حضرت بیوی فاطمہؓ کی نیاز بھی ہوتی ہے۔

اماں نے کہا۔ ہاں بیٹی لوگوں نے تو رات بھر گانے بجانے کا نام رتجگہ رکھ لیا ہے ورنہ اصل میں رتجگہ کا مطلب شب بیداری ہے۔ رات بھر اللہ میاں کا نام لیا جاتا ہے یہ تو خدائی رات کہلاتی ہے۔" یہ سنکر میری نند بولیں " اماں جان ہم نے تو رتجگہ میں ہمیشہ یہی دیکھا کہ رات بھر کڑاہی ہوتی ہے اور گلگلے تلے جاتے ہیں۔" اماں نے کہا " ہاں یہ بھی ہوتا ہے اور اللہ میاں کا "رحم" بھی بنایا جاتا ہے۔ یہ سُنکر میری جیٹھانی نے کہا۔ اماں جان یہ اللہ میاں کا رحم کیونکر بنتا ہے " اماں بولیں۔ بیوی چاولوں کے آٹے کا حلوہ بنایا جاتا ہے اور اس میں میوہ وغیرہ ڈالتے ہیں۔ اس پر نیاز ہوتی ہے۔ اس کو اللہ میاں کا رحم کہتے ہیں۔　(باقی آئندہ)

سنہ ۱۹۴۰ء کی مردم شماری اور اُردو

زبان لکھوانے میں نگرانی کی ضرورت ہے

(از مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اردو ہند)

سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے انتظام ابھی سے ہو رہے ہیں۔ مردم شماری کی رپورٹ بہت کارآمد ہوتی ہے۔ اقتصادی۔ لسانی۔ معاشرتی امور پر بحث کرتے وقت اسی رپورٹ سے اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔ خاص کر زبان کے اعداد و شمار کا اس کے سوا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ ان اعداد کی صحت پر ہماری بحثوں اور نتیجوں کی صحت مبنی ہے لیکن پچھلی مردم شماریوں کے تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ شمار کنندے بے پروائی یا جانب داری سے اس معاملہ میں صحت کا خیال نہیں کرتے اور اپنی زبان کی تعداد زیادہ دکھانے کی خاطر غلط اندراج کر دیتے ہیں اس میں زیادہ تر گھاٹے میں وہ قومیں رہتی ہیں جو اقلیت میں ہیں کیونکہ شمار کنندوں کی زیادہ تر تعداد اُس قوم کی ہوتی ہے جو اکثریت میں ہے۔

گزشتہ مردم شماری کا ذکر ہے کہ ہمارے ایک انجنیئر دوست جو بہت قابل شخص ہیں مردم شماری کی شب کو سفر میں تھے۔ جب ریل بڑودہ پہنچی تو شمار کنندہ نے مسافروں کا اندراج کرنا شروع کیا۔ انجنیئر صاحب کے پاس بھی آیا اور نام وغیرہ پوچھ کر خانہ پری کرنے لگا۔ جب زبان کا خانہ آیا تو پوچھا کہ آپ کی مادری زبان کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا اُردو۔ لیکن اس دیدہ دلیری کو دیکھئے کہ اس نے بجائے اُردو کے ہندی لکھ دی اتفاق سے انجنیئر صاحب گجراتی حروف جانتے تھے۔ اُنہوں نے اعتراض کیا کہ یہ تم نے کیا کیا۔ میں نے اُردو کہا تھا اور تم نے ہندی لکھ دی۔ کہنے لگا یہ تو معمولی سی بات ہے آپ اس پر حجت کیوں کرتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا، یہ معمولی بات نہیں ہے۔ جو میں نے کہی ہے، تمہیں وہی لکھنا پڑے گی۔

اس نے نہ مانا اور جب اُنہوں نے بہت اصرار کیا اور سختی برتی تو کہنے لگا ہمیں ایسی ہی ہدایت ہوئی ہے۔ اس پر انجینیر صاحب نے کہا، اگر یہ بات ہے تو آگے میں تمہیں اپنی نسبت کچھ نہیں بتاؤنگا تمہارا جو جی چاہے لکھ لو۔ اس نے ذرا تیز ہوکر کہا کہ یہ جرم ہے اور اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں پولیس کو اطلاع دوں گا۔ اُنہوں نے کہا کہ جرم کا ارتکاب تم نے کیا ہے کہ اندراج میں غلط بیانی کی جب اس نے دیکھا کہ آدمی بیڈھب ہے تو اس نے مجبوراً ہندی کاٹ کر اُردو لکھ دی۔ جب ایک ذی حیثیت اور قابل شخص کے ساتھ یہ برتاؤ ہوا تو آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ دوسروں اور خاص کر ان پڑھ لوگوں کے حق میں کیسی کچھ نا انصافی نہ ہوتی ہوگی۔ وہ نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ لکھ سکتے ہیں۔

چونکہ اس زمانہ میں زبان کا مسئلہ بہت اہم ہوگیا ہے اور ہندی اردو کے جھگڑے کی وجہ سے دلوں میں صفائی نہیں رہی اس لئے ہر ایک سے انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی لہذا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ابھی سے آگاہ کردوں کہ مردم شماری کے وقت اس کی خاص احتیاط کی جائے اور اس امر کی نگرانی رکھی جائے کہ لکھنے والے نے زبان کے خانہ میں وہی لکھا ہے جو آپ نے بتایا تھا۔ کچھ اور تو نہیں لکھ دیا۔

یہ بھی یاد رہے کہ مردم شماری کے گوشواروں میں زبان کے دو خانے ہوتے ہیں ایک مادری زبان کا اور دوسرا دوسری زبان کا۔ اگر آپ کی مادری زبان اردو ہے تو اس خانہ میں اردو لکھوائی جائے اور اگر آپ کی زبان کچھ اور ہے لیکن آپ اُردو بھی جانتے ہیں تو دوسرے خانہ میں اُردو لکھوائیے اور دیکھ لیجئے کہ اردو لکھی ہے یا نہیں۔

اُردو اخباروں کے ایڈیٹروں سے درخواست ہے کہ وہ براہ کرم اس تحریر کو اپنے اخباروں میں شائع فرمائیں۔

زبانِ خلق

محترم ایڈیٹر صاحب رسالہ غنچہ لاہور لکھتے ہیں۔

انیس نسواں ایک ماہواری رسالہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم اور رہنمائی کے لئے دہلی سے شائع ہوتا ہے جس کے اڈیٹر ہندوستان کے مشہور ادیب شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا ہیں جو کسی زمانے میں اُردو کے اولین رسالہ مخزن کی ادارت میں سر شیخ عبدالقادر صاحب کا ہاتھ بٹاتے رہے ہیں اور دہلی کے رسالہ عصمت کے بانی ہیں۔ ان کی ادارت میں جو رسالہ نکلے گا اپنا جواب آپ ہوگا۔

زیر نظر پرچہ پندرہ کے قریب مفید اور سبق آموز مضامین نظم و نثر کا حامل ہے جن کے لکھنے والے زیادہ ہندوستان کے بہترین ادیب ہیں بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں نصف سے زیادہ مضامین صاحب علم مستورات کے لکھے ہوئے ہیں۔ سر شیخ عبدالقادر صاحب بالقابہ کا مضمون مذہب کی منڈی نہایت دلچسپ ہے اور کارآمد معلومات سے پُر ہے نظموں میں تندرستی کی تصویر نہایت دلپذیر چیز ہے باقی کے مضامین بھی اپنی اپنی جگہ صاحبانِ ذوق کے مطالعہ کے لائق ہیں جن سے تہذیب اخلاق اور تعلیم ادب کا مقصد بدرجہ اتم پورا ہوتا ہے ہم اس رسالہ کی ان اصحاب سے پرزور سفارش کرتے ہیں جو اپنی لڑکیوں کے دل و دماغ نورِ علم سے روشن کرنا چاہتے ہیں اور نیز ان کو مغربی اثرات سے بچانے کے متمنی ہیں۔

غنچہ مورخہ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء

پروفیسر مولوی حامد حسین صاحب قادری تحریر فرماتے ہیں۔

انیس نسواں کے کئی پرچے آئے اس کے معیار و صول اور ترتیب مضامین کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ہمت میں برکت دے۔ اس زمانے کی لڑکیوں اور

بی بیوں کو صحیح اسلامی مسلک اور قرآنی تعلیم کی بڑی ضرورت ہے۔ زمانہ کی رفتار اب خرام نازسے ترکتازسے بدل گئی ہے۔ مسلمان خواتین جن کو کل تک چار قدم چلنا دشوار تھا آج گھڑ دوڑ میں شامل ہونا چاہتی ہیں۔ خدا جانے کس غار و خندق میں گر پڑیں۔ بہر حال اسلام ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے ہدایت ہے۔ اس ترقی و آزادی کے لئے بھی ایک صراط مستقیم پیش کرتا ہے۔ اسی کو بتانا اور سمجھانا آپ کا اور آپ کے رسالہ کا مقصد ہونا چاہیئے۔ یہ کام بڑا نازک ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔

سرگذشت مسلم

ہمیں ہیں یاد وہ دن بھی کہ تھا سارا جہاں اپنا　　زمین و آسماں اپنا مکان و لامکاں اپنا
ہماری شان یہ تھی اور ہمارا مرتبہ یہ تھا　　کہ باقی ہے دلوں پر آجتک نقش نشاں اپنا
کبھی اسپین میں تہذیب کی بنیاد ڈالی تھی　　کبھی یورپ کے صحرا کو بنایا گلستاں اپنا
چلو چل کر دیار قرطبہ پر فاتحہ پڑھ لیں　　کہ باقی ہے اسی سے آجتک نام و نشاں اپنا
ہماری کوشش و فکر و تلاش و جستجو یہ ہے　　ہر اک منزل پہ دنیا کی گیا ہے کارواں اپنا
زمین ہند کو سینچا ہے اپنے خون سے ہم نے　　رہا ہے دامن جمنا پہ برسوں کارواں اپنا
جھکتے رہتے تھے مغروروں کے سر بہر عقیدت سے　　رہا محروم سجدہ اے فلک کب آستاں اپنا
کسی کی کامیابی منحصر ہے طاقت و زر پر　　ہمارے خلق ہی نے کر لیا سارا جہاں اپنا
ہماری آزمائش ہر زمانہ کرتا آیا ہے　　ہزاروں مرتبہ ہم دیکھ چکے ہیں امتحاں اپنا
ہمیں ہیں یاد وہ دن بھی کہ آزادی سے رہتے تھے　　چمن کی ڈالی ڈالی پر بنا تھا آشیاں اپنا
حوادث نے مگر کچھ ایسی کی تفریق کی بارش　　کہ جس سے ہوگیا برہم نظام گلستاں اپنا
خزاں سے آشنا خود ہو گئے ہم اپنی غفلت سے　　لئے پھرتے ہیں صحرا کے بگولے آشیاں اپنا
ہر اک ذرہ زمین ہند کا آنکھیں دکھاتا ہے　　نہ کوئی رازداں اپنا نہ کوئی مہرباں اپنا
مدد اے ہادیٔ امتؐ، کرم اے رحمتِ عالمؐ　　کہ منزل پر پہونچکر کھو گیا ہے کارواں اپنا
ترے شعروں میں اختر رنگ ہے اس عہد ماضی کا　　کہ جب ہندوستاں کے ہم تھے اور ہندوستاں اپنا

محفل انیس

شائستہ بانو اختر سہروردیہ کیمبرج انگلستان سے تحریر فرماتی ہیں۔

میں بہت ہی نادم ہوں کہ اتنے عرصہ سے کوئی مضمون اپنے عزیز رسالہ انیس نسواں کیلئے نہ لکھ سکی۔ لیکن یہ عرصہ کچھ ایسی پریشانی میں گذرا ہے کہ مطلق فرصت نہ ہوئی۔ میں نے کسی رسالہ کے لئے لڑائی شروع ہونے کے بعد کوئی مضمون نہیں لکھا سب سے پہلی فرصت میں انیس نسواں کے لئے دو مضمون لکھے ہیں جو آج کی ڈاک سے روانہ کرتی ہوں ایک تو "انگریز عورت کی گھریلو زندگی" ہے جو آپ نے مانگا تھا اور ایک کنواری لڑکیوں کے لئے ہے انشاء اللہ دسمبر کے لئے وقت پر پہنچ جائیں گے۔ مجھکو خود سخت افسوس ہے کہ دو مہینے سے میرے مضمون کا ناغہ رہا۔ میں آج کل کیمبرج میں ہوں۔ شائستہ بانو اختر ۱۴ نومبر ۱۹۳۹ء

اس میں شک نہیں کہ ہم کو اور انیس نسواں کے ناظرین و ناظرات کو آپ کے مضامین کا بیحد انتظار تھا بزم انیس سے آپ کی غیر حاضری بے طرح محسوس ہو رہی تھی۔ بہت سے خطوط آپ کی خاموشی کا سبب دریافت کرنے کے لئے ہمارے پاس آئے جنمیں سے ایک خط تو رسالہ میں شائع بھی کر دیا گیا۔ ہم آپ کے بیحد شکر گزار ہیں کہ آپ انیس نسواں میں غیر معمولی دلچسپی لے رہی ہیں اور اپنے قیمتی اور قابل قدر مضامین سے ہماری معاونت اور ہمت افزائی فرما رہی ہیں۔ ہم یہ گزارش کر دینا چاہتے ہیں کہ آپ کے مضامین کی اشاعت انیس نسواں کے لئے موجب افتخار و امتیاز ہے۔ ناظرات انیس بخوبی آگاہ ہیں کہ آپ انیس نسواں کی دلاویزیوں کے نئے اضافہ میں توجہ خاص سے کام لے رہی ہیں۔ دعا ہے کہ خدا آپ کو صحت فرصت اور جزائے خیر دے۔ آپ کے مضامین انشاء اللہ نئے سال کی جلد کی زینت کا باعث ہونگے۔ ایڈیٹر

(۲) آپ نے چند مرتبہ انوار قرآن کے طبع کرنے کا اعلان کیا تھا کیا ارادہ ملتوی ہو گیا۔ یہ تو نہایت عمدہ تجویز تھی۔ یہاں بہت سے مسلمان اور خاصکر نوجوان مسلمان اس چیز کا بیتابی سے انتظار کر رہے ہیں۔ بلند اختر از سانبھر لیک۔

انوار قرآن کے طبع کرنے کا انشاء اللہ مصمم ارادہ ہے اسی سلسلہ میں سورۃ النساء کے مطالب کتابی صورت میں عنقریب شائع ہونگے۔

(۳) جنگ یورپ پر مضمون پڑھا۔ نہایت ضروری مضمون تھا جس سے ہمکو جنگ کی تمام کارروائیوں کا حال مختصر طور پر معلوم ہو گیا۔ اگر چوہدری صاحب قبلہ ہر ماہ نہیں تو دوسرے تیسرے مہینے ہی ایسا مفید مضمون ارسال فرمایا کریں تو ہم خطۂ جہالت کی رہنے والیوں پر بڑا اکرم ہو (مسز جمال الدین)

(۴) انیس نسواں کی صحیح رہنمائی کا آپ کو علم نہیں ہو سکتا کہ کیا کام کر رہی ہے۔ خدا آپکو جزائے خیر دے۔ میری رائے میں تو انیس نسواں کی اشاعت مسلمان خواتین کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ہر ماہ ہمارے دلوں میں نور کی ایک شمع روشن ہو جاتی ہے۔ جہالت کی تاریکی ایسی ہی شمع سے کافور ہو سکتی ہے خدا واحد شاہد ہے کہ انیس نسواں جس وقت آتا ہے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور حاصل ہوتا ہے۔ میں بلا مبالغہ عرض کر رہی ہوں نسیمہ وحید از علیگڑھ

(۵) کیا میں آپکے رسالہ کے ذریعہ سے اپنی بیکسی و بے بسی کا کچھ حال عرض کر سکتی ہوں۔ ایک فلک زدہ

افسوس ہے کہ آپکے مضمون کے لئے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی۔ اگر آپ اختصار کو مدنظر رکھکر کچھ لکھیں گی تو ممکن ہے محفل انیس میں پیش کر سکیں مگر آپ کا بیان تصدیق طلب ہوگا۔ ایڈیٹر

(۶) نادار خواتین کے لئے اگر کوئی چندہ آپکے پاس آیا ہو تو میرے نام رسالہ جاری فرما کر داخل حسنات ہوں۔ ادلیا بیگم از کانپور

آپ کی درخواست کے علاوہ کئی ایک درخواستیں اور بھی آئی رکھی ہیں مگر ابھی تک مخیر خواتین نے ادھر توجہ نہیں فرمائی حالانکہ انیس نسواں کو بڑی بڑی متمول خواتین کے ملاحظہ کا شرف حاصل ہے۔ انیس نسواں کے حلقہ اشاعت کو وسعت دینا اسلام کی بہترین خدمت ہے۔ ایڈیٹر

اشارات

الحمدللہ کہ سال رواں کا آخری پرچہ آج شائع ہو رہا ہے۔ مفصل تبصرہ اور آئندہ کا پروگرام انشاء اللہ جنوری میں شائع ہوگا۔

رسالہ انیس نسواں کے اُن خریداروں کی غلط فہمی ہم دور کر دینا چاہتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اُنکا پتہ اگر کسی اتفاق سے تبدیل ہو جائے تو معاً ہم کو بھی اطلاع ہو جاتی ہے۔ دفتر میں اطلاع نہ دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے نام کا رسالہ اِدھر اُدھر مارا پھرتا ہے۔ اور ان کو نہیں ملتا۔ ہم یہ امر بالکل واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اُن کے نئے پتے کی اطلاع ہم کو صرف ایک ہی صورت میں ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی خریداری کے نمبر کے حوالہ سے اپنے نئے پتے کی اطلاع دفتر میں ارسال فرمانے کی تکلیف فرمایا کریں۔ اپنی ذراسی فروگذاشت کی وجہ سے دفتر کو موردِ شکایت نہ ٹھہرائیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ سورۃ النسا کے مطالب کی آخری قسط آج ختم ہوتی ہے۔ قبولیت عام نے جس نگاہ سے ہماری اس خدمت کو دیکھا ہے۔ اس کے لئے ہم شکر گزار ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ کی توفیق نے اس خدمت کی سعادت ہمارے نصیب میں رکھی تو ہم انشاء اللہ سال آیندہ کا آغاز سورۃ فاتحہ وسورۃ البقر کے مطالب کی وضاحت سے شروع کریں گے۔
السعی منی والاتمام من اللہ۔

سورۃ النسا کے مطالب جو شائع ہو چکے ہیں نظرثانی کے بعد پاکٹ ایڈیشن کی شکل میں

شائع کئے جائیں گے اور یہ بھی التزام ہوگا کہ سب امرو نواہی کا خلاصہ بھی الگ شائع کردیا جائے قیمت اخراجات کو مدنظر رکھکر بہت ہی کم مقرر کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ کسی کو گراں نہ گزرے۔

ایک سال کی خدمت کے بعد ہم اگر اپنے معاونین سے یہ توقع کریں تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ سال نو کا آغاز انیس نسواں کے لئے ایک ایک نیا خریدار بہم پہنچانے سے فرمائیں۔ آپ اپنا فرض ادا کیجئے ہم اپنی خدمات سے دریغ نہ کریں گے۔ انیس نسواں کی خدمات کو اگر آپ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہیں تو آپ کی قدردانی کے اظہار کی عملی صورت صرف یہی ہے کہ انیس نسواں کی اشاعت میں توسیع فرمائی جائے۔

بارہ مہینے کی لگاتار خدمت کے بعد آج یہ درخواست پیش کی گئی ہے۔ اب ہمیں اپنے معاونین کی توجہ کا انتظار ہے۔

سینما پر ٹرکی حکومت نے مفصلۂ ذیل پابندیاں عاید کی ہیں۔

(۱) تقلم دٹرکی میں کوئی ایسی فلم نہ دکھائی جاسکیگی جس سے ترکوں کی مذہبی سیاسی اجتماعی جذبات کو ٹھیس لگے۔

(۲) ٹرکی میں کوئی ایسی فلم سینما میں نہ آنے پائے گی جو مخرب اخلاق اور بیحیائی کے مناظر دکھائے۔

(۳) کوئی ایسی فلم نہیں دکھائی جاسکتی جس میں ارتکاب جرائم کی مختلف شکلیں دکھائی جائیں۔

(۴) کسی فلم پر ایسے مناظر نہیں آسکتے جن سے ترکی قوم کی ذلت و حقارت مقصود ہو۔

ہندوستان کے سینما میں بھی اگر یہی پابندیاں عاید کی جائیں تو سینما کی حالت بہت کچھ رو باصلاح ہوجائے۔ مگر یہ توقع کس سے کی جائے بسنٹرل اسمبلی ہی اگر توجہ کرے تو سب کچھ ہوسکتا ہے۔

"مسلمانو! تمہاری بیویاں تمہارے دامن میں اور تم انکی چولی ہو" (البقر)

ایڈیٹر۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا۔ جائنٹ ایڈیٹر۔ مسنز محمد اکرام

اللہ کی رحمت کا نور

اُن مسلمان گھروں میں برسنے لگتا ہے جہاں

رسالہ انیس نسواں

جاتا ہے اور کلام پاک کے مطالب کی تبلیغ کرتا ہے

یہ تبلیغ

ایسی سلیس زبان اور ایسے موثر پیرائے میں ہوتی ہے

کہ

دل میں قرآن مجید سمجھکر پڑھنے کا شوق اور

اس پر عمل کرنے کا ذوق پیدا ہوتا ہے

کوئی مسلمان گھر اس نعمت سے محروم نہیں رہنا چاہئے

شوال المکرم ۱۳۵۴ھ

انیس نسواں

مذہبی اور معاشرتی مضامین کا دلاویز مخزن

جو دہلی سے ماہوار شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک پانچ روپے ۵ فی پرچہ ۸؎ ششماہی تین روپے

جلد ۲ | نمبر ۵

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدۃ النساء کے مطالب

مسلمانو! اگر تم اللہ کی شکر گزاری کیا کرو اور اس پر ایمان رکھو تو اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ تم پر اپنا عذاب نازل کرے۔ اللہ تو اپنے بندوں کی شکر گزاریوں سے خوش ہوتا ہے اور سب کے حال سے خوب واقف ہے۔

خدا کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی کسی کی برائی پکارتا پھرے۔ البتہ جس کو کوئی دکھ پہونچا ہو تو وہ اگر اس دکھ کی وجہ سے چلا اٹھے تو معذور ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے تم کسی کے ساتھ بھلائی ظاہر طور پر کرو یا چھپا کر کرو یا تمہارے ساتھ کوئی برائی کرے تو تم معاف کر دو ہر حال میں تمہارے لئے نیکی کا اجر ہے۔ تم جانتے ہو کہ گو اللہ کو ہر طرح کی قدرت ہے مگر وہ پھر معاف کرنے والا ہے۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی ہو جائے اور کہتے ہیں کہ ہم ان میں سے بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی تیسری راہ اختیار کریں تو ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں۔ ایسے منکروں کے لئے ہم نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں سمجھا۔ تو بلا شبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ جن کو اللہ آخرت میں نیک اجر عطا فرمائے گا۔ اللہ بیشک بخشنے والا رحمت کرنے والا ہے۔ اے پیغمبر! اہل کتاب یعنی یہودی تم سے یہ بیہودہ درخواست کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی کتاب ان پر نازل کرا دو۔ تاکہ انہیں تصدیق ہو جائے کہ تم خدا کے نبی ہو تو یہ درخواست انہوں نے تم ہی سے نہیں کی یہ لوگ اس سے بھی بڑی بات کی درخواست

موسیٰؑ سے کر چکے ہیں۔ ان کے بزرگوں نے سینا کے میدان میں کہا تھا کہ ہمیں خدا کو ظاہر کر کے دکھاؤ۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ خدا تم سے کلام کر رہا ہے۔ تو ان کی شرارت کی وجہ سے بجلی نے اُن کو آن دبوچا[1]۔ اس پر بھی وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے۔ جو شخص اپنے مرنے سے پہلے خدا کی وحدانیت کی حقیقت حال پر مطلع نہ ہو جائے اور اس پر یعنی مسیح کی صداقت پر ضرور ہی یقین نہ لے آئے قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور ان پر شہادت دینے والا ہوگا۔

الغرض یہودیوں کے انہی ظلم کی وجہ سے ہم نے کئی ایک اچھی چیزیں ان پر حرام کر دیں جو ان کے لئے پہلے حلال تھیں۔ اور نیز اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے اور ہدایت کی راہ میں روڑا اٹکاتے تھے۔ نیز ان کی یہ بات کہ سُود لینے لگے تھے۔ حالانکہ اس سے ان کو روک دیا گیا تھا اور چونکہ لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھانے لگے تھے۔ حالانکہ ان کو راستی اور دیانت برتنے کا حکم دیا گیا تھا

یاد رکھو کہ ان میں سے جو لوگ احکام حق سے منکر ہو گئے تو ہم نے اس کے بدلے میں دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لیکن اے پیغمبر ان میں سے جو لوگ کتاب اللہ کے علم میں ثابت قدم ہیں تو وہ اور مسلمان ان گمراہوں سے اپنی راہ الگ رکھتے ہیں اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی ہے۔ اور ان تمام کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ اور جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں ہم عنقریب ان کا اجر عطا فرمائیں گے ایسا اجر جو بہت ہی بڑا اجر ہے۔

---

[1] یہ لوگ مر گئے تھے مگر حضرت موسیٰؑ کی دعا سے پھر زندہ ہو گئے۔

کہا اقبال نے شیخ حرم سے — تہ محراب مسجد سو گیا کون
ندا مسجد کی دیواروں سے آئی — فرنگی تبکدے میں کھو گیا کون

اسلامی معاشرت کے امتیازات

(۲)

اسلامی معاشرت اس قدر مکمل اور جامع ہے کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ ہم کو تعجب تو اس بات پر ہے کہ خود مسلمان اس سے متنفر ہیں۔ جو معاشرت کبھی مسلمانوں کے لئے مایۂ ناز تھی آج مسلمان اب حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

انیس نسواں کی ناظرات اور ناظرین نے اگر اس مضمون کے پہلے حصہ کو غور سے پڑھا ہوگا تو ان کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ لطف و احسان کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ رشتہ دار ہمسایوں یتیموں، مسافروں عزیزوں کے علاوہ ان ہمسایوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم ہے جو اجنبی ہوں یا غیر مذہب کے ہوں۔ پاس کے اٹھنے بیٹھنے والوں اور ہم سفروں کے ساتھ بھی مہربانی کرنے کا حکم ہے۔ یہ تو قرآن کی تعلیم تھی۔ اب ہمارے ہادی برحقؐ کے ارشادات جو قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ "اگر کوئی ہمسایہ تم سے مدد کی درخواست کرے تو اسے مدد دو۔ قرض مانگے تو قرض دو۔ محتاج ہو تو اس کے ساتھ سلوک کرو۔ وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔ خوشی کا موقع ہو تو مبارکباد دو۔ غم کا موقع ہو تو اس کی غمگساری کرو۔ اپنے گھر کی دیوار اتنی نہ اٹھاؤ کہ اس سے اس کے گھر کی ہوا رکے۔ نئے پھل خرید کر گھر میں لاؤ تو اس کے ہاں بھی بھیجو۔

جس معاشرت میں یہ شان امتیاز ہو کیا وہ دنیا کی تمام معاشرتوں سے ممتاز سمجھی جانے کی مستحق ہے یا نہیں۔ رنجدہ بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس تعلیم کو بھلا رکھا ہے بھلانا کیسا ان کو تو علم ہی نہیں کہ اسلام نے غیروں کو بھی اپنا بنا لینے کے کیسے کیسے عمدہ گر بتا دئیے ہیں۔ اگر ہر محلے میں ہم اپنے ہمسایوں سے اسی طرح نیک سلوک کے ساتھ پیش آئیں جس کا حکم ہم کو ہمارا پروردگار اور اس کا رسولؐ

دیتا ہے تو یقین کرنا چاہیئے کہ نہ صرف ہمارے ہمسائے ہی ہماری حسن معاشرت کے گرویدہ ہو جائیں گے بلکہ غیر مذہب کے لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اسلام کی یہ خاموش تبلیغ جو مسلمان خود زندہ نمونہ بن کر دکھا سکتے ہیں وہ دوسری سب تبلیغوں سے زیادہ موثر اور کارگر ثابت ہوگی۔

ہمارے واعظین بھی کبھی اپنے وعظ میں اسلامی معاشرت کی خوبیاں بیان نہیں کرتے تاکہ مسلمانوں کو علم تو ہو کہ اسلامی معاشرت کے امتیازات کیا ہیں۔ اسلام صرف نماز روزے کا نام نہیں۔ خدا کے ہر حکم کو ماننے کا نام اسلام ہے اللہ کے ہر ارشاد کی تعمیل اس کی عبادت ہے۔ مائیں ہی اگر اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم گھٹی میں نہ پلائیں گی تو اسلام کا شجر کیونکر سرسبز رہ سکتا ہے بچوں کی تربیت میں ماؤں کی لاپرواہی اسلام کے زوال کا ایک سبب ہے مگر مائیں کیا کریں وہ خود اسلامی تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

کیا یہ افسوس ناک امر نہیں ہے کہ غیر مذاہب کے لوگوں پر اسلامی معاشرت کی خوبیاں ظاہر کرنے کی بجائے اسلام کے نام لیواؤں ہی کو یہ بتانے کی ضرورت ہو کہ اُن کی معاشرت کے کیا امتیازات ہیں اور اسلام نے زندگی کی ہر کٹھن منزل کو کیونکر آسان کر دیا ہے اور اسلام نے معاشرتی اور تمدنی اصول کیا مقرر کئے ہیں۔ جن سے زندگی میں دلچسپی اور خوشگواری پیدا ہو۔ جو باتیں مسلمانوں کے لئے مایۂ ناز ہونی چاہئیں تھیں ان کا اب سننا بھی ان کو ناگوار ہے۔ اسی لئے ہم بار بار ان کو متوجہ کرتے رہتے ہیں کہ وہ قرآن کے مطالب کو سمجھنے کی کوشش کریں جبتک قرآن پر ہمارا عمل نہیں ہوگا ہم قطعاً کوئی ترقی نہیں کر سکتے۔ ہم تنزل کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ جب تک از سر نو ہم قرآن کی بنیاد پر مذہبی معاشرت کی نئی عمارت تعمیر نہ کریں گے ہم دوسری قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مسلمان خواتین ہی اگر توجہ کریں گی تو اُن کے گھروں کی اصلاح ممکن ہے۔ ورنہ مردوں سے ہمیں کوئی توقع نہیں۔ خواجہ حالی مرحوم نے آج سے تیس چالیس برس پہلے ذیل کا شعر لکھ کر مردوں سے قطعی مایوسی کا اظہار کیا تھا۔

مردوں میں ست والے جو تھے ست اپنا بیٹھے کب کا کھو　　　دنیا میں اے ستونتیو لے دے کے ست اب تم سے ہو

انیس نسواں کے اجراء کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلم خواتین کے ذریعہ سے مسلمان گھروں کی اصلاح ہو۔ مسلم خواتین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اُن کے محسن اعظم نے ہمسایوں کے بارے میں یہاں تک فرمادیا ہے کہ "اپنے پڑوسی کو ستانا میرے ستانے کے برابر ہے۔ جو شخص خود اپنا پیٹ بھر کر سویا اور اُسکا پڑوسی بھوکا رہا وہ گویا مجھ پر ایمان نہیں لایا۔ جب تک کوئی مسلمان اپنے پڑوسی کے لئے بھی وہ بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ مسلمان نہیں ہے۔"

اسلام میں ہمسائے کا پاس کا اتنا احترام مدنظر ہے کہ دنیا کا کوئی دوسرا مذہب پیش نہیں کرسکتا۔ اگر مسلمان اپنے اپنے محلہ میں یہ تعلقات معاشری پیدا کرلیں تو پھر دیکھیں کہ اُن کی حسن معاشرت کا اثر نہ صرف ہمسایوں پر بلکہ غیر مذاہب کے لوگوں پر بھی کیا ہوتا ہے۔ اسلام کی اس قسم کی یہ خاموش تبلیغ دوسری تمام تبلیغوں سے زیادہ موثر اور کارگر ثابت ہوگی۔ کتابی تعلیم اور کتابی تبلیغ وہ اثر نہیں رکھتی جو زندہ مثالیں اور عملی نمونے کرتے ہیں اگر مسلمان اچھے انسان اچھے پڑوسی بن کر بھی اپنا نمونہ دکھائیں تو اسلامی معاشرت کی عظمت اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

پہلی صدی ہجری میں اسلام کو جو ترقی و عروج نصیب ہوا تھا زیادہ تر اسلامی معاشرت کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس زمانہ کے لوگ جو اسلام نہیں لائے تھے۔ جب مسلمانوں کی شاندار معاشرت کے زندہ نمونے دیکھتے تھے تو اپنے مذہب کے آئین سے نفرت کرنے لگتے تھے اور رفتہ رفتہ وہی لوگ اسلام کے حلقے میں داخل ہوجاتے تھے۔ مسلمانوں کے تنزل کے یہی اسباب ہیں کہ انہوں نے اپنی دینی تعلیمات مذہبی ہدایات اور اسلامی شعار کو بالائے طاق رکھدیا۔ اب جب تک مسلمان اپنے کیریکٹر کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالیں گے اور قرآنی تعلیم کو شمع ہدایت نہ بنائیں گے اس رسوائی اور ذلت کے بھنور سے نہ نکل سکیں گے۔

محمد اکرام

تقدیر ہے اک نام مکافاتِ عمل کا ۔۔۔ دیتے ہیں یہ پیغام خدایانِ ہمالہ
سرما کی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اسکا ۔۔۔ دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دوشالہ
امید نہ رکھ دولت دنیا سے وفا کی ۔۔۔ رم اس کی طبیعت میں ہے مانند غزالہ

عید الفطر

(علامہ ڈاکٹر سید نجم الدین احمد جعفری بیرسٹرایٹ لا)

دنیا میں سیر و تفریح روز اوّل سے ہی زندگی کا جزو لاینفک سمجھی گئی ہے۔ ہر زمانہ۔ ہر ملک ہر مذہب۔ ہر ملت اور ہر سوسائٹی نے اس کی حوصلہ افزائی کی حقیقت تو یہ ہے کہ جتنا ہی سوسائٹی کا معیار بلند ہوتا ہے اور تمدن عروج پر ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ سیر و تفریح کے سامان نوع بہ نوع پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور عوام الناس کو اس کے لئے نئی نئی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں بابل اور مصر میں طرح طرح کے میلے ہوا کرتے تھے رنگ رلیاں منائی جاتی تھیں اور چہل پہل رہتی تھی۔ ہندوستان اپنے جلسے جلوس اور جشن کے لئے مشہور ہے اور یہاں آئے دن میلے ہوتے رہتے ہیں روم اور یونان لطف اندوزی کا معدن سمجھا جاتا ہے اور یہ ممالک بہت سے تفریحی طریقوں مثلاً تھیٹر اور اولمپک کھیل کے موجد سمجھے جاتے ہیں۔

مذہبی اور سماجی تیوہاروں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اول الذکر میں روحانیت اور خیر و خیرات کا عنصر اور موخر الذکر میں لہو و لعب کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

ہر مذہب میں خاص خاص دن تفریح اور خوشی کے مقرر ہیں اسی طرح ہر ملک اور سماج نے بھی ایک نظام اس کا قائم کر دیا ہے۔ عیسائی مذہب نے سال میں دو دن مسرت کے لئے مخصوص کئے ہیں۔ کرسمس اور ایسٹر۔ ہندوؤں کے بھی دو خاص تیوہار ہیں ایک دسہرہ اور دوسرے دیوالی۔ عربوں میں بھی قبل اسلام دو خاص تیوہار تھے۔ اسلام نے ان تیوہاروں کو تو قائم نہیں رکھا۔ لیکن اپنے دو تیوہار رائج کر دئے۔ ایک کا نام عید الفطر اور دوسرے کا نام عید الضحیٰ ہے۔ ہم اس وقت صرف عید الفطر کا ذکر کرتے ہیں۔

یہ تیوہار ہر سال ایک ماہ کے روزے کے بعد آتا ہے۔ روزہ کا زمانہ بڑے امتحان کا

زمانہ ہے۔ اور نفس کشی کا بہترین ذریعہ اور بہترین ثبوت ہے۔ اس لئے روزہ کے بعد یہ دن جو انبساط ظاہر کرتا ہے اس کو وہی بیان کر سکتے ہیں جن کے ایک ماہ کے روزے تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس عید کا نام عید الفطر اس لئے ہے کہ اس دن سے پھر گیارہ مہینے افطار کے ہو جاتے ہیں۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ اس دن سب سے پہلا کام مسلمانوں کا یہ ہے کہ وہ فطرہ یعنی خیرات دیں۔ ہر خیرات کا مقصد کون نہیں جانتا۔ لیکن اس خیرات کے دو خاص مقاصد ہیں۔ ایک تو روزے کے انجام کا شکریہ۔ دوسرے قرآن پاک کے نازل ہونے پر امتنان جس کا آغاز لیلۃ القدر سے ہوا۔

خیرات کے علاوہ سب سے بڑا مذہبی عنصر نماز و دعا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ نماز صرف باجماعت ہی پڑھی جا سکتی ہے اور اس کا کھلے ہوئے میدان میں پڑھنا افضل ہے اس نماز کی خصوصی حیثیت اسلام کے بنیادی اصول اجتماعیت کی بہترین مثال ہے۔ مذاہب سے واقفیت رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ اسلام انسان کا تخیل صرف اجتماعی حیثیت سے کرتا ہے وہ انفرادیت کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور رہبانیت سے اس کو نفرت دلاتا ہے۔ جب اسلام توحید پر زور دیتا ہے تو اسی کے ساتھ اتحاد انسانیت کا علم بلند کرتا ہے۔ "اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللہِ" اور "افضل الناس من ینفع الناس"[۱] کہکر سارے عالم انسانیت کو ایک مرکز پر لاتا ہے۔

ہماری نماز میں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقہ کا کوئی فرق نہیں۔ ہر شخص ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے اور پڑھتا ہے۔ اسی طرح عید میں ملنا جلنا۔ مصافحہ و معانقہ جو ہمارے تمدن کا جزو ہے اس میں بھی کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھا گیا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی معاشرت میں طبقات کا امتیاز رکھا ہی نہیں گیا۔ اقبال نے خوب کہا ہے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری درگاہ میں پہنچے تو سب ہی ایک ہوئے

---

[۱] تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے[۲] سب سے بہتر انسان وہ ہے جو بنی نوع انسان کو نفع پہنچائے۔

عید مبارک و سلامت کے طریقے مختلف ممالک میں الگ الگ ہیں ہندوستان میں اور فی الحقیقت تمام اسلامی ممالک میں تہنیت کا آغاز نماز کے بعد سے ہوتا ہے اور فوراً نماز و دعا سے فارغ ہونے کے بعد ہی معانقہ و مصافحہ شروع ہو جاتا ہے۔ مصافحہ کا طریقہ تو عرب سے لیا گیا ہے مگر معانقہ ہندوؤں کی نقل ہے۔ بعض جگہ عورتیں بھی نماز کے لئے جاتی ہیں۔ مثلاً الہ آباد میں عام طور پر مساجد میں عورتیں نماز پڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے لئے خاص انتظام ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر وہ اپنے گھروں ہی میں پڑی رہتی ہیں۔

نماز سے لوٹتے وقت عام طور پر لوگ اپنے بچوں کے لئے کچھ کھلونے اور مٹھائیاں خریدتے ہیں اور گھر پہونچ کر بچوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی بہت عام ہے کہ لوگ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے پاس ملاقات کے لئے جاتے ہیں۔ قدامت پسند عورتوں میں یہ دستور نہیں ہے لیکن جدید خیال کی عورتوں میں مردوں کی طرح اپنے دوستوں سے عید ملنے کا رواج ہوتا جاتا ہے پرانی بیویوں کی تو عید صرف اتنی ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کو عمدہ کپڑے پہنا کر عیدگاہ یا مسجد بھیجدیتی ہیں اور خود عید کے لئے جو لباس تیار کرتی ہیں اس میں اپنے رفیق حیات کے سامنے آ جاتی ہیں۔ ہندو تمدن کی تقلید میں اُنہوں نے اپنے کو ایسا مقفل کر رکھا ہے کہ دنیا و مافیہا اور عیش و طرب سے وہ اتنے ہی بے خبر ہیں جتنا کہ ایک سنیاسی فقیر اپنے حجرہ میں بیٹھکر رام رام کہتا ہوا اپنی زندگی بسر کرتا ہے وہ خدا سے اور اپنی خلقت کے مقصد سے بے خبر ہیں۔ جابجا عید کے موقع پر میلے بھی ہوتے ہیں اور کہیں کہیں چا کی پارٹیاں اور ڈنر پارٹیاں جسمیں ہر ملت و مذہب کے لوگ شریک کئے جاتے ہیں ہوتی ہیں۔ اگر یہ طریقہ عام ہو جائے اور مکانوں پر ملاقات کے لئے جانا بند ہو جائے تو بہت مناسب ہو گا۔ کیونکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ گھروں پر ملاقات کیلئے جانا کامیاب نہیں ہوتا ایک صاحب دوسرے سے ملنے آتے ہیں اور وہ دوسرے تیسرے سے ملنے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح سب کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ تیسرا طریقہ عید کارڈ بھیجنے کا ہے۔ یہ عیسائیوں سے لیا گیا ہے جن میں سلطنت روما کے وقت سے کرسمس کے موقع پر کارڈ بھیجنے کا رواج

جاری ہے یہ طریقہ نہایت پسندیدہ ہے اور خذ ما صفا و دع ما کدر کے اصول پر اس کو
عام طور پر مسلمانوں میں جاری کرنے میں کوئی ہرج نہیں بلکہ میری تو یہ رائے ہے کہ عید کارڈ
کے طریقہ کو اور بھی وسیع کرنا چاہیئے۔ یعنی مسلمان ہندو اور عیسائی سب اپنے اپنے تیوہاروں
میں صرف اپنے ہی ملت کے لوگوں کو کارڈ نہ بھیجیں بلکہ دوسری ملت والوں کو بھی بھیجا
کریں تاکہ یہ طریقہ خلق اللہ میں اتحاد کا ذریعہ بنے۔ اب جبکہ دنیا اتنی پھیل گئی ہے اور آمد و
رفت کے ذرائع وسیع ہو جانے سے لوگ کاروبار کے سلسلے سے دور دور تک جاتے رہتے
ہیں تو عید کے دن کی یاد کے لئے اس سے بہتر صورت نہیں ہے کہ انہیں عید کارڈ بھیجے
جائیں۔ عیدی کا طریقہ بہت زمانہ سے ہندوستان میں جاری ہے۔ سچ پوچھو تو یہ
ہندوؤں سے لیا گیا ہے۔ ہندوؤں میں گرو پوجا جاری تھی۔ گرو پوجا کے وقت گرو کو انعام ملتے تھے
مسلمانوں نے اسے بدل کر عیدی کی شکل دیدی جو خود استاد شاگردوں کو دیتا ہے اور اس کے
عوض میں ان کے والدین سے انعامات حاصل کرتا ہے۔ عیدی میں اچھے اچھے قطعہ اور نظمیں
خوبصورت کاغذ پر لکھی جاتی ہیں۔

مٹھائی کا استعمال عید کے دن کی خصوصیات میں سے ہے نبی کریمؐ عید کے
دن سب سے پہلے کھجور کھایا کرتے تھے۔ عرب میں اب بھی کھجور۔ حلوے۔ اور لوز کا رواج ہے۔
مگر ہندوستان کے مسلمانوں میں اس دن کا خاص کھانا سوئیاں سمجھا جاتا ہے۔ اس کا رواج
مسلمانوں میں ہندوؤں سے آیا۔ ہندو سلّو نو کے تیوہار میں سوئیاں کھاتے ہیں۔ مسلمانوں میں
سوئیوں کا رواج اتنا عام ہے کہ غریب و امیر سب ہی عید کے دن سوئیاں پکاتا ہے۔ اسے کھا کر نماز
کو جاتا ہے اور جو دوست واحباب ملنے آتے ہیں انہیں بھی سوئیاں کھلاتا ہے۔ عید کے دن ہر مسلمان
کا فرض ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق اچھے صاف اور ستھرے کپڑے پہنے اور اس طرح ملے جلے اور
رہے سہے کہ خوشی و خرمی کی ایک فضا تیار ہو جائے۔ اس دن کے لئے ایسے کھیل اور تفریح کے
سامان جس سے اجتماعیت اور انبساط پیدا ہوں پسندیدہ سمجھے گئے ہیں لیکن بعض مسلمان جو

قدرت کی صناعیوں اور ظاہری نظام پر نظر ڈالنا نہیں چاہتے۔ وہ ان سب سے الگ تھلگ ہو کر یہ کہتے ہیں کہ۔

لیس العید لمن لبس الجدید — بل العید لمن خاف وعید
لیس العید لمن رکب المطایا — بل العید لمن ترک الخطایا

عید کا دن میل جول کا ایک خاص دن ہے یہ دن آتے ہی غم کا تخیل مٹ جاتا ہے اور کدورتیں رفع ہو جاتی ہیں اگر عید کا صحیح تخیل ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے تو ہماری تمام فرقہ وارانہ روش ختم ہو جائے۔ بچھڑے بھٹکے بھائی ایک ہو جائیں اور ایک ایسی فضا پیدا ہو جائے کہ محبت کی عطر بیزیوں سے تمام فضا معطر ہو جائے۔ انفرادیت کا خاتمہ ہو جائے اور اجتماعیت کی حقیقت ہم پر وا ہو جائے اقبال نے خوب کہا ہے۔

فرد باقی ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

مرد مومن!

کھل جاتی ہیں اک آن میں مومن کی نظر سے — تدبیر کی گتھی ہو کہ تقدیر کی پیچاک
ہر سانس کی آواز ہے اک نعرۂ تکبیر — تلوار کا جوہر ہے مسلمان کا ادراک
اس آگ کے شعلے دل مسلم میں ہیں غلطاں — وہ آگ جو بجلی بھی ہے اور شبنم نمناک
لاتا نہیں خاطر میں یہ طوفان کی شورش — اللہ نے بخشی ہے اسے جرأت بیباک
مسلم کی ترقی میں ہے فطرت کا توازن — برسات میں جیسے کوئی دانہ ہو تہہ خاک
یہ چاہے تو ذروں کو ستاروں سے ملا دے — اک کھیل ہے مومن کے لئے گردش افلاک
مومن کی فقط جوہر فطرت پہ نظر ہے — رنگینیٔ لالہ ہو کہ بے رنگیٔ خاشاک
اس حال میں بھی قیصر و کسریٰ پہ ہے بھاری — ٹوٹی ہوئی تلوار، پریشان قبا چاک
کونین پہ ہے مرد مسلماں کی حکومت — ہے بندۂ اللہ، غلام شہ لولاک

[illegible]

صدائے اختر

(از سیدہ سردار بیگم صاحبہ اختر حیدرآبادی)

جمالِ عہدِ رسالت کو پھر عیاں کر دے　　پھر اپنے شعلۂ ماضی کو ضوفشاں کر دے

مکاں کی قید اٹھا تو زماں پہ بھی چھا جا　　جو تو جواں ہی تو ہر چیز کو جواں کر دے

گذر جہانِ صداقت سے تیر کی صورت　　مقامِ عجز پہ خود کو مگر کماں کر دے

ہے دردِ غفلت قومی کا صرف ایک علاج　　کہ تازہ ذہن میں تو یادِ رفتگاں کر دے

کمال جب ہے کہ افرادِ قوم ہوں بیدار　　مزہ ہی جب انہی کانٹوں کو گلستاں کر دے

جنون سے ہے عبارت کمالِ ہوش و خرد　　وہ کیا جنون جو دامن کو دھجیاں کر دے

وہ داستاں کہ جو سن لی ہے گوشِ ماضی نے　　ہر ایک لفظ کو تو اس کے داستاں کر دے

کمال بوذر و سلماں و خالد و ضرار　　حجابِ حال اُٹھا پھر اسے عیاں کر دے

ہر ایک رہبر منزل کو راہِ شوق دکھا　　ہر ایک خضر کو پھر نقشِ رہ رواں کر دے

زمانہ گوش بر آواز ہے۔ تری خاطر　　خدا کے واسطے پھر شرحِ داستاں کر دے

تلاشِ گوہرِ مقصود خاکِ رفتہ میں کر　　تمامِ دولتِ حاضر کو رائیگاں کر دے

نفس نفس کو عطا کر تجلیِ مشرق　　نظر کو جلوۂ مغرب سے بدگماں کر دے

غلامِ احمدِ مرسل! تو مردِ مومن ہے　　توہمات کے دامن کی دھجیاں کر دے

اُٹھا وہ پائے طلب عرصہ گاہِ ہستی میں
جو تجھکو مستحقِ میرِ کارواں کر دے

مسلم خواتین کا نصب العین

جناب مولوی ابو القاسم فضل الحق صاحب وزیر اعظم بنگال کی صاحبزادی محترمہ جہاں آرا بیگم عرف رئیسی بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں کہ رسالہ انیس نسواں دیکھکر میں اس قدر خوش ہوئی کہ میرے دل میں بہت سے پُر جوش خیالات موجزن ہوگئے اور بہت سے ولولے انگیز امنگیں تازہ ہوگئیں۔ مگر افسوس ہے کہ میں فی الحال اپنی علالت کی وجہ سے ایسے بیش بہا رسالہ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتی۔ مگر میں اپنی بہنوں سے یہ عرض کروں گی کہ انیس نسواں کو بہت غنیمت سمجھیں اور اس کی قدر کریں۔

گذشتہ جولائی میں میرے والد ماجد صاحب قبلہ نے کلکتہ میں ایک زنانہ کالج کھولا ہے جس کی رسم افتتاح کی تقریب پر بہت سی خواتین جمع تھیں۔ اس موقع پر میں نے ایک تقریر کی تھی جو میں آپ کے پاس بھیجتی ہوں۔ رئیسی بیگم

ہم محترمہ رئیسی بیگم صاحبہ کے ممنون ہیں کہ انہوں نے انیس نسواں کو پسند فرما کر ایسے حوصلہ افزا الفاظ سے ہماری ہمت افزائی فرمائی۔ اس تقریر کو ہم بہت خوشی سے درج رسالہ کرتے ہیں امید کہ ناظرات انیس نسواں اس مفید اور بصیرت افروز تقریر کو دلچسپی سے پڑھیں گی۔ ایڈیٹر

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

میری محترم دختران اسلام اور مادر ہند کی وفا شعار بی بیو! اوّل اپنی ایک ناچیز فرد کا سلام قبول فرمایئے۔ اس کے بعد آج اس عظیم الشان موقعہ پر جبکہ آپ کے صوبہ میں سب سے پہلی مرتبہ مسلمان عورتوں کے پردہ کالج کا افتتاحیہ جلسہ بصورت میلاد مبارک رسول اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم منعقد ہے

میں بھی اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں اگرچہ آج کے دن بڑے عظیم المرتبہ موقع پر میری طرح ایک مشتِ خاک کا زبان کھولنا نقارخانہ میں طوطی کی آواز سے بھی زیادہ کمزور اور بے حقیقت ہے لیکن محترم خواتین! آپ کی عقل و فہم تو کمزور نہیں۔ آپ کا دماغ۔ آپ کا ذہن تو ہرگز ایسا نہیں کہ کسی معمولی سی سیدھی اور سچی بات کو بھی قبول نہ کر سکے؟ میری پیاری بہنو! آپ کا دل تو اتنا سخت نہیں کہ آپ مجھ سی ناچیز شکستہ دل مجبور معذور کی طرف سے بالکل بے پروائی اور بے التفاتی برتیں! مجھے کل رات کو جبکہ اپنے والد ماجد قبلہ سے اس افتتاحی مجلس کی خبر ملی تو میری نظر میں اچانک ایک بجلی سی چمک گئی اور خدا ہی کو معلوم ہے کہ مجھے کس طرح معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر اس اتنی بڑی، عظیم الشان نعمت غیر مترقبہ کو ہماری مسلمان خواتین کس انداز سے قبول کریں گی اور اس کا کیسا نتیجہ اوراقِ زمانہ میں نظر آئے گا اور آخر اس کا پایہ کہاں تک پہنچیگا۔ مجھے اس وقت اپنی کم علمی اپنی بے مائگی اور سب سے بڑی حسرت اپنی صحت کی خرابی پر ہوئی کہ اللہ اکبر! سب لوگ اتنے بڑے معرکہ میں مصروف ہیں اور میں انہی کی طرح ایک انسان ہو کر بھی سب سے الگ غیروں کی طرح بیٹھی تماشہ دیکھوں۔ مانا کہ میں کچھ نہیں لیکن ضرورتیں تو بہت کچھ ہیں لہٰذا جو کچھ بھی مجھ سے ہوسکے کر گزروں قبول کرنا نہ کرنا دوسروں کا کام ہے۔ مجھے اس سے کیا مطلب! اور چونکہ صرف چند گھنٹوں کی مہلت تھی مجھے یہ بھی سخت تکلیف دہ خیال پیدا ہوا کہ دنیا کی جو حالت ہے کہ دوسروں کی سر توڑ محنتوں پر خاک ڈالنے اور بڑے بڑوں کی محنتوں کو ٹھکرا دینے میں بھی کبھی کسی کو ذرا بھی توقف یا تکلف نہیں ہوتا تو بھلا میں کس شمار و قطار میں ہوں مگر خیر پھر مجھے یہ خیال آیا کہ اگر میں ان ہی خیالات کو دلمیں جگہ دوں تو دنیا میں کبھی کوئی دو قدم بھی بڑھ نہ سکے۔ کیا عجب ہے کہ پردۂ غیب سے کیا اظہار ہو اور کس بات کا کیا انجام ہو۔ ممکن ہے کہ ایک چھوٹی سی بے حقیقت چیز ترقی کرتے کرتے کسی وقت ایک عظیم الشان مرتبہ پر پہنچ جائے۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی اچھی بات کو نیک دل و عالی خیال طبیعتیں قبول کر کے اس کا کوئی بہت ہی اچھا نتیجہ پیدا کرسکیں؟ بہرحال اس ساری تمہید اور تفصیل سے میں آپ کے یہ گوش گذار کرنا چاہتی ہوں کہ اس موقعہ کو آپ کوئی معمولی موقعہ نہ سمجھیں اور آج کے

بنیادی دن میں اپنے مستقبل کی ایسی بنیاد رکھیں کہ جو آپ کی ہر طرح کی فلاح و ترقی کا سبب ہو دیکھئے جناب قبلہ و کعبہ بانئ کالج نے آپ کی خاطر کتنی بڑی سخت و سنگین محنتوں اور حوصلہ فرسا کوششوں کے بعد شاید پہلی مرتبہ مسلمان عورتوں کے لئے ایک دارالعلوم کو عالم وجود میں لا کر آپ کی ہر طرح دستگیری کی۔ مگر یاد رکھئے کہ صرف اُنکے ہی کرنے سے سارے عمر کوئی کام نہیں ہو سکتا ہے آپ کا جو کام ہے آپ بھی کیجئے۔ پھر آپ کے بعد آپ کی نسلیں ہوں گی۔ آپ کی قوم ہو گی۔ لیکن آپ کے آج کے ارادہ اور نیت اور فیصلہ پر ہمیشہ ہمیشہ ہر بات کا انحصار ہو گا اور آپ کے مستقبل کی ساری ترقی و تنزل کا دارومدار ہو گا۔ آپ اگر شروع ہی سے اس کا فیصلہ کریں کہ آپ کا نصب العین کیا ہو گا تو یقیناً آپ کا ہر کام اس کے مطابق ہو سکیگا آپلوگوں نے ضرور اتبک کچھ ارادہ یا فیصلہ کیا ہو گا یا کر لیں گی۔ لیکن میں بھی چونکہ آپ کے مذہب اور قوم کی ایک فرد ہوں لہذا میں آپ کو آپ کا نقطۂ نظر اپنے اور آپ کے مذہب اور قوم کے مطابق دکھا کر یاد دلانا چاہتی ہوں کہ اگر آپ کو اپنا مذہب پیارا ہے اپنا خدا پیارا ہے اپنا رسولؐ پیارا ہے قیامت کے روز خدا اور رسولؐ کی جوابدہی اور شفاعت پر ایمان مضبوط ہے تو یاد رکھئے کہ اس کالج کو جس کے بانی ایک مسلمان مجاہد حق ہیں اور جس کی طلبہ عموماً مسلمان ہی ہوں گی لہذا اُن کا ہر کام اپنے خدا اور رسول قوم و ملت کے لحاظ سے ہونا چاہیئے۔ آپ نے اتبک شاید احکام دین کے مطابق پوری طرح عمل نہیں کیا ہے اور اس بارے میں آپ اور غالباً سب یکساں طور پر اپنے ضمیر کے سامنے شرمندہ ہیں۔ تاہم پیاری بہنو! کیا حرج ہے خدائے پاک غفور الرحیم ہے۔ وہ ہماری گذشتہ خطاؤں کو ہماری ندامت کے ساتھ ہی بخشدیتا ہے لہذا ہمیں اپنے رحیم و کریم مالک سے نئی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور یہ عجب لطف ہے کہ ہماری اس کوشش کا ارادہ بھی ہمارے مذہب اسلام کے مطابق اجر و ثواب کا سبب ہے۔

پیاری بہنو! آپ سب مسلمان ہیں اور مذہب کی خوبیوں اور خصوصیتوں کے ساتھ عورت ہونے کی وجہ سے ایسی ایک لاجواب ہستی ہیں جس کی نظیر دونوں جہان زمین و آسمان میں

کہیں نہیں ملتی۔ آپ اُس ملکۂ عالم کی کنیزی کا شرف رکھتی ہیں جنکا اسم مبارک فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جن کی خصائل پاک کی بدولت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ آپ عائشہ صدیقہؓ کی بیٹیاں ہیں جنکی طہارت عرش الٰہی سے قیامت تک اوراق قرآن سے ثابت ہے۔ آپ رابعہ بصریؒ کی ہم قوم ہیں جن سے بڑے بڑے اولیاء اللہ سبق لیتے تھے۔ آپ زبیدہ خاتون کی ہم مشرب ہیں جن کا نہر جاری مدینہ منورہ سے لیکر میدان عرفات تک خدائے ذوالجلال کے مہمانوں کی سیرابی کا باعث ہوتی ہے۔ بیبیو! تمہاری پارسائی، تمہاری نیک دلی کا ڈنکا آج تیرہ سو برس سے بج رہا تھا لیکن پیاری بہنو! میں بلا خوف تردید کہہ سکتی ہوں کہ یہ تمہارا ڈنکا کسی کالج یا اسکول کی تعلیم کا نہیں بجتا تھا۔ تمہاری عظمت اور تمہاری قدر پر کسی خاص زبان کی بڑی بڑی ڈگریاں شامل نہیں تھیں۔ تمہاری رابعہ بصریہ زبیدہ خاتون اور دوسری نامور خواتین میں کوئی بھی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی یا فرسٹ کلاس۔ فرسٹ ام۔ اے نہیں تھیں۔ لیکن آج ساری دنیا میں اُن کا نام بہت ایسی ڈگری یافتہ خواتین سے زیادہ روشن ہے۔ اس لئے تم اپنی ڈگریوں کے بعد مطمئن ہوجانا نہ ہمت ہارنا۔ تم ممکن ہے اپنی ڈگریوں کو ضروریات زمانہ کے لحاظ سے ضروری سمجھو اور اس ضرورت کے درست یا غلط ہونے پر رائے دینا کسی ایک واحد ہستی کا کام نہیں۔ اس لئے میں اس پر بحث نہیں کرسکتی۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ آپ اپنے عمل میں اپنی بزرگ ہستیوں کے نقش قدم کو ضرور سامنے رکھکر چل سکتی ہیں۔ آپکے علم اور آپ کا کمال صرف ایسے وقت میں اہل حقیقت کی نظر میں قیمتی ہوگا۔ جبکہ آپ ایک نیک خصلت بیٹی۔ ایک نیک دل بیوی ایک نیک انجام ماں بن سکیں۔ شاید آپ بُرا مانیں گی اگر میں صاف صاف آج کل کے زمانہ کی تعلیم یافتہ خواتین کی کچھ خامیاں آپ کو بتا دوں۔ دیکھئے کسی کے خوف سے حق گوئی سے باز رہنا ہمارے ایمان کے خلاف ہے اور آپ کا بُرا ماننا آپ کی بزرگی کے خلاف ہوگا۔ دراصل نکتہ چیں ہی انسان کا سب سے بڑا خیر خواہ ہے

جس کی بدولت انسان کے عیب دور ہو جائیں۔ مثلاً اگر کسی بہن کی ساڑی میں بچھو جمپٹ گیا ہو اور
کوئی کہدے کہ ہوشیار ہو جائیے تو آپ کیا بچھو دور کرنے کی بجائے ہشیار کرنے والے پر لعنت
بھیجیں گی۔ یہی طرح میں ایک ہشیار کرنے والی ناچیز خادم قوم ہوں۔ لہذا سنئے کیا یہ غلط ہے
کہ آجکل سوائے چند خاص عورتوں یا لڑکیوں کے عام طور پر ہر تعلیم یافتہ عورت اپنی
تعلیم کے معاملہ میں اس قدر مشغول ہے کہ اسے اپنے گھروں کے عزیزوں کے یہاں تک کہ
اپنے حقیقی بھائی بندوں اور ماں باپ اور شوہر اور اولاد تک کی خدمت کرنے کا موقعہ نہیں
ملتا۔ آج کہاں ہیں وہ لڑکیاں جو کسی اسکول یا کالج میں پڑھنے کے ساتھ گھر میں کھانا پکانے
اور خانہ داری کی مصروفیتوں میں شریک ہوتی ہیں۔ وہ کون سی ڈگری یافتہ بیویاں ہیں جو اپنے شوہر
یا کسی دوسرے عزیز کی تیمارداری بغیر نرس کی مدد کے کرتی ہوں اور رات رات بھر جاگ کر اور اپنے ہاتھ
سے اس کی غذا تیار کر دیتی ہوں۔ کہاں ہیں وہ ڈگری یافتہ اپٹو ڈیٹ لیڈیاں جو اپنے گھر کی
ملازمہ کا سر دباتی ہوں یا بیماری میں اس کی مالش کردیں یا اس کی دیکھ بھال میں رات
کو جاگ سکیں لیکن یقیناً آپ کی اور ہماری نانیاں، دادیاں اور پہلے زمانہ کی تمام لڑکیاں
اور عورتیں اپنے گھر میں دوسروں کے آرام کے لئے دوسروں کی خدمت کے لئے اپنا خون پانی کر دیتی
تھیں۔ تمام عورتیں اپنے عزیزوں بلکہ غیروں تک کو خدمت سے ہمیشہ اپنا احسان مند بنایا کرتی تھیں
اور اے میری پیاری بہنو! کیا یہ غلط ہے کہ جب آپ خدانخواستہ بیمار ہوں یا کسی مصیبت یا پریشانی
میں پڑی ہوں تو آپ کی دو بہنوں میں سے ایک تو اپٹوڈیٹ لیڈی بنکر کسی کلب یا لکچر ہال میں
جا کر اپنی تعلیم کا غلغلہ بلند کریں اور آپ کو نرس اور نوکروں کے حوالہ کردیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے
بعد جب نرس آپ کے کراہنے کو تڑپنے کو نگاہِ غلط انداز سے بیٹھی دیکھ رہی ہو۔ آپ کی ایک قدامت
پوش بہن اگر آپ کے پاس آ بیٹھے اور آپ کے پیر دبائے۔ جسم میں مالش کردے۔ خود اپنے ہاتھ
سے بہت جلد کچھ بنائے۔ کچھ پلائے۔ کچھ کوشش آپ کی تکلیف کو دور کرنے کی کرے اور آپ
کو آرام دے۔ اس وقت آپ آج کی طرح میری ہم زباں ہونگی۔ اور اگرچہ آج تو آپ اس بڑھیا پر

کو دیکھ کر دور بھاگیں گی لیکن موقعہ اگر وہ آ جائے جو میں نے بیان کیا تو پھر وہی بُرقعہ پوش
غیر مہذب عورت آپ کو اپنی مسیحا نظر آئے گی اور آپ اپنی اس اپٹوڈیٹ لیڈی بہن کی تعلیم پر
نفریں گی اس لئے میری پیاری بہنو! تم اپنے ان جواہرات نسوانی کو ضائع نہ ہونے دو۔ تم
مسلمان عورت ہو پھر اس پر طرہ یہ کہ ہندوستانی عورت ہو۔ اللہ اکبر ہند کی عورت جیسی
وفادار اور دیوانۂ محبت تو کوئی مخلوق پیدا ہی نہیں ہوئی وہ سرزمین ہند کی عورت ہی
ہے جو پروانہ کی شیفتگی پر بھی سبقت لے گئی ہے۔ پروانہ بھی شمع روشن پر یا اس کی روشنی
کی صفت پر مرتا ہے مگر وہ ہند کی ہندوستانی عورت کا ہی جگر ہوتا ہے جو اپنے شوہر کی شمع حیات
گل ہونے پر خود جل جل کر کبھی ظاہری اور کبھی باطنی آگ میں سلگتی رہتی ہے۔ اسی صفت
کو کہا گیا ہے۔

سوختن بر شمع مردہ کار ہر پروانہ نیست

بہر حال عورت وہ چیز ہے کہ ماں کی شکل میں نمونہ بہشت ہے جب ہی تو حدیث پاک
میں ہے کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے اور ماں کون ہوتی ہے۔ عورت کے سوا کوئی نہیں ماں
میں کون سی بات، کون سی صفت ہے جو اس کا نام ہر جگہ لیا جاتا ہے وہ صرف "محبت"
یعنی دوسری ہستی کے لئے اپنے کو بھولجانا اور مٹا دینا جانتی ہے۔ ماں کا یعنی ایک عورت کا دل
محبت کا ایک خزانہ اور نیکیوں کا سمندر ہوتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے اے میری ہند کی بیبیو!
اے سارے عالم کی جائے پناہ۔ اے آغوش محبت آج تو ہی نوع انسان سے اسقدر
دامن کشیدہ کیوں ہے؟ آج تیری آنکھیں دوسروں کے لئے کیوں بے مروتی کا اظہار کرتی
ہیں۔ آج تیرا دل محبت کے لہلہاتے ہوئے باغ کے بدلے خود غرضی اور غلط نام و نمود کا
مخزن کیوں بنا ہوا ہے آج تیری نگاہوں میں خود بینی کیوں سما گئی ہے۔ آج جبکہ دنیا مصیبتوں میں خراس
با خستہ ہو رہی ہے تو اپنے گھروں کو چھوڑ کر کلبوں سینماؤں اور بہت سی دوسری جگہوں میں مشغول کیوں
ہو گئی ہے؟ آ اے میری وفا اور محبت کی مورتی! اپنے گھروں کو دیکھ۔ اپنے کو بھول جا۔ دوسروں کے

دُکھ کو پھر پہلے کی طرح اپنا سمجھ لے۔ اے ہند کی بیٹیو، ماؤں! بہنوں! جلد ہوشیار ہو۔ اپنے مذہب اپنی قوم۔ اپنے دیس۔ اپنے وطن۔ اپنے ایمان کو دیکھو۔ تمہارا اول آخر سب کچھ محبت اور نیکی ہو۔ اے میری تمام وہ ماؤں۔ بہنوں جو اس پردہ کالج سے تعلق رکھتی ہیں کم سے کم اس بانی مبانیٔ کالج کی ہستی کو اور اس کی صفات ہی کو پیش نظر رکھو جس نے ہمیشہ اپنے متعلق تمام باتوں کو اپنے گھر بار۔ جان و مال سب کچھ دوسروں پر فدا کر دیا ہے۔ بس کم سے کم اس کی محنتوں کے۔ اس کے اس عظیم الشان احسان کے لئے جو تمہارے لئے اس کالج کے کھولنے سے اُنہوں نے کیا ہے تم ان کی ہی پیروی میں دوسروں سے نیکی کرنے کا سبق لو۔ اے طالباتِ پردہ کالج تمہاری تعلیم۔ تمہارا کمال اس وقت مکمل ہو گا جبکہ تم اپنے اس **فضل حق** محسن اعظم کی طرح مخلوق خدا کے لئے رحمتِ حق ثابت ہو کر ان کا اور اپنا نام روشن کرو گی۔

نذرِ آتش کیا طارق نے جو اندلس میں جہاز　　لوگ کہنے لگے گھبرا کے یہ کیا تم نے کیا
ترکِ اسباب جہالت ہے خدا کے نزدیک　　ہے وطن دور تو کس طرح پہونچنا ہو گا
ہاتھ تلوار پہ رکھ کر یہ دیا ہنس کے جواب　　ملک ہے یہ بھی ہمارا ہی کہ ہے ملکِ خدا
یہی وہ قوت ایمانی تھی مسلمانوں کی　　تھی جسے دیکھ کے انگشت بدنداں دنیا
یہی وہ شانِ عمل تھی یہی وہ جوشِ عمل　　کہ نظر آتے تھے یکساں انہیں دشت و دیار
وہ کسی ایک سبب کے کبھی پابند نہ تھے　　تھا فقط ذاتِ مسبب پہ بھروسہ اُنکا
جانتے تھے کہ اگر ترک ہوا ایک سبب　　اور ہو جائیں گے اسباب بہت سے پیدا
وہ نہ تھے رنگ کے پابند نہ مجبورِ وطن　　ساری دنیا کو سمجھتے تھے کہ ہے گھر اپنا
وہ عمل کرتے تھے دعوے سے نہ تھا کام انہیں　　ان کے کہنے کو کیا کرتا تھا ثابت کرنا

ہند ہو مصر ہو یورپ ہو کہ عجم
اُن کے احسان سے گراں بار ہے ساری دنیا

سیدی کا حسین قادری

میری بیوی

(مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی)

(۲)

جب بیگم صاحبہ ہم کو سیدھی راہ پر لا چکیں تو اس کے بعد اپنی حکومت بڑھانی شروع کی۔ کوٹھے کے انتظام سے بڑھ کر اب ان کے اختیارات گھر میں پھیلنے لگے۔ یہ ما ما برطرف ہوئی وہ نوکر الگ ہوا۔ بی امامن نکالی گئیں۔ نئے نوکر رکھے گئے آدمیوں کے بدلنے کے ساتھ ہی گھر کا رنگ ہی بدلنے لگا۔ ٹوٹے پھوٹے سامان کی مرمت ہوئی۔ ناکارہ سامان نکالا گیا۔ فرش فروش درست ہوا۔ سامان قرینہ سے جمایا گیا۔ باورچی خانہ کا انتظام سنبھالا گیا۔ دالان ٹھیک ٹھاک ہوئے۔ باہر کا کمرہ سجایا گیا۔ غرض تھوڑے ہی دنوں میں سارے گھر کی حالت بدل گئی اور معلوم ہونے لگا کہ واقعی یہ گھر کسی بھلے آدمی کا گھر ہے یا تو یہ ہوتا تھا کہ گھنٹوں پکارو اور کوئی آواز نہ دے۔ یا یہ حالت ہوگئی کہ گھنٹی پر کام ہونے لگا یا تو یہ حال تھا کہ پان منگواؤ اور صبر کر کے بیٹھ جاؤ۔ یا ادہر پانوں کو کہا اور خاصدان آگیا۔ دوست احباب بیٹھے ہیں۔ میں نے گھنٹی بجائی فوراً ہی کوئی نہ کوئی نوکر آیا میں نے کہا چائے لاؤ۔ اس نے دروازہ پر جا کر آواز دی۔ چار کو کہا پانچ ہی منٹ میں دو کشتیاں آگئیں۔ ایک میں چائے کے برتن ہیں دوسرے میں توس ہیں بسکٹ ہیں۔ ایک آدھ طشتری میں میوہ ہے۔ چھوٹی میز سامنے لگا دی گئی۔ میز پر دونوں کشتیاں رکھدی گئیں مزے سے یار دوستوں نے چائے پی۔ کشتیاں اٹھ گئیں۔ اندر جاتے ہی بچا ہوا سامان الگ کیا گیا۔ پیالیاں دھلیں اور اپنی اپنی جگہ پر جما دی گئیں۔ کھانا ایسا پکنے لگا کہ دیکھکر رغبت ہو۔ اور پیٹ بھر کر کھایا جائے۔

بی اماں ہیں کہ گھر میں ملکہ بنی بیٹھی ہیں۔ نہ باورچی خانہ میں دخل ہے نہ گھر میں کوئی گڑبڑ

سارا کام مشین کی طرح چل رہا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس انتظام سے گھر کا خرچ بڑھتا وہاں اور اُلٹا کم ہوا۔ نوکر چاکر آدھے رہ گئے تھے۔ مگر کام پہلے سے کہیں زیادہ ہونے لگا۔ اب وہ رنگ ہی باقی نہیں رہا کہ چائے منگوائی اور گھنٹہ بھر بعد کوئی نوکر سر سے کپڑے پہنے چائے کی ایک پیالی لیکر آیا۔ اور ہاتھ میں دیدی۔ بسکٹ منگوائے تو جواب ملا کہ نہیں ہیں۔ دعوت کا تو کیا ذکر ہے خود ہی گھر والوں کو کب پیٹ بھر کر کھانا ملتا تھا۔ جب سنو یہی سنو کہ کھانا سڑ گیا۔ گھر میں جاؤ تو یہ معلوم ہو کہ برات اُتری ہے۔ باورچی خانہ میں جنگ ہے۔ دالان میں پکار ہو رہی ہے۔ ایک ماما دوسری کو کھائے جاتی ہے ایک نوکر دوسرے کو دیکھ نہیں سکتا۔ ہر ماما کے ساتھ دو دو تین تین دُم چھلے لگے ہیں۔ ہر نوکر کے ساتھ ایک نہ ایک پٹھو موجود ہے۔ خیر ہماری بیوی شکل و صورت میں کیسی ہی ہوں اُنہوں نے ہمارے گھر کو گھر تو بنا دیا۔ شادی کو کوئی تین مہینے ہوئے ہوں گے کہ میں بیمار پڑا پہلے تو خیال تھا کہ موسمی بخار ہے اُتر جائیگا۔ لیکن جب میعادی بخار تجویز ہوا تو سب کو وحشت ہونے لگی۔ میں خود بھی پریشان ہوا کیونکہ میعادی بخار بچے تو جھیل جاتے ہیں لیکن جوانوں کے حق میں یہ اکثر مہلک ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں ہماری بیوی میکے گئی ہوئی تھیں۔ دو تین روز تک تو ان کو اطلاع نہیں کی گئی۔ آخر اُڑتی اُڑتی خبر ان کو بھی پہنچ گئی۔ اسی وقت آئیں اور آکر میرا حال دیکھا۔ کوٹھے پر جا کر کمرے کو ٹھیک ٹھاک کیا اور مجھے بھی اُوپر لے گئیں۔

اوپر جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ کمرہ خاصا ہسپتال بن گیا ہے ایک طرف مسہری بچھی ہے سامنے دو کرسیاں پڑی ہیں پہلو میں میز پر دوا کی ساری شیشیاں جمی ہیں نعمت خانہ میں دودھ آش جو اور میوے رکھے ہیں میں نے کہا بیوی معلوم ہوتا ہے کہ تم تو کوئی ڈاکٹرنی ہو اور ڈاکٹرنی نہیں تو نرس ضرور ہو کہنے لگیں اس میں کیا شک ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ گھر داری میں کیا کرنا پڑتا ہے۔ دکھ درد سب کے ساتھ ہے۔ گھر والی بیوی اگر تھوڑی بہت تیمارداری کے طریقے نہ جانے تو یہ سمجھو کہ ادھوری ہے۔ بیوی کے یہ معنی تھوڑی ہیں کہ اچھے اچھے

کپڑے پہنے اور بن سنور کر گاؤ تکیئے سے لگ بیٹھے۔ گھرداری کرنے میں چوٹی کا پسینہ ایڑی کو آتا ہے۔ میاں بننا آسان ہے بیوی بننا بہت مشکل ہے۔ اچھا ان باتوں کو تو رہنے دیجئے ؛،
وہ یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب آگئے۔ بیوی نے مجھ سے کہا اگر آپ اجازت دیں تو برقعہ اوڑھ کر میں یہیں بیٹھی رہوں اور ڈاکٹر صاحب سے دو تین باتیں پوچھ لوں۔ میں نے کہا کیا ہرج ہے۔ خیر ڈاکٹر صاحب آئے اور آتے ہی کہنے لگے ارے بھئی یہ تو تم نے اچھا کیا کہ اُوپر آگئے۔ ہوا کا انتظام بھی خوب ہوا۔ گڑبڑ بھی نہیں ہے۔ کیا کوئی نرس رکھ لی ہے جو سارا سامان ایسے سلیقہ سے جما ہے۔ میں نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ساری کرامات ان کی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب تھے پُرانے زمانے کے آدمی اُنہوں نے جو دیکھا کہ ہماری بیوی چادر شریف اوڑھے ایک کرسی پر ڈٹی ہیں وہ گھبرا سے گئے اس کے بعد جب بیوی نے مرض کے متعلق اُن سے سوالات کئے تو اور بھی سٹ پٹائے۔ کہنے لگے کیا اچھا ہو اگر آپ سول سرجن کو بھی مشورے میں شریک کریں۔ میری بیوی نے کہا ضرور آپ کل صبح ان کو ہمراہ لیتے آئیے ایک سے دو کی رائے اچھی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے جانے کے بعد میں نے کہا ارے واہ رے میری بیوی بھئی کیا زوردار عورت ہے مارے سوالوں کے ڈاکٹر صاحب کو بھی چکرا دیا۔ اچھا ہوا کہ تم نے سول سرجن کے لانے کو کہہ دیا۔ اب مجھے بھی اطمینان ہو گیا۔ کہنے لگیں کہ میں نے ڈاکٹری واکٹری تو پڑھی نہیں۔ ہاں یہ کیا کہ جب کوئی گھر میں بیمار ہوا تو اس کے مرض اور مرض کے علاج کو غور سے دیکھتی رہی۔ دنیا میں کون گھر ہے جس میں کوئی بیمار نہ پڑتا ہو اگر ذرا کوئی خیال رکھے تو تھوڑے دنوں میں خود بخود بیسیوں طرح کے مرضوں اور اُن کے علاج سے واقف ہو جاتا ہے۔ مگر آپ باتیں نہ کیجئے۔ میں کتاب پڑھتی ہوں آپ سنیئے۔ اور مرض کا خیال چھوڑ دیجئے۔ اللہ شفا دیگا انسان کو ہمت سے کام لینا چاہیئے۔

دوسرے دن سول سرجن صاحب آئے اُنہوں نے بھی میعادی بخار تجویز کیا۔ ہماری

بیگم صاحبہ نے ان سے بھی وہ ڈاکٹری چھانٹی کہ وہ بھی حیران رہ گئے۔ میری طرف دیکھ کر کہنے لگے: "مسٹر آپ کی میم صاحب بہت ہوشیار آدمی ہے۔ آپ گھبرائیے مت اچھا ہو جائیگا"۔ میں نے کہا کسی نرس کو بھیج دیجئے۔ صاحب نے کہا نرس کی ضرورت نہیں۔ آپ کا میم صاحب کافی ہے۔ غرض سول سرجن صاحب کا علاج شروع ہوا۔ دوسرے ہفتہ میں بخار بڑھا اور اتنا بڑھا کہ مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہا پھیپھڑوں پر بھی اثر ہوا مگر میری بیوی جس طرح مسکرا مسکرا کر پہلے باتیں کیا کرتی تھی اسی طرح اس بیماری کی زیادتی میں بھی کرتی رہیں۔ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ان کو ذرا سی بھی پریشانی ہے۔ اماں بی اور آپا کی تو یہ حالت تھی کہ بیچارے مُردوں سے بدتر ہو گئے تھے۔ مگر ان غریبوں کو کوٹھے پر آنے ہی کون دیتا تھا۔ پانچ دس منٹ کو اوپر آئے اور بیوی صاحب نے نیچے پہنچا دیا۔ ہاں وہ ایک عورت تھی کہ دن اور رات جاگتی اور میری خدمت کرتی تھی۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے خدا جانے بیچاری کی کیا حالت ہوتی ہو گی۔ میں نے کہا بھی کہ بیوی! خدا کے لئے کسی نرس کو بلوا لو۔ تم محنت کرتے اور جاگتے جاگتے بیمار پڑ جاؤ گی مگر بھلا وہ کیا ماننے والی تھیں۔ کہنے لگیں کہ آپ ان باتوں کا خیال نہ کیجئے۔ ایک کام کو جب دو آدمی کرنے لگتے ہیں تو کام بگڑ جاتا ہے۔ جب تک میرے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں اس وقت تک تو میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے جس کو چاہیئے گا بلا لیجئے گا۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ اللہ کی بندی جو میری پٹی پکڑ کر بیٹھی تو اس وقت اُٹھی جب میں بھی خیر و خوبی کے ساتھ اچھا ہو کر پلنگ سے اُٹھا۔

ایک دن میں نے کہا کہ بیوی ایک بات پوچھتا ہوں سچ بتانا کہنے لگیں فرمائیے۔ میں نے کہا ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستانی بیویوں میں شرم و لحاظ بہت ہوتا ہے۔ لیکن تم کو بالکل بے حیا پایا۔ اللہ کے فضل سے تم نے دُلہنا پا ایک دن بھی نہیں کیا۔ کہنے لگیں جی ہاں۔ اگر میں دو ہاتھ کا گھونگٹ نکال کر بیٹھتی تو آپ ہی دوسرے دن گھر میں آنا چھوڑ دیتے اور میں گھر کی ملکہ ہونے کی بجائے میکے میں بیٹھی اپنی قسمت کو رویا کرتی۔ آپ کا رنگ تو آرسی مصحف کے وقت ہی معلوم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد بھی اگر اپنی بھونڈی صورت پر یہ چونچلے کرتی تو ضرور

آپ مجھے مُنہ لگاتے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری روز کی بیمیائی کام آئی۔ جو آج لالوں کی لال بنی بیٹھی ہوں۔ چلو جاؤ جی۔ اس ذکر کو چھوڑو اور ہاں استرے کے بلیڈ ختم ہو گئے ہیں کسی سے کہکر آج ضرور منگوا لینا مجھے ڈاڑھی مونڈنی ہے۔ یہ سُنکر مجھے ہنسی آگئی۔ اور ہم دونوں بڑی دیر تک ہنستے رہے۔ اکیسویں دن میرا بخار اُترا۔ اس کے دو ایک روز بعد میں نے کہا بیگم! جینا اور مرنا تو خدا کے اختیار میں ہے۔ لیکن خدا کی قسم اس وقت تو میری زندگی کا باعث تم ہوئی ہو۔ جب اپنی بیوقوفیاں یاد کرتا ہوں تو شرم کے مارے آنکھ نہیں ملائی جاتی۔ آجتک تم میری تھیں اور آج سے میں تمہارا ہوں۔ کہنے لگیں کہ یہ آپ نے کیا کہا۔ میں تو شادی کے دن سے آپ کو اپنا سمجھتی ہوں۔ یوں کہئیے کہ آج سے میں تمہیں اپنا سمجھنے لگا۔ لیجئے اب جو اب دیکھئے ظالم جو جواب دیتی ہے لاجواب کر دیتی ہے۔

خیر ہم اچھے ہو گئے۔ اللہ کے فضل سے طاقت بھی آگئی باہر بھی آنے جانے لگے اب تو ہمارا یہ کام ہے کہ گاندھی جی ہندوستان میں پرچار کرتے پھرتے ہیں کہ جب تک نوجوان ہند ہمت سے کام نہ لیں گے اس وقت تک سوراج نہیں مل سکتا اور ہم یہ تبلیغ کر رہے ہیں کہ جب تک بدصورت عورت سے شادی نہ کی جائے اس وقت تک کسی کو گھر میں آرام نہیں مل سکتا۔ اور بدصورتی کے ساتھ اگر ڈاڑھی مونچھوں والی بیوی مل گئی تو پھر کیا کہنا سبحان اللہ مزہ ہی مزہ ہے۔

*　*　*

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن　　ملّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں　　کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا　　جو آج جگر سوز و خود افروز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا　　جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

دگرگوں عالم شام و سحر کر　　جہانِ خشک و تر زیر و زبر کر
رہے تیری خدائی داغ سے پاک　　مرے بے ذوق سجدوں سے حذر کر

یورپین خواتین کا سلیقہ

وہ فیشن ایبل ہندوستانی خواتین جنہوں نے یورپین عورتوں کی باطنی خوبیوں سے واقفیت حاصل کئے بغیر ظاہری طور پر ان کی نقل کر لی ہے یہ سمجھتی ہوں گی کہ انگلستان میں عورتیں اپنا تمام وقت سیر و تفریح میں گذارتی ہوں گی اور طرح طرح کے بیش قیمت فیشن ایبل لباس پہننے کے سوا انہیں کوئی اور فکر نہ ہو گی۔

یورپ اور امریکہ کی چند فلم اسٹار اور ماہرین فن موسیقی کی تصاویر دیکھکر یہ قیاس کر لینا کہ وہاں کی تمام عورتیں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی ہوں گی سخت غلطی ہے ہندوستانی خواتین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یورپ کی عورتیں عام طور پر بڑی خود دار ہوتی ہیں۔ جوان ہونے پر وہ اپنے والدین پر اپنے اخراجات کا بار ڈالنا عیب سمجھتی ہیں اور ان میں اپنی مدد آپ کرنے کا قابل تعریف جذبہ اس فراوانی کے ساتھ موجود ہوتا ہے کہ وہ گھر بار اور شفیق والدین کو چھوڑ کر تلاش معاش میں نکل کھڑی ہوتی ہیں۔

مگر ہندوستان میں یہ جرأت کچھ پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھی جائیگی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ جذبہ ضرور قابل تعریف ہے۔ مگر ہر جگہ معاشی حالات مختلف ہوتے ہیں جب تک ملک کے نوجوان طبقے میں یہ بہادرانہ جذبہ پیدا نہ ہوگا اس وقت تک ہندوستان سے بیکاری نہ جائیگی۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ پردہ کو خیرباد ہی کہی جائے۔

میں یہاں تمثیلاً مسٹر ریمزے میکڈانلڈ سابق وزیر اعظم برطانیہ کی بڑی صاحبزادی مس اشابیل کے اوصاف و محاسن ہندوستانی بہنوں کی آگاہی کے لئے قلمبند کرتی ہوں۔

خاتون موصوفہ نہایت سیدھی سادی زندگی بسر کرنے کی عادی ہیں۔ آپ نے تعلیم اس طرح کی حاصل کی ہے کہ آپ اپنے وطن کی معاشرتی حالت کی اصلاح کر سکیں۔ آپ اسقدر

منتظمہ اور سلیقہ شعار خاتون ہیں کہ صرف بیس سال کی عمر میں جب کہ آپ کے والد پہلی مرتبہ انگلستان کے وزیر اعظم مقرر ہوئے تھے نمبر ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ میں میزبانی کے فرائض اس خوش اسلوبی سے سرانجام دیتی تھیں کہ مزدور حکومت کے معترضین تک نے آپ کے سلیقے اور حسن انتظام کی تعریف کی۔

انگلستان کی عظیم الشان حکومت کے ارباب حل و عقد کی سرکاری دعوتوں کا انتظام و انصرام کچھ معمولی بات نہیں۔ مشہور سیاسی رہنماؤں سے برمحل گفتگو کرنا۔ ان سے متعارف ہونا یا دوسروں سے تعارف کرانا۔ مختلف مراتب کے لوگوں کی مناسب نشستیں مقرر کرنا اور کھانے پینے کی جملہ ضروریات کا انتظام کرنا کچھ آسان کام نہیں اس کے لئے قابلیت سلیقہ اور جرأت کی ضرورت ہے۔

اس سے پہلے کسی اور مدبر یا وزیر کی دختر کو اس کم عمری میں ایسے فرائض انجام دینے نہیں پڑے۔ ملکہ معظمہ سے انہوں نے ملاقات کی تو ملکہ نے اُن کے حسن انتظام سلیقہ اور شائستگی اطوار کی بے حد تعریف کی اور انہیں "بہت اچھی لڑکی کے قابل فخر الفاظ" سے یاد کیا۔

مس ایشابیل نہ سگار استعمال کرتی ہیں نہ سگرٹ نہ اور کوئی نشہ آور شے استعمال کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ تھیٹر اور سینما سے بھی احتراز کرتی ہیں۔ رقص مغربی معاشرت میں معیوب نہیں۔ لیکن ان کو رقص مرغوب نہیں۔

مس ایشابیل کی قابل تعریف مثال سے ہندوستانی خواتین یہ سبق حاصل کر سکتی ہیں کہ یورپ اور انگلستان کی معاشرت اور لباس کی تقلید بالکل بے جا ہے۔ بلکہ مغربی خواتین کی طرح اپنے اندر جرأت اولعزمی اور خدمت وطن کے پاک جذبات پیدا کرنے چاہئیں کیونکہ یہی اوصاف ترقی کی کلید ہیں۔

مس ایشابیل جب اپنے والد کے ساتھ امریکہ گئیں تو وہاں بھی اُن کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور امریکن خواتین نے ان کے اعزاز میں دعوتیں دیں۔ گو مس ایشابیل میں ایک

غیر معمولی قابلیت اور اوصاف ہیں تاہم اگر ہر عورت کوشش کرے تو یہ اوصاف حاصل کرنے ناممکن نہیں ہیں ۔ امریکہ میں ایشائیل کی جو عزت ہوئی وہ اس لئے نہیں کہ وہ وزیر اعظم برطانیہ کی صاحبزادی ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ نہایت سنجیدہ ۔ مدبر سلیقہ شعار اور نیک عورت ہیں ۔ انہی اوصاف کی وجہ سے ملکہ میری کی زبان سے ان کی تعریف ہوئی اور ان ہی اطوار نے امریکن خواتین کے دلوں میں ان کی عزت پیدا کی ۔ مس ایشائیل نہایت تندرست اور مستعد خاتون ہیں ۔ وہ کام کرنے سے کبھی نہیں گھبراتیں ان کے چہرے سے تدبر اور اولالعزمی ٹپکتی ہے ۔ اور وہ خوش اخلاق اور مہمان نواز بھی ہیں اور اپنے والد کے ساتھ ملکی سیاسیات میں بھی حصہ لیتی رہی ہیں ۔

ہندوستانی خواتین اگر یورپ کی تقلید کرنا چاہتی ہیں تو وہ ان خواتین کی سوانحعمریاں مطالعہ کریں جنہوں نے سلیقہ شعاری اور امور خانہ داری میں ماہر ہونے کی شہرت حاصل کی ہے فیشن کی نقل تو ہر شخص آسانی سے کر سکتا ہے ۔ لیکن ضرورت اس کی ہے کہ ہاں کی اچھی باتوں کو اخذ کیا جائے اور بری باتوں کو چھوڑ دیا جائے ۔

گلشن افروز بیگم از کپورتھلہ

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا　　خودی کا رازداں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو　　اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی　　تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے　　تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

خودی میں ڈوب جا غافل یہ سرِ زندگانی ہے　　نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر　　شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

گذر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے　　گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی　　نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

فریاد

ہم کہ تھے کفر کی عظمت کو مٹانے والے — دھجیاں پرچم کسریٰ کی اڑانے والے
شورِ تکبیر سے دنیا کو ہلانے والے — نزع کے وقت بھی تلوار چلانے والے

حق کی آواز خدائی کو سنانے والے
یاد کرتے ہیں ہمیں اب بھی زمانے والے

ہم نے پامال کیا روم و مداین کا شکوہ — نام مسلم سے لرزتے تھے شیاطیں کے گروہ
ہم نے مغلوب کیا کفر کا اک اک انبوہ — اس میں صحرا ہو سمندر ہو کہ ہو قلۂ کوہ

ہم جھجکتے نہ تھے شاہوں کے بھی درباروں میں
کود پڑتے تھے چمکتی ہوئی تلواروں میں

خاک کی سطح سے گرتوں کو اٹھا دیتے تھے — ہم اسیروں کو مصیبت سے چھڑا دیتے تھے
ہم جسے مہر و محبت کا صلا دیتے تھے — اس کو ہم زندۂ جاوید بنا دیتے تھے

ہم نے فاقہ میں بھی بھوکوں کو سکوں بخشا ہے
ہم سمجھتے تھے کہ تقدیر کا منشا کیا ہے

ہم نے مغرب کے درندوں کو بنایا انساں — روحِ تہذیب پہ اب تک ہے ہمارا احساں
اللہ اللہ! زمانہ میں ہمارے ساماں — اک طرف تیغ تھی اور دوسری جانب قرآں

کام جب جذبۂ توحید سے ہم لیتے تھے
ہم زمانہ کے مقدر کو بدل دیتے تھے

ہم نے عالم کو سکھائے تھے خرد کے آداب — ہم نے اس دہر میں کانٹوں کو بنایا تھا گلاب
ہم نے دنیا کو پلائی تھی محبت کی شراب — ہم نے کھولی تھی زمانہ میں رہِ حق و صواب

ہم زمانہ میں جدھر سے بھی گذر جاتے تھے
عدل و اخلاق کے واں پھول بکھر جاتے تھے

یاد ہے دہر کو غرناطہ و بغداد کا حال
آج تک پیش نہ کی جس کی زمانہ نے مثال
ہم سے ظاہر ہوا انسان کی قدرت کا کمال
بن گئی انجمنِ جوشِ عمل، بزمِ خیال
ہم نے چادر رخِ فطرت سے ہٹا ڈالی تھی
ہم نے تہذیب و تمدن کی بنا ڈالی تھی

ہم میں اخلاق سیاست بھی، حکومت بھی تھی
سطوتِ فقر بھی تھی شانِ ریاست بھی تھی
ہر جفا کار سے ٹکرانے کی قوت بھی تھی
مختصر یہ ہے کہ مر جانے کی ہمت بھی تھی
صاحبِ تیغ بھی تھے واقفِ اسرار بھی تھے
ہم میں فاروقؓ بھی تھے خالدؓ جانباز بھی تھے

ہم وہی ہیں مگر اگلی سی کوئی بات نہیں
اب نہ وہ چشمِ بصیرت ہے نہ دنیا ہے نہ دیں
امن ملتا نہیں دنیا میں مسلماں کو کہیں
المدد ختمِ رسلؐ! گنبدِ خضریٰ کے مکیں
آپ چاہیں تو ابھی کام بنا جاتا ہے
آپ کے حکم سے سورج بھی پلٹ آتا ہے

یا نبیؐ چار طرف غم کی فراوانی ہے
ظلم کا زور ہے اور کفر کی طغیانی ہے
اہلِ باطل کیلئے عیش ہے آسانی ہے
جانِ مسلم کو مصیبت ہے پریشانی ہے
چین ملتا نہیں کعبہ کے نگہبانوں کو
سخت مشکل ہے زمانہ میں مسلمانوں کو

ہم ہیں پامالِ جفا آپ کی رحمت کی قسم
ہم بہت زار ہیں فاروقؓ کی سطوت کی قسم
نرغۂ کفر ہے حیدرؓ کی شجاعت کی قسم
سخت مجبور ہیں اللہ کی قدرت کی قسم
غم فلسطین کا ناسور بنا جاتا ہے

آپ کا عشق بھی بدنام ہوا جاتا ہے

کیا کروں ضبط سے ہی جان مری وقفِ عذاب
نیر امنہ اور کروں روحِ محمدؐ سے خطاب

جس طرح روشنی چھپ سکتی نہیں زیرِ حجاب
میں نے بھی فکر کے چہرے سے اٹھا دی ہے نقاب

نظمِ ماہر بہ ہر آئین جہانے دارد
یعنی ایں ناوکِ فریاد کمانے دارد

ماہر القادری

پیامِ ہلال

ہلالِ عید یہ کہتا ہے، اے مسلمانو!
تمہاری شوکتِ رفتہ کا رازدار ہوں میں

اُجڑ گیا وہ چمن رشکِ صد بہار جو تھا
نوید عید میں کیا دوں کہ سوگوار ہوں میں

زبانِ حال سے کچھ تم سے کہنے آیا ہوں
تمہارا مونس و ہمدرد و غمگسار ہوں میں

عُروجِ ملت بیضا سے تھی بہار میری
زوالِ ملتِ بیضا سے دلفگار ہوں میں

یہ کیا کیا کہ مقام اپنا کھو دیا اس نے
عمل سے بندۂ مسلم کے شرمسار ہوں میں

دیارِ ہند میں ہو کوئی غزنوی پیدا
اس انتظار میں مدت سے بیقرار ہوں میں

رہا ہوں پرچمِ اسلام پر جو پرافشاں
شکوہ و سطوتِ رفتہ کی یادگار ہوں میں

بلند و پستِ زمانہ مری نگاہ میں ہیں
میں جانتا ہوں موانع تمہاری راہ میں ہیں

جو عیش کوش ہیں تو میں نپپ نہیں سکتیں
حیات تلخ ہے، یہ انگبیں کا جام نہیں

گدازِ قلب نہ ہو گر ادا نہیں ہوتی
تری نماز فقط سجدہ و قیام نہیں

غلام ہمسرِ آزاد ہو نہیں سکتا
کہ اس کے قلب و نظر میں خودی کا نام نہیں

بلند عزم کا فطرت بھی ساتھ دیتی ہے
کہ بیدلوں کے لئے اس کا اہتمام نہیں

خودی ہے زندہ تو جس کی ہے جستجو تجھ کو
بجز مسافتِ دو گام وہ مقام نہیں

پردہ اور اسلام

(محمد اسد خاں بی اے ملتانی)

آج کل تعلیم یافتہ کہلانے والوں کے ذہن میں مذہب کا بالعموم وہی تصور ہوتا ہے جو یورپ میں عام ہے یعنی مذہب سمجھ میں نہ آنے والے چند عقیدوں اور کسی آیندہ زندگی میں کام آنے والے کچھ اعمال کے مجموعہ کا نام ہے۔ ایسے لوگوں سے جب پردے کے بارے میں مذہبی نقطۂ نظر سے بات کی جائے تو وہ ایک محرمانہ تبسم اور معصومانہ انداز کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ پردہ تو ایک معاشرتی معاملہ ہے اس کو مذہب سے کیا واسطہ؟ لیکن جو طبقہ مذہب کے اسلامی تصور سے واقف ہے اور یہ ماننے پر مجبور ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ مذہب کے حلقۂ اثر سے باہر نہیں رکھا جا سکتا وہ پردے کے معاملہ میں ایک اور حکمت عملی اختیار کرتا ہے یعنی حامیانِ پردہ کو لاجواب کرنے کے لئے خود انہی کے حربے استعمال میں لاتا ہے پردہ کے خلاف مذہبی دلیلیں پیش کرتا ہے۔

ان مذہبی دلیلوں کی تفصیل میں پڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تحریروں اور تقریروں میں بہت عام ہو چکی ہیں اور اکثر پڑھے لکھے لوگ ان سے واقف ہیں۔ حدیث اور سنت سے تو اس بہانے بے تکلف انکار کر دیا جاتا ہے کہ ان کا قطعی طور پر صحیح ہونا ثابت نہیں۔ باقی رہا قرآن سو اس میں پردے کے متعلق جو آیتیں موجود ہیں اُن کی تاویلیں شروع کر دی جاتی ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ پردے کے احکام تدریجی طور پر نازل ہوئے۔ مثلاً پہلے پہل محض نگاہیں نیچی کرنیکا حکم ہوا۔ پھر منہ ڈھانک لینے کا اور بعد ازاں آوارہ پھرنے کے بجائے گھروں میں بیٹھ رہنے کا۔ کج بحث لوگ اس تدریج کو بالکل نظر انداز کر کے کبھی یہ مسئلہ چھیڑ دیتے ہیں کہ زینت میں چہرہ داخل ہے یا نہیں۔ یا کبھی یہ کہ نگاہیں نیچی کرنے کا حکم چہرہ کھلا رکھنے کی

اجازت کا ثبوت ہے۔ جن آیات سے پردہ قطعی طور پر ثابت ہوا اور اُن میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نظر نہ آئے وہاں یہ پہلو نکال لیتے ہیں کہ یہ احکام رسول پاکؐ کی ازواج مطہرات کے لئے مخصوص ہیں۔ اُمت کی عورتوں کے لئے ان کی پابندی لازمی نہیں۔ بعض لوگ تو اس بے معنی دلیل کے پیچھے بھی پناہ لینے کی جرأت کرتے ہیں کہ لفظ "پردہ" قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا اس لئے پردہ ایک غیر اسلامی رسم ہے جو مسلمانوں میں بیرونی اثرات سے رواج پا گئی ہے یہ دلیل بالکل اسی طرح کی ہے جیسے "نماز" اور "روزہ" کے لفظ قرآن مجید میں نہ پا کر ان کو غیر اسلامی قرار دے دیا جائے۔ بہر کیف اس قسم کی تمام بحثیں فرسودہ ہیں۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مسئلہ بالکل واضح ہے لیکن کج بحثی کا کوئی علاج نہیں۔

اس معاملہ میں ہم لفظی بحثوں میں پڑنے کی بجائے اس اصولی نکتہ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کو محض ایک علمی کتاب یا نصاب دینیات ٹھہرا کر اس کے لفظوں کی موشگافیاں کرنا اور منطقی دلیلوں سے کسی مسئلہ کے حل کرنے کی کوشش میں لگے رہنا صحیح طریق عمل نہیں ہے۔ قرآن پاک علم و حکمت کا مخزن ہوتے ہوئے عام علمی کتابوں سے بالکل ممتاز حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس کا حقیقی مقصود مختلف مسائل پر علمی بحث نہیں بلکہ ایک دستور حیات پیش کرنا ہے۔ جس کے مطابق انسان اپنی زندگی بہترین طریقہ پر بسر کر سکے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جو مسلمان قرآن مجید کی صداقت پر یقین رکھتا ہے وہ ایسی زندگی اختیار کرے جو منشائے الٰہی کے مطابق ہو۔ جب اس قسم کی زندگی اختیار کی جائے تو پردے جیسے معاشرتی مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ زندگی کا نہج ہی ایسا ہو جاتا ہے کہ ایسے مسائل کے متعلق بحث کرنے کی حاجت نہیں رہتی اور ہر معاملہ میں قرآنی زندگی خود بخود صراط مستقیم پر چلاتی چلی جاتی ہے جہاں کوئی دوراہہ سامنے آجائے۔ قرآنی فضا میں تربیت یافتہ ضمیر خود بخود صحیح راستہ دکھا دیتا ہے۔

پردے جیسے مسائل میں مشکل تو جبھی پیش آتی ہے کہ صحیح قرآنی زندگی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

معاشرت سرتاسر غیر اسلامی اختیار کر لی جاتی ہے اور پھر دیدہ دلیری یہ کہ ہوائے نفس کے مطابق عمل کرنے کے لئے کلام پاک سے تائید حاصل کرنے کی شرمناک کوشش کی جاتی ہے۔ ایسی کوشش کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ بعض لوگوں کا قرآن سے ہدایت حاصل کرنا اور بعض کا گمراہ ہو جانا بظاہر ایک تعجب انگیز بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو قرآن کے سبب گمراہ ہو جانے کا مطلب صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ قرآن کے سبب گمراہ ہونا یہی تو ہے کہ قرآنی زندگی اختیار کئے بغیر محض نظری حیثیت سے تعلیمات قرآنی کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور ہوائے نفس کی پیروی کو احکام خداوندی کی پابندی سمجھ کر حق بجانب قرار دیا جائے۔

پردے کے معاملہ میں عین یہی صورت ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ جو لوگ پردے کی مخالفت کرتے ہیں اُن کی زندگی اور طرز معاشرت کیسی ہے۔ کیا وہ اسلامی زندگی میں ڈوب کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن مجید سے پردے کا ثبوت نہیں ملتا یا غیر اسلامی طرز معاشرت نے انہیں یہ نتیجہ نکالنے پر آمادہ کیا ہے۔؟ یقین جانئے کہ آپ کو پردے کے مخالف ہمیشہ اسی دوسری قسم کے لوگوں میں ملیں گے۔

گئے وہ دن کہ ہم محتاج تھے عبرت دلانے کے — ہمارا حال خود عبرت فزا ہے آج سرتاسر
گیا وہ وقت جب تھا بس یہی کا نام ہمدردی — کہ دو آنسو بہا لیں قوم کی درماندہ حالت پر
ضرورت اب ہی گر ہم کو تو بس ہے اُن بزرگوں کی — کہ جن میں خیر سے کچھ کر دکھانے کے بھی ہوں جوہر
فقط باتیں نہ ہوں کچھ کام بھی بن آئے ہاتھوں سے — کہیں جو کچھ وہ منہ سے کر دکھائیں اس سے کچھ بڑھ کر
نہیں گر یہ تو بس اک گرمی صحبت کے ساماں ہیں — یہ قومی مرثیے یہ وعظ، یہ اسپیچ، یہ لیکچر
طلب اور سعی سے کچھ کام بن آئے تو بن آئے — فصاحت اور بلاغت کا بس اب چلتا نہیں منتر
ہیں جو کام ہیں درپیش گو مشکل سے مشکل ہیں — مگر کرنے پہ آ جاؤ تو آساں سے ہیں آساں تر

ثمراتِ تہذیب

غیروں کے طلاقوں کے عجیب و غریب واقعات آپ بہت سن چکے اور اس پر خوب جی کھولکر ہنس لئے۔ اب اپنوں کے اسی ضمن میں محیر العقول حالات بھی سن لیجئے اور اس پر جس قدر جی چاہے آنسو بہا لیجئے۔ مغرب والوں کی طرح اب مصریوں میں بھی طلاق کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی۔ ان کے نزدیک یہ فعل ایک بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اب وہاں کے شریف گھرانوں کی شادیوں میں طلاقوں کا تناسب (۷۰) فیصدی تک پہنچ چکا ہے۔ مغربی تہذیب کے زیر اثر آج خلافت اسلامیہ کے دعویدار اور کعبۃ اللہ کے علمبردار جو کچھ کر رہے ہیں اس کو یہاں لکھتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے۔ لیکن حامیانِ مغربی تہذیب و دلدادگان مخلوط معاشرت کی عبرت و بصیرت کے لئے اُن واقعات میں سے چند "مشتے نمونہ از خروارے" کا ترجمہ ہفتہ وار "دکن ٹائمز" کی ۳۰۔ جولائی ۱۹۳۹ء کی اشاعت سے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) ایک ممتاز اور سربرآوردہ پاشا کی صاحبزادی نے محض اسی بناء پر طلاق کی درخواست پیش کردی کہ اس کا شوہر خواب گاہ کی کھڑکیوں کو بند کرنے پر مصر رہتا تھا جب کہ وہ اُن کو کھلا رکھنا چاہتی تھی۔ یہاں اس امر کا ذکر فضول ہے کہ موصوفہ کی درخواست طلاق مسترد کردی گئی۔

(۲) ایک جرمن خاتون نے اپنی مصری شوہر کے مقابلہ میں دس سال خوشگوار زندگی بسر کرنے کے بعد عدالت میں طلاق کا دعویٰ دائر کردیا۔ کیونکہ اس نے یکایک ڈاڑھی رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ موصوفہ نے اپنے شوہر کی اس حرکت کو وجہ مخاصمت خیال کرتی ہوئی گھر کو خیرباد کہدیا۔ اس طلاق کی کارروائی کے دوران میں اگرچہ یہ تسلیم کرلیا گیا کہ شوہر کو ڈاڑہی رکھنے کا ہر طرح حق حاصل ہے لیکن وہ اس کو ترغیب لائی گئی کہ اس خوشگوار زندگی کے مقابلہ میں اپنی ڈاڑھی کا صفایا بول دے۔ چنانچہ اس نے بالآخر اپنی ڈاڑھی ہی کو طلاق دیدی۔

(۴) طلاق کے ایک تازہ عدالتی مقدمہ میں اس امر کا انکشاف ہوا ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو چھٹی منانے کے لئے "راس ایل بار" لے جانے کا وعدہ کیا تھا جو "ڈلیٹا" کے قریب ایک معروف گرمائی مقام ہے۔ بیوی نے اس کا ذکر اپنے تمام احباب ہمسایوں سے کر دیا لیکن بعد میں جب شوہر نے اس مقام کو جانے سے اپنی معذوری ظاہر کی تو بیوی نے یا تو وہاں چلنے یا طلاق حاصل کرنے پر اصرار کیا اور بالآخر طلاق ہی پر اس کا انجام ہوا۔

پڑھ لیا آپ نے مصر کے اُن شریف گھرانوں کا حال جو مغربی تہذیب کے سیلاب میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ مصریوں کو مغربی تہذیب اختیار کئے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے لیکن طلاق کی یہ حیرت انگیز تعداد روز افزوں ہے۔ اگر ترقی کی رفتار ایسی ہی تیز رہی تو کیا تعجب ہے کہ مصری دیکھتے ہی دیکھتے یورپ کی تہذیب کی اس منزل پر پہنچ جائیں گے۔ جہاں وہ صدیوں کی تگ و دو کے بعد پہنچے ہیں۔ آفریں ہے یورپ کی اس تہذیب پر کہ جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مصریوں کو اپنے رنگ میں ایسا رنگ لیا کہ پہچاننا ہی دشوار ہو گیا ہے۔ بہرحال یہ ابتدائی منزلیں ہیں اور آگے ابھی بہت کچھ انکشافات کی توقع ہے ؎

اُمنگیں طبع میں ہیں شوقِ آزادی دلوں میں ہے
کھلیں گے گل تو دیکھو گے ابھی کلیوں کا جلوا ہے

کاش ہمارے حامیان مغربی تہذیب و تمدن خصوصاً دلدادگان مخلوط تعلیم ان واقعات و حالات سے کچھ سبق سیکھتے۔ واسع النساء بیگم از حیدرآباد دکن

اُمورِ ملکی کی بحث میں تم | جو ہندوؤں کے بنو گے ساتھی
نہ لاٹ صاحب خطاب دینگے | نہ راجہ جی سے ملیگا ہاتھی
نہ اپنا مکھن وہ تم کو دینگے | نہ اپنی پوری وہ بانٹ دینگے
پڑے گا موقع جو کوئی آ کر | تو دونو تم ہی کو چھانٹ دینگے

(اکبر)

سادگی

(از زبیدہ زریں صاحبہ)

کسی سرپا خان بہادر کی بیوی کا تو تذکرہ ہی کیا۔ معمولی سو ڈیڑھ سو روپے ماہوار کمانے والے مسلمانوں کی بیویاں بھی آج کل اپنے ہاتھ سے کام کرنا عیب خیال کرتی ہیں اور روزانہ کی معمولی ضروریات بھی ماماؤں یا چھوکریوں سے پوری کراتی ہیں اور اگر کوئی مہذب و مشرع خاتون اپنے ہاتھ سے کوئی ایسا کام کر بیٹھیں جو عموماً ملازمین اور خدمت گاروں کو کرنا چاہیئے تو ان کے اس فعل کو برا سمجھا جاتا ہے اور ان کی سادگی کو اُن کی بے وقوفی اور خبط تصور کیا جاتا ہے۔ ہماری پُر تکلف اور نمائشی زندگی میں اسلامی سادگی اس قدر کم ہوگئی ہے کہ وہ بڑی مشکل سے پھر سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر ہاتھ سے کام کرنے ہی کو لے لیجئے۔ حضورؐ کے زمانہ میں صحابہ کرام اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتے تھے اور کام خواہ کیسا ہی ذلیل کیوں نہ ہو اس میں کسی قسم کی ہتک یا سُبکی کا خیال مُطلق انہیں نہ ہوتا تھا۔ وہ ہر کام برملا شوق سے بذات خود انجام دے لیتے تھے۔ کیا امیر کیا غریب۔ کیا بادشاہ کیا فقیر سب پر سادگی اور بے تکلفی کا ایسا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا کہ پیشہ اور حرفہ کا تو خیر کہنا کیا ہر کام آپ ہی کر لیتے تھے اور کسی کام کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کا گمان بھی ان بھولے شریف انسانوں کو نہ ہوتا تھا۔ یا آج کل کا زمانہ ہے کہ اگر کسی رئیس زادی نے اپنے ہاتھ سے اپنا دوپٹہ رنگ لیا تو اُن کی عزت خاک میں مل گئی۔ روایت ہے کہ اکثر صحابہ جنہیں بڑے مرتبہ کے ذی مقدرت صحاب بھی ہوتے تھے۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لے آتے تھے حضرت عبداللہ بن سلام ایک متمول صحابی تھے۔ ایک دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ آپ لکڑیوں کا گٹھا اُٹھائے ہوئے آ رہے ہیں۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی اور کہا کہ

آپ تو امیر آدمی ہیں۔ آپ نے جواب دیا میں کبر و غرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران نہایت عالم فاضل اور ایک زبردست جرنیل تھے آپ کا علمی پایہ اسقدر بلند تھا کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے جب سعد رسول اللہ صلعم سے کوئی روایت کریں تو پھر اس کے بارے میں کسی مزید تصدیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن سادگی اور ہاتھ سے کام کرنیکی جو اسلام نے تعلیم دی تھی اُسے آپ نے کسی مرتبہ پر بھی پہنچکر نہ چھوڑا۔ ایک مرتبہ آپ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے کہ خود آپ کے صاحبزادے نے آکر کہا کہ یہ بھی کوئی اچھی بات ہے۔ لوگ تو بادشاہتیں کریں اور آپ جنگل میں گلّہ بانی کرتے پھریں۔ آپ نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ چُپ رہو۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مستغنی اور پرہیزگار بندے کو محبوب رکھتا ہے۔ حضرت سلمان فارسی کو جو مدائن کے گورنر تھے کئی ہزار دینار مشاہرہ ملتا تھا مگر باوجود اس کے وہ اپنے ہاتھ سے بوریئے بُنا کرتے تھے اور اسی سے معاش پیدا کرتے تھے اور اپنی تنخواہ راہ خدا میں خرچ کر دیتے تھے۔

حضرت علیؓ جو شہنشاہ کون و مکان کے داماد تھے۔ اس قدر سادہ زندگی بسر کرتے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی وہ اپنے ہاتھ سے ہر کام کر لیتے تھے اور اُنہیں مطلق شرم محسوس نہیں ہوتی تھی۔ کیا آج کل کوئی خان بہادر اپنی موٹر کار خود اپنے ہاتھ سے دھولیں گے؟ میرا خیال ہے کہ اس میں بھی اُنہیں شرم محسوس ہو گی۔ حضرت علیؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک بار آنحضرت کو فاقہ کی حالت میں دیکھکر ایک یہودی کے باغ میں گئے اور فی ڈول ایک کھجور معاوضہ طے کر کے ستر ڈول پانی کے کھینچے اور اس طرح ستر کھجوریں حاصل کیں اور آپ کے واسطے لائے۔

اُم المومنین حضرت سودہؓ کپڑے بُنا کرتی تھیں۔ کیا ہماری شریف زادیاں بُننے کاتنے کا کام کرنا پسند کرینگی۔ باوجودیکہ حضرت ابوبکر بڑے امیر کبیر اور ذی حیثیت آدمی تھے

مگر انہیں کبھی ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی عار نہ ہوتی تھی خلیفہ ہونے کے بعد بھی وہ محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو دنیائے اسلام میں وہ مرتبہ حاصل تھا جو جرمنی میں شاید آج ہٹلر کو بھی حاصل نہیں ہے مگر آپ کاندھے پر مشک ڈالکر بیوہ عورتوں کے واسطے پانی لاتے تھے اور مجاہدین کے بال بچوں کے لئے بازار سے سودا سلف خرید کر دیتے تھے۔

حضرت عثمانؓ جو شاید سب صحابہ میں زیادہ امیر کبیر تھے تہجد کے وضو کے واسطے اپنے ہاتھ سے خود پانی گرم کر لیتے تھے۔

یہ بات نہیں کہ قرون اولیٰ کی یہ قابل تقلید مسلمان بہ سبب غریبی کے اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ یہ اسلامی تعلیم کی سچی پیروی تھی جس کی وجہ سے وہ سب کے سب ہر کام کے لئے تیار رہتے تھے اور کسی کام سے اُن کی عزت میں بٹہ نہیں لگتا تھا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر جب مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ چلے تو حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم پانی کی مشکیں بھر بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ مشک خالی ہو جاتی تو اور بھر لاتیں۔

حضرت اسماء جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں جو جزیرہ عرب میں بڑے مالدار سمجھے جاتے تھے لیکن بایں ہمہ وہ اپنے ہاتھ سے سب کام کرتی تھیں اونٹ اور گھوڑے کی نگہبانی کرتیں اور جب اُن کے میاں زبیرؓ کو حضورؐ نے زمین کا ایک قطعہ مرحمت فرمایا تو وہ وہاں جاکر کھجوروں کی گٹھلیاں چنتی تھیں اور ایک میل تک اُن کا گٹھا سر پر لاد کر لاتی تھیں۔ حضرت زینب بنت ابو معاویہ جن کی شادی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہوئی تھی بہ سبب غربت کے اپنے ہاتھ سے محنت مشاقہ کرتی تھیں اور تب جاکر گھر کا خرچہ چلتا تھا۔ الغرض کہاں تک مثالیں دی جائیں ایسے لوگوں کو جو اپنے ہاتھ سے اپنے جوتوں پر پالش کرنی بھی بُری سمجھتے ہوں یہ سب نصیحتیں بیکار ہیں ورنہ تو اور خود سرکار دو عالم وجہ آفرینش کون ومکان، سرور دین و دنیا شافع محشر سادگی کا ایک قابل نمونہ تھے۔

احادیث میں بتواتر آیا ہے کہ آپ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے۔ گھر کے کام کاج میں بیویوں کا ہاتھ بٹاتے۔ اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے۔ جوتہ گانٹھ لیتے تھے۔ حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ غزوۂ خندق میں اینٹیں اور پتھر بھی ڈھوئے۔ حتیٰ کہ سینہ مبارک گرد و غبار سے اٹ گیا۔

اے مسلمان بیبیو کیا اپنے راہبر اور ہادی کی سچی مثال بھی تمہیں جھوٹی رسم اور جھوٹے رواج سے آزاد نہ کریگی۔ کیا آپ ابھی گاؤ تکیہ سے لگے ہوئے ملازموں پر حکومت کریں گی؟ کیا اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا اب بھی آپ کے لئے باعث ذلت رہیگا۔ کیا سادگی اور بےتکلفی سے آپ کی کسرشان ہوگی۔ افسوس دیار مغرب کے لوگ تو ہمارے سچے راہ نما کے اسوۂ حسنہ سے سبق حاصل کریں اور ہم ابھی تک جہالت اور گمراہی کے گڑھے ہی میں پڑے رہیں۔

عیش و غم

اے ہلالِ عید اے آئینہ دارِ روزگار — دیکھ اپنی روشنی میں ظلمتوں کا اقتدار

اک طرف سرمایہ داروں شہریاروں کا شکوہ — اک طرف نادار و مفلس اور یتیموں کا گروہ

اک طرف لب پر تبسم رخ پہ امواج شباب — اک طرف مایوس آنکھیں ضعف شکوہ اضطراب

اک طرف زرّیں لبادے عطر میں ڈوبے ہوئے — اک طرف پیوند کے محتاج میلے چیتھڑے

اک طرف معدے کی کمزوری کا شکوہ برزباں — اک طرف فاقہ پہ فاقہ الحفیظ والاماں

اک طرف ہے قہقہوں کی گونج دّراتی ہوئی — اک طرف ہے موت کی سی خامشی چھائی ہوئی

اک طرف ساز طرب ہے نغمہ ریز و نغمہ بار — اک طرف آہ و فغاں کے بھیس میں دل کی پکار

اک طرف پیری پہ بھی رنگِ شباب آیا ہوا — اک طرف ہر غنچۂ نوخیز مرجھایا ہوا

اک طرف مر مر کے جینے کی تمنا دل میں ہے — اک طرف ہر ہر نفس بس آخری منزل میں ہے

اک طرف ہے ظلم و سفاکی تشدد، اقتدار — اک طرف رحم و کرم کی آس کے امیدوار

اک طرف فرعون کی سی کبریائی کا جلال — اک طرف مجبوریاں، بیچارگی حزن و ملال

محفلِ عشرت کے پہلو میں صفِ ماتم بھی ہے
عید سرتاپا مسرت بھی سراپا غم بھی ہے

(مدینہ)

مشرق و مغرب

(از حمیدہ سلطان صاحبہ)

(۳)

آج بی زہرہ صبح کے نو بجے بیدار ہوئی تھیں چونکہ شب کو تھیٹر سے ایک بجے کے بعد واپس آئی تھیں۔ جاگنے کے بعد بھی بہت دیر تک بستر میں پڑی انگڑائیاں لیتی رہیں حسب معمول بستر میں چائے پی۔ غسل اور آرائش و زیبائش سے گیارہ بجے تک فارغ ہوئیں۔ چونکہ اس وقت کہیں باہر جانا نہ تھا اسلئے بریک فاسٹ، کھا کر پیانو کے ساتھ دل بہلانے لگیں۔ اپنی دلکش آواز اور نغمۂ سرود پر خود ہی جھوم رہی تھیں کہ آیا نے جا کر طلبی کا پیغام دیا۔

بصد ناز و ادا اُٹھیں اور اٹھلاتی ہوئی پہونچیں۔ لیکن باپ کے انداز برہمی کو دیکھکر سمجھ گئیں کہ آج دال میں کچھ کالا ہے۔ ہمیشہ کے مطابق اُن کی پیشانی کا بوسہ لینا چاہا۔ مگر بیرسٹر صاحب نے ہاتھ سے روک کر تحکمانہ انداز میں کہا۔ بیٹھ جاؤ۔ زہرہ مجھے تمہارے اس رسمی برتاؤ کی ضرورت نہیں۔ تمہارے دل میں اب وہ معصومانہ جذبۂ محبت نہیں جو ایک مشرقی بیٹی کے دل میں باپ کے لئے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے مجھے تمہاری یا تمہارے اس مصنوعی اظہارِ الفت کی بالکل پرواہ نہیں۔

خیر یہ بتاؤ کہ تم نے میرے منع کرنے کے باوجود مسوری میں اس قدر قرض کیوں کیا۔

زہرہ نے بھولا منہ بنا کر جواب دیا۔ کچھ بہت تو نہیں ہے پاپا۔

بیرسٹر صاحب نے غضب آلود لہجے میں کہا۔ ناہنجار لڑکی! صرف تیرے ٹائیلٹ کا سامان ہی ایکسو ساٹھ روپے کا آیا ہے۔ تاراچند بزاز کے ہاں سے ڈیڑھ ہزار کی ساریاں اور کپڑا خریدا ہے پھر سگرٹ کا بل پچپن روپے کا ہے اور کلب کا بل ساڑھے تین سو کا الگ۔ یعنی صرف

تیرے ذاتی بل ڈھائی ہزار سے بھی کچھ زیادہ کے ہیں۔ بے شرم! تو جانتی ہی کہ میرا پیشہ ایسا نہیں کہ ماہ بماہ بندھی رقم ملجائے۔ کسی مہینے تین چار ہزار مل گئے اور کبھی تین چار سو بھی نہیں یہ تیری ماں کا سلیقہ ہے کہ اُنہوں نے شادی کے بعد ہی پس انداز کرنا شروع کر دیا تھا اور اُن کی جُز رسی کی بدولت اب مجھے ہر ماہ بنک سے صرف منافع کا ساڑھے چھ سو روپے ماہوار مل رہا ہے۔ اور آبائی جائداد کے علاوہ دو کوٹھیاں میری ذاتی موجود ہیں۔ تیری طرح اگر وہ بھی فضول خرچ ہوتیں تو آج میں اس شان سے زندگی نہ بسر کرتا ہوتا۔ جس دن سے تو نے ہوش سنبھالا گھر کی خیر و برکت اُڑ گئی۔ تجھ سی بے حیا لڑکی خدا دشمن کو نہ دے۔

زہرہ نے بسور کر کہا۔ آپ تو خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہیں۔ میں نے تو کوئی زیادہ خرچ نہیں کیا۔ نوشابہ کا تو ایک ماہ کا بل کلب میں پانچسو کا ہوتا ہے۔ اور وہ کیسی قیمتی ساڑھیاں پہنتی ہے۔ اور کس شان سے رہتی ہے۔

بیرسٹر نے زہر خند ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ بیوقوف! تو نوشابہ سرکاؤس جی کی اکلوتی لڑکی سے مقابلہ کرتی ہے جس کا باپ اس وقت کروڑپتی اور کئی ملوں کا مالک ہے۔ نوشابہ جتنا صرف کرے تھوڑا ہے۔ اور ہاں یہ تو بتا زہرہ یہ تو نے شراب خواری کس سے سیکھی۔ کہہ دو کہ نوشابہ جو پیتی ہے۔ بدبخت لڑکی۔ پارسیوں کی تو پرورش شراب پر ہوتی ہے۔ اس کے مذہب میں یہ جائز ہے۔ لیکن اسلام نے تو اس کو حرام کیا ہے۔ تو ایک مسلمان لڑکی اور وہ بھی اس سیّد خاندان کی۔ جس کی عورتیں تو درکنار مردوں نے بھی شراب نہیں چکھی۔

ایسی پاکیزہ اخلاق ماں کی بیٹی۔ جس کو سگرٹ کی بو تک ناگوار ہے۔ جو آزادی کے باوجود بھی کبھی ایک وقت کی نماز قضا نہیں کرتی۔ رمضان کے تیسوں روزے رکھتی ہے لعنت ہے تجھ پر کہ شراب پینے کو اپنا دین اور برج کھیلنے رقص کرنے کو اپنا ایمان سمجھتی ہے۔ درحقیقت قہر خداوندی تیری صورت میں مجھ پر نازل ہو رہا ہے۔ احکام

شرعی کے خلاف میں نے تجھکو پرورش کیا۔ اس کی تو مجھکو سزا دلوا رہی ہے۔ ایک اوسط حال بیرسٹر کی بیٹی بھلا کس طرح کرطوڑپتی انسان کی لڑکی کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ سوچ سمجھ اور سنبھل۔ تیری بدولت میں وطن میں موںھ دکھانے کے قابل نہ رہا۔ مگر تیرے کان پر جوں نہ رینگی۔ یہاں بھی تو نے اپنے ہتھکنڈوں سے مجھے ذلیل کرنے کی ٹھانی وہاں تیری پوشیدہ شرابخوری کی خبر ملی تھی۔ اس کو میں جھوٹ سمجھا۔ یہاں تو بالکل ہی کھل کھیلی۔ سُن اور کان کھول کر سُن تو مسوری چھوڑنے سے قبل شریف مسلمان نوجوانوں میں سے کسی کو بھی اپنے لئے منتخب کرلے۔ تاکہ میں اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ پھر تو جان اور تیرے افعال۔ لیکن اگر تو نے اپنا ہی طریقہ رکھا جواب ہے تو سُن لے میری خودداری کو تو نے اپنی نازیبا حرکات سے اب بہت مجروح کر دیا ہے۔ میرا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی روز میں شدتِ غضب میں تیرا قصہ ہی پاک کردوں۔ اور میرے ہاتھ تیرے ناپاک خون سے آلودہ ہو جائیں۔ جا میری نظروں سے دور ہو اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کر۔

باپ کے آخری الفاظ سن کر زہرہ چونک پڑی اب تک وہ ایک بُت کی مانند بے حِس و حرکت کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس سے قبل زاہد نے کبھی زہرہ کو اتنا سخت سُست نہیں کہا۔ اس وقت وہ مسٹر زاہد بار ایٹ لا نہ تھے۔ بلکہ سید محمد زاہد۔ اور خاندان سادات کے ایک غیور فرد تھے۔ خاندانی جلال موجودہ تہذیب پر آخر غالب آگیا۔ زہرہ عمداً سے چاہتی تھی کہ کسی طرح باپ کے سامنے سے ہٹ جاؤں۔ اُن کی غضبناکی سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اب وہ زہرہ کو مار بیٹھیں گے۔ کانپتی ہوئی اُٹھی اور نیچی نظریں کئے۔ اُلٹے سیدھے قدم ڈالتی اپنی خوابگاہ میں پلنگ پر جا پڑی۔ آج پہلی دفعہ ہوش سنبھالنے کے بعد زہرہ کی حسین آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور وہ سسک سسک کر رونے لگی۔ باپ کی اس قدر سختی اور اس نادری حکم کی اس کو بالکل توقع نہ تھی جس دن کا

خیال اس کو خواب میں بھی نہ آتا تھا۔ نت نئی تفریحات اور حسن کے شیدائیوں کے ہجوم جبکہ اس کو پوری آزادی نصیب تھی کیا اس کو کتے نے کاٹا تھا جو اپنی آزادی کو ختم کر دیتی اور کسی ایک کی پابند ہو کر اپنے اور پرستاروں کو مایوس کر دیتی۔ لیکن اب حالات بدل چکے تھے۔ ان چند لمحوں میں باپ کے تیور دیکھکر زہرہ کے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ اُن سے اس کی توقع فضول تھی کہ اب بھی وہ زہرہ کو پہلے کی طرح آزاد رکھیں گے۔ تین چار گھنٹے اسی اُلجھن میں گذر گئے۔ لنچ پر وہ نہ خود گئی نہ ماں باپ نے پوچھا۔ دونوں کو غصہ تھا۔ آیا نے ایک دو دفعہ کہا۔ لیکن زہرہ نے جواب نہ دیا تو وہ بھی خاموش ہو گئی۔ ٹینس کا وقت بھی آیا اور چلا گیا۔ لیکن وہ اپنے کمرے سے نہ نکلی۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ بہتری اسی میں ہے کہ برائے نام میں کسی کی پابند ہو جاؤں اور پھر خوب رنگ رلیاں مناؤں۔ اس فیصلے کے بعد اس کو سکون ہوا۔ بہتے ہوئے آنسو رک گئے۔ حسن و جمال کا وہ غرور جو ہر وقت اس کے ساتھ رہا کرتا تھا پھر واپس آگیا اور وہ شہزادی کی مانند بستر سے اُٹھی۔ موتھ پر سرد پانی کے چھینٹے دیئے۔ بکھرے ہوئے بال سنوارے۔ پھر آیا کو چائے وہیں کمرے میں لانے کا حکم دیا۔ یکایک اس کو خیال آیا آج شام کو چھ بجے نواب زادہ قمر الزماں کے ہاں ڈنر پر جانا ہے۔ گھڑی پر نظر ڈالی تو پانچ بج رہے تھے۔ نوابزادہ قمر کا خیال آتے ہی اس نے دل میں کہا کیوں نہ قمر کو ہی میں اپنے لئے منتخب کروں حسین وجمیل ہے ڈیڑھ لاکھ کے تعلقہ کا واحد مالک ہے۔ تعلیمیافتہ روشن خیال مہذب ہے اور پھر سب سے زیادہ یہ کہ مجھے چاہتا ہے ہاں بس یہی ٹھیک رہیگا۔ زیرلب اس نے کہا۔ چونکہ یہ پارٹی بھی تھی اس لئے چھ بجے کا بلاوا تھا۔ چائے اس نے جلد جلد ختم کی۔

دوسرے لمحے میں وہ اپنے لباس خانہ میں تھی اور بیشمار خوبصورت فیشن ایبل ساریاں اس کے سامنے فرش پر پھیلی ہوئی تھیں وہ ہر ایک کو ناقدانہ نظر سے جانچ رہی تھی۔ کون سی ساری میں وہ زیادہ حسین نظر آئے گی۔ یہ خیال برابر اس کے دماغ میں چکر لگا رہا تھا۔

آخر بہت غور و خوض کے بعد ایک بہت قیمتی سیاہ بروکیڈ کی ساری جس پر طلائی جال بنا ہوا تھا اور بہت خوبصورت طلائی کنارا لگا ہوا تھا اُٹھالی۔ ٹھیک چھ بجے پورے ایک گھنٹے کے بعد بن سنور کر وہ انا البرق کہتی ہوئی اپنے سنگھار کمرے سے نکلی۔ رکشا طیار کھڑی تھی۔ آیا نے قیمتی سمور کا سیاہ کوٹ پہنایا۔ زہرہ نے رکھشا کے قلیوں کو قمر لاج چلنے کا حکم دیا اور خود اطمینان سے مخملی گدی سے سہارا لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کے حسن و جمال کو یوں تو کسی زیبائش کی ضرورت نہ تھی لیکن آج زہرہ کو قمر پر پوری طرح فتح حاصل کرنی تھی اسلئے حسن و ناز کے پورے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر گئی۔

قمر لاج کی پورچ میں جا کر رکشا رکی تو نوابزادہ قمر زہرہ کی پیشوائی کے لئے آئے زہرہ کے لئے ایسا پرتپاک خیر مقدم کوئی نئی چیز نہ تھا۔ البتہ اس کے دل میں آج ایک نئے خیال نے جگہ لی تھی۔ زہرہ مرمریں سیڑھیاں طے کرتی جاتی تھی اور دل میں سوچتی جا رہی تھی کہ اب سلسلۂ جنبانی کیونکر ہو کہ اتنے میں قمر نے اپنے ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا۔ پہلے تو ادھر اُدھر کی باتیں ہوا کیں پھر قمر الزماں نے خود ہی پوچھا کہ میری درخواست کو آج تو شرف قبولیت عطا ہو۔ زہرہ نے کہا مجھکو کیا عذر ہے۔

دو روز بعد ہی نواب زادہ قمر الزماں اور زہرہ جمال کی منگنی کی خبر مسوری کے طول و عرض میں بجلی کی مانند پھیل گئی۔ قمر اپنی اس کامیابی پر پھولے نہ سماتے تھے اور اس خوشی میں اُنھوں نے بہت عظیم الشان ایٹ ہوم دیا۔ مہمانوں کی تواضع مغربی طرز کے مطابق خود زہرہ بہت شوق سے کر رہی تھیں۔ اس کی کسی ادا سے بھی وہ شرم ظاہر نہ ہوتی تھی جو ہندوستانی لڑکیوں کا فطری جوہر ہے۔ وہی بیباکانہ قہقہے تھے۔ وہی شوخیاں تھیں اور وہی ادائیں۔ بالکل ایک یورپین مس معلوم ہو رہی تھی۔ منگنی کے بعد کے جتنے روز مسوری میں گذرے وہ زہرہ کے لئے ایک عہد زریں تھا۔ قمر روز نئے نئے تحفے اور زیور اور دنیا بھر کی بہترین چیزیں اس کے لئے مہیا کر رہا تھا اگر اُسکا

بس چلتا تو آسمان کے تارے بھی توڑ کر زہرہ کے قدموں میں ڈال دیتا۔ کچھ دن کے بعد زہرہ بھی قمر کے خلوص سے متاثر ہو کر قمر کی پابند ہو گئی۔

شراب خواری تو باپ کی سرزنش سے چھوٹ چکی تھی۔ چوری چھپے پی بھی لیتی تھی۔ مگر بخار ہوا تو ڈاکٹر نے کہا۔ تمہارے پھیپھڑوں پر شراب کا اثر معلوم ہوتا ہے اگر جلد ہی نہ چھوڑ دی تو یقیناً تم دق میں مبتلا ہو جاؤ گی۔ یہ سن کر زہرہ شراب سے بھاگنے لگی۔ سگرٹ بھی اب برائے نام رہ گیا تھا۔ کیونکہ قمر کو یہ پسند نہ تھا۔ ماں۔ باپ خوش تھے۔ اُن کو اب زہرہ کے سنبھلنے کی توقع ہو چلی تھی اور اس توقع کے ساتھ ہی اُن کی وہ غیر معمولی محبت پھر عود کر آئی۔ جو اُن کو زہرہ کے ساتھ تھی۔

الہ آباد آتے ہی اُن دونوں نے اپنی چہیتی بیٹی کی شادی کا اہتمام اعلیٰ پیمانہ پر شروع کر دیا۔ بیس ہزار روپیہ بنک سے شادی کے لئے نکالا۔ خیال تھا کہ ایک بڑے تعلقےدار سے لڑکی بیاہی جا رہی ہے۔ کوئی بات ایسی نہ ہو کہ سسرال والے طعنہ دیں۔ بہترین لباس مکلف ضروری سامان اور بیش بہا زیورات طیار کرائے جا رہے تھے۔ بہت دھوم دھام سے اکتوبر کے اوائل میں شادی رچی۔ شادی سے دو ہفتہ قبل خود قمر الہ آباد آئے اور صالحہ خاتون سے کہہ گئے کہ والدہ پرانے خیال کی اور رسوم کی پابند ہیں۔ میں اُن کا اکلوتا لڑکا ہوں۔ آپ اُن کی سب خوشیاں پوری کریں اور زہرہ کو سمجھا دیجئے گا۔ مسوری کی بات دوسری تھی۔ والدہ زیادہ بے باکیوں کو تو پسند نہ کریں گی۔ صالحہ نے کہا میاں ہم خود برادری والے ہیں۔ زہرہ کی مجال ہے جو یہاں کوئی ایسی ویسی حرکت کرے۔ وہ تو پردیس تھا تم مطمئن رہو۔ انشاءاللہ سمدھن یہاں سے خوش جائینگی۔ قمر تو اپنا اطمینان کر کے سدھارے۔ (باقی آئندہ)

حمیدہ سلطان از شِلانگ

مذہب سے لاپرواہی

عرصہ ہوا کہ مجھے ایک گاؤں میں جانے کا اور ایک مسلمان نمبردار کے گھر میں مہمان ہونے کا اتفاق ہوا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ گھر میں بڑا یا بچہ کوئی خدا کا نام لینا نہیں جانتا۔ میں نے ایک بی بی سے دریافت کیا کہ تم لوگ نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ میرے اس سوال کے جواب میں انہوں نے نہایت پُر اطمینان لہجہ میں فرمایا۔ کہ ہمارے ہاں نماز کا دستور نہیں ہے۔ اُف اس جواب سے مجھکو کس قدر کوفت پہنچی ہے کہ میں اس کو بیان نہیں کر سکتی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ سب جہالت کا سبب ہے کہ مذہبی فرائض کو دستور پر محمول کر لیا۔ مگر یہ سمجھ لینا شاید میری ناتجربہ کاری اور عدم واقفیت تھی ورنہ دراصل آج کل کے زمانہ میں ترقی تعلیم صرف اسی چیز کا نام ہے کہ مذہب کی طرف سے بالکل لاپرواہی اختیار کی جائے۔

ایک مرتبہ زنانہ کلب میں جلسہ تھا۔ بیگم مولانا محمد علی صاحب بھی شریک جلسہ تھیں۔ میں نے جلسہ میں مذہب اسلام پر تقریر کی اور نماز کی ادائیگی پر زور دیا۔ جس وقت میری تقریر ختم ہوئی۔ اس وقت نماز مغرب کا وقت قریب تھا۔ بیگم مولانا محمد علی صاحب نے حاضرین جلسہ سے نماز کے لئے کہا۔ جس پر تمام مسلمان بیبیاں نماز کے لئے تیار ہو گئیں۔ مگر ایک کالج کی ایک مسلمان طالب علم لڑکی یہ کہکر کہ "آجتک تو نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا نہیں یہاں اپنا مذاق کیوں اڑواؤں"، یہ کہکر باہر کھسک گئیں۔ اور ایک جوان لڑکی اپنی والدہ صاحبہ سے چپکے سے دریافت کرنے لگیں کہ مغرب کے کتنے فرض ہوتے ہیں۔ تعلیم یافتہ لڑکی کے اس سوال سے مجھے بہت افسوس اور صدمہ ہوا۔ تعلیم یافتہ لڑکوں اور لڑکیوں کی اپنے مذہب سے اس قدر غفلت اس قدر علیحدگی اتنی لاپروائی قابل افسوس ہی نہیں بلکہ

قابل شرم ہے۔

شادی بیاہ کے معاملات میں اپنے مطلب کے لئے کہ شرع میں لڑکے کو لڑکی کے دیکھ لینے کا حکم ہے کلام پاک کی آیتیں اور حدیثیں حوالے میں دیجاتی ہیں۔ مگر افسوس وہ پانچ وقت کا فرض جس کو خداوند کریم نے ہر شہری اور دیہاتی امیر و غریب مسلمان مرد مسلمان اور عورت پر اصلاح نفس اور درستی اخلاق کے لئے لازمی قرار دی ہیں ان کو اس طرح بھلا دیا گیا ہے کہ اس کے متعلق خداوند تعالیٰ نے کچھ فرمایا ہی نہیں۔ سی پارہ ۲۱ سورۂ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "نماز پڑھتے ہو کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے" مگر آہ آج کے مسلمانوں نے دنیاوی زندگی کے مقابلہ میں عاقبت کو بالکل بھلا دیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہر والدین نے دنیاوی زندگی کی تعلیم دی ہے اُن کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اُن کی لڑکی گانے بجانے میں اور علم موسیقی میں اعلیٰ مہارت رکھتی ہو۔ وہ سوسائٹی کی روح رواں ہو۔ اور دنیاوی ترقی کے میدان میں سب سے آگے ہو۔ ایک مرتبہ سفر میں سکنڈ کلاس کے درجہ میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور آزاد خیال بیگم صاحبہ سے میری ملاقات ہوئی جو ننگے سر کھلے گلے اور نصف آستین کا قمیص پہنے اور اپنے خیال میں شرعی پردہ کے اندر کھڑکی میں بیٹھی ہوئی نیچر کی سیر کا لطف اُٹھا رہی تھیں۔ مجھے برقعہ میں دیکھکر بولیں افسوس آپ شرعی احکامات پر غور نہیں فرماتیں۔ جس پردہ کی آپ پابند ہیں اس کا حکم قرآن شریف میں کسی جگہ نہیں آیا۔ میں نے جواب دیا کہ بیشک آپ کا فرمانا درست ہے۔ اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم خدا کے احکامات کی تعمیل صحیح طور پر نہیں کرتے۔ اور سیدھی راہ چھوڑ کر غلط راہ اختیار کرتے ہیں۔ اب دیکھئے نماز ہر مسلمان پر فرض ہے مگر آج کل کے مسلمانوں نے اس فرض کو بھلا رکھا ہے۔ میرے اس کہنے پر ان کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج کل کے زمانہ میں نماز روزہ کا دستور ہی نہیں رہا۔ یہ ظاہر داریاں پہلے زمانہ کے بیوقوف ملاؤں نے بنا رکھی تھیں۔ مذہب کی اصل پیروی بس یہ ہے کہ اپنا دل پاک ہو اور خدا کی وحدانیت کا

قائل ہو اور اچھے اخلاق کا حامل ہو۔ بہن صاحبہ کے ان تمام خیالات کا جواب میرے پاس ایک ہلکی سی آہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ افسوس پردہ کے معاملات میں تو اپنے خیال کے مطابق شرعی پابندی کے ساتھ ہدایت کی جائے مگر نماز کے لئے دستور کا نیا لفظ ایجاد کیا جائے۔ جس خدا نے کلام پاک میں پردہ کے متعلق احکامات ارشاد فرمائے ہیں اسی خدا نے اس کتاب میں نماز روزہ بھی ہر مسلمان پر فرض کیا ہے۔ پردہ اگر تعلیم نسواں کا مانع ہے تو کیا مذہبی فرائض کی پابندی بھی ترقی تعلیم کے لئے مانع ہے؟ ایک تعلیم یافتہ اور وقت کی قدردان خاتون کے لئے بال بنانے اور فیشن کے مطابق سنگار کرنے میں روزانہ کئی کئی گھنٹے ضائع ہو جائیں اور دو وقت کا غسل کرنا لازمی ہو مگر نماز کی ادائیگی کے لئے پانچ منٹ بھی وقف نہ کئے جائیں۔ افسوس صد افسوس۔ اسلام کے احکامات سے اس قدر بے پرواہی ساڑھیاں پہنو۔ سائے پہنو بال بناؤ۔ ہوا خوری کرو۔ بیڈمنٹن کھیلو۔ اپنے باپ۔ بھائی اور شوہروں کے ساتھ سیر و تفریح کرو۔ کالجوں میں داخل ہو کر علمی ڈگریاں حاصل کرو۔ مگر خدارا اپنے پیدا کنندہ کو مت بھولو۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکوٰۃ ادا کرو اور جہاں ہزاروں روپیہ فیشنوں اور دیگر سیر و سیاحت پر صرف کرتی ہو وہاں حج کے فرض سے بھی سبکدوشی حاصل کرلو۔ پھر دیکھو کون سا ملّا اور کون سا مولوی آپ پر یا آپ کی تعلیم پر یا آپ کی طرز معاشرت پر اعتراض کرتا ہے۔ ترقی کرو مگر اسلام کے دائرہ میں رہ کر اسلامی شان کے ساتھ جیسے کہ زمانہ گزشتہ میں مسلمان خواتین نے ترقی کی تھی۔ ہماری اخلاقی کمزوریاں اس وقت تک دور نہیں ہوسکتیں جبتک ہم اپنے مذہبی اصولوں پر کاربند نہیں ہوں گے۔ یہ اخلاق نہیں کہ کسی نے پانی کا گلاس آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اور آپ نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ شکریہ یا تھینکیو کہدیا۔ بلکہ اصل معنی اخلاق کے یہ ہیں کہ ہم ادنیٰ اور اعلیٰ سب سے یکساں برتاؤ برتیں۔ ہمارا ظاہر باطن ایک ہو جھوٹ سے نفرت کریں اور سچ کو اپنا شعار بنائیں اور خدا کی دی ہوئی دولت میں اپنے غریب بہنوں کا بھی حق

مسلم کی دلیری و دیانت

دریائے دجلہ کی وادی میں ایرانیوں اور مسلمانوں کی معرکہ آرا جنگ ہو تی ہی۔ چونکہ ایران کا دارالسلطنت " مداین ،، دریا کے اس پار نظروں کے سامنے ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے حوصلے بڑھے ہوئے ہیں سارے ملک ایران کی تمام جنگوں کا فیصلہ ہے ایرانی بھی جان توڑ کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ گھمسان کا رن پڑ رہا ہے کچھ ہی دیر میں جنگ کا نقشہ بدلتا ہوا دیکھکر ایرانیوں کو جان بچانے کی فکر پڑ گئی۔ ایرانیوں کے سامنے مسلمان ہیں۔ جن کے نیزوں کی بھالوں تلواروں کی دھاروں سے کہیں امن نظر نہیں آتا اور پشت پر دریائے دجلہ کی موجیں نگل جانے کو منہ پھاڑ رہی ہیں۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کے سامنے جمنے سے اس کو آسان سمجھا کہ اپنے کو دریا کے حوالے کر دیں۔ جلدی جلدی کشتی۔ بیڑے۔ ڈونگے جو کچھ بھی میسر آیا انہیں تیار کر کے جتنے اپنی جان بچا کر نکل سکتے تھے میدان چھوڑ کر نکل بھاگے۔ اتنے مسلمان تعاقب کر کے، دریا کے کنارے پہونچے اتنے ایرانی دریا کے اس پار " مداین ،، کی فصیل پر جا رہے اور لشکر اسلام کا تماشہ دیکھنے لگے۔

مسلمان سوار نیزوں کو تانے جبّوں کے دامن رانوں میں دبائے گھوڑوں کو سرپٹ ڈالے دشمن کے تعاقب میں تیزی کے ساتھ آ رہے تھے کہ سامنے کا راستہ دریائے " دجلہ ،، سے بند دیکھکر حیران رہ گئے۔ دم کے دم میں ساٹھ ہزار مسلم سواروں کے گھوڑے دریائے دجلہ کے کنارے پر صف بستہ نظر آنے لگے۔ اب اس منظر کو دیکھئے! دارالسلطنت مدائن کی فصیل کے نیچے دریائے دجلہ اپنی تیزی اور طغیانی کے ساتھ ٹھاٹے مار رہا ہے اس کنارے پر ساٹھ ہزار مسلم سوار انگشت بدنداں حیرت زدہ غصہ میں بھرے ہوئے اپنی ڈاڑھیاں چبا رہے ہیں کہ دشمن ہاتھ سے نکل گیا اور اپنے پاس دریا عبور کرنے کا سامان نہیں۔

مسلمانوں کے کمانڈر انچیف سپہ سالار لشکر اسلام حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھوڑی دیر میں دریا کے کنارہ پہونچ گئے یہ نقشہ دیکھکر اُنہیں اپنا خواب یاد آگیا کہ "مسلمان پا پیادہ دریائے دجلہ کو عبور کر رہے ہیں،، سارے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "دشمنوں نے دریا کی طغیانی میں پناہ لے رکھی ہے۔ تم اُن پر حملہ نہیں کر سکتے اور وہ جب چاہیں تم پر حملہ کر سکتے ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ دنیا تم پر غالب آ جائے اور اس میں ملوث ہونے سے تمہارے حالات بدل جائیں صدق و اخلاص میں کمی آ جائے اللہ کے واسطے کچھ کام کر لو۔ اور وہ کام یہ ہے کہ اللہ کے بھروسہ پر گھوڑوں کو دریا میں ڈالکر دریا کو اسی حالت میں عبور کر لیا جائے"۔ تمام کے تمام مسلم سواروں نے ایک زبان ہو کر بطیب خاطر جواب دیا "اللہ تعالیٰ آپ کے عزم میں برکت عطا فرمائے ہم سب مطیع اور تیار ہیں،، اس سوال و جواب کے فوراً ہی بعد دیکھنے والوں کی آنکھوں نے کیا دیکھا؟ کہ اُسی سمندر کے نیچے دریائے دجلہ کی اُٹھتی ہوئی موجوں اور منہ زوروں کی طغیانی میں ساٹھ ہزار گھوڑے ایسی تیزی سے جا رہے ہیں کہ جیسے خشک میدان میں دوڑتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہر مسلم سوار اللہ پر بھروسہ اور سب کے سب بڑے اطمینان سے دریا کو عبور کر رہے تھے۔

لشکر اسلام کے دریا میں داخل ہونے سے ایرانی بڑے خوش ہو ہو کر قہقہے لگانے لگے کہ عرب کے وحشی خشک ملک کے رہنے والے دریا کی موجوں کو کیا جانیں! جوش میں آ کے دریا میں گھس تو گئے ہیں اب سب کے سب ڈوب جائیں گے۔ ہمارے اہرمن نے ہماری مدد کی ہے کہ ہمارے دشمن خود بخود ہماری آنکھوں کے دیکھتے دیکھتے فنا ہو جائیں گے۔ لیکن جب یہ خدا پر بھروسہ کرنے والا لشکر جو اسی کا کلمہ بلند کرنے کے لئے گھروں سے سر کو کفن باندھ کر نکلا تھا دریا کو عبور کرتا ہوا فصیل کے قریب پہنچ گیا اور پہلے ہی دستہ کے نعرۂ تکبیر سے تھرتھرانے لگی تو ایرانیوں کو ہوش آیا۔ اب اپنے جان و مال کی فکر پڑی۔ بہت سے تو "دیواں آمدند دیواں آمدند،، کہتے ہوئے سروں پر پیر رکھکر بھاگے اس جلدی میں جس سے جتنا ممکن ہوا اپنا مال و متاع لیکر شہر سے نکلنے کی کوشش میں لگ گیا۔

لشکر اسلام پورے کا پورا ایران کے دار السلطنت میں بے روک ٹوک داخل ہوگیا۔ دشمن کے زن و مرد اسلام کی غلامی میں تھے اور مال و منال بیت المال کا ذخیرہ تھا۔ "مداین" جیسا شہر مسلمانوں کے لئے اجنبی جگہ گلی کوچے تو کیا سڑکوں سے بھی بے خبر تھے۔ پھر بھی جب کسی مسلمان کو جو کچھ ملتا تھا اس کو وہ اپنا مال نہیں تھا اسلام کے مکمل قانون کی اطاعت کرتا تھا جس مسلمان کے ہاتھ جو مال لگے وہ لاکر ایک ہی متعین شخص کے پاس جمع کردے۔

ایسے شخص کو جس کے پاس مال غنیمت جمع کیا جاتا ہے اس کو صاحب اقباض کہتے ہیں اسی افراتفری۔ آپا دھاپی نفسا نفسی میں ایرانی جان و مال بچا بچا کر بھاگ رہے تھے اور مسلمان مال غنیمت کو جمع کر رہے تھے۔ جو مسلمان جس گلی کوچہ میں گھس گیا وہاں کے مال کا مالک ہوگیا۔ مگر کیا ممکن ! کہ ایک حبہ کی خیانت ہوئی ہو۔ رتی رتی مال صاحب اقباض کے پاس پہنچتا رہا۔ اسی سلسلہ میں دو چار مسلمان، نہروان کے پل پر پہنچ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں چند ایرانی ایک خچر کو جس پر دو صندوق لدے تھے دھکیلتے ہوئے لئے جا رہے ہیں۔ مسلمان جو اسطرف لپکے تو ایرانی عرب کے دیوؤں کی صورت دیکھتے ہی بھاگ گئے ! مسلمانوں نے "خچر" پر قبضہ کرلیا۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ ان صندوقوں میں کچھ قیمتی پارچہ جات کچھ زیورات ہوں گے۔ مگر صندوق کے کھولتے ہی آنکھیں چکا چوند ہوگئیں ! کسریٰ ایران کا وہ بیش قیمت بلکہ انمول "تاج" تھا جس پر تمام ملک ایران کی کئی سالہ کل کی کل آمدنی جمع کی گئی تھی۔ جو کبھی کبھی عظیم الشان درباروں میں استعمال ہوتا تھا وہ "تاج" ہے ان مسلمانوں میں سے کسی ایک کے دل میں بھی یہ خطرہ پیدا نہ ہوا کہ: "اس بیش قیمت تاج کو کہاں صاحب اقباض کے پاس لیجائیں" لاؤ آپس ہی میں تقسیم کرلیں ! نہیں ایسا تو خطرہ بھی نہیں گذرا اور وہ اس خچر کو اسی طرح لدا لدایا صاحب اقباض کی خدمت میں لے گئے۔ اور کسی قسم کا تصرف نہیں کیا۔

ایک ہی دو دن میں جبکہ مسلمان صبح کا فریضہ ادا کرنے کے لئے بیدار ہو رہے تھے ایک مسلمان نماز کی تیاری کے لئے اٹھا اور قضائے حاجت کے خیال سے ایک باغ میں گھس گیا۔ صبح کا

سپیدہ نمودار ہوچکا تھا مگر تارے چھٹک رہے تھے اور باغوں میں ابھی کافی اندھیرا تھا۔ اسی صبح کے اندھیرے میں مسلمان نے اس باغ میں ٹھوکر کھائی۔ جس چیز کی ٹھوکر لگی تھی اُسے اُٹھا کر دیکھا تو وہ ایک ڈبہ تھا ا؛ روزنی ڈبہ تھا۔ اس خدا سے ڈرنے والے مسلمان نے اس کو کھولکر بھی نہ دیکھا۔ ادائے نماز سے پہلے ہی اُسے بند کا بند لئے ہوئے صاحب اقباض کی خدمت میں پہنچا۔ صاحب اقباض نے اس کے سامنے ہی اس ڈبہ کو کھولا تو اس میں سے اس قسم کے جواہرات برآمد ہوئے جنکو دیکھکر عملہ کے تمام لوگ کہنے لگے۔ ابتک مال غنیمت میں سے اس کے لگ بھگ مال نہیں آیا اور جتنا آیا ہے وہ سب ملکر بھی اس کے برابر نہیں ہے۔ صاحب اقباض نے اس مسلمان سے دریافت کیا۔ اس ڈبہ کے ملنے کے وقت اور بھی کوئی تھا۔ اس نے کہا "نہیں،، پھر دریافت کیا " تم نے اس میں سے کچھ نکالا ہے،، تو قسم کھا کر کہا۔ اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس ڈبہ کو تمہارے پاس تک نہ لاتا،، نام دریافت کیا گیا تو جواب دیا " میں اپنا نام بھی نہیں بتاؤں گا تم خواہ مخواہ میری تعریف کروگے اور شہرت دوگے میں صرف اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھکو یہ توفیق دی اور اسی سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔،، یہ کہکر وہ مسلمان چلدیا۔ صاحب اقباض نے آدمی بھیجکر پتہ لگوایا تو اُن کا نام عامر بن قیس معلوم ہوا۔

صاحب اقباض نے جب امیر جیش حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے مال غنیمت کے فراہم ہونے کی رپورٹ پیش کی تو اس میں عامر بن قیس کے ڈبہ لانے کا واقعہ بھی من وعن سنایا۔ اس واقعہ کو غور سے سننے کے بعد حضرت امیر عسکر نے فرمایا۔ خدا کی قسم یہ لشکر نہایت امانتدار ہے۔ اگر اہل بدر کی افضلیت ثابت نہ ہوچکی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ بھی ان کی برابر ہیں۔

ہم موجودہ مسلمانوں کے لئے اپنے اسلاف کے ان کارناموں میں کوئی عبد یت! کوئی سبق ہے کہ نہیں! ہم اُن مسلمانوں کی غیبی امدادوں پر تعجب

کرتے ہیں۔ حیرت میں رہجاتے ہیں کہ اُنہوں نے کیونکر طغیانی میں آئے ہوئے دریائے دجلہ کو عبور کرلیا۔ یہ عرب کے مٹھی بھر نہتے اور بھوکے وحشی کسریٰ کے باقاعدہ آئین پوش لشکر پر کیسے فتحیاب ہوگئے۔ مگر اُن حضرات کے ان کارناموں پر نظر نہیں ڈالتے کہ اُن میں خدا کی خشیّت۔ اللہ کا خوف! اور خدا پر بھروسہ کا یقین کس درجہ پر تھا جبکہ وہ بڑے سے بڑے مال و جاہ پر نظر نہیں ڈالتے تھے۔ خدا کا کلمہ بلند کرنا۔ خدائی قانون کی پابندی کرنا۔ اُن کے لئے جیسا جلوت میں ضروری تھا ایسا ہی خلوت میں ضروری تھا جبھی تو ہر موقع پر خدا کی امداد ہوتی تھی۔

پیکارِ عمل

کیا اسی بیچارگی کا زندگانی نام ہے　　یہ تو اے بیمارِ غفلت موت کا پیغام ہے
ہر گرہ دشواریوں کی کھول دی ہے سعی نے　　سُست کوشی جس نے کی وہ خوار ہو ناکام ہے
کھول آنکھیں و لوے دل کے نہ ہونے دے خموش　　اس جہاں میں عیش و راحت اک خیالِ خام ہے
مشکلیں کتنی ہی پیش آئیں نہ ہمت ہارنا　　محنتوں کے بعد ہی کچھ لذتِ آلام ہے
اپنے دل میں گرمیٔ ذوقِ عمل پیدا تو کر　　بزمِ عالم پھر تری ہی تابعِ احکام ہے
اپنا دل ہوا اور ہجوم یاس و حرماں کا شکار　　ہم مسلماں ہیں یہ ہم پر ناروا الزام ہے
ہر مصیبت میں یہ دل بڑھتا ہی راہ شوق میں　　پست فطرت وہ ہیں جنکو شکوۂ آلام ہے
مرحبا وہ موت جو بخشے حیاتِ جاوداں　　حیف ہے اس زندگی پر جو فنا انجام ہے
ہم جو یوں محکوم ہیں کمزور ہیں مجبور ہیں　　آج ہم پر ہر طرف سے یورش آلام ہے
صفحۂ تاریخ پر تاباں تھا جنکا نیک نام　　آج وہ ہر قوم میں ہر ملک میں بدنام ہے
ہم اُلٹ دیں گے زمانہ کے ورق گھبرائیں کیوں　　چند روزہ یہ ہجومِ صدمہ و آلام ہے

صبر و شکر آئینِ مسلم عزم و ہمت فرضِ دست
جانتے ہیں ہم کہ یہ اسلام کا پیغام ہے

(برہان)

توہم پرستی

اس مضمون پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آیندہ بھی لکھا جائے گا لیکن مسلمان بہنیں جتبک خود توجہ نہ کریں گی اور سب رسموں سے اپنی معاشرت کو پاک صاف نہ کریں گی مسلمانوں کی قوم کوئی ترقی نہیں کر سکتی یہ رسمیں فضول خرچی کی جڑ ہیں ان ہی میں مبتلا ہو کر ہم مفلس ہو گئے مگر یہ ابھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

اسلام ایک خوشنما پودے کی مثال ہے اور بُری رسموں اور توہمات نے اس کے شگفتہ اور روشن چہرے کو چھپا دیا ہے۔ بُری رسمیں ان کانٹوں کی جھاڑیوں کی طرح ہیں جو پودوں کے اردگرد اُگ کر ان کو بڑھنے اور پھولنے پھلنے سے روکتی ہیں اور پودے مرجھائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ہوشیار باغبان ہو تو وہ ان جھاڑیوں کو جڑ سے کاٹ کر الگ پھینک دیگا۔ تاکہ پودے اپنی پوری بہار دکھا سکیں۔ یہی مثال اسلام کی ہے یہ رسمیں خس و خاشاک کی طرح اس کو لپٹ گئی ہیں۔ جب تک دور نہ کی جائیں گی اسلام اپنی اصلی رنگ میں نظر نہیں آسکتا۔

یورپ امریکہ اور جاپان کے لوگ ان بُری رسموں کو جانتے بھی نہیں۔ ان کے دماغ اوہام کے غبار سے پاک ہیں۔ یورپ کے مرد اور عورتیں بجائے اس کے کہ جن بھوت اور آسیب سے ہر وقت ڈرا کریں۔ ان توہمات کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ ہمارے ہاں کبھی کسی نئے کام کو شروع کرنے سے پہلے شگون لینے کی رسم ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے دن اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ جو دن ہمارے ذہن میں بُرے بن چکے ہیں ہم اس دن نہ کوئی نیا کام شروع کرتے ہیں اور نہ کوئی سفر اختیار کرتے ہیں خواہ اس میں کتنا ہی نفع ہو۔ شگون لینا یا مہورت دیکھنا ہندوستان میں ہندوؤں کی رسم ہے۔ اسلام کو ان باتوں سے کیا واسطہ۔ اسلام تو السفر مفتاح الظفر کی تعلیم دیتا ہے۔ یعنی سفر کامیابی

کی کنجی ہے۔ یہ شرط نہیں کہ فلاں روز شمال کی طرف سفر کرنا چاہیئے اور فلاں روز جنوب کیطرف
اس توہم پرستی نے ہمیں بالکل کاہل اور نکما کردیا ہے۔ اگر ہم کو کہیں کسی غرض سے سفر کرنے کی
ضرورت ہے تو پہلے سوچ سمجھکر ارادہ مصمم کرلینا چاہیے اور فوراً اللہ پر بھروسہ کرکے بلاتامل اپنے
سفر پر نکل جانا چاہیئے۔ دنوں سفر کی تیاری ہوتی رہتی ہے اور پھر دن اور مہورت دیکھی جاتی
یہ محض توہم پرستی ہے۔ جو لوگ ان باتوں میں رہیں گے وہ نہ دنیا میں کچھ کریں گے اور نہ دین کو سنبھال
سکیں گے۔ ہماری اس توہم پرستی کا اثر نہ صرف ہماری ذات تک محدود رہتا ہے بلکہ ہماری
اولاد پر بھی اسکا اثر پڑتا ہے اور اسی طرح توہم پرستی ہمارے دماغوں پر مسلط ہوتی چلی جاتی
ہے۔ ہمارے بچے اسی لئے کمزور اور بزدل ہوتے ہیں۔ انگریزوں کو دیکھو کہ اپنے روزگار کی خاطر
ہزاروں کوس تک چلے جاتے ہیں اور دور دراز کے اور کٹھن سے کٹھن رستے طے کرنے میں ذرا نہیں
جھجکتے۔ یہاں ابھی تک کسی کو ولایت جانا ہوتا ہے تو کس مشکل سے گھر سے نکلنا ہوتا ہے خیرات
اور صدقہ تو خیر ایک اچھی چیز ہے ہر موقع پر دیا جا سکتا ہے مگر اس موقع پر خاص طور پر اسکا اہتمام
ہوتا ہے کہیں امام ضامن کے روپے باندھے جاتے ہیں کہیں حفاظت جان کے تعویذ ہوتے ہیں
غرض یہ سب باتیں ہماری اولاد کے دلوں میں بزدلی کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔

یورپ کی عورتوں کو دیکھو وہ کسطرح اکیلی سفر کرتی ہیں۔ انگلستان سے عورتیں کس بےفکری سے
آتی جاتی ہیں۔ ریل اور جہاز کے سفر کا تو ذکر ہی کیا اب تو یورپ کی عورتیں بے دھڑک ہوائی جہازوں
سے سفر کرتی ہیں۔ ہندوستانی عورتوں میں جہاز کا سفر کرنے والی بھی ابھی گنتی کی ہیں۔ ہوائی جہاز کی
صورت سے بھی ان کو خوف آتا ہے۔ ان خیالات کے زیر سایہ جن بچوں کی تربیت ہوگی۔ وہ کیا
دلیر و بہادر نکلیں گے۔ ہندوستان میں ہم نے اسلام کو اصلی رنگ میں ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ہمسایہ
قوم کی خوبو کا ہم پر اتنا اثر ہوا کہ ہم اسلامی روایات اور اسلامی شعار بالکل ہی بھول گئے۔ کیا وہ مسلمان
جو فن جہازرانی میں ماہر تھے دن اور وقت دیکھکر سفر کو نکلا کرتے تھے۔ کیا طارق نے جبرالٹر پہنچکر سب وہ
جہاز نہ جلادئے تھے جن کے ذریعہ سے انہوں نے بحیرۂ روم کو عبور کیا تھا۔ نہ جہاز ہوں گے نہ کسی کو وطن جانے کا

ہماری تعلیم

میں تعلیم کی ہرگز مخالف نہیں ہوں بلکہ میں سمجھتی ہوں کہ ہر ایک مسلمان کا فرض اولین ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دے اور لڑکیوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی باتوں کو گوش دل سے سنیں اور ان پر عمل پیرا ہوں اور اپنی فرمانبرداری اور شریف النفسی سے اپنی تعلیم کی عمدگی کا ثبوت دیں۔ تعلیم اگر اعلیٰ ہو تو وہ مذہب کی خوبیاں دل پر نقش کر دیتی ہے۔ اگر تعلیم ناقص اور ادھوری ہو تو وہ نہ ادہر کا رکھتی ہے نہ ادہر کا۔ خیالات کی خامی شرک اور الحاد میں مبتلا کر دیتی ہے۔

افسوس اکثر لڑکیاں تعلیم پاکر تعلیم کو بدنام کرتی ہیں اور اسقدر آزاد خیال ہو جاتی ہیں کہ اپنے مذہب کے حدود سے باہر ہو جاتی ہیں۔ وہ تعلیم کے یہ معنی سمجھتی ہیں کہ آزاد ہو کر پردہ تو بالائے طاق رکھ دیں غیر مردوں سے نہ شرم کریں نہ لحاظ۔ مردوں کی پارٹیوں میں بلا تکلف شریک ہوتی ہیں۔ لباس کا کچھ ایسا ڈھنگ نکالا ہے کہ جسم کا کوئی پردہ ہی نہیں۔ اسلام نے مردوں سے شیک ہینڈ یعنی ہاتھ ملانے کی اجازت کہاں دی ہے۔ رخصت کے وقت سلام علیک کہنے کی بجائے گڈبائی وگڈنائٹ کہکر فخر کرتی ہیں اور مرد ہیں کہ اُن کی ان حرکات کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہماری بیوی تعلیم یافتہ ہوگئیں۔ ہارمونیم پر گانا سنا رہی ہیں اور اپنی موسیقی دانی پر اپنے باپ اور اس کے دوستوں سے داد لے رہی ہیں۔ یہ کہاں کی شرافت ہے ایسی لڑکیاں رقص سیکھنے کا بھی شوق رکھتی ہیں۔ رنج تو اس وقت ہوتا ہے جب میں مسلمان لڑکیوں کو اسقدر آزاد اور بیباک دیکھتی ہوں۔ میں صرف ان چند باتوں کا ذکر کر رہی ہوں جو میں اکثر اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہتی ہوں اگر میں تفصیل سے کہوں تو میرا مضمون بہت طویل ہو جاتا ہے۔ میرے اس مضمون سے ناظرات یہ نہ سمجھیں کہ میں تعلیم کو برا سمجھتی ہوں۔ میں تعلیم کی بیحد

قائل ہوں لیکن ایسی تعلیم جو بُری باتوں سے بچائے اور اچھی باتیں سکھائے ہمارے اخلاق درست کرے اور ہم کو شریف النفس بنائے۔ مسلمان لڑکیاں نماز کا تو نام بھی نہیں لیتیں اور ادنیٰ عارضی بیہودہ باتوں میں زیادہ توجہ صرف کرتی ہیں۔ حالانکہ ایک مسلمان کے لئے سب سے مقدم نماز اور کلام مجید کی تلاوت ہے۔ تلاوت بھی ایسی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ یعنی قرآن مجید کو سمجھکر پڑھیں۔ تعلیم حاصل کرنے کی اصلی غرض تو خدمت خلق۔ ماں باپ کا ادب اخلاق کی درستگی اور ایسی ہی اور اچھی باتیں سیکھنا ہے تعلیم پاکر لڑکیوں کو چاہیئے کہ اپنے ماں باپ کا نام روشن کریں نہ کہ اُن کو بدنام کرتی پھریں کہ ہمارے ماں باپ نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے اصلی تعلیم ہم کو جہالت اور بیکار باتوں سے بچاتی ہے۔ سیدھے راستہ پر چلنے کی ہدایت کرتی ہے ہم کو اچھی اور بُری بات میں تمیز کرنا سکھاتی ہے۔

ہزاروں جاہل لڑکیاں اپنی جہالت کے ہاتھوں اپنی خوشش نصیب زندگی سے ہاتھ دھوئے بیٹھی ہیں اور وہ اپنے مذہب سے بھی اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔ کوئی مصیبت آن پڑے تو تعویذ اور گنڈوں سے کام لیتی ہیں اور ایسی ایسی بیجا باتیں کرنے لگتی ہیں کہ شرک کی گنہگار ہوجاتی ہیں۔ اُن کو توبہ کرکے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیئے۔ لیکن وہ اس بے نیاز سے دعا نہیں کرتیں۔ کیونکہ وہ جاہل ہیں۔ تعلیم یافتہ ہوتیں تو وہ خود سمجھ سکتی تھیں کہ خداوند کریم خود ارشاد فرماتا ہے۔ کہ اپنے پروردگار سے عاجزی کے ساتھ علیحدگی میں دعا مانگا کرو۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ مجھ سے مانگو میں قبول کرونگا۔ جہالت اُن کو خدا سے دور کرتی ہے اور تعلیم اس کے قریب کرتی ہے

نسیم جمال آرا اعلیٰ گڑھ

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشم نگراں اور

احوال و مقامات پر موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اقبال

حیدرآباد میں ضعیف الاعتقادی

رسالۂ نسواں میں کچھ عرصہ ہوا کہ اختر زمانی صاحبہ نے ہماری ضعیف الاعتقادی پر ایک مضمون نہایت قابلیت سے لکھا تھا۔ واقعی ہم اپنی ضعیف الاعتقادی کی بدولت بہت نقصان اُٹھا رہی ہیں۔ مگر حیدرآباد کی حالت سب جگہ سے بدتر ہے۔ یہاں کی مسلمان خواتین عام طور پر تعویذ گنڈوں کی بہت قائل ہیں اور پیر پرستی نے تو حالت اور بھی تباہ کر رکھی ہے۔

کسی مشہور پیر کی حیدرآباد میں آنے کی خبر معلوم ہو جائے تو پھر دیکھئے یہاں کی کتنی عورتیں وہاں پہنچتی ہیں۔ صرف جاہل طبقہ کی عورتیں نہ جائیں گی بلکہ پڑھی لکھی عورتیں بھی اپنی ضعیف الاعتقادی میں کسی سے کم پیچھے رہنے والی نہیں ہیں۔ تعلیم کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں۔ اگر لکھنے پڑھنے میں کسی کو شُدبُد ہو جائے تو وہ تعلیم یافتہ نہیں ہو سکتی۔ اصل تعلیم تو یہ ہے کہ دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کی جائے۔ یہاں کی اکثر عورتیں مردوں کی دیکھا دیکھی مذہب کو بالکل ترک کئے جا رہی ہیں۔ خدا اور رسولؐ کے احکام کی بھی پرواہ نہیں ضعیف الاعتقادی کو تعلیم ہی دور کر سکتی ہے مگر وہ تعلیم ہی حاصل نہیں کی جاتی۔ جو تعلیم حاصل کی جا رہی ہے وہ ان کو اسلام سے بہت دور لیجا رہی ہے۔ مگر اس خرابی کا کون ذمہ دار ہے۔ وہ خود نہیں بلکہ آج کل کی تعلیم حاصل کرنے والیوں کی مائیں ہیں کاش وہ مائیں یہ سمجھ سکیں کہ ان کی لڑکیوں کو کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ ماؤں کی ضعیف الاعتقادی کا شکار سب سے زیادہ وہ بدنصیب بچے ہوتے ہیں جو کسی ولی یا پیر کی دعا سے دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور جن کی زندگی کا دارومدار نعوذ باللہ اسی ایک شخص کی نظر عنایت پر ہوتا ہے۔ مجھے ایسے کئی گھرانوں کا حال معلوم ہے جہاں پیروں کی دعاؤں کو بڑا دخل ہے

جب ذرا کہیں کسی بچے کی طبیعت خراب ہوئی تو فوراً پیر صاحب کے پاس آدمی بھاگا گیا کہ خدا کے لئے جلد آیئے اور بچے کی جان بچایئے۔ تعویذ پر تعویذ دیا جاتا ہے۔ اگر شفا ہو گئی تو پھر کیا ہے اگر نہ ہوئی تو کہدیا جاتا ہے کہ خدا کی مرضی یونہی تھی۔ ان تعویذوں کی وجہ سے علاج معالجہ کی طرف توجہ ہی نہیں کی جاتی۔ شفا بخشنے والا تو خدا ہے مگر خدا نے کب بتایا ہے کہ دعا مانگو تو دوا نہ کرو۔

میرے خیال میں ایک بیمار بچے کے حق میں جو دعا سب سے زیادہ مفید ہو سکتی ہے وہ اسکی ماں کی اپنی دعا ہے۔ اس طرح کی پُر اثر دعا اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ بجائے پیشہ ور پیروں کی تلاش کے اگر ہم خود خلوص سے اس بے نیاز کی درگاہ میں سر جھکا دیں تو وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے وہی دعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے۔

حیدرآباد میں خانقاہیں اس کثرت سے ہیں کہ شاید اور اتنی کسی جگہ نہ ہوں گی۔ ہر خانقاہ پر ہر وقت زایرین کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ کوئی مزار مبارک کو چوم رہا ہے کوئی سجدہ کرتا ہے کوئی مزار کے غلاف سے آنکھوں کو رگڑتا ہے۔ کوئی سجدے میں صاحب مزار سے مرادیں مانگتا ہے منتیں مانتا ہے غرض یہ سب کام شرک کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے سوا کسی سے مراد نہ مانگو وہ تو خود تمہاری طرح ہمارے محتاج ہیں۔ مزاروں کے مجاور پیر کی تعریفوں کے پُل باندھتے ہیں اگر وہ تعریف نہ کریں تو اُن کو نفع کہاں سے ہو۔ جو عورتیں مزاروں پر جانے کی عادی ہیں وہ یہ نہیں سمجھتیں کہ سب قسم کے آوارہ لوگ بھی ان مزاروں پر جاتے ہیں۔ ایک شریف عورت کا ایسی جگہ پر جانا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مگر حیدرآباد میں کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ مرد بھی کثرت سے جاتے ہیں اور عورتیں بھی خدا ہم کو ہدایت دے اور شرک کی تمام باتوں سے بچائے۔ ام کلثوم از حیدرآباد دکن

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج۔ دل پریشاں سجدہ بے ذوق کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

تقلید بیجا

"مسلمانو! تم دوسروں کے راستوں پر نہ چلو۔ اگر تم اُن کے راستوں پر چلوگے تو یاد رکھو کہ یہ روش تم کو گمراہ کردیگی اور تم کو اصلی راستہ سے ہٹا کر بہت دور لیجا پھینکے گی۔ ہم تمہیں یہ ہدایت اس لئے کرتے ہیں کہ تم شاید پرہیزگاری کی زندگی بسر کرسکو۔"

کتنی سچی اور صحیح تعلیم ہے۔ وہ مسلمان خواتین جو مغربی معاشرت کی کورانہ تقلید کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں وہ مندرجہ بالا ہدایت ربانی پر غور کریں۔ اگر وہ مسلمان ہیں اور اسلام پر دل سے ایمان رکھتی ہیں اور قرآن مجید کو اللہ کا کلام جانتی ہیں تو بتائیں کہ ایک مسلمان پر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل فرض ہے یا نہیں۔ ہم حیران ہیں کہ مسلمان اگر اللہ کو حاضر ناظر جانتے ہیں تو وہ اس حکم ربانی سے سرتابی کیونکر کرسکتے ہیں۔

ہم نے ہندوؤں کے رسم و رواج اختیار کرنے میں تامّل نہ کیا۔ تمدن مغرب نے ہمیں جو ناچ نچایا ہم ناچے۔ ہم نے مسلمان کہلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پرواہ نہ کی جس روش پر چلنے سے ہم کو منع کیا گیا تھا ہم اسی روش پر چلے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہے۔ کیا یہ اس کے صریح احکام کی خلاف ورزی نہیں۔

مسلم خواتین خود سوچیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس تنبیہہ سے کیا مقصود تھا۔ یہ تنبیہ ہمارے ہی نفع کے لئے تھی یا کسی اور غرض سے تھی۔ اللہ کا یہ احسان کچھ کم تھا کہ ہم کو سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت فرمائی۔ اگر ہم اس راستے پر نہ چلیں تو خدا کے حکم کی نافرمانی کے علاوہ ہمکو ادھر اُدھر بھٹک کر ٹھوکریں کھانے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر ہمارے پاس مکمل ہدایت نامہ آچکا۔ جو ہماری زندگی کے

ہر مرحلے کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ قرآن میں اوامر و نواہی موجود ہیں جن پر عمل کرنے سے ہم اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتے ہیں اور ممنوع باتوں سے احتراز کر کے ہم ناکامیوں اور لغزشوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا تنبیہ ہمیں اغیار کی رسوم اور تمدن کے اختیار کرنے سے روکتی ہے ہمارے پاس ان مسلمانوں کے کارنامے موجود ہیں جنہوں نے اللہ کی بتائی ہوئی روش پر چلکر دونو جہان میں کامیابی و سرخروئی حاصل کی تھی۔ کیا اسلاف کی زندہ مثالیں اب تک ہمارے لئے شمع ہدایت نہیں۔ کیا دوسروں کی روش پر چلنے والوں نے کوئی ترقی بھی کر کے دکھائی۔

ہماری یہ کتنی بدنصیبی ہے کہ ہم اپنی جہالت کیوجہ سے اس سرچشمۂ ہدایت کے فیض سے محروم ہیں ہم کو اتنا بھی تو علم نہیں کہ اس ہدایت نامہ میں ہماری فلاح و بہبودی کے لئے کتنے ایسے اشارات اور ہدایات موجود ہیں جو ہماری صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم قرآن مجید کی آبیاری سے سیراب ہوتے ہم دنیا میں اسطرح بھٹکے ہوئے اور گمراہ پھر رہے ہیں کہ ہمیں کوئی راستہ بتلانے والا ہی نہیں۔

کبھی ہم اس بات پر غور کر کے دیکھیں تو سہی کہ شعار اسلامی کی کون سی بات ہم میں باقی ہے۔ شادی غمی کی سب رسوم ہم نے ہندوؤں سے سیکھ لیں۔ صرف رسم نکاح اور تکفین و تدفین اسلامی طریقے پر ہیں۔ ہم نے اکثر جگہ نہ صرف رواج کے قانون کو اپنی اسلامی شریعت پر ترجیح دی بلکہ اکثر مسلمان بیوائیں نکاح ثانی کا نام تک نہیں لے سکتیں۔ اسلام نے بت شکنی کی مگر ہم نے قبر پرستی اختیار کی۔ زمانۂ جاہلیت کے اوہام اسلام نے آکر دور کئے مگر ہم ہندوستان میں آکر اوہام کی دلدل میں ایسے پھنسے کہ باہر نکلنا بھی چاہیں تو نکل نہیں سکتے۔

اسلام کسی فضول خرچی کو جائز نہیں رکھتا۔ لیکن ہم نے اپنی ہمسایہ قوم کی دیکھا دیکھی اپنے تہواروں کو اسراف کا سرچشمہ بنا لیا۔ شب برات دیوالی بنی اور محرم دسہرہ بن گیا۔ عیدین کے اجتماع اسلام کی ظاہری شان ضرور دکھاتے ہیں۔ مگر مسلمان خواتین اپنے دل میں غور کریں کہ ان موقعوں پر کس قدر اسراف کو جائز رکھا جاتا ہے۔ مرنے کی رسوم اور فاتحہ

دلواتے وقت بھی اکثر مسلمان خواتین کا یہ عقیدہ ہے کہ جس چیز پر فاتحہ دلوایا جائے وہ مردے کو پہونچتی ہے یہ عقیدہ ہندوؤں سے لیا گیا ہے ورنہ مسلمانوں کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا یا ارشاد ہے کہ تمہاری قربانی کے گوشت اور خون ہم تک نہیں پہنچتے۔

دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانو تمہارے پاس اللہ کی طرف سے قرآن جیسی بیش بہا چیز تمہاری ہدایت کے لئے آچکی ہے اور اس میں تم کو سب کچھ تبلایا اور سمجھایا جاچکا ہے اس کے بعد بھی تم دوسروں کی خواہشوں پر چلوگے تو پھر نہ تمہارا کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار اور نہ اللہ کی طرف سے تمہاری کوئی مدد کی جائے گی۔

مسلمان خواتین اس مضمون کو غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہ دوسروں کی تقلید کرنے کے بارے میں اللہ کے کیا احکام ہیں اور ان سے سرتابی کیا معنی رکھتی ہے۔

محمد اکرام

میری دُعا

الٰہی سیم و زر کے زیوروں سے مجھکو نفرت ہے
دمک جو زیوروں میں ہے جھلک ہے بیوفائی کی
میرے دل کو ہے مرغوب زیور دردمندی کا
نہ ہو جائے نظر یارب مری محدود آرائش
نہیں درکار مجھکو یا الٰہی چھوکے بالی
مجھے توفیق دے ماباپ کی خدمت گذاری کی
ملے ہاتھوں کو زیور یا الٰہی دستکاری کا
الٰہی غمگساری کا اثر دے شیر مادر میں
میرے ماتھے پہ ٹیکا باعث خلجان ہے یکسر
مجھے علم و ہنر کے قیمتی گہنے عنایت کر
الٰہی شمع دانش خانۂ دل میں فروزاں کر
تری رحمت کی چوکھٹ پر جھکاتے ہیں جبینوں کو

میرا گہنا حیا داری مری پوشاک عصمت ہو
چمک آئینۂ دل میں ہو مرے دل فگاری کی
مجھے لاحق نہ ہو یارب مرض زیور پسندی کا
میرے آنچل کے سایہ کو بنادے ظل آسائش
حیا کے موتیوں سے کاش بھر دے دامن خالی
مجھے ہمت عطا کر بھائیوں پر جان نثاری کی
میرے ذہن رسا کو دے سلیقہ خانہ داری کا
فضا امن و اماں کی کاش پیدا ہو مرے گھر میں
مگر میں مانگتی ہوں تجھ سے یارب عقل کا جھومر
میسر مجھکو اے ستار پوشاک شرافت کر
چراغ عقل کو ظلمت کدوں میں نور افشاں کر
الٰہی ڈھانپ لے دامن میں ہم پردہ نشینوں کو

([illegible])

زبان خلق

ہمارے مکرم مولوی عبدالماجد صاحب دریاآبادی اڈیٹر صدق تحریر فرماتے ہیں۔

رسالہ انیس نسواں آپ ماشاءاللہ خوب نکال رہے ہیں مسلمان گھروں میں مشرقی خاندانوں میں جانے کے قابل ہے۔ فتنہ کے زمانہ میں ایسے اصلاحی رسالہ کا نکالنا بجائے خود ایک جہاد ہے ورنہ تجارتی کامیابی کی راہ تو یہ تھی کہ آپ بھی بے تحاشا اور بے تکلف فلمی فسانے۔ ادب لطیف کے نمونے اور ایکٹریسوں کی نیم برہنہ تصاویر چھاپنی شروع کردیتے۔

سورۃ النساء کی عام فہم و شستہ تشریح بھی آپ بہت خوب کر رہے ہیں جزاک اللہ مفصل تبصرہ صدق کی کسی آیندہ اشاعت میں کروں گا۔

اشارات

ہم نہایت مسرت سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ایک معزز مسلمان بزرگ جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے ان حاجتمند دیندار مسلمان سنی المذہب لڑکیوں کو جو کسی اسلامیہ ہائی سکول یا کسی کالج کے بورڈنگ ہاوس میں رہ کر اپنی تعلیم کی تکمیل کرنا چاہیں ان کو وظائف دینے پر آمادہ ہیں وظائف کی مستحق وہی لڑکیاں سمجھی جائینگی جو خوب محنت کرکے اپنے امتحانات پاس کرنے کی کوشش کریں۔ درخواستوں میں جملہ حالات مفصل ہوں اور رسالہ انیس نسواں کے دفتر میں بھیجی جائیں۔ لفافے پر "وظیفہ" کا لفظ لکھدیا جائے تاکہ بند لفافے بجنسہ معطی صاحب کی خدمت میں بھیجدیئے جائیں۔

ہم محترمہ بیگم زاہد قریشی صاحبہ کے شکرگزار ہیں کہ وہ انیس نسواں کی توسیع اشاعت میں بہت دلچسپی لے رہی ہیں اور ہر ممکن کوشش رسالے کی اشاعت کے لئے فرما رہی ہیں۔ خدا آپ کی مساعی کو مشکور فرمائے اور جزائے خیر دے۔

ملکہ معظمہ کا پیام قلمرو برطانیہ کی تمام خواتین کے نام شائع ہوا ہے۔ کہ آپ ان سب خواتین کی شکر گزار ہیں جو جنگ کی وجہ سے مصیبتیں اُٹھا رہی ہیں اور ہر طرح سے اپنی پر خلوص امداد بہم پہنچا رہی ہیں۔ جن خواتین کے شوہر اپنے خاص خاص کاموں کی وجہ سے اُن سے علیحدہ ہو چکے ہیں اور جن کے بچے تخلیۂ لندن کی وجہ سے اپنی ماؤں سے جدا ہو گئے ہیں۔ میں اُن سب کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتی ہوں۔ تمام ممالک کی خواتین اس دن کی متمنی ہیں جبکہ ایک نئی اور با امن دنیا کی تعمیر ہو گی۔ ہم سب کو اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ اور میں جانتی ہوں کہ آپ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کریں گی۔ وہ دن دور نہیں کہ بنی نوع انسان کو ایک امن چین اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملیگا۔ ہم اس خدائے برتر پر بھروسہ رکھتے ہیں جو ہر مصیبت میں ہمارا رفیق اور مددگار ہے دعا ہے کہ خدا کی رحمتیں آپ پر نازل ہوں۔

دہلی میں حضور وائسرائے کی بڑی صاحبزادی کی شادی لفٹنٹ ساؤتھ بی کے ہمراہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سرانجام پائی اس تقریب پر دہلی کے پانچہزار ہندو مسلمان غربا کو کھانا بھی کھلایا گیا

علی گڑھ سے معلوم ہوا کہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس اس سال بڑے دن کی تعطیل میں کلکتہ میں ہوگا۔ سُنا ہے کہ بڑے بڑے ماہرین تعلیم کو اس مرتبہ دعوت دیگئی ہے

کیا مسلم خواتین نے کبھی اس بات کی ضرورت کو محسوس کیا کہ آل انڈیا مسلم لیڈیز ایجوکیشنل کانفرنس کو انہیں پھر زندہ کرنا چاہیئے؟

ہماری رائے میں ہر صوبہ میں مسلم خواتین کو ایک تعلیمی کانفرنس کی بنیاد رکھنی چاہیئے جو ہر سال صوبہ کی تعلیم نسواں کی ضروریات پر غور کیا کرے۔ اس کی ابتدا صوبہ دہلی کی مسلم خواتین کو جلد سے جلد کرنی چاہیئے تاکہ اس مثال کی تقلید شروع ہو جائے۔

صوبہ سرحد میں بھی جہیز کے رسم و رواج کے کم کرنے کیلئے ایک قانون پاس ہوا ہے جسکی رو سے آیندہ پچاس آدمیوں کی ایک پنچایت مقرر کیا کریگی کہ شادی کے موقع پر کسقدر روپیہ صرف ہونا چاہیئے۔ منگنی سے لیکر شادی کے دو سال بعد تک جہیز کی مالیت ایکہزار روپے سے زیادہ نہ ہو گی اس کے بعد تین برس تک تحفہ تحائف کی مالیت ایک سو روپیہ سے زائد نہ ہوگی اس کے بعد پچاس روپے۔ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو ایکماہ کی قید اور ایکہزار روپے تک جرمانہ کی سزا ہوگی مگر عورتوں کو سزائے قید نہ ہوگی۔